مفردات القرآن (اردو)

www.KitaboSunnat.com

مصنف

امام راغب اصفہانی

ترجمہ و حواشی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ فیروزپوری

شیخ شمس الحق

۴۴۰ کشمیر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام
محدث لائبریری
کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

مکمل مفردات القرآن (اردو)

تصنیف

امام راغب اصفہانی

ترجمہ و حواشی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہٗ فیروزپوری

جلد اوّل

شیخ شمس الحق

۲۳۸ کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : مفردات القرآن
نام مؤلف : امام راغب اصفہانی
نام مترجم : حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدہ صاحب
طابع وناشر : شیخ شمس الحق
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز
تاریخ اشاعت : جون ۱۹۸۷ء
قیمت :

واحد تقسیم کار
اسلامی اکادمی
اردو بازار، لاہور

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 15107

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا قرآن پاک نوعِ انسانی کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور یہ اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے انسانی عقل و فکر کے لئے ہر دور میں رہنما بن سکتا ہے اس کے مضامین کی وسعت اور ہمہ گیر تعلیمات کا تقاضا یہ تھا کہ اسے اس زبان میں نازل کیا جاتا جو اس وسعت کی متحمل ہو سکے اور اس کے اعجاز بیان کو اپنے اندر سمو سکے۔

یہ ادعا نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ یہ وسعت صرف عربی زبان میں پائی جاتی ہے فصاحت و بلاغت کے جو نادر وے اس زبان میں پنہاں ہیں دوسری سامی اور ایریائی زبانوں کا دامن ان سے یکسر تہی ہے اشتقاقات اور مترادفات کی جو فراوانی عربی زبان میں پائی جاتی ہے کسی دوسری زبان کو میسر نہیں محسنات بدیعہ کے خدوخال اور آثار جو اس کے چہرے پر نمایاں ہیں۔ دوسری زبانیں ان سے عاری نظر آتی ہیں الغرض عربی زبان ہی وہ زبان ہے جو ہر قسم کی لفظی اور معنوی خوبیوں سے آراستہ پیراستہ ہے اور دوسری زبانوں پر فائق نظر آتی ہے۔

اسکی دلیل بھی ہے کہ عربی زبان میں جس قدر ضخیم قوامیس و معاجم لکھے گئے ہیں دوسری زبانوں میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا ان معاجم کے ملاحظہ سے عربی زبان کی فراخ دامانی اور جامعیت بخوبی سمجھ آسکتی ہے صحاح جوہری[1] کو دیکھئے کہ وہ چالیس ہزار مواد (ROOTS) پر مشتمل ہے قاموس فیروز آبادی[2] میں ساٹھ ہزار مواد مذکور ہیں لسان العرب میں ابن منظور افریقی[3] نے اسی ہزار مواد سے بحث کی ہے ان کے بعد تاج العروس شرح قاموس ملاحظہ فرمایئے جس میں سید مرتضیٰ زبیدی[4] نے

---

[1] اسماعیل بن حماد الجوہری اللغوی ۳۳۲ھ یا ۳۹۳ھ [2] القاموس المحیط والقابوس الوسیط فیما ذہب من کلام العرب شماطیط۔ لمجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب بن محمد الشیرازی الفیروز آبادی (۷۲۹ھ ۸۱۶ھ) [3] ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری۔۔۔ (۶۳۰ھ ۷۱۱ھ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے متبع سے ایک لاکھ بیس ہزار مادے جمع کر ڈالے ہیں[1]۔

ان تصریحات کے پیش نظر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قرآن پاک ایسی جامع کتاب کو، جو ابدی حقائق پر مشتمل ہے عربی زبان میں ہی نازل ہونا چاہیئے تھا اور یہی زبان ایسی تھی جو لسانِ وحی کی ترجمان بن سکتی تھی[2]۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عرب محض اہل زبان ہونے کی بنا پر قرآن کے اجمال و تفصیل سے کما حقہٗ آگاہ ہو جاتے تھے اور اس کے مفہوم و معنی کی تہ تک پہنچ جاتے تھے جیسا کہ ابن خلدون اور ان کے بالتبع بعض دوسرے مؤلفین نے اس قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے[3] کیونکہ ایسی بات کہنا کسی قوم یا معاشرے کے احوال طبعی سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے موجودہ دور ہی کو لیجئے کہ کسی زبان میں جو علمی کتابیں تالیف کی جا رہی ہیں کیا اس زبان کے جاننے اور بولنے والے محض اہل زبان ہونے کی بنا پر ان کتابوں کو سمجھ رہے ہیں جب یہ واقعہ ہے کہ ان کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے معرفت لسانی کے علاوہ خاص درجہ کی ذہنی اور عقلی صلاحیتوں کی ضرورت ہے تو ہم یہ کیسے باور کر سکتے ہیں کہ نزول قرآن کے زمانہ میں جو عام اہل عرب یا صحابہ کرام موجود تھے محض عربی ہونے کی بنا پر خود ہی قرآن سمجھ لیتے تھے اور انہیں کسی معلم یا رہنما کی طرف مراجعت کی ضرورت نہ تھی۔

مزید برآں ہم صحابہؓ میں سے اہل علم حضرات کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کے بعض الفاظ کے معنی کے ادراک سے عجز کا اظہار فرمایا ہے علامہ سیوطیؒ الاتقان میں لکھتے ہیں:۔

حضرت عمرؓ نے آیت کریمہ: "وَفَاكِهَةً وَأَبًّا" میں "أَبًّا" کے معنی سمجھنے سے عجز کا اعتراف کیا ہے[4]

نیز منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر آیت کریمہ، "أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ" تلاوت فرمائی اور حاضرین سے "تخوف" کے معنی دریافت فرمائے اس پر بنی ہذیل سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا "اس آیت میں "تخوف" بمعنی "تنقص" ہے اور اس پر یہ شاہد پیش کیا[5]۔

تخوف الرحل منها تامکا قردا   کما تخوف عود النبعة السفن

حضرت ابن عباسؓ ترجمان القرآن کے لقب سے معروف ہیں مگر مجاہد راوی ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ" کا صحیح مفہوم میرے ذہن میں نہیں آرہا تھا حتی کہ دو اعرابی ایک کنویں کے متعلق نزاع میرے پاس لائے ان میں سے ایک نے اپنے حق ملکیت کے ثبوت میں کہا: "انا فطرتها" کہ اس کنویں کو پہلی مرتبہ میں نے کھودا ہے یہ کلمہ سن کر میری مشکل حل ہو گئی اور فاطر السموٰت کا صحیح مفہوم میں نے سمجھ لیا۔

صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں عدی بن حاتم کا قصہ مشہور ہے جو دلچسپ بھی ہے یعنی کہ جب آیت کریمہ "حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" (بقرہ: ۱۸۷) نازل ہوئی تو عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے سیاہ اور سفید دو دھاگے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے کہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آنے لگیں گے تو کھانا پینا بند کر دوں گا آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔

---

[1] محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی الزبیدی الملقب بمرتضیٰ (۱۱۴۵ - ۱۲۰۵ھ) [2] راجع شرح دیباجہ القاموس للعلامہ طاہر الجونی ص ۲۶

[3] راجع الفیض الخبیر علی نہج التیسیر ص ۳۲ - ۳۴ بحوالہ ترجمہ قرآن [4] ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ص ۴۸۰

[5] ج ۲ ص ۱۱۳ والموافقات بحوالہ اسماعیل [6] الموافقات ج ۲ ص ۸۴ - ۸۸ [7] صحیح بخاری مع الفتح ۸ : ۱۳۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إنك لعريض القفا إنما هي سواد الليل وبياض النهار

کہ .... اس سے مراد تو صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی ہے[1]

مندرجہ بالا سطور سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کو بعض مفرد اور مرکب کلمات کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی تھی ورنہ وہ آنحضرت یا اپنے رفقاء میں سے کسی دوسرے سے دریافت کرتے تھے اور قرآن فہمی میں سب یکساں صلاحیتوں کے مالک نہ تھے ابن قتیبہ لکھتے ہیں :۔

عرب قرآن فہمی میں مساوی درجہ پر نہ تھے کہ ان میں سے ہر ایک قرآن کے غریب اور متشابہات کا ادراک کر لیتا ہو بلکہ وہ مختلف مدارج کے حامل تھے

اسی طرح مسروق کا بیان ہے :۔

میں صحابہ کرام کی مجالس میں بیٹھتا رہا اور ان سے مستفید بھی ہوتا رہا میں نے دیکھا کہ صحابہؓ کی مثال پانی کے جوہڑ کی ہے بعض جوہڑ وہ ہیں جو پورے علاقہ کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں اور بعض چھوٹے ہیں جن سے بمشکل ایک آدمی سیر ہو سکتے ہیں۔

اس مختصر تمہید سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ صحابہؓ محض اہل زبان ہونے کی بنا پر قرآن کے ہر مقام کو نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کو آنحضرت کی طرف رجوع کی ضرورت تھی اور یہ کہ علم و فضل میں سب صحابہ مساوی صلاحیتوں کے مالک نہ تھے بلکہ طبعی اور فطری طور پر ان میں بھی تفاوت درجات موجود تھا اس کے بعد اب ہم ان وسائل و مصادر سے بحث کرتے ہیں جو دور صحابہ میں موجود تھے جن سے بے نیازی دراصل تفسیر بالرائے کا دروازہ کھولتی ہے۔

تتبع اور جستجو سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں قرآن فہمی کے چار ذرائع تھے جن سے صحابہ و تابعین مستفید ہوتے رہے اور آج بھی ان ذرائع کی وہی حیثیت حاصل ہے جو اس دور میں سمجھی جاتی تھی۔

(۱) قرآن کریم (۲) احادیث نبویہ (۳) اسرائیلیات (۴) آثار صحابہؓ

(۱) قرآن کریم نے اپنے اسلوب بیان میں اگر ایک مقام پر اجمال سے کام لیا ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل بھی فرما دی ہے اور بعض آیات میں اگر اطلاق یا عموم پایا جاتا ہے تو دوسرے مقامات پر ان کی تقیید و تخصیص بھی موجود ہے اس بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ بقول "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" لازم ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے پہلے قرآن ہی کا مطالعہ کیا جائے جس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک موضوع سے متعلقہ آیات کو یکجا کر کے مجموعی حیثیت سے ان پر غور کیا جائے علمائے تفسیر نے اس طریق تفسیر کو سب سے مقدم اور بہتر قرار دیا ہے حافظ ابن کثیرؒ اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ قرآن فہمی کے لئے سب سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔[2]

اس سلسلہ میں اختلاف قراءت کو بھی ایک اہم مرجع کی حیثیت حاصل رہی ہے صحابہ کرام اور تابعینؒ بعض آیات کو سمجھنے کے لئے اختلاف قراءت سے بھی استفادہ کرتے تھے خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعبؓ کی قراءت بہت زیادہ

---

[1] المسائل والاجوبہ ص ۸ طبع سعادت مصر ۱۳۴۹ھ [2] تفسیر ابن کثیر ص ۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہمیت کی حامل ہیں حضرت مجاہدؒ بیان فرماتے ہیں :-

اگر میں حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت کو اختیار کرتا تو میرے بہت سے سوال ابن عباسؓ سے استفسار کے بغیر ہی حل ہو جاتے۔[1]

بلکہ بعض علماء نے تفسیر کے ارتقاء اور اس کے مدارج کے سلسلہ میں اختلاف قراءت کو پہلا زینہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ تدوین تفسیر میں یہ پہلی کوشش تھی جسے صحابہؓ اور تابعینؒ نے اختیار کیا، مگر اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ قراءت متواترہ تو نصوص کی حیثیت رکھتی ہیں ہاں قراءت غیر متواترہ کو تفسیر کی حیثیت دے سکتے ہیں۔

مستشرقین نے اختلاف قراءت کو غلط رنگ دے کر اس سے غلط نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے یعنی یہ کہ مسلمانوں نے قراءات کے قبول کرنے میں تساہل سے کام لیا حالانکہ نصوص قرآن کا ایک ہی شکل پر ہونا ضروری تھا اور یہ کہ ان قراءات کے موجد صحابہؓ کرام ہیں مگر یہ تعصب کی ہرزہ سرائی ہے۔ اگر یہ لوگ قراءت کی صحت اور اس کی مقبولیت کے شرائط پر غور کر لیتے تو کبھی بھی صحابہؓ کی طرف تساہل کی نسبت نہ کرتے۔

"تفسیر القرآن بالقرآن" کے طرز پر علماء نے تفاسیر بھی لکھی ہیں ان میں سے ایک تفسیر امام راغب کی طرف بھی منسوب ہے جس کے متعلق حاجی خلیفہ لکھتے ہیں :-

"وطریقتہ انہ اورد جملاً من الآیات ثم فسرها تفسیراً مشبعاً"

متأخرین میں سے حافظ ابن کثیرؒ نے خصوصیت کے ساتھ اس طرز تفسیر کا اعتناء کیا ہے اور نہایت سہولت سے اسے اپنایا ہے حتی کہ علماء نے ان کی تفسیر کو "تفسیر القرآن بالقرآن" کا منبع قرار دیا ہے ان کی یہ تفسیر نہایت صحیح اور قابل اعتماد تفاسیر میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ سلفؒ کے مسلک کے مطابق لکھی گئی ہے اس لئے راقم کو اس تفسیر سے خصوصی شغف ہے اور تفسیری حواشی "اشرف الفوائد" میں خاص طور پر اس کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا امرتسری مرحوم نے بھی "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" کے نام سے عربی زبان میں نہایت اہم تفسیر تالیف کی ہے جو گو مختصر ہے لیکن قابل قدر ہے "تبویب القرآن" وغیرہ بھی اسی قسم میں داخل ہو سکتی ہیں۔

(۲) تفسیر قرآن کے سلسلہ میں سنت نبوی کو دوسرے مرجع کی حیثیت حاصل رہی ہے اور ائمہ نے سنت کو قرآن کے شارح کی حیثیت سے قبول کیا ہے آیت کریمہ (نحل آیت ۴۴) "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس" سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت پر وحی کی تبلیغ کے علاوہ اس کی تبیین بھی لازم تھی علماء نے احادیث کو مدون کر کے اس تبیین (تفسیر نبوی) کو محفوظ کر دیا ہے علمائے بدعت نے اس تفسیر کو رد کر کے گویا ایک طرف تو تفسیر بالرای کا دروازہ کھول دیا ہے اور دوسری طرف سنت کی حجیت کے انکار کی بھی طرح ڈالدی ہے محققین علماء نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے سنت کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور قرآن فہمی کے لئے اس کو لازم قرار دیا ہے چنانچہ امام شافعیؒ "الرسالہ" لکھتے ہیں :-

آنحضرت نے جو فیصلہ بھی صادر فرمایا ہے وہ قرآن ہی سے سمجھ کر صادر فرمایا ہے[2]

امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہؒ نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات درج کی ہیں یہاں پر ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ سنت قرآن کی شارح ہے اور قرآن فہمی کے لئے قرآن کے بعد سنت کی طرف رجوع ضروری ہے۔ چنانچہ

---

[1] المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن ص ۱   [2] الرسالہ رقم ۳۰۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سنت قرآن کی شارح ہے[1]۔

خصوصاً قرآن میں جس قدر آیات احکام ہیں ان کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں تو سنت سے بے اعتنائی ناممکن ہے مثلاً نمازوں کی تعداد ان کا طریق ادا، احکام نکاح و طلاق اور بیوع وغیرہا معاملات وہ ہیں کہ ان کا بیان سنت ہی سے مل سکتا ہے

ابن جریر طبری اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

جہاں تک قرآن میں احکام کا ذکر ہے وہ سنت کی روشنی میں ہی سمجھے جا سکتے ہیں لہٰذا تفسیر قرآن کے لئے سنت کی طرف رجوع ناگریز ہے[2]

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں پر ایک بہت بڑا اشکال لازم آتا ہے کہ تفسیری روایات اگر مستند اور قابل اعتنا ہوتیں تو امام احمد بن حنبل جیسے محدث یہ نہ فرماتے[3] :۔

ثلاثة ليس لها اصل التفسير والملاحم والمغازی

کہ تین قسم کی کتابیں یا روایات بالکل بے بنیاد ہیں یعنی تفسیر ملاحم اور مغازی۔ مگر خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ اس قول سے امام احمد بن حنبل کے پیش نظر خاص قسم کی روایات یا کتابیں ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :۔

اما كتب التفسير فمن اشهرها كتابا الكلبی و مقاتل بن سليمان وقد قال احمدؒ فی تفسير الكلبی من اوله الی اخره كذب۔

ورنہ تو امام احمدؒ بن حنبل نے تفسیری روایات پر مشتمل ایک صحیفہ کی خود تحسین فرمائی ہے اور اسکے حصول کی ترغیب دی ہے[4]۔

ایک اہم بحث

بعض علمائے تفسیر مرفوع تفسیر کو تو حجت مانتے ہیں بشرطیکہ صحت کے ساتھ ثابت ہو مگر ان کا کہنا ہے کہ اس نوع کی تفسیر نہایت قلیل ہے اور اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے احتجاج کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں[5] :۔

لم يكن النبی صلی الله عليه وسلم يفسر شيئاً من القرآن الا آيات تعد علمهن اياه جبرئيل

اسی طرح امام سیوطیؒ اس موضوع پر بحث کے دوران میں لکھتے ہیں :۔

الذی صح من ذالك قليل جداً بل اصل المرفوع منه فی غاية القلة[6]

یعنی حقیقتاً مرفوع تفسیر تو نہ ہونے کے برابر ہے اس لئے قرآن کی تفسیر میں حدیث کو مستقل رکن کی حیثیت دینا اور ہر آیت کی تفسیر میں احادیث مناسبہ کو پیش کرنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر آیات قرآنیہ اور دلائل سے جو آگے آرہے ہیں ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت نے جس طرح صحابہؓ کے سامنے پورے قرآن کی تلاوت فرمائی ہے اسی طرح ان کے سامنے قرآن کے مطالب و معانی بھی بیان کئے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ سورہ نحل (آیت ۴۴) میں قرآن کی تبیین کو آنحضرت کے فرائض سے قرار دیا ہے امام ابن تیمیہؒ اور ان کے باتبع دوسرے علماء کا بھی یہی رجحان ہے[7]۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی (عبد اللہ بن حبیب تابعی ۷۴ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ، عبد اللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ۔ جو

---

[1] مقدمہ تفسیر ص ۴ [2] ج ۱ ص ۳۳ [3] موضوعات ملا علی قاری ص ۹۵ [4] الفوز الکبیر دہلوی [5] القرطبی ج ۱ ص ۱۲ طبری ص ۱۴ [6] الاتقان ج ۲ ص ۱۹۱

[7] دیکھئے رسالہ اصول تفسیر لابن تیمیہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے ـــــــ کا بیان ہے کہ جب ہم آنحضرت سے دس آیات کی تعلیم حاصل کر لیتے تو جب تک ان کے معنی و مفہوم کو پوری طرح ذہن نشین نہ کر لیتے اور پھر عملی طور پر اپنا نہ لیتے ان سے تجاوز نہ کرتے چنانچہ صحابہ کرام کا بیان ہے۔ ہم نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی سیکھا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام ایک ہی سورہ کے حفظ میں سالہا سال لگے رہتے تھے مؤطا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے[1]

انہ اقام علی حفظ البقرہ ثمان سنوات

کہ انہوں نے سورہ بقرہ کے حفظ میں پورے آٹھ برس صرف کر دیئے۔

اور حضرت عمرؓ نے دس برس کی مدت میں یہ سورہ ختم کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض قرآن کی قرأت یا تجوید نہ تھی بلکہ اس کے مطالب پر عبور اور عمل بھی اس میں شامل تھا۔

اور اس بات کو ہم عادۃً باور بھی نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص مثلاً حساب کی کوئی کتاب تو پڑھے مگر اس کی تشریح حاصل نہ کرے اور پھر قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کا بغیر معنی سمجھنے کے پڑھنا آج کل کے عجمی مسلمانوں سے تو ہو سکتا ہے مگر صحابہ کرام کے متعلق اس قسم کا تصور بھی بعید ہے خصوصاً جب کہ وہ تعلیم کے ساتھ اس کی عملی تطبیق بھی حاصل کرنے پر حریص بھی تھے۔

جو لوگ مرفوع تفسیر کے نہایت قلیل ہونے کے قائل ہیں ان کا حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت سے استدلال نہایت ہی مضحکہ خیز ہے اولاً تو حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہی غریب اور منکر ہے اس کی سند میں ایک راوی محمد بن جعفر زبیدی ہے جس پر امام بخاری اور دیگر ائمہ رجال نے جرح کی ہے خود امام طبری ان کے متعلق لکھتے ہیں :-

انہ ممن لا یعرف فی اھل الآثار

اور پھر یہ روایت واقعات کے بھی خلاف ہے اور بشرط صحت اس میں تاویل کی گنجائش ہے یعنی حضرت عائشہ کی مراد قرآن کی تفسیر کا وہ حصہ ہو جس کا تعلق مغیبات سے ہے مثلاً قیامت کے وقت کا علم وغیرہ جس کی تعیین کا اظہار مشیت الٰہی کے خلاف تھا جیسا کہ آنحضرت نے جبریلؑ کے جواب میں "ما المسئول عنھا باعلم من السائل" کے جملہ سے اس کی وضاحت فرما دی ہے نیز امام طبریؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں[2]

تفسیر چار قسم پر ہے ایک قسم تو وہ ہے جسے عرب اپنے محاورات کی روشنی میں سمجھ لیتے اس نوع کی تفسیر کے بیان کی ضرورت نہ تھی...... تیسری قسم تفسیر کی وہ ہے جسے علماء ہی جان سکتے ہیں (جیسے متشابہات) اور چوتھی قسم وہ ہے جو علم الٰہی کے ساتھ خاص ہے اور انسان اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔

الغرض قرآن کی تفسیر و تشریح بھی آنحضرت نے فرمائی ہے جو کہ کتب احادیث و سنن میں محفوظ ہے اسی بنا پر علماء نے قرآن و سنت کو لازم ملزوم قرار دیا ہے اور سنت کو بھی وحی کا حصہ قرار دیا ہے امام اوزاعی، حسان بن عطیہ سے بیان کرتے ہیں:-[3]

آنحضرت پر قرآن کی وحی نازل ہوتی پھر حضرت جبریلؑ قرآن کی تفسیر کے لئے آنحضرت کی خدمت میں سنت لے کر حاضر ہوتے۔

---

[1] ابن کثیر ص ۳ [2] الموطا ج ۲ ص ۲۰۵ [3] مراسیل ابی داؤد، قرطبی ج ۱ ص ۳۹ ۔ ۳۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی امام اوزاعی مکحول سے روایت کرتے ہیں :۔

القرآن احوج الی السنۃ من السنۃ الی القرآن۔

کہ قرآن اپنی تشریحات کیلئے جس قدر سنت کا محتاج ہے سنت کے مطالب کی وضاحت کے لئے قرآن کی ضرورت نہیں ہے خود آنحضرتؐ نے "اَلَا اِنِّی اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَ مِثْلَهٗ" فرما کر سنت کے اصل مقام کی وضاحت فرمادی ہے کہ سنت میں مزید احکام بھی ہیں جو قرآن میں بطور نص مذکور نہیں ہیں[1]

۳۔ اقوال صحابہ صحابہ کرامؓ جاہلی عرب اہل کتاب کے عادات و اطوار اور لغت عرب کے اوضاع و اسرار سے بخوبی واقف تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن احوال و ظروف میں قرآن نازل ہو رہا تھا وہ انکی نظروں کے سامنے تھے پھر ان کے اذہان بھی صاف ستھرے اور گردوپیش کی آلائشوں سے منزہ تھے ان جملہ وجوہات کی بنا پر حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

صحابہ کرامؓ قرائن و احوال سے آگاہ ہونے کی بنا پر قرآن ہم سے زیادہ سمجھتے تھے ان کو اللہ تعالٰی نے عقل و فہم علم صحیح اور عمل صالح سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

اس بنا پر علمائے تفسیر نے قرآن و سنت کے بعد اقوال و آثار صحابہؓ کو تیسرے درجہ پر رکھا ہے ان کے اقوال کی بنیاد تین چیزوں پر تھی :۔

۱۔ اسباب نزول کی معرفت

۲۔ توراۃ و انجیل (اسرائیلیات)

۳۔ اوضاع لغت کی معرفت۔

اب ہم ان تینوں کی تفسیری حیثیت سے بحث کرتے ہیں تاکہ ان سے استفادہ میں غلو سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی ان پر کلی طور پر اعتماد کر کے قطعیت کا حکم لگایا جائے۔

۱۔ اسباب نزول قرآن پاک تدریجاً بحسب الحوائج نازل ہوا ہے اس کا اکثر حصہ تو وہ ہے جو ابتداءً موعظت و عبرت یا تشریعی احکام کے لئے نازل ہوا ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جو کسی حادثہ یا سوال کے جواب میں اترا ہے علماء نے ان حوادث یا سوالات کو "اسباب نزول" سے تعبیر کیا ہے[2]۔

اسباب نزول کی معرفت سے چونکہ آیت کا پس منظر سمجھ آتا ہے اس لئے علم تفسیر میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے اور علماء نے علوم تفسیر پر جو کتابیں تالیف کی ہیں ان میں اسباب نزول کے عنوان کو مستقل جگہ دی ہے بلکہ اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تالیف کی ہیں علامہ سیوطی لکھتے ہیں :۔

افردہ بالتصنیف جماعۃ اقدمھم علی بن المدینی شیخ البخاریؒ

کہ علماء کی ایک جماعت نے اس پر مستقل تالیفات لکھی ہیں اور اس باب میں سب سے پہلی تالیف علی بن المدینیؒ کی ہے جو امام بخاریؒ کے شیخ ہیں[3]

---

[1] قرطبی ص ۲۹ ج ۱ دیکھئے رسالہ امام شافعیؒ [2] مقدمہ التفسیر ص ۳ [3] الاتقان ج ۱ ص ۲۸ ج ۱ ص ۷۸ (القائم کشف الظنون حاجی خلیفہ) [illegible]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فائدہ) امام سیوطیؒ نے بعض دوسری تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ واحدی (ابوالحسین علی بن احمد ۴۶۸ھ) کی تالیف کو مشہور ترین تالیف قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی "معیبۃ اعواز" لکھ کر طنز بھی کر دی ہے اور حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) کی اسباب نزول کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "مات عنہ مسودۃ فلم نقف علیہ کاملاً" صاحب کشف نے اس باب میں ابن الجوزی، محمد بن اسعد العراقی، اور شیخ ابوجعفر مازندرانی کی کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے امام سیوطیؒ خود اپنی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں۔

وَاَلَّفْتُ فیہ کتاباً حافلاً موجزاً محرراً لم یؤلف مثلہ فی ھذا النوع سمیتہ "لباب النقول فی اسباب النزول"

بہرحال "سبب النزول" کی اہمیت کے پیش نظر علماء نے اس کو مستقل فن کی حیثیت دی ہے اور اس پر کتابیں تالیف کی ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ "الفوز الکبیر" میں اس کی معرفت کو "مواضع صعبۃ" سے شمار کیا ہے اور اس فن کے مباحث کو منقح کرنے کی کوشش کی ہے[۱]۔ لہٰذا جن علماء نے اس فن کو تاریخی حیثیت دیکر اس کے "لاطائل" ہونے کا گمان کیا ہے ان کا یہ موقف سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے کذا قال السیوطی فی اتقانہ[۲]

دو گروہ

بعض علماء نے اس فن کی معرفت کو تفسیر قرآن کا موقوف علیہ قرار دیا ہے چنانچہ علامہ واحدی اپنے "اسباب" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

لا یمکن معرفۃ تفسیر الآیۃ دون الوقوف علی قصتھا و بیان نزولھا[۳]

اسی طرح امام سیوطیؒ بھی اپنے "لباب" میں اس فن کی معرفت کے بغیر تفسیر پر اقدام کو حرام قرار دیتے ہیں مگر امام ابن دقیق العید قشیریؒ نے اس فن کی معرفت کو فی الجملہ معاون تسلیم ہے نہ یہ کہ اس کے بغیر تفسیر ہی ممکن نہیں حافظ ابن تیمیہؒ بھی اسی طرف مائل نظر آتے ہیں چنانچہ اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

معرفۃ سبب النزول تعین علی فہم الآیۃ فان العلم بالسبب یورث العلم بالمسبب[۴]

اصل میں صحابہؓ یا تابعینؒ کرام نے جو اسباب نزول بیان فرمائے ہیں وہ دو قسم پر ہیں، اسباب نزول کی ایک قسم تو وہ ہے جس کی طرف آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے مثلاً مغازی یا دوسرے واقعات کہ جب تک تفصیلی واقعات سامنے نہ ہوں متعلقہ آیات میں جو جزئیات مختصراً مذکور ہیں وہ صحیح طور پر ذہن نشین نہیں ہوتیں اس قسم کے اسباب نزول کے متعلق واقعی کہا جا سکتا ہے کہ ایک مفسر قرآن کو ان کا جاننا لازم ہے جیسا کہ علامہ واحدی نے تصریح کی ہے لیکن دوسری قسم اسباب نزول کی وہ ہے جسے صحابہؓ یا تابعینؒ کسی آیت کے تحت "نزلت فی کذا" یا "انزل اللہ قولہ کذا" کے الفاظ سے ذکر کر دیتے ہیں اس قسم کے واقعات کسی مناسبت سے محول آیات کے تحت ذکر کر دیئے جاتے ہیں۔ ورنہ آیت کے مفہوم کی وضاحت کے سلسلہ میں اس واقعہ کے بیان کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

وقد ذکر القدماء المفسرون تلک الحادثۃ بقصد الاحاطۃ بالآثار المناسبۃ للآیۃ او بقصد بیان ما صدقت علیہ العموم ولیس ھذا القسم من الضروریات ...... وکان غرضھم تصویر ما صدقت علیہ الآیۃ الخ[۵]

پہلی قسم کے اسباب نزول میں چونکہ ان کے اجتہاد کو دخل نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی بنیاد روایت و سماع پر ہوتی تھی اس بنا پر

---

[۱] حاجی خلیفہ ۱/۷۶ [۲] ص ۱۰ [۳] ۲۵ سلفیہ لاہور [۴] الاتقان ص ۲۸، ۱/۲۸ [۵] ص ۳ [۶] الاتقان سیوطی ۱/۴۸ و البرہان للزرکشی ۱/۲۲ [۷] الفوز ص ۴۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء نے بلا اختلاف اس کو حدیث مسند کا درجہ دیا ہے حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

واذا ذکر سببًا نزلت عقبہ فانہم کلھم یدخلون مثل ھذا فی المسند لان مثل ذالک لایقال بالرای[1]

اور دوسری قسم یعنی جب کوئی صحابی نزلت فی کذا کے الفاظ استعمال کرے، اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ بھی قسم اول کی طرح مسند حدیث کے حکم میں ہے یا اس کی بنیاد صحابی کے اجتہاد و رائے پر ہے امام حاکم اپنے علوم الحدیث میں لکھتے ہیں :۔

اذا اخبر الصحابی الذی شھد الوحی والتنزیل عن آیۃ من القرآن" انھا نزلت فی کذا" فانہ حدیث مسند ومشٰی علی ھذا ابن الصلاح وغیرہ[2]

یعنی جب کسی آیت کے متعلق صحابی جس نے وحی و تنزیل کا مشاہدہ کیا ہو یہ بیان کرے کہ یہ آیت فلاں حادثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو ابن الصلاح وغیرہ محدثین کے نزدیک مسند حدیث شمار ہوگی حافظ ابن تیمیہؒ اس میں تفصیل و توزیع کے قائل ہیں یعنی اگر ان الفاظ سے سبب النزول مراد ہے تو تمام کے نزدیک حدیث مسند میں داخل ہے کہ ما مر اور اگر اس سے صحابی کا مقصد یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے گو اس کا سبب نزول نہیں ہے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ بھی مسند حدیث کے حکم میں ہوگا یا نہیں امام بخاریؒ تو اسے اس صحابی کی مسند میں داخل مانتے ہیں مگر امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کو مسانید میں شامل نہیں کیا اکثر علماء حدیث و تفسیر کا میلان امام احمد بن حنبل کے قول کی طرف ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں[3] :۔

قد عرف من عادۃ الصحابۃ والتابعین ان احدھم اذا قال نزلت ھذہ الآیۃ فی کذا فانہ یرید بذالک انھا تتضمن ھذا الحکم لان ھذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس الاستدلال علی الحکم بالآیۃ لا من جنس النقل لما وقع۔

الغرض اسباب نزول کے بیان میں صحابہؓ کے اقوال مبنی بر اجتہاد بھی ہوتے اور بعض اوقات تو خود صحابیؓ کو بھی اپنے بیان پر یقین نہ ہوتا اور وہ "احسب ھذہ الآیۃ نزلت فی کذا" کے الفاظ استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ لہذا اسباب نزول کے بیان کرنے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اور یہ علم صحابہؓ سے سماع و روایت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ علامہ واحدی لکھتے ہیں :۔

لا یحل القول فی اسباب نزول الکتاب الا بالروایۃ والسماع ممن شاھد التنزیل ووقفوا علی الاسباب وبحثوا عن علمھا

سلف تو اسباب نزول کے سلسلہ میں روایت قبول کرنے میں تشدد سے کام لیتے اور جب تک صحت سند کے ساتھ اس کا صحابی سے مروی ہونا ثابت نہ ہو جاتا وہ اسے قابل التفات نہ سمجھتے ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبیدہؓ سے ایک آیت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا[4]

اتق اللہ وقل سدادا ذھب الذین یعلمون فیما انزل القرآن

لیکن ان کے بعد علماء نے تشدد کو ترک کر کے تساہل سے کام لینا شروع کر دیا حتی کہ اس سلسلہ میں کذب بیانی کی بھی کچھ پروا نہ کی گئی علامہ واحدی اسی قسم کے علماء پر اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

---

[1] منہج الفرقان ص ۲۹ [2] ج ۱ ص ۳۱-۳۲ الاتقان ۱/۳۱ [3] الاتقان ۱/۳۱ [4] الاتقان ۱/۳۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واما الیوم فکل احد یخترع شیئاً ویختلق افکاً وکذباً ملقیاً زمامه الی الجهالة غیر منکر فی الوعید للجاهل بسبب الآیة۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ متأخرین نے ہر آیت کے تحت شان نزول بیان کرنے کی کوشش کی اور رطب و یابس سے تفاسیر کو بھر دیا مبالغہ آمیزی اور کذب بیانی کے علاوہ بہت سی تاریخی لغزشوں کا بھی ارتکاب کیا اور امام طبری جیسے مؤرخ بھی ان غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔

لہٰذا اسباب نزول کی روایات پر نقد و نظر کی ضرورت ہے اور جب تک کسی حادثہ کا صحت اسناد سے سبب ہونا ثابت نہ ہو جائے اسے قبول نہ کیا جائے اور پھر آیت کے مفہوم کو سبب نزول کے ساتھ مختص نہ کیا جائے بلکہ آیت کے معنی و مفہوم کو عموم پر رکھا جائے علامہ سیوطی لکھتے ہیں[۱]:۔

اصح یہ ہے کہ نظم قرآن کو عموم پر محمول کیا جائے اور اسباب خاصہ کا اعتبار نہ کیا جائے۔ . . کیونکہ صحابہ کرام پیش آمدہ وقائع کی توضیح میں آیات کے عموم سے استدلال کرتے رہے ہیں گو ان کے اسباب نزول خاص تھے۔

www.KitaboSunnat.com

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسباب نزول دو قسم پر ہیں بعض اسباب تو وہ ہیں جن سے آیت کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے اور جب تک اس واقعہ کو بیان نہ کیا جائے پورے طور آیت کا مفہوم ذہن نشین نہیں ہوتا لیکن اکثر واقعات وہ ہیں جو اسباب نزول کے طور پر علمائے تفسیر نے ذکر کر دیئے ہیں مگر نہ وہ درحقیقت اسباب نزول ہیں اور نہ ہی ان سے صرف نظر کرنے پر آیت کا مفہوم متعین کرنے میں کوئی صعوبت پیش آتی ہے جیسا کہ شاہ صاحب نے الفوز میں تصریح کی ہے۔

روایات اہل کتاب یا اسرائیلیات

قرآن نے بعض مسائل اور واقعات کے بیان میں تورات سے موافقت کی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور ان کے معجزات کے بیان میں انجیل کی تصدیق کی ہے تاہم ان واقعات کے بیان میں کتب سابقہ کے نہج اور اسلوب بیان سے گریز کیا ہے اور قصص کی غیر ضروری جزئیات ترک کر کے صرف ان حصوں کو موضوع بحث بنایا ہے جن کا تعلق عبرت و موعظت سے تھا۔

اس بنا پر بعض مفسرین صحابہ نے ان قصص کی جزئیات معلوم کرنے کے سلسلہ میں مسلمان اہل کتاب علماء کی طرف رجوع کیا اور ان سے روایت بھی لی تاہم نقل و روایت میں حد اعتدال سے تجاوز نہیں کیا اور حدیث "حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج" کے تحت جواز کی حد تک ان سے استفادہ کیا اور وہ بھی صرف ان روایات میں جو قرآن و حدیث اور اسلامی عقائد سے متصادم نہ ہوں[۲]۔

جن صحابہؓ نے اہل کتاب سے روایت نقل کی ہے ان میں سے حضرت ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان کی مرویات سے ہمارے دعویٰ کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں[۳]

اسرائیلی روایات اور تابعین

البتہ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ نے اہل کتاب سے اخذ و روایت میں توسع سے کام لیا چنانچہ تفسیری روایات میں اسرائیلیات کی کثرت اسی دور کی پیداوار ہے جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس دور

---

[۱] الاتقان ۱/۳۱ [۲] مقدمہ اصول تفسیر ابن تیمیہ ص ۲۰ [۳] تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا مقالہ "عدالت صحابہ"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہود و نصاریٰ میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے تھے اور لوگ قصے کہانیاں سننے کے لئے ان کے گرد جمع ہوجاتے تھے اس دور میں مفسرین کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جنہوں نے روایت میں احتیاط سے کام نہ لیا اور رطب و یابس کے بیان کو اپنا مشغلہ بنا لیا ان میں سے مقاتل بن سلیمان (المتوفی ۱۵۰ھ) اور وہب بن منبہ[1] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تابعین کے بعد تو اس شغف علمی نے خاصی ترقی کر لی اور ہر قسم کے خرافات کو تفسیر کے سلسلہ میں روایت کیا جانے لگا۔ حتیٰ کہ دورِ تدوین میں بعض مفسرین نے ان خرافات سے اپنی تفاسیر کو مزین کرنے کی کوشش کی۔

ایک مفسر کا فریضہ

اہل کتاب سے اس کثرت کے ساتھ نقل و روایت دراصل دین میں ایک سازش کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی الفوز میں لکھتے ہیں:۔

ان النقل عن بنی اسرائیل دسیسۃ دخلت فی دیننا[2]

لہٰذا ایک مفسر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس قسم کی روایات کے نقل میں نہایت مستعدی اور بیدار مغزی کا ثبوت دے اور غور و فکر سے ایسے نتائج اخذ کرے جو قرآن کی روح سے ہم آہنگ ہوں اور نقل و روایت میں صرف انہی حصوں پر اکتفاء کرے جو قرآن کے مجمل مقامات کو سمجھنے میں ممد ہوں اور پھر سنت سے بھی ثابت ہوں[3]۔

البتہ جب اس قسم کے خیالات کے بیان میں متقدمین کا اختلاف ہو تو گو ایک شخص مؤلف کی حیثیت سے ان سب کو نقل کر کے ان میں سے صحیح بات کی نشان دہی کر سکتا ہے تاہم بہتر یہ ہے ایسے موقع پر اسرائیلیات کو کلیۃً ترک کر کے قرآن پر تدبر میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے جیسا کہ قرآن نے بعض مقامات پر اس اصول کی طرف رہنمائی کی ہے[4]۔ شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایک نہایت باریک نکتہ ہے جو طالب علم کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے

انہا قد تذکر فی القرآن قصۃ فی موضع الاجمال وفی موضع بالتفصیل .... فیمکن ان یعلم من التفصیل تفسیر الاجمال وینتقل من التفصیل الی الاجمال واللہ اعلم۔[5]

خلاصہ بحث

صحابہؓ نے اسرائیلی روایات سے بے شک استفادہ کیا ہے اور ضرورت کی حد تک ان کی روایت کو بھی جائز سمجھا ہے تاہم ان میں حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے اور ان کا بیان محض ایک زنفنّنِ علمی کی حیثیت رکھتا ہے جسے وضاحت کے سلسلے میں قبول تو کیا جا سکتا ہے مگر میزان صحت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لغت و محاورات

اگر کسی آیت کے مفہوم پر کتاب و سنت اور اقوال صحابہؓ سے روشنی نہ پڑتی ہو تو پھر لغت و محاورات عرب کی طرف رجوع ہوگا کیونکہ قرآن فہمی کے سلسلہ صحابہؓ اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:۔

الشعر دیوان العرب فاذا تعاجم علینا شیءٌ من القرآن رجعنا الیہ[6]

مگر لغت و محاورات عرب سے قرآن فہمی ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے عربی زبان کا خصوصی ذوق اور اہلیت شرط ہے کیونکہ

---

[1] دیکھئے روح المعانی ج ۱۵ ص ۹۳ [2] الفوز الکبیر ص ۴۵-۴۶ [3] دیکھئے مقدمہ اصول التفسیر لابن تیمیہ ۲۰

[4] تفسیر طبری ج ۱۷ ص ۲۹ التفسیر الاسلامی ۸۹-۹۰ [5] الفوز الکبیر ص ۴۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاجم وقوامیس میں علمائے لغت نے جن اقوال کو جمع کیا ہے اس میں احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ بلا اسناد جمع کر دیا ہے۔ خصوصاً اشعار و امثال جن کو حضرت ابن عباسؓ دیوان العرب قرار دے رہے ہیں علمائے ادبیات جانتے ہیں کہ ان کی نسبت میں اختلاف و اختلاط کا بے حد دخل ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی ایسی روایت ہوگی جس پر اعتماد ہو سکے اور پھر محاورات کے بیان میں بھی ان میں باہم اختلاف ہے اور ان علماء نے تشریحات میں عمومی محاورات کو ملحوظ رکھا ہے خاص طور پر الفاظ قرآن کی تشریحات ان کے پیش نظر نہیں ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہ عام محاورہ قرآن کے مفہوم سے بھی ہم آہنگ ہو اور اگر انہوں نے قرآنی الفاظ کو پیش نظر رکھا بھی ہو تو پھر بھی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ وہ لوگ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک مؤلف نے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق محاورات عرب کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور عربی زبان میں یہ لچک بدرجہ اتم پائی جاتی ہے لہذا لغت و محاورہ عرب سے استفادہ کے لئے چند امور کی رعایت ضروری ہے :۔

(۱) لغت کا تتبع کرتے وقت الفاظ مفردہ کے ان معانی کو سامنے پیش نظر رکھا جائے جو زمانہ نزول کے وقت مفہوم ہوتے تھے اور پھر قوانین اعراب و بلاغت سے اس کے ترکیبی معنی پر غور کیا جائے اور سیاق و سباق پر بھی نظر ڈالی جائے اور پھر سیاق کلام سے معنی مقصود کو متعین کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں :۔

انصاف پسند مفسر کا فرض ہے کہ شرح الغریب کی دو مرتبہ جانچ پڑتال کرے اوّلاً موارد استعمال پر نظر ڈالے اور پھر ترکیب کلام اور سیاق و سباق کے اعتبار سے جو معنی انسب نظر آئے اسے اختیار کرے بایں ہمہ یہ معنی اجتہادی ہوگا جس میں اختلاف کی گنجائش ہے شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

لان الكلمة الواحدة تجئ فی لغة العرب لمعان شتی[1]

(۲) لغت و محاورہ عرب سے جو تفسیر بھی کی جائے اس پر نظر ثانی کی جائے کہ کیا یہ تفسیر آنحضرت کی ہدی و سیرت کے بھی مطابق ہے اور آپ کے اقوال و افعال اور تفسیر صحابہ کے منافی تو نہیں ہے کونی اور اجتماعی قواعد اور تاریخی حقائق سے کس حد تک مطابقت رکھتی ہے۔

یہ تمام تر غور و فکر اور مساعی اس بنا پر بھی ضروری ہیں کہ کتب لغت بہر حال کتب لغت ہیں ان سے الفاظ کا معنوی حل ہی مل سکتا ہے وہ قرآنی تصورات کی وضاحت سے بہر صورت قاصر ہیں اور جن لوگوں نے محض لغت کے سہارے پر تفسیر کی ہے انہوں نے قرآن کا مفہوم متعین کرنے میں ٹھوکریں کھائی ہیں اس کا پہلا نمونہ ابو عبیدہ کی مجاز القرآن ہے اور پاک و ہند میں جن لوگوں نے تفسیر باللغۃ کی ہے انہوں نے دراصل لغت کا سہارا لے کر مغربی افکار و نظریات کو اپنانے کی کوشش کی ہے جس طرح پہلے ایک دور میں قرآن کو اسرائیلیات کے لئے تختہ مشق بنانے کی کوشش کی گئی تھی تفسیر القرآن سرسید بصیرت القرآن وغیرہ کی اساس بھی اسی قسم کے نظریات پر رکھی گئی ہے اور قرآن جو کتاب ہدایت تھی ان مضحکہ خیز تفاسیر نے اس کی آب و تاب کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں مقاصد قرآن کی وضاحت کے لئے سنت نبوی کی طرف رجوع ضروری ہے چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہیں :۔

مفردات قرآن کے معانی معلوم کرنے کے لئے تو لغت کی طرف رجوع ہو سکتا ہے مگر کسی آیت کے مفہوم کو متعین کرنے کے لئے بہر حال وحی الہی اور سنت کی طرف رجوع سے چارہ کار نہیں۔

---

[1] مقدمہ طبری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تصریحات کی روشنی میں ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ موارد استعمال کے تتبع سے کسی حد تک صرف مفردات کے حل میں مدد ملتی ہے ورنہ یہ ایسا ذریعہ نہیں کہ تفسیر کے دوسرے سرچشموں سے بے نیاز کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جن علماء نے تفاسیر میں لغت و محاورات سے استفادہ کیا ہے اور لغوی تشریحات کے لئے شواہد تک کو چھان مارا ہے وہ بھی اپنی تفاسیر میں سنت اور اقوال صحابہؓ سے بے نیاز نہیں ہو سکے اور باوجود معتزلہ اور عقل پسند ہونے کے حدیث نبوی اور اقوال صحابہ کا سہارا ضرور لیتے رہے ہیں الکشاف زمخشری کے مطالعہ سے ہر صاحب علم یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اُس وقت کے اعتزال اور اِس زمانہ کے اعتزال میں نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ ان کے اسلاف تو اعتزال کے ساتھ صفات علم سے بھی متصف تھے اور معتزلہ کا موجودہ گروہ تدلیس تلبیس میں تو شاطر نظر آتا ہے مگر صفات علم سے عاری ہے۔

بعض علماء نے شرح غریب القرآن کا خصوصی اعتنا بھی کیا ہے مفردات راغب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس لئے اب ہم ان کتابوں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

غریب القرآن پر جن علماء نے خصوصی توجہ دی ہے ان میں سر فہرست حبر امت حضرت ابن عباسؓ کا نام ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ علامہ عطار مقدمہ الصحاح للجوہری میں لکھتے ہیں :۔

وکانوا یستعینون بالشعر وکلام العرب لبیان معانی القرآن .... وکان اول اتجاہ للعنایۃ اللغویۃ ھو رغبۃ دینیۃ محضۃ ولھذا نسب الی ابن عباس کتاب غریب القرآن[۱]

بروکلمن نے "تاریخ ادب العرب" میں اس کے بعض خطی نسخوں کی نشان دہی بھی کی ہے[۲]۔ اور التفسیر الکبیر جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اس میں علی بن ابی طلحہ اور ابن الکلبی کی روایت سے غریب القرآن کی تشریحات منقول ہیں اور علی بن لیث کی روایت سے یہ نسخہ ابو صالح کاتب اللیث مصری کے پاس محفوظ تھا جسے وہ معاویہ بن ابی صالح کے واسطہ سے روایت کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی نسخہ پر اعتماد کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اس کی تحسین کی ہے[۳]۔

ان تفاسیر کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ ضرور ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ غریب القرآن کی تشریح کے سلسلہ میں شعر اور کلام عرب سے استشہاد میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے گو بعض دیگر صحابہؓ سے بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرز پر غریب القرآن کی تشریحات منقول ہوئی[۴]۔

(۲) غریب القرآن کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ کے بعد ابان بن تغلب الجریری (م ۱۴۱ھ) کا نام لیا جاتا ہے جو کہ قاری فقیہ ہونے کے علاوہ لغت میں بھی عظیم پایہ رکھتے تھے اور علی بن علی بن حسین، ابو جعفر اور ابو عبد اللہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں استاذ عطار لکھتے ہیں :۔

........سمع من العرب والف "غریب القرآن" وذکر شواھدہ من الشعر[۵]

---

[۱] مقدمہ الصحاح ص ۳۴ [۲] ج ۱ ص ۱۲ [۳] فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۲ الاتقان للسیوطی ج ۲ ص ۱۸۸-۱۸۹ مطبوعہ مکتبۃ شیخ الاسلام معارف حکمت بالمدینۃ المنورۃ ۱۲ [۴] مقدمہ الصحاح ۷۴ [۵] یاقوت ج ۱ ص ۱۰۸ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۷ طوسی ج ۶ ص ۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ ابان بن تغلب وہ ہیں جن سے امام مسلمؒ اور اصحابِ سنن اربعہ نے روایت کی ہے یہ گو تشیع میں غالی تھے یعنی حضرت علیؓ کی تفضیل کے قائل تھے تاہم رافضی نہ تھے اور پھر روایت میں ثقہ تھے اس بنا پر محدثین نے ان سے روایت لی ہے[1] ان کے بعد بہت سے علماء نے معانی القرآن، مجاز القرآن اور غریب القرآن کے نام سے تفاسیر جمع کیں جن کے نام فہرست ابن الندیم کشف الظنون حاجی خلیفہ اور مفتاح السعادۃ میں مذکور ہیں ان میں حسب ذیل ائمہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں :-

(۱) ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء سنہ ۲۰۷ھ

(۲) ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ التمیمی سنہ ۲۱۰ھ

(۳) ابوعلی محمد بن المستنیر المعروف بہ قطرب سنہ ۲۰۶ھ

(۴) ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ الیزیدی سنہ ۲۳۷ھ

(۵) ابومحمد عبداللہ بن مسلم الدینوری المعروف بہ ابن قتیبہ سنہ ۲۷۶ھ

(۶) ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن السری الزجاج سنہ ۳۱۱ھ

(۷) امام راغب اصفہانی سنہ ۵۰۲ھ

علاوہ ازیں ابوعبید قاسم بن سلام اور ابن ترکمانی نے غریب القرآن کے نام سے کتابیں لکھی ہیں اور ابوالمعالی احمد بن علی البغدادی المعروف بابن سمین (سنہ ۵۹۶ھ) کی مفردات القرآن کے متعلق امام سیوطی لکھتے ہیں :-

وھو من احسن الکتب المؤلفۃ فی ھذا الشان

سجستانی کی غریب القرآن حروف معجم کی ترتیب پر ہے اس لئے اس سے اخذ وتناول میں سہولت پائی جاتی ہے حجم کے اعتبار سے تقریباً راغب کی مفردات کے برابر ہے[2]

ابوعبیدہ کے حالات میں مذکور ہے کہ انہوں نے مجاز القرآن، معانی القرآن اور غریب القرآن کے نام سے تفاسیر تالیف کیں[3] ان الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مستقل تین کتابیں تصنیف کی ہیں مگر بعض علماء کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ ایک ہی تالیف کے تین نام ہیں مثلاً زبیدی طبقات النحویین میں لکھتے ہیں کہ :-

سألت اباحاتم عن غریب القرآن لابی عبیدہ الذی یقال لہ المجاز

اسی طرح ابن خیر الاشبیلی الفہرست میں لکھتے ہیں[4] :-

واول کتاب جمع فی غریب القرآن و معانیہ کتاب ابی عبیدۃ معمر بن المثنیٰ وھو کتاب المجاز۔

علاوہ ازیں مجاز القرآن کے مختلف نسخوں پر نام میں اختلاف ہے جس سے ہماری تائید ہوتی ہے چنانچہ اسماعیل صاحب کے نسخہ میں پہلی جزء پر "کتاب مجاز القرآن" کا عنوان ہے اور اس کے آخر میں کتاب غریب القرآن ہے اور مراد منلا کے نسخہ میں یہ عنوان ہے "کتاب المجاز التفسیر غریب القرآن"

---

[1] ملخص من المیزان للذہبی ص ۵۔ ۶ [2] کشف الظنون مع حاشیہ کالم ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸ [3] الفہرست لابن الندیم ص ۱۲۵ [4] ص ۱۳۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوعبیدہ کے معاصرین نے ان پر تنقید بھی کی ہے جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ابوعبیدہ میں شعوبیت کے علاوہ خارجیت بھی تھی اور وہ خالص عربی کلام سے قرآن کی تفسیر کے قائل تھے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ تفسیر بالرائی کی طرف مائل تھے اور محدثین وفقہاء اس کے خلاف تھے چنانچہ فراء (ت ۲۱۱) اور اصمعی نے ابوعبیدہ کی مخالفت کی[1] اور ابوحاتم نے ان کی مجاز القرآن کو تنقید کا نشانہ بنایا اور زجاج، زہری اور نحاس نے بھی یہی موقف اختیار کیا۔

مگر اس مخالفت کے باوجود ان کے بعد جن علماء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا وہ ابوعبیدہ سے بے نیاز نہ ہو سکے ابن قتیبہ نے اپنی "المشکل" اور "الغریب" دونوں کتابوں میں مجاز القرآن پر اعتماد کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں مجاز القرآن سے استفادہ کیا ہے[2]۔

امام طبری (ت ۳۱۰) نے اپنی تفسیر میں ان پر اعتماد تو کیا ہے مگر دوسرے علماء کے اقوال وارا نقل کر کے مناقشہ او معارضہ بھی کیا ہے طبری کے علاوہ ابوعبیدالمد الیزیدی الزجاج ابن درید نے "الجمہرۃ" اور سجستانی نے غریب القرآن میں ان سے نقل کیا ہے اور متاخرین میں سے حافظ ابن حجر ہیں جنہوں نے فتح الباری میں کتاب المجاز سے استفادہ کیا ہے۔

ابن قتیبہ کی غریب القرآن جو دراصل ان کی کتاب مشکل القرآن کا تتمہ ہے جیسا کہ اس کے مقدمہ سے ظاہر ہوتا ہے اس موضوع پر اہم کتاب ہے مؤلف نے اپنی ان دونوں کتابوں میں اہل بدعت پر تنقید کی ہے اور اہل سنت کے مسلک کو ثابت کیا ہے۔

ابن قتیبہؒ نے اپنے وقت کے تمام ائمہ سے استفادہ کیا ہے حتیٰ کہ آداب میں جاحظؒ سے ان کی بعض کتابوں کی اجازت بھی حاصل کی بعض مخالفین نے ان پر تشبیہ اور خارجیت کی تہمت لگائی ہے مگر یہ شدۃ تعصب کی بنا پر ہے ورنہ تو ابن قتیبہؒ کو اہل سنت میں وہی اہمیت حاصل ہے جو جاحظ کو معتزلہ میں حاصل ہے یعنی جاحظ اگر خطیب معتزلہ ہیں تو ان کے مقابلے میں ابن قتیبہؒ اہل سنت کے خطیب مانے گئے ہیں۔

ان کی مشکل اور غریب کو کتانی نے "القرطین" کے نام سے یکجا کر دیا ہے جو مصر میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے امیر قنوجی نے الاکسیر میں ابن قتیبہ کو مفسرین کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

امام راغب کی مفردات اس موضوع پر اہم کتاب ہے قبل اس کے کہ ہم اس کے متعلق کچھ عرض کریں یہ واضح کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ امام راغب کے بعد بھی متاخرین نے اس موضوع پر کتابیں تالیف کی ہیں جن میں سے ... تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب" لابی حیان نحوی (المتوفی ۷۴۵ھ) تراجم الاعاجم تالیف زین المشائخ محمد بن ابوالقاسم الخوارزمی (ت ۵۶۲ھ) اور مفردات القرآن سمین حلی (ت ۷۵۶ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں مگر ان سب کتابوں میں مفردات راغب کو جو شہرت اور امتیاز حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں۔

مفردات میں راغب نے تقریباً پندرہ سو نواسی مواد سے بحث کی ہے قرآن کے بعض مواد متروک بھی ہیں تاہم وہ غیر اہم ہیں مؤلف نے اپنی کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور ہر کلمہ کے حروف اصلیہ میں سے اول حرف کی رعایت

---

[1] تاریخ بغداد ۱۳/۲۵۵ [2] مقدمہ مجاز القرآن بحوالہ الزبیدی ص ۱۲۵-۱۲۶

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا مقالہ "امام بخاری اور مجاز القرآن"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے طریق بیان فلسفیانہ ہے یعنی پہلے ہر مادہ کے جوہری معنی متعین کرتے ہیں پھر قرآن میں مختلف آیات پر اس معنی کو منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں تشریح لغت میں یہ طریق اصولی حیثیت رکھتا ہے اصول لغت پر جن علماء نے تالیفات لکھی ہیں انھوں نے اسی طریقہ کو اپنایا ہے تمام متعلقہ آیات کو سامنے رکھ لینے سے اس کلمہ کے صحیح معنی سمجھ میں آجاتے ہیں اور سیاق وسباق پر نظر ڈالنے سے ہر قسم کا اشتباہ دور ہو جاتا ہے۔

پھر مؤلف الفاظ کی تشریح کے سلسلہ میں اشعار ومحاورات اور احادیث کو بھی بطور شواہد پیش کرتے ہیں اور بعض علمائے تفسیر ولغت کے اقوال بھی بطور تائید پیش کرتے ہیں اور بعض مقامات پر وضاحت کے لئے اختلاف قرأت کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔

کتاب کی افادیت اور اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اصحاب تفسیر کے علاوہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی جیسے شارحین حدیث بھی امام راغب سے استفادہ کرتے ہیں حضرت الامیر القنوجی ان کی مفردات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ومن احسنھا المفردات للراغب ...... وہو فی باب اعتماد جمہور مفسرین بر تحقیقات او ست

اس کتاب کا پورا نام "المفردات فی تحقیق مواد لغات العرب المتعلقہ بالقرآن" ہے مطبوعہ نسخوں پر "المفردات فی غریب القرآن" کا عنوان مرقوم ہے ہم اس کے اردو ترجمہ کو "مفردات القرآن" کے نام سے پیش کر رہے ہے عربی ایڈیشن کے چار نسخے مطبوعہ ایران ومصر راقم کی نظر سے گذر چکے ہیں طبع کراچی میں بھی مصری نسخہ پر اعتماد کیا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ اتنی بڑی اہم کتاب کا اب تک محقق ایڈیشن شائع نہیں ہوا ہم یہ دوسرا ایڈیشن پوری تحقیق سے شائع کر رہے ہیں اور اس کے ترجمہ وتحقیق میں مندرجہ ذیل کو ملحوظ رکھا ہے:۔

(۱) بعض اہل علم احباب کے مشورہ کے مطابق عموماً لفظی یا حرفی ترجمہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاہم اس میں حتی الوسع سلاست پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) ہر آیت کے تحت آیت اور سورۃ کا نمبر دے دیا ہے تاکہ سہولت سے مراجعت ہو سکے مثلاً (۲۔ ۲۸) سے ہماری مراد سورہ نمبر ۲ اور آیت نمبر ۲۸ ہے۔

(۳) آیات کا ترجمہ عموماً مولانا فتح محمد صاحب جالندھری کا ہے لیکن بعض مقامات پر مؤلف کا مقصود ترجمہ ہی لکھ دیا گیا ہے۔

(۴) پوری کوشش کی ہے کہ حاشیہ میں احادیث واشعار کی مکمل تخریج آجائے۔

(۵) کتاب کے متن کی تصحیح میں عموماً تاج العروس اور لسان العرب اعتماد کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ دیگر مراجع سے بھی بلاواسطہ استفادہ کی کوشش کی ہے۔

(۶) ابتداء میں یہ خیال تھا کہ متروکہ مواد کو آخر میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا جائے مگر عدیم الفرصتی اس میں حائل رہی اور ہم اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مندرجہ بالا امور کی رعایت سے اس اردو ایڈیشن میں وہ خوبیاں پیدا ہو گئیں ہیں جو عربی ایڈیشن میں نہیں ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس کے بعد "مفردات الحدیث" کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِمَام رَاغِبْ اَصْفَہَانیؒ

امام راغب پانچویں اور چھٹی صدی کے علماء سے شمار ہوتے ہیں ان کا پورا نام حسین بن محمد بن مفضل بن محمد ہے اور راغب اصفہانی کے نام سے مشہور ہیں صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں۔

توفی سنۃ خمس مائۃ ونیف

یعنی ۵۰۰ھ کے بعد فوت ہوئے ہیں مگر امام سیوطیؒ "بغیۃ الوعاۃ" میں لکھتے ہیں:

کان فی اوائل المائۃ الخامسۃ

اور امام سیوطی اور ان کے بالتبع طاش کبری زادہ نے ان کا نام مفضل بن محمد لکھا ہے مگر یہ ان کی فروگذاشت ہے صحیح نام حسین بن محمد ہی ہے اور وفات ۵۰۲ھ ہے۔

تاریخ اخبار البشر کی غلطی سید محسن بن الحسینی صاحب "روضات الجنات" کے حوالہ سے اپنی کتاب اعیان الشیعہ میں لکھتے ہیں:

صاحب "تاریخ اخبار البشر" نے امام راغب کی وفات ۵۶۵ھ نقل کی ہے مگر یہ ان کی فاش غلطی ہے کیونکہ اس کے بعد انہوں نے خود ہی یہ تصریح کی ہے کہ امام موصوف علامہ جار اللہ زمخشری سے پہلے فوت ہوئے ہیں حالانکہ علامہ کی وفات بالاتفاق ۵۳۸ھ ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام موصوف کا سن وفات ۵۶۵ھ ہو"

علاوہ ازیں حاجی خلیفہ امام راغب کی کتاب "الذریعہ الی مکارم الشریعہ" کے متعلق لکھتے ہیں:

"ان الغزالی کان یستصحب کتاب الذریعہ

کہ امام غزالی مؤلف کی کتاب "الذریعہ" ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور امام غزالی کی وفات ۵۰۵ھ ہے لہذا قرین قیاس یہ ہے کہ راغبؒ ان سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔

راغبؒ کی شخصیت مؤلفؒ کی تالیفات خصوصاً مفردات القرآن اور محاضرات الادباء کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مؤلف جامع علوم وفنون ہونے کے ساتھ بلند پایہ صوفی بھی تھے چنانچہ صاحب روضات الجنات" ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الراغب الاصفهانی صاحب لغة العرب والحدیث والشعر والحکمة والکلام وعلوم الاوائل وغیر ذالك وفضله اشهر من ان یوصف وکفاه منقبة قبول العامه والخاصة وفیما تحقق له من اللغة خاصة۔

اسی طرح یاقوت معجم الادبار میں لکھتے ہیں :۔

احد اعلام العلم یغیر فن من العلوم ادبها وحکمها له کتاب فی تفسیر القرآن قیل وهو الکبیر۔

یعنی موصوف "کوعلم" تھے اور ادب وفلسفہ بلکہ جملہ علوم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا اور انہوں نے قرآن پاک کی ایک بہت بڑی تفسیر بھی لکھی ہے۔

الغرض موصوف علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھے اور ان کے فضل ومرتبہ کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ علامہ ذہبی نے ان کا تذکرہ "طبقات المفسرین" میں کیا ہے اور امام سیوطیؒ ان کو لغت ونحو کے ائمہ سے شمار کرتے ہیں علی بن محمد البیہقی نے اپنے "تتمہ صوان الحکمۃ" میں انہیں حکمار کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور یاقوت نے ایک ادیب کی حیثیت سے ان کا تعارف کروایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوفؒ ہمہ فنی امام تھے اور بیک وقت تفسیر ولغت کے امام ہونے کے ساتھ بہت بڑے حکیم اور صوفی بھی تھے۔

امام راغب اور شیعیت

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے زمانہ میں جب راقم الحروف کو ایک سلسلے میں مفردات القرآن کا استیعاب سے مطالعہ کا اتفاق ہوا تو خصوصاً ہوا کہ بعض مقامات پر امام راغب حضرت علیؓ کو بجائے نام امیرالمومنین کے لقب سے ذکر کرتے ہیں جس سے ذہن میں تردد پیدا ہوا کہ غالباً موصوف شیعہ ہوں گے کیونکہ علمائے شیعہ کی یہ عادت ہے کہ وہ علیؓ نام کی بجائے انہیں امیرالمومنین لکھتے ہیں مگر یہ خیال کر کے کہ بہت سے علمائے اہل سنت بھی ایسے ہیں جو حضرت علیؓ حسنؓ حسینؓ کے ساتھ علیہ السلام لکھ دیتے ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ حضرت علیؓ کے نام کی بجائے امیرالمومنین لکھنے والا ضرور شیعہ ہی ہو۔

اب جب کہ مفردات کی اشاعت کے سلسلہ میں مؤلف کے تعارف کے لئے کتب تراجم اور تذکروں کی طرف رجوع کی ضرورت محسوس ہوئی تو معلوم ہوا کہ کسی شخص کے مسلکاً شیعہ ہونے کی علامت یہی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو امیرالمومنین کے لقب سے یاد کرے جیسا کہ صاحب "روضات الجنات" نے تصریح کی ہے اور پھر آخر میں لکھا ہے۔[1]

"وهذه آیة النطن"

کہ یہ اس کے ذہن وفطین ہونے کی علامت ہے اسے ہمیشہ یاد رکھئے صاحب "اعیان الشیعہ" لکھتے ہیں :۔

اکثر علمار نے تصریح کی ہے کہ امام راغب معتزلی تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ بھی تھے کیونکہ معتزلہ اور شیعہ عموماً اصول میں متحد ہیں اور اصحاب تراجم معتزلہ اور شیعہ کا تذکرہ ایک ساتھ کرتے ہیں۔[2]

پھر صاحب روضات لکھتے ہیں :۔

---

[1] ص ۲۴۸ - ۲۵۵ ج [2] ص ۲۴۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی کتاب " محاضرات الادباء " کے مطالعہ سے گمان ہوتا ہے کہ وہ کٹر سنی تھے
پھر اس پر مفصل تبصرہ کرتے ہیں مگر امام کی علمی زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلکاً سنی شافعیؒ تھے علامہ سیوطیؒ " بغیۃ الوعاۃ " میں لکھتے ہیں ۔

پہلے پہل میرا گمان یہ تھا کہ امام موصوف معتزلی تھے
مگر جب میں نے " القواعد الصغریٰ " لابن عبد السلام
کی پشت پر زرکشی کے ہاتھ سے یہ لکھا ہوا پایا کہ امام
فخر الدین رازی نے " تاسیس التقدیس " میں تصریح کی
ہے کہ امام راغب ائمہ سنت میں سے تھے اور غزالی
کے ہم پایہ ، تو میری یہ بدظنی دور ہوگئی خصوصاً جبکہ
امام رازی جیسی شخصیت ان کی تقدیس کر رہی ہے[1]

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ گو امام موصوف کے متعلق لوگوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے مگر سیوطیؒ کی رائے اور ان کا آخری میلان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف علمائے سنت سے تھے ۔ صاحب " روضات الجنات " کے الفاظ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۔

وکان من الشافعیۃ کما استفید لنا من محاضراتہ

تالیفات

سید محسن نے " اعیان الشیعۃ[2] " میں اور بروکلمن نے تاریخ ادب العرب میں ان کی تالیفات کا ذکر کرتے ہوئے کل دس کتابوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ جو حسب ذیل ہیں ۔

(۱) محاضرات الادباء :-

یہ کتاب دس جلدوں میں ہے اور ۱۹۰۲ء میں ابراہیم بن زیدان کی تصحیح سے قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی آ گیا ہے ۔ یہ کتاب عجائب وغرائب سے پر ہے اور نہایت دلچسپ خوانشاری نے اسی کتاب کی بنا پر ان کے سنی ہونے کا اعتراف کیا ہے ۔

(۲) جامع التفسیر :-

یہ قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر ہے جس کی طرف مؤلف نے اپنی کتاب مفردات میں بھی متعدد بار اشارے فرمائے ہیں ۔ بروکلمن لکھتے ہیں کہ " آیا صوفیا " استنبول میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے اور ایک جزء طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے مگر راقم کی نظر سے نہیں گذرا ۔

(۳) حل متشابہات القرآن :-

نام سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے متشابہات پر سیر حاصل بحث کی ہوگی اس موضوع پر شیعہ علماء نے بھی بہت کچھ لکھا ہے لیکن علمائے سنت نے عموماً اہل بدعت کی تردید کی غرض سے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے ۔

---

[1] جزء ۲ ، ص ۲۲۱ [2] اعیان الشیعہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴) الذریعہ الی مکارم الشریعہ۔

اخلاق ناصری کی طرز پر فارسی میں ہے اس میں مؤلف ؒ نے کلیلہ و دمنہ سے بہت سی حکایات نقل کی ہیں اور عجیب و غریب اشعار نقل کئے ہیں چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

زصد ہزار محمد کہ در جہاں آید
یکے بمنزلہ جاہ مصطفیٰ نشود؛
وگرچہ عرصۂ عالم ہزار علیؓ گردد
یکے بعلم و سخاوت بہ مرتضیٰ نشود
جہاں گرچہ ز موسیٰ و چوب خالی نیست
یکے کلیم نگردد یکے عصا نشود

(۵) درۃ التاویل فی غرۃ التنزیل:۔

اس کتاب میں مؤلف ؒ نے آیات کے تکرار کی حکمت اور تشابہات کے رموز بیان فرمائے ہیں مفردات میں بعض مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے حاجی خلیفہ اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ذکر وانہ صنفہ بعد ما عمل کتاب المعانی الاکبر و املی کتاب کتاب احتجاج القراء

(۶) تحقیق البیان فی تاویل القرآن:۔

مصنف ؒ نے اپنی کتاب الذریعہ کے دیباچہ میں اس تالیف کا نام لیا ہے حاجی خلیفہ کے اس کتاب کے تحت امام سیوطیؒ کے طبقات النحاۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مفردات القرآن ہی کا دوسرا نام ہے لیکن علماء نے الگ تالیف کے نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۷) افانین البلاغۃ:۔

صاحب کشف الظنون نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۸) کتاب الایمان والکفر:۔

عجیب وغریب طرز پر لکھی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف اصول میں اشعری تھے۔

(۹) تفصیل النشائتین:۔

یہ کتاب پہلے ۱۳۱۹ھ میں بیروت سے شائع ہوئی پھر امرتسر سے اردو ترجمہ کے ساتھ دو کالموں میں اس کا خوبصورت ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) المفردات فی غریب القرآن۔ جس کا اردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

(۱۱) کتاب المعانی الاکبر۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۲) کتاب احتجاج القراء۔

هٰذا آخر ما اردنا والحمد للّٰه ربّ العٰلمين وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

محمد عبدہٗ الفلاح
قاسم منزل حاجی آباد لائل پور
۱۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۱ھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برصغیر کے مایہ ناز عالم دین حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی شہرہ آفاق تفسیر

ترجمان القرآن

جلد سوم سورۂ نور سے سورۂ والناس تک شائع ہو چکی ہے

پہلی فرصت میں طلب فرمائیں۔ دوسری جلدیں بھی دستیاب ہیں۔ جلد اول جلد دوم جلد سوم ڈیلکس ایڈیشن

تفسیر فی ظلال القرآن اردو

مفکر اسلام سید قطب شہید کی مایہ ناز تفسیر "فی ظلال القرآن"

جدید تفسیری سرمائے میں ایک امتیازی مقام کی حامل ہے۔ اس تفسیر کے مطالعہ سے قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر ابھرتا ہے۔ قرآن فہمی کا شعور نکھرتا ہے۔ ابھی تک اردو زبان اس قیمتی اور گرانقدر تفسیر کے ترجمے سے محروم ہے۔ لیکن اب الحمدللہ "اسلامی اکادمی لاہور" نے اس عظیم الشان تفسیر کا اردو ترجمہ شائع کرنیکا اہتمام کیا ہے۔ جب تک دو جلدیں تین تین پاروں کی چھپ چکی ہیں۔ اس انقلابی تفسیر کا مطالعہ کریں اور حلقہ احباب میں تعارف کرائیں۔ آفسٹ طباعت۔ آفسٹ کاغذ دیدہ زیب جلد بندی میں دستیاب ہے

آج ہی طلب فرمادیں۔ جلد اول، جلد دوم

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الارا تصنیف

کتاب الوسیلہ اردو

اس کتاب کے تعارف کے لیے مصنف کا نام ہی کافی ہے اور کتاب کے نام سے ہی موضوع ظاہر ہے اس دور میں اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دیں۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک کیا ہے۔ شرک سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔ وسیلہ سے شرک کیسے ہوتا ہے۔ آج ہی طلب فرمادیں۔ آفسٹ کتابت۔ آفسٹ کاغذ۔ مجلد سنہری ڈائی دار جلد۔

ملنے کا پتہ:۔ اسلامی اکادمی، ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔ پاکستان۔ فون ۶۴۱۶۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفردات القرآن (اردو)

تصنیف

امام راغب اصفہانی

ترجمہ و حواشی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ فیروزپوری

جلد اوّل

شیخ شمس الحق

۳۸۔ڈی کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلٰوتُهٗ عَلٰی نَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

امابعد۔ بندہ ناچیز شیخ ابوالقاسم حسین بن محمد بن افضل الراغب (خدا اس پر رحم فرمائے) درگاہ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے انوار قدسیہ سے نور ایمان عطا فرمائے جس کے ذریعہ ہم خیر و شر کو ان کی اصلی شکل میں دیکھ سکیں اور حق و باطل میں کما حقہ تمیز کر سکیں حتی کہ اس پسندیدہ گروہ میں شامل ہو جائیں جن کا نور ایمان قیامت کے دن ان کے سامنے اور دائیں طرف سے ضو افشانی کرتا جاتا ہے اور جن کی تعریف میں قرآن فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۸:۴﴾ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۵۸ - ۲۲)

وہ ذات ہے جس نے مومنین کے دلوں میں طمانیت اور تسلی نازل فرمائی۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو راسخ کر دیا اور ان کی روحانی تائید فرمائی ہے۔

قبل ازیں ہم اپنی کتاب "الرسالۃ المنبہۃ علی فوائد القرآن" میں اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا ہے اور دین اسلام کو تمام ادیان کا ناسخ اور اسے ہر پہلو سے جامع و مکمل بنایا ہے چنانچہ فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵:۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور بحیثیت دین تمہارے لئے اسلام پسند کیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت پر نازل کردہ کتاب یعنی قرآن پاک میں تمام سابقہ کتب سماویہ کے مطالب و مضامین کا نچوڑ اور خلاصہ جمع کر دیا ہے چنانچہ قرآن کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا:۔

یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ۔

وہ (نبی کریم) پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے جن میں سیدھے (اور دین کو قائم رکھنے والے) نوشتے ہیں۔

اور اس نے قرآن پاک کو یہ اعجاز بخشا ہے کہ ضخامت و حجم میں مختصر ہوتے ہوئے بھی معنوی عظمت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مضامین کی وسعت کے لحاظ وہ اتاہ سمندر ہے کہ انسانی عقل و فراست اِن کے ادراک عاجز ہے اور اس کائنات کے اسباب و وسائل اس کے مضامین کی گہرائیوں تک پہنچنے سے قاصر ہیں چنانچہ اسی حقیقت کی طرح اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (۳۱/۲۷)

اور زمین کے جتنے بھی درخت ہیں اگر وہ قلم بن جائیں اور موجودہ سمندر سات گنا بڑھ جائیں ان سے سیاہی کا کام لیا جائے تو بھی اللہ کے کلمات ختم ہونے کے نہیں بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب "الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ" میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ قرآن پاک کے انوار و برکات سے ہر شخص اپنی (علمی و روحانی) استعداد کے مطابق روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس کی تلاوت سے بقدر ظرف مستفید ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ بقول[1] ع

(۱) کَالْبَدْرِ مِنْ حَیْثُ الْتَفَتَّ رَاَیْتَہٗ ۔۔۔ یُھْدِیْ اِلٰی عَیْنَیْکَ نُوْرًا ثَاقِبًا

(۲) کَالشَّمْسِ فِیْ کَبِدِ السَّمَاءِ وَضَوْءُھَا ۔۔۔ یَغْشَی الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَّمَغَارِبًا

اس کی مثال ماہ کامل کی ہے جس پہلو سے بھی اس کی جانب دیکھو گے وہ تمہاری آنکھوں کو نور اور بینائی بخشنے گا دیا، سورج کی مانند ہے جو وسط آسمان میں نمودار ہوتا ہے۔ مگر اسکی روشنی مشرق اور مغرب تک پھیلی ہوئی ہو۔

لیکن اس کے محاسن انوار سے صرف اصحاب بصیرت ہی مستنیر ہو سکتے ہیں اور اس کے پاکیزہ معانی اور مطالب سے پاکباز اور برگزیدہ نفوس ہی فیضیاب ہوتے ہیں اور اس کے اکسیری نسخوں سے صرف پاکیزہ طبائع ہی شفایاب ہو سکتی ہیں چنانچہ قرآن نے خود اس کی تشریح کی ہے کہ۔

اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ ۝ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ ۝ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (۵۶/۷۷،۷۸،۷۹)

یقیناً یہ ایک باعزت کتاب مکنون میں محفوظ ہے صرف پاکباز اور صالح لوگ ہی اس کے حقائق و معارف تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

نیز اس کے سامعین کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّشِفَاءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ وَّھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی (۴۱/۴۴)

آپ کہدیجئے کہ یہ (قرآن پاک) ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے اور جو اس پر ایمان نہیں لاتے اِن کے کانوں پر گرانبار گزرتا ہے اور اِن پر اس کے معانی مخفی رکھے جاتے ہیں۔

اور اپنے رسالہ میں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جس طرح خیر و برکت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر اور کتا موجود ہو اسی طرح بصیرت افروز اور اطمینان بخش کیفیت اس دل میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی جو حرص و آز اور کبر و نخوت سے بھر چکا ہو۔ چنانچہ قرآن نے اس حقیقت

---

[1] ۃ د (المتنبی فی مدح سیف الدولۃ و البیت فی دیوانہ (۱/۳۰۰) بشرح العکبری و مجموعۃ المعانی و الاتقان للسیوطی ۲/۲۰۶ او بینہما ثالث کالبحر یقذف للقریب جواہرا۔ جودا و یبعث للبعید سحائبا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ (۲۴/۲۶) ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے اور (اسی طرح) پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لئے ہیں اور پاک باز مرد پاکباز عورتوں کے لئے۔

نیز اپنی کتاب میں ہم نے اس زادِ راہ کو حاصل کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں جن کے ذریعہ انسان امکانی حد تک علوم و معارف میں بلند مقام حاصل کر سکتا ہے اور کتاب الٰہی کی مدد سے آسمان و زمین کے رازہائے سربستہ پر آگاہ ہو جاتا ہے اور پھر اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اپنے کلام کی توصیف میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (۶/۳۸) کہ ہم نے الکتاب میں کسی چیز کے ذکر کرنے میں کوتاہی نہیں برتی۔ بالکل صحیح ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کی ہدایت کا اس نے ذمہ لیا ہے اور ان کی رفاقت میں بلند مرتبہ اور عالی مقام پر فائز فرمائے اس لئے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب نہ ہو اسے کوئی بھی راہ راست پر نہیں لا سکتا چنانچہ فرمایا :۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (۲۸/۵۶) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

ہم نے اس امر کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ علوم قرآن میں سب سے پہلے ان علوم کی ضرورت پیش آتی ہے جن کا تعلق نظم قرآن (الفاظ) سے ہے اور ان میں بھی سب سے پہلے مفرد الفاظ کی تحقیق ضروری ہے لہذا قرآن کے مطالب و معانی کی تحقیق کے لئے مفرداتِ قرآن کے معانی حاصل کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ عمارت بنانے کے لئے سب سے پہلے اینٹ (اور مسالہ) کا حصول ضروری ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ مفردات قرآن کے متعلق معلومات حاصل کرنے سے محض علوم قرآنی کے سمجھنے ہی میں مدد نہیں ملتی بلکہ اس طرح تمام علوم شرعیہ تک رسائی میں مدد ملتی ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے مستعمل الفاظ عربی زبان میں استعمال ہونے والے تمام الفاظ کا لب لباب اور مغز ہیں احکام و مسائل اور حکم و مصالح کے استنباط میں فقہاءؒ اور حکماء نے انہی الفاظ کو مبنی قرار دیا ہے اور شعر و سخن کے شہسوار بھی انہی الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ قرآن کے استعمال کردہ مواد اور ان کے مشتقات کے علاوہ جو الفاظ بھی عربی زبان میں مستعمل ہیں ان کی حیثیت قرآن کے مستعمل الفاظ کے مقابلہ میں وہی ہے جو مغز اور رس کے مقابلہ میں گٹھلی اور چھلکے کو حاصل ہے۔

چنانچہ مفردات قرآن کو حروف ہجا کی ترتیب پر ایک جامع کتاب کی شکل میں تالیف کیلئے میں نے خدا کے حضور استخارہ کیا اس کتاب کی ترتیب میں ہم سب سے پہلے وہ کلمات لکھیں گے جن کے شروع میں الف آتا ہے اور پھر وہ جو حرف باء سے شروع ہوتے ہیں اسی طرح پوری کتاب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے گی اس ترتیب میں ہم زوائد کو نظر انداز کرکے حروف اصلی (مادہ) کو پیش نظر رکھیں گے اسی طرح اس کتاب کی گنجائش کے مطابق ان تعلقات کو بھی زیر بحث لایا جائے جو مستعار الفاظ اور ان کے مشتقات میں پائے جاتے ہیں اور الفاظ کے تعلقات کے متعلق اصول وقواعد اور ان کی تحقیق کو کسی دوسری کتاب میں زیر بحث لائیں گے جو مستقل اسی موضوع پر لکھی جائے گی اور جس کا ہم جا بجا حوالہ بھی دیتے جائیں گے۔

اور اس سلسلہ میں جو کچھ ہم نے تسیر دقلم کیا ہے اس پر کلی اعتماد کر لینے سے تمام وہ دشواریاں دور ہو جاتی ہیں جو مسابقت الی الخیر کی راہ میں حائل ہو سکتی ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۵۷-۲۱) (اپنے رب کی بخشش حاصل کرنے کے لئے مسابقت کرو) کے فرمان سے ترغیب دی ہے۔ خدائے عزوجل ہمارے لئے اس راہ پر گامزن ہونا آسان فرمائے۔

انشاء اللہ بشرط زندگی اس کے بعد ایک ایسی جامع کتاب کی پیشکش کا ارادہ رکھتے جس میں الفاظ مترادف کی تحقیق اور ان کے معانی میں جو فرق پایا جاتا ہے اسے بالوضاحت بیان کیا جائے گا۔ جس سے کہ قرآن مجید کے ایک ہی مضمون میں استعمال کردہ مختلف الفاظ۔ مثلاً ایک جگہ قَلْبٌ دوسرے موقع پر فُؤَادٌ اور تیسرے مقام پر صَدْرٌ کا لفظ استعمال کرنے میں کیا مصلحت ہے۔ کی توجیہ معلوم ہو سکے گی اسی طرح وہاں ہم یہ بھی بتائیں گے کہ ایک ہی قصہ کے خاتمہ پر قرآن مجید میں ایک جگہ پر اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۱۶-۷۹) ارشاد ہے اور دوسرے مقام پر لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (۱۳-۳) اسی طرح تیسرے مقام پر لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۳۰-۲۲) اور کہیں پر لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ مذکور ہے۔ تو اس میں کونسی لطافت پائی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن میں لِاُولِی الْاَبْصَارِ، لِذِیْ حِجْرٍ اور لِاُولِی النُّهٰی وغیرہ کلمات جو مختلف مقامات پر استعمال ہوتے ہیں اور انہیں دیکھ کر سطحی اور ظاہر بین حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ انہیں مترادف الفاظ قرار دیکر بزعم خود سمجھتے ہیں کہ انہوں نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کی تفسیر "الشکر للہ" یا "لاریب" کی تفسیر لا شك سے بیان کرکے پس قرآن مجید کی تفسیر کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ہماری رہنمائی فرمائے اور خلوص ہمارے شامل حال ہے اور جو علم ہمیں بخشتا ہے اس کے ذریعہ ہمیں فائدہ پہنچائے اور اسے ہمارا زاد آخرت بنائے جس کے لئے ہمیں بدیں الفاظ تاکید فرمائی ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (۲-۱۹۷) اور زاد راہ تیار کرو اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ واللہ الموافق وھو نعم الوکیل ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا

كِتَابُ الْهَمْزَه

أ

أ: الف با معنی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو شروع کلام میں آتا ہے۔ دوسرا وہ جو وسط کلام میں واقع ہو۔ تیسرا وہ جو آخر کلام میں آئے۔

(أ) وہ الف جو شروع کلام میں آتا ہے اس کی چند قسمیں ہیں:۔

(۱) الف الاِستِخبار اسے ہمزہ استفہام کہنے کے بجائے الف استخبار کہنا زیادہ صحیح ہوگا کیونکہ اس میں عمومیت ہے جو استفہام و انکار نفی تبکیت زجر و توبیخ تسویہ سب پر حاوی ہے۔ چنانچہ معنی استفہام میں فرمایا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (۲-۳۰) (انہوں نے کہا) کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے

اور تبکیت[1] یعنی سرزنش کبھی مخاطب کو ہوتی ہے اور کبھی غیر کو چنانچہ (قسم اول کے متعلق) فرمایا:۔

(۱) اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ (۴۶-۲۰) تم اپنی لذتیں حاصل کر چکے۔

(۲) اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا (۲-۸۰) کیا تم نے خدا سے اقرار لے رکھا ہے؟

(۳) آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ (۱۰-۹۱) کیا اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا؟

اور غیر مخاطب کے متعلق فرمایا:۔

(۴) اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا (۱۰-۲) کیا لوگوں کے لئے تعجب خیز ہے؟

(۵) اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ[2] (۳-۱۴۴) تو کیا اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں؟

(۶) اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (۲۱-۳۴)

---

[1] وجوخاص لما لکان للتوبیخی والابطالی و ہما قسمان متقابلان معنی الاول ان مابعد الہمزۃ واقع وان فاعلہ ملوم کما یظہر من الاخلۃ ۱، ۲، ۳ و معنی الثانی ان مابعد الہمزۃ لم یقع وان مدعیہ کاذب کما یظہر من ۴، ۵، ۶، ۷۔ [2] انقلبتم علی اعقابکم و بہ یتم المثال ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھلا اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟

(۲) آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ (۶-۱۴۴) بتاؤ تو (خدا نے) دونوں نروں کو حرام کیا ہے۔ یا دونوں مادینوں کو۔

اور معنی تسویہ میں فرمایا۔ سَوَآءٌ عَلَيْنَا اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا (۱۴-۲۱) اب ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲-۶) تم خواہ انہیں نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے۔

اور یہ الف (استخبار) کلام مثبت پر داخل ہو تو اسے نفی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جیسے اَخَرَجَ (وہ باہر نہیں نکلا) کہ اس میں نفی خروج کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر نفی کے معنی نہ ہوتے تو اس کے اثبات کے متعلق سوال نہ ہوتا۔

اور جب کلام منفی پر داخل ہو تو اسے مثبت بنا دیتا ہے۔ کیونکہ کلام منفی پر داخل ہونے سے نفی کی نفی ہوئی۔ اور اس طرح اثبات پیدا ہو جاتا ہے[2]۔ چنانچہ فرمایا:-

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (۷-۱۷۲) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں (یعنی ضرور ہوں)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (۹۵-۸) کیا خدا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے یعنی ضرور ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ (۱۳-۴۱) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کا بندوبست کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ (۲۰-۱۳۳) کیا ان کے پاس کھلی نشانی نہیں آئی۔

اَوَلَا يَرَوْنَ (۹-۱۲۶) اور کیا یہ نہیں دیکھتے

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ (۳۵-۳۷) اور کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی۔

(۲) الف جو مضارع کے صیغہ واحد متکلم کے شروع میں آتا ہے اور "میں" کے معنی رکھتا ہے جیسے اَسْمَعُ وَاَبْصِرُ یعنی میں سنتا ہوں اور بس دیکھتا ہوں

(۳) ہمزۂ فعل امر خواہ قطعی ہو یا وصلی جیسے فرمایا۔ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۵-۱۱۴) ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما۔

رَبِّ ابْنِ لِىْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ (۶۶-۱۱) اے میرے پروردگار میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا۔

(۴) الف جو لام کے ساتھ معرفہ بنانے کے لئے آیا ہے جیسے فرمایا اَلْعٰلَمِيْنَ (۱-۱) تمام جہانوں

(۵) الف ندا جیسے اَزَيْدُ (اے زید[3])

(ب) وہ الف جو وسط کلمہ میں آتا ہے اس کی پہلی قسم الف تثنیہ ہے (مثلاً رَجُلَانِ) اور دوسری وہ جو بعض اوزان جمع میں پائی جاتی ہے مثلاً مُسْلِمَاتٌ وَمَسَاكِيْنُ۔

(ج) اب رہا وہ الف جو کلمہ کے آخر میں آتا ہے۔ وہ یا تو تانیث کے لئے ہوتا ہے جیسے حُبْلٰى اور بَيْضَآءُ میں آخری الف یا پھر تثنیہ میں

---

[1] ویکن علی ذکرمنک ان الہمزۃ التی تدخل علی جملۃ یصح حلول المصدر محلہا تقاًأی لا ہمزۃ التسویۃ ولا یلزم ان یکون بعد کلمۃ "سواء" کمال توہم نحو ما ابالی اقمت ام قعدت انعم لم یرد فی القرآن الا بعد کلمۃ "سواء" رضی علی الکافیۃ ج ۲ ص۲۷ ۳ وتقع بعد سواء ادحبلۃ لا ابالی [2] ولہذا عطف المثبت علی المنفی فی سورۃ الانشراح (۱-۲) والضحیٰ (۹۳-۷) والفیل (۱۰۵-۲) والمعانی الہمزۃ غیر الاستفہام راجع الی الشجریۃ (۱/۲۰۸-۲۶۸) [3] لیس فی التنزیل نداء بغیر یاء الا ما قال الفراء فی الاٰیۃ اَمَّنْ ھو قانت اٰناء الیل (۳۹-۱۰) ان الہمزۃ فیہ للنداء الا ان الجمہور والجوازہ وجوہ النظر المغنی لابن ہشام ج ۱ ص ۵ ❖ ❖ ❖

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیر کے لئے جیسا کہ اِذْ هَبَا میں آخر کا الف ہے۔ وہ الف جو آیات قرآنی کے آخر میں کہیں بڑھا دیا جاتا ہے جیسے وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (۳۳-۱۰) فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (۳۳-۶۷) تو یہ کوئی معنوی اضافہ نہیں کرتا بلکہ محض لفظی اصلاح (اور صوتی ہم آہنگی) کے لئے آخر میں بڑھا دیا جاتا ہے (جیسا کہ ابیات کے اواخر میں الف "اشباع" بڑھا دیتے ہیں)

اب ب

اَلْاَبُّ: اس گھاس کو کہتے ہیں جو جانوروں کے چرنے اور کٹنے کے لئے بالکل تیار ہو یہ اَبَّ لِكَذَا اَبًّا وَاَبَابَةً وَاَبَابًا کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کوئی کام کرنے کے لئے تیار ہو جانا کے ہیں جیسے محاورہ ہے۔

اَبَّ اِلٰى وَطَنِهٖ۔ وطن کا مشتاق ہو کر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اَبَّ لِسَيْفِهٖ تلوار سونتنے کو مستعد ہو جانا اور اسی سے اِبَّانَ ذٰلِكَ کی ترکیب ہے جس میں اِبَّانَ بروزن فِعْلَانَ ہے[1] یعنی وہ زمانہ جو کسی کام کرنے کے لئے بالکل مناسب ہو۔

قرآن میں ہے:۔

وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا (۸۰-۳۱) اور میوے اور چارہ۔

اب د

اَلْاَبَدُ :۔ ایسے زمانہ دراز کے پھیلاؤ کو کہتے ہیں جس کے لفظ زمان کی طرح ٹکڑے نہ کئے جا سکیں یعنی جس طرح زَمَانَ كَذَا (فلاں زمانہ) کہا جا سکتا ہے اَبَدُ كَذَا نہیں بولتے، اس لحاظ سے اس کا تثنیہ اور جمع نہیں بننا چاہیئے۔ اس لئے کہ اَبَدٌ تو ایک ہی مسلسل جاری رہنے والی مدت کا نام ہے جس کے متوازی اس کی جیسی کسی مدت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اسے ملا کر اس کا تثنیہ بنایا جائے[2] قرآن میں ہے

خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا (۹۸-۱۱) وہ ابدالاباد ان میں رہیں گے۔

لیکن بعض اوقات اسے ایک خاص مدت کے معنی میں لے کر آباد اس کی جمع بنا لیتے ہیں جیسا کہ اسم جنس کو بعض افراد کے لئے مختص کر کے اس کا تثنیہ اور جمع بنا لیا جاتا ہے بعض علمائے لغت کا خیال ہے کہ آباد جمع مُوَلَّدٌ ہے۔ خالص عرب کے کلام میں اس کا نشان نہیں ملتا اور اَبَدٌ اٰبِدٌ وَاَبِيْدٌ اَبِيْدٌ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) میں دوسرا لفظ محض تاکید کے لئے لایا جاتا ہے تَاَبَّدَ الشَّيْءُ کے اصل معنی تو کسی چیز کے ہمیشہ رہنے کے ہیں مگر کبھی عرصہ دراز تک باقی رہنا مراد ہوتا ہے۔

اَلْاٰبِدَةُ وحشی گائے والجمع اَوَابِد (وحشی جانور) تَاَبَّدَ الْبَعِيْرُ (وابد) اونٹ بدک کر وحشی جانور کی طرح بھاگ گیا۔ تَاَبَّدَ وَجْهُ فُلَانٍ وَاَبِدَ (اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے) بعض کے نزدیک اس کے معنی غضب ناک ہونا بھی آتے ہیں[3]۔

(اب ق)

اَبَقَ (ض ن) اَلْعَبْدُ اَبْقًا۔ غلام بھاگ

---

[1] وعند البعض وزنہ فِعَّال والنون للعمیۃ — اللسان والنہایہ (ابن) [2] وفی حدیث الحج اَلِعَامِنَا ہذا ام لابد فقال بل لابد اللسان (ابد) [3] قال فی اللسان وابد علیہ ابدا غضب وفی اساس فی المغیب (ص ۱۱) عبید ابو وبہا وطعداي غضب علیہ فہما ای الحین والتمرۃ من الابدال المزدوج، جع الیضا الابدال لابی الطیب ج ۱ ص ۰۱۱۱ والنوادر لابی مسحل ۶۷، ۲۸ اہ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا۔ قرآن میں ہے: اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (۳۷-۱۴۰) جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے آبِقٌ (صفت فاعلی) بھاگا ہوا غلام والجمع اُبَّاقٌ۔ تَاَبَّقَ الرجل۔ وہ بھاگے ہوئے غلام کی طرح چھپ گیا اور شاعر کے قول [1]

۳۔ قد اُحْكِمَتْ حَكَمَاتِ الْقِدِّ وَالْاَبَقَا

(ان گھوڑوں کے چمڑے کے تسمے اور جوٹ کی کنپٹیاں کسی ہوئی ہیں)

میں بعض نے کہا ہے کہ اَبَقٌ کے معنی جوٹ یا اس کی رسی کے ہیں۔

(اب ل)

الْاِبِلُ۔ اونٹ کا گلہ۔ اس کا واحد اس مادہ سے نہیں آتا قرآن میں ہے۔ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ (۶-۱۴۴) اور دو اونٹوں میں سے۔

اور آیت کریمہ: اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۸۸-۱۷) کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں (میں) بعض نے کہا ہے کہ اِبِلٌ بمعنی سحاب ہے یہ قول صرف معنی تشبیہ کے اعتبار سے صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ کثرت اسفار میں بادل اور اونٹ میں یک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے۔[2]

اَبَلَ الوحشی ابولا وَاَبِلَ اَبَلًا۔ وحشی جانور کا اونٹ کی طرح پانی سے بے نیاز ہونا۔ تَاَبَّلَ الرجل عن امرءته۔ عورت سے مقاربت ترک کرنا اَبِلَ الرجل۔ بہت اونٹوں والا فلان لا یأبل فلاں اونٹ پر جم کر سوار نہیں ہو سکتا۔ رجلٌ اَبِلٌ وَاَبِلٌ اونٹوں کا اچھی طرح انتظام کرنے والا ابل مؤبّلة اکٹھے کئے ہوئے اونٹ الابابلة۔ لکڑیوں کا گٹھا[3]۔ اور آیت کریمہ: وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ (۱۰۵-۳) میں اَبَابِيْلَ کے معنی یہ ہیں کہ ان پر پرندے اونٹوں کی مختلف ٹکڑیوں کی طرح قطار در قطار بھیجے گئے اور ابابیل کا واحد اِبِّيْل ہے[4]

(اب و)

اَلْاَبُ۔ اس کے اصل معنی تو والد کے ہیں (مجازاً) ہر اس شخص کو جو کسی شے کی ایجاد ظہور یا اصلاح کا سبب ہو اسے اَبُوْهُ کہہ دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳-۶) میں آنحضرت کو مومنین کا باپ قرار دیا گیا ہے۔ ایک قرأت میں وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ بھی آیا ہے[5]

نیز مروی ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا[6] (۱) انا وانت ابوا هذه الامة

---

[1] قال زهير بن ابی سلمی بن رباح المزنی و صدره القائد الخيل منكوبا دوابرها ۔ ۔ ۔ ۔ انظر للبيت ديوانه ۱۲۰ بشرحه للاعلم الشنتمری (ليدن) (۱۳۰۶) والمختارات ۹۴ ومختار الشعر مجاہلی ج ۱ ص ۱۷۲ والعقد الثمين ۸۵ والحكم (حكم) والاشتقاق ۷۶ [2] قال ابو عمرو بن العلا: من جعله السحاب قرء الی الابل (بتشديد اللام) اعراب ثلاثين - ۷ الكشاف ۴: ۲۰ والبحر المحيط (۸: ۴۶۴) واللسان (ابل) [3] روح المعانی ۳۰: ۱۱۶ و فی غريب القرآن للقتيبي ۵۴ اشارة اليه [4] وفی المثل ضغث علی ابالة ومعناه البلية علی اخری الميدانی رقم ۲۲۰۲ [5] وعند الفراء والاخفش لا واحد له وعند الكسائی واحده ابول مثل عجاجيل وعجول ويمكن ان يكون واحده ابالة مثل دينار ودنانير رابع [5] ذكر المؤلف هذه القراءة ايضا فی المحاضرات (۲: ۴۳۴) ونسبها قراءة ابی فی مصحفه منقول عن ابی عباس ومجاهد وعكرمة ثم نسخ كما يعلم من روايه كنز العمال ۴: ۱۸۶ والدر ۵: ۱۸۳ [6] لم اجده فلينظر من اخرجه ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ میں اور تم اس امت کے باپ ہیں نیز اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا[۱] (۴)

کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی کہ قیامت کے دن میرے تعلق و رشتہ کے سوا تعلقات اور رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ اور میزبان کو ابو الاضیاف کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ مہمانوں کی دیکھ بھال کرتا ہے

ابو الحرب۔ لڑائی کا بھڑکانے والا۔ بڑا جنگ جو۔ ابو عذرتہا۔ مرد دوشیزگی دبانے زن (مجازا) موجد الابوان۔ یہ لفظ ماں باپ، باپ دادا۔ نیز باپ چچا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (۲-۱۳۲) میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے (تو) انہوں نے کہا آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے۔

میں حضرت اسماعیل کو یعقوب علیہما السلام کے آباء کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ اور کبھی استاد اور معلم پر بھی ابٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ انسان کا روحانی مربی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور آیت کریمہ: وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ (۴۳-۲۲) میں بعض نے کہا ہے[۲] کہ آباء سے مراد وہ علماء ہیں جو ان کی علمی اور روحانی تربیت کرتے تھے۔ کیونکہ دوسری جگہ آیت: رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا (۳۳-۶۷) میں ان آباء کو سادۃ اور کبراء کہا ہے بعض نے کہا ہے کہ آیت: اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ (۳۱-۱۴) میں والدین سے باپ اور معلم مراد ہیں اور آیت کریمہ:۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (۳۳-۴۰) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ــــ میں نفی ابوۃ بلحاظ ولادت کے ہے۔ نیز تنبیہ کی ہے کہ متبنیٰ حقیقی اولاد کا حکم نہیں رکھتا۔

اَبٌ کی جمع آباءٌ ہے کبھی بُعُوْلَةٌ اور خُؤُوْلَةٌ (جمع بعل وخال) کی طرح اسکی جمع اُبُوَّةٌ بھی آجاتی ہے اصل میں ابٌ (ابوٌ) بروزن فَعَلٌ ہے اور اور شاعر کے قول[۳] (۱-)

---

[۱] رواہ الدارقطنی عن ابن عباس مرفوعًا فی حدیث طویل وقال فی آخرہ۔ تفرد بہ خارجۃ ولیس بثقۃ قال السیوطی روی الترمذی وابن ماجہ وقال ابن عدی ہو ممن یکتب حدیثہ اللالی للسیوطی : ۲۶۵ والحدیث فی المجاز لابی عبیدۃ ۲: ۱۷۸ ورواہ الحاکم فی المستدرک (۳: ۱۴۲) من حدیث عمرؓ فی قصۃ نکاح ام کلثوم وقال فی آخرہ فانا احببت ان یکون بینی وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبب ونسب قال الذہبی فی تلخیص المستدرک منقطع وایضا راجع لتذکرۃ للذہبی ۱: ۲۷۵ وتتمۃ ۔ قد بلغا من المجد غایتاہا۔ وفی العینی (شرح شواہد الکبری علی ہوامش الخزانۃ ۱: ۱۳۳) انہ لابی النجم ویقال انہ لرؤبۃ ولیس فی دیوانہ وفی النوادر ۱۶۴ لابی زید الانصاری بروایۃ المفضل الضبی عن ابی الغول لبعض اہل الیمن قال السیوطی فی شرح شواہدہ ۸۴: قیل ان الرجز لرؤبۃ وعزاہ الجوہری لابی النجم وراجع للشطر الاول اللسان (ابا) والخزانۃ البغدادیۃ (۳: ۳۳۷) وابن عقیل (۱: ۱۴) ومعانی القرآن المنسوب الی الزجاج، ۲۴ والمغنی (۱: ۱۳۱) والشطر الثانی (۱: ۳۷) واسرار الانصاری ۴۶ وعزاہ صاحب التحقیق الی ابی النجم العجلی من بنی بکر بن وائل المتوفی سنۃ ۱۳۰ھ) وفی البلدان (ابو قبیس) وذکر لیاقوت بحثا فی اطراب ابی قبیس (جبل فی مکۃ) وقال نسب فیہ لحن الی ابی حنیفۃ والقصۃ ایضا فی العقد الفرید (۲: ۴۸۲) والعہدۃ علیہ انظر ایضا دفاع اللکھنوی فی التعلیق الممجد (مقدمہ) وقد فار حاشیۃ العینی والطال البحث فی شرح شواہد (۱: ۱۳۴-۱۳۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۴) "اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا"

(اس کا باپ اور دادا)

میں اسے قصداً کا حکم دیا گیا ہے یعنی قفا کی طرح اسم مقصور سمجھ کر نصبی جری حالت میں الف کو ثابت رکھا گیا ہے) محاورہ ہے۔ اَبَوْتُ الْقَوْمَ (میں قوم کا باپ بن گیا) فلان یَأْبُوْ بَهْمَهٗ۔ (وہ اپنے جانوروں کی باپ کی طرح حفاظت کرتا) اور ندا کی حالت میں اَبٌ پرتا زیادہ کرکے یا اَبَتِ (اے میرے باپ) کہا جاتا ہے[۱]۔ بَابَأَ الصَّبِیُّ (حکایت) بچے نے بابا کہا۔

(اب ی)

اَلْاِبَاءُ۔ کے معنی شدت امتناع یعنی سختی کے ساتھ انکار کرنا ہیں۔ یہ لفظ الامتناع سے خاص ہے لہذا ہر اِبار کو امتناع کہہ سکتے ہیں مگر ہر امتناع کو اِبَاءٌ نہیں کہہ سکتے قرآن میں ہے۔ وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ (۹-۳۲) اور خدا اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں۔ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ (۹-۸) لیکن ان کے دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ (۲-۳۴) اس نے سخت سے انکار کیا اور تکبر کیا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى (۱۵-۳۱) مگر ابلیس نے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے[۲] كُلُّكُمْ فِي الْجَنَّةِ اِلَّا مَنْ اَبٰى (کہ) تم سب جنتی ہو مگر وہ شخص جس نے (اطاعت الٰہی سے) انکار کیا۔ رَجُلٌ اَبِيٌّ۔ خوددار آدمی جو کسی کا ظلم برداشت نہ کرے اَبَيْتَ الضَّيْرَ (مضارع تَأْبَى) تجھے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ضرر سے محفوظ رکھے۔ تَيْسٌ آبَى۔ وہ بکرا جو پہاڑی بکروں کا بول ملا ہوا پانی پی کر بیمار ہو جائے اور پانی نہ پی سکے اس کا مونث اَبْوَاءُ ہے

(ا ت ی)

اَلْاِتْيَانُ۔ (ص ض) کے معنی کسی چیز کے بسہولت آنا کے ہیں۔ اسی سے سیلاب کو اَتِیٌّ کہا جاتا ہے[۳] اور اسی سے بطور تشبیہ مسافر کو قوم آتَاوِیٌّ کہہ دیتے ہیں۔

الغرض اِتْيَانٌ کے معنی "آنا" ہیں خواہ کوئی بذاتہ آئے یا اس کا حکم پہنچے یا اس کا نظم و نسق وہاں جاری ہو یہ لفظ خیر و شر اور اعیان و اعراض سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ (۶-۴۰) اگر تم پر خدا کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ (۱۶-۱) خدا کا حکم (یعنی عذاب گویا) آ ہی پہنچا۔

اور آیت کریمہ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ (۱۶-۲۶) میں اللہ کے آنے سے اس کے حکم کا عملاً نفوذ مراد ہے جس طرح کہ آیت وَجَآءَ رَبُّكَ (۸۹-۲۲) میں ہے اور شاعر نے کہا ہے[۴]

(۵) "اتيت المروءة من بابها"

توجوانمردی میں اس کے دروازہ سے داخل ہوا

---

[۱] انظر الآیات (۱۲-۴ و ۱۹-۴۲-۴۵) [۲] رواہ البخاری من حدیث ابی ہریرۃ ۱۲ [۳] تارن النوادر لابی مسحل وفی النہایۃ (۱: ۱۷) عکسہ الاتی والاتاوی فی الاصل الغریب ویقال للسیل الذی یاتی من بعیدلاتی واتاوی ومنہ قیل طریق مسلوک میتاز کمافی حدیث اللقطۃ الفائق (۱-۷) [۴] انظر للکلمۃ النوادر لابی مسحل (۲-۷) وہو منسوب الی اتی والقیاس اتوی کمافی عدی وعدوی زیدت فیہ الالف للنسبۃ اولاشباع الفتحۃ (۱-۱۰) [۵] لم اجدہ ولعلہ للاعشی وصدرہ: بلی یعلم الناس انی امرؤ ۔۔۔ وفی دیوانہ المغنی بدل المروءۃ فلعل احد اللفظین مصحف مکان الآخر ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آیت کریمہ: وَلَا یَأْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی (۹-۵۴) میں یَأْتُوْنَ بمعنی یَتَعَاطُوْنَ ہے یعنی مشغول ہونا اور آیت کریمہ، یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ (۴:۱۵) میں الفاحشۃ (بدکاری) کے متعلق اتیان کا لفظ ایسے ہی استعمال ہوا ہے جس طرح کہ آیت کریمہ:۔ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا (۱۹-۲۷) فری کے متعلق مجئ کا لفظ استعمال ہوا ہے (یعنی دونوں جگہ ارتکاب کے معنی ہیں)

اور آیت (مذکورہ) میں ایک قرات تَأْتِی الْفَاحِشَۃَ بھی ہے اور یہ اَتَیْتُہٗ وَاَتَوْتُہٗ (واوی اور یائی) دونوں طرح آتا ہے[1]۔ چنانچہ (دودھ کے) مشکیزہ کو بلونے سے جو اس پر مکھن آجاتا ہے اسے "اَتْوَۃٌ" کہا جاتا ہے لیکن اصل میں اَتْوَۃٌ اس آنے والی چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز سے حاصل ہو کر آئے لہٰذا یہ مصدر بمعنی فاعل ہے۔

اَرْض کثیرۃ الاِتَاءِ۔ زرخیز زمین جس میں بکثرت پیداوار ہو اور آیت کریمہ: اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا (۱۹-۶۱) بے شک اس کا وعدہ آیا ہوا ہے) میں مَاْتِیًّا (فعل) اتیتہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ماتیا بمعنی آتیا ہے (یعنی مفعول بمعنی فاعل) ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ محاورہ میں اتیتُ الْاَمْرَ وَاَتَانِی الْاَمْرُ دونوں طرح بولا جاتا ہے[2] اَتَیْتُہٗ بِکَذَا وَاٰتَیْتُہٗ کَذَا۔ کے معنی کوئی چیز لانا یا دینا کے ہیں قرآن میں ہے:۔ وَاُتُوْا بِہٖ مُتَشَابِھًا (۲-۲۵) اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے۔ فَلَنَاْتِیَنَّھُمْ بِجُنُوْدٍ لَا قِبَلَ لَھُمْ بِھَا (۲۷-۳۷) ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس سے مقابلہ کی ان میں سکت نہیں ہوگی۔ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُلْکًا عَظِیْمًا (۴-۵۴) اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔

جن مواضع میں کتاب الٰہی کے متعلق آتَیْنَا (صیغہ معروف متکلم) استعمال ہوا ہے وہ اُوْتُوْا (صیغہ مجہول غائب) سے ابلغ ہے (کیونکہ) اُوْتُوْا کا لفظ کبھی ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے جب دوسری طرف سے قبولیت نہ ہو مگر آتَیْنَا کا صیغہ اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جب دوسری طرف سے قبولیت بھی پائی جائے اور آیت کریمہ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ (۱۸-۹۶) تو تم لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ۔ میں ہمزہ نے الف موصولہ (اِئْتُوْنِیْ) کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی جِیْئُوْنِیْ کے ہیں۔

اَلْاِیْتَاءُ (افعال) اس کے معنی اِعْطَاءٌ یعنی دینا اور بخشنا کے ہیں۔ قرآن بالخصوص صدقات کے دینے پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا:۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ (۲-۲۷۷) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ (۲۱-۷۳) اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ (۲-۲۲۹) اور یہ جائز نہیں ہے کہ جو مہر تم ان کو دے چکو اس میں سے کچھ واپس لے لو وَلَمْ یُؤْتَ سَعَۃً مِّنَ الْمَالِ (۲-۲۴۷) اور اسے مال کی فراخی نہیں دی گئی۔

---

[1] الواو لغۃ ہذیل یقال: ما احسن اَتْوَ یدی الناقۃ واتی یدیھا قال خالد بن زہیر: یا قوم ما بال ابی۔ کنت اذا اتوتہ من غیبہ انظر الامالی ۲-۰۵ ولسان (اتی) [2] یعنی یعدی بحرف الجر و بہمزۃ الافعال ۱۲

www.KitaboSunnat.com

(ا ث ث)

اَلْاَثَاثُ - وافر رخت خانہ اصل میں یہ اَثَّ (ن) سے مشتق ہے جس کے معنی زیادہ اور گنجان ہونا کے ہیں۔ پھر یہ لفظ (اثاث) ہر قسم کے فراواں مال پر بولا جانے لگا ہے اور مَتَاعٌ کی طرح اس کا بھی واحد نہیں آتا اس کی جمع اِثاث (بکسر الہمزہ) ہے۔ نِسَاءٌ اَثَائِثُ - پرگوشت عورتیں گویا گوشت ان پر وافر سامان کی طرح چڑھا ہوا ہے تَاَثَّثَ فُلَانٌ۔ فلاں بہت زیادہ مالدار ہوگیا قرآن میں ہے:۔ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا (۱۹-۷۴) وہ سازو سامان میں زیادہ تھے اور خوش منظر بھی وَاَثَاثًا وَّمَتَاعًا (۱۶-۸۰) یعنی سازو سامان۔

(ا ث ر)

اَثَرُ الشَّیْءِ - (بقیہ علامت) کسی شی کا حاصل ہونا جو اصل شی کے وجود پر دال ہو اس سے فعل اَثَرَ (ض) واَثَّرَ (تفعیل) ہے اَثَرٌ کی جمع آثَارٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا (۵۷-۲۷) پھر ہم نے ان کے پیچھے اور پیغمبر بھیجے وَآثَارًا فِي الْاَرْضِ (۴۰-۲۱) اور زمین میں نشانات بنانے کے لحاظ سے فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ (۳۰-۵۰) تم رحمت الٰہی کے نشانات پر غور کرو اسی سے ان طریق کو آثار کہا جاتا ہے جس سے گذشتہ لوگوں کے اطوار (وخصائل) پر استدلال ہوسکے جیسے فرمایا فَهُمْ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (۳۷-۷۰) سو وہ انہیں کے نقش قدم پر دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ (۲۰-۸۵) وہ میرے طریقہ پر کاربند ہیں۔

اسی سے مشہور محاورہ ہے سَمِنَتِ الْاِبِلُ عَلٰٓى اَثَارَةٍ اَثَرٍ مِنْ شَحْمٍ فربہ شدند شتراں بر بقیہ پیہ کہ پیش ازیں بود اَثَرْتُ الْبَعِيْرَ۔ میں نے اونٹ کے تلوے پر نشان لگایا تاکہ (گم ہوجانے کی صورت میں) اس کا کھوج لگایا جا سکے۔ اور جس لوہے سے اس قسم کا نشان بنایا جاتا ہے اسے اَلْمِئْثَرَةُ کہتے ہیں۔

اَثَرُ السَّيْفِ - تلوار کا جوہر جو اسکی عمدگی کا نشان ہوتا ہے۔ سَيْفٌ مَأْثُوْرٌ۔ جوہر دار تلوار۔

اَثَرْتُ (ن) الْعِلْمَ آثْرًا وَاَثَارَةً وَاُثْرَةً - کے معنی ہیں علم کو روایت کرنا۔ در اصل اس کے معنی نشانات علم تلاش کرنا ہوتے ہیں۔ اور آیت:۔ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ (۴۶-۴) میں اَثَارَةٍ سے مراد وہ علم ہے جس کے آثار (تاحال) روایت یا تحریر کی وجہ سے باقی ہوں ایک قراءۃ میں اَثْرَةٍ ہے یعنی اپنے مخصوص علم سے اَلْمَآثِرُ انسانی مکارم جو نسلاً بعد نسل روایت ہوتے چلے آتے ہیں۔ اسی سے بطور استعارہ اَثَرٌ بمعنی فضیلت بھی آجاتا ہے۔ اور اَلْاِیْثَارُ (افعال) کے معنی ہیں (ایک چیز کو اس کے افضل ہونے کی وجہ سے دوسری پر) ترجیح دینا اور پسند کرنا اس سے آثَرْتُهٗ ہے

---

[1] انظر ایضاً (۱۸-۶۴) (۲۰-۹۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی میں نے اسے پسند کیا۔ قرآن میں ہے:۔ وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ (۵۹-۹) دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (۱۲-۹۱) بخدا اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت بخشی ہے۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۸۷-۱۶) مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

(۵) حدیث میں ہے: سَيَكُوْنُ بَعْدِیْ اَثَرَةٌ[1] (میرے بعد تم میں خود پسندی آجائے گی) یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے کو دوسروں سے بہتر خیال کرے گا۔

اَلْاِسْتِئْثَارُ۔ یعنی کسی چیز کو اپنے لئے مخصوص کرلینا اور (محاورہ میں) اِسْتَاْثَرَ اللّٰهُ بِفُلَانٍ فلاں کی موت سے کنایہ ہوتا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرف بخشی کے لئے اسے چن لیا ہے اور اپنے لئے خاص کرلیا ہے۔

رَجُلٌ اُثُرٌ جو اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دے۔ لحیانی[2] نے حکایت کی ہے خُذْهُ آثِرًا مَّا، وَ اِثْرًا مَّا، وَ آثِرَ ذِیْ اَثِیْرٍ یعنی سب سے پہلے یہ کام کرو[3]۔

(ا ث ل)

اَثْلٌ (جھاؤ کا درخت) قرآن میں ہے:۔ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ (۳۴-۱۶) (یعنی دو ایسے باغ دیئے) جن کے میوے بدمزہ اور جھاؤ اور کچھ بیریاں تھیں اَثْلٌ یعنی وہ درخت جس کی جڑ خوب مضبوط ہو اسی سے شَجَرٌ مُّتَاَثِّلٌ کا محاورہ ہے یعنی وہ درخت جس کی جڑ اثل کی طرح مضبوط ہو۔ تَاَثَّلَ كَذَا وہ چیز اثل کی طرح مضبوطی سے جم گئی اس نے جڑ پکڑ لی اور آنحضرت کا وصی کے متعلق "غَيْرَ مُتَاَثِّلٍ مَالًا" (۵) فرمایا ہے[4] (یعنی یتیم کے مال سے بقدر ضرورت لے اور ذخیرہ اندوزی نہ کرے) یہ مال کے اذخار اور اقتناء سے کنایہ ہے اور اسی سے بطور استعارہ نَحَتَ اَثْلَتَهٗ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی غیبت اور بدگوئی کرنا کے ہیں۔

(ا ث م)

اَلْاِثْمُ وَالْاَثَامُ۔ وہ (اعمال و افعال) جو ثواب سے روکنے اور پیچھے رکھنے والے ہوں اس کی جمع آثَامٌ آتی ہے چونکہ اس لفظ میں تاخیر اور بُطْءٌ (دیر لگانا) کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے

---

[1] قالہ صلی اللہ علیہ وسلم للانصار والحدیث باختلاف الفاظہ وطرقہ فی البخاری ومسلم (۱-۳۴۸) طبع انصاری ولیس فی شیٔ من الطرق سیکون فتنبہ لذالک والحدیث فی الکشاف ۲/۲۰۷ وفی الحدیث قصۃ ابی قتادۃ مع معاویۃ راجع الحاکم والبیہقی (تخریج احادیث الکشاف ۲۰ رقم ۸۷) والحدیث ایضًا فی النہایۃ واللسان (اثر)۔ [2] ابوالحسن علی بن مبارک او ابن حازم اللحیانی من بنی لحیان بن ہذیل بن مدرکہ اخذ عن الکسائی وابن زید وابی عمرو الشیبانی وطبقتہم وعمدتہم الکسائی راجع لترجمتہ بغیۃ الوعاۃ ۳۴۶ والفہرست ۷۲ و ۲۰ اطبقات زبیدی ۲۱۳ والانباہ ۱: ۱۰۹-۲/۲۵۵ ومعجم الادباء ۱۴/۱۰۶-۱۰۸۔ [3] راجع للکلمۃ المعاجم [4] راجع للحدیث الکشاف (۱: ۴۸۲) والمصنف لعبد الرزاق والطبری عن الحسن العرنی ومسند احمد وابن ماجہ والنسائی وابو داؤد من روایۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن حبان من روایۃ صالح بن رستم عن جابر والکامل لابن عدی (ترجمہ صالح بن رستم) وابونعیم فی الحلیۃ فی ترجمۃ عمرو بن دینار (وقال تفرد بہ الخزان (صالح بن رستم ابو عامر الخزان) وہو من ثقات البصریین وضعفہ ابن معین (راجع تخریج الکشاف ص ۳۸-۳۹ رقم ۲۲۳) والنہایۃ ۱/۱۹ والفائق ۱/۸ وقالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وصی الیتیم وعمر ضعیف وقف ارضہ لمن ولیہا ایضًا مجمع البحار (اثل)۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاعر نے اونٹنی کے متعلق کہا ہے [1]۔ (المتقارب)

(۲) جمالیۃ تغتلی بالرادف
اذا کذب الآثمات الھجیرا

وہ اونٹ کی طرح مضبوط ہے جب سست رفتار اونٹنیاں دوپہر کے وقت چلنے سے عاجز ہو جاتی ہیں تو یہ ردیف کو لے کر تیز رفتاری کے ساتھ چلتی ہے اور آیت کریمہ: فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۲: ۲۱۹) ہیں خمر اور میسر میں اثم کبیر کے یہ معنی ہیں کہ ان کا تناول (اور ارتکاب) انسان کو ہر قسم کے افعال خیر سے روک لیتا ہے۔

أَثِمَ (س) إِثْمًا وَأَثَامًا فَهُوَ آثِمٌ وَأَثِمٌ وَأَثِيمٌ (گناہ کا ارتکاب کرنا) اور تَأَثَّمَ (تفعل) کے معنی گناہ سے نکلنا (یعنی رک جانا اور توبہ کرنا) کے ہیں جیسے تحوّب کے معنی حوب (گناہ) اور تحرج کے معنی حرج یعنی تنگی سے نکلنا کے آجاتے ہیں [2]۔

اور "الکذب" (جھوٹ) کو اثم کہنا اس وجہ سے ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا گناہ ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ انسان کو حیوان کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے حیوان کہہ دیا جاتا ہے اور آیت کریمہ: أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ (۲-۲۰۶) کے معنی یہ ہیں کہ اس کی عزت نفس (اور ہٹ دھرمی) اسے گناہ پر اکساتی ہے اور آیت: وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (۲۵-۶۸) میں آثام سے (مجازاً) عذاب مراد ہے اور عذاب کو اثام اس لئے کہا گیا ہے کہ ایسے گناہ (یعنی قتل و زنا) عذاب کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ نبات اور شحم (چربی) کو ندیٰ (نمی) کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ نمی سے نباتات اور (اس سے) چربی پیدا ہوتی ہے چنانچہ شاعر نے کہا ہے [3] (طویل)

(۷) "تعلی الندی فی متنہ وتحدرا"

اس کی پیٹھ پر تہ بر تہ چربی چڑھی ہوئی ہے اور نیچے تک پھیلی ہوئی ہے۔ بعض نے آیت کریمہ: میں يَلْقَ أَثَامًا کے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ مذکورہ افعال اسے دوسرے گناہوں پر برانگیختہ کریں گے کیونکہ (عموماً) صغائر گناہ کبائر کے ارتکاب کا موجب بن جاتے ہیں اور آیت کریمہ: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۱۹-۵۹) کی تفسیر بھی ان ہر دو وجہ سے بیان کی گئی ہے۔

اَلْآثِمُ۔ گناہ کا ارتکاب کرنے والا۔ قرآن میں ہے: آثِمٌ قَلْبُهُ (۲-۲۸۳) وہ دل کا گنہگار ہے۔

اور اثم کا لفظ بِرّ (نیکی) کے بالمقابل استعمال

---

[1] قالہ الاعشیٰ فی مدح ناقتہ وقبلہ: بناجیۃ کاتان الثمیل. تقضی السری بعد این عیبرا. وفی روایۃ تغتلی بالعین المھملۃ ومعناہ تنھض وتطیق راجع دیوانہ۔ ۷ والاقتضاب ۱۹۹ واللآلی مع السمط (۸۲۱) والجمہرۃ (۲: ۵۷) واللسان (اثم، غلا) والاعشیٰ ھو میمون بن قیس ادرک الاسلام [2] ھھنا سقط وخرم فی النسخ المطبوعۃ ولعل الصواب وتحرج خرج من حرجہ ای ضیقتہ۔ [3] البیت لعمرو بن احمر الباہلی واولہ: کثور العداب الفرد یضربہ الندی ۔۔۔۔۔۔ وفی روایۃ المعذاب بدل العداب والبیت فی اللسان (ندی) والاقتضاب ۴۴۰ والصاحبی ۹۵ وابن احمر ھو ابو الخطاب عمرو بن احمر الباہلی شاعر فحل مخضرم مشہور بالفصاحۃ والغریب توفی فی خلافۃ عثمان (قبل سنۃ ۳۵ ھ) راجع الشعراء ۳۱۵ والخزانۃ ۳: ۳۸ والبیت ایضاً فی الصحاح والتاج والمحکم (عدب) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا: (۶)
(۶) اَلْبِرُّ مَا اطمأنت الیہ النفس وَالْاِثْمُ مَا حاک فی صدرکَ[1] کہ نیکی وہ ہے جس پر طبیعت مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جس کے متعلق دل میں تردد ہو۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں آنحضرت نے البر والاثم کی تفسیر نہیں بیان کی ہے بلکہ ان کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

اور آیت کریمہ: مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ (۶۸-۱۲) میں اثیم بمعنی آثم ہے اور آیت: یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵-۶۲) (کہ وہ گناہ اور ظلم میں جلدی کر رہے ہیں) کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ آثم سے آیت: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (۵-۴۴) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے (یعنی عدم الحکم بما انزل اللہ کفر) اور عدوان سے آیت کریمہ:۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۵-۴۵) کے مفہوم کی طرف اشارہ (یعنی عدم الحکم بما انزل اللہ ظلم) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لفظ اِثم عدوان سے عام ہے۔

(ا ج ج)

اَلْاُجَاجُ۔ کے معنی سخت کھاری اور گرم پانی کے ہیں قرآن میں ہے:۔ ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (۲۵-۵۳) ایک کا پانی نہایت شیریں اور دوسرے کا سخت گرم ہے۔ یہ (اُجاج) اجیج النّار (شعلہ نار یا اس کی شدید تپش اور حرارت) وَاَجَّجْتُھَا وَقَدْ اَجَّتْ۔ میں نے آگ بھڑکائی چنانچہ وہ بھڑک اٹھی (وغیرہ محاورات) سے مشتق ہے۔

اِئْتَجَّ النَّھَارُ۔ دن گرم ہوگیا۔ اسی (اجّ) سے یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ (۱۸-۹۴)(۲۱-۹۶) ہے ان کے کثرت اضطراب کی وجہ سے مشتعل آگ یا موجزن اور متلاطم پانی کے ساتھ تشبیہ دے کر یاجوج ماجوج کہا گیا ہے۔

اَجَّ الظَّلِیْمُ اَجِیْجًا۔ شتر مرغ نہایت سرعت رفتار سے چلا۔ یہ محاورہ اشتعال نار کے ساتھ تشبیہ دے کر بولا جاتا ہے۔

(ا ج ر)

اَلْاَجْرُ وَالْاُجْرَۃُ کے معنی جزائے عمل کے ہیں خواہ وہ بدلہ دنیوی ہو یا اخروی چنانچہ فرمایا:۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (۱۱-۲۹) میرا اجر تو خدا کے ذمے ہے۔ وَاٰتَیْنٰہُ اَجْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (۲۹-۲۷) اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ عنایت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۱۲-۵۷) اور جو لوگ ایمان لائے ۔۔۔ ان کے لئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔

اَلْاُجْرَۃُ (مزدوری) یہ لفظ خاص کر دنیوی بدلہ پر بولا جاتا ہے اَجْرٌ کی جمع اُجُوْرٌ ہے اور آیت کریمہ: وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ (۴-۲۵) اور ان کے مہر بھی انہیں ادا کردو میں کنایہ عورتوں

---

[1] کلمۃ من حدیث وابصۃ الاسدی انظر (حم، طب، فی الدلائل عنہ حب) ذکرہ فی کنز العمال ۳: ۲۱۸۴، ۲۱۵۸ وبمعناہ روایۃ واصلۃ ۲۱۷۷-۲۱۸۲ وذکرہ الغزالی فی الاحیاء فی مواضع ۳/۳۴ بتخریج العراقی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نہر کو اُجُوْرٌ کہا گیا ہے پھر اَجْرٌ اور اُجْرَۃٌ کا لفظ ہر اس بدلہ پر بولا جاتا ہے جو کسی عہد و پیمان یا تقریباً اسی قسم کے عقد کی وجہ سے دیا جائے۔ اور یہ ہمیشہ نفع مند بدلہ پر بولا جاتا ہے۔ ضرر رساں اور نقصان دہ بدلہ کو اجر نہیں کہتے جیسے فرمایا:۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۲-۲۷۷) ان کو ان کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا۔ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (۴۲-۴۰) تو اس کا بدلہ خدا کے ذمے ہے

اَلْجَزَاءُ ہر بدلہ کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی عہد کی وجہ سے ہو یا بغیر عہد کے اچھا ہو یا برا دونوں پر بولا جاتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (۷۶-۱۲) اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت کے باغات اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کریں گے۔ فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ (۴-۹۳) اس کی سزا دوزخ ہے۔

محاورہ میں ہے اَجَرَ (ن) زَيْدٌ عَمْرًا يَأْجُرُهٗ اَجْرًا کے معنی ہیں زید نے عمر کو اجرت پر کوئی چیز دی اور آجَرَ عمرٌ زیدًا کے معنی ہوں گے عمرو نے زید کو اجرت دی قرآن میں ہے:۔

عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ (۲۸-۲۷) کہ تم اس کے عوض آٹھ برس میری خدمت کرو۔

اور یہی معنی آجَرَ (مفاعلہ) کے ہیں لیکن اس میں معنی مشارکت کا اعتبار ہوتا ہے اور مجرد (اَجَرَتُہٗ) میں مشارکت کے معنی ملحوظ نہیں ہوتے ہاں مال کے لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں۔ محاورہ ہے اَجَرَهُ اللّٰهُ وَ آجَرَهٗ دونوں طرح بولا جاتا ہے یعنی خدا اسے بدلہ دے۔

اَلْاَجِيْرُ بروزن فَعِيْلٌ بمعنی فاعل یا مفاعل ہے یعنی معاوضہ یا اجرت کا پر کام کرنے والا۔

اَلْاِسْتِئْجَارُ کے اصل معنی کسی چیز کو اجرت پر طلب کرنا پھر یہ اجرت پر رکھ لینے کے معنی میں بولا جاتا ہے جس طرح کہ استجاب (استفعال) بمعنی اَجَاب آجاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ: اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (۲۸-۲۶) اسے اجرت پر ملازم رکھ لیجئے کیونکہ بہتر ملازم جو آپ رکھیں وہ ہے جو توانا اور امانت دار ہو میں (استئجار کا لفظ) ملازم رکھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ا ج ل)

اَلْاَجَلُ کے معنی کسی چیز کی مدت مقررہ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَلِتَبْلُغُوْا اَجَلًا مُّسَمًّى (۴۰-۶۷) اور تاکہ تم (موت کے) وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ۔

اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ (۲۸-۲۸) ان دو معینہ مدتوں میں سے جونسی مدت میں پوری کردوں۔

محاورہ ہے دَيْنُهٗ مُؤَجَّلٌ اس کے قرضہ وصول کرنے کے لئے ایک مدت معین ہے قَدْ اَجَّلْتُهٗ میں نے اس کے لئے مدت مقرر کردی اور انسان کی زندگی کے لئے جو مدت مقرر ہوتی ہے اسے بھی اَجَلٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے دَنَا اَجَلُهٗ یعنی اس کی موت کا وقت قریب آپہنچا۔ اصل میں اس کے معنی مدتِ حیاۃ (زندگی) پورا کر لینا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَبَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا (۶-۱۲۹) اور (آخر) ہم اس وقت معین کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں اَجَلٌ سے مراد حدِ موت ہے اور بعض نے بڑھاپے کی انتہا مراد لی ہے۔ درحقیقت ان دونوں کا ایک مفہوم ہے (کیونکہ جب انسان بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ جائے تو موت کے قریب ہو جاتا ہے) اور آیت کریمہ:۔ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ (۶-۲) میں اجل اول سے حیات دنیوی اور اجل ثانی سے بقاء اخروی مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اول سے دنیا میں بقا اور ثانی سے (برزخی زندگی مراد ہے جو) موت سے لے کر حشر تک کا زمانہ مراد ہے یہ حسنؒ سے مروی ہے ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۳۹-۴۲) میں جو دو موتیں مذکور ہیں ان کی طرف اشارہ ہے یعنی اول اجل سے نیند اور ثانی سے موت مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں جگہ اَجَلٌ سے مراد موت ہی ہے لیکن بعض کی موت کسی حادثہ مثلاً قتل، آتش زدگی، غرق وغیرہ ناموافق اسباب کی وجہ سے جو اس کی زندگی کے خاتمہ کا باعث بنتے ہیں اور بعض ان حوادث سے محفوظ اور عافیت کی زندگی بسر کرتے ہیں حتی کہ ان کو طبعی موت آجاتی ہے۔ انہی دونوں قسم کی موت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا (۷) مَنْ اَخْطَاَتْهُ سَهْمُ الرَّزِيَّةِ لَمْ تُخْطِئْهُ سَهْمُ الْمَنِيَّةِ اگر کوئی مصیبت کے تیر سے بچ بھی جائے تو موت کا تیر اس سے خطا نہیں کرے گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ انسان کی اجل (یعنی موت) دو قسم پر ہے۔ بعض جوانی کی حالت میں (کسی حادثہ کی وجہ) مر جاتے ہیں اور بعض عمر کی اس انتہا کو پہنچ کر مرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبعی زندگی کی آخری حد مقرر کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں قسم کی موت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (۲۲-۵) اور بعض (قبل از پیری) مر جاتے ہیں اور بعض (شیخ فانی ہو جاتے اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اور شاعر نے کہا ہے (طویل)

(۸) رأيتُ المنايا خَبْطَ عشواءَ من تُصِبْ
تُمِتْهُ . . . . . .

موت اندھی اونٹنی کی طرح مخبوط پھر رہی ہیں جس کو پہنچ جائیں اسے ختم کر ڈالتی ہیں

اسی طرح دوسرے شاعر نے کہا ہے: (المنسرح)

(۹) مَنْ لَمْ يَمُتْ عَبْطَةً يَمُتْ هَرَمًا

۱؎ وفی فتح القدیر للشوکانی (ج ۱ ص ۹۸-۹۹) سبعۃ اقوال ۲؎ راجع ابن کثیر (ج ۱ ص ۱۲۳) قول الحسن فی روایۃ عنہ ۳؎ اخرجہ ۴؎ زہیر فی معلقتہ وتکملتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ومن تخطئ یُعَمَّر فیہرم راجع للبیت اللسان والمحکم (عشو خبط) ودیوانہ ۲۹ وامالی المرتضیٰ ۱: ۲۲۶ ومختار الشعر الجاہلی ۱: ۱۵۷ ومحاضرات المؤلف ۳: ۲۲۹ والجمہرۃ ۱۱۱ والحیوان للجاحظ ۲: ۱۰۲ و ۶: ۵۰۹ والعقد الثمین ۹۶ وایام العرب ۲۷۶ وشرح المعلقات لابن الانباری ۲۸۸ ۵؎ وتمامہ: للموت کاس والمرء ذائقہا۔ البیت لامیۃ بن ابی الصلت الجاہلی کما فی المحکم واللسان (عبط) وراجع للبیت الکامل للمبرد ۶۶ وقال فی ۲۹۷: قال ابو الحسن الاخفش الاصغر وصاعد اللغوی انہ رجل من الخوارج واحری ان یکون ہو الصواب راجع السمط للمیمنی والبیت ایضاً فی امالی المرتضیٰ ۱-۳: ۵۳ وعیون الاخبار ۲: ۴۷ والاغانی ۳: ۱۷۹ والقرطبی ۴: ۲۹۷ والعینی ۲: ۱۸۸ ودیوانہ رقم ۴۰ وذیل الامالی ۱۳۵-۱۳۶ فی ثلاثۃ وفیہ لا ید ذائقہا والنقائض ۲: ۷ والادیار للمؤلف ۴: ۸۸ وفی اسد الغابۃ انشدتہ الفارعۃ اخت امیۃ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصیدۃ لاخیہ وفیہا البیت ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو شخص جوانی میں فوت نہ ہو آخر کار پیر فرتوت ہو کر مر جائے گا۔

اَلْاٰجِلُ (دیر سے ہونے والا) یہ عَاجِلٌ کی ضد ہے اور ہر اس جنایۃ کو اٰجِل کہہ دیا جاتا ہے جس کے انجام بد کا جلد ہی اندیشہ نہ ہو۔ اس اعتبار سے ہر اجل جنایۃ ہوتا ہے لیکن ہر جنایۃ اجل نہیں ہر محاورہ ہے:۔

فَعَلْتُ كَذَا مِنْ اَجْلِهٖ میں نے فلاں کی وجہ سے یہ کام کیا قرآن میں ہے:۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (۵-۳۲) اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا۔ یعنی اس قتل کے ارتکاب کی وجہ سے ایک قراءت میں اِجْل (بکسر الہمزہ) ہے[51] یعنی اس جرم کی وجہ سے۔

(اَجَلْ) ہاں بے شک) یہ حرف ایجاب ہے اور کسی خبر کی تصدیق کے لئے آتا ہے[52] اور آیت کریمہ:۔

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں .... نکاح میں رہنے دو (۲-۲۳۱) میں بلوغ الاجل سے وہ مدت مراد ہے جو طلاق اور انقضاء عدت کے درمیان ہوتی ہے (نیز بلوغ اجل سے عدت کا ختم ہونا یا عدت کے ختم ہونے تک کی مدت کے قریب پہنچ جانا مراد ہے) اور آیت کریمہ:۔ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (۲-۲۳۲) میں بھی انقضاء عدت کی طرف اشارہ ہے یعنی اس وقت فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ (۲-۲۳۴) ان پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ اپنے حق جو پسند کریں کر گزریں۔

(ا ح د)

اَحَدٌ کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ کبھی[53] صرف نفی میں اور[54] کبھی صرف اثبات میں۔ نفی کی صورت میں ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور استغراق جنس کے معنی دیتا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر مجتمع ہو یا متفرق جیسے مَا فِی الدَّارِ اَحَدٌ (گھر میں کوئی بھی نہیں۔ ہے) یعنی نہ ایک ہے اور نہ دو یا دو سے زیادہ نہ مجتمع اور نہ ہی متفرق طور پر اس معنی کی بنا پر کلام مثبت میں اس کا استعمال درست نہیں ہے کیونکہ دو متضاد چیزوں کی نفی تو صحیح ہو سکتی ہے لیکن دونوں کا اثبات نہیں ہوتا جب فِی الدَّارِ وَاحِدٌ کہا جائے تو ظاہر ہے کہ ایک اکیلے کا گھر میں ہونا تو ثابت ہو گا ہی مگر ساتھ ہی دو یا دو سے زیادہ کا بھی اجتماعا و افتراقا اثبات ہو جائے گا پھر احد کا لفظ چونکہ مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ کی بھی نفی کرتا ہے اس لئے مَا مِنْ اَحَدٍ فَاضِلِيْنَ۔ کہنا صحیح ہو گا۔ چنانچہ قرآن میں ہے[55] فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (۶۹-۴۷) پھر تم میں سے کوئی بھی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوگا۔

---

[51] ہذہ قراءۃ ابی جعفر وحدہ راجع فتح القدیر ۱: ۲۳۴ و شرح الدرۃ للخفاجی۔ [52] وکذا جیر وإن راجع الرضی علی الکافیہ (۲: ۳۹۳) و ابن یعیش (۷-۱۲۴) وغیرہ الشواہد [53] و ایضا قال:۔ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (۲-۱۰۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلام مثبت میں احد کا استعمال تین طرح پر ہوتا ہے (۱) عشرات کے ساتھ ضم ہوکر جیسے اَحَدَ عَشَرَ (گیارہ) اَحَدٌ وَّ عِشْرُوْنَ (اکیس) وغیرہ (۲) مضاف یا مضاف الیہ ہوکر اس صورت میں یہ اول (یعنی پہلا) کے معنی میں ہوگا جیسے فرمایا:۔ اَمَّا اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا (۱۲-۴۱) یعنی تم میں سے جو پہلا ہے وہ تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔

یَوْمُ الْاَحَدِ ہفتے کا پہلا دن یعنی اتوار (۳) مطلقاً بطور وصف استعمال ہو تو اس صورت میں یہ باری تعالے وصف ہی ہوگا اور اس کے معنی ہوں گے یکتا، یگانہ بے نظیر، بے مثل) جیسے فرمایا:۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲-۱) کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ ہے۔ ایک ہے۔

اَحَدٌ اصل میں وَحَدٌ ہے لیکن وَحَدٌ کا لفظ غیر باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ نابغہ نے کہا ہے[1] ع (بسیط)

(۱۰) كَاَنَّ رَحْلِیْ وَقَدْ زَالَ النَّهَارُ بِنَا
بِذِی الْجَلِیْلِ عَلٰی مُسْتَاْنِسٍ وَحَدٍ

دن ڈھلے وادی ذا الجلیل میں میری اونٹنی کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جیسے میرا پالان بجائے اونٹنی کے اس گورخر پر کسا ہوا ہو جو تنہا ہو اور انسان کی آہٹ پاکر ڈر کے مارے تیز بھاگ رہا ہو۔

(ا خ ذ)

اَلْاَخْذُ کے معنی ہیں کسی چیز کو حاصل کر لینا، جمع کر لینا اور احاطہ میں لے لینا اور یہ حصول کبھی کسی چیز کو پکڑ لینے کی صورت میں ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗ (۱۲-۷۹) خدا پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا ہم کسی اور کو پکڑ لیں اور کبھی غلبہ اور قہر کی صورت میں جیسے فرمایا:۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (۲-۲۲۵) نہ اس پر اونگھ غالب آسکتی اور نہ ہی نیند۔

محاورہ ہے۔ اَخَذَتْهُ الْحُمّٰی (اسے بخار چڑھ گیا) قرآن میں ہے:۔ وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ (۱۱-۶۷) اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آ پکڑا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی (۷۹-۲۵) تو خدا نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی (۱۱-۱۰۲) اور تمہارا پروردگار (جب نافرمان) بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے۔

اور قیدی کو مَاْخُوْذٌ اور اَخِیْذٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے اَلْاِتِّخَاذُ (افتعال) ہے اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوکر جَعَلَ کے جاری مجری ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔

لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ (۵-۵۱) یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَآءَ (۳۹-۳) جن لوگوں

---

[1] قاله النابغة یصف سرعة سیرہ والبیت فی دیوانه وشرح العشر للتبریزی واللسان (انس۔ زول، وحد) وشواہد الکشاف (۴: ۲۴) وامالی الشجریه ۲: ۲۷۱ والمعانی الکبیر للقتبی ۳۲، والخزانة البغدادیه (۱: ۵۲۱) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۵۰) والحاضرات للمؤلف (۴: ۶۶۳) والشطر الثانی فی البلدان (اسم جلیل) وفی روایة اللسان والثمین «یوم الجلیل» بدل بذی الجلیل ومستوحش بدل مستأنس:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس کے سوا اور دوست بنائے۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سُخْرِيًّا (۲۳-۱۱۰) تو تم نے ان سے تمسخر بنا لیا۔
أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ (۵-۱۱۶) کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو۔
اور آیت کریمہ: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ (۱۶-۶۱) میں صیغہ مفاعلہ لاکر معنی مجازات اور مقابلہ پر تنبیہ کی ہے کہ جو انعامات خدا کی طرف سے انہیں ملے ان کے مقابلہ میں انہوں نے شکر گذاری سے کام نہیں لیا۔ فُلَانٌ مَأْخُوْذٌ وَبِهِ أَخْذَةٌ مِنَ الْجِنِّ فلاں جن کے اثرات میں گرفتار ہے۔ فُلَانٌ يَأْخُذُ مَأْخَذَ فُلَانٍ یعنی فلاں اس جیسا کام کرتا ہے یا اس کے مسلک پر چلتا ہے اور اسی سے محاورہ ہے: ذَهَبُوْا وَمَنْ أَخَذَ أَخْذَهُمْ وَإِخْذَهُمْ وہ اور ان کے ہم مشرب سب چلے گئے۔
رَجُلٌ أُخِذٌ أَوْ بِهِ أُخُذٌ کنایۃً شخص جو آشوب چشم میں مبتلا ہو۔ اَلْإِخَاذَةُ وَالْإِخَاذُ وہ زمین جسے کوئی شخص اپنے لئے خاص کرلے۔

www.Kitab unnat.com

(اخ ر)

اٰخِرُ۔ اول کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور اٰخَرُ (دوسرا) وَاحِدٌ کے مقابلہ میں آتا ہے اور اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ سے نشأۃ ثانیہ مراد لی جاتی ہے جس طرح کہ اَلدَّارُ الدُّنْيَا سے نشأۃ اولیٰ چنانچہ فرمایا وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (۲۹-۶۴) ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے لیکن کبھی الدار کا لفظ حذف کرکے صرف اَلْاٰخِرَةُ کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جیسے فرمایا:
أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ (۱۱-۱۶) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔
اور دَارٌ کا لفظ کبھی اٰخِرَةٌ کا موصوف ہوتا ہے اور کبھی اس کی طرف مضاف ہوکر آتا ہے چنانچہ فرمایا:۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے۔ ان کے لئے جو خدا سے ڈرتے ہیں (۶-۳۲)
وَلَأَجْرُ الْاٰخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۱۶-۴۱) اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔ اگر وہ اسے جانتے ہوتے۔ یہ اصل میں وَلَأَجْرُ دَارِ الْحَيَاةِ الْاٰخِرَةِ ہے (اور دار کا لفظ الْحَيَاةِ الْاٰخِرَةِ کی طرف مضاف ہے)
اور أُخَرُ (جمع الاخریٰ) کا لفظ الْاٰخَرُ (معرف باللام) سے معدول ہے اور کلام عرب میں اس کی دوسری نظیر نہیں ہے کیونکہ أَفْعَلُ مِنْ كَذَا (یعنی صیغہ تفضیل) کے ساتھ اگر لفظ مِنْ لفظاً یا تقدیراً مذکور ہو تو نہ اس کا تثنیہ ہوتا اور نہ جمع اور نہ ہی تانیث آتی ہے اور اگر مِنْ مذکور نہ ہو تو معرف باللام ہوتا ہے اور اس کا تثنیہ جمع دونوں آسکتے ہیں[1]۔ لیکن لفظ آخر میں اس کے نظائر کے برعکس الف لام کے بغیر اس کے استعمال کو جائز سمجھا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اَلْاٰخَرُ سے معدول ہے۔
اَلتَّاخِيْرُ یہ تقدیم کی ضد ہے (یعنی پیچھے کرنا چھوڑنا۔ چنانچہ فرمایا:۔ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (۷۵-۱۳) جو عمل اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے۔
مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (۴۸-۲)

---

[1] وفی القرآن: وآخرون اعترفوا بذنوبھم (۹-۱۰۲) وآخر شکلہ (۳۸-۵۸) ثم اغرقنا الآخرین (۲۶-۶۶) الاستخارۃ واستفعال) راجع الآیات (۱۵-۲۴ و ۱۵-۱۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ

إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ (۱۴-۴۲) وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جب کہ دہشت کے سبب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ (۱۴-۴۴) اے ہمارے پروردگار ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر۔ محاورہ ہے:۔ بِعْتُهُ بِأَخِرَةٍ میں نے اسے تاخیر اجل کے بیچ ڈالا یہ لفظ و معنی نَظِرَةٍ کی طرح ہے اور اَبْعَدَ اللّٰهُ الْآخِرَ میں اَلْآخِرَ کے معنی مُتَأَخِّرٌ عَنِ الْفَضِيلَةِ اور عن تحری الحق کے ہیں یعنی اللہ فضیلت اور حق کی تحری میں کوتاہی کرنے والے کو ہلاک کرے یا اپنی رحمت کو دور رکھے۔

(ا خ و)

اَخٌ (بھائی) اصل میں اَخَوٌ ہے اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کا ولادت میں ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک کی طرف سے یا رضاعت میں شریک ہو وہ اس کا اَخٌ کہلاتا ہے لیکن بطور استعارہ اس کا استعمال عام ہے اور ہر اس شخص کو جو قبیلہ دین و مذہب صنعت وحرفت دوستی یا کسی دیگر معاملہ میں دوسرے کا شریک ہو اسے اَخٌ کہا جاتا ہے[1] چنانچہ آیت کریمہ:۔ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ (۳-۱۵۶) ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں۔ میں اِخْوَان سے ان کے ہم مشرب لوگ مراد ہیں اور فرمایا۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (۴۹-۱۰) مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا (۴۹-۱۲) کیا تم میں سے کوئی ایسی بات کو پسند کریگا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔

اور آیت کریمہ:۔

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ (۴-۱۱) اگر میت کے بھائی بھی ہوں۔ میں اِخْوَةٌ کا لفظ بہن بھائی دونوں کو شامل ہے اور آیت کریمہ:۔ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ (۱۵-۴۷) (گویا) بھائی بھائی مسہریوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں متنبہ کیا ہے کہ اہل جنت میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوگا۔

اَلْأُخْتُ (بہن) یہ اَخٌ کا مؤنث ہے اور اس میں تاء بمنزلہ عوض عن المحذوف کے ہے اور آیت کریمہ: يَا أُخْتَ هَارُونَ (۱۹-۲۸) اے ہارون کی بہن۔ میں بہن بلحاظ نسب مراد نہیں ہے بلکہ صلاح و تقوٰی کے اعتبار سے مریم علیہا السلام کو اختِ ہارون کہا گیا ہے جس طرح کہ یَا أَخَا تَمِیمٍ کا محاورہ ہے اور آیت کریمہ:۔

أَخَا عَادٍ (۴۶-۲۱) میں ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہنے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ان پر بھائیوں کی طرح شفقت فرماتے تھے اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا:۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا (۱۱-۶۱) اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ (۱۱-۵۰) اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی (ہود) کو بھیجا۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا (۱۱-۸۴) اور

---

[1] اس کی جمع اخوۃ اور اخوان آتی ہے ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدین کی طرف ان کے بھائی (شعیب) کو بھیجا۔
اور آیت کریمہ :-
وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا
(۴۳-۴۸) اور جو نشانی ہم ان کو دکھاتے تھے
وہ اس کی بہن سے بڑی ہوتی تھی۔ میں اُخْتِهَا
یعنی نشانی سے ہے اور اس کو اخت اس لئے
کہا ہے کہ صحت و صداقت اور اظہار حق میں
دونوں ایک جیسی ہیں اور آیت کریمہ: كُلَّمَا
دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (۷-۳۸) جب
ایک جماعت وہاں داخل ہوگی تو اپنی بہن پر
لعنت کرے گی۔ میں اُخْتَهَا سے ان کے دیگر
ہم مشرب لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر
اَوْلِیٰٓؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ (۲-۲۵۷) ان کے دوست
طاغوت ہیں۔ اور اسی قسم کی دیگر آیات میں پایا
جاتا ہے۔
تَاَخَّیْتُ کسی کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا اور
چونکہ دو بھائی مل کر رہتے ہیں اس جہت سے اس
مادہ میں لزوم اور وابستگی کا مفہوم پیدا ہوگیا ہے۔
چنانچہ اس اعتبار سے اس کھونٹے کو اٰخِیَّةُ الدَّابَّةِ
کہہ دیتے ہیں جس سے جانور بندھا رہتا ہے

(ا د د)

قرآن میں ہے:-
لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا (۱۹-۸۹) یہ تو تم نازیبا
اور ناپسندیدہ بات زبان پر لائے ہو۔
اِدًّا کے معنی ہیں نہیت ہی ناپسندیدہ بات جس
سے ہنگامہ بپا ہو جائے گا یہ اَدَّتِ النَّاقَةُ
تَئِدُّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی
ہیں اونٹنی (اپنے بچے کی جدائی میں) سخت روئی
اور گریہ کیا۔
اَلْاَدِیْدُ شور ہنگامہ اور اُدٌّ (نام پدر قبیلہ)
یا تو وُدٌّ سے مشتق ہے یا پھر اَدَّتِ النَّاقَةُ سے۔

(ا د م)

اٰدَمُ۔ ابوالبشر آدم علیہ السلام بعض نے کہا ہے۔
کہ یہ اَدِیْمُ الْاَرْضِ سے مشتق ہے اور ان کا نام
آدم اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کے جسم کو بھی ادیم
ارض یعنی روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے
اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اُدْمَةٌ سے مشتق ہے
جس کے معنی گندمی رنگ کے ہیں۔ چونکہ آدم
علیہ السلام بھی گندمی رنگ کے تھے اس لئے
انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا ہے چنانچہ رَجُلٌ
آدَمُ کے معنی گندمی رنگ مرد کے ہیں۔ اور بعض
آدم کی وجہ تسمیہ بیان ہے کہ وہ مختلف عناصر
اور متفرق قوی کے امتزاج سے پیدا کئے
گئے تھے۔ جیسا کہ آیت اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ
(۷۶-۲) مخلوط عناصر سے .... کہ اسے
آزماتے ہیں۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ
محاورہ ہے جَعَلْتُ فُلَانًا اُدْمَةَ اَهْلِیْ
میں نے فلاں کو اپنے اہل و عیال میں ملا لیا مخلوط
کر لیا۔
بعض نے کہا ہے کہ آدم اِدَامٌ سے مشتق
ہے اور اِدَامٌ (سالن وغیرہ) ہر چیز کو کہتے ہیں
جس سے طعام کو لذیذ اور خوشگوار محسوس ہو اور
آدم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی روح ڈال کر اسے
پاکیزہ بنا دیا تھا جیسے کہ آیت وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ
رُّوْحِی (۳۸-۷۲) (اور اس میں اپنی روح پھونک
دوں) میں مذکور ہے اور پھر اسے عقل و فہم اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکر عطا کرکے دوسری مخلوق پر فضیلت بھی دی ہے جیسے فرمایا:۔ وَ فَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (۷۰-۱۷) اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔
اس بنا پر ان کا نام آدم رکھا گیا ہے اور حدیث میں ہے[۱] (۸) نَوْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَىٰ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا اگر تو اسے (اپنی منگیتر کو) ایک نظر دیکھ لے تو اس سے تمہارے درمیان الفت اور خوشگواری پیدا ہو جانے کا زیادہ امکان ہے۔

(ا د ی (و))

اَلْأَدَاءُ کے معنی ہیں یکبارگی اور پورا پورا حق دے دینا۔ چنانچہ خراج اور جزیہ کے دے دینے اور امانت کے واپس کردینے کو ادا کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ (۲-۲۸۳) تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کرے۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (۴-۵۸) خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے حوالہ کر دیا کرو۔ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ (۲-۱۷۸) اور پسندیدہ طریق سے خون بہا اسے پورا پورا ادا کرنا۔ اصل میں یہ أَدَاةٌ سے ہے محاورہ ہے أَدَوْتُ تَفْعَلُ كَذَا کسی کام کے لئے حیلہ اور تدبیر کرنا اصل میں اس کے معنی أَدَاةٌ (کسی چیز) کو پکڑنے کے ہیں جس کے ذریعہ دوسری چیز تک پہنچا جا سکے۔

(ا ذ ا)

إِذَا۔ (ظرف زمان) زمانہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے[۲] کبھی جب اس میں شرطیت کا مفہوم پایا جاتا ہے تو فعل مضارع کو جزم دیتا ہے[۳] اور یہ عام طور پر نظم میں آتا ہے اور إِذْ (ظرف) ماضی کیلئے آتا ہے اور جب ما کے ساتھ مرکب ہو (إِذْمَا) تو معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[۴]

(۱۱) إِذْ مَا أَتَيْتَ عَلَى الرَّسُولِ فَقُلْ لَهُ

جب تو رسول اللہ کے پاس جائے تو ان سے کہنا۔

(ا ذ ن)

اَلْأُذُنُ کے معنی کان کے ہیں اور تشبیہ کے طور پر ہنڈیا کی کوروں کو أُذُنُ الْقِدْرِ کہا جاتا ہے اور استعارہ کے طور پر ہر اس شخص پر أُذُنٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جو ہر ایک کی بات سن کر اسے مان لیتا ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

---

[۱] لفظ حدیث من رواية ابي عبيد في غريبه والذي في الترمذي والنسائي وابن ماجة وابن خزيمة وابن حبان والحاكم واحمد والبزار وغيرهم في حديث المغيرة انه خطب امرأة فقال له صلى الله عليه وسلم انظر اليها الخ وراجع تخريج الكشاف للحافظ ص ۱۳۱ رقم ۸۹) والفائق ۱/۱۱ والمنتقى بشرح النيل (۶: ۱۰۶-۱۰۷) والاحياء بتخريج العراقي ۲/ ۳۹ واللسان (ادم) قال الزمخشري في الحديث او بمعنى ليت فان الغرض منه الحث على النظر ومنه قولهم لو تأتيني فتحدثني ۱۲ [۲] وايضا الاطلاق كما في التنزيل أن أدوا إلىّ عباد الله (۴۴-۱۸) ۱۲ [۳] وان دخل على الماضي نحو اذا جاء نصر الله (۱۱۰-۱) [۴] وتارة تدل على معنى المفاجأة نحو فاذا هي حية تسعى (۲۰-۲۱) [۵] قاله العباس بن مرداس يمدح النبي صلى الله عليه وسلم وتمامه ... حقا عليك اذا اطمأن المجلس والبيت في السيرة ۴ : ۷۹) والكامل ۹۴ ۲ والكتاب لسيبويه ۱: ۴۳۲) قال الشنتمري والبيت مضمن وتمامه فيما بعده والبيت ايضا في الصحاح (اذ) وفي رواية الامير بدل الرسول وهو محرف وفي اللسان "الامين"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَيَقُولُونَ هُوَ اُذُنٌ۔ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ (۹-۶۱) اور کہتے ہیں یہ شخص نرا کان ہے ان سے کہدو کہ وہ کان ہے تو تمہاری بھلائی کے لئے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (۶-۲۵) اور انکے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے۔ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ بہرے ہوگئے ہیں بلکہ اس سے ان کی جہالت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اور اَذِنَ (الیہ) کے معنی توجہ سے سننا کے ہیں جیسے فرمایا:۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۸۴-۲،۵) اور وہ اپنے پروردگار کا فرمان سنے گی اور اُسے واجب بھی ہے اور اِذْنٌ کا لفظ اس علم پر بھی بولا جاتا ہے جو سماع سے حاصل ہو۔ جیسے فرمایا:۔ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۲-۲۷۹) تو خبردار ہو جاؤ کہ خدا اور رسول سے تمہاری جنگ ہے۔ اور اِذْنٌ و اَذَانٌ ہر سُنی ہوئی بات کو کہتے ہیں اور ان سے علم مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارا اکثر علم مسموعات پر مبنی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اِئْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ (۹-۴۹) مجھے اجازت دے دیجئے اور آفت میں نہ ڈالیے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ (۷-۱۶۷) اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا۔ اَذِنْتُهٗ بِكَذَا وَاٰذَنْتُهٗ کے ایک معنی ہیں یعنی اطلاع دینا اور اعلان کرنا اور اعلان کرنے والے کو مُؤَذِّنٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ (۱۲-۷۰) تو ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلے والو۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ (۷-۴۴) تو اس وقت، ان میں ایک پکارنے والا پکار دیگا۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (۲۲-۲۷) اور لوگوں میں حج کے لئے اعلان کر دو۔

اَلْاَذِيْنُ۔ وہ خاص جگہ جہاں اذان کی آواز پہنچتی ہو۔ اَلْاِذْنُ فِي الشَّيْءِ کے معنی ہیں یہ بتا دینا کہ کسی چیز میں اجازت اور رخصت ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴-۶۴) اور ہم نے پیغمبر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ میں اِذْن بمعنی ارادہ اور حکم ہے (اسی طرح فرمایا:۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (۳-۱۶۶) اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو خدا کے حکم سے واقع ہوئی۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲-۱۰۲) اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۵۸-۱۰) مگر خدا کے حکم کے سوا انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی علم الہٰی کے ہیں مگر اذن اور علم میں فرق ہے کیونکہ اذنٌ کا لفظ خاص ہے اور اس کا استعمال اس موقع پر ہوتا ہے جہاں علم کے ساتھ مشیت بھی شامل ہو عام اس کہ وہ فعل پسندیدہ ہو یا پسندیدہ نہ ہو۔ لیکن علم میں مشیت کا ہونا ضروری ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۱۰-۱۰۰) (حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر ایمان لائے)

میں ظاہر ہے کہ اللہ کی مشیت اور اس کا امر دونوں پائے جاتے ہیں[1]۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲-۱۰۲) (اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں مشیت من وجہ پائی جاتی ہے کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو طبعی طور پر ایسا بنایا ہے۔ کہ دوسرے کی ضرب سے متأثر ہو اور اسے اس سے گزند پہنچے۔ وہ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ کسی قسم کی ضرب سے اسے تکلیف نہ ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان میں اس قسم کی قوت کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہے اس اعتبار سے جب کسی شخص کو ظالم کے ظلم سے تکلیف پہنچتی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ کے اذن اور مشیت سے ہی پہنچی ہے۔ یہ ایک جداگانہ موضوع ہے۔ جس کی تفصیل کے لئے دوسری کتاب درکار ہے۔

اَلْاِسْتِئْذَانُ کے معنی اجازت طلب کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۹-۴۵) اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ (۲۴-۶۲) سو جب یہ لوگ تم سے کسی کام کے لئے اجازت مانگا کریں۔

اِذَنْ۔ یہ جواب اور جزا کے لئے آتا ہے یعنی لفظاً یا تقدیراً جواب کو چاہتا ہے اور اس کے بعد کا کلام جزا کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ جب یہ شروع کلام میں آئے اور اس کے بعد فعل مضارع ہو تو حتماً اس کو نصب دیگا۔ جیسے اِذَنْ اَخْرُجَ لیکن جب اثنائے کلام میں آئے اور پھر اس کے بعد فعل مضارع ہو تو فعل مضارع پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں جیسے اَنَا اِذَنْ اَخْرُجُ وَاَخْرُجَ مگر جب فعل کے بعد آئے یا اس کے بعد فعل مضارع ہی نہ ہو تو عمل نہیں کرتا[2] جیسے اَنَا اَخْرُجُ اِذَنْ) قرآن میں ہے: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (۴-۱۴۰) ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔

(اذی)

اَلْاَذٰی۔ ہر اس ضرر کو کہتے ہیں جو کسی جاندار کو پہنچتا ہے[3] وہ ضرر جسمانی ہو یا نفسانی یا اس کے متعلقات سے ہو اور پھر وہ ضرر دنیوی ہو یا اخروی چنانچہ قرآن میں ہے:۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲-۲۶۴) اپنے صدقات (وخیرات) کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر برباد نہ کرو۔

اور آیت کریمہ۔ فَاٰذُوْهُمَا (۴-۱۶) میں مار پٹائی (سزا) کی طرف اشارہ ہے اسی طرح سورۂ توبہ میں فرمایا:۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ (۹-۶۱) اور ان میں بعض ایسے ہیں جو خدا کے پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

---

[1] ایضاً راجع الآیۃ ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ (۲۲-۶۵) و (۲-۲۱۳) [2] راجع للتفصیل الرضی علی الکافیۃ ۲/۲۳۵-۲۳۶ [3] وفی حدیث شعب الایمان ادناہا اماطۃ الاذی من الطریق وفی العقیقۃ: امیطوا عنہ الاذی ۱۲ ؎ ؎ ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلِیْمٌ (۹ - ۶۱) اور جو لوگ رسول خدا کو رنج پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب الیم (تیار) ہے۔
لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی۔ (۳۳-۶۹) تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰؑ کو تکلیف دی (عیب لگا کر) رنج پہنچایا۔
وَ اُوْذُوْا حَتّٰی اَتٰهُمْ نَصْرُنَا (۶-۳۴) اور ایذا (پر) صبر کرتے رہے) یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی۔
لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ (۶۱-۵) تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو۔ اور آیت کریمہ :- وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًی (۲-۲۲۲) میں حیض (کے دنوں میں عورت سے جماع کرنے) کو اَذًی کہنا یا تو از روئے شریعت ہے یا پھر بلحاظ علم طب کے جیسا کہ اس فن کے ماہرین بیان کرتے ہیں۔
اٰذَیْتُهٗ (افعال) اِیْذَاءً وَ اَذِیَّةً وَ اَذًی کسی کو تکلیف دینا۔
اَلْاٰذِیُّ۔ موج بحر جو بحری مسافروں کیلئے تکلیف دہ ہو۔

(ا ر ب)

اَلْاَرَبُ کے معنی سخت احتیاج کے ہیں جسے دور کرنے کے لئے حیلہ اور تدبیر کرنی پڑے پس اَرَبٌ خاص اور حَاجَةٌ عام ہے پھر کبھی اَرَبٌ کا لفظ صرف حاجت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی محض حیلہ اور تدبیر کرنے کے لئے آتا ہے گو حاجت نہ ہو مثلاً محاورہ ہے۔ فُلَانٌ ذُوْ اَرَبٍ وَ اَرِیْبٌ فلاں صاحب حیلہ اور چالاک ہے۔

اَرِبَ اِلٰی کَذَا، اَرَبًا وَ اُرْبَةً وَ اِرْبَةً وَمَأْرَبَةً کے معنی ہیں وہ کسی چیز کا سخت محتاج ہوا۔ (مَأْرَبَةٌ) سخت حاجت ج مَآرِبُ (قرآن) میں ہے۔ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی (۲۰-۱۸) اور (اس) میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں۔
وَلَا اَرَبَ لِیْ فِیْ کَذَا۔ مجھے اس کی کوئی شدید ضرورت نہیں ہے۔ اور آیت کریمہ : غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (۲۴-۳۱) نیز وہ خدمت گزار مرد جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں۔ میں اِرْبَةٌ سے بطور کنایہ حاجت نکاح مراد ہے۔
اَلْاُرْبٰی بڑی مصیبت جس کے دور کرنے کیلئے تدبیر اور حیلہ کرنا پڑے۔
اَلْاٰرَابُ (واحد اِرْبٌ) وہ اعضاء جن کی انسان کو سخت ضرورت رہتی ہے کیونکہ اعضاء دو قسم کے ہیں ایک وہ جنکے ذریعہ ہر جاندار چیز اپنی ضروریات پورا کرتی ہے جیسے ہاتھ، پاؤں اور آنکھ اور دوسرے وہ جو محض زینت کے لئے بنائے گئے ہیں جیسے بھویں، داڑھی وغیرہ پھر وہ اعضاء جو حوائج کو پورا کرنے کیلئے بنائے گئے ہیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جن کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی اور دوسرے وہ ہیں جن کی سخت احتیاج رہتی ہے اور ان کے بغیر جسم انسانی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اس دوسری قسم کے اعضاء کو آرَابٌ کہا جاتا ہے حدیث میں ہے[1] (۹) اِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهٗ سَبْعَةُ اٰرَابٍ کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں چہرہ، دو ہتھیلیاں، دو گھٹنے اور دو پاؤں

---

[1] رواه الاربعة من حدیث ابن عباس وفی الصحیحین عنه امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وفی لفظ اعضاء وفی ابی داؤد وابنماجه بلفظ امرنبیکم راجع تخریج الکشاف للحافظ ابن حجر ۱۸ رقم ۲۳۲ والنیل ۲: ۲۶۷ والعون باب اعضاء السجود ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب کوئی شخص اپنی ضرورت کے مطابق وافر حصہ لے تو کہا جاتا ہے اَرَبَ نَصِیْبَہٗ اس نے بڑا حصہ لیا اور وافر۔ اسی سے محاورہ ہے: اَرَّبَ مَالَہٗ اس نے اپنا مال بڑھالیا اَرَّبْتُ الْعُقْدَۃَ میں نے مضبوط گرہ لگائی۔

(ا ر ض)

اَلْاَرْضُ (زمین) سَمَاءٌ (آسمان) کے بالمقابل ایک جرم کا نام ہے اِس کی جمع اَرْضُوْنَ ہے۔ جس کا صیغہ قرآن میں نہیں ہے کبھی اَرْض کا لفظ بول کر کسی چیز کا نیچے کا حصہ مراد لے لیتے ہیں جس طرح سماء کا لفظ اعلیٰ حصہ پر بولا جاتا ہے۔ شاعر نے گھوڑی کے وصف میں کہا ہے[1] (الطویل)

۱۲۔ وَاَحْمَرَ کَالدِّیْبَاجِ اَمَّا سَمَاؤُھَا
فَرَیَّا وَاَمَّا اَرْضُھَا فَمَحُوْلُ

وہ دیبا کی طرح سرخ ہے اس کا اوپر کا حصہ موٹا گداز ہے لیکن اس کا زیریں حصہ (یعنی ٹانگیں وغیرہ) خشک اور سخت ہے اور آیت کریمہ:۔ اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا۔ جان رکھو کہ خدا ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے (۵۷-۱۷) میں فساد کے بعد تکوین اور بدء کے بعد عود کی طرف اشارہ ہے وہ نظام جو عالم میں جاری وساری ہے اسی بنا پر بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے دلوں کو ان کے سخت ہونے کے بعد نرم کرنا مراد ہے۔ محاورہ ہے:۔ اَرْضٌ اَرِیْضَۃٌ زرخیز زمین تَاَرَّضَ النَّبْتُ نباتات زمین پر جم گئی اور زیادہ ہوگئی تَاَرَّضَ الْجَدْیُ بکری کے بچہ نے گھاس کھائی اور اَرَضَۃٌ کے معنی دیمک کے ہیں اور اُرِضَتِ الْخَشَبَۃُ کے معنی ہیں لکڑی دیمک خوردہ ہوگئی اور دیمک خوردہ لکڑی کو مَاْرُوْضَۃٌ کہا جاتا ہے۔

(ا ر ک)

اَلْاَرِیْکَۃُ (مسہری، حجلہ (چھپرکھٹ) جو مسہری یعنی تخت کے اوپر رکھا ہو اس کی جمع اَرَائِکُ ہے اور اسے اَرِیْکَۃ کہنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ ارض یعنی دنیا میں اراک (پیلو کی لکڑی) سے بنایا جاتا ہے جو ایک قسم کا درخت ہے اور یا محل اقامت ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ اَرَکَ بِالْمَکَانِ اُرُوْکًا سے مشتق ہے جس کے اصل معنی کسی جگہ پر اراک (یعنی پیلو) کے پتے چرنے کے لئے ٹھہرنا کے ہیں پھر مطلق ٹھہرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ (اس لئے جنت کے چھپر کھٹوں کو جو اہل جنت کی اقامت گاہ ہوں گے۔ اَرَائِکُ (۱۸-۲۱) کہا گیا ہے)

(ا ر م)

اَلْاِرَمُ۔ دراصل اس نشان کو کہتے ہیں

---

[1] البیت لطفیل الغنوی وفی اللسان (ارض) ارضہ وسماءہ بالتذکیر ایضا راجع الاقتضاب ۴۳۵ وتہذیب الاصلاح (۱: ۴۰) والعقد (۱: ۱۸۵) ومعانی العسکری ۲: ۱۰۶) والسمط (۲: ۸۸۱) والقالی ۲: ۴۸۲ والمعانی للقتبی (۱: ۱۵۵) قال وسمار الفرس ماکان من عجب الذنب الی العذر وارضہ قوائمہ وارض الفرس فی غیر ہذا المواضع حوافرہ والبیت فی دیوانہ ۶۲ (ملحقات) وقانون البلاغۃ ضمن رسائل البلاغۃ (صنعۃ کرد علی) وامالی المرتضی (۲: ۱۶۹) وفیہ کالدینار بدل کالدیباج وہو احسن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو پتھروں سے بنا دیا جاتا ہے اس کی جمع اُرَّمٌ ہے اور پتھروں کو اُرَّم کہا جاتا ہے اور اسی سے غضب ناک آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے۔ فُلَانٌ یَحْرِقُ الْاُرَّمَ یعنی فلاں مارے غصے کے دانت پیستا ہے اور آیت کریمہ :۔
اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹-۶) ارم ستونوں والے۔ میں ارم سے بلند اور مزین ستون مراد ہیں (جو قوم عاد نے بنائے تھے) مَا بِھَا اَرِمٌ وَ اَرِیْمٌ یعنی اس میں کوئی نہیں اصل میں اس کے معنی اَللَّازِمُ لِلْاُرَّمِ کے ہیں اور اس کا استعمال ہمیشہ (حرف) نفی کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح کہ مَا بِھَا دَیَّارٌ کا محاورہ ہے اور اس کے اصل معنی مقیم فی الدار کے ہیں۔

(ا ز ز)

آیت کریمہ :۔ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا (۱۹-۸۳) کے معنی ہیں کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں یہ اَزَّتِ الْقِدْرُ سے ہے جس کے معنی ہیں :۔ ہانڈی میں جوش اور ابال آگیا (اسی مناسبت سے ورغلانا یا ابھارنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) ایک روایت میں ہے :۔
(۷) اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کَانَ یُصَلِّیْ وَلِجَوْفِہٖ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ کہ آنحضرت نماز پڑھتے تو آپ کے اندروں سے ہانڈی کے کھد کھدانے کی (طرح رونے کی) آواز آتی۔ اَزَّہٗ اس کو بھڑکایا اور جھنجھوڑا یہ ھَزَّہٗ سے ابلغ ہے۔

(ا ز ر)

اصل میں اِزْرٌ اور اِزَارٌ کے معنی لباس (یعنی تہبند) کے ہیں اِزَارٌ اِزَارَۃٌ وَمِئْزَرَۃٌ تینوں ہم معنی ہیں کنایہ کے طور پر اِزَارٌ سے عورت مراد لی جاتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[۱] ؎

(۱۳) اَلَا اَبْلِغْ اَبَا حَفْصٍ رَسُوْلًا
فِدًی لَکَ مِنْ اَخِیْ ثِقَۃٍ اِزَارِیْ

ابوحفص (حضرت عمر) کو میرا پیغام پہنچادو تجھ جیسے قابل اعتماد بھائی پر میری بیوی قربان ہو۔ اور عورت کو اِزَار اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مرد کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے جیسے فرمایا :۔
ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (۲-۱۸۷) وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔
اَلْاَزْرُ کے معنی قوت شدیدہ کے ہیں قرآن میں ہے۔ اُشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ (۲۰-۳۱) اس سے میری قوت کو مضبوط فرما یعنی مجھے اس سے تقویت حاصل ہوگی۔ اٰزَرَہٗ۔ اعانت کرنا اور تقویت بخشنا۔ اصل میں یہ شَدَّ الْاِزَارَ سے ہے جس کے معنی ہیں چادر باندھنا قرآن میں ہے :۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ فَاٰزَرَہٗ (۴۸-۲۹) وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا۔ محاورہ ہے :۔ اَزَّرْتُہٗ فَتَاَزَّرَ میں نے اسے تہبند پہنائی تو اس نے پہن لی۔ ھُوَ حَسَنُ الْاِزْرَۃِ وہ خوش وضع ہے۔ اٰزَرْتُ الْبِنَاءَ وَاَزَّرْتُہٗ میں نے عمارت کی بنیاد کو مضبوط

---

[۱] قالہ ابو المنہال بقیلۃ الاکبر الاشجعی فی قصیدۃ لہ الی عمرؓ عرض فیہا بجعدۃ بن عبداللہ السلمی والی الکوفۃ والبیت والقصۃ فی اللسان (ازر) فی ستۃ ابیات والمؤلف للامدی ۸۲ فی خمسۃ ابیات والبواب مختارۃ ۱۰ والعقد الفرید (۲: ۲۷۳) والفائق (۱: ۱۷) والعمدۃ (۱: ۲۶۲) فی اربعۃ والشکل للقتبی ۱۰۸، ۲۰۵ فی خمسۃ ابیات ومجازات القرآن للشریف الرضی ۳۵۳ والاصابۃ ۲۱، ۷۲۸۸ رقم وکنز العمال بروایۃ ابن سیرین ج ۵ رقم ۴۷۱۸ وفی الصناعتین غیر منسوب ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا تآزَرَ النَّبَاتُ نبات بڑھ گئی اور مضبوط ہو گئی اٰذَرْتُهٗ وَاٰزَرْتُهٗ میں اِس کا وزیر بن گیا اَصل میں یہ مثال واوی (وزر) سے ہے (جس کے معنی دوسرے کا بوجھ اٹھانا کے ہیں)

فَرَسٌ اٰزَرُ گھوڑا جس کی ٹانگیں محل اِزار تک سفید ہوں۔ اور آیت کریمہ :۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ (۶-۷۴) اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا اور آزر اسی کا معرب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ (یہ لقب ہے اور ان کی زبان میں آزرُ کے معنی گمراہ کے ہیں۔

(ا ز ف)

قرآن میں ہے :۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (۵۳-۵۷) یعنی قیامت قریب آپہنچی اَزِفَ وَ اَفِدَ دونوں قریب المعنی ہیں قیامت کو اَزِفَ کہنا بلحاظ ضیق وقت کے ہے جیسے کہا جاتا ہے اَزِفَ الشُّخُوْصُ (کوچ کا وقت قریب آپہنچا) اور اَزَفٌ کے معنی ضیق وقت کے ہیں اور قیامت کو اٰزِفَةٌ کہنا اس کے قرب وقت کے اعتبار سے ہے اور اسی بنا پر اس کو سَاعَةٌ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور نیز آیت کریمہ :۔

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ (۱۶-۱) خدا کا حکم (یعنی عذاب گویا) آہی پہنچا۔

میں قیامت کو لفظِ ماضی کے ساتھ تعبیر کیا ہے نیز فرمایا۔

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ (۴۰-۸) اور ان کو قریب آنے والے دن سے ڈراؤ۔

(ا س ر)

اَلْاَسْرُ کے معنی قید میں جکڑ لینے کے ہیں۔ یہ اَسَرْتُ الْقَتَبَ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں میں نے پالان کو مضبوطی سے باندھ دیا اور قیدی کو اَسِیْرٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ رسی وغیرہ سے باندھا ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔

یَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا (۷۶-۸) اور یتیموں اور قیدیوں کو۔ پھر ہر اس شخص کو جو گرفتار اور مقید ہو کر آئے الاسیر کہہ دیا جاتا ہے گو وہ باندھا ہوا نہ ہو اَسِیْرٌ کی جمع اِسَارٰی وَ اُسَارٰی وَاَسْرٰی ہے[1] اور مجازاً۔ اَنَا اَسِیْرُ نِعْمَتِكَ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی تیرے احسان کی رسی میں بندھا ہوا ہوں۔ اور اُسْرَةُ الرَّجُلِ کے معنی افراد خاندان کے ہیں جن سے انسان قوت حاصل کرتا ہے۔ اور آیت کریمہ : وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ (۷۶-۲۸) اور اِن کی بندش کو مضبوطی سے باندھ دیا۔ میں اِس حکمت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو انسان کی ہیئت ترکیبی میں پائی جاتی ہے جس پر کہ آیت وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۵۱-۲۱) میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اَلْاُسْرُ۔ کے معنی ہیں پیشاب بند ہو جانا۔ اور جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اسے مَاْسُوْرٌ کہا جاتا ہے گویا اس کی پیشاب کی نالی بند کر دی گئی ہے اِس کے مقابلہ میں پاخانہ کی بندش پر حُصْرٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(ا س س)

اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ۔ (۹-۱۰۹) کے معنی ہیں اِس

---

[1] قرآن میں ہے وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی (۲-۸۵)۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی (۸-۶۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نے عمارت کی بنیاد رکھی اور بنیاد کو اُسٌّ وَاَسَاسٌ کہا جاتا ہے۔ اُسٌّ کی جمع اِسَاسٌ اور اَسَاسٌ کی جمع اُسُسٌ آتی ہے محاورہ ہے کَانَ ذَالِكَ عَلٰی اُسِّ الدَّھْرِ (رواست الدھر) (بود آں بر ہمیشگی زمانہ و اول آن) یعنی وہ قدیم زمانہ سے ہے جیسا کہ عَلٰی وَجْهِ الدَّھْرِ کا محاورہ مشہور ہے۔

(ا س ف)

اَلْاَسَفُ۔ حزن اور غضب کے مجموعہ کو کہتے ہیں کبھی آسَفَ کا لفظ حزن اور غضب میں سے ہر ایک پر انفراداً بھی بولا جاتا ہے اصل میں اس کے معنی جذبہ انتقام سے دم قلب کے جوش مارنا کے ہیں۔ اگر یہ کیفیت اپنے سے کمزور آدمی پر پیش آئے تو پھیل کر غضب کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اگر اپنے سے قوی آدمی پر ہو تو منقبض ہو کر حزن بن جاتی ہے اس لئے جب حضرت ابن عباسؓ سے حزن اور غضب کی حقیقت دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا: لفظ دو ہیں مگر ان کی اصل ایک ہی ہے۔ جب کوئی شخص اپنے سے کمزور کے ساتھ جھگڑتا ہے تو غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے اور جب اپنے سے قوی کے ساتھ جھگڑتا ہے تو واویلا اور غم کا اظہار کرتا ہے اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے[1] ع البسیط

(۴۲) فَحُزْنُ كُلِّ اَخِيْ حُزْنٍ اَخُو الْغَضَبِ

کہ ہر غمزدہ کا حزن غضب کا ساتھی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۴۳-۵۵) کے معنی یہ ہیں کہ جب انہوں نے ہمیں غضب ناک کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ یہاں ابو عبداللہ الرضا کا قول ہے کہ اللہ میاں ہماری طرح خفا نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے خفا ہونے سے اس کے اولیاء کا خفا ہونا مراد ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کے معنی اسکے اولیاء کے راضی ہونے کے ہیں۔ اسی بنا پر اللہ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے[2] مَنْ اھان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة یعنی جس نے میرے دوست کی اہانت کی اس نے میرے ساتھ جنگ کی۔ اور قرآن میں ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴-۸۰) جو شخص رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بیشک اسنے خدا کی فرمانبرداری کی۔ اور آیت کریمہ:۔ غَضْبَانَ اَسِفًا (۷-۱۵۰) میں اَسِفٌ کے معنی بھی غضب ناک ہی کے ہیں اور استعارہ کے طور پر ماتحت غلام کو نیز جس کا (بوجہ کراہت کے) نام لینا پسند نہ ہو اسے اَسِفٌ (بیچارہ) کہہ دیا جاتا ہے[3]۔

(ا س ن)

اَسَنَ (ن ض) اَلْمَاءُ پانی کا سخت بدبودار ہو

---

[1] وصدره جزاک ربک بالاحزان مغفرة ... قاله المتنبی فی رثاء اخت سیف الدولة فی (۴۴) بیتاً مطلعها یا اخت خیر اخ یا بنت خیر آب کناية بهما عن اشرف النسب راجع دیوانه ۳۲۹ طبعة هندية مصر ۱۳۲۲ھ وبشرح العکبری (۱: ۴۹) والشطر ایضاً فی محاضرات المؤلف (۴: ۵۰۶ و ۱: ۲۲۳) [2] اصله فی الصحیحین ورواه ابن ابی الدنیا فی کتاب الاولياء والحکیم الترمذی فی جامعه وابن مردویة حل فی الاسماء وابن عساکر عنها انس انظر للحدیث باختلاف الفاظه کنز العمال (ج ۱ رقم ۱۰۵۶ و ۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۲) ⁂

[3] ایضاً اسفی وفی القرآن یا اسفیٰ علیٰ یوسف (۱۲-۸۴) ایضاً رجل اسیف ای سریع الحزن والبکاء کما فی حدیث عائشة: ان ابابکر رجل اسیف راجع الفائق ۱/۱۹ ⁂

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جانا مَاءٌ اٰسِنٌ متغیر اور بدبودار پانی چنانچہ فرمایا:۔
مِنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ (۴۷-۱۵) اس پانی کی نہریں
ہیں) جو کبھی بدبودار نہیں ہوگا۔
اَسِنَ الرَّجُلُ پانی کی بدبو سے بیمار اور بیہوش ہونا
شاعر نے کہا ہے[ے]

(۱۵) يَمِيدُ فِي الرُّمْحِ مَيْدَ الْمَائِحِ الْاَسِنِ

نیزے پر اس طرح تڑپتا ہے جیسے کنویں میں اترنے
والا بیہوش آدمی تڑپ رہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ
تشبیہ کے طور تَاَسَّنَ الرَّجُلُ محاورہ استعمال
ہوتا ہے جس کے معنی بیمار پڑنے کے ہیں

(ا س و)

اَلْاُسْوَةُ وَالْاِسْوَةُ (قُدْوَةٌ اور قِدْوَةٌ
کی طرح) انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جس میں
وہ دوسرے کا متبع ہوتا ہے خواہ وہ حالت اچھی
ہو یا بری، سرور بخش ہو یا تکلیف دہ اسی لیے
آیت کریمہ:۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲۲-۲۱) تمہارے لئے پیغمبر
خدا میں اچھا اسوہ ہے۔ میں اُسْوَةٌ کی صفت
حَسَنَةٌ لائی گئی ہے[ے]۔
تَاَسَّيْتُ بِهٖ میں نے اس کی اقتدار کی۔
اَلْاَسٰى بمعنی حزن آتا ہے اصل میں اس کے معنی
کسی فوت شدہ چیز پر غم کھانا ہوتے ہیں۔
اَسِيْتُ عَلَيْهِ اَسًى وَاَسِيْتُ لَهٗ کسی چیز پر غم
کھانا قرآن میں ہے:۔ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ
(۵-۶۸) تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔
شاعر نے کہا ہے[ے] ع

(۱۶) "اَسِيْتُ لِاَخْوَالِيْ رَبِيْعَة

میں نے اپنے اخوال بنی ربیعہ پر افسوس کیا۔
یہ اصل میں (ناقص) واوی سے ہے کیونکہ محاورہ
میں غمگین آدمی کو اَسْوَانٌ (بالفتح) کہا جاتا ہے۔
اَلْاَسْوُ کے معنی زخم کا علاج کرنے کے ہیں۔ اصل
میں اس کے معنی ازالہ غم کے ہیں اور یہ کَرَبْتُ
النَّخْلَ کی طرح ہے جس کے معنی کھجور کے درخت
کی شاخوں کی جڑوں کو دور کرنے کے ہیں کہا جاتا
ہے اَسَوْتُهٗ اَسْوُهٗ اَسْوًا (از باب نصر) یعنی
میں نے اس کا غم دور کیا اس کو تسلی دی۔
اَلْاَسِيُّ علاج۔ مرہم پٹی کرنے والا اس کی جمع اِسَاءٌ
وَاُسَاةٌ ہے اور زخمی آدمی کو مَاْسِيٌّ وَاَسِيٌّ کہا
جاتا ہے۔ اَسَيْتُ بَيْنَ الْقَوْمِ باہم صلح کرانا۔
اٰسَيْتُهٗ (مفاعلہ) کسی کے ساتھ ہمدردی کرنا۔
(مال وغیرہ کے ذریعہ)۔ شاعر نے کہا ہے[ے] ع

(۱۷) "آسٰى اَخَاهُ بِنَفْسِهٖ (طویل)"

جس نے خود کو اپنے بھائی پر نثار کر دیا ہو۔

---

[۱] قال زهير السلمی وصدره: وقد اترک القرن مصفرا انامله ... وفی روایة اللسان (اسن) یغادر بدل اترک وهو الصواب لانه من صفة الممدوح ای ابن سنان راجع للبیت لحققات دیوانه ۱۹۴ والعقد الثمین والمختارات ۵۲ والسمط (۱: ۱۹۹) والبحر (۷: ۷۰) والطبری (۲۶-۳۳) وفی روایة التارک القرن مصفرا انامله ویمیل بدل یمید [۲] نیز فرمایا: قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراهیم والذین معه (۶۰-۴) [۳] قطعة من البیت قاله البحتری فی قصیدة له فی ۴۵ بیتا یمدح المتوکل ویذکر صلح بنی تغلب وتمامه ... ان عفت مصایفها واقوت ربوعها والبیت فی الحصری (۱: ۱۱۱) وفی روایة دیوانه ۶۲۶ ابشرح حسن کامل صیرفی - اذا عفت بدل ان عفت ومصانعها بدل مصایفها [۴] قطعة من البیت من قصیدة جهریة فی ۲۵ بیتا قالها درید بن الصمة احد بنی بکر بن جشم فی رثاء اخیه عبد الله وتکملته. قال امرأ آسی اخاه بنفسه یعلم ان المرء غیر مخلد. والبیت فی الجمهرة ۲/۲ والشنقیطی فی اشعار حلبة والعمدة لابن رشیق (۲: ۱۳۷) ودرید بن ذا شاعر شجاع فارس قتل یوم حنین مع المشرکین (بنی هوازن) راجع العمریین ۲۱-۲۲ والاشتقاد ۱۷۷-۱۸۰ والاغانی ۹-۲-۱۹ واللالی ۲۹-۳۰ والمؤتلف والخزانة ۴: ۴۴۶-۴۴۴ / ۳ / ۱۶۷-۴۶۲ والمیسر ۴۱ ۸-۴۴۲ ۸ وتجرید والشعراء ۷۲۵-۷۲۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے[1]

(۱۸) "فَآمنی و آداہ فکان کمن جنیٰ"

اس نے ہمدردی کی اور سامان حرب دیا تو گویا اس جنایت کی۔

یہاں آمنی بروزن فاعَلَ یُواسی سے ہے اسی طرح شاعر کے قول[2] ع

(۱۹) یکفون اثقال ثائی المستآسی"

المستاْسی بروزن مستفعل بھی اسی مادہ سے مگر اَلاِسَاءَۃُ (افعال) جس کے معنی تکلیف پہنچانے کے ہیں اس مادہ سے نہیں ہے بلکہ ساءَ (س وء) سے منقول ہے۔

(ا ش ر)

اَلْاَشَرُ بہت زیادہ اترانا اَشِرَ یا شَرُ اَشَرًا (س) اَلْاَشِرُ بہت زیادہ اترانے والا۔ قرآن میں ہے: سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ (۵۴-۲۶) ان کو کل ہی معلوم ہو جائیگا کہ کون جھوٹا خودپسند ہے۔ پس اَشَرٌ۔ بَطَرٌ سے ابلغ ہے اور بَطَرٌ میں فَرَحٌ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اور فَرَحٌ اگرچہ عام حالات میں مذموم ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (۲۸-۷۶) کہ خدا اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لیکن ایسے موقع پر جب خوشی کا اظہار ضروری ہو اور وہ اظہار بھی جب ضرورت ہو تو فرحت ممدوح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا (۱۰-۵۸) تو چاہیئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ کیونکہ کبھی سرور کی وجہ سے فرحت کا حصول تقاضائے عقل کے مطابق ہوتا ہے مگر اَشَرٌ اس فرحت کو کہتے ہیں جو مبنی بر ہوائے نفس ہو اور اسی سے بطور تشبیہ نَاقَةٌ مُّئْشِرٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی چست اونٹنی کے ہیں اور اس کے معنی دبلی اونٹنی بھی آتے ہیں اس صورت میں یہ اَشَرْتُ الْخَشَبَةَ سے ماخوذ ہوگا جسکے معنی لکڑی چیرنا کے ہیں۔

(ا ص ب ع)

اَلْاِصْبَعُ (انگلی) کا لفظ انگلی کی ہڈی ناخن بالائی سرا خم اور جوڑ کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے[3] اور بطور استعارہ ظاہری احسان کے معنی میں آتا ہے چنانچہ لَكَ عَلَيْهِ يَدٌ کی طرح لَكَ عَلٰى فُلَانٍ اِصْبَعٌ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے[4]

(ا ص ر)

اَلْاَصْرُ (ض) کے اصل معنی کسی چیز میں گرہ لگانے اور اس کو زبردستی روک لینا کے ہیں اَصَرَہٗ يَأْصِرُہٗ اَصْرًا فَهُوَ مَاْصُوْرٌ اور مَاْصَرٌ وَمَاْصِرٌ بندرگاہ پر جہاز کھڑا کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (۷-۱۵۷) اور ان پر سے بوجھ... اتارتے ہیں۔

---

[1] قالہ سوید المراثد الحارثی وصدرہ: ولم یجنہا ولکن جناہا ولیہا۔ وفی البیت آداہ (بالمہملہ) من الاداۃ ای عدۃ الحرب آداہ اصلہ، عداہ بالعین فابدلت ہمزۃ (راجع المرزوقی ص ۸۱۰ رقم ۲۷۱، والکامل ۲-۲۰۱ فی ۱۵ ابیات والعیون ۱: ۱۹ واللسان مرجنی) وفی النسخ المطبوعۃ اذاہ (بالمعجمہ) مصحف۔ [2] لم اجدہ

[3] وجمعہ اصابع راجع الآیۃ (۲-۱۹)

www.KitaboSunnat.com

یہاں اِصْرٌ سے وہ دشواریاں مراد ہیں جو خیرات اور ثواب تک پہنچنے سے اِن کے لئے رکاوٹ بنی ہوئی تھیں اور آیت :-
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا (۲-۲۸۶) میں بھی اِصْرٌ اسی معنی پر محمول ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اِصْرٌ کے معنی بوجھ کے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔

نیز اِصْر اس عہد مؤکد کو بھی کہتے ہیں جو خلاف ورزی کرنے والے کو ثواب اور خیرات سے روک دے چنانچہ قرآن میں ہے:-
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ (۳-۸۱) بھلا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا پختہ عہد لیا۔

اَلْاِصَارُ رسی یا میخ جن کے سہارے پر خیمہ کو کھڑا کیا جاتا ہے۔ مَا يَاْصِرُنِىْ عَنْكَ شَيْءٌ مجھے تیرے پاس پہنچنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اَلْاَيْصَرُ وہ کمبل جس میں خشک گھاس بھر کر اونٹ کی کوہان کے گرد لپیٹا جاتا ہے تا کہ اس پر آسانی کے ساتھ سواری ہو سکے۔

(ا ص ل)

اَصْلُ الشَّيْءِ (جڑ) کسی چیز کی اس بنیاد کو کہتے ہیں کہ اگر اس کا ارتفاع فرض کیا جائے تو اس شے کا باقی حصہ بھی معلوم ہو جائے قرآن میں ہے:- اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ (۱۴-۲۵) اِس کی جڑ زمین میں پختگی سے جمی ہے اور شاخیں آسمان میں۔ اور تَاَصَّلَ كَذَا کے معنی کسی چیز کے جڑ پکڑنا ہیں اس سے اصل اور خاندانی بزرگی مَجْدٌ اَصِيْلٌ کہا جاتا ہے۔ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ لَا اَصْلَ لَهٗ وَلَا فَصْلَ یعنی نیست اورا حسب و نہ زبان۔

اَلْاَصِيْلُ وَالْاَصِيْلَةُ کے معنی (عَشِيَّةٌ) عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۳۳-۴۲) اور صبح و شام کی تسبیح بیان کرتے رہو۔

اَصِيْلٌ کی جمع اُصُلٌ و اٰصَالٌ اور اَصِيْلَةٌ کی جمع اَصَائِلُ ہے قرآن میں ہے۔ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۷-۲۰۵) صبح اور شام

(ا ف ف)

اَلْاُفُّ۔ اصل میں ہر گندی اور قابل نفرت چیز کو کہتے ہیں میل کچیل اور ناخن کا تراشہ وغیرہ اور محاورہ میں کسی بری چیز سے اظہار نفرت کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے: اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۲۱-۶۷) تف ہے تم پر اور جنہیں تم خدا کے سوا پوجتے ہو ان پر بھی۔

اَفَّفْتُ لِكَذَا کسی چیز سے کراہت ظاہر کرنا اُفٍّ کہنا۔ اسی سے اَفَّفَ فُلَانٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی مکروہ چیز سے دل برداشتگی کا اظہار کرنے کے ہیں۔

(ا ف ق)

اَلْاُفُقُ۔ کنارہ جمع آفَاقٌ۔ قرآن میں ہے: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ (۴۱-۵۳) ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی... نشانیاں دکھائیں گے آفاق کے معنی اطراف کے ہیں اس کا واحد اُفْقٌ وَاُفُقٌ ہے[1] اور نسبت کے وقت اُفُقِيٌّ کہا جاتا ہے اور

---

[1] و فی القرآن ولقد رآه بالافق المبین (۸۱-۲۳) وهو بالافق الاعلیٰ (۵۳-)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَفِق فلک ؤُ کے معنی آفاق (اطراف عالم) میں جانے کے ہیں اور افق کے اطراف میں انتہائی بُعد اور وسعت سے تشبیہ کے طور پر "افِق" کا لفظ انتہائی سخی پر بولا جاتا ہے۔

(ا ف ك)

اَلْاِفْلِكُ۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے صحیح رخ سے پھیردی گئی ہو۔ اسی بناء پر ان ہواؤں کو جو اپنا اصلی رخ چھوڑدیں مُؤْتَفِكَةٌ کہا جاتا ہے اور آیات کریمہ:۔ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ (۶۹-۹) اور وہ الٹنے والی بستیوں نے گناہ کے کام کئے تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (۵۳-۵۳) اور الٹی ہوئی بستیوں کو دے پٹکا۔ (میں مُؤتفکات سے مراد وہ بستیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے مع ان کے بسنے والوں کے الٹ دیا تھا)

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۹-۳۰) خدا ان کو ہلاک کرے۔ یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ یعنی اعتقاد حق سے باطل کی طرف اور سچائی سے جھوٹ کی طرف اور اچھے کاموں سے برے افعال کی طرف پھر رہے ہیں۔ اسی معنی میں فرمایا:۔ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (۵۱-۹) اس سے وہی پھرتا ہے جو (خدا کی طرف سے) پھیرا جائے۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۶-۹۵) پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔ اور آیت کریمہ:۔ اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (۴۶-۲۲) کیا تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو کہ ہمارے معبودوں سے پھیردو۔ میں اِفك کا استعمال ان کے اعتقاد کے مطابق ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اعتقاد میں آلہۃ کی عبادت ترک کرنے کو حق سے برگشتگی سمجھتے تھے۔

جھوٹ بھی چونکہ اصلیت اور حقیقت سے پھرا ہوتا ہے اس لئے اس پر بھی اِفك کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (۲۴-۱۱) جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تمہیں لوگوں میں سے ایک جماعت ہے۔ لِكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (۴۵-۷) ہر جھوٹے گنہگار کے لئے تباہی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ (۳۷-۸۶) کیوں جھوٹ (بنا کر) خدا کے سوا اور معبودوں کے طالب ہو۔ میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِفکًا مفعول لہٗ ہو اَیْ اٰلِهَةً مِنَ الْاِفْكِ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِفْكًا تُرِيْدُوْنَ کا مفعول ہو اور اٰلِهَةً اس سے بدل .... اور باطل معبودوں کو (مبالغہ کے طور پر) اِفکًا کہدیا ہو[1]۔

اور جو شخص حق سے برگشتہ ہو اسے مَاْفُوْكٌ کہا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[2] (منسرح)

(۲۰) فَاِنْ تَكُ عَنْ اَحْسَنِ الْمُرُوْءَةِ مَاْفُوْ
كًا فَفِيْ اٰخَرِيْنَ قَدْ اُفِكُوْا

اگر تو حسن مروت کے راستہ سے پھر گیا ہے تو تم ان لوگوں میں ہو جو برگشتہ ہو چکے ہیں۔

اُفِكَ الرَّجُلُ يُؤْفَكُ کے معنی دیوانہ اور باؤلا ہونے کے ہیں اور باؤلے آدمی کو مَاْفُوْكُ الْعَقْلِ کہا جاتا ہے

---

[1] ذکر الزمخشری ہہنا ثلاثۃ اوجہ من الاعراب اخناف ذکرہما المؤلف والثالث ان یکون افکا حالا من ضمیر الفاعل ۳ ۹۴، طبع مصر۔

[2] قالہ عمرو بن اذینہ والبیت فی اللسان والصحاح (انک) والطبرسی (۲۶-۱۹) وشواہد الکشاف ۸۷ وتہذیب الاصلاح (۱: ۴۴) والاصلاح ۲۳ وتہذیب الالفاظ ۵۵۲ والبحر ۲: ۶-۵۰/۷: ۴۹۴ والغریب القتیبی ۳۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ا ف ل)

اَلْاُفُوْلُ کے معنی ماہتاب اور نجوم (وغیرہ نیّرات) کے غروب ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (۶-۷۶) جب وہ غائب ہوگیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔

فَلَمَّا اَفَلَتْ (۶-۷۸) مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا۔

بعیر بکری کے چھوٹے بچوں کو اِفال اور اونٹ کے کمزور اور چھوٹے بچے کو اَفِیْلٌ کہا جاتا ہے۔

(ا ک ل)

اَلْاَکْلُ کے معنی کھانا تناول کرنے کے ہیں اور مجازاً اَکَلَتِ النَّارُ الْحَطَبَ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی آگ نے ایندھن کو جلا ڈالا۔

اور جو چیز بھی کھائی جائے اسے اُکُلٌ (بضم کاف وسکونا) کہا جاتا ہے ارشاد ہے اُکُلُهَا دَائِمٌ (۱۳-۳۵) اسکے پھل ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں۔

اَلْاَکْلَةُ مرۃ کا صیغہ ہے یعنی ایک مرتبہ کھانا اور اَلْاُکْلَةُ بمعنی لُقْمَةٌ ہے۔

اَکِیْلَةُ الْاَسَدِ شیر کا شکار کیا ہوا جانور جسے وہ کھا جاتا ہے۔

اَلْاَکُوْلَةُ بکری جو کھانے کیلئے موٹی کی گئی ہو۔

اَلْاَکِیْلُ ہم پیالہ کو کہتے ہیں اور استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے۔

فُلَانٌ مُؤْکَلٌ وَمُطْعَمٌ (کنایہ مالدار تونگر۔

ثَوْبٌ ذُوْ اُکُلٍ سخت بنا ہوا کپڑا۔ گھنی بناوت کا کپڑا۔

اَلتَّمْرُ مَاْکَلَةٌ لِلْفَمِ کھجور خوردنی چیز ہے۔ قرآن میں ہے:۔ ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ (۳۴-۱۶) اور کبھی اُکُلٌ کا لفظ نصیبہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے فُلَانٌ ذُوْ اُکُلٍ مِنَ الدُّنْیَا یعنی وہ دنیا سے بہرہ یاب ہے

اِسْتَوْفٰی فُلَانٌ اُکُلَهٗ کنایہ از موت یعنی رزق پورا لے لیا۔

اَکَلَ فُلَانٌ فُلَانًا اس نے فلاں کی غیبت کی اور یہی معنی اَکَلَ لَحْمَهٗ کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا (۴۹-۱۲) کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔

شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۲۱) فَاِنْ کُنْتُ مَاْکُوْلًا فَکُنْ اَنْتَ اٰکِلِیْ۔

اگر مجھے کھایا جانا ہے تو تم خود ہی کھالو۔

مَا ذُقْتُ اُکَالًا میں نے کوئی چیز نہیں کھائی اور چونکہ کھانے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت مال کی ہوتی ہے اس لئے اَلْاَکْلُ کے معنی مال خرچ کرنا بھی آجاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (۴-۲۹) ایک دوسرے کا مال ناحق صرف نہ کرو۔ اور آیت:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ

---

[1] قالہ الممزق العبدی حینما غضب علیہ النعمان بن المنذر او عمرو بن ہند وتمامہ .... والا فادرکنی ولما امزق وفی اللسان امزق) خیر آکلی بدل انت آکلی والبیت ایضا فی اللسان (اکل) وذیل امالی المرتضی (۱-۳۲۵) والکامل للمبرد (۱: ۱۸) والسیوطی ۲۰۵ والاصمعیات ۵۸ والاشباہ والنحویر (۲: ۲۲۲) فی بحث الفرق بین لم ولما والبحر (۷-۵۵) والمؤتلف للآمدی ۲۸۳ وکتب عثمان ایام الفتنۃ الی علی مکتوبا یستنجدہ وختم بہذا البیت انظر العمدۃ (۱: ۴۷، ۲۵۶) وابن حسنام (۱: ۳۰۹) واہواب ثلاثین ۲۰۲ والحصری (۱: ۷۵) وامالی ابن الشجری (۱: ۱۳۵) والعقد ۱۹۳-۴۱۶) والعیون (۱: ۴۳) والیضا السیوطی ۲۳۳ والشاعر اسمہ شاس بن نہار العبدی ولقب بالممزق لقولہ فی ہذا البیت (و لما امزق)، راجع الآمدی ۱۸۵ - ۱۸۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا (۴-۱۰) میں یتامیٰ کا مال کھانے سے اس کو ناجائز طور پر صرف کرنا مراد ہے اور پھر بعد میں اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (۴-۱۰) کہہ کر تنبیہ کی ہے کہ یہ انہیں جہنم میں لے جائیگا۔

اَلْاَکُوْلُ وَالْاَکَّالُ (مبالغہ) زیادہ کھانے والا۔ قرآن میں ہے:۔

اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (۵-۴۲) اور رشوت کا حرام مال بہت زیادہ کھانے والے ہیں۔

اُکُلٌ کی جمع اَکَلَةٌ ہے محاورہ ہے هُمْ اَکَلَةُ رَأْسٍ۔ یعنی وہ تعداد میں اتنے کم ہیں کہ ایک سر ہی انہیں کافی ہے[1]۔ کبھی اَکْلٌ کے معنی خراب کرنا بھی آجاتے ہیں (یعنی کھانے کے بعد جو خراب سا رہ جاتا ہے) جیسے فرمایا۔ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ یعنی کھایا ہوا بھس۔

تَاَکَّلَ کَذَا۔ کسی چیز کا خراب ہوجانا اَصَابَهٗ اُکَالٌ فِیْ رَأْسِهٖ وَفِیْ اَسْنَانِهٖ سر کا کھجلی اور دانتوں کا خوردہ سے خراب ہوجانا وَاَکَلَنِیْ رَأْسِیْ یعنی میرے سر کے بال جھڑ گئے۔ مِیْکَائِیْلُ ایک فرشتے کا نام ہے اور یہ عربی لفظ نہیں ہے۔

(ا ل ل)

اَلْاِلُّ ہر وہ صاف اور ظاہری حالت جس کا انکار ناممکن ہو، عہد قرابت داری۔ قرآن میں ہے:۔ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (۹-۱۰) یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا۔

اَلَّ الْفَرَسُ گھوڑے کا تیز چلنا اس کے اصل معنی چمکنے کے ہیں اور پھر تیز روی کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے جیسے کہ بَرَقَ وطَارَ کے الفاظ ہیں۔ اَلْاَلَّةُ چمک دار برچھا اَلَّ بِهَا اس نے نیزہ یا برچھا سے مارا اور اسی سے تیز کان کو اُذُنٌ مُؤَلَّلَةٌ کہا جاتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اِلٌّ وَاِیْلٌ اسماء حسنیٰ سے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اَلْاِلَالُ چھری کے دونوں پہلو

(ا ل ف)

اَلْاَلِفُ۔ حروف تہجی کا پہلا حرف ہے[1] اور اَلْاِلْفُ (ض) کے معنی ہیں ہم آہنگی کے ساتھ جمع ہونا۔ محاورہ ہے:۔ اَلَفْتُ بَیْنَهُمْ میں نے ان میں ہم آہنگی پیدا کردی اور اسی سے اُلْفَةٌ (بمعنی محبت) ہے اور کبھی ہر مالوف چیز کو اِلْفٌ وآلِفٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ (۳-۱۰۳) جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (۸-۶۳) اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے

اور مُؤَلَّفٌ اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کے مختلف اجزاء کو یکجا جمع کردیا گیا ہو اور ہر جزء کو تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے اس کی صحیح جگہ پر رکھا گیا ہو۔

اور آیت کریمہ:۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ (۱۰۶-۱) قریش کے مالوف کرنے کے سبب میں اِیْلَافٌ (افعال) کا مصدر ہے اور آیت:۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ (۹-۶۰)

۱؎ راجع للبحث عن حروف الہجاء المقدمہ ۵۲ وایضاً (او ک)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے۔ میں مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوْبُ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی بہتری کا خیال رکھا جائے حتیٰ کہ وہ ان لوگوں کی صف میں داخل ہو جائیں جن کی وصف میں قرآن نے لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ فرمایا ہے یعنی مخلص مسلمان ہو جائیں۔

اَوَالِفُ الطَّیْرِ مانوس پرندے جو گھروں میں رہتے ہیں۔

اَلْاَلْفُ۔ ایک خاص عدد (ہزار) کا نام ہے اور اسے اَلْفٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اعداد کے تمام اقسام جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ اعداد کی چار قسمیں ہیں۔ اکائی، دہائی، سینکڑہ، ہزار تو اَلْف میں یہ سب اعداد جمع ہو جاتے ہیں اس کے بعد جو عدد بھی ہو وہ مکرر آتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ الف حروف تہجی بھی اسی سے ہے کیونکہ وہ مبدا انتظام بنتا ہے۔ اَلَفْتُ الدَّرَاھِمَ میں نے درہموں کو ہزار کر دیا جس طرح مَاءَیْتُ کے معنی ہیں میں نے انہیں سو کر دیا۔ اٰلَفَتْ وہ ہزار کو پہنچ گئے جیسے اَمَاءَتْ سو تک پہنچ گئے

(ا ل ک)

اَلْمَلٰٓئِکَۃُ (فرشتے) اور مَلَکٌ اصل میں مَاْلَکٌ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مَلْاَکٌ سے مقلوب ہے اور مَاْلَکٌ وَمَاْلَکَۃٌ وَاَلُوْکٌ کے معنی رسالت یعنی پیغام کے ہیں اسی سے اَلِکْنِیْ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں "اسے میرا پیغام پہنچا دو"۔

اَلْمَلَاۗئِکَۃُ کا لفظ (اسم جنس ہے اور) واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (۲۲-۷۵) خدا فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے۔ خلیل نے کہا ہے کہ مَاْلُکَۃٌ کے معنی ہیں پیغام اور اسے مَاْلُکَۃ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی منہ میں چبایا جاتا ہے اور یہ فَرَسٌ یَاْلُکُ اللِّجَامَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں گھوڑے کا منہ میں لگام کو چبانا۔

(ا ل م)

اَلْاَلَمُ کے معنی سخت درد کے ہیں کہا جاتا ہے اَلِمَ یَاْلَمُ (س) اَلَمًا فَھُوَ اٰلِمٌ قرآن میں ہے:۔ فَاِنَّھُمْ یَاْلَمُوْنَ کَمَا تَاْلَمُوْنَ (۴-۱۰۴) تو جس طرح تم شدید درد پاتے ہو اسی طرح وہ بھی شدید درد پاتے ہیں۔

اَلَمْتُ فُلَانًا میں نے فلاں کو سخت تکلیف پہنچائی۔ اور آیت کریمہ:۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲-۱۰) میں اَلِیْمٌ بمعنی مُؤْلِمٌ ہے یعنی دردناک۔ دکھ دینے والا۔ اور آیت:۔ اَلَمْ یَاْتِکُمْ (۶-۱۳۰) کیا تم کو... نہیں پہنچی۔ میں الف استفہام کا ہے جو لَمْ پر داخل ہوا ہے (یعنی اس مادہ سے نہیں ہے)

(ا ل ہ)

اَللّٰہُ (۱) بعض کا قول ہے کہ اَللّٰہُ کا لفظ اصل میں اِلٰہٌ ہے ہمزہ (تخفیفاً) حذف کر دیا گیا ہے اور اس پر الف لام (تعریف) لا کر باری تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اسی تخصیص

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بنا پر فرمایا۔ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (۱۹-۶۵) کیا تمہیں اس کے کسی ہمنام کا علم ہے۔

اِلٰهٌ کا لفظ عام ہے اور ہر معبود پر بولا جاتا ہے (خواہ وہ معبود برحق ہو یا معبود باطل) اور وہ سورج کو الٰاهَة کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ انہوں نے اس کو معبود بنا رکھا تھا۔

اِلٰهٌ کے اشتقاق میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلَهَ (ف)، یَأْلَهُ فُلَانٌ وَتَاَلَّهَ سے مشتق ہے جس کے معنی پرستش کرنا کے ہیں اس بنا پر اِلٰهٌ کے معنی ہوں گے معبود اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلِهَ (س) بمعنی تحیر سے مشتق ہے اور باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے ادراک سے چونکہ عقول متحیر اور درماندہ ہیں اس لئے اسے اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے فرمایا ہے[1]۔

كَلَّ دُوْنَ صِفَاتِهٖ تَحْبِيْرُ الصِّفَاتِ وَضَلَّ هُنَاكَ تَصَارِيْفُ للغَاتِ۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من
خاک بر فرق من وتمثیل من

اس لئے کہ انسان جس قدر صفات الٰہیہ میں غور وفکر کرتا ہے اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے اس بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا ہے[2] (۱۱) تَفَكَّرُوْا فِيْ آلَاءِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کیا کرو اور اس کی ذات کے متعلق مت سوچا کرو۔

(۲) بعض نے کہا ہے کہ اِلٰهٌ اصل میں وِلَاهٌ ہے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اِلَاہ بنا لیا ہے اور وَلِهَ (س) کے معنی عشق ومحبت میں وارفتہ اور بیخود ہونے کے ہیں[3] اور ذات باری تعالیٰ سے بھی چونکہ تمام مخلوق کو والہانہ محبت ہے اس لئے اسے اللہ کہا جاتا ہے اگرچہ بعض چیزوں کی محبت تسخیری ہے جیسے جمادات اور حیوانات اور بعض کی تسخیری اور ارادی دونوں طرح ہے جیسے بعض انسان۔ اسی لئے بعض حکماء نے کہا ہے کہ ذات باری تعالیٰ تمام اشیاء کو محبوب ہے اور آیت کریمہ۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (۱۷-۴۴) مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں ہے مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں لَاهَ يَلُوْهُ لِيَاهًا سے ہے جس کے معنی پردہ میں چھپ جانا کے ہیں اور ذات باری تعالیٰ بھی نگاہوں سے مستور اور محجوب ہے اس لئے اسے اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (۶-۱۰۳) وہ ایسا ہے کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔

نیز آیت کریمہ:۔ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (۵۷-۳) میں الباطن" کہہ کر بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

[1] نثر مقفی قاله رضی الله عنه فی خطبته الغراء والخطبة بطولها فی العقد وفیه "صفته" بدل صفاته وایضاً ابن الحدید [2] انظر الحدیث للسان (۱۱۱) و وابوالشیخ طس، عدهب عن ابن عمرؓ) وفی روایة فی خلق الله دحل عن ابن عباس وابوالشیخ عن ابی ذرؓ) ورد فی کل شیء وابوالشیخ فی العظمة عن ابن عباس) راجع کنز العمال ۳/۵۷۷-۵۸۱ ومعناه ۵۸۶-۵۸۷ وابوالشیخ فی العظمة حل عن عبدالله بن سلام [3] نسبه الطبرسی الی ابی عمرو

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ یعنی معبود درحقیقت ایک ہی ہے اس لئے ہونا یہ چاہیئے تھا کہ اس کی جمع نہ لائی جائے لیکن اہل عرب نے اپنے اعتقاد کے مطابق بہت سی چیزوں کو معبود بنا رکھا تھا اس لئے اٰلِهَةٌ صیغہ جمع استعمال کرتے تھے۔ قرآن میں ہے:۔ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُوْنِنَا (۲۱-۴۳) کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں کہ ان کو مصائب سے بچالیں۔

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ (۷-۱۲۷) اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہوجائیں۔ ایک قرأت میں وَاِلَاهَتَكَ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں لَاهِ اَنْتَ۔ یہ اصل میں لِلّٰهِ اَنْتَ ہے ایک لام کو تخفیف کے لئے حذف کردیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یَا اَللّٰهُ کے ہیں اور اس میں میم مشدد یا (حرف ندا) کے عوض میں آیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ اصل میں یَا اللّٰهُ اُمَّنَا بِخَيْرٍ (اے اللہ تو خیر کے ساری ہماری طرف توجہ فرما) ہے (کثرت استعمال کی بنا پر) ... حَيْهَلًا کی طرح مرکب کرکے اَللّٰهُمَّ بنا لیا گیا ہے[1] (جیسے هَلُمَّ)

اِلٰى۔ حرف (جر) ہے اور جہات ستہ میں سے کسی جہت کی نہایۃ حد بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔

(ا ل و)

اَلْوُتُ فِي الْاَمْرِ کے معنی ہیں کسی کام میں کوتاہی کرنا گویا کوتاہی کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس امر کی انتہا ہی ہے۔ اور اَلَوْتُ فُلَانًا کے معنی اَوْلَيْتُهٗ تَقْصِيْرًا (میں نے اسے کوتاہی کا والی بنا دیا) کے ہیں جیسے كَسَبْتُهٗ اَيْ اَوْلَيْتُهٗ كَسْبًا (میں نے اسے کسب کا والی بنا دیا) مَا اَلَوْتُهٗ جُهْدًا میں نے مقدور بھر اس سے کوتاہی نہیں کی اس میں جُهْدًا تمیز ہے جس طرح مَا اَلَوْتُهٗ نُصْحًا میں نُصْحًا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (۳-۱۱۸) یعنی یہ لوگ تمہاری خرابی چاہنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔

اور آیت کریمہ: وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ (۲۴-۲۲) اور جو لوگ تم میں سے صاحب فضل (اور صاحب وسعت) ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلَوْتُ سے باب افتعال ہے اور بعض نے اٰلَيْتُ بمعنی حَلَفْتُ سے مانا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی جب کہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ آئندہ مسطح کی مالی امداد نہیں کریں گے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صیغۂ افتعال اَفْعَلَ (مزید فیہ) سے نہیں آتا بلکہ فَعَلَ (مجرد) سے بنایا جاتا ہے جیسے:۔ كَسَبْتُ سے اِكْتَسَبْتُ اور صَنَعْتُ سے اِصْطَنَعْتُ اور رَاَيْتُ سے اِرْتَاَيْتُ اور روایت[2]۔

(۱۲) لَا دَرَيْتَ وَلَا ائْتَلَيْتَ میں بھی مَا اَلَوْتُهٗ شَيْئًا سے افتعال کا صیغہ ہے۔ گویا اس کے معنی وَلَا اسْتَطَعْتَ کے ہیں (یعنی تو نے نہ جانا اور نہ تجھے اس کی استطاعت ہوئی) اصل میں اِيْلَاءٌ

---

[1] راجع للبحث فی (اللهم) المسائل والاجوبة لابن سیدہ ا: ۱۰۹ معالم ص ۲-۲۲ المطرزی علی المقامات ص ۵۴۳ الکناش الکواکبی ص ۸۱ والکلام فی میم (اللھم) ومناقشۃ فیھا: ذخائر القصر لابن طولون آخر ص ۱۵ [2] رواہ البخاری ومسلم من حدیث انسؓ لکن فی روایتھما ولاتلیت والحدیث الیغانی مسند البزار واحمد من عبداللہ بن عمر والطبرانی فی الاوسط

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اَلِيَّةٌ اس قسم کو کہتے ہیں جس پر (قسم کھانے والے کو) تکلیف اور کوتاہی کا سامنا کرنا پڑے اور اصطلاح شریعت میں اِیْلَاءٌ اس قسم کو کہتے ہیں جو عورت کے ساتھ جماع پر اٹھائی جائے اس قسم کی کیفیت اور احکام کا بیان کرنا کتب فقہ کے ساتھ مختص ہے اور آیت کریمہ :۔

وَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ (۷-۷۴) پس خدا کی نعمتوں کو یاد کرو۔ میں اٰلَاءٌ کا واحد اَلًی وَاِلًی ہے جس طرح کہ اٰنَاءٌ کا واحد اَنًا وَاِنًی آتا ہے بعض نے آیت کریمہ :۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۷۵-۲۳-۲۴) اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے)۔ میں اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے معنی اِلٰى نِعْمَةِ رَبِّهَا مُنْتَظِرَةٌ کئے ہیں یعنی اپنے پروردگار کی نعمت کے منتظر ہونگے لیکن بلاغت قرآن کی رو سے یہ سراسر تعسف ہے

(اَلَا)

اَلَا یہ حرف استفتاح ہے[1] (یعنی کلام کے ابتدا میں تنبیہ کے لئے آتا ہے)

(اِلَّا)

اِلَّا یہ حرف استثناء ہے[2]

اُوْلَاءِ (اُولَا)

یہ اسم مبہم ہے جو جمع مذکر و مؤنث کی طرف اشارہ کے لئے آتا ہے اس کا مفرد من لفظہٖ نہیں آتا کبھی اس کے شروع میں ھا تنبیہ بھی آ جاتا ہے، قرآن میں ہے :۔ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ (۳-۱۱۹) دیکھو! تم ایسے لوگ ہو کہ ان سے دوستی رکھتے ہو اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى (۲-۵) یہی لوگ .... ہدایت پر ہیں اور کبھی اس میں قصر (یعنی بحذف ہمزہ آخر) بھی کر لیا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[3] ع

(۲۲) هٰؤُلَا ثُمَّ هٰؤُلَا كُلًّا اَعْطَيْـ
ـتُ نَوَالًا مَحْذُوَّةً بِمِثَالِ

ان سب لوگوں کو ہم نے بڑے بڑے گرانقدر عطیے دیئے ہیں

(ا م م)

اَلْاُمُّ یہ اَبٌ کا بالمقابل ہے اور ماں قریبی حقیقی ماں اور بعیدہ یعنی نانی پرنانی وغیرہ سب کو اُمٌّ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حواء کو اُمُّنَا کہا گیا ہے اگرچہ ہمارا ان سے بہت دور کا تعلق ہے۔ پھر ہر اس چیز کو اُمٌّ کہا جاتا ہے۔ جو کسی دوسری چیز کے وجود میں آنے یا اس کی اصلاح و تربیت کا سبب ہو یا اس کے آغاز کا مبداء بنے۔ خلیل کا قول ہے کہ ہر وہ چیز جس کے اندر اس کے جملہ متعلقات منضم ہو جائیں یا سما جائیں .... وہ ان کی اُمٌّ کہلاتی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ :۔ وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ (۴۳-۴) اور یہ اصل نوشتہ (یعنی لوح محفوظ) میں ہے۔ میں اُمِّ الْكِتٰبِ سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ وہ

---

[1] یکون مما للتوبیخ والتمنی والاستفہام عن النفی فالعرض والتحضیص نحو اَلَا تُحِبُّوْنَ ان یغفر اللہ لکم (۲۴-۲۲) وفی معنی التنبیہ الا یوم یاتیہم لیس مصروفا عنہم (۱۱-۷)، [2] وقد یکون صفۃ بمنزلۃ غیر نحو لو کان فیہما اٰلہۃ الا اللہ لفسدتا (الانبیاء ۲۱:۲۲) وفیہ بحث وعاطفۃ بمنزلۃ الواو لیجع الاٰیۃ (۲:۱۵۰) (۲۷:۱۰-۱۱) وزائدۃ فہذہ اربعۃ اوجہ واما الا فحرف تخصیص او مرکب من ان وان الناصبۃ المخففۃ ولا النافیۃ وراجع للبحث المغنی ج ۱ ص ۷۰-۸۰، [3] قال الاعشی وفی جمہرۃ اشعار العرب لعالا بدل نوالا ومعناہ سقیتم کاس الردی والبست ذرالہ (۱: ۱۷۸) ددیوانہ ۱۶۷ ❊ ❊

www.KitaboSunnat.com

وہ تمام علوم کا منبع ہے اور اسی کی طرف تمام علوم منسوب ہوتے ہیں اور مکہ مکرمہ کو اُمّ القریٰ کہا گیا ہے کیونکہ وہ خطۂ عرب کا مرکز تھا) اور بموجب روایت تمام روئے زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی ہے اور یہ ساری دنیا کا دینی مرکز ہے) قرآن میں ہے:۔
لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۴۲-۷) تاکہ تو مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں۔ بدعملی کے انجام سے ڈرائے۔
اُمُّ النجوم۔ کہکشاں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)
(۳۳) "بحیث اهتدت ام النجوم الشوابك"
یعنی جہاں کہ کہکشاں راہ پاتی ہے
اُمّ الاضیاف۔ مہمان نواز۔ ام المساکین۔ مسکین نواز۔ مسکینوں کا سہارا۔ ایسے ہی جیسے بہت زیادہ مہمان نواز کو "ابو الاضیاف" کہا جاتا ہے اور رئیس جیش کو ام الجیش۔ شاعر نے کہا ہے[2] (طویل)
(۳۴) "وام عيال قد شهدت تقوتهم"
اور وہ اپنی قوم کے لئے بمنزلہ ام عیال ہے جو ان کو رزق دیتا ہے۔
اُمُّ الکتاب۔ سورۂ فاتحہ کا نام ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کے لئے بمنزلہ دیباچہ اور مقدمہ ہے۔

اور آیت کریمہ:۔ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (۱۰۱-۹) مثویٰ یعنی رہنے کی جگہ کے ہیں۔ جیسے دوسری جگہ دوزخ کے متعلق مَاْوٰىكُمُ النَّارُ (۲۹-۲۵) فرمایا ہے (اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ایک محاورہ ہو) جس طرح کہ وَيْلُ اُمِّهٖ وَهَوَتْ اُمُّهٗ ہے یعنی اس کیلئے ہلاکت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:۔ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳-۶) میں ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ بحث اَبٌ میں گزر چکی ہے۔ نیز فرمایا۔ يَا ابْنَ اُمَّ (۲۰-۹۴) کہ بھائی۔
اُمٌّ۔ (کی اصل میں اختلاف پایا جاتا ہے) بعض نے کہا ہے کہ اُمٌّ اصل میں اُمَّهَةٌ ہے کیونکہ اس کی جمع اُمَّهَاتٌ اور تصغیر اُمَيْهَةٌ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اصل میں مضاعف ہی ہے کیونکہ اس کی جمع اُمَّاتٌ اور تصغیر اُمَيْمَةٌ آتی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ عام طور پر حیوانات وغیرہ کے لئے اُمَّاتٌ اور انسان کے لئے اُمَّهَاتٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔
اَلْاُمَّةُ ہر وہ جماعت جن کے مابین رشتہ دینی ہو یا وہ جغرافیائی اور عصری وحدت میں منسلک

---

[1] قال تابط شرا وصدره یسری بوحشة الانس انيس ویهتدی ۔۔۔۔ والبیت فی الحماسۃ مع المرزوقی رقم ۱۳ فی تسعۃ ابیات والبیت فی الفاعتیق ۳۴۲ واللآلی (۲-۱۵۹) ونقد الشعر (۷۴) والحیوان (۶: ۲۵۶) فی ستۃ ابیات وثمار القلوب ۳-۲۷ وزهر الآداب (۲: ۲۱) فی عشرۃ ابیات وام النجوم الشوابک ہی الشعرۃ البیت فی التیجان ۳۴۲ منسوب لسلیک بن سلکۃ وراجع للبیت ایضاً المسط ۲۰۷ وادبا المؤلف (ص: ۱۱۸) [2] قال الشنفری عمرو بن مالک الازدی (م ق ھ ۷۰ ق م) شاعر جاہلی من الصعالیک صاحب لامیۃ العرب التی شرحہا الزمخشری فی الحجب العجاب وارادوا بام عیال تابط شرا اونہم حین غزوا جعلوا ازادہم الیہ فکان یقتر علیہم مخافۃ ان تطول الغزاۃ فیموتوا جوعا والازدی رئیس القوم وولی امرہم اکلوتمام البیت: اذا اطعمتہم اوتحت واقلت والبیت من کلمۃ مفضلیۃ رقم ۲۰ فی ۳۴ بیتاً والبیت فی اللسان (ام) والاغانی (۲۱: ۹۰) وفی المطبوع تقوتہم بدل تقوتہم مصحف وفی روایۃ اتہلت بدل وتحت واحترتہم بدل اطعمتہم وراجع للبیت تہذیب الالفاظ ۲۷ وص ۵۶ واللسان (حتر، ام) والتاج (ام) والجمہرۃ (۱: ۲۱) والمخصص (۳: ۱۳۲) وکتاب الابدال لابی الطیب والمسط ۱۴ ام والاغانی (۱۰: ۱۴۳) والخزانۃ (۲: ۱۶) والحماسۃ مع المرزوقی ۴۸۶ والتبریزی (۲: ۳۰) وادب الاستقلال (۱: ۲۴۲) والعینی (۲: ۷۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں پھر وہ رشتہ اور تعلق اختیاری ہو یا غیر اختیاری اس کی جمع اُمَمٌ آتی ہے اور آیت کریمہ: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (۶-۳۸) اور زمین پر جو چلنے پھرنے والے (حیوان) دو پرندوں سے اُڑنے والے پرند ہیں وہ بھی تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔ میں اُمَمٌ سے ہر وہ نوع حیوان مراد ہے جو فطری اور تسخیری طور پر خاص قسم کی زندگی بسر کر رہی ہو۔ مثلاً مکڑی جالا بنتی ہے اور سرفۃ (موریسپید تنکوں سے) اپنا گھر بناتی ہے اور چیونٹی ذخیرہ اندوزی میں لگی رہتی ہے اور چڑیا کبوتر وغیرہ وقتی غذا پر بھروسہ کرتے ہیں الغرض ہر نوع حیوان اپنی طبیعت اور فطرت کے مطابق ایک خاص قسم کی زندگی بسر کر رہی ہے اور آیت کریمہ: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (۲-۲۱۳) (پہلے تو سب) لوگ ایک امت تھے۔ کے معنی یہ ہیں کہ تمام لوگ صنف واحد اور ضلالت و کفر کے ہی مسلک پر گامزن تھے اور آیت کریمہ:- وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (۵-۴۸) اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ہی شریعت پر کر دیتا۔ میں أُمَّةً وَاحِدَةً سے وحدۃ بلحاظ ایمان مراد ہے۔ اور آیت کریمہ:- وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ (۳-۱۰۴) کے معنی یہ ہیں

کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہونی چاہیئے جو علم اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرے اور دوسروں کے لئے اسوۂ بنے اور آیت کریمہ: إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ (۴۳-۲۲) ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک متفقہ دین پر پایا ہے میں اُمَّةٍ کے معنی دین کے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے[1] ع (۲۵) وَهَلْ يَأْثَمَنْ ذُو أُمَّةٍ وَهُوَ طَائِعٌ (طویل) بھلا کوئی متدین آدمی رضا اور رغبت سے گناہ کر سکتا ہے اور آیت کریمہ:۔ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ (۱۲-۴۵) میں اُمَّةٍ کے معنی حین یعنی عرصہ دراز کے ہیں اور ایک قرأت میں بعد أمہٍ (بالھاء) ہے[2] یعنی نسیان کے بعد جب اسے یاد آیا۔ اصل میں بَعْدَ أُمَّةٍ کے معنی ہیں ایک دور یا کسی ایک مذہب کے متبعین کا دور گذر جانے کے بعد اور آیت کریمہ:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ (۱۶-۱۲۰) کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم عبادت الٰہی میں ایک جماعت اور قوم کے بمنزلہ تھے[3]۔ جس طرح کہ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ فِي نَفْسِهِ قَبِيلَةٌ کہ فلاں بذات خود ایک قبیلہ ہے یعنی ایک قبیلہ کے قائم مقام ہے[4] وَرُوِيَ أَنَّهُ يُحْشَرُ زَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ أُمَّةً وَحْدَهُ اور ایک روایت میں ہے کہ حشر کے دن زید بن عمرو بن نفیل اکیلا ہی امت ہو گا[5]۔ اور آیت کریمہ:

---

[1] قاله النابغة واوله: حلفت فلم اترک لنفسک ریبة .... والبیت من القصیدة التی یعتذر بها الی النعمان بن المنذر عما وشت به بنو قریع وهو فی دیوانه من الستة ۱۹ واللسان والصحاح (ام) وذیل مجالس ثعلب ۱/۵۰ ومجاز القرآن لابی عبیدة ... رقم ۱۲۲ ومختار الشعر الجاهلی (۱: ۱۴۸) والبلدان (زیم: شبرق) والعقد الثمین ۱۹ والمعانی والمشکل للقتبی ۲۴۳ وفی روایة المرتضی حلفت .... ولیس وراء الله للمرء مذهب - وهو الطبق لروایة الدیوان (۲: ۱۷) [2] قرء بذالک ابن عباس وکان ابوالهیثم یقرء به ایضا انظر اللسان (امه) والنوادر لابی مسحل الاعرابی ۴۴۸ والفائق (۲۶/۱) [3] رواه الطبرانی وفی الحدیث قصة والبزار باختصار عنه وفیه المسعودی وقد اختلط وبقیة رجاله ثقات وابو یعلی وکذا قال ابن مسعود فی معاذ وقد ورد ذالک فی حدیث مرفوع راجع مجمع الزوائد ۹ ص ۴۱۷-۴۱۸ وتخریج الکشاف للحافظ ابن حجر رقم ۲۶۵-۲۶۶ ❊

www.KitaboSunnat.com

لَيْسُوا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ۔
(۳-۱۱۳) وہ سب ایک جیسے نہیں ہیں ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (حکم خدا پر) قائم بھی ہیں۔
میں اُمَّةٌ بمعنی جماعت ہے زجاج[1] کے نزدیک یہاں قَآئِمَةٌ بمعنی استقامت ہے یعنی ذو طریقۃ واحدۃ تو یہاں مضمر متروک ہے

اَلْاُمِّيُّ۔ وہ ہے جو نہ لکھ سکتا ہو اور نہ ہی کتاب میں سے پڑھ سکتا ہو چنانچہ آیت کریمہ:
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔
(۶۲-۲) وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا۔
میں اُمِّيّٖنَ سے یہی مراد ہے قطرب[2] نے کہا ہے کہ اُمِّيَّةٌ بمعنی غفلت وجہالت کے ہے اور امی سے ہے کیونکہ اسے بھی معرفت نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا:۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ (۲-۷۸) اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (خدا کی کتاب سے) واقف ہی نہیں ہیں۔
یہاں اِلَّآ اَمَانِيَّ کے معنی اِلَّآ اَنْ يُّتْلٰى عَلَيْهِمْ کے ہیں یعنی مگر یہ کہ انہیں پڑھ کر سنایا جائے۔ فَرَّآءُ[3] نے کہا ہے کہ اُمِّيُّوْنَ سے مراد ہیں جو اہل کتاب نہ تھے اور آیت کریمہ:۔
اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
(۷-۱۵۷) اور وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ اُمِّيٌّ اس امت یعنی قوم کی طرف منسوب ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی ہو جس طرح کہ عَامِّيٌّ اسے کہتے ہیں جو عوام جیسی صفات رکھتا ہو۔
بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت کو اُمِّيٌّ کہنا اس بنا پر ہے کہ آپؐ نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ ہی کوئی کتاب پڑھتے تھے۔ بلکہ وحی الٰہی کے بارے میں اپنے حافظہ اور (خدا کی اس ضمانت پر کہ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (۸۷-۶) ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم فراموش نہ کرو گے۔ اعتماد کرتے تھے یہ صفت آپ کے لئے باعث فضیلت تھی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ ام القریٰ یعنی مکہ کی طرف نسبت ہے[4]

اَلْاِمَامُ وہ ہے جس کی اقتدا کی جائے خواہ وہ انسان ہو یا اس کے قول وفعل کی اقتدا کی جائے یا کتاب وغیرہ ہو اور خواہ وہ شخص جس کی پیروی کی جائے حق پر ہو یا باطل پر ہو اس کی جمع اَئِمَّةٌ

---

[1] ابو اسحاق ابراہیم بن السری بن سہل الزجاج توفی بین ۳۱۰ھ ۳۱۶ھ وکان من اشہر تلامیذ المبرد واستاذ الزجاجی ومن مؤلفاتہ معانی القرآن راجع نزہۃ الالباء ۳۰۸-۳۱۲ طبقات زبیدی ۱۲۴ تاریخ بغدادی ۶/ ۸۹-۹۳ ابن خلکان رقم ۱۲ والاعلام زرکلی [2] محمد بن المستنیر بن احمد ابو علی النحوی المعروف بقطرب (...-۲۰۶) اللغوی البصری مولیٰ سالم بن زیاد لازم سیبویہ وکان یدلج الیہ فسماہ قطرباً رای دویبۃ اللیل ومن تصانیفہ معانی القرآن ومواول من وضع المثلث فی اللغۃ دوفیات الاعیان ۱: ۴۹۴ طبقات النحویین ۱۰۶ بغیۃ الوعاۃ ۱۰۴ الفہرست ۵۲ معجم المطبوعات ۱۵۱۷ نزہۃ الالباء ۱۱۹ [3] ابو زکریا یحیٰی بن زیاد الفراء (...-۲۰۷) روی عن الکسائی وطبقتہ صاحب التصانیف بغیۃ الوعاۃ ۴۱۱-۴۱۲ الفہرست ۱۰۰ ۱۰۷ والانباہ ۴/ ۱-۹ و ۲/ ۲۵۷ و نبہ الادباء ۲۰/ ۹ کشف الظنون ۲/ ۱۹۲۰ [4] نسب ہذا القول الی الامام الباقر وانظر روح المعانی ص ۹ ج ۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(أفعلة) ہے اور آیت :۔

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ (۱۷-۷۱)

جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔ میں امام سے وہ شخص مراد ہے جس کی وہ اقتداء کرتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ امام بمعنی کتاب ہے[1]۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (۲۵-۷۴) اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ میں ابوالحسن نے کہا ہے کہ یہ امام (مفرد) کی جمع ہے[2] اور دوسرے علماء کے نزدیک یہ دِرْعٌ دِلاص و دروع دِلاص کے باب سے ہے[3] (یعنی فِعَال مفرد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے) اور آیات :۔

وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً (۲۸-۵) اور ان کو پیشوا بنائیں

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ (۲۸-۴۱) اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔

میں اَئِمَّةً کا واحد امام ہے اور آیت :۔

کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (۳۶-۱۲)

اور ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن یعنی لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ لوح محفوظ کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْاَمُّ (ن) کے معنی ہیں سیدھا مقصد کی جانب متوجہ ہونا (اور کسی طرف مائل نہ ہونا) اور آیت کریمہ:۔

وَلَآ اٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ (۵-۲) اور نہ ان لوگوں کی جو عزت والے گھر یعنی بیت اللہ کو جا رہے ہوں۔ میں آمِّیْنَ اسی پر محمول ہے :۔

اَمَّهٗ بمعنی شَجَّهٗ کسی کا سر پھوڑ دینا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اصل معنی ام دماغ پر مارنا کے ہیں۔ جیسا کہ اہل عرب کسی عضو پر مارنے کے لئے اس سے فَعَلْتُهٗ کا صیغہ بنا لیتے ہیں جیسے رَأَسْتُهٗ، رَجَلْتُهٗ، کَبَدْتُهٗ، بَطَنْتُهٗ

(ا م حرف)

اَمْ۔ جب یہ ہمزہ استفہام کے بالمقابل استعمال ہو تو بمعنی اَوْ ہوتا ہے جیسے اَزَیْدٌ فِی الدَّارِ اَمْ عَمْرٌو۔ یعنی ان دونوں میں سے کون ہے؟ اور اگر ہمزہ استفہام کے بعد نہ آئے تو بمعنی بَلْ ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا :۔

اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ (۳۸-۶۳) (یا) ہماری آنکھیں ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں۔

(ا مّا حرف)

اَمَّا۔ یہ کبھی حرف تفصیل ہوتا ہے اور احد الشیئین کے معنی دیتا ہے اور کلام میں مکرر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا :۔ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ (۱۲-۴۱) تم میں سے ایک (جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کریگا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا۔

اور کبھی ابتداء کلام کے لئے آتا ہے جیسے اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ كَذَا۔

(ا م د)

اَلْاَمَدُ۔ (موت۔ غایت) قرآن میں ہے :۔

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا۔ (۳-۲۹) تو آرزو کریگا کہ کاش اس میں اور اس برائی

---

[1] قرأة الحسن بكتابهم (الكشاف ص۶۹۳ ج ۲) [2] كذا في الصحاح وعند البعض جمع آم كصائم وصيام كذا في لسان العرب والكشاف للزمخشري ص۲۹۶ ج ۳ [3] وقال الزمخشري اراد أئمة فاكتفى بالواحد لدلالته على الجنس ولعدم اللبس ص۲۹۶ ج ۳۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انتہائی بعد ہوتا۔

اَلْاَمَدُ وَالْاَبَدُ دونوں قریب المعنی ہیں لیکن اَبَدًا غیر متعین اور غیر محدود زمانہ کے معنی دیتا ہے لہٰذا اَبَدٌ کَذَا (اتنی مدت) کا محاورہ صحیح نہیں ہے اور اَمَد غیر معین مگر محدود زمانہ کے معنی دیتاہے لہٰذا اَمَدٌ کَذَا (اتنی مدت) کہنا صحیح ہے جس طرح کہ زمان کذا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ زَمَانٌ اور اَمَدٌ کے لفظ میں صرف اتنا فرق ہے کہ اَمَدٌ کا لفظ کسی مدت کی نہایت اور غایت کے لئے بولا جاتاہے اور زمان کا لفظ کسی مدت کے مبدأ اور غایت کے لئے استعمال ہوتاہے اسی بنا پر بعض نے کہاہے اَلْمَدٰی وَالْاَمَد دونوں قریب المعنی ہیں (یعنی کسی چیز کی موت کی غایت بیان کرنے کے لئے آتے ہیں)

(ا م ر)

اَلْاَمْرُ (اسم) کے معنی شان یعنی حالت کے ہیں۔ اس کی جمع اُمُوْرٌ ہے اور اَمَرْتُهٗ (ن) کا مصدر بھی اَمْرٌ آتاہے جس کے معنی حکم دینا کے ہیں اَمْرٌ کا لفظ جملہ اقوال وافعال کے لئے عام ہے۔ چنانچہ آیات:۔

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ (۱۱-۱۲۳) اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (۳-۱۵۴) تم کہدو کہ بیشک سب باتیں خدا ہی کے اختیار میں ہیں۔ یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے تھے جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی۔ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (۲-۲۷۵) اور (قیامت میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد۔ میں امر سے یہی معنی مراد ہیں۔

اور کبھی امر بمعنی ابداع بھی آجاتاہے جیسے فرمایا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (۷-۵۴) دیکھو خلق اسی کے اختیار میں ہے اور ابداع بھی۔ اور امر بایں معنی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی مخلوق اس معنی میں اس کے ساتھ شریک نہیں اور آیت:۔

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا۔ (۴۱-۱۲) اور ہر آسمان میں اس (کے امر) کا حکم بھیجا۔ میں بھی امر اسی معنی پر حمل کیا گیا ہے۔ اور حکمائے امت نے آیت کریمہ:۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (۱۷-۸۵) کہدو کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے۔ میں بھی اَمْرِ رَبِّيْ کے معنی اِبْدَاعِهٖ کئے ہیں[1] اور آیت کریمہ:۔ وَاِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۱۶-۴۰) جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو (ہماری) بات یہی ہے کہ اس

---

[1] وفيه لغة أيما وهو حرف شرط وتفصيل وتوكيد ولزمت الفاء بعدها وقد تحذف الفاء للضرورة والديات التي بغير فاء كما في (۳: ۱۰۶) و (۵۴-۳۱) فهناك يقدر لفظة فيقال راجع للبحث المغني ج ۱ ص ۵۷۔ وقد يأتي للتوكيد والشرط والفصل بين اما والفاء بواحد من امور ستة (۱) المبتدأ (۲) الخبر (۳) جملة الشرط (۴) اسم منصوب لفظاً او محلاً بالجواب كما في سورة الضحى ۹-۱۰-۱۱ (۵) اسم منصوب معمول لمحذوف يفسره بعد الفاء (۶) ظرف معمول لاما (راجع المغني ج ۱ ص ۵۹-۶۰ والرضي على الكافية ج ۲ ص ۳۹۵-۴۰۰) وفيه وقد يحذف كما في نحو وثيابك فطهر والرجز فاهجر الاية

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں بھی امر اِبْدَاعی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے باری تعالیٰ کی طرف سے جو اہتمام ہوتا ہے اسے نہایت اختصار اور بلاغت سے اس آیت میں بیان فرمایا ہے اسی طرح آیت کریمہ:۔

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (۵۴-۵۰)

اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔ میں بھی سرعت ایجاد سے کنایہ ہے اور عالم میں ایجاد و تکوین کا جو سلسلہ جاری ہے اس کی تیز رفتاری کو بتانے کے لئے ایسا بلیغ طریقہ اختیار کیا ہے جو ہماری قوت واہمہ سے بھی بلند ہے اور امر بمعنی التقدم بالشئ (یعنی حکم دینا) عام ہے کہ بصیغہ امر ہو یا بلفظ خبر ہو جیسے فرمایا:۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ (۲-۲۲۸)

اور طلاق والی عورتیں اپنے تئیں روکے رکھیں۔ اور یا بطریق اشارہ وغیرہ ہو چنانچہ آیت کریمہ:۔

إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (۳۷-۱۰۲)

میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے۔

میں حضرت ابراہیم کا خواب میں اپنے بچے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھنے کو امر (مَا تُؤْمَرُ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ (۱۱-۹۷)

اور فرعون کا معاملہ درست نہیں تھا۔ میں امر کا لفظ فرعون کے جملہ اقوال اور افعال کو شامل ہے اور آیت کریمہ:۔ أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ (۱۶-۱) خدا کا حکم (یعنی عذاب گویا) آہی پہنچا۔ میں امر سے مراد قیامت ہے اور اس کے لئے سب سے زیادہ عام لفظ استعمال کیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا (۱۲-۱۸) بلکہ تمہارے لئے تمہارے دلوں نے بات کو خوشنما بنا لیا ہے۔ میں أَمْرًا سے مراد یہ ہے کہ یہ ان برے کاموں سے ہے جن پر نفس امارہ انسان کو اکساتا رہتا ہے۔

أَمِرَ (س) الْقَوْمُ کے معنی ہیں قوم زیادہ ہو گئی کیونکہ آبادی بڑھ جائے تو امیر (حاکم) کا تقرر ضروری ہو جاتا ہے جس کے بغیر انتظام صحیح نہیں رہ سکتا جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ع (البسیط)

(۲۶) لَا يَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضَىٰ لَا سَرَاةَ لَهُمْ

جس قوم کا رئیس نہ ہو اس کا معاملہ درست نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا امر بمعنی کثرت استعمال ہونے لگا ہے اور آیت کریمہ:۔ أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا (۱۷-۱۶) (تو) وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو حکم دیا۔ میں امر بمعنی حکم ہے یعنی ہم انہیں اطاعت الٰہی کا حکم دیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں أَمَرْنَا بمعنی كَثَّرْنَا ہے یعنی وہاں کے خوشحال لوگوں کو بڑھا

---

[1] قاله الافوہ الاودی واسمہ صلاءۃ بن عمرو ویکنی ابا ربیعۃ والبیت فی العقد (۱۰/۳۴۳) والسمط (: ۲۷۰) والامالی (۲: ۲۲۲) قال الاستاذ المیمنی والبیت من کلمۃ، ایضا فی نسخۃ دیوان الافوہ (الطرائف ۹-۱۰) ولا توجد کاملۃ فی الکتب المعروفۃ وبعضہا فی آخر دیوان ابی الاسود صنعۃ السکری قال وقد زعم لی بعض الرواۃ انہا للافوہ اصر والبیت فی مجموعۃ المعانی (۱۶/۱۹-۱۳۰) والشعراء (۱۷۵) وابن الحدید (۴: ۵۳۱) والصحاح واللسان (فوض) والمزہر (۱: ۴۴۱) والنوادر (۱: ۲۹۸) وروضۃ العقلاء ۲۴۲ والبیت ثالث ثلاثۃ للافوہ التی ذکرہا المؤلف (س و) ص ۳۵۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں۔

ابو عمرو کا قول ہے کہ معنی کثرت کے لئے اَمَرْتُ (مجرد) نہیں آتا بلکہ اٰمَرْتُ (تفعیل) وَاَمَّرْتُ استعمال ہوتا ہے لیکن ابو عبیدہ کا قول ہے[1] کہ کبھی اس معنی کے لئے اَمَرْتُ (مجرد) بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے[2]۔ (۱۴) خَیْرُ الْمَالِ مُهْرَةٌ مَأْمُوْرَةٌ وَسِكَّةٌ مَأْبُوْرَةٌ کہ بہتر مال پرورش کیا ہوا بچھیرا اور پیوند کئے کھجور کے درخت ہیں تو مَأْمُوْرَةٌ اَمَرْتُ سے ہے ایک قرأت میں اٰمَرْنَا ہے جس کے معنی ہیں:۔ ہم ان کو امراء بنا دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ کہ ہم نے اس کے اکابر کو مجرم بنا دیا تاکہ اس میں مکر و فریب کریں (۶-۱۲۳) اور ایک قرأت میں اَمَّرْنَا بمعنی اَكْثَرْنَا بھی ثابت ہے[3]

اَلْاِئْتِمَارُ کے اصل معنی حکم بجا لانا کے ہیں اور تَشَاوُرٌ یعنی باہم مشورہ کرنے کو بھی اِئْتِمَار کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مشورہ میں بھی ایک دوسرے کے حکم کو قبول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ شہر کے رئیس تمہارے بارے میں صلاح مشورے کرتے ہیں (۲۸-۲۰)۔ اور شاعر نے کہا ہے[4]

(۲۷) اَمَرْتُ نَفْسِيْ اَيَّ اَمْرٍ اَفْعَلُ میں نے اپنے جی میں سوچا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

اور آیت کریمہ:۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا یہ تو آپ نے بڑی ناپسندیدہ بات کی (۱۸-۷۱) میں اِمر بمعنی منکر ہے اور یہ اَمِرَ الْاَمْرُ کے محاورہ سے ہے جس کے معنی کسی معاملہ کے حد سے بڑھ جانے کے ہیں جس طرح کہ اِسْتَفْحَلَ الْاَمْرُ کا محاورہ ہے اور آیت کریمہ:۔ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴-۵۹) اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں۔ میں بعض کے نزدیک عہد نبوی کے امراء مراد ہیں۔ اور بعض آئمہ اہل بیت مراد لیتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اولی الامر کے معنی اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے وہ فقہاء اور اہل علم مراد ہیں۔ جو احکام الٰہی کے فرمانبردار ہوں اور یہ سبھی اقوال صحیح ہیں کیونکہ اولی الامر جو لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں چار قسم پر ہیں (۱) انبیاء جن کا حکم عوام و خواص کے ظاہر و باطن پر نافذ ہوتا ہے (۲) حکام جن کا صرف لوگوں کی ظاہری حالت پر جاری ہو سکتا ہے۔ دلوں پر ان کی حکومت نہیں ہوتی (۳) حکماء خواص کے دلوں پر حکومت کرتے

---

[1] انظر لقول ابی عبیدۃ فی مجازہ ج ۱ ص ۳۷۲-۳۷۳ واللسان (امر) ثم القراءۃ بالتخفیف مرویۃ عن الصحابۃ والتابعین الا الحسن فانہ قرء بالتشدید وتبعہ ابو عبیدۃ فی مجازہ عن ابی العالیۃ الریاحی اَمَّرْنَا بالتشدید ورویت عن علیؓ ۱۲ [2] راجع للحدیث الفائق ۱: ۳۰ والنہایۃ ۱/۱۱ واللآلی ۸۱۳ والحدیث اخرجہ ابن کثیر من مسند احمد (حم طب) عن سوید بن ہبیرۃ والماوردی فی ادب الدنیا والدین ۳۶۷ مع شرح المنہاج وبوشل انظر البیان ۲/۱۰ والعیون والمستقصی والثعالبی ۲/۲۰۴ و ۲۱۰ والالفاظ ۳ و ۶۸۳ و اللسان (امر) وراجع ایضاً ذیل تفسیر الکشاف ۲/۶۵۵ وفیہ التخریج قال البکری وحمل الحدیث علی ہذہ اللغۃ الفصیحۃ اولی من حملہ علی الاتباع [3] ہی قراءۃ شاذۃ عن ابی عثمان النہدی واللیث عن ابی عمرو وابان بن عاصم انظر القراءات الشاذۃ لابن خالویہ ۷۵ [4] قالہ کعب بن زہیر وصدرہ:۔ انخت قلوصی وکتلات بعینہا، راجع السمط (۱: ۲۰۰) واللسان (کلا) ودیوانہ والبحر (۷: ۱۹) وفی روایتہم جمیعاً اَیُّ اَمْرِیَّ بدل ای امر۔ ❖ ❖ ❖

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں رہ، وعاظ جن کا حکم صرف عوام کے قلب وضمیر پر ہی جاری ہوسکتا ہے[1]۔

(ا م ن)

اَلْاَمْنُ۔ اصل میں امن کا معنی نفس کے مطمئن ہونا کے ہیں۔ اَمْنٌ، اَمَانَۃٌ اور اَمَانٌ یہ سب اصل میں مصدر ہیں اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔ قرآن میں ہے:۔ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ (۸-۲۷) یعنی وہ چیزیں جن پر تم امین مقرر کئے گئے ہو ان میں خیانت نہ کرو۔ اور آیت کریمہ:۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہم نے (بار) امانت آسمان اور زمین پر پیش کیا (۳۳-۷۲) کی تفسیر میں بعض نے "عدل وانصاف" مراد لیا ہے۔ بعض نے حروف تہجی اور بعض نے عقل مراد لی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ معرفت توحید عدل وانصاف کا قیام اور حروف تہجی کی معرفت عقل کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ انسان کے لئے علوم ممکنہ کی تحصیل اور افعال حسنہ کی سرانجام دہی عقل کے بغیر مشکل ہے۔ اور عقل کے باعث ہی انسان کو اکثر مخلوق پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا اور جو شخص اس (مبارک گھر) میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا (۳-۹۷) میں امن پانے سے مراد دوزخ کی آگ سے بےخوف ہونا کے ہیں اور بعض نے کہا ہے۔ کہ ان دنیوی مصائب سے بے خوف ہونا مراد ہے جو ان لوگوں کو پہنچتے ہیں جن کے بارے میں اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ خدا چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے (۹-۵۵) ارشاد فرمایا ہے اور نیز زیر بحث آیت میں خبر بمعنی انشاء ہے یعنی جو شخص حرم میں داخل ہو اسے امن دیا جائے۔

بعض نے کہا ہے کہ ہلاکت سے بے خوف ہونا مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ اسے پر امن رہنے دیا جائے جیسے محاورہ ہے ھٰذَا حَلَالٌ وَھٰذَا حَرَامٌ یعنی اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ چیز حلال ہے اور دوسری حرام ہے لہذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ مجرم جب تک حرم کے اندر ہے نہ اس سے قصاص لیا جائے اور نہ ہی کسی جرم میں اسے قتل کیا جائے[2] اسی طرح آیت:۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے (۲۹-۶۷) اور آیت وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا (۲-۱۲۵) میں بھی امن کے یہی معنی مراد ہوسکتے ہیں اور آیت کریمہ:۔ اَمَنَۃً نُّعَاسًا (یعنی) نیند (نازل فرمائی) (۳-۱۵۴) میں اَمَنَۃً بمعنی امن ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کَتَبَۃٌ کی طرح اٰمِنٌ کی جمع ہے نزول مسیح والی حدیث میں ہے[3]۔ (۱۵) وَتَقَعُ

---

[1] لم یذکر بعدہ (ام س) ولام ل) راجع الاستدراک [2] کما روی عن عمر رضی اللہ عنہ لو ظفرت فیہ بقاتل الخطاب ما مستہ حتی یخرج منہ راجع الکشاف ج ۱ ص ۳۸۹ - [3] والحدیث باختلاف الفاظہ رواہ ابن حبان واصحاب السنن الاربعۃ والشیخان والبیہقی فی الاسماء والصفات وانظر تخریجہ ابن کثیر ۱/ ۵۷۸ و ۵۸۳ وللشوکانی رسالۃ سماھا التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْاَمَنَۃُ فِی الْاَرْضِ اور زمین میں امن قائم ہو جائیگا اور آیت کریمہ:۔
ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ۔ پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو (۹-۶) میں مَاْمَنَ ظرف ہے جس کے معنی "جائے امن" کے ہیں۔

'اٰمَنَ' (افعال) دو طرح سے استعمال ہوتا ہے
(۱) متعدی بنفسہ۔ جیسے 'اٰمَنْتُہٗ' (میں نے اسے امن دیا) اور اسی معنی کے اعتبار سے اسماء حسنیٰ میں مُؤْمِنٌ آیا ہے۔
(۲) لازم جس کے معنی ہیں پر امن ہونے والا۔

اَلْاِیْمَانُ کے ایک معنی شریعت محمدیؐ کے آتے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئُوْنَ۔ اور جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (۲-۶۲) میں اٰمَنُوْا کے یہی معنی ہیں اور ایمان کے ساتھ ہر وہ شخص متصف ہو سکتا ہے جو توحید و نبوۃ کا اقرار کر کے شریعت محمدی میں داخل ہو جائے اور بعض نے آیت وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ۔ اور ان میں سے اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں (۱۲-۱۰۶) کو بھی اسی معنی پر محمول کیا ہے۔

۲۔ اور کبھی ایمان کا لفظ بطور مدح استعمال ہوتا ہے اور اس سے "حق کی تصدیق کر کے اس کا فرمانبردار ہو جانا" مراد ہوتا ہے اور یہ چیز تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے حاصل ہوتی ہے اس لئے فرمایا:۔
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ (۵۷-۱۹) اور جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں۔ وہی صدیق ہیں یہی وجہ ہے کہ اعتقاد، قول صدق اور عمل صالح میں سے ہر ایک کو ایمان کہا گیا ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ۔ اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یوں ہی کھو دے (۲-۱۴۳) میں ایمان سے مراد نماز ہے اور (۱۶) آنحضرتؐ نے حیا اور راستہ سے تکلیف کے دور کرنے کو جزو ایمان قرار دیا ہے اور حدیث جبریل میں آنحضرت نے چھ باتوں کو کا صل ایمان کہا ہے[1] اور آیت کریمہ:۔
وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ اور آپ ہماری بات کو گو ہم سچ ہی کہتے ہوں باور نہیں کریں گے (۱۲-۱۷) میں مُؤْمِن بمعنی مصدق ہے۔ لیکن ایمان اس تصدیق کو کہتے ہیں جس سے اطمینان قلب حاصل ہو جائے اور تردد جاتا رہے اور آیت کریمہ:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں۔ (۴-۵۱) میں ان کی مذمت کی ہے کہ وہ ان چیزوں سے امن و اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں جو باعث امن نہیں ہو سکتیں کیونکہ انسان فطری طور پر کبھی بھی باطل

[1] حدیث شعب الایمان فی الصحیحین مرفوعاً عن ابی ہریرۃ: الایمان بضع وسبعون شعبۃ اعلاھا قول لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان والحدیث ایضاً فی ابی داؤد و ابن ماجۃ والنسائی وحدیث جبریل مروی فی الصحیحین عن عمر بن الخطاب وفیہ: ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ تو یہاں یُؤْمِنُوْنَ کا لفظ ایسے ہی (بطور طنز) کے ہے جس طرح آیت :۔ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ (بلکہ، وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے (۱۰۶-۱۶) میں کفر کے ساتھ شرح صدر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تو یہ اِنَّمَا تُهُ الْكُفْرَ وَتَحِيَّتُهُ الضَّرْبُ کے قبیل سے ہے۔ رَجُلٌ اَمَنَةٌ وَاُمَنَةٌ ہر ایک پر اعتماد کرنے والا۔ رَجُلٌ اَمِيْنٌ وَاَمَانٌ امانتدار آدمی۔ اَلْاَ مُوْنُ۔ وہ اونٹنی جس کے تھک جانے اور لغزش کھانے سے سوار بے خوف ہو۔

اٰمِيْنَ۔ یہ ممدود اور مقصور دونوں طرح بولا جاتا ہے اور صَهْ وَمَهْ کی طرح اسم فعل ہے[1] جن کے نزدیک آمین بمعنی استجب ہے یعنی میری دعا قبول فرما اور اٰمَّنَ (تفعیل) کے معنی آمین کہنے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آمین اسماء حسنیٰ سے ہے۔ ابو علی الفسوی فرماتے ہیں[2] کہ اسم الٰہی کہنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ بمعنی اِسْتَجِبْ کے ہے اور ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔

اور آیت کریمہ :۔ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ الَّيْلِ (بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ شخص جو رات کے وقتوں میں ... عبادت کرتا ہے (۹-۳۹) میں اَمَّنْ اصل میں اَمْ مَنْ ہے اور ایک قرأت میں اَمَنْ ہے۔ بہر حال اس کا تعلق اس مادہ سے نہیں ہے۔

(انّ حرف)

اِنَّ وَاَنَّ (حرف) یہ دونوں اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں[3] اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اِنَّ جملہ مستقل پر آتا ہے اور اَنَّ کا ما بعد ایسے مفرد کے حکم میں ہوتا ہے جو اسم مرفوع، منصوب اور مجرور کی جگہ پر واقع ہوتا ہے جیسے اَعْجَبَنِيْ اَنَّكَ تَخْرُجُ وَعَجِبْتُ اَنَّكَ تَخْرُجُ اور تَعَجَّبْتُ مِنْ اَنَّكَ تَخْرُجُ جب اِنَّ کے بعد ما (کافہ) آجائے تو یہ عمل نہیں کرتا اور کلمہ حصر کے معنی دیتا ہے۔ فرمایا :۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ مشرک تو پلید ہیں (۹-۲۸) یعنی نجاست تامہ تو مشرکین کے ساتھ مختص ہے۔ نیز فرمایا :۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ۔ اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو... حرام کر دیا ہے (۲-۱۷۳) یعنی مذکورہ اشیاء کے سوا اور کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا اس میں تنبیہ ہے کہ مطعومات میں سے جو چیزیں اصول شریعت میں حرام ہیں ان میں سے

---

[1] راجع للبحث من کلمۃ آمین الرضی علی الکافیہ ۶۷ ج ۲ القرطبین ۹۹-۱۰۰ (وزن آمین: المسائل الحلبیہ ص ۸ [2] وفی ابن کثیر ۱: ۳۱ وحکی القرطبی عن مجاہد وجعفر الصادق وبلال بن یساف ان آمین اسم من اسماء اللہ تعالیٰ قال وروی عن ابن عباس مرفوعا ولا یصح قالہ ابوبکر ابن العربی المالکی بل روی ابن مردویہ عن ابی ہریرۃ مرفوعًا آمین خاتم رب العلمین وفی الدعاء لابن ابی شیبۃ ان جبریل لقن رسول اللہ وقال قل آمین فقال آمین واختلف الفقہاء فی انہ یستحب برفع الصوت ام باخفائہ راجع کتب الخلاف [2] ابو علی الحسن بن احمد (او محمد) بن عبد الغفار الفسوی الفارسی الشیرازی (۲۸۸-۳۷۷) من تلامذۃ السراج والزجاج صاحب التصانیف الشہیرۃ انظر الفہرست ۹۴ ونزہۃ الالبار ۳۸۷-تاریخ بغداد ۷/۲۷۵ ابن خلکان ۱۳۵ الارشاد ولیا قوت ۳: ۹-۲۲ ۲۲ والکامل لابن اثیر ۹ = ۳۷ شذرات ۳/ ۸۸-۸۹ بغیہ ۲۱۶ [3] تحقیق نفیس فی الفرق بینہما الروض الانف ج ۲ ص ۲/۳۱ بحث انما۔ بدائع الفوائد لابن القیم ص ۱۰۲ علۃ تخفیف النون فی اشہد ان لا الہ وتشدیدہا فی وان محمدا (از ابہیر الریاض المریعۃ للبیہقی فی اللغۃ ۱۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ چیزیں سب سے بڑھ کر ہیں۔

(اَنْ)

یہ چار طرح پر استعمال ہوتا ہے (۱) اَنْ مصدریہ۔ یہ ماضی اور مضارع دونوں پر داخل ہوتا ہے اور اس کا مابعد تاویل مصدر میں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ مضارع کو نصب دیتا ہے جیسے:۔

اَعْجَبَنِیْ اَنْ تَخْرُجَ وَ اَنْ خَرَجْتَ۔

۲۔ اَنْ المخففہ مِنَ المثقلۃ یعنی وہ اَنَّ جو ثقیلہ سے خفیفہ کر لیا گیا ہو یہ کسی شے کی تحقیق اور ثبوت کے معنی دیتا ہے جیسے:۔ اَعْجَبَنِیْ اَنْ زَیْدٌ مُنْطَلِقٌ

۳۔ اَنْ (زائدہ) جو لَمَّا کی توکید کے لئے آتا ہے۔ جیسے فرمایا فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِیْرُ جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا (۱۲-۹۲)

۴۔ اَنْ مفسرہ۔ یہ ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جو قول کے معنی پر مشتمل ہو (خواہ وہ لفظاً ہو یا معنیً) جیسے فرمایا:۔ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا اور ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے (اور بولے) کہ چلو (۳۸-۶) یہاں اَنِ امْشُوْا، قَالُوْا کے معنی کو متضمن ہے[1]

اِنْ

اَنْ کی طرح یہ بھی چار طرح پر استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ اِنْ شرطیہ جیسے فرمایا:۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں (۵-۱۱۸)

۲۔ اِنْ مخففہ جو اِنَّ ثقیلہ سے مخفف ہوتا ہے (یہ تاکید کے معنی دیتا ہے اور) اس کے بعد لام (مفتوح) کا آنا ضروری ہے جیسے فرمایا:۔

اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا (تو) یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا (۲۵-۴۲)

۳۔ اِنْ نافیہ اس کے بعد اکثر اِلَّا آتا ہے[2] جیسے فرمایا:۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا... ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں (۴۵-۳۲)

اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (پھر بولا) یہ (خدا کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے (۷۴-۲۵)

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے (۱۱-۵۴)

۴۔ اِنْ (زائدہ) جو (ما) نافیہ کی تاکید کے لئے آتا ہے جیسے: مَا اِنْ یَخْرُجُ زَیْدٌ۔ زید باہر نہیں نکلے گا۔

www.KitaboSunnat.com

(ا ن ث)

اَلْاُنْثٰی (مادہ) یہ ذَکَرٌ یعنی نر کی ضد ہے اصل میں انثٰی و ذکر عورت اور مرد کی شرمگاہوں کے نام ہیں پھر اس معنی کے لحاظ سے (مجازاً) یہ دونوں نر اور مادہ پر بولے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی۔ جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت (۴-۱۲۴) اور چونکہ تمام حیوانات میں مادہ بنسبت نر کے کمزور ہوتی ہے لہٰذا اس میں معنی ضعف کا اعتبار کر کے ہر ضعیف الاثر چیز کو انثٰی کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ کمزور لوہے کو حَدِیْدٌ اَنِیْثٌ کہا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[3] ع

(۲۸)...... عِنْدِیْ جُرَازٌ لَا اَفَلُّ وَلَا اَنِیْثٌ

---

[1] راجع المغنی ج ۱ ص ۲۴-۳۵ و بحث اَنْ ۱۷-۲۴ [2] ایضاً [3] لصخر الغی و اولہ: فیعلمہ بان العقل ... والبیت فی اللسان (انث) والبحر (۳: ۳۵۲) والاقتضاب ۵۴ وقبلہ: ولیت مبلغا یاتی بقولی - لغار ابی المثلم لا یریث

∴ ∴ ∴ ∴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرے پاس شمشیر براں ہے جو کند اور کمزور نہیں ہے۔ اور انثیٰ (مادہ) کے ساتھ تشبیہ دیگر نرم اور زرخیز زمین کو بھی ارض انیث کہہ دیا جاتا ہے یہ تشبیہ یا تو محض نرمی کے اعتبار سے ہے۔ اور یا عمدہ اور پیداوار دینے کے اعتبار سے اسے انیث کہا گیا ہے جیسا کہ زمین کو عمدہ اور پیداوار کے اعتبار سے حُرَّۃ اور ذَلُوْد کہا جاتا ہے۔

پھر بعض اشیاء کو لفظوں میں مذکر کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کے لئے صیغہ مذکر استعمال کیا جاتا ہے اور بعض کو مؤنث کے ساتھ تشبیہ دے کر صیغہ تانیث استعمال کرتے ہیں جیسے۔ یَدٌ۔ اُذُنٌ اور خُصْیَۃٌ چنانچہ خصیتین پر تانیث لفظی کی وجہ سے انثیین کا لفظ بولا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (ع وافر)

(۲۹) وَمَا ذَکَرٌ وَاِنْ یَسْمَنْ فَاُنْثیٰ

اور کونسا مذکر ہے کہ اگر وہ موٹا ہو جائے تو مؤنث ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد قُرَاد یعنی چیچڑ ہے کہ جب وہ بڑھ کر خوب موٹا ہو جاتا ہے تو اسے حَلَمَۃٌ بلفظ مؤنث کہا جاتا ہے اسی طرح آیت کریمہ۔ وَاِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا (۴-۱۱۷) وہ خدا کے سوا جن کی بھی پرستش کرتے ہیں وہ مادہ ہیں۔ ہیں اِنَاثٌ، اُنْثیٰ کی جمع ہے) بعض مفسرین نے احکام لفظیہ کا اعتبار کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ مشرکین اپنے بتوں کو جن اسماء سے پکارتے تھے جیسے لات، عزیٰ، منات الثالثۃ یہ سب مؤنث ہیں اس لئے قرآن نے اناث کہہ کر پکارا تھا[2]۔ اور بعض نے معنی کا اعتبار کیا ہے اور کہا ہے کہ ہر منفعل اور ضعیف چیز کو انیث کہا جاتا ہے جیسے کمزور لوہے پر انیث کا لفظ بولتے ہیں اسکی تفصیل یہ ہے کہ موجودات کی باہمی نسبت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں ۱۔ فاعل غیر منفعل، یہ صفت صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

۲۔ منفعل غیر فاعل یہ خاصہ جمادات کا ہے۔

۳۔ ایک اعتبار سے فاعل اور دوسرے اعتبار سے منفعل جیسے جن و انس اور ملائکہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے منفعل اور اپنی مصنوعات کے لحاظ سے فاعل ہے اور چونکہ ان کے معبود جمادات کی قسم سے تھے جو منفعل محض ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں اناث کہہ کر پکارا ہے اور اس سے ان کی اعتقادی جہالت پر تنبیہ کی ہے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں نہ عقل ہے نہ سمجھ، نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں بلکہ کسی حیثیت سے بھی کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (توحید کی طرف دعوت کے سلسلہ میں) اپنے باپ سے کہا۔

---

[1] وفی التنبیہ للبکری قالہ بیاض والبیت فی المخصص (۱۶: ۱۰۲) والمفضلیات لشرح ابن الانباری ۲۷۰ واللسان والصحاح (ضرس) غیر منسوب والاقتضاب ۸ ام وفی روایتہم جمیعا وان یکبر بدل وان یسمن وہو الصواب راجع السمط (۱: ۱۷۵) وتمامہ: شدید الازم لیس بذی ضروس تنال البکری وکذا انشدہ ابوعلی الفارسی وفی روایۃ لیس لہ ضروس والصواب الادل قالہ ابن البری وراجع حواشی الصحاح والتنبیہ للبکری ۳۰ والمزہر (۱: ۵۷۲) وشرح ابیات الایضاح للشنتری ۷۴ آ (مخطوط) والمعانی للقتبی ۴۴۲ وبعدہ: اناوجدنا بن سلمۃ بمنزلۃ شل القراد علی حالیتی الناس وبعدہ ابیات لغیر فی الشطرنج [2] چنانچہ حسن سے مروی ہے: لم یکن حی من احیاء العرب الا ولہم صنم یعبدونہ یسمونہ انثی بنی فلان الکشاف

www.KitaboSunnat.com

يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (۱۹-۲۰ م) کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکیں لیکن آیت کریمہ۔ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا (۴۳-۱۹) اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں (ما دہ خدا کی بیٹیاں) بنا دیا میں ملائکہ کو اناث قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(ا ن س)

اَلْاِنْسُ یہ جن کی ضد ہے اور (اُنْسٌ (بضمہ الہمزہ) نُفُوْرٌ کی ضد ہے اور (اِنْسِيٌّ۔ اِنْسٌ کی طرف منسوب ہے اور اِنْسِيٌّ اسے کہا جاتا ہے۔ جو بہت زیادہ مانوس ہو اور ہر وہ چیز جس سے اُنس کیا جائے اسے بھی اِنْسِيٌّ کہدیتے ہیں اور جانور یا کمان کی وہ جانب جو سوار یا کمانچی کی طرف ہو اسے اِنْسِيٌّ کہا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسری جانب کو وَحْشِيٌّ کہتے ہیں۔ اِنْسٌ کی جمع اَنَاسِيُّ ہے قرآن میں ہے:۔

وَاَنَاسِيَّ كَثِيرًا (۲۵-۴۹) بہت سے (چوپایوں) اور آدمیوں کو۔ اور نفس انسانی کو اِبْنُ اِنْسِكَ کہا جاتا ہے۔

اٰنَسَ (افعال) کے معنی کسی چیز سے انس پانا یا دیکھنا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا (۴-۶) اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو۔ اٰنَسْتُ نَارًا (۲۷-۷) میں نے آگ دیکھی۔

اور آیت کریمہ:۔ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (۲۴-۲۷) کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تم ان سے اجازت لے کر انس پیدا نہ کر لو۔

اَلْاِنْسَانُ۔ انسان چونکہ فطرۃً ہی کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ اس کی زندگی کا مزاج باہم انس اور میل جول کے بغیر نہیں بن سکتا اس لئے اسے انسان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اسی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ انسان طبعی طور پر متمدن واقع ہوا ہے۔ کیونکہ وہ آپس میں میل جول کے بغیر نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اکیلا ضروریات زندگی کا انتظام کر سکتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے جس چیز سے محبت ہوتی ہے اسی سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے انسان کہا جاتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ انسان اصل میں اِنْسِيَانٌ بروزن اِفْعِلَانٌ ہے اور (انسان) چونکہ اپنے عہد کو بھول گیا تھا اس لئے اسے انسان کہا گیا ہے۔

(ا ن ف)

اَلْاَنْفُ اصل میں اَنْفٌ بمعنی ناک[1] ہے۔ مجازاً کسی چیز کے سرے اور اس کے بلند تر حصہ کو بھی اَنْفٌ کہا جاتا ہے چنانچہ پہاڑ کی چوٹی کو اَنْفُ الْجَبَلِ اور کنارہ ریش کو انف اللحیۃ کہدیتے ہیں۔ اور حمیت وغضب اور عزت وذلت کو انف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[2] ع

(۳۰) إِذَا غَضِبَتْ تِلْكَ الْأُنُوفُ لَمْ أُرْضِهَا
وَلَمْ أَطْلُبِ الْعُتْبَىٰ وَلَٰكِنْ أَزِيدُهَا

اور جب وہ ناراض ہوں گے تو میں انہیں راضی نہیں کروں گا۔ بلکہ ان کی ناراضگی کو اور بڑھا دوں گا۔

---

[1] وفی القرآن:۔ والانف بالانف (۵-۴۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور متکبر کے متعلق کہا جاتا ہے۔ شَمَخَ فُلَانٌ بِاَنْفِهٖ فلاں نے ناک چڑھائی یعنی تکبر کیا۔
تَرِبَ اَنْفُهٗ وہ ذلیل ہو۔
اَنِفَ فُلَانٌ مِنْ کَذَا کسی بات کو باعث عار سمجھنا اَنَفْتُهٗ اس کی ناک پر مارا۔ اور اَنَفَةٌ بمعنی حمیت بھی آتا ہے۔
اِسْتَاْنَفْتُ الشَّیْءَ کے معنی کسی شے کے سرے اور مبدا کو پکڑنے (اور اس کا آغاز کرنے کے ہیں) اور اسی سے ارشاد ہے۔ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا (۴۷-۱۶) انہوں نے ابھی (شروع میں) کیا کہا تھا؟

(ا ن م ل)

آیت کریمہ:۔
عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ (۳-۱۱۹) (تو) تم پر غصّے کے سبب انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں میں اَنَامِلُ اَنْمُلَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی انگلی کے اوپر کے پورے کے ہیں جس میں ناخن ہوتا ہے۔ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ مُؤَنْمَلُ الْاَصَابِعِ فلاں کی انگلیوں کے پور غلیظ اور چھوٹے ہیں۔ اس میں ہمزہ زائدہ ہے کیونکہ نَمِلُ الْاَصَابِعِ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور اسے صرف لفظی مناسبت کی وجہ سے ہم نے یہاں کر دیا ہے۔

(اَنّٰی)

اَنّٰی۔ یہ حالت اور جگہ دونوں کے متعلق سوال کے لئے آتا ہے اس لئے بعض نے کہا ہے کہ یہ بمعنی اَیْنَ اور کَیْفَ۔ کے آتا ہے پس آیت کریمہ:۔ اَنّٰی لَكِ هٰذَا (۳-۳۷) کے معنی یہ ہیں کہ کھانا تجھے کہاں سے ملتا ہے۔

(اَنَا)

ضمیر واحد متکلم ہے ایک لغت میں وصل کے وقت اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
لٰکِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ (۱۸-۳۸) مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پروردگار ہے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ لٰکِنَّا اصل میں لٰکِنْ اَنَا ہے اَنَا کے ہمزہ کو حذف کر کے لٰکِنْ کے نون کو نَا کے نون میں ادغام کر دیا کر دیا گیا ہے ایک قرأت میں لٰکِنَّ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ۔ ہے جس میں اَنَا کے آخری الف کو حذف کر دیا گیا ہے۔
اِنِّیَّةُ الشَّیْءِ وَ اَنِّیَتُهٗ کے معنی ذات شی کے ہیں اس سے کسی شئے کے وجود کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہ ترکیب عربی نہیں ہے بلکہ محدث ہے۔

(ا ن ی)

اَنٰی (ض) الشَّیْءُ اس کا وقت قریب آگیا۔ وہ اپنی انتہا اور پختگی کے وقت کو پہنچ گئی۔ قرآن میں ہے:۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کیا ابھی تک مومنوں کے لئے وقت نہیں آیا (۵۷-۱۶)
غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ (۳۳-۵۳) تم کھانے کے وقت کا انتظار کر رہے ہو (انی الْحَمِیْمُ پانی حرارت میں انتہا کو پہنچ گیا) قرآن میں ہے حَمِیْمٍ اٰنٍ (۵۵-۴۴) مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ (۸۸-۵) گرم کھولتے ہوئے چشمے سے۔
اَنْیٌ (بتثلیث الہمزہ) وقت کا کچھ حصہ اس کی جمع اٰنَاءٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ الَّیْلِ (۳-۱۱۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جورات کے وقت خدا کی آئتیں پڑھتے ہیں وَمِنْ آنَاءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ (۲۰-۱۳۰) اور رات کے اوقات میں (بھی) اس کی تسبیح کیا کرو۔

اِنیٰ"۔ ہمزہ مکسور ہونے کی صورت میں اسم مقصور ہوگا اور ہمزہ مفتوح ہونے کی صورت میں اسم ممدود حطیئہ نے کہاہے [1] (الوافر)

(۳۱) آنَيْتُ الْعَشَاءَ اِلٰی سُهَيْلٍ
اَوِ الشِّعْرٰی فَطَالَ بِیَ الْاَنَاءُ

میں نے سہیل یا شعریٰ ستارہ کے طلوع ہونے تک کھانے کو مؤخر کردیا اور میرا انتظار طویل ہوگیا۔

آنَيْتُ الشَّيْءَ اِينَاءً۔ کسی کام کو اس کے مقررہ وقت سے مؤخر کرنا [2]۔ تَاَنَّيْتُ۔ میں نے دیر کی

اَلْاَنَاةُ۔ حلم۔ وقار۔ طمانینت تَاَنّٰی فُلَانٌ تَاَنِّيًا۔ وَاَنٰی يَاْنِیْ اَنْيًا (ض) تحمل اور حلم سے کام لینا۔

اِسْتَاْنَيْتُ الشَّيْءَ میں نے اس کے وقت کا انتظار کیا نیز اس کے معنی دیر کرنا بھی آتے ہیں جیسے استأنیتُ الطعام۔ میں نے کھانے کو اس کے وقت سے مؤخر کردیا۔

اَلْاِنَاءُ۔ برتن۔ جمع آنِيَةٌ۔ جیسے کِسَاءٌ وَاَکْسِيَةٌ اس کی جمع الجمع اَلْاَوَانِیْ ہے۔

(ا ھ ل)

اَهْلُ الرَّجُلِ۔ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اس کے ہم نسب یا ہم دین ہوں اور یا کسی صنعت یا مکان میں شریک ہوں یا ایک شہر میں رہتے ہوں اصل میں اھل الرجل تو وہ ہیں جو کسی کے ساتھ ایک مسکن میں رہتے ہوں پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر اہل بیت الرجل کا لفظ بولا جانے لگا ہے اور عرف میں اہل البیت کا لفظ خاص کر آنحضرتؐ کے خاندان پر بولا جانے لگا ہے کیونکہ قرآن میں ہے:۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (۳۳-۳۳) اے پیغمبر کے اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کردے۔

اور کبھی اہل الرجل سے بیوی مراد ہوتی ہے [3]۔ اور اَهْلُ الْاِسْلَامِ کے معنی مسلمان قوم کے ہیں۔ شریعت (اسلامیہ) نے اکثر احکام میں کافر اور مسلمان کے مابین چونکہ نسبی تعلق کو کالعدم قرار دیا ہے اس لئے (نوح علیہ السلام) کے لڑکے متعلق فرمایا:۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱۱-۴۶) یعنی یہ تیرے خاندان سے نہیں ہے اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔ اور فرمایا وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (۱۱-۴۰) اپنے اہل کو کشتی میں سوار کرلو۔ ہاں جس شخص کی نسبت حکم ہوچکا ہے اس کو سوار نہ کرنا۔

---

[1] قالہ الحطیئۃ فی قصیدۃ ۳۴ بیتا یہجو فیہا الزبرقان بن بدر مطلعہا:۔ الا ابلغ بنی عوف بن کعب۔ فہل قوم علی خلق سواء القصیدۃ فی دیوانہ (۹۸-۱۰۹) (نشر نعمان قاہرہ ۱۳۲۸ھ) والبیت فی اضداد الاصمعی ۲۷ وابن السکیت ۱۸۲ واضداد ابن الانباری ۸۲ واضداد ابی الطیب ۶۱ واللسان (انی) والطبری ۲۲:۴۳ والاشباہ النحویہ ۴:۹ وابن ولاد ۸۱،۷ والعمدۃ ۱۷۰:۱ وذیل مجالس ثعلب (۱: ۲۷۶) وفی روایۃ ابی عبیدۃ واکریتُ بدل وآنیت (اللسان بکرا) واصلاح ابی یعقوب ۲۴۳ وفی روایۃ الاصمعی آنیتُ (رواہ فی المختارات ۱۳۰) فی قصیدۃ ۳۴ مطلعہا: الا قالت امامۃ ہل تعزی۔ فقلت امیم قد غلب العزاء [2] وفی الحدیث قال صلی اللہ علیہ وسلم لقد آنیت وآذیت فی رجل جاء یوم الجمعۃ یتخطی رقاب الناس۔ [3] وفی القرآن: وسار باہلہ (۲۸-۲۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَھَلَ الرَّجُلُ (ن ض)، یَأْھُلُ اُھُوْلاً اس نے شادی کر لی۔
مَکَانٌ مَاھُوْلٌ آباد جگہ جہاں لوگ بستے ہوں۔
اُھِلَ بِہٖ۔ وہ جگہ آباد ہو گئی۔ دَابَّۃٌ اَھْلٌ وَ اَھْلِیٌّ وہ چوپایہ جو کسی جگہ سے مانوس ہو (پالتو)
تَاَھَّلَ الرَّجُلُ۔ اس نے شادی کر لی اس سے (بطور دعا) کہا جاتا ہے اَھَّلَکَ اللّٰہُ فِی الْجَنَّۃِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں بیوی اور اہل بخشے کہ تم ان کے ساتھ رہو۔
فُلَانٌ اَھْلٌ لِکَذَا۔ فلاں اس کا مستحق اور سزاوار ہے اور مہمان کی آمد پر اسے خوش آمدید کے طور پر مَرْحَبًا وَّ اَھْلًا کہا جاتا ہے[1] یعنی ہمارے پاس تمہارے لئے فراخی ہے اور ہم تمہارے اہل بیت کی طرح تمہارے ساتھ شفقت سے پیش آئیں گے۔ اَھْلٌ کی جمع اَھْلُوْنَ وَاَھَالٍ وَاَھْلَاتٌ آتی ہے۔

(ا و ب)

اَلْاَوْبُ۔ گو اس کے معنی رجوع ہونا کے ہیں لیکن رجوع کا لفظ عام ہے جو حیوان اور غیر حیوان دونوں کے لوٹنے پر بولا جاتا ہے۔ مگر اَوْبٌ کا لفظ خاص کر حیوان کے ارادۃً لوٹنے پر بولا جاتا ہے۔ آبَ اَوْبًا وَاِیَابًا وَّ مَاٰبًا وہ لوٹ آیا قرآن میں ہے:۔
اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ (۸۸-۲۵) بیشک ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا (۷۸-۲۹) پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانا بنائے۔
اَلْمَاٰبُ۔ یہ مصدر (میمی) ہے اور اسم ظرف زمان اور مکان بھی۔ قرآن میں ہے:۔
وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (۳-۱۴) اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔
اَلْاَوَّابُ۔ یہ تَوَّابٌ کی (صیغہ مبالغہ) ہے یعنی وہ شخص جو معاصی کے ترک اور فعل طاعت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ قرآن میں ہے:۔ لِکُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ۔ یعنی ہر رجوع لانے اور حفاظت کرنے والے کے لئے (۵۰-۳۲)
اِنَّہٗ اَوَّابٌ (۳۸-۱۷) بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔
اسی سے اَوْبَۃٌ بمعنی توبہ بولا جاتا ہے۔۔۔
اَلتَّاْوِیْبُ۔ دن کو سفر کرنا اور شاعر کے قول ع
(۴۲) آبَتْ یَدُ الرَّامِیْ اِلَی السَّھْمِ" تیرانداز کا ہاتھ تیر کی طرف لوٹ آیا۔
میں آبَ (لوٹنا) کی نسبت ید کی طرف کی گئی ہے جو درحقیقت تیرانداز کا فعل ہے۔ اس سے ہمارے سابق بیان پر اعتراض نہیں ہو سکتا ہے کہ اَوْبٌ کا ارادہ اور اختیار کے ساتھ لوٹنے پر بولا جاتا ہے۔
اسی طرح نَاقَۃٌ اَوُوْبٌ سبک رفتار اونٹنی کو کہتے کیونکہ اس کے ہاتھ پھرتی سے لوٹتے ہیں۔

(ا و د)

اَلْاَوْدُ (ن) آدَہٗ یَؤُدُہٗ اَوْدًا وَّاِیَادًا کے بوجھل اور گرانبار کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] وَاَھْلُنَا اہل الکتاب الذین عندہم کتاب سماوی وفی جمیع القرآن الملاو بہم الیہود والنصاریٰ [2] نی القرآن بہ یجاد لاونی معنہ (۴۲-۲۵) وفی الحدیث شغلونا عن صلوٰۃ الوسطیٰ حتیٰ آبت الشمس راجع ظلتاج (راغب)

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا (۲-۲۵۵) اور آسمان و زمین کی حفاظت باری تعالیٰ کو بوجھل نہیں کرتی اور یہ بروزن قَالَ يَقُولُ قَوْلًا ہے اس سے واحد متکلم کا صیغہ اُدْتُ بروزن قُلْتُ ہوگا اصل میں آدَهُ کے معنی ہیں اس نے اپنے بوجھ اور گرانباری کی وجہ اس کی گذرگاہ سے ٹیڑھا کر دیا۔

(ا و ل)

اَلْاٰل۔ بعض نے کہا ہے کہ آل اصل میں اہل ہے کیونکہ اس کی تصغیر اُھَیْلٌ آتی ہے مگر اس کی اضافت ناطقین انسان میں سے ہمیشہ عَلَم کی طرف ہوتی ہے کسی اسم نکرہ یا زمانہ یا مکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں ہے اس لئے آل فلان (علم) تو کہہ سکتے ہیں مگر آل رجل، آل زمان کذا و آل مکان کذا بولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کیطرف مضاف ہوگا اس لئے آل الحیاط بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ آل اللہ یا آل السلطان کہا جائیگا۔ مگر اھل کا لفظ مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی طرف مضاف ہو کر آجاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح اہل زمن کذا و بلد کذا بولا جاتا ہے اسی طرح اہل اللہ و اہل الخیاط بھی کہہ دیتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ لفظ "آل" دراصل بمعنی شخص ہے اس کی تصغیر اُوَیل آتی ہے اور یہ اس شخص کے متعلق استعمال ہوگا جس کو دوسرے کے ساتھ ذاتی تعلق ہو مگر قریبی رشتہ داری یا تعلق والا ہو۔ قرآن میں ہے وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ (۳-۳۳) خاندان ابراہیم اور خاندان عمران۔

اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (۴۰-۴۶) فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دو۔

آلُ النبیؐ۔ بعض نے کہا ہے کہ آل النبی سے آنحضرت کے رشتہ دار مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں علم و معرفت کے اعتبار سے آنحضرت کے ساتھ خصوصی تعلق حاصل ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل دین دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو علم و عمل کے اعتبار سے راسخ اور محکم ہوتے ہیں ان کو آلُ النبیؐ اور اُمّتُہٗ بھی کہہ سکتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا سراسر تقلیدی ہوتا ہے ان کو اُمّتُ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ سکتے ہیں مگر آلِ محمدؐ نہیں کہہ سکتے اس سے معلوم ہوا کہ امت اور آل میں عموم و خصوص کی نسبت ہے یعنی ہر آل نبی اس کی امت میں داخل ہے مگر ہر امتی آل نبی نہیں ہو سکتا۔

امام جعفر صادقؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگ تمام مسلمانوں کو آل نبی میں داخل سمجھتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا یہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ سائل نے عرض کی یہ کیسے؟ فرمانے لگے غلط تو اس لئے کہ تمام امت آل نبی میں داخل نہیں ہے اور صحیح اس لئے کہ وہ شریعت کے کماحقہٗ پابند ہو جائیں تو انہیں آل النبی کہا جا سکتا ہے[1]۔

اور آیت کریمہ:۔ قَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ (۴۰-۲۸) اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص ... کہنے لگا۔ میں اس مرد مومن کے آل فرعون سے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ (بظاہر) تو اس کے خصوصی اہل کاروں اور فرعونی شریعت کے ماننے والوں سے تھا اور مسکن

---

[1] فی الحدیث آل محمدٍ کل تقی (طس) والرسالۃ القشیریہ ص ۵۶ عن انس) انظر المجالس للشیخ الجیلانی والشفاء للقاضی عیاض مع شرح نسیم الریاض — وایضاً الرحمۃ وشرح المھذب للنووی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ونسب کے اعتبار سے انہیں میں سے شمار ہوتا تھا نہ اس لئے کہ وہ لوگ بھی اسے اپنی شریعت کا پابند خیال کرتے تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ جبرئیل اور میکائیل میں ایل اسماء حسنیٰ سے ہے مگر قواعد عربیہ کی رو سے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ اسماء مرکب اضافی ہوتے تو لفظ ایل کو مضاف الیہ ہونے کی بنا پر مجرور ہونا چاہیئے تھا۔

آلُ الشیٔ کے معنی کسی چیز کا شخص کے ہیں اور جو دور سے مضطرب نظر آ رہا ہو۔

شاعر نے کہا ہے [۱۱] (طویل)

(۳۳) وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا آلُ خَيْمٍ مُنَضَّدٍ

کہ مرتب خیموں کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا

اور آل اس حالت کو بھی کہتے ہیں جس کی طرف انسان کا معاملہ آخر کار لوٹ کر آئے شاعر نے کہا ہے [۱۲]

سَأَحْمِلُ نَفْسِي عَلَى آلَةٍ (متقارب)
فَإِمَّا عَلَيْهَا وَ إِمَّا لَهَا

آخر الامر میں اپنی جان کو ایسے امر پر مجبور کرونگا وہ یا تو اس کے لئے نقصان دہ ہوگی یا فائدہ مند۔

اور آل بمعنی سراب بھی آتا ہے یعنی وہ جو ہوا کے تموج سے یا ویسے بے حقیقت چیز (دوپہر کے وقت) دکھائی دیتی ہے لہذا یہ اصل میں آئل یؤول سے ہے جس کے معنی لوٹنا کے ہیں۔ آل اللّبَنُ دودھ گاڑھا ہو گیا گویا اس میں نقصان کی طرف رجوع ہونے کے معنی ملحوظ ہیں جیسا کہ ناقص چیز کو رَاجِعٌ کہا جاتا ہے۔

اَلتَّاوِيْلُ۔ یہ بھی اول سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کے اصل کی طرف رجوع ہونے کے ہیں اور جس مقام کی طرف کوئی چیز لوٹ کر آئے اُسے مَوْئِلٌ (رجائے بازگشت) کہا جاتا ہے۔

پس تَاوِيْلٌ کسی چیز کو اس غایت کی طرف لوٹانا کے ہیں جو اس سے بلحاظ علم یا عمل کے مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ غایت علمی کے متعلق فرمایا:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ (۳-۶) حالانکہ اس کی مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا یا وہ لوگ جو علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں اور غایت عملی کے متعلق شاعر نے کہا ہے [۱۳]

(۳۵) "وَلِلنَّوَى قَبْلَ يَوْمِ الْبَيْنِ تَأْوِيلُ"

اور جدائی کے دن سے پہلے ہی جدائی کا انجام کار اور اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اور قرآن میں ہے هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ (۷-۵۳) اب صرف وہ اس کی تاویل یعنی وعدہ عذاب کے انجام کار کا انتظار کر رہے ہیں جس دن اس وعدہ عذاب کے نتائج

---

[۱۱] قالہ زہیر یمدح ہرم بن سنان وصدرہ: اربت بہا الارواح کل عشیۃ ... وفی روایۃ فلم یدل ولم والبیت فی دیوانہ ۱۸۰ (بشرحہ للشنتمری طبع لیدن ۱۳۰۶ھ والعقد الثمین ۹۷ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۲۰۸) والبحر (۱: ۵۵۴) وفیہ آل نؤی بدل آل خیم وفی اللسان انظر صدر البیت وعجزہ: یسفع علی آس ونؤی شعب ونسبہ الی النابغۃ ویروی عجزہ وثم علی عرش الخیام غسیل۔ قال ورواہ ابو عبیدۃ للنابغۃ وثعلب للزہیر [۱۲] قالتہ خنساء فی رثاء ابی عمرو والبیت فی اللسان والمحکم (علا، فوق) وایام العرب ۹۷۹ یوم حوزۃ الثانی (۸: والکامل للمبرد ۲۱۶) فی ستۃ ابیات [۱۳] قالہ عبدۃ بن الطبیب وصدرہ، وللاحبۃ ایام تذکرھا والبیت فی المفضلیات (۱: ۱۴۳) وتفسیر الطبری (۴: ۳۴) وتاریخ الطبری (۴: ۳۴) والقصیدۃ فی منتہی الطلب (۱: ۱۸۹-۱۹۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے آجائیں گے۔

یعنی اس دن سے جو غایت مقصود ہے وہ عملی طور پر ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔

اور آیت کریمہ: ذَالِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيلًا (۴-۵۹) میں بعض نے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے احسن تاویلا ہونا مراد لیا ہے اور بعض نے آخرت میں بلحاظ ثواب کے احسن ہونا مراد لیا ہے۔

اَلْاَوْلُ (ن) کے معنی ہیں مآل اور نتیجہ پر نظر رکھتے ہوئے سیاست اور انتظام کرنا۔ اسی سے کہا جاتا ہے قَدْ اُلْنَا وَ اِيلَ عَلَيْنَا ہم نے حکومت کی اور ہم پر حکومت کی گئی۔

اَلْاَوَّلُ۔ خلیل کے نزدیک اس کی اصل (اول) ہے اس لئے فَعَّلٌ کے وزن پر ہو گا بعض کا خیال ہے کہ اس کا مادہ (ودل) ہے اس لئے اَوَّل بروزن اَفْعَل ہو گا لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ فا اور عین کلمہ میں دو حرف یک جنس نہایت قلیل الاستعمال ہیں۔ بہت صورت ہیں یہ اَوْلٌ سے مشتق ہو گا جس کے معنی اصل کی طرف رجوع ہونا کے ہیں اور اَوَّلُ اصل میں اَ ءْوَلُ ہو گا کثرت استعمال کے باعث الف ثانی کو واؤ میں ادغام کر دیا گیا ہو۔

اَوَّلُ۔ اصل میں صیغہ صفت ہے کیونکہ اس کی تانیث اُولٰی بروزن اُخْرٰی آتی ہے[1]۔ پس اَوَّل وہ ہے جس پر اس کا غیر مرتب ہو اور بچند وجوہ استعمال ہوتا ہے۔

(۱) جو دوسرے پر باعتبار زمانہ متقدم ہو جیسے عبد الملک اولاثم منصور۔ کہ پہلے عبد الملک اور پھر منصور۔

(۲) اور مرتبہ اور ریاست کے اعتبار سے دوسرے پر متقدم ہو اور دوسرا اس کی اقتدا کرے جیسے الامیر اولاثم الوزیر۔ کہ پہلے امیر اور اس کے بعد وزیر۔

(۳) وضع اور نسبت کے اعتبار سے پہلے ہو جیسے ایک شخص عراق سے روانہ ہو تو اسے کہا جائیگا۔ القادسیۃ اولا ثم فید۔ کہ پہلے قادسیہ آئے گا اور پھر فید۔ اور مکہ سے روانہ ہونے والے کو کہا جائے گا کہ پہلے فید اور پھر قادسیہ آئے گا۔

(۴) جو نظام صناعی کے اعتبار سے متقدم ہو جیسے الاس اولا ثم البناء کہ پہلے بنیاد رکھی جاتی ہے اس پر عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔

اور جب صفت باری تعالیٰ میں ھوالاول کہا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو اور جن علماء نے اول کے معنی غیر محتاج یا مستغنی بنفسہ کئے ان کا اشارہ بھی اسی معنی کی طرف ہے۔

اور آیت وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (۶-۱۶۴) اور آیت وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۷-۱۴۳) میں اَوَّلُ کے معنی یہ ہیں کہ اسلام و ایمان میں ہی سب سے پہلے دوسروں کے لئے اسوہ اور مقتدا بنتا ہوں اسی طرح آیت: وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ (۲-۴۱) کے معنی یہ ہیں کہ کفر میں پہل کر کے دوسروں کے لئے اسوہ اور پیشوا نہ بنو کہ لوگ تمہاری اقتدار کریں۔

---

[1] وفی القرآن۔ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (۹۲-۱۳) راجع ایضا (الدخان: ۳۵-۵۶) النجم: ۲۵-۵۰-۵۶) (الواقعۃ: ۶۲) (النازعات ۲۵) (اللیل ۱۸) (الضحیٰ ۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی اوّل کا لفظ بطور ظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے جیسے جِئتُہٗ اَوّلُ۔ اور کبھی اوّل بمعنی قدیم بھی آ جاتا ہے جیسے جِئتُکَ اَوّلاً وَ آخِراً ای قدیمًا وحدیثًا یعنی پہلے بھی آیا تھا اور اب بھی۔

اور آیت کریمہ:۔ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (۷۵-۳۴) میں اولیٰ کلمۂ تہدید اور تخویف ہے اور جو شخص ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہو اسے تنبیہ کرنے کے لئے آتا ہے پھر جو شخص بڑی ذلت کے بعد ہلاکت سے بچ جائے اسے دوبارہ روکنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے عموماً یہ کلمہ مکرر آتا ہے گویا اسے تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ انجام پر غور کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرے۔

(ا و ن)

اَلْاٰنَ۔ ہر وہ لمحہ جو ماضی اور مستقبل کے مابین فرض کیا جائے اسے اَلْاٰنَ کہا جاتا ہے۔ جیسے اَلْاٰنَ افعل کذا (میں اب کرتا ہوں) اور اَلْاٰنَ کا لفظ ہمیشہ الف لام تعریف کے ساتھ استعمال ہوتا ہے[1] اور اَفْعَلُ کَذَا آوِنَۃً کا محاورہ بھی اَلْاٰنَ سے ماخوذ ہے ھٰذا اوان ذالک (یہ اس کا صحیح زمانہ یا وقت ہے) سیبویہ نے کہا ہے کہ اَلْاٰنَ آنُکَ کے معنی ہیں ھٰذا الوقت وَقْتُکَ اسی سے فعل آن یؤون اَوْنًا استعمال ہوتا ہے۔ ابو العباس لکھتے ہیں[2] کہ یہ "اَلْاٰنَ" سے نہیں ہے بلکہ ایک مستقل اور علیحدہ فعل ہے۔

(ا و ہ)

اَلْاَوَّاہُ۔ وہ شخص جو بہت زیادہ متلہف رہتا ہو اور تاَوَّہ کے معنی ہیں حزن وغم ظاہر کرنے کے لئے اَوَّہْ زبان پر لانا اور ہر وہ کلمہ جس سے تاسف اور حزن کا اظہار ہوتا ہو اسے تاَوَّہ سے تعبیر کر لیتے ہیں لہٰذا اَوَّاہٌ کا لفظ ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو خشیت الٰہی کا بہت زیادہ اظہار کرنیوالا ہو۔

اور آیت کریمہ:۔ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ (۱۱-۷۵) کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) مومن اور بہت زیادہ دعا کرنے والے تھے مآل کے اعتبار سے یہ معنی بھی ماتقدم کی طرف راجع ہے۔

ابو العباس[3] فرماتے ہیں کہ کام کے روکنے کے لئے کلمہ "اِیْھًا" اور ترغیب دینے کے لئے وَیْھًا کہا جاتا ہے اور اظہار تعجب کے لئے وَاھًا کہتے ہیں۔

(ا و ی)

اَلْمَاْوٰی (یہ اَوٰی (ض) اُوِیًّا وَمَاْوًی کا مصدر ہے (جس کے معنی کسی جگہ پر نزول کرنے

---

[1] قال فی اللسان الاصل فی الآن "ان یکون لزمان الحال ثم توسعوا فیہ للوصف واللام فیہ للتعریف واصل الآن" اوان "حذف الہمزۃ ثم غیرت واولم الی الالف کما فی الراح والرباح [2] بنصب الآن ورفع آنک قال ابن جنی وکذا قرأناہ فی الکتاب لسیبویہ راجع اللسان (ابن) والکتاب [3] ابو العباس محمد بن یزید (۲۱۰ھ ۲۸۶) الثمالی المعروف بالمبرد امام العربیۃ واحد ائمۃ الادب والاخبار من کتبہ المطبوعۃ "الکامل" وشرح لامیۃ العرب المطبوع مع شرح الزمخشری ولہ کتب اخری معروفۃ۔ قال الزبیدی فی شرح خطبۃ القاموس المبرد بفتح الراء المشددۃ وبعضہم یکسر راجع لاحوال النزہۃ ۲۸۵ والبغیۃ ۱۱۶ والفہرست ۵۹ وطبقات للزبیدی رقم ۴۰ والانساب ۱۱۷ الثمالی والحصری ۲/۲۱۶ و ۲۲۳ والادباء ۷/۱۳۷ والوفیات ۱/۴۹۵ ولسان المیزان ۵/۴۳۰ ومعانی العسکری ۱/۱۲۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا پناہ حاصل کرنا کے ہیں) اور آوَیٰ اِلٰی کَذَا کے معنی ہیں کسی کے ساتھ مل جانا اور منضم ہو جانا اور آواہ (افعال) اِیْوَاءٌ کے معنی ہیں کسی کو جگہ دینا قرآن میں ہے اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ (۱۸-۱۰) جب وہ اس غار میں جا رہے قَالَ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ (۱۱-۴۳) اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا۔ وَتُؤْوِیْ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ (۳۳-۵۱) جسے چاہو اپنے پاس ٹھکانا دو وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ (۷۰-۱۳) اور اپنا خاندان جس میں رہتا تھا۔ اور آیت کریمہ:۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی (۵۳-۱۵) میں لفظ جَنَّۃ کی اضافت مَاْوٰی (مصدر) کی طرف ہے جیسا کہ دَارُ الْخُلْدِ (۴۱-۲۸) میں لفظ دار کی اضافت اَلْخُلْد مصدر کی طرف ہے[1] اور آیت مَاْوٰھُمْ جَهَنَّمُ (۱۷-۹۷) میں مَاْوٰی کے معنی رہنے کی جگہ کے ہیں۔

اَوَیْتُ لَهٗ اَوْیًا وَاِیَّةً وَمَاْوِیَۃً وَمَاْوَاۃً کے معنی ہیں میں نے اس پر رحم کھایا۔ اصل میں اس کے معنی رَجَعْتُ اِلَیْهِ بِقَلْبِیْ کے ہیں یعنی میں دل سے اس کی طرف مائل ہوا۔

اور آیت کریمہ:۔ آوٰی اِلَیْهِ اَخَاهُ (۱۲-۶۹) کے معنی یہ ہیں کہ یوسفؑ نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملا لیا اور حاتم طائی کے شعر[2] (الطویل)

(۳۶) اَمَاوِیَّ اِنَّ الْمَالَ غَادٍ وَرَائِحٌ

اے ماویہ! بے شک مال صبح شام آنے جانے والی چیز ہے۔

میں اَلْمَاوِیَّۃ۔ عورت (بیوی) کا نام ہے چنانچہ بعض نے اسے بھی اسی باب (اوی) سے مانا ہے اور کہا ہے کہ گویا قبول صورت (ماوی الصورۃ) ہونے کی وجہ سے اسے الماویہ کہا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے یہ مَاءٌ کی طرف نسبت ہے اور اصل میں مَائِیَّۃ ہے ہمزہ کو واؤ کے ساتھ بدل لیا گیا ہے[3]

(ا ی ی)

اَیٌّ۔ جب استفہام کیلئے ہو تو جنس یا نوع کی تعیین اور تحقیق کے متعلق سوال کے لئے آتا ہے اور یہ خبر اور جزا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے[4] چنانچہ فرمایا: اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (۱۷-۱۱۰) جس نام سے اسے پکارا اس کے سب نام اچھے ہیں اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ (۲۸-۱۸) کہ میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کر دوں پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔

---

[1] فی النسخ المطبوعۃ کلھا دار الخلود تصحیف وجاء فی التنزیل یوم الخلود (۵۰-۳۴) فی آیۃ فقط واما کلمۃ خُلْد فقد جاء فی آیات (۱۰-۵۲) (۲۰-۱۲۰) (۲۱-۳۴) (۲۵-۱۵) (۳۲-۱۴) [2] قال فی شواہد الکشاف ۶۰ ان ماویۃ اسم ام حاتم وہی بنت عفیر وکانت تلومہ فی جودہ بالمال واصلہ نسبۃ الی الماء لانھا تشبیھہ فی اللین والرقۃ وعجز البیت . . . . ویبقی من المال الاحادیث والذکر انظر دیوانہ ۵۰ فی ۲۰ بیتًا وراجع للبیت ایضًا الخزانۃ ۴: ۱۵۸/۳، ۱۹۳، ۱۹۳ وذیل الامالی ۳۰ فی اربعۃ ابیات والعقد ۱: ۲۳۶ فی ۵ ابیات وقیل انہ افضل ما قیل فی الجود ورایت فی تقدمۃ دیوان (بیروت ۱۳۸۳ھ) ان ماویۃ زوجۃ وذکر فیہ قصۃ زواجہ معہ [3] راجع شرح شواہد الکشاف ۶۰ [4] ای یکون شرطا وقد یاتی موصولا نحو لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد (۱۹-۶۹) وفی اعراب الآیۃ اعتراک بین العلماء وقد یاتی دالا علی معنی الکمال فیقع صفۃ للنکرۃ نحو زید رجل ای رجل وان یکون وصلۃ الی نداء ما فیہ ال نحو یایھا الناس فہذہ خمسۃ وجوہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْاٰیَۃُ۔ اسی کے معنی علامت ظاہرہ یعنی واضح علامت کے ہیں دراصل "آیۃ" ہر اس ظاہر شے کو کہتے ہیں جو دوسری ایسی شے کو لازم ہو جو اس کی طرح ظاہر نہ ہو مگر جب کوئی شخص اس ظاہر شے کا ادراک کرے گو اس دوسری (اصل) شے کا بذاتہٖ اس نے ادراک نہ کیا ہو مگر یقین کرلیا جائے کہ اس نے اصل شے کا بھی ادراک کرلیا کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہے اور لزوم کا یہ سلسلہ محسوسات اور معقولات دونوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ جب کسی شخص کو معلوم ہو کہ فلاں راستے پر فلاں قسم کے نشانات ہیں اور پھر وہ نشان بھی مل جائے تو اسے یقین ہو جائیگا کہ اس نے راستہ پالیا ہے۔ اسی طرح کسی مصنوع کے علم سے لامحالہ اس کے صانع کا علم ہو جاتا ہے۔

آیۃ کا لفظ یا تو اَیٌّ سے مشتق ہے کیونکہ یہ بھی ایک چیز کو دوسری سے تمیز دیتی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تَاَیِّیْ (مصدر تفعل) سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز پر ٹھہرنے اور تثبت حاصل کرنا کے ہیں کہا جاتا ہے: تَاَیَّ (امر) یعنی ٹھہرو اور رفق سے کام لو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُوِیْ اِلَیْہِ سے مشتق ہو۔

(۱) آیۃ کا لفظ بلند عمارت پر بھی بولا جاتا ہے جیسے فرمایا: اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ (۲۶-۱۲۸) کہ تم ہر فضا مقام پر بے کار نشان تعمیر کرتے ہو۔

(۲) اور قرآن کے ہر اس حصہ کو جو کسی حکم پر دال ہو آیۃ کہا جاتا ہے عام اس سے کہ وہ ایک سورۃ ہو یا اس کی ایک فصل یا کئی فصلیں ہو۔

(۳) اور کبھی ہر اس کلام کو جو لفظی اعتبار سے دوسرے سے الگ ہو آیۃ کہدیا جاتا ہے اسی اعتبار سے سُوَر کی آیات کو آیات کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ سورۃ شمار کی جاتی ہے۔ اور آیت کریمہ: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۲۹-۴۴) میں آیات سے فکری دلائل مراد ہیں کہ لوگ اپنے مراتب علمیہ کے اعتبار سے ان کی معرفت میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ اسی معنی میں فرمایا: بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (۲۹-۴۹) بلکہ یہ اہل علم کے نزدیک واضح دلائل ہیں اور ہمارے ان دلائل سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۲-۱۰۵) اور آسمان وزمین میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔

پھر قرآن مجید میں کسی خاص معنی کا لحاظ کرتے بعض مواضع میں آیۃ مفرد اور دوسرے مقامات پر آیات بصیغۂ جمع لایا گیا ہے جس کی تفصیل اور توضیح اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ اور آیت کریمہ: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗٓ اٰیَۃً (۲۳-۵۰) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم کو آیَتَیْنِ (دو ایتیں) کہنے کی بجائے آیۃ (ایک آیت) قرار دیا ہے کیونکہ یہ دونوں مل کر (بحیثیت مجموعی) ایک آیت بنتے ہیں۔ اور آیت کریمہ: وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (۱۷-۵۹) میں بعض نے کہا ہے کہ آیات سے جراد، قمل، ضفادع وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جو امم سابقہ پر (بطور عذاب) بھیجی گئی تھیں۔ اور "تخویفا" کے لفظ سے متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ اس قسم کے افعال کا ارتکاب کریں گے ان پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوں گے اور یہ کہ اس قسم کی آیات

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو طلب کرنا مکلّفین کے خسیس ترین ہونے کی دلیل
ہے کیونکہ انسان فعل خیر یا تو کسی رغبت اور خوف
کی وجہ سے کرتا ہے پس سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے اور یا
اچھی شہرت حاصل کرنے کے لئے۔ مگر اشرف اور اعلیٰ
مرتبہ یہ ہے کہ فضیلت کو فضیلت سمجھ کر حاصل
کیا جائے اور امت محمدیہ چونکہ اشرف امت ہے
جیسا کہ آیت۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ ( ) میں مذکور ہے اس لئے انہیں
اللہ تعالیٰ نے اس (خسیس) مرتبہ سے بلند قرار دیا ہے
اور متنبہ کیا ہے کہ گو ان میں سے جہلاء یہ کہہ کر۔
أَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں
لیکن ان پر عمومی عذاب نہیں آئے گا۔

بعض نے کہا ہے کہ آیات سے مراد دلائل ہیں اور
تنبیہ کی ہے کہ ان کے سامنے صرف دلائل بیان ہوں
گے اور انہیں اس عذاب سے محفوظ رکھا جائیگا
وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ (۲۲-۴۷)
جس کے متعلق یہ جلدی کر رہے ہیں۔

لفظ آيَة کے وزن میں تین اقوال ہیں:۔

(۱) یہ فَعْلَةٌ کے وزن پر ہے ایسے کلمات
(جن کے عین اور لام کلمہ میں حرف علت ہو میں
حق تو یہ ہے کہ ان کے لام کلمہ میں تعلیل کی جائے
نہ کہ عین کلمہ میں جیسے حَيَاةٌ اور نَوَاةٌ وغیرہ
نظائر موجود ہیں) لیکن عین کلمہ میں حرف یا آنے
کی وجہ سے لام کلمہ میں تعلیل نہیں ہوئی جیسے
رَايَةٌ وغیرہ۔

(۲) بعض نے کہا ہے یہ فَعَلَةٌ کے وزن پر
ہے دو حرف علت جمع ہونے کی وجہ سے پہلی یار کو
الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے جیسے طَائِيٌّ اور طَيِّئٌ۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ آيَةٌ دراصل آيِيَةٌ بروزن
فَاعِلَةٌ ہے بغرض تخفیف یار اول کو حذف
کرکے آيَةٌ بنا لیا گیا ہے مگر یہ آخری قول ضعیف
ہے کیونکہ آيَةٌ کی تصغیر أُيَيَّةٌ ہے اگر یہ اصل
میں فَاعِلَةٌ کے وزن پر ہوتا تو اس کی تصغیر
أُوَيِّةٌ آنا چاہیے تھی۔

(أَيَّانَ)

أَيَّانَ (کب) کسی شے کا وقت دریافت
کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ قریب
قریب "مَتٰی" کے ہم معنی ہے۔ قرآن میں
ہے۔ أَيَّانَ مُرْسَاهَا (۷۹-۴۲) کہ اس
(قیامت) کا وقوع کب ہوگا۔ وَمَا يَشْعُرُونَ
أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (۱۶-۲۱) ان کو بھی یہ معلوم
نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے أَيَّانَ يَوْمُ
الدِّينِ (۵۱-۱۲) کہ جزا کا دن کب ہوگا۔
لفظ أَيَّانَ دراصل أَيٌّ سے مشتق ہے اور
بعض کے نزدیک اس کی اصل أَيُّ أَوَانٍ
ہے جس کے معنی ہیں "کونسا وقت" الف کو
حذف کرکے واؤ کو یا اور پھر اسے یار میں
ادغام کرکے أَيَّانَ بنا لیا گیا ہے۔

(إِيَّا)

یہ کلمہ ضمیر منصوب منفصل کے تلفظ کے لئے
وضع کیا گیا ہے جب ضمیر (منصوب) اپنے
عامل پر مقدم ہو یا اس پر کسی کلمہ کا عطف ڈالا
جائے اور یا اِلَّا کے بعد آئے تو اس (اِيَّا) کے
ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسے (تقدیم کی صورت
میں فرمایا) إِيَّاكَ نَعْبُدُ (۱-۴) اور عطف کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں فرمایا نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ (۱۷-۳۱) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (۱۷-۲۳) اور تیرے پروردگار نے قطعی طور ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

(اِیْ)

اِیْ۔ حرف ایجاب ہے کلام متقدم کی تحقیق اور توثیق کے لئے وضع کیا گیا ہے[1] جیسے فرمایا: قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ (۱۰-۵۳) کہدو ہاں خدا کی قسم یہ سچ ہے۔

(اَیْ)

اَیْ۔ یہ حرف ندا ہے جیسے اَیْ زَیْدُ اور کبھی حرف تفسیر ہوتی ہے اور اس بات پر تنبیہ کے لئے بھی آجاتا ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کی شرح اور تفسیر ہے[2]

(ایا)

حرف ندا ہوتا ہے جیسے اَیَا زَیْدُ۔

(اَ)

یہ بھی منجملہ حروف ندا ہے جیسے اَ زَیْدُ۔

(ای د)

اَلْاَیْدُ (اسم) سخت قوت اس سے اَیَّدَ (تفعیل) ہے جس کے معنی تقویت دینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ اَیَّدْتُکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۵-۱۱۰) ہم نے تمہیں روح قدس سے تقویت دی وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ (۳-۱۳) یعنی جسے چاہتا ہے اپنی نصرت سے بہت زیادہ تقویت بخشتا ہے اِدْتُهُ (ض) اَئِیْدُهُ اَیْدًا جیسے بِعْتُهُ اَبِیْعُهُ بَیْعًا (تقویت دینا) اور اس سے اَیَّدْتُهُ (تفعیل) تکثیر کے لئے آتا ہے قرآن میں ہے۔ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ (۵۱-۴۷) اور ہم نے آسمان کو بڑی قوت سے بنایا اور اَیْدٌ میں ایک لغت آدٌ بھی ہے اور اسی سے امر عظیم کو مُؤَیَّدٌ کہا جاتا ہے اور جو چیز دوسری کو سہارا دے اور بچائے اسے اِیَادُ الشیئ کہا جاتا ہے ایک قرأت میں اَیَدْتُکَ ہے جو اَفعلتُ (افعال) سے ہے اور اِیَادُ الشیئ کے محاورہ سے ماخوذ ہے زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فاعلت (مفاعلہ) مثل عاونتُ سے بھی ہو سکتا ہے۔

(ای ک)

اَلْاَیْکُ۔ درختوں کا جھنڈ (واحد ایکۃ) اور آیت۔ اَصْحَابُ الْاَیْکَةِ (۱۵-۷۸) کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے[3] کہ اَلْاَیْکَۃُ ان کے شہر اور آبادی کا نام ہے۔

(ای م)

اَلْاَیَامٰی (۲۴-۳۲) یہ اَلْاَیِّمُ کی جمع ہے اور آمَ الرَّجُلُ وَ تَاَیَّمَ کے معنی ہیں مرد رنڈوا ہو گیا اور عورت کے بیوہ ہونے کے لئے آمَتِ الْمَرْأَةُ وَ تَأَیَّمَتْ کہا جاتا ہے

---

[1] ای سواء کان قبلہا خبرا و استفہام وعلی کل حال یکون بعدہا القسم [2] وحینئذ یکون مابعدہا عطف بیان علی ماقبلہا او بدل لا عطف نسق ابن المغنی ۱/۸۰ [3] راجع آیت (۲۶-۱۷۶) (۳۸-۱۳) (۵۰-۱۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِمْرَءَۃٌ اَیِّمَۃٌ۔ بیوہ عورت رَجُلٌ اَیِّمٌ رنڈوا مرد اَلْحَرْبُ مَأْیَمَۃٌ جنگ مرد کو عورت سے الگ کر دیتی ہے اَلْاَیْمُ۔ سانپ۔

این ظرف،

یہ کلمہ کسی جگہ کے متعلق سوال کے لئے آتا ہے جیسا کہ لفظ "متیٰ" زمانہ کے متعلق سوال کے لئے آتا ہے۔

(ا ی ن)

اَلْاَیْنُ (ض) کے معنی تھک کر چلنے سے عاجز ہو جانا کے ہیں نیز آنَ یَئِیْنُ اَیْنًا اور آنٰی یَاْنِیْ اُنْیًا کے معنی کسی چیز کا موسم یا وقت آ جانا کے ہیں اور محاورہ میں بَلَغَ اَنَاہُ کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ اٰنیٰ (ناقص) سے مقلوب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابو العباسؒ نے کہا ہے کہ آنَ یَئِیْنُ اَیْنًا کا ہمزہ دراصل حاء سے مقلوب (بدلا ہوا) ہے اور اصل میں حَانَ یَحِیْنُ حَیْنًا ہے اور اصل کلمہ اَلْحِیْنُ ہے۔

لہ قرۃ فی القرآن ← فاین تذہبون (۸۱ – ۲۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كتابُ الباءِ

(ب)

الباء (حرف جار) یہ ہمیشہ فعل ظاہر یا مضمر کے متعلق ہوکر استعمال ہوتی ہے پھر متعلق بفعل ظاہر دو قسم پر ہے۔

(۱) ہمزہ افعال کی طرح تعدیہ فعل کے لئے آتی ہے[1] جیسے ذھبت به و اذھبتهٗ۔ قرآن میں ہے[1]: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵-۷۲) جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔

(۲) آلہ کے لئے ہوتی ہے[2] جیسے قطعتهٗ بالسكين (میں نے اسے چھری سے کاٹا)

اور متعلق بمضمر کبھی موضع حال میں ہوتی ہے جیسے خرج بسلاحه (یعنی وہ نکلا درآنحالیکہ اس پر یا اس کے ساتھ اسلحہ بھی تھا۔ اور کبھی زائدہ ہوتی ہے جیسے فرمایا: وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (۱۲-۱۷) اور آپ ہماری بات کو باور نہیں کریں گے۔ اس جگہ میں اور مَا اَنْتَ مُؤْمِنًا میں فرق ہے کیونکہ منصوب ہونے کی صورت میں متکلم کے ذہن میں ایک ہی ذات کا تصور ہے جیسا کہ زَيْدٌ خَارِجٌ میں ہے مگر مجرور ہونے کی صورت میں جیسے مَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا ہے دو ذات کا تصور ہے جیسا کہ لَقِيْتُ بِزَيْدٍ رَجُلًا فَاضِلًا میں ہے[3]۔ کہ یہاں فَاضِلًا سے گو زید ہی مراد ہے مگر اسے ایسی صورت میں پیش کیا گیا ہے کہ اس سے ایک شخص (فاضل) متصور ہوتا ہے گویا تقدیر کلام یہ ہے کہ رَأَيْتُ بِرُؤْيَتِي لك آخر وهو رجل فاضل اسی طرح رأيتُ بكَ حَاتِمًا فِى السخاء کا محاورہ ہے چنانچہ اسی معنی میں فرمایا: وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶-۱۱۴) اور میں مومنوں کو راندنے والا بھی نہیں ہوں۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (۳۹-۳۶) کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے۔ مگر شیخ[4] فرماتے ہیں کہ یہ کلام محل نظر ہے[5]۔ اور آیت کریمہ: تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ (۲۳-۲۰) میں بعض نے کہا ہے یہ تُنْبِتُ الدُّهْنَ کے معنی میں ہے[6] مگر اس آیت سے یہ معنی مقصود نہیں ہے بلکہ تُنْبِتُ النبات ومعه الدهن کے ہم معنی ہے[7] یعنی اس میں بالقوہ روغن موجود ہوتا ہے اور بالدُّھن کا لفظ لاکر اللہ تعالیٰ کے انعام ایزدی کی ہے نیز اس کے نکالنے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ بعض نے کہا ہے اس میں باء حال کے معنی میں ہے یعنی: درآنحالیکہ اس میں روغن موجود ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہمزہ اور باء دونوں برائے تعدیہ آتے ہیں اور یہ دونوں ایک ہی کلمہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔

---

[1] الباء فى الآية للالصاق المجازى لا للتعدية و هما نوعان راجع ابن هشام ج ۱ ص ۱۰۶-۱۰۷ و باء التعدية تسمى باء النقل والاولى كامة ذهب الله بنورهم (۲-۱۷) [2] وتسمى باء الاستعانة [3] الاولى ان تكون الباء فيها سببية اى لسبب لقائى اياه و اصحاب المعانى يسمون مثل هذا الباء باء [4] اى الشيخ عبدالقاهر الجرجانى [5] اى الباء زائدة [6] فعلى هذا يكون الظرف حالا من المفعول اى تنبت الثمر مصاحبا للدهن :

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آیت کریمہ: وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ (۴-۷۹) میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں باؔ زائدہ ہے[1] اور یہ اصل میں وَكَفَى اللّٰهُ شَهِيْدًا ہے جیسا کہ آیت: وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (۳۳-۲۵) میں ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے تو لازم آتا ہے آیت مقیس علیہ میں بھی وَكَفٰى بِاللّٰهِ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ کہنا صحیح ہو حالانکہ درست نہیں ہے کیونکہ باؔ زائدہ اسی مقام پر آتی ہے جہاں اس کے بعد منصوب موضع حال میں مذکور ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے لہذا صحیح یہ ہے کہ یہاں کَفٰی کا لفظ اِكْتَفِ (امر) کی جگہ لایا گیا ہے[2] جیسا کہ اَحْسِنْ بِزَيْدٍ میں لفظ احسن، ما احسن کی جگہ لایا گیا ہے[3] اور آیت کے معنی یہ ہیں۔ اِكْتَفِ بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ اور اسی معنی میں فرمایا۔ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (۲۵-۳۱) وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا (۴-۴۵) اور خدا ہی کارساز کافی ہے اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۴۱-۵۳) کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے باخبر ہے اور حُبُّ اِلَيَّ بِفُلَانٍ کا محاورہ بھی اسی توجیہ پر محمول ہوگا ای اَحْبِبْ اِلَيَّ بِهٖ

اور آیت کریمہ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (۲-۱۹۵) میں بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ یہاں باؔ زائدہ ہے[4] اور اصل میں لَا تُلْقُوْا اَيْدِيَكُمْ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں بھی باؔ زائدہ کی ہے اور اصل میں لَا تُلْقُوْا اَنْفُسَكُمْ بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ہے مگر مفعول کو عدم ضرورت اور معنوی عموم کے پیش نظر حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ جس طرح اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے اسی طرح دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

اور آیات: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ (۸۳-۲۸) وہ ایک چشمہ ہے جس سے خدا کے مقرب پئیں گے عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (۷۶-۶) یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے خدا کے بندے پئیں گے ــــــ میں بعض نے کہا ہے۔ کہ باؔ بمعنی مِنْ ہے[5] ای يَشْرَبُ مِنْهَا اور بعض نے زائدہ کہا ہے ای يَشْرَبُهَا لیکن صحیح یہ ہے کہ باؔ کو اس کے معنی پر رہنے دیا جائے اور کہا جائے کہ عَيْنًا سے پانی مراد نہیں ہے بلکہ چشمہ کا گڑھا ہے لہذا یہ مَكَانًا يَّشْرَبُ بِهٖ کی طرح ہوگا[6]

اور آیت: فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ (۳-۸۸) میں بھی بِمَفَازَةٍ کے معنی بِمَوْضِعِ الْفَوْزِ کے ہیں یعنی ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ کسی نجات کی جگہ کے ذریعہ عذاب سے رستگار ہو جائیں گے۔

(ب ء ر)

اَلْبِئْرُ (کنویں) اصل میں یہ مہموز (العین)

---

[1] قال الخرار زيدت الباء للمبالغة في المدح كما قالوا: اظرف بعبد الله واقبل بزيد وحسبك بصديقنا (اللسان)
[2] قاله الزجاج وصرح ابن هشام بان هذا التوجيه بعيد راجع الاتقان ج۱ ص ۱۵۹ والمغني ص۱۰۳ اي غير الخبر الي معنى الطلب [3] ذكره ابن هشام في المغني ذيل الثاني مما تزاد فيه الا على المفعول كما في الآية [4] قاله الفارسي والاصمعي والفقيتي وابن مالك (ابن هشام ص ۱۱) [5] اي الباء للاستعانة كما قاله الزمخشري فالمعنى يشرب بها الخمر۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ بَأَرَتْ بِئْرًا وَ بَأَرْتُ بُؤْرَةً کے معنی گڑھا کھودنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ (۲۲-۴۵) اور بہت سے کنویں بیکار اور محل ویران پڑے ہیں۔ اسی سے اَلْمِئْبَرَةُ کا لفظ مشتق ہے جو اصل میں اس گڑھے کو کہتے ہیں جس کا منہ اس طرح ڈھانپ دیا جائے کہ جو شخص اس کے اوپر سے گزرے اس میں گر پڑے ایسے گڑھے کو مِغْوَاةٌ بھی کہا جاتا ہے اور کنایۃً مِئْبَرٌ ایسی سخن چینی کو کہتے ہیں جو انسان کو بلا میں ڈالنے والی ہو اس کی جمع اَلْمَآبِرُ آتی ہے

(ب ء س)

اَلْبُؤْسُ وَ الْبَأْسُ وَ الْبَأْسَاءُ۔ تینوں میں سختی اور ناگواری کے معنی پائے جاتے ہیں مگر بُؤْس کا لفظ زیادہ تر فقر و فاقہ اور لڑائی کی سختی پر بولا جاتا ہے اور اَلْبَأْسُ وَ الْبَأْسَاءُ بمعنی نکایہ (یعنی جسمانی زخم اور نقصان کیلئے آتا ہے قرآن میں ہے وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَأْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا (۴-۸۴) اور خدا لڑائی کے اعتبار سے بہت سخت ہے اور سزا کے لحاظ سے بھی بہت سخت ہے فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ (۶-۴۲) پھر (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ حِيْنَ الْبَأْسِ (۲-۱۷۷) اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ (۵۹-۱۴) ان کا آپس میں بڑا رعب ہے۔

بَؤُسَ يَبْؤُسُ (بَأْسًا) بہادر اور مضبوط ہونا۔ اور آیت کریمہ: بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ (۷-۱۶۵) میں بَئِيْسٌ بروزن فعیل ہے اور یہ بَأْس یا بُؤْس سے مشتق ہے یعنی نہایت سخت عذاب میں اور آیت کریمہ: فَلَا تَبْتَئِسْ (۱۱-۳۶) کے معنی یہ ہیں کہ غمگین اور رنجیدہ رہنے کے عادی نہ بن جاؤ۔ حدیث میں ہے[1] اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَكْرَهُ الْبُؤْسَ وَ التَّبَاؤُسَ وَ التَّبَؤُّسَ۔ کہ آنحضرت کو یہ بات بری لگتی تھی کہ فقراء دوسروں کے سامنے عجز و انکسار کریں یا کوئی شخص اپنے آپ کو ذلیل کرے (اور عزت نفسی کا خیال نہ رکھے) بِئْسَ۔ فعل ذم ہے اور ہر قسم کی مذمت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ نِعْمَ ہر قسم کی مدح کے لئے استعمال ہوتا ہے ان کا اسم اگر معرف باللام ہو یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو تو اسے رفع دیتے ہیں جیسے بِئْسَ الرَّجُلُ زَيْدٌ وَ بِئْسَ غُلَامُ الرَّجُلِ زَيْدٌ اور اسم نکرہ کو نصب دیتے

---

[1] ومنہ ابتر بمعنی ادخوذ الحدیث :۔ فلم یبتمر رفیثا ای فلم یدخر (الساق) [2] (فی اللسان ربس) و یجوز التبئوس ای بالقصر والتشدید و کذا جاء فی حدیث الصلوۃ :۔ ان تقنع بدیک و تباءس تاز کامن بئس بمعنی افتقر والحدیث اخرجہ ابونعیم فی تاریخ اصبہان وحمزہ السلمی فی تاریخ جرجان عن ابی ہریرۃ، ان اللہ اذا انعم علی عبد نعمۃ۔ ویکرہ البؤس والتبؤس ورواہ ابویعلی والبیہقی فی الشعب ویبغض البؤس والتباؤس انظر ص ۲۳ رقم ۱۸۹ ص ۳۴ رقم ۳۶۰ عن ابی ہریرۃ مرفوعا وفیہ عن ابی سعید و ہناد ـــ عن یحیی بن جعدۃ مرسلا ـــ ویبغض بدل یکرہ والحدیث مذکور مع حدیث ان اللہ جمیل یحب الجمال راجع تخریج الکشاف و کنز العمال ۷:۶۵۸۶۲

۵۹۲ لا یحب بدل یکرہ (طب، بق، والضیاء عن زہیر بن ابی علقمۃ ۲۶۰۲، ۲۶۱۱، ۲۶۱۲) ابن صیصری فی امالیہ عن ابی ہریرۃ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں جیسے قرآن میں ہے:۔ بِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۵-۷۹) اِی بِئْسَ شَيْئًا يَفْعَلُوْنَهٗ یعنی بلاشبہ وہ برا کرتے تھے وَبِئْسَ الْقَرَارُ (۱۴-۲۹) اور وہ بُرا ٹھکانا ہے فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ (۳۹-۷۲) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (۱۸-۵۰) ظالموں کے لئے برا بدل ہے۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۵-۶۳) بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں بِئْسَ اصل میں بَئِسَ (س) اور بُؤْسٌ سے مشتق ہے۔

(ب ت ر)

اَلْبَتْرُ۔ یہ قریبًا بَتْكٌ کے ہم معنی ہے مگر خاص کر دُم کے قطع کرنے پر بولا جاتا ہے۔ پھر مجازاً قطع نسل کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اور اَبْتَر اس شخص پر بولا جاتا ہے جس کی موت کے بعد اس کا خلف نہ ہو اور اَبْتَر یا اَبَاتِر وہ جس کا ذکر خیر باقی نہ رہے نیز رَجُلٌ اَبَاتِرٌ۔ قاطع رحم۔ اور جس خطبہ کے شروع میں حمد و ثنا نہ ہو اسے بھی مجازاً خُطْبَةٌ بَتْرَاءُ کہا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا ہے[1] كُلُّ اَمْرٍ لَا يُبْدَءُ فِيْهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ (۱۷) ہر وہ کام جس کے شروع میں اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ اَبْتَر رہے۔

اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸-۳) میں اَبْتَر کے معنی یہ ہیں کہ تیرے مخالف کا ذکر خیر باقی نہیں رہے گا۔ جب کفار نے طعنہ دیا کہ محمدؐ کی موت کے ساتھ ہی اس کا نام و نشان منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی نسل (اولاد) نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے متنبہ کیا کہ تمہارا بداندیش ہی مقطوع النسل رہے گا آپؐ کو تو اللہ تعالیٰ نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۹۴-۴) کا مقام بخشا ہے کیونکہ جملہ مؤمنین آپ کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے اور آپ کے دین کے محافظ مقرر کر دیا ہے۔

چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے[2] (۲۰) اَلْعُلَمَاءُ بَاقُوْنَ مَا بَقِيَ الدَّهْرُ، اَعْيَانُهُمْ مَفْقُوْدَةٌ وَاٰثَارُهُمْ فِي الْقُلُوْبِ مَوْجُوْدَةٌ۔ علماء تا قیامت باقی رہیں گے ان کے اجسام مفقود ہوتے جاتے ہیں۔ مگر ان کے آثار لوگوں کے دلوں پر ثبت رہتے ہیں۔ جب علماء کو یہ فضیلت حاصل ہے جو آنحضرت کے متبعین سے ہیں تو آنحضرت کی شان تو اس سے کہیں بلند ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "رفع ذکر" کا شرف بخشا ہے اور آپ کو خاتم الانبیاء قرار دیا ہے صلی اللہ علیہ و علیہم افضل الصلاۃ والسلام

(ب ت ك)

اَلْبَتْكُ (ض) یہ قریب قریب بَتٌّ (کاٹنا) کے ہم معنی ہے مگر بَتْكٌ کا لفظ اعضاء یا بال کے قطع کرنے پر بولا جاتا ہے جیسے بتك شعره

---

[1] والحدیث اوردہ العلماء بالفاظ مختلفۃ رواہ ابوعوانۃ فی صحیحہ واصحاب السنن ـــ عن ابی ہریرۃ بلفظ لا یبدأ فیہ بحمد اللہ فھو اقطع واحمد فی مسندہ من ہذا الوجہ" لا یفتتح بذکر اللہ فھو ابتر واقطع" وللخطیب فی الجامع عن الزہری لا یبدأ فیہ ببسم اللہ الرحمان الرحیم فھو اقطع وما رواہ المولف فلم ارہ فی المراجع بہذا اللفظ راجع تخریج الکشاف ص ۲ رقم ۴ ؛ [2] انظر القول علی ہذا ادب الدنیا والدین لشراد اویس وقا ۶۱ ولفظہ :۔ ویبقی خزان العلم اعیانہم مفقودۃ وامثالہم فی القلوب موجودۃ ۱۲ ؛ ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاُذُنَهٗ۔ اس نے فلاں کے بال یا کان کاٹ ڈالے قرآن میں ہے: فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ (۴-۱۱۹) کہ وہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں۔

اسی سے سَيْفٌ بَاتِكٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی قاطع تلوار کے ہیں۔ اور جب کسی جانور کے بال یا پر پکڑ کر اس طرح کھینچے جائیں کہ وہ جڑ سے اکھڑ جائیں تو اس معنی میں بَتَكْتُ الشَّعْرَ بولتے ہیں اور اس طرح اکھڑے ہوئے بالوں کے قطعہ کو بِتْكَةٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع بِتَكٌ ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1]

(۳۷) طَارَتْ وَفِيْ يَدِهٖ مِنْ رِيْشِهَا بِتَكٌ (البسیط)

وہ (قطاۃ) اڑ گئی اور اس کے ہاتھ میں کچھ پر باقی رہ گئے اور بَتٌّ کا لفظ رسی یا تعلق کے قطع کرنے پر بولا جاتا ہے محاورہ ہے طَلَّقْتُ الْمَرْءَةَ بَتَّةً وَبَتْلَةً۔ میں نے عورت کو قطعی طلاق دے دی بَتُّ الْحُكْمَ بَيْنَهُمَا۔ میں نے ان کے درمیان قطعی فیصلہ کر دیا۔ ایک روایت میں ہے[2]

(۲۱) لَاصِيَامَ لِمَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ

جو شخص رات کو روزہ کی قطعی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہے۔ اور يَبْتُكُ بھی اس کے ہم معنی ہے مگر یہ لفظ کپڑے کے قطع کرنے پر بولا جاتا ہے تیز رو اونٹنی کو نَاقَةٌ بَتْكَى کہا جاتا ہے کیونکہ سرعت رفتار میں اونٹنی کے ہاتھ کو بافندہ عورت کے ہاتھ مشابہ ہوتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[3]

(۳۸) فِعْلَ السَّرِيْعَةِ بَادَرَتْ جُدَّادُهَا
قَبْلَ الْمَسَاءِ تَهُمُّ بِالْاِسْرَاعِ

جیسا کہ بافندہ عورت کپڑا بنتی ہوئی اس کے دامن تک پہنچ جاتی ہے اور وہ غروب آفتاب سے قبل اسے ختم کرنے کے لئے جلدی کرتی ہے۔

(ب ت ل)

آیت کریمہ:۔ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (۷۳-۸) کے معنی یہ ہیں کہ اخلاص نیت اور عبادت میں سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (۶-۹۱) کہدو کہ (اس کتاب کو) خدا ہی نے (نازل کیا تھا) پھر ان کو چھوڑ دو۔ لہذا اس آیت یعنی وتبتل الیه تبتیلا اور حدیث[4]

(۲۲) لَارَهْبَانِيَّةَ وَلَاتَبَتُّلَ فِي الْاِسْلَامِ

کے درمیان منافات نہیں ہے کیونکہ حدیث میں جس تبتل سے منع کیا گیا ہے وہ نکاح سے کنارہ کشی انقطاع ہے اور اسی معنی میں مریم علیہ السلام کو اَلْعَذْرَاءُ الْبَتُوْلُ کہا جاتا ہے کیونکہ مریم علیہ السلام عمر بھر ازدواجی زندگی سے کنارہ کش رہیں اور ترک نکاح شرعاً ممنوع ہے جیسے فرمایا:۔

---

[1] قالہ زہیر وصدرہ: حتی اذا ماکف الغلام لہا ...... والمؤنث یرجع الی القطاۃ والبیت فی دیوانہ والبحرہ: ۳۴۳/۳: ۸۴۳ و مختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۷۰) وذیل ابدال الی الطیب ۲: ۵۵ والعقد الثمین ۸۷ من قصیدۃ فی ۳۳ بیتا قالہا حین اغار بنو اسد علی ابلہم واستاقتنا [2] الحدیث رواہ اہل السنن واطلق فی العقص [3] قالہ المسیب بن علس والبیت من کلمۃ مفضلیۃ (۲۱:۲) وایضا وامالی المرتضی (۱: ۵۶۰) وفی المطبوع حداد لم (بالحار) مصحف والجداد معناہ صدب الثوب یعنی ان ہذہ النساجۃ قد قاربت الفراغ من الثوب وبلغت الی صدبہ فہی تبادر الفراغ منہ قبیل المساء والقصیدۃ فی ذیل الامالی ۱۳۰-۱۳۲ فی ۲۶ بیتا وذکران ابا جعفر المنصور استحسنہا [4] حدیث النہی عن التبتل رواہ الترمذی وابن ماجۃ عن سمرۃ رضی اللہ تعالی عنہ وایضا راجع الفائق ۱/ ۶۹ ۲ وابوعبید فی غریبہ:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (۲۴-۳۲) کہ اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور حدیث میں ہے[1] (۲۳) تَنَاكَحُوْا تَكْثُرُوْا فَاِنِّیْ اُبَاهِیْ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - کہ نکاح کرو تاکہ تمہاری کثرت ہو قیامت کے دن دوسروں کے مقابلہ میں مجھے تمہاری کثرت تعداد سے فخر ہوگا۔

نَخْلَةٌ مُبْتِلٌ - کھجور جس کے ساتھ کا چھوٹا پودا اس سے الگ ہو گیا ہو

(ب ث ث)

اَلْبَثُّ (ن ض) اصل میں بَثٌّ کے معنی کسی چیز کو متفرق اور پراگندہ کرنا کے ہیں جیسے بَثَّتِ الرِّيْحُ التُّرَابَ - ہوا نے خاک اڑائی - اور نفس کے سخت ترین غم یا بھید کو بَثُّ النَّفْسِ کہا جاتا ہے بَثَثْتُهٗ فَانْبَثَّ میں نے اسے منتشر کیا چنانچہ وہ منتشر ہو گیا اور اسی سے فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْۢبَثًّا (۵۶-۶) ہے یعنی پھر وہ منتشر ذرات کی طرح اڑنے لگیں اور آیت کریمہ: وَبَثَّ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (۲-۱۶۴) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر قسم کے جانوروں کو پیدا کیا اور ان کو ظہور بخشا اور آیت: كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱-۴) میں المبثوث سے مراد وہ پروانے ہیں جو مخفی اور پرسکون جگہوں میں بیٹھے ہوں اور ان کو پریشان کر دیا گیا ہو۔ اور آیت اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (۱۲-۸۶) میں بَثّ کے معنی سخت ترین اور پوشیدہ غم کے ہیں جو وہ ظاہر کر رہے ہیں اس صورت میں مصدر بمعنی مفعول ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر بمعنی فاعل ہو یعنی وہ غم جس نے میرے فکر کو منتشر کر رکھا ہے جیسا کہ تَوَزَّعَنِي الْفِكْرُ کا محاورہ ہے یعنی مجھے فکر نے پریشان کر دیا۔

(ب ج س)

بَجَسَ الْمَاءُ وَانْبَجَسَ - پانی پھوٹ کر بہ نکلا یہ اِنْفَجَرَ کے ہم معنی ہے مگر اِنْبِجَاسٌ عام طور پر اس مقام پر بولا جاتا ہے جب کسی تنگ مقام سے پانی بہ نکلا ہو اور اِنْفِجَارٌ کا لفظ عام ہے یعنی وہ کسی تنگ مقام سے پانی بہ نکلنے پر بھی بولا جاتا ہے اور وسیع جگہ سے بھی۔

یہی وجہ ہے قرآن میں ایک مقام پر فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (۷-۱۶۰) آیا ہے اور دوسرے مقام پر فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (۲-۶۰) آیا ہے یعنی تنگ مقام (پتھر) سے پانی بہ نکلنے پر دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ (مگر جہاں یہ معنی ملحوظ نہیں) جیسے وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (۱۸-۳۳) کہ دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر بھی جاری کر دی۔ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا (۵۴-۱۲) کہ ہم نے زمین میں چشمے جاری کر دیئے ـــــ وہاں صرف فَجَّرَ کا لفظ استعمال ہوا بجسنا نہیں فرمایا:

(ب ح ث)

اَلْبَحْثُ (ف) کے معنی کریدنا اور تلاش کرنا کے ہیں بَحَثْتُ عَنِ الْاَمْرِ وبحثت كذا

[1] الحدیث بالفاظہ مرفوعا فی الاحیاء (مسند الفردوس) للدیلمی وابن مردویہ فی تفسیرہ موقوفا علی ابن عمر واسنادہ ضعیف والبیہقی فی المعرفۃ عن الشافعی انہ بلغہ۔ راجع الاحیاء بتخریج العراقی ۲/۲۲ والنیل ۶/۱۰۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے فلاں معاملہ کے متعلق کرید کی یا فلاں چیز کو تلاش کیا قرآن میں ہے: فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ (۵-۳۱) اب خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا۔ اور جب اونٹنی چلتے وقت زمین پر سخت پاؤں رکھے کہ مٹی اڑاتی ہوئی چلی جائے تو ایسے موقعہ پر بَحَثَتِ النَّاقَۃُ فِی السَّیۡرِ کہا جاتا ہے۔

(ب ح ر)

اَلۡبَحۡرُ (سمندر) اصل میں اس وسیع مقام کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے پانی جمع ہو پھر کبھی اس کی ظاہری وسعت کے اعتبار سے بطور تشبیہ بَحُرَتُ کَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی سمندر کی طرح کسی چیز کو وسیع کر دینا کے ہیں اسی سے بَحَرۡتُ الۡبَعِیۡرَ ہے یعنی میں نے بہت زیادہ اونٹ کے کان کو چیر ڈالا یا پھاڑ دیا اور اس طرح کان چرے ہوئے اونٹ کو اَلۡبَحِیۡرَۃ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡ بَحِیۡرَۃٍ (۵-۱۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے بحیرہ جانور کا حکم نہیں دیا کفار کی عادت تھی کہ جو اونٹنی دس بچے جن چکتی تو اس کا کان پھاڑ کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے نہ اس پر سواری کرتے اور نہ بوجھ لادتے۔

اور جس کو کسی صنعت میں وسعت حاصل ہو جائے اسے بحر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بہت زیادہ دوڑنے والے گھوڑے کو بحر کہہ دیا جاتا ہے۔ آنحضرت نے ایک گھوڑے پر سواری کے بعد فرمایا[1]:

(۲۲) وَجَدۡتُہٗ بَحۡرًا کہ میں نے اسے سمندر پایا۔

اسی طرح وسعت علمی کے اعتبار سے بھی بحر کہہ دیا جاتا ہے اور تَبَحَّرَ فِیۡ کَذَا کے معنی ہیں اس نے فلاں چیز میں بہت وسعت حاصل کر لی اور اَلۡبَحۡرُ فِی الۡعِلۡمِ علم میں وسعت حاصل کرنا۔

اور کبھی سمندر کی ملوحت اور نمکینی کے اعتبار سے کھاری اور کڑوے پانی کو بَحۡرٌ اُجَاجٌ کہہ دیتے ہیں۔ اَبۡحَرَ الۡمَاءُ۔ پانی کڑوا ہو گیا شاعر نے کہا ہے[2]

(۳۹) قد عاد ماء الارض بحرا فزادنی
الی مرضی ان ابحر المشرب العذب

زمین کا پانی کڑوا ہو گیا تو شیریں گھاٹ کے تلخ ہونے سے میرے مرض میں اضافہ کر دیا۔

اور آیت کریمہ: بَحۡرَیۡنِ ھٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّ ھٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ (۲۵-۵۳) دو دریا ایک کا پانی شیریں ہے پیاس بجھانے والا اور دوسرے کا کھاری ہے چھاتی جلانے والا میں عَذۡبٌ کو بحر کہنا مِلۡحٌ کے بالمقابل آنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ سورج اور چاند کو قمران کہا جاتا ہے اور بنات بَحۡرٍ کے معنی زیادہ بارش برسانے والے بادلوں کے ہیں۔ اور آیت: ظَھَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ (۳۰-۴۱) کی تفسیر میں بعض نے

---

[1] من حدیث انس بن مالک رواہ البخاری فی مواضع من صحیحہ باب الرکوب علی الدابۃ الصعبۃ راجع الفتح ومسلم باختلاف الالفاظ واللسان (بحر) قالہ فی فرس لابی طلحۃ یقال لہ مندوب۔ [2] قالہ نصیب والبیت فی اللسان والحکم (بحر) والصحاح وفی روایۃ فردنی بدل فزادنی والاشباہ النحویہ ۳: ۲۴۴ والبحر (۱: ۹۵) والبلدان (اسم بحار) وفی روایۃ عذب الماء بدل ماء الارض وعلی ظمائی بدل الی مرض۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا ہے کہ بحر سے سمندر مراد نہیں ہے بلکہ بَرّ سے جنگلات اور بحر سے زرخیز علاقے مراد ہیں۔
لَقِيْتُهٗ صَحْرَةَ بَحْرَةَ میں اسے ایسے میدان میں ملا جہاں کوئی آڑ نہ تھی۔[۱]

(ب خ س)

اَلْبَخْسُ (ن) کے معنی کوئی چیز ظلم سے کم کرنا کے ہیں قرآن میں ہے وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ (۱۱-۱۵) اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (۷-۸۵) اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔
اَلْبَخْسُ وَالْبَاخِسُ۔ حقیر اور ناقص چیز۔ اور آیت کریمہ:۔ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ (۱۲-۲۰) میں بعض نے کہا ہے کہ بَخْسٍ کے معنی حقیر اور ناقص کے ہیں اور بعض نے منحوس یعنی منقوص کا ترجمہ کیا ہے۔
محاورہ ہے تَبَاخَسُوْا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی حق تلفی کی۔

(ب خ ع)

اَلْبَخْعُ (ف) کے معنی غم سے اپنے تئیں ہلاک کر ڈالنا کے ہیں[۲] اور آیت کریمہ:۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (۱۸-۶) شاید تم غم و غصہ سے خود کو ہلاک کر ڈالو ـــ میں رنج و غم کے ترک کی ترغیب دی گئی ہے جیسا کہ آیت: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ (۳۵-۸) میں ہے کہ ان پر حسرتوں کے باعث تمہاری جان نہ نکل جائے۔ شاعر نے کہا ہے[۳] (طویل)

(۴۰) أَلَا أَيُّهَا الْبَاخِعُ الْوَجْدِ نَفْسَهُ ....

اے غم کی وجہ سے خود کو ہلاک کرنے والے
بخع فلانٌ بالطاعة فلان نے طاعت میں مبالغہ کیا۔ بخع فلانٌ بِمَا عليه من الحق فلاں نے سخت بیزاری کے ساتھ اپنے اوپر دوسرے کے حق کا اقرار کیا گویا یہاں سخت کراہت اور بیزاری کو خود کو ہلاک کرنے کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

(ب خ ل)

اَلْبُخْلُ (س) اپنے جمع کردہ ذخائر کو ان جگہوں سے روک لینا جہاں پر خرچ کرنے سے اسے روکنا نہیں چاہیئے۔ اس کے بالمقابل الجود ہے بَخِلَ اس نے بخل کیا بَاخِلٌ۔ بخل کرنے والا۔
اَلْبَخِيْلُ (صیغہ مبالغہ) جو بہت زیادہ بخل سے کام لیتا ہو جیسا کہ الراحم (مہربان) سے اَلرَّحِيْمُ مبالغہ کے لئے آتا جاتا ہے۔
اَلْبُخْلُ۔ دو قسم پر ہے ایک یہ ہے کہ انسان اپنی چیزوں کو خرچ کرنے سے روک لے اور دوم یہ کہ دوسروں کو بھی خرچ کرنے سے منع کرے یہ پہلی

---

[۱] ای لیس بینی وبینہ حاجز انظر للکلمۃ المیدانی ۲/ر ۱۹ والصحاح (بحر) وفی ہوامش الصحاح: کل من صحرۃ وبحرۃ غیر منصرف وفی القاموس وینوّنان [۲] اصلہ فی الذبیحۃ یقال بخع الذبیحۃ اذا بالغ فی الذبح حتی یقطع عظم رقبتہا والنخاع العرق فی الصلب ثم کثر استعمالہ للمبالغۃ فی تسیوغ (الفائق: ۱: ۳۷) [۳] قالہ ذو الرمۃ وتمامہ.. بشیئ نحتہ عن یدیہ المقادر۔ راجع دیوانہ ۲۵۱ ط کیمبرج ۱۹۱۹ء) ومجاز القرآن لابی عبیدۃ (۱: ۳۹۳ ر ۲: ۳۸) وغریب القرآن للقتبی ۲۶۲ والسیوطی ۲۲۷ والبحر (۷: ۹۲) وعزاہ الی الفرزدق والصحاح والتاج والاساس واللسان (بخع) والبیت من شواہد الطبری فی تفسیرہ (۱۵: ۱۹۱۹ / ۹: ۵۸) وفی روایۃ عن یدیک وفی البیت ایضا شاہد علی وصف ای فی النداء باسم الاشارۃ موصوف بأل د البیت ایضا فی المغنی ۸: ۳۰۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم سے بدتر ہے جیسے فرمایا:۔ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (۴-۳۷) یعنی جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیں۔

(ب د ء)

بَدَاْتُ بِکَذَا وَاَبْدَاْتُ وَابْتَدَاْتُ میں نے اسے مقدم کیا۔ اس کے ساتھ ابتدا کی۔

اَلْبَدْءُ وَالْاِبْتِدَاءُ۔ ایک چیز کو دوسری پر کسی طور مقدم کرنا قرآن میں ہے وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (۳۲-۷) اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (۲۹-۲۰) اس نے کیسے مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اَللّٰهُ یَبْدَءُ الْخَلْقَ (۳۰-۱۱) خدا ہی نے مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ (۷-۲۹) اس نے جس طرح تم کو ابتدا میں پیدا کیا تھا اس طرح تم پھر پیدا ہو جاؤ گے۔

مَبْدَءُ الشَّیْءِ۔ جس سے کوئی چیز مرکب ہو یا اس سے بنے مثلاً حروف تہجی کو مبدء کلام کہا جاتا ہے اور لکڑی دروازے یا تخت کا مبدء ہے اسی طرح نَوَاۃٌ (گٹھلی) کھجور کا مبدء کہلاتی ہے۔

بَدْءٌ (پہلا سردار) یعنی سرداروں کا شمار کیا جائے تو اس سے ابتدا ہو اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں اَلْمُبْدِئُ وَالْمُعِیْدُ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کی ابتداء اور انتہا کا سبب اصلی ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔ رَجَعَ عَوْدَهٗ عَلٰی بَدْءِهٖ۔ یعنی جس راستہ پر آیا اسی پر واپس لوٹا۔ فعل ذالك عائدًا وَبَادِئًا وَمُبْدِءًا وَمُعِیْدًا۔ اسے سب سے پہلے کیا اَبْدَاْتُ مِنْ اَرْضِ کَذَا میں نے فلاں سرزمین سے سفر شروع کیا اور آیت

کریمہ۔ بَادِیَ الرَّاْیِ (۱۱-۲۷) رائے فطری یعنی وہ رائے جو ابتداء سے قائم کرلی جائے۔

ایک قراءت میں بَادِیَ الرَّاْیِ بدون ہمزہ کے ہے اس صورت میں اس کے معنی ظاہری رائے کے ہوں گے جس میں غور و فکر سے کام نہ لیا گیا ہو۔

شَیْءٌ بَدِیْءٌ۔ انوکھی چیز جو پہلی مرتبہ دیکھنے میں آئے جیسا کہ اَلْبَدِیْعُ جو پہلے معمول نہ ہو۔

اَلْبَدْاَۃُ وہ حصہ جس سے تقسیم کی ابتداء کی جائے اسی سے گوشت کے بڑے ٹکڑے کو بَدْءٌ کہا جاتا ہے۔

(ب د ر)

بَدَرْتُ اِلَیْهِ وَبَادَرْتُ: کسی کام کے لئے جلدی کرنا قرآن میں ہے وَلَا تَاْکُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا (۴-۶) جلدی میں نہ اڑا دینا یعنی اسراف اور عجلت سے یتیم کا مال مت کھاؤ اور جو لغزش جلد بازی سے انسان سے سرزد ہو اسے بَادِرَۃ کہا جاتا ہے۔ بَوَادِرُ کَانَتْ مِنْ فُلَانٍ بَوَادِرُ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ فلاں سے اس معاملہ میں جلد بازی سے لغزشیں ہوئی ہیں۔

اَلْبَدْرُ (ماہ کامل) بعض نے کہا ہے کہ پورے چاند کو بَدْرٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سورج سے پہلے طلوع ہوتا ہے اور بعض نے بَدْرَۃٌ (روپے سے بھری ہوئی تھیلی) سے اخذ کیا ہے اور کہا ہے کہ پورا چاند بھی بَدْرَۃٌ کی طرح بھرپور ہوتا ہے اس لئے اسے بَدْرٌ کہا جاتا ہے اس توجیہ کی بنا پر یہ مصدر بمعنی فاعل ہوگا۔ لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ بَدْرٌ کو اس باب میں اصل

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا جائے۔ اور دوسرے معانی کو بَدْرٌ کے مختلف اوصاف کے اعتبار سے اس پر متفرع کیا جائے مثلاً بَدَرَ کذا کے معنی ہوں گے وہ بدر کی طرح طلوع اور ظاہر ہوا اور معنی اِمْتِلَاءٌ کے لحاظ سے دراہم کی تھیلی کو بِدْرَۃٌ کہہ دیتے ہیں اس طرح کھلیان کو اَلْبَیْدَرُ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی غلہ سے پُر ہو جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ (۳-۱۲۳) اور خدا نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی تھی اور اس وقت بھی تم بے سرو سامان تھے۔ میں بَدْرٌ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مشہور مقام کا نام ہے[1]

(ب د ع)

اَلْاِبْدَاعُ۔ کسی کی تقلید اور اقتداء کے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا۔ اسی سے نئے کھودے ہوئے کنویں کو رَکِیَّۃٌ بَدِیْعٌ کہا جاتا ہے۔ جب اِبْدَاعٌ کا لفظ اللہ عزوجل کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے کسی شے کو ایجاد کرنا اور یہ معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اور اَلْبَدِیْعُ بمعنی مُبْدِعٌ بھی آیا ہے جیسے فرمایا:۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (وہی آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے (۲-۱۱۷)

اور بمعنی مُبْدَعٌ (اسم مفعول) بھی آجاتا ہے جیسے رَکِیَّۃٌ بَدِیْعٌ (نیا کھودا ہوا کنواں)

اسی طرح بِدْعًا کا لفظ بھی اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں (۴۶-۹) میں بِدْعًا بمعنی مُبْدِعٌ بھی ہو سکتا ہے یعنی پیغمبر ایسا کہ مجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہ آیا ہو اور بمعنی مُبْدَعٌ کے بھی یعنی میں کوئی نئی بات نہیں کہتا۔

اَلْبِدْعَۃُ مذہب میں نئی بات داخل کرنا جس کا قائل یا فاعل صاحب شریعت کی اقتدا نہ کرے اور نہ ہی سلف صالحین اور اصول شریعت سے اس کا ثبوت ملتا ہو ایک روایت میں ہے[2] (۲۵) کُلُّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ کہ ہر نئی رسم بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔ اَلْاِبْدَاعُ بِالرَّجُلِ سواری کے ماندہ اور دبلا ہونے کی وجہ سے رفقاء سے منقطع ہو جانا[3]۔

(ب د ل)

اَلْاِبْدَالُ وَالتَّبْدِیْلُ وَالتَّبَدُّلُ وَ اَلْاِسْتِبْدَالُ کے معنی ایک چیز کو دوسری کی جگہ رکھنا کے ہیں یہ عوض سے عام ہے کیونکہ عوض میں پہلی چیز کے بدلہ میں دوسری چیز لینا شرط ہوتا ہے لیکن تبدیل مطلق تغیر کو کہتے ہیں۔ خواہ اس کی جگہ پر دوسری چیز نہ لائے قرآن میں ہے فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ (۲-۵۹) تو جو ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اس

---

[1] راجع لتحقیقہ البلدان د معجم البکری ۲ [2] کلہ من خطبتہ صلی اللہ علیہ وسلم انظر رحم ۲، ن، عن جابر وابن حبان فی زوائدہ رقم ۱۰۲ [3] والفعل منہ فی ہذا المعنی لا یستعمل الا مجہولا ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کر دیا۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (۲۴-۵۵) اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ اور آیت:۔ فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (۲۵-۷۰) کے معنی بعض نے یہ کئے ہیں کہ وہ ایسے نیک کام کریں جو ان کی سابقہ برائیوں کو مٹا دیں اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دیگا اور ان کے نیک عملوں کا انہیں ثواب عطا کریگا فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ (۲-۱۸۱) تو جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے۔ وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ (۱۶-۱۰۱) جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ وَبَدَّلْنَاهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ (۳۴-۶)۔ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ (۷-۹۵) پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔

اور آیت کریمہ:۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ (۱۴-۴۸) کے معنی یہ ہیں کہ زمین کی موجودہ حالت تبدیل کر دی جائے گی۔ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ (۴۰-۲۶) کہ وہ (کہیں) تمہارے دین کو (نہ) بدل دے۔ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ (۲-۱۰۸) اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر اختیار کیا وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (۴۷-۳۸) اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئیگا۔ اور آیت کریمہ:۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (۵۰-۲۹) ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی۔ کا مفہوم یہ ہے کہ لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ تبدیل نہیں ہوتا پس اس میں تنبیہ ہے کہ جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وقوع پذیر ہوگی وہ اس کے علم کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوگی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آ سکتی۔

بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اس کے وعدہ میں خلف نہیں ہوتا۔ اور فرمان باریتعالیٰ: لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (۶-۳۴) تو اہین خداوندی کو تبدیل کرنے والا نہیں۔ نیز: لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ فطرت الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی (۳۰-۳۰) بھی ہر دو معانی پر محمول ہو سکتے ہیں مگر بعض نے کہا ہے کہ اس آخری آیت میں خبر بمعنی امر ہے اس میں اختصاء کی ممانعت ہے۔

اَلْأَبْدَالُ وہ پاکیزہ لوگ کہ جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا قائم مقام فرما دیتے ہیں[1] درحقیقت ابدال وہ لوگ ہیں جنہوں نے صفات ذمیمہ کی بجائے صفات حسنہ کو اختیار کر لیا ہو۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جنکی طرف آیت: فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (۲۵-۷۰) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَلْبَادِلَةُ گردن اور ہنسلی کے درمیان کا حصہ اس کی جمع بَآدِلُ ہے[2] ع (طویل)

---

[1] قال علیؓ الابدال بالشام والنجباء بمصر والعصائب بالعراق (الفائق ۱ : ۴۰) والحدیث الابدال راجع مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۲-۶۳ عن علی موقوفا وعن عبادة بن الصامت وانس وابن مسعود مرفوعًا ولا یخلو ای حدیث عن مقال ۱۲۔

[2] وصدرہ: فتیً قدَّ قدَّ السیف لا متضائلٌ..... وفی اللسان وابدال ابی الطیب متأزف بدل متضائل وفی الاصول ولا رهل بدل رهل وقد وقع فی نسبة هذا البیت تخلیط وارتباك فعن المرزوقی (۴۳۰-۱۰۹۴-۱) والحماسة مع التبریزی ۲ : ۴۴ -- لزینب بنت الطثریة فی رثاء اخیه ولکن اخوه شاعرا مغلقًا کذا فی الحماسة البحتری ۲۷۵ والبیان (۱ : ۲۱۶) والاغانی ۷ : ۱۴۶) وامالی القالی (۲ : ۸۵-۸۶) لکن فی الحماسة نفسه (۲ : ۱۹۳) ذکر هذا البیت مع ابیات لجحدر السلولی (لجبیر بن عبدالله) وفی الصناعتین ۲۵۲ غیر معزو وفی روایته صدره "طویل نجاد السیف لا متضائل" وفی السمط ۱۰۰۸ انه للشوری بن الطثریة فی رثاء اخیه یزید وقیل لام یزید ترثی ابنها راجع السمط وفی محاضرات المؤلف (۲ : ۲۰۴) وبعضهم نسبها الی الابیرد وارجع الی الاغانی ۱۲ : ۱۲۴-۱۱۷) ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴۱) وَلَا رَهِلٌ لَبَّاتُهٗ وَبَآدِلُهٗ
اس کے سینہ اور بغلوں کا گوشت ڈھیلا نہیں تھا۔

(ب د ن)

اَلْبَدَنُ یہ جَسَدٌ کے ہم معنی ہے لیکن بدن باعتبار عظمت جثہ کے بولا جاتا ہے اور جَسَدٌ باعتبار رنگ کے اسی سے رنگین کپڑے کو ثَوْبٌ مُّجَسَّدٌ کہا جاتا ہے اور جسیم عورت کو اِمْرَءَةٌ بَادِنٌ وَبَدِيْنٌ کہتے ہیں اسی سے قربانی کے جانوروں کو اس کے فربہ ہونے کی وجہ سے بَدَنَةٌ کہا جاتا ہے اور بَدَنَ وَبَدَّنَ کے معنی موٹا ہونے کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بَدَّنَ کے معنی عمر رسیدہ ہو جانا کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۴۲) وَكُنْتُ خِلْتُ الشَّيْبَ وَالتَّبْدِيْنَا۔
میں بڑھاپے اور عمر رسیدہ ہونے کو خیال کرتا تھا اسی معنی میں آنحضرتؐ نے فرمایا[2]۔ (۲۶) لَا تُبَادِرُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فَاِنِّيْ قَدْ بَدَّنْتُ۔ کہ میں بوڑھا اور سن رسیدہ ہو گیا ہوں اس لئے رکوع و سجود میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ اور آیت کریمہ: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (۱۰-۹۲) تو آج ہم تیرے بدن کو دریا سے نکال لیں گے۔ میں بَدَنٌ بمعنی جَسَدٌ ہے اور بعض نے اس سے زرہ مراد لی ہے کیونکہ زرہ کو بھی جسم پر ہونے کی وجہ بَدَنَةٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ قمیض کے بازو کو یَدٌ اور اس کی انگلی اور پچھلی طرف کو ظہر اور بطن کہدیتے ہیں۔

اور آیت کریمہ: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لئے شعائر خدا مقرر کیا ہے (۲۲-۳۶) میں بُدْنٌ بَدَنَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہدی یعنی قربانی کے ہیں جو حرم میں لے جا کر ذبح کی جائے۔

(ب د و)

بَدَا (ن) الشَّيْءُ بُدُوًّا وَبَدَاءً کے معنی نمایاں طور پر ظاہر ہو جانا کے ہیں قرآن میں ہے:۔ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ (۳۹-۴۷) اور ان پر خدا کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائیگا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا (۳۹-۴۸) اور ان کے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی۔ فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (۲۰-۱۲۱) تو ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں۔

اَلْبَدْوُ یہ حَضَرٌ کی ضد ہے اور آیت کریمہ:۔ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ (۱۲-۱۰۰) آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ میں بَدْوٌ بمعنی بَادِيَةٌ (صحرا) ہے اور ہر وہ مقام جہاں کوئی عمارت وغیرہ نہ ہوں اور تمام چیزیں ظاہر نظر آتی ہوں اسے بَدْوٌ (بَادِيَةٌ) کہا جاتا ہے اور اَلْبَادِيْ کے معنی صحرا نشین کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ (۲۲-۲۵) خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے۔ لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ (۳۳-۲۰) کہ کاش گنواروں میں جا رہیں[3]۔

---

[1] قالہ حمید الارقط وتمامہ: وانہم مما یذھل القرینا۔ وفی اللسان (بدن وکون) واضداد ابی الطیب ۲۲۸ بغیر عزو والبیت فی الاقتضاب ۴۲۴ واصلاح المنطق ۳۳۰ وغریب ابی عبید ار ۲ ھا وفیہ کمیت [2] الحدیث باختلاف الالفاظ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ عن معاویۃ (رض) عن ابی موسیٰ والبیہقی عن معاویۃ وابن سعد والبغوی عن ابی سعدۃ صاحب الجیوش انظر کنز العمال ج ۷ رقم ۲۷۸، ۲۷۸۳، ۲۸۱۴، ۳۰۱۹ وغریب ابی عبید ۲۱۲
[3] الابداء (افعال) ظاہر کرنا دیکھو ۲-۳۱ (۲-۳۳) (۲-۷۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب ذ ر)

اَلتَّبْذِیْرُ (تفعیل) کے معنی پراگندہ کرنے اور بکھیر دینے کے ہیں اصل میں "تَبْذِیْرٌ" کے معنی زمین میں بیج ڈالنے کے ہیں اور چونکہ زمین میں بیج ڈالنا ناعاقبت اندیش لوگوں کی نظر میں بظاہر ضائع کرنا ہوتا ہے اس لئے تَبْذِیْر کا لفظ بطور استعارہ مال ضائع کر دینے کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ (۱۷-۲۷) فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا (۱۷-۲۶) اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔

(ب ر ر)

اَلْبَرُّ یہ بَحْرٌ کی ضد ہے (اور اس کے معنی خشکی کے ہیں) پھر معنی وسعت کے اعتبار سے اس سے اَلْبِرُّ کا لفظ مشتق کیا گیا ہے جس کے معنی وسیع پیمانہ پر نیکی کرنا کے ہیں اس کی نسبت کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جیسے اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ (۵۲-۲۸) بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔ اور کبھی بندہ کی طرف جیسے بَرَّ الْعَبْدُ رَبَّهٗ (یعنی بندے نے اپنے رب کی خوب اطاعت کی) چنانچہ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی ثواب عطا کرنا ہوتے ہیں۔ اور جب بندہ کی طرف منسوب ہو تو اطاعت اور فرمانبرداری کے اَلْبِرُّ (نیکی) دو قسم پر ہے اعتقادی اور عملی اور آیت کریمہ:۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (۲-۱۷۷) (الآیۃ) دونوں قسم کی نیکی کے بیان پر مشتمل ہے۔ اسی بنا پر جب آنحضرت سے بِرّ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آں جناب نے جواباً یہی آیت تلاوت فرمائی کیونکہ اس آیت میں عقائد و اعمال فرائض و نوافل کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے[1]۔

بِرُّ الْوَالِدَیْنِ کے معنی ہیں ماں باپ کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ اور احسان کرنا اس کی ضد عُقُوْقٌ ہے۔ قرآن میں ہے۔ لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ (۶۰-۸) جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی ...... کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔

اور بِرٌّ کے معنی سچائی بھی آتے ہیں کیونکہ یہ بھی خیر ہے جس میں وسعت کے معنی پائے جاتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے:۔ بَرَّ فِیْ یَمِیْنِهٖ اس نے اپنی قسم پوری کر دکھائی اور شاعر کے قول[2] (۴۳) اَكُوْنُ مَكَانَ الْبِرِّ مِنْهُ۔ میں بعض نے کہا ہے کہ بِرّ بمعنی فؤاد یعنی دل ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں بھی بِرّ بمعنی نیکی ہے یعنی میرا مقام اس کے ہاں بمنزلہ بر کے ہوگا۔

بَرَّ اَبَاهُ فَهُوَ بَارٌّ وَ بَرٌّ صیغہ صفت جو کہ صَائِفٌ وَصَیْفٌ وَطَائِفٌ وَطَیْفٌ

---

[1] کذا فی الطبری ۲/۹۴ و فی ابن کثیر ۱/۲۰۷ عن ابی ذر از سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الایمان؟ فتلا علیہ لکنہ منقطع لان مجاہداً لم یدرک اباذر و راجع ایضاً الیھا رو التاج (بر) [2] لخداش بن زہیر کما فی التاج (بر) و فی اللسان غیر منسوب لکن البیت فی روایۃ التاج :۔ یکون مکان البر منی و دونہ ۔ واجعل مالی دونہ واوامرہ ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مثل دونوں طرح آتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (۱۹-۱۴) اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے۔ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي (۱۹-۳۲) اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا (بنا)

بَرَّ فِي يَمِيْنِهِ فَهُوَ بَارٌّ وَأَبْرَرْتُهُ قسم پوری کرنا۔ بَرَّتْ يَمِيْنِي میری قسم پوری ہوگئی۔

حَجٌّ مَبْرُوْرٌ حج جس میں رفث وفسق اور جدال نہ ہو۔

اَلْبَارُّ کی جمع اَبْرَارٌ وَبَرَرَةٌ آتی ہے قرآن میں ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (۸۲-۱۳) بیشک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے۔ كَلَّا اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّيِّيْنَ (۸۳-۱۸) اور یہ بھی سن رکھو کہ نیکوکاروں کے اعمال علیین میں ہیں۔ اور آیت کریمہ: كِرَامٍ بَرَرَةٍ (۸۰-۱۶) جو سردار اور نیکوکار ہیں۔ میں خاص کر فرشتوں کو بَرَرَةٌ کہا ہے کیونکہ اَبْرَارٌ (جمع) سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس لئے کہ بَرَرَةٌ، بَرٌّ کی جمع ہے اور اَبْرَارٌ بَارٌّ کی تو جیسے عَادِلٌ کی بنسبت عَدْلٌ میں مبالغہ پایا جاتا ہے اسی طرح بَرٌّ میں بَارٌّ سے زیادہ مبالغہ ہے

اَلْبَرِيْرُ خاص کر پیلو کے درخت کے پھل کو کہتے ہیں عام محاورہ ہے: فُلَانٌ لَا يَعْرِفُ الْبِرَّ مِنَ الْهِرِّ (وہ چوہے اور بلی میں تمیز نہیں کرسکتا) بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں لفظ حکایت کی صورت کے طور پر بولے جاتے ہیں[1] مگر اس محاورہ کے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے خیر خواہ اور بدخواہ میں امتیاز نہیں کرسکتا۔

اَلْبَرْبَرَةُ بڑبڑ کرنا یہ بھی حکایت صوت کے قبیل سے ہے۔

(ب ر ء)

اَلْبُرْءُ وَالْبَرَاءُ وَالتَّبَرِّیْ کے اصل معنی کسی مکروہ امر سے نجات حاصل کرنا کے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ بَرَءْتُ مِنَ الْمَرَضِ میں تندرست ہوا۔

بَرِئْتُ مِنْ فُلَانٍ وَتَبَرَّأْتُ میں فلاں سے بیزار ہوں۔ اَبْرَأْتُهُ مِنْ كَذَا وَبَرَّأْتُهُ میں نے اس کو تہمت یا مرض سے بری کردیا۔

رَجُلٌ بَرِیْءٌ پاک اور بے گناہ آدمی ج بُرَآءُ بَرِیْئُوْنَ قرآن میں ہے: بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۹-۱) اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ (۹-۳) کہ خدا مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی (ان سے دست بردار ہے۔

اَنْتُمْ بَرِيْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱۰-۴۱) تم میرے عملوں کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمہارے عملوں کا جواب دہ نہیں ہوں۔

اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۶۰-۴) کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (۴۳-۲۶) اور جب

---

[1] کما ورد فی التاج ومن ابن الاعرابی البر سوق الغنم والهر دعاؤها قاله القتیبی راجع ایضاً کتاب الحیوان (۶: ۲۷۸) والمثل فی اللسان (بر) وادب الکاتب ۴۸ وکتب الامثال

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا (۳۳-۶۹) تو خدا نے ان کو بے عیب ثابت کیا۔

اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (۲-۱۶۶) اس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیرووں سے بیزاری ظاہر کریں گے۔

اَلْبَارِئُ (پیدا کرنے والا) یہ اسماء حسنیٰ سے ہے۔ جیسے فرمایا:۔ اَلْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (۵۹-۲۴) ایجاد و اختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا۔

فَتُوْبُوْا اِلٰى بَارِئِكُمْ (۲-۵۴) تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو۔

اَلْبَرِيَّةُ کے معنی مخلوق کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں مہموز ہے لیکن ہمزہ کو ترک (یا ادغام) کر دیا گیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ بَرَيْتُ الْقَوْسَ سے مشتق ہے اور مخلوق کو بَرِيَّةٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ البری یعنی مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ آیت:۔ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ (۳۵-۱۱) سے مفہوم ہوتا ہے۔

قرآن میں ہے۔ اُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۹۸-۶) یہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔

(ب ر ج)

اَلْبُرُوْجُ یہ بُرْجٌ کی جمع ہے جس کے معنی قصر کے ہیں اسی مناسبت سے ستاروں کے مخصوص منازل کو بروج کہا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (۸۵-۱) آسمان کی قسم جس میں برج ہیں۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا (۲۵-۶۱) جس نے آسمان میں برج بنائے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (۴-۷۸) خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو۔ میں بروج سے مضبوط قلعے اور محلات بھی مراد ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ستاروں کی برجیں مراد ہوں اس صورت میں بروج کے ساتھ فقط مُشَيَّدَةٍ کا استعمال بطور استعارہ ہوگا اور باعتبار معنی اس مفہوم کی طرف اشارہ ہوگا۔ جیسا کہ زہیر نے کہا ہے[۱] (طویل)

(۴۴) وَمَنْ هَابَ اَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنَلْنَهُ
وَلَوْ نَالَ اَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّمِ

جو شخص اسباب موت سے ڈرتا ہے تو وہ لامحالہ اس کو پالیں گے۔ اگرچہ سیڑھی لگا کر آسمان کے اسباب پر کیوں نہ چلا جائے۔

اگر زمین کی برجیں مراد ہوں تو یہ اسی معنی کی طرف اشارہ ہوگا جیسے دوسرے شاعر نے یوں ادا کیا ہے[۲] ع (بسیط)

(۴۵) وَلَوْ كُنْتُ فِيْ غُمْدَانَ يَحْرُسُ بَابَهُ
اَرَاجِيْلُ اَحْبُوْشٍ وَاَسْوَدُ اٰلِفُ

---

[۱] النظر دیوانہ ۳۰ و شرح العقائد العشر ۱۲ ابن الانباری ۲۸۳ و فی روایتہ اختلاف و اللسان (سبب) و المشکل القتبی ۴۲ ۳۵۷ و الجمہرۃ ۱/۲۶ : ۲۵۶/۳ : ۲۶۵ و الطبری (۸-۵۷) و العمدۃ (۱ : ۳۳۳) و الجمہرۃ ۱۰ [۲] من قول ثعلبہ بن عمرو العبدی و ہما من کلمۃ مفضلیات رقم ۴۷ فی ۱۶ بیتًا و راجع الحماسۃ للبحتری ۷۹ و المقائیس ۴ : ۲۸۵ و فی الاغانی (۱۱ : ۱۲۷-۱۲۹) بہا الشیئ من الاختلاف فی الروایۃ نسبتہا الی الاسلی ن القینی و لعلہ تمثل بہا و باختلاف طفیف فی دیوان اوس بن حجر (۱ : ۴۴) راجع شرح شواہد الشافی و معجم البلدان (غمدان)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِذْ لَا تَأْتِنِي حَيْثُ كُنْتُ مَنِيَّتِي
يَخُبُّ بِهَا هَادٍ لِإِثْرِيَ قَائِفُ

اور اگر غمدان کے قلعہ میں چلا جاؤں جس کے دروازہ پر حبشی پہرہ دے رہے ہوں تو پھر بھی موت میرے پاس پہنچ جائے جیسے ایک قائف بدی خواں میرے نقش قدم پر چلا جا رہا ہوگا ثَوْبٌ مُبَرَّجٌ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس پر برجوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں پھر اس میں معنی حسن کا اعتبار کرکے تَبَرَّجَتِ الْمَرْءَةُ کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی عورت نے مزین کپڑے کی طرح آرائش کا اظہار کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ تَبَرَّجَتِ المرءۃ کے معنی ہیں عورت اپنے قصر سے ظاہر ہوئی جیسا کہ ان دونوں آیتوں۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى (۳۳-۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت کے زمانہ میں اظہار تجمل کرکے اپنے محلات سے نکلا کرتی تھیں اسی طرح اب مت نکلو زینت نہ دکھاؤ۔ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ (۲۴-۶۰) بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں ظاہر نہ کریں۔ سے معلوم ہوتا ہے اور پھر حسن وسعت میں تشبیہ دے کر وسعت چشم اور حسن نظر کے لئے اَلْبُرْجُ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(ب ر ح)

اَلْبَرَاحُ اس وسیع جگہ کو کہتے ہیں جہاں عمارت درخت وغیرہ کچھ نہ ہو۔ لہٰذا کبھی اس میں معنی ظہور کا اعتبار لیتے ہیں جیسے فَعَلَ كَذَا بَرَاحًا یعنی اس نے کھلے بندوں یہ کام کیا بَرِحَ الْخَفَاءُ راز فاش ہوگیا گویا وہ کھلے میدان میں ہے اسی سے بُرَاحُ الدَّارِ ہے جس کے معنی گھر کے کھلے صحن کے ہیں۔

بَرَحَ کھلے میدان میں چلا جانا۔ اسی سے اَلْبَارِحُ ہے جس کے معنی سخت ہوا کے ہیں۔

اَلْبَارِحُ مِنَ الظِّبَاءِ وَالطَّيْرِ۔ خاص کر اس ہرن یا پرند کو کہتے ہیں جو شکاری کے سامنے سے ایسے رخ پر گزرے کہ اس کا نشانہ ممکن نہ ہو ایسے شکار کو منحوس سمجھا جاتا ہے اسکی جمع بَوَارِحُ آتی ہے اس کے بالمقابل سَانِحٌ اس شکار کو کہتے ہیں جو ایسے رخ سے آئے کہ اس کا شکار کرنا آسان ہو ایسے شکار کو میمون (مبارک) خیال کیا جاتا ہے۔

اَلْبَارِحَةُ شب گزشتہ بَرِحَ کھلی جگہ جم کر ٹھہرے رہنا اسی سے فرمان الٰہی لَا أَبْرَحُ ہے یہ لَا أَزَالُ کی طرح معنی مثبت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ بَرِحَ اور زَالَ میں نفی کے معنی پائے جاتے ہیں اور "لا" بھی نفی کے لئے ہوتا ہے اور نفی پر نفی آنے سے اثبات حاصل ہوجاتا ہے اسی بنا پر فرمایا:۔ لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ کہ .... ہم تو اس (کی پوجا) پر قائم رہیں گے (۲۰-۹۱) لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (۱۸-۶۰) کہ جب تک میں دو دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں۔ اور اَلْبَارِحُ کے معنی نحوست کا اعتبار کرکے تَبْرِيحٌ اور تَبَارِيحُ کا لفظ تکلیف اور شدائد کے لئے استعمال ہونے لگا ہے جیسے بَرَّحَ بِي الْأَمْرُ۔ مجھے فلاں معاملہ سے تکلیف پہنچی بَرَّحَ بِي فُلَانٌ فِي التَّقَاضِي۔ فلاں نے سخت تقاضا کیا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضَرَبَهٗ ضَرْبًا مُبَرِّحًا[1] اسے سخت مارا۔
جَاءَ فُلَانٌ بِالْبَرْحِ۔ فلاں نے حیرت انگیز کام کیا۔
اَبْرَحْتُ رَبًّا میں اپنے رب کی تعظیم بجا لایا۔
اَبْرَحْتُ جَارًا میں نے ہمسائے کی عزت کی
بَرْحیٰ دارے انشانہ خطا ہونے پر یہ کلمہ ملامت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل لفظ "مَرْحیٰ" ہے جو نشانہ لگنے پر تحسین کے لئے بولا جاتا ہے۔ یعنی واہ، کیا خوب محاورہ ہے[2]۔ لَقِیْتُ مِنْهُ الْبَرْحِیْنَ وَالْبُرَحَاءَ مجھے اس سے تکالیف پہنچیں بُرَحَاءُ الْحُمّٰی بخار کی شدت۔

(ب ر د)

اَلْبَرْدُ (ٹھنڈا) اصل میں یہ حَرٌّ کی ضد ہے۔ محاورہ میں کبھی اس کی ذات کا اعتبار کر کے کہا جاتا ہے:۔
بَرَدَ (ن ک) کذا اس نے ٹھنڈ حاصل کی۔
بَرَدَ (ن) اَلْمَاءُ کَذَا پانی نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔
جیسے[3] ع (الطویل)

(۴۷) سَتَبْرُدُ اَکْبَادًا وَتُبْکِیْ بَوَاکِیَا

تو بہت سے کلیجوں کو ٹھنڈا کیا اور بہت سی رونے والیوں کو رلا ڈالے گی۔

اور بَرَّدَ (تفعیل) بھی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے بعض کے نزدیک اَبْرَدَ (افعال) بھی اس معنی میں آجاتا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔
اسی سے اَلْبَرَّادَۃُ ہے جس کے معنی پانی ٹھنڈا کرنے والی چیز کے ہیں اور محاورہ میں بَرَدَ کَذَا کے معنی کسی چیز کے البرد والے کی طرح جامد اور ثابت ہونا بھی آتے ہیں جس طرح حَرٌّ کو حرکت لازم ہے اسی طرح بَرْدٌ کے ساتھ کسی چیز کا ثبات مختص ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
بَرَدَ عَلَیْهِ دَیْنٌ۔ اس پر قرض ٹھہر گیا۔
شاعر نے کہا ہے[4] (رجز)

(۴۸) اَلْیَوْمُ بَارِدٌ سَمُوْمُهٗ۔

آج باد سموم جامد ہے۔
اور دوسرے شاعر نے کہا ہے[5] (خفیف)

(۴۹) ... قَدْ بَرَدَ الْمَوْتُ عَلٰی مُصْطَلَاهُ...

کہ اس کے ہاتھ اور چہرہ پر موت طاری ہوگئی۔
لَمْ یَبْرُدْ بِیَدِیْ شَیْءٌ میرے ہاتھ میں کوئی چیز قرار نہیں پکڑتی۔ بَرَدَ الْاِنْسَانُ مرجانا فوت ہوجانا۔ بَرَدَهٗ اسے قتل کر ڈالا اسی سے سیوف کو بَوَارِدُ کہا جاتا ہے کیونکہ میت بھی فقدان روح سے سرد پڑ جاتی ہے اور اسے سکون لاحق ہوتا ہے۔

---

[1] وفی القرآن وَلَا تَضْرِبُوْهُنَّ ضربًا مبرحًا ای ضربًا موجعًا ۱۲ [2] قال المرزوقی: البرحین شدائد الدہر مع فتح الراء وکسرہا استعملوه کالضیق وقد اماتموا واحده لما ارادوا وصف الدواہی بالکثرة ذیل الکامل ۶۹ وانظر للکلمة ایضًا تہذیب الالفاظ ۳۴ ومجالس ثعلب ۵۲۰-۵۲۱ وفی اللغات: ہو فی الاصل جمع برح جمع السلامة للمبالغة مثل بلیغ وبلغین یجوز فی اعرابہ ان یجری علی النون وان یجری علی ما قبلہا (۱۱:۴۰) [3] قال مالک بن ریب المازنی فی رثاء نفسه وکان فی جند سعید بن عثمان بطریق فارس وصدره: فعطل قلوصی فی الرکاب فانہا ... والبیت فی البحر (۶: ۲۱۹) من قصیدة جہریة فی ۵۷ بیتًا ۲۶۹-۲۷۲ وذیل الامالی ۱۳۵-۱۳۸ وفیه وغیره بدل فعطل وتمامہا فی نوادر الیزیدی ۲۵ والاختیارین رقم ۱۰ وفی المعجم للمرزبانی ۲۹۱ [4] لجعفر بن علبة الحارثی یرثی نفسه لما جمعوا بقتله باختلاف طفیف وقو دقلوصی بینہن فانہا ستفجع مسرورًا وتبکی بواکیا۔ وایام العرب ۹۰ وفیه وقرد بدل فعطل [5] قاله الراجز وتمامه: من عجز الیوم فلا الوم والشطر فی الجمہرة (۱: ۲۴۴) والتبریزی (۱: ۱۹۵) وفی اللسان (برد) من جزع بدل من عجز کما فی السمط ۲۵۴ واللغات (۱: ۲۴) [6] قال ابو زبید الطائی فی رثاء اللجلاج یصف الموت وتکملة البیت بارز ناجذاه قد برد الموت علی مصطلاه ای بردو والبیت من قصیدة جہریة ۲۶۶-۲۷۲ فی ۵۸ بیتا والبیت فی اللسان (برد) والمعانی ۱۰۵۴/۲۰۵ والاختیارین ۱۲۶ وجمہرة الاشعار ۱۲۷ وامالی الیزیدی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا ظاہری طور پر جلد میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۳۹-۴۲) خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی (روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے)

اور آیت کریمہ:۔ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (۷۸-۲۴) میں بھی بَرْد بمعنی نیند ہے یعنی وہاں کسی قسم کی راحت اور زندگی کی خوشگواری نصیب نہیں ہو گی اور اس اعتبار سے کہ گرمی میں سردی سے راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے خوشگوار زندگی کے لیے عَيْشٌ بَارِدٌ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

اَلْاَبْرَدَانِ صبح و شام کیونکہ یہ دونوں وقت ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ اَلْبَرَدُ کے معنی اولے کے ہیں اور بَرَدَ السَّحَابُ کے معنی ہیں بادل نے ژالہ باری کی سَحَابٌ اَبْرَدُ وَ بَرِدٌ۔ اولے برسانے والے بادل قرآن میں ہے:۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ (۲۴-۴۳) اور آسمان کے پہاڑوں سے اولے نازل کرتا ہے۔

اَلْبَرْدِيُّ نرکل کی قسم کا ایک پودا۔ یہ بَرَد کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ بھی پانی میں پیدا ہوتا ہے مثل مشہور ہے [۱]۔ اَصْلُ كُلِّ دَاءٍ اَلْبَرَدَةُ [۲] کہ بدہضمی ام الامراض ہے بدہضمی کو بَرَدَةٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس برودت طبعی کی وجہ سے عارض ہوتی ہے جس سے قوت ہضم ناقابل ہو جاتی ہے۔

اَلْبَرُوْدُ ٹھنڈ پہنچانے والی چیز کو کہتے ہیں اور کبھی ٹھنڈی چیز کو بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ فَعُوْلٌ کبھی بمعنی فاعل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول آتا ہے۔ جیسے:۔ مَاءٌ بَرُوْدٌ (ٹھنڈا پانی) ثَغْرٌ بَرُوْدٌ (خنک دانت) جیسا کہ آنکھ کو ٹھنڈک پہنچانے والے سرمہ کو بَرُوْدٌ کہا جاتا ہے [۳]

بَرَدْتُ الْحَدِيْدَ میں نے لوہے کو ریتی سے رگڑا یہ بَرَدْتُهٗ بمعنی قَتَلْتُهٗ سے مشتق ہے اور لوہ چون کو بُرَادَةٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْمِبْرَدُ (آلہ) ریتی جس سے لوہے کو ریتتے ہیں۔

اَلْبُرُدُ یہ اَلْبَرِيْدُ کی جمع ہے اور محکمہ مواصلات کی اصطلاح میں بُرُدٌ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کسی جگہ پر پیغام رسانی کے لئے متعین رہتے ہیں۔ وہ ہرکارے چونکہ سرعت سے پیغام رسانی کا کام کرتے تھے اس لئے ہر تیز رو کے لئے هُوَ يُبْرِدُ کا محاورہ استعمال ہونے لگا ہے اور پرندے کے پروں کو بَرِيْدَانِ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اسے برید کا کام دیتے ہیں تو یہ بناء الفرع علی الفرع کے قبیل سے ہے جیسا کہ "علم الاشتقاق" میں بیان کیا جاتا ہے۔

(ب ر ز)

اَلْبَرَازُ کے معنی فضا یعنی کھلی جگہ کے ہیں۔ اور بَرَزَ (ن) کے معنی ہیں کھلی جگہ میں چلے جانا اور بُرُوْزٌ (ظہور) کسی طرح پر ہوتا ہے (۱) از خود کسی چیز کا ظاہر ہو جانا جیسے فرمایا:۔ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (۱۸-۴۷) اور تم زمین

---

[۱] رواہ الدارقطنی فی العلل عن انس وابن السنی وابو نعیم فی الطب عن علیؓ وعن ابی سعید وعن الزہری مرسلاً قال فی النہایۃ ۱/۸۷ واللسان (برد) البردۃ ہی التخمۃ وثقل الطعام علی المعدۃ وایضاً قارن غریب لابی عبیدۃ [۲] وفی اللسان (برد) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمبرود

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو صاف میدان دیکھو گے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ زمین پر سے عمارات اور ان کے ساکنین سب ختم ہو جائیں گے اسی سے مُبَارَزَةٌ ہے جسکے معنی صفوف جنگ سے آگے نکل کر مقابلہ کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ (۳-۱۵۴) تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ (۲-۲۵۰) اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے بالمقابل میں آئے۔

(۲) دوم بُرُوزٌ کے معنی فضیلت ظاہر ہونے کے ہیں جو کسی محمود کام میں سبقت لے جانے سے حاصل ہوتی ہے

(۳) کسی مستور چیز کا منکشف ہو کر سامنے آجانا جیسے فرمایا:۔ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۱۴-۴۸) اور سب لوگ خدائے یگانہ زبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا (۱۴-۲۱) اور قیامت کے دن سب لوگ خدا کے سامنے کھڑے ہونگے۔

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۔ (۴۰-۱۶) جس روز وہ نکل پڑیں گے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ (۲۶-۹) اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی میں اس بات پر تنبیہ پائی جاتی ہے کہ انہیں دوزخ کے سامنے لایا جائیگا محاورہ ہے۔ تَبَرَّزَ فُلَانٌ کنایہ از قضائے حاجت اور پاکدامن عورت کو اِمْرَأَةٌ بَرْزَةٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی رفعت پاک دامنی اور عفت میں مضمر ہوتی ہے نہ یہ کہ بَرْزَةٌ کا لفظ اس معنی کا مقتضی ہے۔

(ب ر ز خ)

اَلْبَرْزَخُ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حد فاصل اور روک کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دراصل یہ بَرْزَةٌ (پردہ) سے معرب ہے۔ قرآن میں ہے۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ (۵۵-۲۰) دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے[1]

اور بَرْزَخٌ اس رکاوٹ کو بھی کہا گیا ہے جو آخرت میں انسان اور اس کے منازل رفیعہ تک پہنچنے کے درمیان حائل ہو گی جسے قرآن نے آیت:۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۹۰-۱۱) مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔ میں عَقَبَةٌ کہا ہے چنانچہ فرمایا:۔ وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ اور ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے (رہینگے) (۲۳-۱۰۰)

لہذا عَقَبَةٌ سے مراد وہ موانع ہیں جو بلند درجات تک پہنچنے سے روک لیتے ہیں جن تک کہ نیک لوگ ہی پہنچ سکتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں برزخ سے موت اور حشر کے مابین کی مدت مراد ہے۔

(ب ر ص)

اَلْبَرَصُ پھلبہری مشہور مرض کا نام ہے[2] اور

---

[1] وایضاً: وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا (۲۵-۵۳) [2] وفی القرآن و ابرء الاکمہ والابرص (۳-۴۹) وتبرئ الاکمہ والابرص (۵-۱۱۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاند کو اس سیاہ دھبہ کی وجہ سے جو اس میں نظر آتا ہے، اَبْرَصُ کہا گیا ہے۔ اور سَامٌّ اَبْرَصُ کے معنی چھپکلی کے ہیں کیونکہ اس کی جلد پر بھی برص جیسے دھبے ہوتے ہیں۔
اَلْبَرِیْصُ وہ ہے جو ابرص کی طرح چمکدار ہو۔ یہی معنی تقریبًا بصیص کے ہیں جو بَصَّ یَبِصُّ بمعنی برق سے مشتق ہے۔

(ب ر ق)

اَلْبَرْقُ کے معنی بادل کی چمک کے ہیں قرآن میں ہے:۔ فِیْهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ (۲-۱۹) اس میں اندھیرے پر اندھیرا چھا رہا) ہو اور (بادل) گرج (رہا) ہو اور بجلی کوند رہی ہو۔
اس سے فعل بَرَقَ وَاَبْرَقَ دونوں آتے ہیں اور بَرَقَ ہر چمک دار چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے:۔ سَیْفٌ بَارِقٌ چمکدار تلوار۔
بَرِقَ وَبَرَقَ کے معنی خوف کی وجہ سے آنکھ خیرہ ہوجانا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (۷۵-۷) جب آنکھیں چندھیا جائیں
ایک قراءت میں بَرَقَ ہے۔
پھر کبھی بَرَقَ سے اختلاف رنگ کے معنی لے کر مختلف الوان کی پتھریلی زمین کو بُرْقَةٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْاَبْرَقُ کے معنی سیاہ سفید پہاڑ کے ہیں اسی لئے آنکھ کو بَرْقَاءُ کہا جاتا ہے۔
نَاقَةٌ بَرُوْقٌ۔ اونٹنی جو دم اٹھا کر حمل کو ظاہر کرے
اَلْبَرُوْقَةُ ایک قسم کی گھاس جو ابر کو دیکھ کر ہی سرسبز ہوجاتی ہے اسی سے مثل مشہور ہے۔
اَشْکَرُ مِنْ بَرُوْقَةٍ وہ بروقہ سے بھی زیادہ شکر گزار ہے
بَرَّقَ طَعَامَهٗ بِزَیْتِهٖ روٹی کو زیتون سے چپڑنا۔
اَلْبَارِقَةُ وَالْاُبَیْرِقُ۔ چمکدار تلوار
اَلْبُرَاقُ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس دابۃ کا نام ہے جس پر آنحضرت شب معراج کو سوار ہوئے تھے اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔
اَلْاِبْرِیْقُ لوٹا یا صراحی ج اَبَارِیْقُ[1]
اور بَرَقَ سے کبھی خوف کے معنی لے کر بَرَّقَ فُلَانٌ وَاَبْرَقَ وَاَرْعَدَ کے معنی دھمکی دینا بھی آجاتے ہیں۔

(ب ر ك)

اَلْبَرْكُ اصل میں اَلْبَرْكُ کے معنی اونٹ کے سینہ کے ہیں (جس پر وہ جم کر بیٹھ جاتا ہے) گو یہ دوسروں کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے سینہ کو بِرْكَةٌ کہا جاتا ہے۔
بَرَكَ الْبَعِیْرُ کے معنی ہیں اونٹ اپنے گھٹنے رکھ کر بیٹھ گیا پھر اس سے معنی لزوم کا اعتبار کرکے اِبْتَرَكُوْا فِی الْحَرْبِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور جم کر لڑنے کے ہیں۔
بُرَاکَاءُ الْحَرْبِ وَبَرُوْكَاءُهَا سخت کارزار جہاں بہادر ہی ثابت قدم رہ سکتے ہوں۔
اِبْتَرَکَتِ الدَّابَّةُ چوپائے کا جم کر کھڑا ہو جانا
بِرْکَةٌ حوض پانی جمع کرنے کی جگہ۔
اَلْبَرَکَةُ کے معنی کسی شے میں خیر الٰہی ثابت ہونا کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔
لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (۷-۹۶) تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات

---

[1] وفی الواقعۃ ۵۶-۱۸ باکواب واباریق وتتصل بذالک لفظ استبرق (الجرب) راجع الآیات (۱۸-۳۱) (۴۴-۵۳) (۵۵-۵۴) ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کے دروازے) کھول دیتے۔

یہاں برکات سے مراد بارش کا پانی ہے اور چونکہ بارش کے پانی میں اس طرح خیر ثابت ہوتی ہے جس طرح کہ حوض میں پانی ٹھہر جاتا ہے اس لئے بارش کو برکاتؐ سے تعبیر کیا ہے۔

اَلْمُبَارَكُ ہر وہ چیز جس میں خیر و برکت پائی جائے اور آیت کریمہ:۔ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ (۲۱-۵۰) اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔ میں ذکر کو مبارک کہہ کر ان خیرات الٰہیہ پر تنبیہ کی ہے۔ جو اس میں پائی جاتی ہیں۔

نیز فرمایا:۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ (۳۸-۲۹) (یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے مبارک ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا (۱۹-۲۱) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے مجھے خیر برکت کا محل بنایا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (۴۴-۳) کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا۔

رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا (۲۳-۲۹) یعنی اے پروردگار ہمیں اس جگہ پر اتاریو جہاں خیر و برکت پائی جاتی ہو۔ اور آیت:۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (۵۰-۹) اور آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔ میں بارش کے پانی کو بابرکت قرار دیا ہے چنانچہ اس کی برکت کو دوسرے مقام پر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ (۳۹-۲۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ (۲۳-۱۸) اور ہم نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا۔

اور خیر الٰہی چونکہ غیر محسوس طریقہ پر صادر ہوتی ہے اور بے شمار طریقوں پر پائی جاتی ہے اس لئے ہر اس چیز کو جس میں غیر محسوس طور پر زیادتی محسوس ہو اسے مبارک (بابرکت) کہدیتے ہیں۔ اور حدیث میں جو مروی ہے[1]۔

(۲۷) لا ینقص مال من صدقة کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ تو اس سے بھی اسی قسم کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ورنہ نقصان حسی کی نفی نہیں ہے جیسا کہ بعض بدنصیب لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ کہ نقصان نہیں ہوتا تو ترازو سے تول کر دیکھ لو اور آیت کریمہ:۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (۲۵-۶۱) اور (خدا) برکت والا ہے۔ جس نے آسمانوں میں برج بنائے۔ میں ان نعمتوں پر تنبیہ کی ہے جو ان برجوں اور نیّرات کے ذریعہ ہم پر نازل ہوتی ہیں اور آیات کریمہ:۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (۲۳-۱۴) تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (۲۵-۱) وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ (۲۵-۱۰) وہ (خدا) بہت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے۔

---

[1] راجع کنز العمال ج۳ رقم ۱۸۸) وفی روایۃ۔ انقصت الحدیث فی رحم ام ات و روضۃ العقلاء للبستی ۵۵ عن ابی ہریرۃ و راجع لمعناہ مشکل الحدیث لابن قتیبۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ (۴۰-۵۴) پس خدائے
پروردگار عالم بہت ہی با برکت ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ
بِیَدِهِ الْمُلْكُ (۶۷-۱) وہ (خدا) جس کے ہاتھ میں
بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے۔
میں تنبیہ کی ہے کہ وہ تمام خیرات جن کو لفظ تبارک
کے تحت ذکر کیا ہے، ذات باری تعالیٰ ہی کے
ساتھ مختص ہیں۔

(ب ر م)

اَلْاِبْرَامُ کے معنی کسی معاملہ کو محکم اور مضبوط
کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا
فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (۴۳-۷۹) کیا انہوں نے کوئی
بات ٹھہرا رکھی ہے تو ہم بھی کچھ ٹھہرانے والے ہیں۔
یہ اصل میں اِبْرَامُ الْحَبْلِ سے ماخوذ ہے جس
کے معنی رسی کو مضبوط بٹنے کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)
(۵۰) عَلٰی کُلِّ حَالٍ مِنْ سَحِیْلٍ وَّمُبْرَمٖ
یعنی ہر حالت میں (تم قابل ستائش ہو)
اَلْبَرِیْمُ بمعنی مُبْرَمٌ یعنی مضبوط بٹی ہوئی رسی
محاورہ ہے۔ اَبْرَمْتُهٗ فَبَرِمَ فَهُوَ بَرِيْمٌ اسی
بنا پر کنجوس آدمی کو جو جوا نہ کھیلتا ہو بَرَمٌ کہا جاتا
ہے جیسا کہ بخیل کو مغلول الید کہتے ہیں۔ اور مُبْرِمُ
الْحَبْلِ کے ساتھ تشبیہ دے کر ہر اس آدمی کو جو کسی
معاملہ میں مصر اور بضد ہو اسے اَلْمُبْرِمُ کہا جاتا
ہے یہی معنی اَلْبَرَمُ کے ہیں اور جو آدمی دو دو
کھجوریں ملا کر کھاتا ہو اسے بھی بَرَمٌ کہا جاتا ہے کیونکہ
اس میں سختی کے ساتھ کھانا کے معنی پائے جاتے ہیں۔
اور رسی کبھی دو رنگ پر ہوتی ہے اس لئے ہر سیاہ
سفید پر مشتمل لشکر اور بکریوں کے ملے جلے ریوڑ
کو بَرِيْمٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْبُرْمَةُ اصل میں پتھر کی ہنڈیا کو کہتے ہیں ج
بِرَامٌ جیسے حُضْرَةٌ کی جمع حِضَارٌ اور یہ ضُحْكَةٌ
وَهُزْءَةٌ کی طرح مفعول کے اوزان سے ہے۔

(ب ر ہ)

اَلْبُرْهَانُ کے معنی دلیل اور حجت کے ہیں
اور یہ رُجْحَانٌ وَثُنْيَانٌ کی طرح فُعْلَانٌ کے
وزن پر ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بَرِهَ يَبْرَهُ
کا مصدر ہے جس کے معنی سفید اور چمکنے کے ہیں
صفت اَبْرَهُ مونث بَرْهَاءُ ج بُرْهٌ اور نوجوان
سپید رنگ حسینہ کو بَرَهْرَهَةٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْبَرَهْرَهَةُ دقت کا کچھ حصہ
لیکن بُرْهَانٌ دلیل قاطع کو کہتے ہیں جو تمام
دلائل سے زوردار ہو اور ہر حال میں ہمیشہ سچی
ہو اس لئے کہ دلیل کی پانچ قسمیں ہیں۔
(۱) وہ جو ہمیشہ صدق کی مقتضی ہو (۲) وہ جو ہمیشہ
کذب کی مقتضی ہو (۳) وہ جو اقرب الی الصدق ہو
(۴) جو کذب کے زیادہ قریب ہو (۵) وہ جو اقتضاء
صدق و کذب میں مساوی ہو۔ قرآن میں ہے۔
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ
(۲-۱۱۱) اے پیغمبر ان سے) کہدو کہ اگر تم سچے ہو
تو دلیل پیش کرو۔
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ
(۲۱-۲۴) کہدو کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش
کرو یہ (میری اور) میرے ساتھ والوں کی کتاب بھی ہے۔

---

[1] قالہ زہیر فی معلقتہ واولہ: یمینا لنعم السیدان وجدتما۔ راجع للبیت شرح المعلقات لابن الانباری ۲۷۰ والعشر للتبریزی ۸۰ واسمط ۱:۱۲ واللسان (سحل) وشواہد الکشاف والاشباہ والنحویہ (۴: ۲۰۵) والمعانی للقتبی ۸۰۰ ومختار الشعر الجاہلی شرح السعاد ۱: ۱۵۳ والجمہرۃ ۱۰۷ والعقد الثمین ۹۶ وایام العرب ۲۴۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۴-۱۷۴) تمہارے پاس دلیل (روشن) آچکی ہے۔

(ب ز غ)

بَزَغَ الشَّمْسُ کے معنی ہیں سورج کا طلوع ہونا۔ جب کہ اس کی روشنی پھیل رہی ہو۔ قرآن میں ہے۔
فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً (۶-۷۸) پھر جب سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔
فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا (۶-۷۷) پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا۔
تشبیہ کے طور پر بَزَغَ النَّابُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی اونٹ کی نیش نکل آنا کے ہیں۔ اصل میں یہ بَزَغَ الْبَيْطَارُ الدَّابَّةَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جانور کے نشتر لگا کر خون بہانا کے ہیں۔

(ب س س)

آیت کریمہ:۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵۶-۵) میں بُسَّتْ کے معنی پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانا کے ہیں اور یہ بَسَسْتُ الْحِنْطَةَ وَالسَّوِيقَ بِالْمَاءِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی پانی میں گندم یا جو کے ستو ڈال کر نشاستہ نکالنے کے ہیں اور نشاستہ کو بَسِيسَةٌ کہا جاتا ہے بعض نے اس کے معنی تیز ہنکانا کئے ہیں اور کہا ہے کہ یہ اِنْبَسَّتِ الْحَيَّةُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سانپ کے نہایت تیزی کے ساتھ اپنے بِل کی طرف دوڑنا کے ہیں اور اسی معنی کو دوسری جگہ يَوْمَ تُسَيَّرُ الْجِبَالُ (۱۸-۴۷) اور:۔ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (۲۷-۸۸) کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے بَسَسْتُ الْإِبِلَ اونٹوں کو ہنکاتے وقت ڈانٹنا أَبْسَسْتُ بِهَا عِنْدَ الْحَلَبِ اونٹنی دوہنے کے وقت اس کو چمکارنا اور اس اونٹنی کو جو بغیر چمکارنے کے دودھ نہ دے بَسُوسٌ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے[1]۔
(۲۸) جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَبُسُّونَ عِيَالَهُمْ۔ کہ اہل یمن اپنے اہل وعیال کو نرمی سے چلاتے ہوئے آپہنچے ہیں۔

(ب س ر)

اَلْبَسْرُ کے معنی کسی چیز کو قبل از وقت جلدی لے لینا کے ہیں جیسے بَسَرَ الرَّجُلُ الْحَاجَةَ (اس نے قبل از وقت اپنی ضرورت کو طلب کیا) بَسَرَ الْفَحْلُ النَّاقَةَ (مادہ کی خواہش کے بغیر اونٹ نے اس سے جفتی کی) مَاءٌ بُسْرٌ بارش کا تازہ پانی جو زمین پر گرنے سے پہلے ہی لے لیا جائے بَسْرُ الْقَرْحِ پھوڑے کو پکنے سے پہلے پھوڑ دینا اسی سے گدری کھجور کو بُسْرٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۷۴-۲۲) پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ میں بَسَرَ کے معنی قبل از وقت منہ بگاڑنے کے ہیں اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر بَسَرَ کے یہی معنی ہیں تو آیت:۔ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ (۷۵-۲۴) اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے۔ میں بَاسِرَة کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ وہاں تو قبل از وقت منہ بگاڑنا نہیں ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ

---

[1] الحدیث بتفصیلہ فی (رخ) مدینہ و (ط) راجع لشرح الحدیث غریب لابی عبید (بسس) ۳: ۱۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی یہ حالت آگ میں داخل ہونے سے قبل ہوگی اس لیے باسِرَۃ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ گویا آگ میں پہنچنے سے قبل ان کا منہ بگاڑنا محض تکلف اور قبل از وقت ہوگا جیسا کہ بعد کی آیت:۔ وَتَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ (۷۵-۲۵) خیال کریں گے کہ ان پر مصیبت واقع ہونے والی ہے۔ سے معلوم ہوتا ہے۔

(ب س ط)

بَسَطَ الشَّيْئَ کے معنی کسی چیز کو پھیلانے اور توسیع کرنے کے ہیں۔ پھر استعمال میں کبھی دونوں معنی ملحوظ ہوتے ہیں اور کبھی ایک معنی متصور ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے بَسَطَ الثَّوْبَ (اس نے کپڑا پھیلایا) اسی سے اَلْبِسَاطُ ہے جو ہر پھیلائی ہوئی چیز پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا (۷۱-۱۹) اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لیے فراش بنایا۔ اور بساط کے معنی وسیع زمین کے ہیں اور بَسِيْطُ الْاَرْضِ کے معنی ہیں کھلی اور کشادہ زمین۔ ایک گروہ کے نزدیک بسیط کا لفظ بطور استعارہ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جس میں ترکیب و تالیف اور نظم متصور نہ ہوسکے۔ اور بسط کبھی بمقابلہ قبض آتا ہے۔ جیسے وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ (۲-۲۴۵) خدا ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی) اسے کشادہ کرتا ہے۔ اور کبھی بمقابلہ قدر (یعنی تنگ کردینا) کے جیسے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ (۴۲-۲۷) اور اگر خدا اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کردیتا۔ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲-۲۴۷) اسنے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی زیادہ عطا کیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ان کا بسیطۃ فی العلم یہ تھا کہ انہوں نے اس سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا اور یہ ان کا بَسْطَة یعنی جود وسخا تھا۔

بَسْطُ الْيَدِ کے معنی ہاتھ پھیلانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (۱۸-۱۸) ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔

اور بَسْطُ الْكَفِّ (ہتھیلی پھیلانا) یہ لفظ کبھی طلب وسوال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے:۔ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ (۱۳-۱۴) اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے۔ اور کبھی اَخْذٌ یعنی پکڑنے کے معنی میں آتا ہے جیسے:۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ (۶-۹۳) اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں۔
اور کبھی حملہ کرنے اور مارنے کے معنی میں آتا ہے جیسے فرمایا:۔ وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ (۶۰-۲) اور ایذا کے لیے تم پر ہاتھ (بھی) چلائیں اور زبانیں (بھی) اور کبھی اس سے بخشش کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (۵-۶۴) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔

اَلْبَسُوْطُ وہ اونٹنی جس کے ساتھ اس کے بچے کو چھوڑ دیا گیا ہو اور یہ بمعنی مَبْسُوْطَةٌ ہے جیسے نِكْثٌ بمعنی منکوث ونقض بمعنی منقوض آجاتا ہے۔ اَبْسَطَ النَّاقَةَ اونٹنی کو اس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بچے کے ساتھ چھوڑ دیا۔

(ب س ق)

قرآن میں ہے:۔
وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ (۵۰-۱۰)
اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔
اَلْبَاسِقُ کے معنی ہیں بلندی میں لمبا چلا جانے والا چنانچہ اسی سے بَسَقَ فُلَانٌ عَلٰی اَصْحَابِهٖ ہے جس کے معنی ہیں اپنے ساتھیوں پر فضیلت میں بازی لے جانا۔
بَسَقَ وَبَصَقَ جس کے معنی تھوکنا ہیں اصل میں بَزَقَ ہے بَسَقَتِ النَّاقَةُ اونٹنی کے تھنوں میں بغیر جفتی نر کے تھوک کیطرح معمولی سا دودھ اتر آیا۔

(ب س ل)

اَلْبَسْلُ کے معنی کسی چیز کو اکٹھا کرنا اور روکنا کے ہیں۔ اکٹھا کرنا کے مفہوم کے پیش نظر استعارۃً ترشروئی کے معنی استعمال ہوتا ہے اور ترشرو کو باسل ومبسل الوجہ کہا جاتا ہے۔ اور روکنے کے معنی کے پیش نظر حرام اور گروی چیز کو بَسْلٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ (۶-۷۰) یعنی اس (قرآن) کے ذریعے نصیحت کرتے رہو تاکہ (قیامت کے دن) کوئی نفس اپنے اعمال کے ثواب سے محروم نہ رہ جائے بلاکت میں نہ ڈالا جائے۔
بسل اور حرام میں فرق یہ ہے کہ حرام عام ہے جو ممنوع عنہ حکمی اور قہری دونوں کو شامل ہے اور بَسْلٌ کا لفظ صرف جبرًا کسی چیز سے محروم کر دینے پر بولا جاتا ہے قرآن میں ہے۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا (۶-۷۰)
یعنی یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے سبب ثواب سے محروم کر دیئے گئے۔ بعض نے آیت کریمہ:۔
كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (۷۴-۳۸)
ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گرو ہے کے پیش نظر اس کی تفسیر اِرْتِهَانٌ سے بھی کی ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے اعمال کے بدلے گروموں گے شاعر نے کہا:
(۵۱) وَاِبْسَالِيْ بَنِيَّ بِغَيْرِ جُرْمٍ (وافر)
اور میرا اپنے بیٹوں کو ناحق (بنی قشیر کے پاس) گرو کرنا اور دوسرے کہا ہے[۱] (طویل)

---

[۱] لعوف بن الاحوص البابلی تحسر علی تسلیم ابناءہ بنی قشیر رھنانی دم رجل منھم اسمہ ابو الصحیفہ وتمامہ بعونا و ولا بدم مراق ونعونامن بعا بعیو بعواً بمعنی الجنایۃ والجرم والبیت فی نوادر ابی زید ۱۵۱ والطبری ۳-۲۲۴ والقرطبی (۷:۱۶) وشواہد الکشاف ۸۳ ومعانی الکبیر ۱۱ ومجاز القرآن (۱:۱۹۴) وقم ۲۲۱ والبحر (۴:۴۴) تہذیب الالفاظ ۴۲۳ واللسان والتاج والمحکم (بسل بعو) وفیہ قال ابن الطبری انہ لعبد الرحمان بن الاحوص وانظر لترجمۃ الشاعر المعجم للمرزبانی ۲۷۵ والسمط ۲۷۷ والمعانی ۴/۱۱ ۵۲ قال زہیر بن ابی سلمٰی وصدرہٗ: بلاد بہا نادمتھم والفتھم ہکذا الروایۃ فی دیوانہ ۵۹ بشرح الاعلم وبہا انشد ابو علی فی المعالیہ لیکن فی کلیھما فانھما بدل فانھم وہکذا الروایۃ فی نوادر ابی زید ۱۵۰ وروایۃ ابی سعید حسب روایۃ المؤلف ای فانھم بضمیر الجمع لکن فیہ فان تقویا وھی موافقۃ لروایۃ ابی الطیب عن قطرب والاضداد ولابی الطیب ۱۳) وصاۃ البیت: تربص فان تقوالمرارۃ منھم۔ ودارا نہا لا تقو منھم فتحکل فان تقویا منھم فان مجرا۔ وجزع الحسا منھم اذا قلما یخلو - بلاد... فان اوحشت.... وھی الروایۃ صحیحۃ ان شاء اللہ والبیت فی الاصل ملفق فاختلطت روایتہ علی الروایۃ ومعنی البیت علی روایۃ المؤلف فانھم حرام ای حیث کانوا لا یقربھم احد ولا یغیر علیھم وعلی الثانیۃ فضمیر التثنیۃ یرجع الی الموضعین ای بعد ذلک بھم حرام علی زیادتھما والبیت فی المختارات ۱۶ والنوادر ۳ والامالی ۲:۸۰ وفی اللالی مع السمط ۹۲۲-۹۲۳ ؎

15107

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵۲) فَإِنْ تَقْوَيَا مِنْهُمْ فَإِنَّهُمْ بُسْلٌ
اگر تم انہیں چھوڑ کر چلے جاؤ تو وہ بہادر ہیں۔
یہاں تُقْوِيَا، اقوی المکانُ سے ہے جس کے معنی جگہ خالی ہونے کے ہیں اور بسالۃ بمعنی شجاعت ہے اور بُسْلٌ باسِلٌ کی جمع ہے اور بہادر کو باسِلٌ یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ترش رو رہتا ہے اور یا اس لئے کہ اس کے ہمسروں پر اس کی جان حرام ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ دشمنوں کو اپنے مال سے محروم کر دیتا ہے۔

اَبْسَلْتُ الْمَكَانَ کسی جگہ کی حفاظت کرنا اور اس شخص کو جو اسے چھیننا چاہتا ہے محروم کر دینا۔

اَلْبُسْلَۃُ دم جھاڑ کرنے والے کی اجرت یہ رقیہ پڑھنے والے کے قول اَبْسَلْتُ فُلَانًا سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی شیطان، سانپ اور زہریلے کیڑوں کی مدافعت پر دلیر کرنے کے ہیں یا کسی کو ان چیزوں پر حرام کر دینے کے ہیں۔ بعض نے بَسَلْتُ الْحَنْظَلَ کا محاورہ بھی نقل کیا ہے جس کے معنی حنظل کو طیب بنانے کے ہیں اگر یہ حکایت صحیح ہو تو اس کے اصل معنی حنظل کی بسالت یعنی شدت یا اس کی تحریم یعنی کڑوا پن دور کرنا ہوں گے جو بمنزلہ حرمت کے ہے:

بَسَلْ۔ ہاں۔ بس[1]

(ب ش ر)

اَلْبَشَرَۃُ کے معنی انسان کی جلد کی اوپر کی سطح اور اَدَمَۃٌ کے معنی باطنی سطح کے ہیں۔ عام ادباء کا یہی قول ہے مگر ابو زید[2] نے اس کے برعکس کہا ہے چنانچہ ابو العباس وغیرہ نے ان کی تردید کی ہے۔

بَشَرَۃٌ کی جمع بَشَرٌ و اَبْشَارٌ آتی ہے اور اسی سے انسان کو بشر کہا جاتا ہے کہ اس کی جلد بالوں سے صاف ہوتی ہے اس کے برعکس دیگر حیوانات کی کھال پر اون، بال یا پشم ہوتی ہے۔

لفظ بَشَرٌ واحد اور جمع دونوں کے لئے برابر طور پر استعمال ہوتا ہے اس کا تثنیہ بَشَرَيْنِ ہے۔ جیسے فرمایا:- اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (۲۳-۴۷) کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں۔

اور قرآن میں جہاں کہیں انسان کی جسمانی بناوٹ اور ظاہری جسم کا لحاظ کیا ہے تو ایسے موقع پر خاص کر اسے بَشَر کہا گیا ہے جیسے فرمایا:-

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا (۲۵-۵۴) اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا۔

اِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ (۳۸-۷۱) کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔

کفار انبیاء علیہم السلام کی کسر شان کے لئے ان کو بَشَرٌ کہہ کر پکارتے تھے جیسے:-

اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۷۴-۲۵) یہ (خدا) کا کلام نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے۔

اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ (۵۴-۲۴) بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں۔

---

[1] راجع للبحث عن مادہ (ب س م) فی الاستدراک [2] ابو زید سعید بن اوس بن ثابت الانصاری الخزرجی من تلامیذ ابی عمرو بن العلاء والمفضل الضبی وکان جدہ من الصحابۃ وجمع نحو ثامن القرآن علی عہد الرسول ﷺ) شدید العنایۃ بجمع اللغات واللہجات توفی ۲۱۵ھ وقد قارب المأۃ انظر المعارف لابن قتیبۃ ۲۷۰ نزہۃ الالولباء ۱۷۳-۱۷۹ تاریخ بغداد للخطیب ۹/ ۷۷-۸۰ الارشاد ۴/ ۲۳۸-۲۴۰ ابن خلکان رقم ۲۴۹ مرآۃ الجنان الیافعی ۲/ ۵۷-۸ تہذیب لابن حجر ۴/ ۳ والبغیۃ للسیوطی ۲۵۴ وکتاب النوادر من اشہر تالیفہ ۵۳ قالوا ان اضداد ابی الطیب ۲/ ۷۶-۷۷ وقال ابو مالک من قول ابی زید انظر اللسان (بشر)۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (۳۶-۱۵) کہ تم اور کچھ نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی ہو۔
اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا (۲۳-۴۷) کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں۔
فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا (۶۴-۶) تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں۔
چنانچہ قرآن نے:۔
اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (۱۸-۱۱۰) کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔
کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ بلاشبہ بشری تقاضوں میں سب انسان برابر ہیں مگر معارف جلیلہ اور اعمال جمیلہ کے لحاظ سے ان میں تفاوت ربتی پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ان معارف و اعمال کے ساتھ مخصوص فرما کر سرفراز کر دیتا ہے۔ چنانچہ جملہ یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں اس حقیقت پر تنبیہ کی ہے کہ میں تم سے صرف وحی الٰہی کے ساتھ ممتاز ہوں۔
وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ۔ (۱۹-۲۰) مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ میں خاص کر مس بشر کی نفی کی ہے اور آیت کریمہ:۔ فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا (۱۹-۱۷) تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن گیا میں تَمَثَّلَ کا فاعل فرشتہ ہے اور اس میں تنبیہ کی ہے کہ فرشتہ خوبصورت انسان کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا تھا اور آیت کریمہ:۔ مَا ھٰذَا بَشَرًا (۱۲-۳۱) یہ آدمی نہیں۔ میں بشریت کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ یوسف علیہ السلام کی عظمت اور بزرگی کو ظاہر کرنا ہے کہ یہ تو اس سے بلند و اشرف معلوم ہوتے ہیں کہ انسانی جوہر سے مرکب ہو۔

بَشَرْتُ الْاَدِیْمَ میں نے کھال کی ظاہری سطح کو چھیل دیا جیسا کہ اَنْفَتُّ وَرَجَلْتُ کا محاورہ ہے اور اسی سے بَشَرَ الْجَرَادُ الْاَرْضَ ہے جس کے معنی ٹڈی کے زمین کی روئیدگی کو چٹ کر جانے کے ہیں۔
اَلْمُبَاشَرَۃُ کے اصل معنی تو ایک کی جلد کو دوسرے کی جلد کے ساتھ ملانا کے ہیں مگر کنایۃً عورت سے مجامعت کرنا کے معنی میں آجاتا ہے جیسے فرمایا:۔ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ (۲-۱۸۷) اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ (۲-۱۸۷) اب تم کو اختیار ہے کہ ان سے مباشرت کرو۔ فُلَانٌ مُؤْدَمٌ مُبْشَرٌ فلاں ظاہر و باطن کے لحاظ سے اچھا ہے۔ اصل میں یہ محاورہ اَبْشَرَہُ اللّٰہُ وَاٰدَمَہٗ سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی کھال کے ظاہر و باطن کو اچھا کرے پھر ہر اس کامل شخص کو جو ظاہری و باطنی خوبیوں کا مالک ہو۔ اسے مُؤْدَمٌ مُبْشَرٌ کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی کئے ہیں۔ اس کا آدَمَۃ (باطن) نرم اور بشرہ (ظاہر) سخت ہے۔
اَبْشَرْتُ الرَّجُلَ وَبَشَّرْتُہٗ وَبَشَرْتُہٗ خوشخبری پہنچانا۔ خوش کن خبر سنانا جس سے انسان کے چہرہ پر انبساط ظاہر ہو کیونکہ انسان کو جب کوئی اچھی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کے جسم میں دفور مسرت سے خون اس طرح دورہ کرنے لگتا ہے جیسے درختوں میں پانی اس لئے التبشیر کے معنی ہیں اس قسم کی خبر سنانا جسے سن کر چہرہ شدت فرحت سے تمتما اٹھے۔ مگر ان کے معانی میں قدرے فرق پایا جاتا ہے۔ تبشیر میں کثرت کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔ اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَشَرْتُهٗ (مجرد) عام ہے جو اچھی و بُری دونوں قسم کی خبر پر بولا جاتا ہے۔ اور اَبْشَرْتُهٗ اَحْمَدْتُهٗ کی طرح لازم و متعدی آتا ہے جیسے: بَشَرْتُهٗ فَاَبْشَرَ (یعنی وہ خوش ہوا)

اور آیت کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ (۳-۴۵) کہ خدا تم کو اپنی طرف سے بشارت دیتا ہے میں ایک قرأت يَبْشُرُكِ وَيُبْشِرُكِ ہے نیز فرمایا:

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ (۱۵-۵۳، ۵۴، ۵۵) مہمانوں نے کہا ڈریے نہیں ہم آپ کو ایک دانشمند بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں وہ بولے کہ جب بڑھاپے نے آ پکڑا تو تم خوشخبری دینے لگے اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ (۳۹-۱۷) تو میرے بندوں کو بشارت سنادو۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ (۳۶-۱۱) سو اس کو مغفرت کی بشارت سنادو۔

اِسْتَبْشَرَ کے معنی خوش ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے: وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (۳۹-۵۴) اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے (اور شہید ہوکر) ان میں شامل نہیں ہوسکے ان کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (۳-۱۷۱) اور خدا کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں۔

وَجَاءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۱۵-۶۷) اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے۔

اور خوش کن خبر کو بشارۃ اور بُشریٰ کہا جاتا ہے چنانچہ فرمایا: لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (۱۰-۶۴) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (۲۵-۲۲) اس دن گنہگاروں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی۔ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى (۲۹-۳۱) اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔

يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ (۱۲-۱۹) زہے قسمت یہ تو (حسین) لڑکا ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ (۳-۱۲۶) اور اس مدد کو تو خدا نے تمہارے لئے (ذریعہ بشارت) بنایا۔

اَلْبَشِيْرُ خوشخبری دینے والا۔ قرآن میں ہے: فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا (۱۲-۹۶) جب خوشخبری دینے والا آپہنچا تو کرتہ یعقوبؑ کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہوگئے۔

اور آیت کریمہ: وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ[1] (۳۰-۴۶) کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوش خبری دیتی ہیں میں مُبَشِّرَات سے مراد بارش کی خوش خبری دینے والی ہوائیں ہیں۔

اور حدیث[2]:-

(۲۹) اِنْقَطَعَ الْوَحْيُ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ (وحی منقطع ہوگئی اور مبشرات باقی رہ گئیں)

---

[1] هكذا الآية في النسخ المطبوعة لكن الصحيح بُشْرًا - موضع مبشرات راجع سورة الاعراف (۷-۵۷) ولعل المصنف اراد آية سورة (الروم ان يرسل الرياح مبشرات (۳۰-۴۶) فوقع الزلة من المصحح ۱۲

[2] الحديث باختلاف الفاظه في الترمذي وابن ماجة والحاكم و البيهقي واحمد والبزار والكامل لابن عدي وقد اشبع الكلام على طرق الحديث ابن كثير (۲ / ۴۲۳ - ۴۲۴) وابن جرير ۱/ ۱۲۴ - برواية ابن مسعود ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مُبَشِّرَات سے مومن کی سچی خوابیں مراد ہیں جیسا کہ بعد میں وَهِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ الَّتِي يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ أَوْ تُرَى لَهُ سے اس کی تشریح فرمائی ہے اور آیات کریمہ:۔

• فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۹-۳۴) ان کو عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو۔ وَبَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ (۴-۱۳۸) (اے پیغمبر) منافقوں (یعنی دوزخی لوگوں) کو بشارت دو کہ ان کے لئے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۹-۳) اور (اے پیغمبر) کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ میں تبشیر کے لفظ سے تنبیہ کی ہے کہ سب سے بہتر خوش کن خبر جو وہ سن سکتے ہیں وہ عذاب الیم ہے جس میں قیامت کے روز گرفتار ہوں گے۔ اور عذاب کے متعلق بَشِّرْ کا لفظ بطور تہکم استعمال ہوا ہے جیسا کہ ع (وافر)

(۵۳) تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيعٌ[1]

(ان کا باہمی سلام دردناک ضرب لگانا ہے)۔

میں ضرب وجیع کے متعلق تحیۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے[2]۔

اور آیت کریمہ:۔ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ (۱۴-۳۰) (کہدو کہ چند روز) فائدے اٹھالو آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں لفظ تَمَتَّعُوا بھی ایسے ہی مفہوم کے پیش نظر آیا ہے نیز فرمایا:۔ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (۴۳-۱۷) حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو انہوں نے خدا کے لئے بیان کی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔

أَبْشَرَ کے معنی ہیں اس نے بشارت کو پایا جیسے أَبْقَلَ وَأَمْحَلَ یعنی اس نے بقل اور محل یعنی خشک سالی کو پایا قرآن میں ہے:۔

وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (۴۱-۳۰) اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ أَبْشَرَتِ الْأَرْضُ کے معنی ہیں زمین سبزہ زار ہوگئی اور خوش منظر آنے لگی۔ اسی سے حضرت ابن مسعود کا قول ہے[3]

(۳۰) مَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيَبْشَرْ کہ جسے قرآن سے محبت ہے اسے خوش ہونا چاہیئے۔

فَرَّاء کا قول ہے[4] کہ اگر شین مشدد (یعنی باب تفعیل سے) ہو تو بُشْرَىٰ سے ہوگا اور اگر خفیفہ یعنی مجرد سے ہو تو بمعنی مسرور ہوگا جیسے محاورہ ہے:۔ بَشَرْتُهُ فَبَشَرَ مثل جَبَرْتُهُ فَجَبَرَ سیبویہ نے کہا ہے[5] کہ بَشَرْتُهُ کا مطاوع أَبْشَرَ بھی آجاتا ہے۔ مگر ابن قتیبہ کی رائے ہے کہ یہاں یعنی حدیث میں فَلْيَبْشَرْ کا لفظ بَشَرْتُ الْأَدِيمَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھال کو چھیلنا کے ہیں۔ لہذا فَلْيَبْشَرْ کے معنی ہوئے تو اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو کمزور اور دبلا کرے[6] جیسا کہ مروی ہے۔

(۳۱) إِنَّ وَرَاءَنَا عَقَبَةً لَا يَقْطَعُهَا إِلَّا الضُّمَّرُ

---

[1] قاله عمرو بن معدی کرب صاحب ریحانۃ اخت درید بن الصمۃ واوله: وخیل قد دلفت لها بخیل والبیت من شواہد الطبری (۱: ۲۹۱) راجع للبیت الخزانۃ والاصمعیات وشواہد الکشاف ۶۹ والبحر ۶: ۱۴۶/۲: ۱۸/۱ والکتاب (۱: ۳۶۵،۴۲۳) والعمدۃ (۲: ۲۹۲) [2] الآیۃ من باب التہکم لکن الاستشہاد بالبیت فیہ خلط وقع کثیر من الشراح الذین شرحوا کلام الزمخشری لان البیت فیہ صنعۃ التنویع والتنویع قد یأتی للتہکم قد حققہ ابن فارس فی الصاحبی وانظر ایضا الطراز للخفاجی ۲۹-۴۲ [3] راجع الفائق ۱: ۱۵ واللسان (بشر) والنہایۃ [4] فراء ابوزکریا یحیی بن زیاد الفراء نسبتہ الی بیع الفروۃ [5] ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر الملقب بسیبویہ ومعناہ بالفارسیۃ رائحۃ التفاح من اکبر تلامیذ الخلیل ومصنف اول کتاب فی النحو الذی تلقاہ من شیخہ ومناظرتہ مع الکسائی فی مسئلۃ الزنبور نا علان التوضیح للسخاوی ۴۳) مشہورۃ حصل الکسائی نوالا فنیح توفی ۱۸۰ھ او ۱۸۳ھ راجع النزہۃ لابن الانباری ۷۱-۸۱ وطبقات الزبیدی رقم ۲۲ وتاریخ بغداد للخطیب ۱۲/۱۹۵-۱۹۹ والارشاد ۶/۸۰-۸۸ ووفیات لابن خلکان رقم ۴۳۴ ومرآۃ الجنان ۱/۴۴۵-۴۴۶ وابو فوا ربعہ لیغیہ ۳۶۶-۳۶۷ وشذرات لابن العماد ۱/۲۵۲-۲۵۵ ونفح الطیب للمقری ۲/۴۷۴-۴۷۵ وابجد وطبقات الکتاب طبع بولاق ۱۶ اسعد تقریرات بالہامش وبعدہ شرح السیرانی وعن سعد شرح الشواہد للاعلم الشنتمری [6] اعلم من تفسیر ابن قتیبۃ بالصواب وتاویل ابن قتیبۃ ذکرہ الزمخشری بلفظ قیل بغیر عزو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنَ الرِّجَالِ کہ ہمارے سامنے ایک گھاٹی ہے جسے مِلے آدمی ہی عبور کر سکیں گے اور شاعر کا قول [1]
(۵-۴۸) فَاَعِنْهُمْ وَاَبْشِرُوْا بِمَا بَشَّرُوْا بِهٖ
وَاِذَا هُمْ نَزَلُوْا بِضَنْكٍ فَانْزِلِ
(اِن کی مدد کرو اور جو چیز انہیں خوش لگتی ہو اسی پر خوش رہو اور جب وہ کسی تنگ مقام پر نازل ہوں تو تم بھی وہاں اتر پڑو۔ پہلے معنی یعنی فراء کے قول پر محمول ہے۔

تَبَاشِیْرُ الْوَجْهِ وَبَشَرَتُهٗ چہرے پر خوشی کے آثار۔ خوش روئی۔ تَبَاشِیْرُ الصُّبْحِ آغاز صبح تَبَاشِیْرُ النَّخْلِ کھجور کا پہلا پختہ پھل۔ بُشْرٰی وَبِشَارَۃٌ وہ عطیہ (یا انعام) جو بشارت دینے والے کو دیا جائے۔

(ب ص ر)

اَلْبَصَرُ کے معنی آنکھ کے ہیں جیسے فرمایا:۔
كَلَمْحِ الْبَصَرِ (۵۰-۵۴) آنکھ کے جھپکنے کی طرح۔
وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ (۳۳-۱۰) اور جب آنکھیں پھر گئیں۔

نیز قوت بینائی کو بصر کہہ لیتے ہیں اور دل کی بینائی پر بَصَرٌ اور بصیرت دونوں لفظ بولے جاتے ہیں قرآن میں ہے۔
فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۵۰-۲۲) اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۵۳-۱۷) ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ آگے بڑھی۔
بَصَرٌ کی جمع اَبْصَارٌ اور بَصِیْرَۃٌ کی جمع بَصَائِرُ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
فَمَا اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا اَبْصَارُهُمْ (۴۶-۲۶) تو نہ ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آسکے اور نہ آنکھیں۔

اور آنکھ سے دیکھنے کے لئے بَصِیْرَۃٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ بصر کے لئے اَبْصَرْتُ استعمال ہوتا ہے اور بَصِیْرَۃٌ کے لئے اَبْصَرْتُ وبَصُرْتُ بِهٖ دونوں فعل استعمال ہوتے ہیں جب حاسۂ بصر کے ساتھ رؤیت قلبی شامل نہ ہو تو بَصُرْتُ کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ابصار کے متعلق فرمایا:۔
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ (۱۹-۴۲) آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں۔ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا (۳۲-۱۲) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (۱۰-۴۳) اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں۔ وَاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ (۳۷-۱۷۹) اور دیکھتے رہو یہ بھی عنقریب (نتیجہ) دیکھ لیں گے۔ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ (۲۰-۹۶) میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔

اور اسی معنی میں فرمایا:۔
اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (۱۲-۱۰۸) یعنی پوری تحقیق اور معرفت کے بعد تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں (اور یہی حال میرے پیروکار کا ہے) اور آیت کریمہ۔
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ (۷۵-۱۴)

---

[1] قالہ عبد القیس بن خفاف البرجمی ونسبہ صاحب اللسان الی عطیۃ بن زید الجاہلی والبیت من کلمۃ مفضلیۃ رقم ۱۲ فی ۱۸ بیتا وفی روایتہ: والیسر ما ایسروا بہ ای اسرع الی اجابتہم والبیت فی اللسان (بشر) وتفسیر الطبری ۱۳ را ۱۵ ۲ ومعانی القرآن للفراء والاصمعیات ۸۰ وشواہد المغنی (۵۹ ر ۲ ۲۰۳) وتہذیب اصلاح المنطق مع آخر قبلہ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ کے معنی یہ ہیں کہ انسان پر خود اس کے اعضاء میں سے گواہ اور شاہد موجود ہیں جو قیامت کے دن اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دینگے جیسے فرمایا:۔

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ (۲۴-۲۴) جس دن ان کی زبانیں ہاتھ ...... ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

اور کبھی ضَرِیْر (اندھے) کو بھی بَصِیْر کہہ دیا جاتا ہے اور یہ اطلاق الاسم علی ضدہ کے قبیل سے ہے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اسے تَسْمِیَةُ الشَیْءِ بِاسْمِ ضِدِّہٖ کے باب سے نہ بنایا جائے۔ بلکہ کہا جائے کہ ضَرِیْرٌ کو بصیر کہنا اس کی بصیرۃ قلبی کے لحاظ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مُبْصِرٌ وَبَاصِرٌ نہیں کہا جاتا پس اگر یہ باسم ضدہ کے قبیل سے ہوتا تو یہ اطلاق بھی جائز ہونا چاہیئے تھا اور آیت کریمہ:۔

لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (۶-۱۰۴) (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے میں اکثر علماء نے اَبْصَارٌ کے معنی آنکھ کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ظاہری آنکھ کے علاوہ اوہام وافہام کی نفی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا قول ہے (۳۲) اَلتَّوْحِیْدُ اَنْ لَّا تَتَوَهَّمَهٗ کہ (حقیقتًا) توحید تو یہ ہے جو انسان کے واہمہ میں بھی نہ آسکے اور فرمایا کہ جو کچھ انسان ادراک کرتا ہے وہ توحید نہیں ہے۔ اَلْبَاصِرَۃُ کے معنی ظاہری آنکھ کے ہیں۔ محاورہ ہے رَأَیْتُهٗ لَمْحًا بَاصِرًا میں نے اسے عیاں طور پر دیکھا۔ اَلْمُبْصِرَۃُ روشن اور واضح دلیل۔ قرآن میں ہے۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ اٰیَاتُنَا مُبْصِرَۃً (۲۷-۱۳) جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں پہنچیں

وَجَعَلْنَا اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَۃً (۱۷-۱۲) یعنی ہم نے دن کی نشانی کو نظروں کی روشنی دینے والی بنایا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَۃً (۱۷-۱۹) اور ہم نے ثمود کی اونٹنی (نبوت صالحؑ) کی کھلی نشانی دی میں مُبْصِرَۃً اسی معنی پر محمول ہے بعض نے کہا ہے کہ یہاں مُبْصِرَۃً کے معنی ہیں کہ ایسی نشانی جس سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ جیسا کہ رَجُلٌ مُخْبِثٌ وَمُضْعِفٌ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے اہل اور قریبی رشتہ دار خبیث اور ضعیف ہوں اور آیت کریمہ:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَکْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بَصَائِرَ لِلنَّاسِ (۲۸-۴۳) میں بَصَائِرُ بصیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی عبرت کے ہیں یعنی ہم نے پہلی قوموں کی ہلاکت کو ان کے لئے تازیانہ عبرت بنادیا اور آیت کریمہ:۔

وَاَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ (۳۷-۱۷۵) کے معنی یہ ہیں کہ انتظار کرو حتٰی کہ تم سب اپنی آنکھوں سے نتائج ملاحظہ کرلو اور آیت کریمہ:۔

وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (۲۹-۳۸) حالانکہ وہ دیکھنے والے تھے میں مُسْتَبْصِرِیْنَ کے معنی طالب بصیرت کے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بطور استعارہ اِسْتِبْصَار (استفعال) بمعنی اِبْصَار (افعال) ہو جیسا کہ اِسْتِجَابَةٌ بمعنی اِجَابَةٌ کے آجاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ تَبْصِرَةً۔ اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں (۵۰ - ۷-۸) تبصرۃ کے معنی ہیں دکھانے اور سمجھانے کو اور یہ (تفعلۃ کے وزن پر باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جیسے قَدَّمْتُهُ تَقْدِمَةً وَتَقْدِيْمًا وَ ذَكَّرْتُهُ تَذْكِيْرًا وَتَذْكِرَةً اور آیت کریمہ: وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا يُبَصَّرُوْنَهُمْ۔ (۷۰ - ۱۰-۱۱) اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ ہوگا حالانکہ ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے میں يُبَصَّرُوْنَهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ انہیں ان کے احوال و آثار سے خوب طرح واقف کر دیا جائے گا۔

بَصَّرَ الْجَرْوُ۔ پلے نے آنکھیں کھولیں۔

اَلْبَصْرَةُ ملائم چمکدار پتھر گویا وہ بینا ہے اور یا اسے بَصْرَةٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دور سے چمکتا ہوا نظر آجاتا ہے اور اسے بصرہ بھی کہا جاتا ہے۔

اَلْبَصِيْرَةُ (ایضاً) خون کا دھبہ جو دور سے چمکتا ہوا دکھائی دے۔ چمکدار ڈھال۔ کپڑے یا شگیر کے دو ٹکڑوں کے درمیان کا شگاف جس سے آر پار نظر آتا ہو۔ اسی سے بَصَّرْتُ الثَّوْبَ وَالْاَدِيْمَ کا محاورہ ہے جس کے معنی کپڑے یا چمڑے کا درمیانی شگاف سلائی کرنا کے ہیں۔

(ب ص ل)

اَلْبَصَلُ پیاز۔ قرآن میں ہے:۔

وَعَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا (۲ - ۶۱) اور مسور اور پیاز اور تشبیہ کے طور پر لوہے کے خود کو بھی بَصَلٌ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے [1] ع (رمل) (۵۵) "وَ تَرِيْكَةً كَالْبَصَلِ" اور پیاز جیسی خود

(ب ض ع)

اَلْبِضَاعَةُ۔ مال کا وافر حصہ جو تجارت کے لئے الگ کر لیا گیا ہو۔ اَبْضَعَ وَ اَبْتَضَعَ بِضَاعَةً سرمایہ یا پونجی جمع کرنا۔ الگ کرنا قرآن میں ہے۔

هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا (۱۲ - ۶۵) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ (۱۲ - ۸۸) اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔

اصل میں بضاعۃ بَضْعٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں گوشت کا بڑا ٹکڑا۔ بَضَعْتُهُ وَبَضَّعْتُهُ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بنانا اِبْتَضَعَ وَتَبَضَّعَ اس کا مطاوع آتا ہے جیسے قَطَعْتُهُ وَقَطَّعْتُهُ وَانْقَطَعَ وَتَقَطَّعَ اَلْمِبْضَعُ (آلہ)

---

[1] وتکملتہ: فخمۃ ذفراء ترتقی بالعرا۔ تردما تیا۔۔۔۔ والبیت من قصیدۃ للبید فی رثاء اخیہ مطلعہا وان تقوی ربنا خیر نفل وباذن اللہ ریثی وعجل (منفیۃ القافیۃ) فی دیوانہ ۱-۱۸۱ والبیت فی وصف کتیبۃ سمکۃ من الحدید علیہا دروع فخمۃ ای کتیبۃ عظیمۃ ذفراء ذوفراء ای منتنۃ الریح من الحدید القرونانی معرب (کرکوکاتا) ای عمل ونقی دراجع معجم استعمالہا س ۱۰۲۲ وابن الاعرابی لدی (۱۲-۱۶) ای دروع غلیظۃ والترک بیض الحدید والرتومعناہ اشتد لقول الشاعر ان ہذہ الکتیبۃ ملبوستہ فی دروع ظہرت خشت اطرافہا بالعرا بسطیہا الی انتشر وتشتمہ موج البیضاء ہلی رؤسہم بیض الحدید مثل البصل وقبلہ فتی ینفع مراح صادق یحلونا ذات جرس زجل البیت فی اللسان والصحاح ذکرکہ رتو قریب ذفر واللسان وحاشیۃ البصل وتہذیب الالفاظ ۹م والتوشیح ۸۰ والاقتضاب ۲۱۵ - ۱۹م والمنا غتبین (۹۷-۱۹۷/۱۰۷) وخورہ من روی التشبیہ والاصلاح ۳۴۷۔ والمقاییس ۱: ۲۵۳، ۵م ۳ (۲۹۵) والمعانی ۴۸۴ و ۱۲۳۹، ۱۰۲۹ والاضداد لابن السکیت ۱۹۷ والاضداد لابن الانباری ۸۹ ولابی الطیب ۲۷۹ ونوادر ابی مسحل ۲۸۸ والمعلقات لابن الانباری (۱۵م) وکان طریۃ یاسر بروایۃ بذاء القصیدۃ [illegible]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نشتر جیسے مِقْطَعٌ۔ کنایہ کے طور بُضْعٌ کے معنی
عورت کی شرمگاہ بھی آ جاتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے۔
مَلَكْتُ بُضْعَهَا کیا تم نے اس عورت سے نکاح کرلیا ہے۔
بَاضَعَهَا بِضَاعًا عورت سے مجامعت کرنا۔
فُلَانٌ حَسَنُ الْبَضْعِ وَالْبَضِيْعِ وَالْبَضْعَةِ
وَالْبَضَاعَةِ۔ فلاں خوب موٹا تازہ ہے۔ اَلْبَضِيْعُ
ٹاپو۔ وہ جزیرہ جو خشکی سے بہت دور ہو۔ فُلَانٌ
بَضْعَةٌ مِّنِّيْ۔ فلاں میرے جسم کا ٹکڑا ہے یعنی
نہایت قریبی رشتے دار ہے اَلْبَاضِعَةُ زخم جو
گوشت کو کاٹ ڈالے۔
اَلْبِضْعُ (بکسر الباء) عدد جو دس سے الگ کئے گئے
ہیں یہ لفظ تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے
بعض کہتے ہیں کہ پانچ سے اوپر اور دس سے کم پر
بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے[1]:
بِضْعَ سِنِيْنَ (۱۲-۴۲) چند سال۔

(ب ط ر)

اَلْبَطَرُ وہ دہشت جو خوشحالی کے غلط
استعمال حق نعمت میں کوتاہی اور نعمت کے
غلط طور پر صرف کرنے سے انسان کو لاحق ہوتی
ہے۔ قرآن میں ہے:
بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ (۸-۴۷) جو اتراتے ہوئے
اور لوگوں کو دکھانے کے لئے۔
بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا (۲۸-۵۸) اپنی معیشت
میں اترا رہے تھے۔ یہ اصل میں بَطِرَتْ مَعِيْشَتُهٗ
ہے فعل کی نسبت اس سے قطع کرکے بطور تمیز
اسے منصوب کردیا گیا ہے۔ اور قریبًا طَرَبٌ بمعنی
بَطَرٌ آتا ہے مگر طَرَبٌ اس خفت کو کہتے ہیں
جو فرط مسرت کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہو
جاتی ہے اور کبھی طَرَبٌ بمعنی غم بھی آجاتا ہے۔
اَلْبَيْطَرَةُ حیوانات کا علاج کرنا، انکی چیر پھاڑ کرنا۔

(ب ط ش)

اَلْبَطْشُ کے معنی کوئی چیز زبردستی لے لینا
کے ہیں۔ قرآن میں ہے:
وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (۲۶-۱۳۰)
اور جب کسی کو پکڑتے تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔
يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى[2] (۴۴-۱۶)
جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے۔
وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا (۵۴-۳۶) اور لوط
نے ان کو ہماری گرفت سے ڈرایا۔
اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (۸۵-۱۲) بیشک
تمہارے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے۔
يَدٌ بَاطِشَةٌ سخت گیر ہاتھ۔

(ب ط ل)

اَلْبَاطِلُ یہ حق کا بالمقابل ہے اور تحقیق کے
بعد جس چیز میں ثبات اور پائیداری نظر نہ آئے
اسے باطل کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (۳۱-۳۰) یہ اس لئے کہ خدا کی
ذات برحق ہے اور جن کو یہ لوگ خدا کے سوا پکارتے
ہیں وہ لغو ہیں۔
اور باطل کا لفظ قول و فعل دونوں پر بولا جاتا ہے۔

---

[1] قال علماء اللغۃ والتفسیر البضع ما بین الثلاث الی التسع راجع اللسان (بضع) ورواہ الطبرانی وابن مردویہ عن دینار بن مکرم والترمذی عن ابن عباس مرفوعًا۔ [2] ارید بالبطشۃ الکبری یوم بدر او عذاب یوم القیمۃ (الطبری ۲۵/۱۱۶-۱۱۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسا نچہ فرمایا:۔ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (۳-۷۱) تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو۔

بَطَلَ (ن) بُطُوْلًا وَبُطْلًا وَبُطْلَانًا کسی چیز کا یونہی ضائع چلا جانا۔

اَبْطَلَهٗ ضائع کر دینا۔ قرآن میں ہے:۔ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۷-۱۱۸) اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے باطل ہو گیا۔

اور ہر وہ آدمی جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کیلئے کوئی مفید کام نہ کرے اسے بَطَّال وذو بِطَالَۃٍ کہا جاتا ہے۔

بَطَلَ (ک) دَمُهٗ خون کا رائیگاں جانا۔

بَطَلٌ بہادر جو موت سے نہ ڈرے ایسے آدمی کے خون کو رائیگاں سمجھ کر یہ لفظ اس پر بولا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۵۷) فَقُلْتُ لَهَا لَا تَنْکِحِیْهِ فَاِنَّهٗ
لِاَوَّلِ بَطَلٍ اَنْ تُلَاقِیْ مُجْمَعًا

(میں نے اس سے کہا کہ اس سے نکاح مت کیجئے کیونکہ وہ لڑائی میں بہادر کے ہاتھ سے مارا جائیگا) تو اس معنی کے لحاظ سے بَطَلٌ بروزن فَعَلٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے یعنی وہ جس کا خون رائیگان جانے والا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فَعَلٌ بمعنی فاعل ہو کیوں کہ وہ اپنے دشمن کے خون کو رائیگاں کر دیتا ہے۔

بَطَلَ (ن) اَلرَّجُلُ بُطُوْلَۃً بہادر ہونا بَطَّال یعنی یہ بیکار یہ بَطَالَۃٌ (بیکاری) کی طرف منسوب ہے۔ محاورہ ہے:۔ ذَهَبَ دَمُهٗ بُطْلًا اس کا خون رائیگاں گیا۔

اَلْاِبْطَالُ کے معنی کسی چیز کو خراب اور نابود کرنے کے ہیں خواہ وہ چیز حق ہی کیوں نہ ہو قرآن میں ہے:۔ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ (۸-۸) تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے۔

کبھی اِبْطَالٌ کا لفظ بے حقیقت بات کہنے پر بھی بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَۃٍ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ۔ (۳۰-۵۸) اور اگر تم ان کے سامنے کوئی نشانی پیش کرو تو کافر کہہ دیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔

اور آیت کریمہ:۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ (۴۰-۷۸) اور اہل باطل نقصان میں پڑ گئے۔

میں مُبْطِلُوْن سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو نابود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ب ط ن)

اَلْبَطْنُ اصل میں بَطْنٌ کے معنی پیٹ کے ہیں اس کی جمع بُطُوْنٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ (۵۳-۳۲) اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔

بَطَنْتُهٗ میں نے اس کے پیٹ پر مارا۔

---

[1] قالہ تابط شرا و ہو یخاطب امرأۃ عنہا خطب امرأۃ فنہاہا الناس بانہ سیقتل فتبقین ایما والبیت فی الحماسۃ ۱۹۱ مع شرحہ للمرزوقی ۱ بیتا و قد احسن الشارح فی اعراب البیت وفی روایۃ: قالوا بدل فقلت ونصل بدل بطل والبیت فی البحر ۵: ۳۲۵ ⁂ ⁂ ⁂

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْبَطْنُ ہر چیز میں یہ ظَھْرٌ کی ضد ہے اور ہر چیز کی نیچے کی جہت کو بطن اور اوپر کی جہت کو ظَھْرٌ کہا جاتا ہے اسی سے بطور تشبیہ کہا جاتا ہے :۔ بَطْنُ الْاَمْرِ (کسی معاملہ کا اندرون) بَطْنُ الْوَادِیْ (وادی کا نشیبی حصہ) اور بطن بمعنی قبیلہ بھی آتا ہے اس اعتبار سے کہ تمام عرب کو بمنزلہ ایک شخص کے فرض کیا جائے ہیں اور ہر قبیلہ بمنزلہ بطن فخذ اور کاہل (کندھا) وغیرہ اعضاء کے تصور کیا جائے۔ اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے [1] (مدید)

(۵۷) اَلنَّاسُ جِسْمٌ وَاِمَامُ الْھُدٰی
رَاْسٌ وَاَنْتَ الْعَیْنُ فِی الرَّاْسِ

(کہ لوگ بمنزلہ جسم ہیں اور امام ہدی بمنزلہ سر ہے مگر تم سر میں آنکھ ہو۔

اور ہر پیچیدہ معاملہ کو بطن اور جلی اور ظاہر کو ظہر کہا جاتا ہے۔ اسی سے بُطْنَانُ الْقِدْرِ وَظُھْرَانُھَا [2] کا محاورہ ہے۔ یعنی دیگ کی اندرونی اور بیرونی جانب۔

ہر اس چیز کو جس کا حاسہ بصر سے ادراک ہو سکے اسے ظاہر اور جس کا حاسہ بصر سے ادراک نہ ہو سکے اسے باطن کہا جاتا ہے قرآن میں ہے :۔ وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (۶-۱۲۰) اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو۔

مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ (۷-۳۲) ظاہری ہوں یا پوشیدہ۔

اَلْبَطِیْنُ کلاں شکم۔ اَلْبَطِنُ بسیار خور۔ اَلْمِبْطَانُ جس کا بسیار خوری سے پیٹ بڑھ گیا ہو۔ اَلْبِطْنَةُ بسیار خوری مثل مشہور ہے [3] اَلْبِطْنَةُ تُذْھِبُ الْفِطْنَةَ [4] بسیار خوری ذہانت ختم کر دیتی ہے۔

بَطِنَ الرَّجُلُ بَطَنًا شکم پری اور بسیار خوری سے اترانا۔

بَطُنَ (ک) الرَّجُلُ بڑے پیٹ والا ہونا۔

مُبَطَّنٌ پچکے ہوئے پیٹ والا۔

بُطِنَ الرَّجُلُ مرض شکم میں مبتلا ہونا اس سے صیغہ صفت مفعولی مَبْطُوْنٌ مریض شکم آتا ہے۔ اَلْبِطَانَةُ کے معنی کپڑے کا استر یا اس کے اندرونی حصہ کے ہیں اور اس کی ضد ظِھَارَةٌ ہے [5] جس کے معنی کپڑے کا اوپر کا حصہ یا ابرہ کے ہیں اور بَطَّنْتُ ثَوْبِیْ بِاٰخَرَ کے معنی ہیں میں نے ایک کپڑے کو دوسرے کے نیچے لگایا۔

بَطَنَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ کسی شخص کے اندرونی معاملات سے واقف ہونا اور بطور استعارہ اَلْبِطَانَةُ کا لفظ ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو دوسرے کا راز دان ہو چنانچہ قرآن میں ہے :۔ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (۳-۱۱۸)

---

[1] قال علی بن جبلۃ العکوک یمدح حمید بن عبد الحمید الطوسی والبیت فی الکامل ۵۸۷ والعمدۃ (۱: ۲۶۴) وفیہ صنعۃ التولید و شرح الدرۃ للخفاجی ۷۵ والورقۃ لابن الجراح ۱۰۶ وذیل الامالی ۶۹ آخر والطبقات لابن المعتز ۳۴۳ وفی خاص الخاص للثعالبی قبلہ ۔ دجلۃ تسقی یطیع من تسقی من الناس ولسبہ المؤلف فی محاضراتہ الی المنصور النمری خلافا لجمیع المراجع الاخری وراجع لترجمۃ العکوک الضریر الاغانی وطبقات لابن المعتز ۱۷۱-۱۸۵ والشعر والشعراء لابن قتیبہ ومسالک الابصار وابن خلکان والفہرست وان شعرہ مائۃ وخمسین ورقۃ ۱۲

[2] وفی الامثال للثعالبی تأنق بدل تذھب یضرب لمن غیر استغناء عقلہ وافسرہ راجع رقم ۴۲۵ [3] بطانۃ والجمیع بطائن ومنہ قولہ تعالٰی : بطائنھا من استبرق (۵۵-۵۴) قال الحسن اراد ظواہرہا ولذا عدہ العلماء من الاضداد وراجع اضداد لابی الطیب ۷۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی غیر مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدان نہ بنانا اور بطانۃ الثوب سے استعارہ ہے کیونکہ اسی معنی میں لَبِسْتُ فُلَانًا وَ فُلَانٌ شِعَارِیْ وَ دِثَارِیْ بھی کہا جاتا ہے ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

(۳۳) مَا بَعَثَ اللّٰہُ مِنْ نَّبِیٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِیْفَۃٍ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَۃٌ تَامُرُہٗ بِالْخَیْرِ وَ تَحُضُّہٗ علیہ وبِطَانَۃٌ تَامُرُہٗ بِالشَّرِّ وَ تَحُثُّہٗ عَلَیْہِ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا اور نہ کسی کو خلیفہ بنایا ہے مگر ہمیشہ اس کے دو رازدان رہے ہیں ایک رازدار اسے خیر کا مشورہ اور اس کی ترغیب دیتا رہا ہے اور دوسرا اسے شر کا مشورہ اور اسی پر اکساتا رہا ہے۔

اَلْبِطَانُ تنگ جس سے جانور کا پالان کسا جاتا ہے والجمع اَبْطِنَۃٌ وَبُطُنٌ۔ اَلْاَبْطِنَانِ پیٹ کی دو رگیں۔ اَلْبُطَیْنُ۔ ستارہ جو برج حمل کے لئے بمنزلہ شکم کے ہے (وآں سہ ستارہ خرد است کہ بر صورت دیگ پایہا واقع شدہ)

اَلتَّبَطُّنُ (تفعل) کسی معاملہ کی تہ تک پہنچنا۔

اَلظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ (۵۷-۳) صفات الٰہی سے ہیں۔ اور اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ کی طرح مزدوج یعنی ایک دوسرے کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ اَلظَّاھِرُ کے متعلق بعض کا قول ہے کہ یہ اس معرفت کی طرف اشارہ ہے جو ہمیں بالبداہت حاصل ہوتی ہے کیونکہ انسان جس چیز کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھے اس کی فطرت کا یہی فیصلہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے جیسے فرمایا:۔ وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ اور وہی (ایک) آسمانوں میں معبود ہے اور وہی زمین میں معبود ہے (۴۳-۸۴) اسی لئے بعض حکماء کا قول ہے کہ معرفت الٰہی کے طالب کی مثال اس شخص کی ہے جو اطراف عالم میں ایسی چیز کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا ہو۔ جو خود اس کے پاس موجود ہو۔ اور اَلْبَاطِنُ سے اس حقیقی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہے۔

(۳۴) یَا مَنْ غَایَۃُ مَعْرِفَتِہٖ اَلْقُصُوْرُ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ اے وہ ذات جس کی معرفت کی انتہا اس کی معرفت سے درماندگی ہے۔)

بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات (دلائل قدرت) کے لحاظ سے ظاہر ہے اور باعتبار ذات کے باطن ہے۔ اور بعض نے کہا کہ الظاہر سے اس کا تمام اشیاء پر محیط ہونا مراد ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ ہمارے احاطہ ادراک میں نہیں آسکتا اَلْبَاطِنُ ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (۶-۱۰۳) (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے۔

حضرت علیؓ سے ایک مقولہ مروی ہے جس سے ان دونوں لفظوں کی تفسیر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں[2] (۳۵) تَجَلّٰی لِعِبَادِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ رَاَوْہُ وَ اَرَاھُمْ نَفْسَہٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ تَجَلّٰی لَھُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر تجلی فرمائی بدوں اس کے کہ بندے اس کو دیکھ سکیں اور اپنی ذات کو دکھایا بدوں اسکے کہ ان کے سامنے جلوہ افروز ہو۔ مگر اس قول کو سمجھنے

---

[1] الحدیث فی (حم، خ، ن۔ عن ابی سعید وبمعناہ زحد، ت۔ عن ابی ہریرۃ، ف۔ عن ابی ایوب دابی ہریرۃ) راجع کنز العمال ج ۶ رقم ۳۵۱-۳۵۰، ۲۵۳ وبمعناہ رواہ ابن حبان رقم ۲۱۰۲ د فی الکنز تحضہ بدل تحثہ، [2] ہذا و ذکر العلامۃ الماوردی فی تفسیر الآیۃ تسعۃ اقوال فتذکر ۱۲

کے لئے فہم روشن اور عقل وافر کی ضرورت ہے۔
اور آیت کریمہ: وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (۳۱-۲۰) اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ ظَاهِرَةً سے نبوت اور بَاطِنَةً سے عقل مراد ہے اور بعض نے ظَاهِرَةً سے محسوس نعمتیں مراد لی ہیں اور بَاطِنَةً سے معقولات یعنی وہ نعمتیں مراد لی ہیں جن کا حس سے ادراک نہیں ہو سکتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ظَاهِرَةً سے وہ غلبہ مراد ہے جو دشمنوں پر انسانوں کے ذریعہ حاصل ہوا۔ اور باطنہ سے وہ غلبہ مراد ہے جو فرشتوں کے ذریعہ حاصل ہوا۔ لیکن آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ان تمام اقوال کو شامل ہے۔

(ب ط ء)

اَلْبُطْءُ (ک) کے معنی چلنے میں دیر لگانے اور سستی کرنے کے ہیں اور یہ باب کرم و تفاعل و استفعال و انفعال سے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بَطُؤَ (ک) کے معنی اس وقت بولتے ہیں جب دیر لگانے کا عادی ہو جائے اور تَبَاطَاءَ کے معنی ہیں بتکلف دیر کرنا اور استفعال میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں۔
اِبْطَاءٌ (افعال) سست رفتاری کے ساتھ متصف ہونا۔ نیز بَطَّأَهٗ وَاَبْطَأَهٗ (متعدی) مؤخر کرنا اور آیت کریمہ: وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ (۴-۷۲) اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو (عمداً) دیر لگاتے ہیں۔
میں لَيُبَطِّئَنَّ کے معنی دوسروں سے دیر لگوانا کے ہیں اور بعض نے اس کے معنی بہت زیادہ سستی کرنا بھی لکھے ہیں حاصل یہ ہے کہ بعض تم میں سے خود بھی دیر لگاتے ہیں اور دوسروں سے بھی دیر لگواتے ہیں۔

(ب ظ ر)

ایک قرأت میں ہے:
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُظُوْرِ اُمَّهٰتِكُمْ (۱۶-۷۸)
اور خدا ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کی شرمگاہوں سے باہر نکالا۔
بُظُوْر (بَظَارَة) کی جمع ہے جس کے معنی بکری کے تھنوں کے لٹکے ہوئے گوشت کے ہیں اور عورت کی شرمگاہ کے اوپر ابھرے ہوئے گوشت کو بظارۃ کہا جاتا ہے۔ پھر مجازاً اَلْبُضْعُ کی طرح شرمگاہ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

(ب ع ث)

اَلْبَعْثُ (ف)، اصل میں بعث کے معنی کسی چیز کو ابھارنے اور کسی طرف بھیجنا کے ہیں اور اِنْبَعَثَ دراصل مطاوع ہے بَعَثَ کا مگر متعلقات کے لحاظ سے اس کے معنی مختلف ہوتے رہتے ہیں مثلاً بَعَثْتُ الْبَعِيْرَ کے معنی اونٹ کو اٹھانے اور آزاد چھوڑ دینا کے ہیں اور مردوں کے متعلق استعمال ہو تو قبروں سے زندہ کر کے محشر کی طرف چلانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:
وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (۶-۳۶) اور مردوں کو تو خدا (قیامت ہی کو) اٹھائے گا۔
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا (۵۸-۶) جس دن خدا ان سب کو جلا اٹھائے گا۔
زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ۔ (۶۴-۷) جو لوگ کافر ہوئے ان کا اعتقاد ہے کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہدو کہ ہاں ہاں میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ (۳۱-۲۸) تمہارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔

پس بَعْثٌ دو قسم پر ہے بعث بشری یعنی جس کا فاعل انسان ہوتا ہے جیسے بَعَثْتُ الْبَعِيْرَ (یعنی اونٹ کو اٹھا کر چلانا) اور بَعَثْتُ الْإِنْسَانَ فِي حَاجَةٍ کسی کو کسی کام کے لئے بھیجنا)

دوم بعث الٰہی یعنی جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ اعیان، اجناس اور انواع کو عدم سے وجود میں لانا۔ یہ قسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر کبھی کسی دوسرے کو قدرت نہیں بخشی۔ دوم مردوں کو زندہ کرنا۔ اس صفت کے ساتھ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو بھی سرفراز فرما دیتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہم مثل دوسرے انبیاء کے متعلق مذکور ہے اور آیت کریمہ:۔

فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ (۳۰-۵۶) اور یہ قیامت ہی کا دن ہے۔ بھی اسی قبیل سے ہے یعنی یہ حشر کا دن ہے اور آیت کریمہ:۔

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ (۵-۳۱) اب خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدنے لگا۔

میں بَعَثَ بمعنی قَيَّضَ ہے۔ یعنی مقرر کر دیا اور رسولوں کے متعلق کہا جائے۔ تو اس کے معنی مبعوث کرنے اور بھیجنے کے ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا (۱۶-۳۶) اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا (۲۳-۴۴) فرمایا ہے اور آیت:۔

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا (۱۸-۱۲) پھر ان کو جگا اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔ میں بَعَثْنَا کے معنی صرف (نیند سے) اٹھانے کے ہیں اور اس میں بھیجنے کا مفہوم شامل نہیں ہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا (۱۶-۸۹) اور اس دن کو یاد کرو جس دن ہم ہر امت میں سے خود ان پر گواہ کھڑا کریں گے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ الآية (۶-۶۵) کہدو کہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے ۔۔۔ عذاب بھیجے۔ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ (۲-۲۵۹) تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا) پھر اس کو جلا اٹھایا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ (۶-۶۰) اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے۔ میں نیند کے متعلق توفی اور دن کو اٹھنے کے متعلق بعث کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ (۹-۴۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن خدا نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند نہ کیا۔ میں انبعاث کے معنی جانے کے ہیں۔

(ب ع ث ر)

آیت کریمہ:۔ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۸۲-۴) میں بُعْثِرَتْ کے معنی قبروں کی مٹی کو الٹ پلٹ کرنے اور مُردوں کو اٹھانے کے ہیں۔ جن علماء کے نزدیک رباعی اور خماسی دو ثلاثی مادوں سے مل کر بنتے ہیں ان کے خیال میں "بُعْثِرَ" بُعِثَ اور اُثِیْرَ سے مل کر بنا ہے جیسا کہ بَھَلَّلَ و بَسْمَلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور بِسْمِ اللّٰهِ سے بنے ہیں۔ اور اس میں کچھ بُعد نہیں ہے کیونکہ اَلْبَعْثَرَۃُ میں ان دونوں فعلوں کے معنی موجود ہیں۔

(ب ع د)

اَلْبُعْدُ کے معنی دوری کے ہیں یہ قُرْب کی ضد ہے اور ان کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ ایک ہی جگہ کے اعتبار سے ایک کو قریب اور دوسری کو بعید کہا جاتا ہے۔

محسوسات میں تو ان کا استعمال بکثرت ہوتا رہتا ہے مگر کبھی کبھی معانی کے لئے بھی آجاتے ہیں جیسے فرمایا:۔ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا (۴-۳۶) وہ راہ ہدایت سے بھٹک کر دور جا پڑے۔

اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ (۴۱-۴۴) (ان کو گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔

بَعُدَ (ک) فَهُوَ بَعِیْدٌ۔ دور ہونا جیسے فرمایا:۔ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ (۱۱-۸۳) اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

لیکن بَعِدَ (س) کے معنی مرنا کے ہیں۔ اور عموماً اَلْبَعَدُ ہلاک ہونا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (۱۱-۹۵) جیسے ثمود تباہ ہو گئے۔ اور اَلْبُعْدُ وَالْبَعَدُ کبھی قرب کے مقابلہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

جیسا کہ نابغہ نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۵۸) "فِی الْاَدْنٰی وَ فِی الْبَعَدِ"

یعنی ہر قریب و بعید پر اس کے احسانات موجود ہیں اور کبھی یہ دونوں (اَلْبُعْدُ وَ اَلْبُعْدُ) ہلاکت کے معنی میں بھی آجاتے ہیں۔ چنانچہ انہی معنی میں فرمایا:۔ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۲۳-۴۱) پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (۲۳-۴۴) پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت۔

اور آیت کریمہ:۔ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ۔ (۳۴-۸) بات یہ ہے جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ آفت اور پرلے درجے کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔ میں اَلضَّلَالُ الْبَعِیْدُ سے ویسی گمراہی مراد ہے جس کے بعد ہدایت کی طرف لوٹنا نہایت مشکل ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص شاہراہ سے بہت دور چلا جائے جس کے بعد دوبارہ اس کے شاہراہ کی طرف لوٹ کر آنے کی امید نہ ہو اور آیت کریمہ:۔

---

[1] قاله النابغة يمدح النعمان وتكملته: فتلك تبلغني النعمان ان له فضلاً على الناس ... والبيت في العقد الثمين ۶ وشرح العشر للتبريزي ۲۹۵ والخزانة ۱: ۲۲۵ طبعة بولاق) والسيوطي ۲۷۸ وديوانه ۲۵ واللسان والتاج (بعد) في رواية الصحاح والحكم (بعد) في الاذمين والبعد والبعد شد لعبيد بن الابرص وتكملته: اولا توك بجيع لاكفار له ۔ قوم هم القوم راجع ديوان ابن الابرص مع شرح جالس (طبعة لندن ۱۹۱۳ء)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (۱۱-۸۹) اور لوط کی قوم (تو) تم سے کچھ دور نہیں ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ تم بھی گمراہی میں ان جیسے ہو، اس لئے کچھ بعید نہیں کہ ان کی طرح تم پر بھی عذاب آجائے۔ بَعْدُ یہ قَبْلُ کی ضد ہے لہٰذا قبل کی بحث میں اس کی جمیع انواع بیان کی جائیں گی ان شاء اللہ تعالےٰ۔

(ب ع ر)

اَلْبَعِيْرُ۔ اونٹ (جنس) لفظ انسان کی طرح مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے اس کی جمع اَبْعِرَةٌ وَاَبَاعِرُ وبُعْرَانٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:
وَلِمَنْ جَاءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ (۱۲-۷۲) اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لئے بار شتر (انعام)
اَلْبَعْرُ۔ اونٹ کی مینگنی۔
اَلْمِبْعَرُ (جائے بعر) اَلْمِبْعَارُ:۔ بہت زیادہ مینگنی کرنے والا اونٹ۔

(ب ع ض)

بَعْضُ الشَّيْءِ ہر چیز کے کچھ حصہ کو کہتے ہیں اور یہ کل کے اعتبار سے بولا جاتا ہے اسلئے کل کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جیسے: بَعْضُهٗ وَكُلُّهٗ اس کی جمع اَبْعَاضٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲-۳۶) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا (۶-۱۲۹) اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔
وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (۲۹-۲۵) اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے
اور بَعَّضْتُ الشَّيْءَ کے معنی کسی چیز کو حصوں میں تقسیم کردینا ہیں جیسے جَزَّأْتُهٗ اور آیت کریمہ:۔
وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ۔ (۴۳-۶۳) نیز اس لئے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو تم کو سمجھا دوں۔
میں ابوعبیدہ نے کہا ہے[1] کہ یہاں بعض بمعنی کل ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] ع (کامل)

---

[1] راجع مجاز ۲ج اص ۹ فانہ قال: والبعض یکون شیئاً من الشیئ ویکون کل الشیئ قال لبید... لکن تحت آیۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (۳-۵۰) ثم قال تحت الآیۃ (۴۳-۶۳) البحیرۃ: البعض ہہنا الکل قال لبید.. لان الموت لایختلق بعض النفوس دون بعض اھ وابوعبیدۃ معمر بن المثنی۔۱۱۰ وتاریخ وفاتہ (۲۰۹/۲۱۳) مختلف فیہ الاغلب ۲۱۰-۲۱۳ کان من معاصری تلامذۃ الخلیل ولیتیماً تربہ تاثر امباشراً کان ابواہ من یہود فارس وکان مولی لیتم قریش واخذ فی شبیبۃ عن ابی عمرو بن العلاء ویونس بن حبیب، اتصل بالخوارج (مقالات الاسلامیین للاشعری ۱-۲۰۱ والبیان للجاحظ ۱/۳۲۲) کان ضعیفاً فی علم النحو (مقدمۃ تہذیب الازہری) صنف کتاباً فی مثالب العرب نقماً منہم لاعیب علیہ نسبۃ العجم فکرہہ الناس حتی لم یحضر جنازتہ احد من البصریین (راجع ضحی الاسلام لاحمد امین ۲/۳۰۴ مع المراجع ویکن اوبجازۃ فی تفسیر القرآن مشہور وعلیہ تعلیقات للاصمعی (الارشاد لیاقوت ۷/۱۶۷-۱۶۸) [2] قال لبید بن ربیعہ وصدرہ "تراک امکنۃ اذا لم ارضہا.. وفی روایۃ "او یعتلق" بدل اویرتبط والبیت فی معلقتہ فی شرح العشرہ ۱۵۵ والقرطبی (۴/۹۲) وشواہد الکشاف ۲۹۰ والمحکم واللسان (بعض) ومجالس ثعلب ۵۰، ۲۶۸ والبحر (۲:۴۶۸/۱۷:۱۶۱) وذیل الجامع الکبیر ۲۷ والزوزنی ۹ والشطر الثانی فی الصاحبی ۲۵۱

www.KitaboSunnat.com

(۵۹) اَوْ يَرْتَبِطْ بَعْضَ النُّفُوْسِ حِمَامُهَا

(یا نفوس کو ان کی موت پالے)

لیکن یہ ابو عبیدہ کی کوتاہ بینی ہے[1]۔ کیونکہ مسائل شریعت کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا بیان کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے ایسی چیز کا بیان کرنا صاحب شریعت کے لئے جائز نہیں ہوتا۔ جیسے قیامت یا موت کا وقت کہ اس کے بتا دینے میں مفسدہ لازم آتا ہے۔

(۲) اور بعض چیزیں محض عقلی ہوتی ہیں جن کا ادراک نبی کے علاوہ دوسرے لوگ بھی کر سکتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت جو کہ آسمان و زمین کی خلق میں پائی جاتی ہے تو ایسی چیزوں کا بیان کرنا صاحب شریعت پر فرض نہیں ہوتا اسی لئے قرآن نے ان چیزوں کی معرفت عقول کے سپرد کی ہے جیسا کہ آیت:۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۰-۱۰۱) (ان کفار سے) کہو کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے۔ اور آیت اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا (۳۰-۸) کیا انہوں نے غور نہیں کیا۔

(۳) بعض چیزوں کا بیان کرنا صاحب شریعت پر واجب ہوتا ہے۔

(۴) بعض احکام فروعی ہوتے ہیں جو اصول شریعت سے مستنبط ہو سکتے ہیں پس جب کسی ایسے حکم میں اختلاف ہو جائے جس کا بیان کرنا نبی پر واجب نہیں۔ تو صاحب شریعت کو اختیار ہے کہ حسب موقع اسے بیان فرما دے یا سکوت اختیار کرے

زیر بحث آیت میں اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ بعض سے کل مختلف فیہا اشیاء مراد نہیں ہیں۔

پھر جس شعر سے استدلال کیا گیا ہے اس میں بھی شاعر نے اپنی ذات مراد لی ہے[2] یعنی مگر یہ کہ مجھے موت پالے۔ لیکن شاعر نے تصریح کی بجائے تعریض سے کام لیا ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ موت سے دور بھاگتا ہے۔

خلیل نے کہا کہ رَأَيْتُ غِرْبَانًا تَتَبَعَّضُ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو پکڑ رہے ہیں اَلْبَعُوْضُ (مچھر) یہ بھی لفظ بعض سے بنا ہے۔ مچھر چونکہ دوسرے حیوانات کی بہ نسبت صغیر الجسم ہوتا ہے اس لئے اسے بَعُوْضٌ کہا جاتا ہے۔

(ب ع ل)

اَلْبَعْلُ۔ کے معنی شوہر کے ہیں قرآن میں ہے:۔ وَهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں (۱۱-۷۲)

اس کی جمع بُعُوْلَةٌ آتی ہے جیسے فَحْلٌ وَ فُحُوْلَةٌ فرمایا:۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (۲-۲۲۸) اور ان کے خاوند... ان کو زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اور اس تصور کے پیش نظر کہ مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے۔ اسے عورت کا منتظم مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت:۔

---

[1] وعلیہ ایضاً الطبری (۲۵/۵۰) والمبرد والنحاس فی معانیہ (۲۱۴آ) وابن سیدہ فی المحکم (بعض) والطبری اکثر ما یرد علی ابی عبیدۃ تفسیرہ ولنا مقالۃ (ابو عبیدۃ والطبری فی تفسیر الغریب والامام البخاری) وقد اشبعنا الکلام فی الرد علی من یلزم البخاری انہ قلد ابا عبیدۃ فی تفسیر الغریب [2] راجع المبرد والقرطبی (۴-۹۲) شایع ابا عبیدۃ وجوزان یکون بعض بمعنی کل ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (۴-۳۴) میں مذکور ہے بنا بریں ہر وہ چیز جو دوسری اشیا پر فوقیت رکھتی ہو اسے بَعْلٌ کہنے لگے ہیں چنانچہ اہل عرب اپنے بت کو جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے بَعْلٌ کہہ کر پکارتے تھے۔ کیونکہ وہ اسے بلند اور برتر سمجھتے تھے جیسے فرمایا:۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ کیا تم بعل کو پکارتے (اور پوجتے) ہو اور سب سے بہتر کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو (۳۷-۱۲۵) محاورہ ہے:۔ اَتَانَا بَعْلُ هٰذِهِ الدَّابَّةِ اس دابہ کا مالک ہمارے پاس آیا۔

اَلْبَعْلُ (ایضًا) (۱) بلند زمین (۲) فحل نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا سردار[1] (۳) ہر وہ بڑا درخت جو اپنی جڑوں کے ذریعہ از خود زمین سے پانی جذب کر لیتا ہو اور اسے آبیاری کی ضرورت نہ ہو۔ حدیث میں ہے[2] (۳۶) فِيْمَا سُقِيَ بَعْلًا الْعُشْرُ یعنی بعل میں عشر (واجب) ہے اور جب عالی کی اپنے مستولی علیہ ماتحت پر گرفت بھاری اور گراں ہو تو کہا جاتا ہے: اَصْبَحَ فُلَانٌ بَعْلًا عَلٰى اَهْلِهٖ یعنی فلاں اپنے علو کی وجہ اپنے اہل پر ثقیل ہے[3]۔

اور لفظ اَلْبَعْلُ سے مُبَاعَلَةٌ وَبِعَالٌ (مصدر مفاعلہ) بنایا گیا ہے جس کے معنی (کنایۃً) مجامعت کے ہوتے ہیں[4] محاورہ ہے بَعَلَ الرَّجُلُ (ن) بُعُوْلَةً وَاسْتَبْعَلَ فَهُوَ بَعْلٌ وَمُسْتَبْعِلٌ شوہر ہونا۔

اِسْتَبْعَلَ النَّخْلُ کھجور کا تناور ہو جانا۔ اور بَعَلَ کھجور سے ایک جگہ پر قیام اور ثبات کے معنی کا تصور کر کے ہر اس آدمی کو جو اپنے معاملہ میں حیرت کی بنا پر ایک جگہ پر کھڑا رہے اس کے متعلق بَعِلَ فُلَانٌ بِاَمْرِهٖ کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ اپنے معاملہ میں حیران ہے، جیسا کہ اس شخص کے متعلق جو اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہے مَا هُوَ اِلَّا شَجَرٌ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

(ب غ ت)

اَلْبَغْتُ (ف) کے معنی کسی چیز کا یکبارگی ایسی جگہ سے ظاہر ہو جانا کے ہیں۔ جہاں سے اس کے ظہور کا گمان تک بھی نہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (۷-۱۸۷) اور ناگہاں تم پر آ جائے گی۔ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً (۲۱-۱۰۷) یا ان پر ناگہاں قیامت آ جائے۔

بَغَتَ كَذَا فَهُوَ بَاغِتٌ کسی چیز کا ناگہاں آ پہنچنا شاعر نے کہا ہے[5] ع

(۶۰) اِذَا بَغَتَتْ اَشْيَاءُ قَدْ كَانَ مِثْلُهَا
قَدِيْمًا فَلَا تَعْتَدَّهَا بَغَتَاتٍ

(ب غ ض)

اَلْبُغْضُ کے معنی کسی مکروہ چیز سے دل کا متنفر اور بیزار ہونا کے ہیں۔ یہ حُبٌّ کی ضد ہے۔

---

[1] وفی اللسان فحل النخل وکذا فی اضداد ابی الطیب ۷۸-۷۳ [2] نصب بعلًا علی الحال کذا فی الفائق ۱/۵۵ والحدیث رواہ ابن جریر عن معاذ ولفظہ: او سقی بعلًا العشر (کنز العمال ۷: ۲۳۶۸) وفی روایۃ النسائی وابی داؤد وابن ماجۃ من حدیث ابن عمرؓ او کان بعلًا العشر وفی بعض الروایات عثریًا بدل بعلًا راجع غریب ابی عبید ۱/۶۶ [3] کذا فی الفائق ۱/۵۵ [4] ومنہ الحدیث ایام التشریق ایام اکل وشرب وبعال ای ملاعبۃ الرجل اہلہ سیأتی تخریجہ (عود) [5] قالہ ابن الرومی یحث علی تصور المصائب والاستعداد لہا والبیت فی محاضرات المؤلف فی خمسۃ ابیات وقبلہ: ولا تحزنن فی البلوی و قدر سات عظات من الایام بعد عظات راجع دیوان ابن الرومی وفی المطبوع (وفی جمیع الطبعات) بعث بالعین المہملۃ والثاء المثلثۃ مصحف ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے معنی کسی پسندیدہ چیز کی طرف دل کا منجذب ہونا کے ہیں۔ کہا جاتا ہے
بَغِضَ (س)، الشَّیْئُ بُغْضًا وَ بَغَضْتُہٗ (ن)، بُغْضَاءً
قرآن میں ہے:۔
وَاَلْقَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ (۵-۶۴)
اور ہم نے ان کے باہم عداوت اور بغض قیامت تک کے لئے ڈال دیا ہے۔
اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ (۵-۹۱) شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے۔ اور حدیث میں ہے[1] (۳۷) اِنَّ اللّٰہَ یَبْغَضُ الْفَاحِشَ وَالْمُتَفَحِّشَ
بیشک اللہ تعالیٰ بدکلام گالی دیتے والے سے نفرت کرتا ہے۔ یہاں بغض کا لفظ بول کر اس امر پر تنبیہ کی ہے۔ کہ باری تعالیٰ اس سے اپنا فیضان اور توفیق احسان روک لیتا ہے[2]۔

(ب غ ل)

اَلْبَغْلُ: خچر، وہ جانور جو گدھے اور گھوڑی کے باہم ملاپ سے پیدا ہوتا ہے (والجمع بغالۃ)
قرآن میں ہے:۔
وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ (۱۶-۸) اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے۔
تَبَغَّلَ الْبَعِیْرُ اونٹ کا خچر کی طرح تیز چلنا۔ کبھی خچر کی شرارت اور خباثت کے پیش نظر کمینے شخص کو بھی بَغْلٌ کہہ دیا جاتا ہے۔

(ب غ ی)

اَلْبَغْیُ کے معنی کسی چیز کی طلب میں درمیانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا کے ہیں۔ خواہ تجاوز کر سکے یا نہ۔ اور بَغْیٌ کا استعمال کمیت اور کیفیت یعنی قدر و وصف دونوں کے متعلق ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔
بَغَیْتُ الشَّیْئَ وَابْتَغَیْتُہٗ کسی چیز کے حاصل کرنے میں جائز حد سے تجاوز کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَۃَ مِنْ قَبْلُ (۹-۴۸) یہ پہلے بھی طالب فساد رہے ہیں۔
یَبْغُوْنَکُمُ الْفِتْنَۃَ (۹-۴۷) تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے۔
بَغْیٌ دو قسم پر ہے۔ محمود[1] یعنی حد عدل و انصاف سے تجاوز کر کے مرتبہ احسان حاصل کرنا اور فرض سے تجاوز کر کے تطوع بجا لانا۔
۲۔ مذموم۔ یعنی حق سے تجاوز کر کے باطل یا شبہات میں واقع ہونا جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا[3] (۳۸)
اَلْحَقُّ بَیِّنٌ وَالْبَاطِلُ بَیِّنٌ وَبَیْنَ ذَالِکَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ وَمَنْ رَتَعَ حَوْلَ الْحِمٰی اَوْشَکَ اَنْ یَّقَعَ فِیْہِ حق بھی واضح ہے اور باطل بھی واضح ہے لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں اور جو جانور چراگاہ کے ارد گرد کھائیگا کچھ بعید نہیں کہ چراگاہ میں چرنے لگے اور چونکہ بغی محمود بھی ہوتی ہے اور مذموم بھی اس لئے آیت کریمہ:۔
اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (۴۲-۴۲)

---

[1] الحدیث فی ذم من الساعۃ) بدون الواو وفی روایۃ لایحب (حل عن جابر و عن عائشۃ) وفی (مسلم عن عائشۃ) لایحب الفحش والتفحش وفی ذم من اساعۃ ایضًا) کل فاحش متفحش (ای بدون اللام والواو والاحادیث فی ذم الفحش کثیرۃ راجع الکنز للمتقی ۳ رقم ۳۲۹-۳۳۰)۔ [2] سقط لفظ المنع من المطبوع [3] والمعروف فی الروایۃ الحلال بین والحرام بین راجع (ق ۲ م طس عن ابن عمر-ت ہ ک عن سلمان) الفتح الکبیر ۲/ ۸۲-۸۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الزام توان لوگوں پر ہے۔ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ میں عقوبۃ کو بغی بغیر الحق کے ساتھ مقید کیا ہے۔

اَبْغَيْتُكَ کسی شے کی طلب میں مدد کرنا۔ بَغَى الْجُرُحُ زخم کا بہت زیادہ بگڑ جانا۔ بَغَتِ الْمَرْأَةُ عورت نے زنا کا ارتکاب کیا اور زنا کو بَغْيٌ اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی حدود عفت سے تجاوز کے معنی پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا (۲۴-۳۳) اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو...... بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔

بَغَتِ السَّمَاءُ بادل کا ضرورت سے زیادہ برسنا اور بَغْيٌ کے معنی تکبر کرنا بھی آتے ہیں کیونکہ اس میں بھی اپنی حد سے تجاوز کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں اور یہ ہر امر کے متعلق استعمال ہوتا ہے دگو لغت میں بَغْيٌ کا لفظ محمود اور مذموم دونوں قسم کے تجاوز پر بولا جاتا ہے مگر قرآن میں اکثر جگہ معنی مذموم کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا:۔

يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۱۰-۲۳) تو ملک میں ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔

إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ (۱۰-۲۳) تمہاری شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ (۲۲-۶۰) پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو خدا اسکی مدد کریگا۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ (۲۸-۷۶) قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدی کرتا تھا۔

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي (۴۹-۹) اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔

اور آیت کریمہ:۔ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ (۲-۱۷۳) (بشرطیکہ خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے۔ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اتنا ہی لے جتنی اسے ضرورت ہے اور حد متعین سے آگے نہ بڑھے۔ امام حسنؒ[1] نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ نہ تو محض لذت کے لئے کھائے۔ اور نہ ہی سدرمق (یعنی ضرورت سے) تجاوز کرے۔

مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے[2] کہ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ کے یہ معنی ہیں بشرطیکہ وہ نہ تو امام وقت سے باغی ہو اور نہ ہی معصیت کا ارتکاب کرکے راہ حق سے تجاوز کرنے والا ہو۔

الْاِبْتِغَاءُ یہ خاص کر کوشش کے ساتھ کسی چیز کو طلب کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اگر اچھی چیز کی طلب ہو تو یہ کوشش بھی محمود ہوگی (ورنہ مذموم) چنانچہ فرمایا:۔

ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ (۱۷-۲۸) اپنے

---

[1] راجع القول الحسن (الطبری ۲: ۸۳) والحسن بن یسار البصری ابوسعید التابعی احد العلماء الفقہاء فی البصرۃ وعلیہ کتاب لاحسان عباس (الحسن البصری) دلقاء وتعلیؒ والباسہ الخرقۃ غیر محقق (ثمرۃ الشاء) فی الندا الامیر القنوجی واثبتہ صاحب "فخر الحسن" وفی الجمال ان الباس الخرقۃ بدعۃ حقیقۃ فی حواشی (اشراف الکرام فارسی بلگرامی) واحیہ راجع التراجم الحسن تہذیب ومیزان الاعتدال ۱ر۲۵۴ وامالی المرتضی ۱ر۱۰۶

[2] وقول مجاہد ذکرہ الشوکانی فی الفتح ۱ر۱۷۰ وفی اکل المضطر المیتۃ ومال الغیر اختلاف بین الفقہاء ولم یصف من انکر اکل مال الغیر مطلقاً راجع القرطبی وایضاً ابن کثیر وامام مجاہد ہو ابن جبیر المکی (۱۰۴-۲۱) تلمیذ ابن عباس فی التفسیر قال الذہبی شیخ القراء والمفسرین وہو وان کان من الثقات لکن لا یعتمد علی تفسیرہ لانہ ینقل عن اہل الکتاب (راجع طبقات الفقہاء ۵ والارشاد ۶: ۲۴۲ ومیزان الاعتدال ۳ر۹ والجمع بین رجال الصحیحین ۵۱۰ راجع الاعلام لزرکلی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں۔
اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (۹۲-۲۰) بلکہ اپنے
خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔
اور یَنْبَغِیْ (انفعال) بغی کا مطاوع آتا ہے اور یَنْبَغِیْ
اَنْ یَکُوْنَ کَذَا کا محاورہ دو طرح استعمال ہوتا ہے
(۱) اس شے کے متعلق جو کسی فعل کے لئے مسخر ہو جیسے
اَلنَّارُ یَنْبَغِیْ اَنْ تُحْرِقَ الثَّوْبَ یعنی کپڑے کو
جلا ڈالنا آگ کا خاصہ ہے (۲) یہ کہ وہ اس کا اہل ہے
یعنی اس کے لئے ایسا کرنا مناسب اور زیبا ہے جیسے۔
فُلَانٌ یَنْبَغِیْ اَنْ یُّعْطِیَ لِکَرَمِهٖ کہ فلاں کے لئے اپنے
کرم کی وجہ سے بخشش کرنا زیبا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ (۳۶-۶۹)
اور ہم نے ان (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھلائی اور
نہ وہ ان کو شایاں ہے۔
پہلے معنی پر محمول ہے۔ یعنی نہ تو آنحضرت فطرتاً شاعر
ہیں۔ اور نہ ہی سہولت کے ساتھ شعر کہہ سکتے ہیں
اور یہ معلوم کہ آپ کی زبان پر شعر جاری نہ ہوتا تھا۔
اور آیت کریمہ:۔ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ
لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (۳۸-۳۵) اور مجھ کو ایسی
بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔
(دوسرے معنی پر محمول ہے۔ یعنی میرے بعد وہ
سلطنت کسی کو میسر نہ ہو)

(ب ق ر)

اَلْبَقَرُ۔ (اسم جنس) کے معنی (بیل یا) گائے
کے ہیں اس کا واحد بَقَرَةٌ ہے۔ قرآن میں ہے۔
اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا (۲-۷۰) کیونکہ بہت
سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔
بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ (۲-۶۸) کہ وہ بیل
نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا۔ بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ
لَّوْنُهَا (۲-۶۹) کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہے۔
بَقَرَةٌ کی جمع بَاقِرٌ وبَقِیْرٌ (بروزن حکیم) آتی ہے
جیسے حَامِلٌ وَحَمِیْلٌ اور بعض کے نزدیک
اس کی جمع بَیْقُوْرٌ بھی آتی ہے اور بیل کو ثَوْرٌ کہا
جاتا ہے جیسے:۔ نَاقَةٌ وَجَمَلٌ وَرَجُلٌ وَاِمْرَاَةٌ
اور بیل چونکہ کھیتی باڑی کے کام آتا ہے اس لئے
زمین کو پھاڑنے اور جوتنے کے لئے بَقْرُ الْاَرْضِ
کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور بیل چونکہ وسیع طور
پر زمین کو پھاڑتا ہے اس لئے ہر وسیع شگاف
کے متعلق یہ لفظ استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ محاورہ
ہے۔ بَقَرْتُ بَطْنَهٗ میں نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔
محمد بن علی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باقر کا لقب دیا گیا ہے
کیونکہ ان کو دقائق ورموز علمیہ کے متعلق گہری تحقیق
حاصل تھی بَیْقَرَ الرَّجُلُ فِی الْمَالِ وَفِیْ غَیْرِهٖ
کسی کا بہت زیادہ مال دار ہونا بَیْقَرَ فِیْ سَفَرِهٖ
ملک در ملک پھرنا۔ شاعر نے کہا ہے[2] ع (طویل)

(۶۱) الاھل اتاھا والحوادث جمۃ
بان امرئ القیس یھلک بیقرا

کیا اسے یہ خبر ملی ہے کہ زمانہ کی بوقلمونیوں کی وجہ

---

[1] محمد بن علی زین العابدین الحسین ابوجعفر الباقر (۵۷ھ ۱۱۴) خامس الائمۃ الاثنی عشر عند الامامیۃ ولہ فی العلم وتفسیر القرآن آراء راجع کتاب اخبار ابی جعفر الباقر للجلودی (۳۳۲ھ) وتذکرۃ الحفاظ ۱/۱۱۷ والذریعۃ ۱:۳۱۵ ونزھۃ الجلیس ۲:۲۳ ومنہاج السنۃ ۲/۱۲۳ و۱۴۳ والیعقوبی ۳: ۶۳ وصفۃ الصفوۃ ۲: ۶۰ والسمط ۴۰

[2] قالہ امرؤ القیس راجع الطبری ۱/۱۳۹ ومعانی القرآن للفراء والسنن ۱۳۰ ودیوانہ ۴۶ رضیعۃ سندوبی والسمط ۴ والاقتضاب ۴۷۷ وتہذیب الالفاظ ۴۸۷ والبحر ۳: ۳۵۷ والبلدان (ایم ویعمر) وشرح السبع لابن الانباری ۵۹۴ واللسان (بقر) والاغانی ۸: ۶۱) والمعانی ۸۷۵ وفی بعض الروایات بن تملک بدل یہلک وہی بنت عمرو بن زبید ام امرئ القیس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے امرء القیس بن تملک دربدر دھکے کھا رہا ہے۔
بَقْرَ الصِّبْیَانُ بچوں کا بُقَیْرٰی کھیل کھیلنا یہ بچوں کے ایک کھیل کا نام ہے جس میں ریت کا ڈھیر لگا کر اس کے آس پاس گڑھے کھود دیتے ہیں (فارسی میں اسے کولا موئی کہا جاتا ہے)۔

اَلْبَیْقَرَانِ ایک قسم کے گھاس کا نام ہے کیونکہ وہ جب اگتا ہے تو زمین میں شگاف ڈال دیتا ہے اور اس کی جڑیں زمین میں دور تک چلی جاتی ہیں۔

(ب ق ل)

قرآن میں ہے:۔
مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا (۲-۶۱) کہ ترکاری اور ککڑی
بَقْلٌ :۔ ان سبزیوں کو کہتے ہیں جن کی جڑیں اور شاخیں سردیوں میں باقی نہیں رہتیں۔
اس سے فعل مشتق کر کے بَقَلَ بمعنی نَبَتَ استعمال ہوتا ہے اور تشبیہ کے طور پر بَقَلَ وَجْهُ الصَّبِیِّ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں لڑکے کے چہرہ پر سبزہ نمودار ہونے لگا۔ ابن السکیت[1] کے نزدیک بَقَلَ نَابُ الْبَعِیْرِ کا محاورہ بھی بولا جاتا ہے جس کے معنی ہیں اونٹ کے کیلے نکل آئے
اَبْقَلَ الْمَکَانُ فَهُوَ مُبْقِلٌ جگہ کا سرسبز ہونا
بَقَلْتُ الْبَقْلَ میں نے سبزی کاٹی اَلْمَبْقَلَةُ (ظرف) سبزیوں کی جگہ۔

(ب ق ی)

اَلْبَقَاءُ کے معنی کسی چیز کے اپنی اصلی حالت پر قائم رہنے کے ہیں یہ فناء کی ضد ہے۔ یہ باب بَقِیَ (س) یَبْقٰی بَقَاءً ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا باب بَقٰی (ض) بَقْیًا بھی آتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے[2] (۳۹)
بَقَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یعنی ہم آنحضرت کے منتظر رہے اور کافی عرصہ تک آپ کی نگہبانی میں بیٹھے رہے۔
اَلْبَاقِیْ (صفت) دو قسم پر ہے ایک الباقی بنفسه جو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہے اور اس پر کبھی فنا طاری نہ ہو اس معنی میں یہ حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ دوم الباقی بغیرہٖ اس میں سب ماسوی اللہ داخل ہیں کہ ان پر فناء اور تغیر کا طاری ہونا صحیح ہے۔
اَلْبَاقِیْ بِاللّٰهِ بھی دو قسم پر ہے۔ ایک وہ جو بِذَاتِهٖ جب تک اللہ کی مشیت ہو باقی رہے جیسے اجرام سماویہ۔ دوم وہ جس کے افراد و اجزاء تو تغیر پذیر ہوں مگر اس کی نوع یا جنس میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو۔ جیسے انسان و حیوان۔ اسی طرح آخرت میں بھی بعض اشیاء بِشَخْصِهٖ باقی رہیں گی جیسے اہل جنت کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہیں گے۔ جیسے فرمایا:۔
خَالِدِیْنَ (۴-۴۱) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
اور بعض چیزیں صرف جنس و نوع کے اعتبار سے باقی رہیں گی۔ جیسا کہ آنحضرت سے مروی ہے[3] (۴۰)
ان ثمار اهل الجنة يقطفها اهلها و يأكلونها ثم تخلف مكانها مثلها: کہ ثمار جنت کو اہل جنت چن کر کھاتے رہیں گے اور ان کی جگہ

---

[1] هو ابو يوسف يعقوب بن اسحاق بن السكيت تادب على الكسائي والفراء واخذ عن الاصمعي وابي عبيدة البصري واشتهر بمصنفاته وكان مؤدبا لابي المعتز توفي في رجب سنہ ۲۴۴ھ صنف كتاب اصلاح المنطق والالفاظ وكتاب المقصور والممدود والقلب والابدال والاضداد وقد انتشرت راجع لترجمته معجم الادباء ۲۰ / ۵۲ والبغيه ۴۱۸ - ۴۱۹ وشذرات ۲ / ۱۰۶ وابن خلكان ۸۹۷ والارشاد ۷ / ۳۰۰ - ۳۰۲ واليافعي ۲ / ۱۴۷ - ۱۴۹ [2] و تمامه: ذات ليلة في صلاة العشاء والحديث في الكشاف ۲ / ۳۸ والفائق (۱ : ۵۷) وابي داؤد من حديث معاذ بن جبل (تخريج الكشاف ۸۸ رقم ۱۹۵) [3] في الطبراني والبزار بمعناه عن ثوبان راجع مجمع الزوائد (۱۰ / ۴۱۴) ‎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نئے پھل پیدا ہوتے رہیں گے چونکہ آخرت کی تمام اشیاء دائمی ہیں اس لئے فرمایا:۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۲۸-۶۰) اور جو خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ (۱۸-۴۶) میں وہ تمام اذکار و اعمال صالحہ داخل ہیں جن کا ثواب انسان کے لئے باقی رہے گا۔ بعض نے ان سے پانچ نمازیں مراد لی ہیں۔ اور بعض نے اس سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی تسبیح و تحمید مراد لی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں ہر وہ عبادت داخل ہے جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو یہی معنی آیت کریمہ:۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ (۱۱-۸۶) میں بَقِيَّةُ اللّٰهِ کے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہے[1]۔ اور آیت کریمہ:۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (۶۹-۸) بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے۔ میں بَاقِيَةٌ کا موصوف جماعۃ یا فِعْلَةٌ محذوف ہے یعنی باقی رہنے والی جماعت یا ان کا کوئی فعل جو باقی رہا ہو اور بعض کے نزدیک بَاقِيَةٌ بمعنی بَقِيَّةٌ ہے ان کا قول ہے کہ بعض مصادر فاعل کے وزن پر آتے ہیں اور بعض مفعول کے وزن پر لیکن پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے[2]۔

(ب ك ك)

بَكَّةُ۔ مجاہدؒ سے منقول ہے کہ یہ اصل میں مَكَّةُ ہے اور اس میں با میم سے مبدل ہے جیسا کہ: سَبَدَ رَأْسَهٗ وَسَمَدَهٗ وَضَرْبَةُ لَازِبٍ وَلَازِمٍ میں ہے۔ قرآن میں ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (۳-۹۶) پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے (با برکت)۔

بعض کا قول ہے کہ بکہ سے اندرون مکہ مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مسجد کا نام ہے۔ اور بعض نے بیت اللہ کے اسماء سے شمار کیا ہے[3] اور بعض نے مطاف (طواف گاہ) سے تفسیر کی ہے اور یا تو تَبَاكٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ازدحام کے ہیں اور وہاں چونکہ طواف کے لئے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اس لئے اس کو بکہ کہا گیا ہے[4]۔ بعض کہتے ہیں کہ بَكَّةٌ بَكٌّ (ن) سے مشتق ہے جس کے معنی مزاحمت کرنے اور پھاڑ ڈالنے کے ہیں چونکہ سنت الٰہی جاری ہے کہ جو ظالم وہاں الحاد و ظلم پھیلانا چاہتا ہے۔ اس کی گردن توڑ دی جاتی ہے اسلئے اسے اس نام سے پکارا گیا ہے۔

(ب ك ر)

اس باب میں اصل کلمہ بُكْرَةٌ ہے جس کے

---

[1] راجع لاقوالہم ابن کثیر ۳ر۵۸ و اختار العموم ابن جریر الطبری و ایضًا الکشاف ۲ر۲۰۵ و اختلف ایضًا فی الآیۃ (۲-۴۸۲) راجع البغوی ۱ر۲۱۶ و فی آیۃ او بقیۃ (۱۱-۱۱۶) المراد بہا اہل الفضل و العقل دبیضاوی ۱ر۴۳۸)
[2] اولہ ابو عبیدۃ بالمصدر فرد علیہ المؤلف و اکثر ما یرد علیہ [3] لان ابدال المیم من حرف الباء بدال راجع ابدال الی الطیب [4] قارن مجاز القرآن لابی عبیدۃ (۱: ۹۷) و غریب القرآن للسجستانی ۵۰ و اللسان (بکک) و تاویل الادلۃ و الاشتقاق فی الفتح للشوکانی ۱ر۳۶۲ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی دن کے ابتدائی حصہ کے ہیں پھر اس سے صیغہ فعل مشتق کر کے کہا جاتا ہے۔ بَكَرَ (ن) فُلَانٌ بُكُوْرًا کسی کام کو صبح سویرے نکلنا۔ اَلْبَكُوْرُ (صیغہ مبالغہ) بہت سویرے جانے والا۔

بَكَّرَ۔ فِيْ حَاجَتِهٖ وَابْتَكَرَ وَبَاكَرَ مُبَاكَرَةً۔ صبح سویرے کسی کام کے لئے جانا اور بُكْرَةٌ (دن کا پہلا حصہ) چونکہ دن کے باقی حصہ پر متقدم ہوتا ہے اس لئے اس سے شتابی کے معنی لے کر ہر اس شخص کے متعلق بَكَرَ (س) فعل استعمال ہوتا ہے جو کسی معاملہ میں جلد بازی سے کام لے شاعر نے کہا ہے[لے] (الکامل)

(۶۲) بَكَرَتْ تَلُوْمُكَ بَعْدَ وَهْنٍ فِي النَّدٰى
بُسْلٌ عَلَيْكِ مَلَامَتِيْ وَعِتَابِيْ

وہ کچھ عرصہ کے بعد جلدی سے سخاوت پر ملامت کرنے لگی میں نے کہا کہ تم پر مجھے ملامت اور عتاب کرنا حرام ہے۔

بِكْرٌ پہلا بچہ اور جب ماں باپ کے پہلا بچہ پیدا ہو تو احتراماً انہیں بِكْرَان کہا جاتا ہے جیسا کہ بیت اللہ بولا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ثواب الٰہی اور ان غیر فانی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے تیار کی ہیں جس کی طرف آیت کریمہ:۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (۲۹-۶۴) اور ہمیشہ کی زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے میں اشارہ فرمایا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[ٹے] (رجز)

(۶۳) يَا بِكْرَ بِكْرَيْنِ وَيَا خِلْبَ الْكَبِدِ

اے والدین کے اکلوتے بیٹے اور جگر گوشے۔

پس آیت کریمہ:۔

لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ۔ (۲-۶۸) نہ تو بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا۔ میں بِكْرٌ سے نوجوان گائے مراد ہے جس نے ابھی تک کوئی بچہ نہ دیا ہو۔ اور ترتیب کے اعتبار سے دوشیزہ کو بھی بِكْرٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اسے مجامعت کے لئے ترتیب پر ترجیح دی جاتی ہے بِكْرٌ کی جمع اَبْكَارٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا۔ (۵۶-۳۵-۳۶) ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا تو ان کو کنواریاں بنایا۔

اَلْبَكَرَةُ چھوٹی سی چرخی۔ کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ گھومتی ہے۔

(ب ك م)

اَلْاَبْكَمُ پیدائشی گونگا اور اخرس عام گونگے کو کہتے ہیں لہذا اَبْكَمُ عام اور اخرس خاص ہے قرآن میں ہے۔

لے البیت لضمرة بن ضمرة النهشلي انشده ابو زید النوادري وابو حاتم في ان البسل من الاضداد والبیت في النوادر لابي زيد ۲ والسمط ۹۲۲ والامالي (۲: ۲۷۹) والدرة مع شرح الخفاجي ۱۹۳ والاقتضاب ۴۲۸ وفيه ان لفظة بكر تدياً في مثلا للتعجيل كما في هذا البيت وفي رواية الكامل ۸۴۲ هبت بدل بكرت والبيت في الفاضل ۷۱ والاضداد لابي حاتم رقم ۳۴۱ ص ۱۰۳ ولباب الآداب وطبقات السيرافي ۵۷ والوحشيات رقم ۲۴ في خمسة ابيات والبيت اولها والمجالس ۴۸۴ وابدال ابي الطيب (۲: ۵۳۶) وفي رواية ام عمرو بدل لبعدمن ولعده: اُاصرُّ دبني عمرو ساغبنه فكفاك من ابة علي ذعاب. راجع اضداد للبحستاني وابن الانباري ۴۲ واضداد ابي الطيب ۳۳۲ واعراب ثلاثين لابن خالويه واللسان ذبسل، والطبري ٹے ولعله اشارة الى تغيير الآية ولهم رزقهم فيها بكرة وعشيا (۱۹-۱۱) وههنا سقط والله اعلم

سے قال الراجز ولعده: اصبحت مني كذراع من عضده۔ والشطر في اللسان (بكر) وفي الصحاح بغير عزو (بكر) والبحر (۱: ۲۴۸) واضداد لابن الانباري ۲۴۴ واضداد ابي الطيب ۹۱ وامالي القالي (۱: ۲۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (۱۶-۷۶) اور خدا ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ان میں گونگا اور دوسرے کی ملک) ہے (بے اختیار و ناتوان) کہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔

اور اَبْكَم کی جمع بُكْمٌ آتی ہے چنانچہ فرمایا:۔

صُمٌّ بُكْمٌ (۲-۱۸) یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اور جو شخص ضعف عقل کے سبب گفتگو نہ کرسکے اور گونگے کی طرح چپ رہے تو اس کے متعلق بَكُمَ عَنِ الْكَلَامِ کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ کلام سے عاجز ہوگیا۔

(ب ك ى)

بَكٰى يَبْكِيْ کا مصدر بُكًى وَ بُكَاءٌ یعنی ممدود اور مقصور دونوں طرح آتا ہے اور اس کے معنی غم کے ساتھ آنسو بہانے اور رونے کے ہیں اگر آواز غالب ہو تو اسے بُكَاءٌ (ممدود) کہا جاتا ہے جیسے رُغَاءٌ وَ ثُغَاءٌ اور اس نوع کے دیگر اوزان جو صوت کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور اگر غم غالب ہو تو اسے بُكًى (بالقصر) کہا جاتا ہے۔

اَلْبَاكِيْ رونے والا۔ غم اور اندوہ سے آنسو بہانے والا اس کی جمع بَاكُوْنَ وَ بُكِيٌّ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (۱۹-۵۸) تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے۔

اصل میں بُكِيٌّ (بُكُوْيٌ) بروزن فُعُوْلٌ ہے جیسے سَاجِدٌ وَ سُجُوْدٌ وَرَاكِعٌ وَ رُكُوْعٌ وَقَاعِدٌ وَ قُعُوْدٌ واؤ کو یاء سے تبدیل کرکے یاء میں ادغام کردیا گیا ہے جیسے جَاثٍ وَ جُثِيٌّ وَعَاتٍ عُتِيٌّ نیز:۔

بُكًى کے اصل معنی تو غم کے ساتھ آنسو بہانے کے ہوتے ہیں۔ مگر کبھی صرف آنسو بہانے اور کبھی صرف غم کھانے کے لئے بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا (۹-۸۲) یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں) ..... بہت سا رونا ہوگا۔

میں مطلق خوشی اور غم کے معنی مراد ہیں اور ضحک کے ساتھ قہقہہ اور بکاء کے ساتھ آنسو بہانا ضروری نہیں ہے۔ یہی معنی آیت کریمہ:۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (۴۴-۲۹) پھر ان پر نہ تو آسمان اور زمین کو رونا آیا۔

میں مراد ہیں ہاں جو لوگ آسمان اور زمین کے لئے زندگی اور علم ثابت کرتے ہیں وہ اسے حقیقی معنی پر حمل کرتے ہیں اور جو زندگی کے قائل نہیں ہیں وہ نسبت مجازی قرار دیتے ہیں یعنی ان سے آسمان اور زمین کے باشندے مراد ہیں[1]۔

بَلْ (حرف)

بَلْ حرف استدراک ہے اور تدارک کی دو صورتیں ہیں (۱) جبکہ بل کا مابعد اس کے ماقبل کی نقیض ہو تو اس صورت میں کبھی تو اس کے مابعد حکم کی تصحیح سے ماقبل کی تردید مقصود ہوتی ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس ماقبل کی تصحیح اور مابعد کے ابطال کی غرض سے بل کو لایا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی صورت کے متعلق فرمایا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

---

[1] قال الحسن ای اہل السماء والارض کما فی قولہ تعالیٰ حتیٰ تضع الحرب اوزارہا (   ) ویمکن ان یکون المراد المبالغۃ فی وصف القوم بالصغر فی القدر او کنایۃ عن عدم عملہم الصالح فی الارض یرفع الی السماء کما روی عن ابن عباس رض وقال السدی لما قتل الحسین بن علی بکت السماء علیہ وبکاءہا حمرۃ اطرافہا فکلن الروایۃ غیر ثابت واللہ اعلم:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(٨٣-١٤) جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں دیکھو یہ جو اعمال بد کر رہے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔

تو بَلْ کا معنی یہ نہیں کہ آیات الٰہی کو اَسَاطِیْر کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ان کی جہالت سے پھر رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کہہ کر ان کی جہالت پر تنبیہ کی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (٢١: ٦١-٦٢) (جب ابراہیم آئے تو بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم بھلا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ تم نے کیا ہے (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ یہ ان کے اس بڑے بت نے کیا (ہوگا)، اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ دیکھو۔

اور دوسری صورت میں ماقبل کی تصحیح اور مابعد کے الطاف کے متعلق فرمایا:۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (٨٩: ١٥-١٧) مگر انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے۔

یعنی رزق کی فراخی یا تنگی اکرام یا اہانت کی دلیل نہیں ہے (بلکہ یہ پروردگار کی طرف سے آزمائش ہے) مگر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کیونکہ یہ مال کو بیجا صرف کر رہے ہیں اور اسی طرح آیت:۔

صٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (٣٨: ١-٢) قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے (کہ تم حق پر ہو) مگر جو لوگ کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں ہیں وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ کہہ کر یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن تذکر یعنی نصیحت حاصل کرنے کی کتاب ہے اور کفار کا اس کی طرف متوجہ نہ ہونا اس کی نفی نہیں کرتا بلکہ ان کا اعراض محض غرور اور مخالفت کی وجہ سے ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا (٥٠: ١-٢) قرآن مجید کی قسم (کہ محمد پیغمبر ہیں) لیکن ان لوگوں نے تعجب کیا۔ بھی اسی معنی پر محمول ہے یعنی ان کا قرآن پر ایمان نہ لانا قرآن کے بزرگ ہونے کے منافی نہیں ہے بلکہ محض ان کی جہالت ہے بَلْ عَجِبُوْٓا کہہ کر ان کی جہالت پر متنبہ کیا ہے کیونکہ کسی چیز پر اسی وقت تعجب ہوتا ہے جب اس کا سبب معلوم نہ ہو۔ نیز فرمایا:۔

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ (٨٢: ٦-٩) تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے باب میں کس چیز نے دھوکہ دیا (وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا۔ اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا جوڑ دیا۔ مگر ہیہات تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی رب کریم کے بارے میں کوئی چیز سوائے اس کے دھوکے میں ڈالنے والی نہیں ہے کہ وہ دین کو جھٹلا رہے ہیں۔

(۲) تدارک کی دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری کلام کے ذریعہ پہلی کلام کی وضاحت اور اس پر اضافہ مقصود ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (۲۱-۵) بلکہ ظالم کہنے لگے کہ (یہ قرآن) پریشان (باتیں ہیں جو) خواب (میں دیکھ لی) ہیں (نہیں) بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے (نہیں) بلکہ یہ (شعر ہے) جو اس (شاعر) کا نتیجہ طبع ہے۔

یہاں متنبہ کیا ہے کہ اولاً انہوں نے قرآن کو خیالات پریشان کہا پھر اس پر اضافہ کر کے اسے افترا بتلانے لگے پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ کے متعلق (نعوذ باللہ) کذاب ہونے کا ادعا کرنے لگے کیونکہ قرآن کی اصطلاح میں شاعر فطرۃً کاذب کو کہا جاتا ہے اور آیت:۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ (۲۱-۳۹-۴۰) اے کاش کافر اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے مونہوں پر سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں پر سے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا بلکہ قیامت ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی اور ان کے ہوش کھو دے گی۔

بھی اس معنی پر محمول ہے کہ کاش وہ اس کے علاوہ دوسری بات کو جانتے ہوتے جو پہلی بات سے زیادہ اہم ہے یعنی یہ کہ قیامت ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی۔

قرآن میں جتنی جگہ بھی بَلْ آیا ہے ان دونوں معنی میں سے کسی ایک پر دلالت کرتا ہے اگرچہ بعض مقامات ذرا وضاحت طلب ہیں[1] اور ان کے پیچیدہ ہونے کی بنا پر بعض علمائے نحو نے غلطی سے کہدیا ہے کہ قرآن میں بل صرف معنی ثانی کیلئے استعمال ہوا ہے[2]

(ب ل د)

اَلْبَلَدُ (شہر) وہ مقام جس کی حد بندی کی گئی ہو اور وہاں لوگ آباد ہوں۔ اس کی جمع بِلَادٌ اور بُلْدَانٌ آتی ہے اور آیت:۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۹۰-۱) میں هٰذَا الْبَلَدِ سے مکہ مکرمہ مراد ہے دوسری جگہ فرمایا رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (۱۴-۳۵) کہ میرے پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے لئے) امن کی جگہ بنا دے۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ (۳۴-۱۵) پاکیزہ شہر ہے۔

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (۴۳-۱۱) پھر ہم نے اس سے شہر مردہ کو زندہ کر دیا۔

فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ (۳۵-۹) پھر ہم ان کو ایک بے جان شہر کی طرف چلاتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (۲-۱۲۶) اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنا۔

---

[1] قال فی المغنی: بل حرف اضراب فان تلاہا جملۃ کان معنی الاضراب اما الابطال ای الاول و اما الانتقال من غرض الی آخر وہی فی ذالک کلمۃ حرف ابتداء لا عاطفۃ علی الصحیح وان تلاہا مفرد فہی عاطفۃ ثم ان تقدمہا امر او ایجاب فہی تجعل ماقبلہا کالمسکوت عنہ واثبات الحکم لما بعدہا وان تقدمہا نفی او نہی فہی لتقریر ماقبلہا علی حالتہ وجعل ضدہ لما بعد (راجع ۱: ۱۱۹-۱۲۰) [2] کما قال ابن مالک فی شرح الکافیہ (راجع ابن ہشام ۱: ۱۲۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی مکہ مکرمہ مراد ہے لیکن ایک مقام پر اسے معرفہ اور دوسرے مقام پر نکرہ لانے میں جو لطافت اور نکتہ ملحوظ ہے اسے ہم دوسری کتاب میں بیان کرینگے اور بَلَدٌ کے معنی بیابان اور قبرستان بھی آتے ہیں کیونکہ پہلا وحشی جانوروں دوسرا مردوں کا مسکن ہوتا ہی۔

اَلْبَلْدَۃُ منازل قمر سے ایک منزل کا نام ہے اور تشبیہ کے طور پر ابرو کے درمیان کی جگہ اور اونٹ کے کے سینہ کو بھی بَلْدَۃٌ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی شہر کی طرح محدود ہوتے ہیں اور بطور استعارہ انسان کے سینہ پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اثر یعنی نشان کے معنی کے اعتبار سے بِجِلْدِہٖ بَلَدٌ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے یعنی اس کی کھال پر نشان ہے اس کی جمع اَبْلَادٌ آتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۶۴) وَفِی النُّحُوْرِ کُلُوْمٌ ذَاتُ اَبْلَادِ

اور ان کے سینوں پر زخموں کے نشانات ہیں۔

اَبْلَدَ الرَّجُلُ شہر میں چلا جانا جیسا کہ اَنْجَدَ وَ اَتْھَمَ کے معنی نجد اور تہامہ میں چلے جانے کے ہیں۔ بَلَدَ الرَّجُلُ۔ کے معنی شہر میں مقیم ہونے کے ہیں اور کسی مقام پر ہمیشہ رہنے (لا الاکثر اوقات) دوسری جگہ میں جا کر متحیر ہو جاتا ہے اس لئے متحیر آدمی کے متعلق بَلَدَ فِیْ اَمْرِہٖ وَاَبْلَدَ وَتَبَلَّدَ وغیرہا کے محاورات استعمال ہوتے ہیں شاعر نے کہا ہے[2] (ع)

(۶۵) لَابُدَّ لِلْمَحْزُوْنِ اَنْ یَّتَبَلَّدَا

(کہ اندوہ گیں لازماً متحیر رہے گا)۔

اجڈ لوگ عام طور پر بلید یعنی کند ذہن ہوتے ہیں اس لئے ہر جسیم آدمی کو اَبْلَدُ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا (۷-۵۸) (جو زمین پاکیزہ ہے، اس میں سے سبزہ بھی پروردگار کے حکم سے نفیس ہی نکلتا ہے اور جو خراب ہے۔ اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے) میں بلد کے طیب اور خبیث ہونے سے کنایۃً نفوس کا طیب اور خبیث ہونا مراد ہے۔

(ب ل س)

اَلْاِبْلَاسُ (افعال) کے معنی سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہونے کے ہیں۔ اَبْلَسَ وہ مایوس ہونے کی وجہ سے مغموم ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی سے اِبْلِیْسُ مشتق ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ (۳۰-۱۲) اور جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگار مایوس مغموم ہو جائیں گے۔

اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ (۶-۴۴) تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔

وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْھِمْ مِّنْ قَبْلِہٖ لَمُبْلِسِیْنَ۔ (۳۰-۴۹) اور بیشتر تو وہ مینہ کے اترنے سے پہلے ناامید ہو رہے تھے۔

اور عام طور پر غم اور مایوسی کی وجہ سے انسان خاموش رہتا ہے اور اسے کچھ سوجھائی نہیں دیتا اس لئے اَبْلَسَ فُلَانٌ کے معنی خاموش اور دلیل سے عاجز ہونے کے ہیں۔

---

[1] قالہ القطامی و اولہ: لیست تجرح فراراً ظہورہم ...... والبیت فی اللسان والتاج والصحاح (بلد) وتہذیب الالفاظ ۱۰۸ والاصلاح ۱۰ والنسیم المطبوع النجوم بدل النحور مصحف والمصوب من المراجع [2] وفی مصارع العشاق (۵-۷۶) متابہ لحبابۃ مع تغییر قالتہ حین رئیتہ بعد ما ولد متغیرا وروایۃ البیت: الا انکم الیوم ان یتبلدا. فقد منع المحزون ان یتجلدا۔ والبیت فی اللسان (بلد) فی اربعۃ منسوبۃ الی الاحوص

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بَلَسَتِ النَّاقَةُ نہی مِبْلَاسٌ آواز نہ کرو ناقہ ازغایت خواہش کش اور بَلَاسٌ بمعنی ٹاٹ فارسی و پلاس سے معرب ہے۔

(ب ل ع)

بَلِعْتُ (ف) الشَّیْءَ وَابْتَلَعْتُہٗ کے معنی کسی چیز کو نگل لینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ (۱۱-۴۴) کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا۔
اسی سے بَلُوْعَۃٌ ہے جس کے معنی بدرو اور گندی نالی یا چوبچہ کے ہیں۔ سَعْدُ بَلَعَ ایک ستارے کا نام بَلَعَ الشَّيْبُ فِیْ رَأْسِہٖ سر میں بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونا۔

(ب ل غ)

اَلْبُلُوْغُ وَالْبَلَاغُ (ن) کے معنی مقصد اور منتہی کے آخری حد تک پہنچنے کے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ مقصد کوئی مقام ہو یا زمانہ یا اندازہ کیے ہوئے امور میں سے کوئی امر ہو۔ مگر کبھی محض قریب تک پہنچ جانے پر بھی بولا جاتا ہے گو انتہا تک نہ بھی پہنچا ہو۔ چنانچہ انتہا تک پہنچنے کے معنی میں فرمایا:۔
حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً (۴۶-۱۵) یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے۔
فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ (۲-۲۳۲) اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو۔۔۔ مت روکو۔
وَمَا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ (۴۰-۵۶) اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں۔
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ (۳۷-۱۰۲) جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا۔

لَعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ (۴۰-۳۶) تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں۔ اور آیت کریمہ:۔
اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَۃٌ (۶۸-۳۹) یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو۔۔۔ چلی جائیگی۔ یہاں بَالِغَۃٌ سے انتہائی مؤکد قسمیں مراد ہیں۔
اَلْبَلَاغُ۔ کے معنی تبلیغ یعنی پہنچا دینے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔ ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (۱۴-۵۲) یہ (قرآن) لوگوں کے نام (خدا کا) پیغام ہے۔
بَلٰغٌ فَھَلْ یُھْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (۴۶-۳۵) (یہ قرآن) پیغام ہے سو (اب) وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے۔
وَمَا عَلَیْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۳۶-۱۷) اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔
فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ (۱۳-۴۰) تمہارا کام (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔
اور بَلَاغٌ کے معنی کافی ہونا بھی آتے ہیں جیسے:۔
اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (۲۱-۱۰۶) عبادت کرنے والے لوگوں کے لئے اس میں (خدا کے حکموں کی) پوری پوری تبلیغ ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ (۵-۶۷) اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم نے یہ یا کوئی دوسرا حکم جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے نہ پہنچایا تو گویا تم نے وحی الٰہی سے ایک حکم کی بھی تبلیغ نہیں کی یہ اس لئے کہ جس طرح انبیاء کرام کے درجے بلند ہوتے ہیں اسی طرح ان پر احکام کی بھی سختیاں ہوتی ہیں اور وہ عام مومنوں کی طرح نہیں ہوتے جو اچھے

www.KitaboSunnat.com

اور برے بھلے عمل کرتے ہیں اور انہیں معاف
کردیا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ (۶۵-۲)
پھر جب وہ اپنی میعاد (یعنی انقضائے عدت) کو
پہنچ جائیں تو یا توان کو زوجیت میں) رہنے دو۔
میں بلوغ اجل سے عدت طلاق کا ختم ہونے کے
قریب پہنچ جانا مراد ہے۔ کیونکہ عدت ختم ہونے کے
بعد تو خاوند کے لئے مراجعت اور روکنا جائز ہی نہیں ہے۔
بَلَّغْتُهُ الْخَبَرَ وَاَبْلَغْتُهُ کے ایک ہی معنی ہیں مگر
بَلَّغْتُ (تفعیل) زیادہ استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا۔
اُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّيْ (۷-۶۲) تمہیں اپنے
پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں۔
يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔
(۵-۶۷) اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے
تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو۔
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ
اِلَيْكُمْ۔ (۱۱-۵۷) اگر تم روگردانی کروگے تو جو
پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں
نے تمہیں پہنچا دیا ہے۔
اور قرآن پاک میں ایک مقام پر:۔
بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ (۳-۴۰) کہ
میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔
آیا ہے یعنی بلوغ کی نسبت کِبَرٌ کی طرف کی گئی ہے۔
اور دوسرے مقام پر:۔
وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۱۹-۸) اور میں
بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔
ہے یعنی بلوغ کی نسبت متکلم کی طرف ہے اور
یہ اَدْرَكَنِي الْجَهْدُ وَاَدْرَكْتُ الْجَهْدَ کے
مثل دونوں طرح جائز ہے مگر بَلَغَنِيَ الْمَكَانُ

یا اَدْرَكَنِيْ کہنا غلط ہے۔
اَلْبَلَاغَةُ کا لفظ دو طرح بولا جاتا ہے ایک یہ کہ
وہ کلام بِذَاتِهٖ بَلِيْغٌ ہو اور اس کے لئے اوصاف
ثلاثہ کا جامع ہونا شرط ہے یعنی وضع لغت کے
اعتبار سے درست ہو، معنی مقصود کے مطابق
ہو اور فی الواقع سچی بھی ہو اگر ان اوصاف میں کسی
ایک وصف میں بھی کمی ہو تو بلاغت میں نقص رہتا ہے۔
دوسرے یہ کہ قائل اور مقول لہ (یعنی متکلم اور مخاطب
کے اعتبار سے بلیغ ہو یعنی کہنے والا اپنے مافی الضمیر
کو خوبی سے ادا کرے کہ مخاطب کو اس کا قائل ہونا
پڑے اور آیت کریمہ:۔ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ
قَوْلًا بَلِيْغًا۔ (۴-۶۳) اور ان سے ایسی باتیں
کہو جو ان کے دلوں پر اثر کر جائیں۔
میں "قول بلیغ" ان ہر دو معنی پر محمول ہو سکتا ہے اور
بعض نے اس کے جو یہ معنی کئے ہیں کہ "ان سے کہہ دو
کہ اگر تم نے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کیا تو قتل کردیے
جاؤگے یا یہ کہ انہیں ان پر نازل ہونے والے مصائب
سے ڈراؤ" تو یہ اس کے عام مفہوم میں سے بعض
پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔
اَلْبُلْغَةُ اتنی مقدار جس سے گذر اوقات ہو سکے۔

(ب ل و ی)

بَلِيَ الثَّوْبُ۔ بِلًى وَبَلَاءً کے معنی کپڑے کا
بوسیدہ اور پرانا ہونے کے ہیں اسی سے بَلَاهُ السَّفَرُ
ای اَبْلَاهُ۔ کا محاورہ ہے۔ یعنی سفر نے اسے لاغر
کردیا ہے اور بَلَوْتُهُ کے معنی ہیں میں نے اسے
آزمایا۔ گویا کثرت آزمائش سے میں نے اسے کہنہ
کردیا اور آیت کریمہ:۔
هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ (۱۰-۳۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کرلے گا۔

یہیں ایک قرأت نَبْلُوْا (بصیغہ جمع متکلم) بھی ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہاں ہم ہر نفس کے اعمال کی حقیقت کو پہچان لیں گے اور اسی سے اَبْلَیْتُ فُلَانًا کے معنی کسی کا امتحان کرنا بھی آتے ہیں۔ اور غم کو بَلَاءٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جسم کو گھلا کر لاغر کردیتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ (۲-۴۹)

اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (۲-۱۵۵) الآیۃ۔ اور ہم کسی قدر خوف ۔۔۔۔ سے تمہاری آزمائش کریں گے۔

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ (۳۷-۱۰۶)

بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔

اور تکلیف کو کئی وجوہ کی بناء پر بَلَاءٌ کہا گیا ہے ایک اسلئے کہ تکالیف بدن پر شاق ہوتی ہیں اس لئے انہیں بَلَاءٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ تکلیف بھی ایک طرح سے آزمائش ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ (۴۷-۳۱) اور ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے تاکہ جو تم میں لڑائی کرنے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو معلوم کریں۔

سوم اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کبھی تو بندوں کو خوش حالی سے آزماتے ہیں کہ شکر گذار بنتے ہیں یا نہیں اور کبھی تنگی کے ذریعہ امتحان فرماتے ہیں کہ ان کے صبر کو جانچیں۔ لہذا مصیبت اور نعمت دونوں آزمائش ہیں محنت صبر کا تقاضا کرتی ہے اور منحۃ یعنی فضل و کرم شکر گزاری چاہتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ کما حقہٗ صبر کرنا کما حقہٗ شکر گذاری سے زیادہ آسان ہوتا ہے اس لئے نعمت میں بہ نسبت مشقت کے بڑی آزمائش ہے اسی بنا پر حضرت عمرؓ فرماتے ہیں (۳۴) بُلِیْنَا بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا وَبُلِیْنَا بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَصْبِرْ کہ تکالیف پر تو صابر رہے لیکن فراخ حالی میں صبر نہ کرسکے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

(۳۵) مَنْ وُسِّعَ عَلَیْہِ دُنْیَاہُ فَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّہٗ قَدْ مُکِرَ بِہٖ فَھُوَ مَخْدُوْعٌ عَنْ عَقْلِہٖ۔ کہ جس پر دنیا فراخ کی گئی اور اسے یہ معلوم نہ ہوا کہ آزمائش کی گرفت میں ہے تو فریب خوردہ اور عقل و فکر سے محروم ہے قرآن میں ہے:۔

وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً (۲۱-۳۵)

اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔

وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَاءً حَسَنًا (۸-۱۷)

اس سے غرض یہ تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزمالے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ (۲-۴۹)

اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ میں بَلَاءٌ کا لفظ نعمت و مشقت دونوں طرح کی آزمائش کو شامل ہے چنانچہ آیت:۔

یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ (۲-۴۹)

(تمہارے بیٹوں کو) تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ میں مشقت کا بیان ہے اور فرعون سے نجات میں نعمت کا تذکرہ ہے اسی طرح آیت:۔

وَاٰتَیْنٰھُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْہِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ (۴۴-۳۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں جنہیں صریح آزمائش تھی
ہیں دونوں قسم کی آزمائش مراد ہے جیسا کہ کتاب اللہ
کے متعلق فرمایا:۔
قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ ۚ وَالَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى
(۴۱-۴۴) اِبْتَلٰى فُلَانٌ وَ اَبْلَاهُ (کسی کا امتحان کرنا)
یہ دو امر کو متضمن ہوتا ہے (۱) تو اس شخص کی حالت
کو جانچنا اور اس سے پوری طرح باخبر ہونا مقصود
ہوتا ہے دوسرے (۲) اس کی اچھی یا بری حالت
کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا۔ پھر کبھی تو یہ دونوں
معنی مراد ہوتے ہیں اور کبھی صرف ایک ہی معنی
مقصود ہوتا ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ
کی طرف تو صرف دوسرے معنی مراد
ہوتے ہیں یعنی اس شخص کی خوبی یا نقص کو دوسروں
کے سامنے ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ ذات
باری تعالیٰ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے اسے کسی کی حالت
سے باخبر ہونے کی ضرورت نہیں لہذا آیت کریمہ:۔
وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ
(۲-۱۲۴) اور پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم
کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ دوسرے
معنی پر محمول ہوگی (یعنی حضرت ابراہیم کے کمالات
کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا مقصود تھا)
اَبْلَيْتُ فُلَانًا يَمِيْنًا کسی سے آزمائشی قسم لینا۔

بَلٰى (حرف)

حرف ایجاب ہے پہلی بات میں[1] نفی کی تردید
کے لئے آتا ہے، جیسا کہ:۔ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا
النَّارُ کے بعد فرمایا:۔ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً
(۲-۸۱) کیوں نہیں! جو برے کام کرے۔
اور یا اس استفہام کے جواب میں آتا ہے۔ جو
نفی پر واقع ہو جیسے:۔
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (۷-۱۷۲) کیا میں تمہارا
پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے "کیوں نہیں"۔
نَعَمْ اور بَلٰى میں فرق یہ ہے کہ نَعَمْ صرف استفہام
(یعنی بدون نفی) کے جواب میں آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوْا
نَعَمْ (۷-۴۴) بھلا جو وعدہ تمہارے پروردگار
نے تم سے کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟
وہ کہیں گے ہاں۔
یہاں پر بَلٰى کا استعمال صحیح نہیں ہے[2]۔ نیز جب کوئی
شخص مَا عِنْدِيْ شَيْءٌ (کہ میرے پاس کچھ بھی
نہیں) کہے تو اس کے جواب میں اگر "بَلٰى" کہا جائے
تو اس کی تردید ہوگی یعنی غلط کہتے ہو اور اگر نَعَمْ سے
جواب دیں تو آپ نے نفی کا اقرار کر لیا یعنی بیشک
تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ
بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
(۱۶-۲۸) تو مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں۔
(اور کہتے ہیں) کہ ہم کوئی براکام نہیں کرتے تھے
کیوں نہیں! جو کچھ تم کرتے تھے خدا اسے خوب جانتا ہے۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ

---

[1] حرف جواب تختص بالنفی وتفید ابطالہ سواء کان مجردًا او مقرونًا بالاستفہام وسواء کان الاستفہام حقیقیًا او توبیخیًا او تقریریًا (راجع المغنی بحث بلیٰ)
[2] ہذا وان کان متفقًا علیہ عند العلماء العربیۃ لکن وقع فی کتب الحدیث ما یقتضی انہا یجاب بہا الاستفہام المجرد ففی صحیح البخاری انہ علیہ السلام قال لاصحابہ: اترضون ان تکونوا ربع اہل الجنۃ؟ قالوا بلیٰ وفی صحیح مسلم: أیسرک ان یکونوا لک فی البر سواء؟ قال: بلیٰ: وایضًا قال علیہ السلام لرجل: انت الذی لقیتنی بمکۃ فقال لہ بلیٰ۔ لکنہ قلیل[3] وبذالک قال جماعۃ من الفقہاء لکن فی المسئلۃ خلاف راجع المغنی (۱: ۱۲۱۔) ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ (۳۴-۳) اور کافر کہتے ہیں
کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی۔ کہہ دو
کیوں نہیں (آئے گی)، میرے پروردگار کی قسم۔
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى (۳۹-۷۱)
تو جہنم کے خازن ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے
پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے
پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس
دن کے پیش آنے سے ڈراتے وہ کہیں گے
کیوں نہیں۔
قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
قَالُوْا بَلٰى (۴۰-۵۰) وہ کہیں گے کہ تمہارے پاس
تمہارے پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے وہ کہیں
گے کیوں نہیں

(ب ن ن)

اَلْبَنَانُ (واحد بَنَانَة) کے معنی انگلیاں (یا
ان کے اطراف) کے ہیں۔ یہ اَبَنَّ بِالْمَكَانِ کے
محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی جگہ اقامت
پذیر ہونے کے ہیں اور چونکہ کسی جگہ اقامت کیلئے
ضروریات زندگی کی اصلاح بھی انگلیوں سے ہوتی
ہے اس لیے ان کو بنان کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ آیت کریمہ:۔
بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (۷۵-۴)
ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس
کی پور پور درست کر دیں۔
میں انگلیوں کی درستگی پر اپنی قدرت کا اظہار کیا ہے
اسی طرح آیت:۔
وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (۸-۱۲) اور ان کا
پور پور مار (کر توڑ) دو۔
میں خاص کر ان کے پور پور کاٹ ڈالنے کا حکم دیا
گیا ہے۔ کیونکہ یہ مدافعت اور مقاتلہ کا واحد ذریعہ
ہیں
اَلْبَنَّةُ بو، اچھی یا بری۔ کیونکہ اس میں کسی چیز
کے ساتھ لازم ہونے کی وجہ سے ٹھہرنے کے
معنی پائے جاتے ہیں۔

(ب ن ی)

بَنَيْتُ اَبْنِيْ بِنَآءً وَبِنْيَةً وَبُنْيًا کے معنی
تعمیر کرنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔
وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۷۸-۱۲)
اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔
وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ (۵۱-۴۷) اور آسمانوں
کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا۔
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (۹۱-۵) اور آسمان اور
اس ذات کی (قسم) جس نے اسے بنایا۔
اَلْبُنْيَانُ یہ واحد ہے جمع نہیں ہے جیسا کہ آیات:۔
لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ
(۹-۱۱۰) یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان
کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی۔ كَاَنَّهُمْ
بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۶۱-۴) کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی
دیوار ہیں۔ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا (۳۷-۹۷)
وہ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک عمارت بناؤ۔
سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بُنْيَانَة
کی جمع ہے اور یہ:۔ شَعِيْرٌ وَشَعِيْرَةٌ۔ تَمْرٌ
وَتَمْرَةٌ وَنَخْلٌ وَنَخْلَةٌ کی طرح ہے (یعنی
جمع اور مفرد میں تاکے ساتھ فرق کرتے ہیں) اور جمع

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اس قسم میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہوتے ہیں۔
لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ (۳۹-۲۰)
ان کے لئے اونچے اونچے محل ہیں جن کے اوپر بالا خانے بنے ہوتے ہیں۔
بِنَاءٌ (مصدر بمعنی مفعول) عمارت ج اَبْنِيَةٌ
اَلْبَنِيَّةُ سے بیت اللہ مراد لیا جاتا ہے[1]
اَلْاِبْنُ۔ یہ اصل میں بَنَوٌ ہے[2] کیونکہ اس کی جمع اَبْنَاءٌ اور تصغیر بُنَيٌّ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ (۱۲-۵)
کہ بیٹا اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔
يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ (۳۷-۱۰۲)
کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں۔
يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ (۳۱-۱۳) کہ بیٹا خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔
يَا بُنَيَّ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ بیٹا شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ اور بیٹا بھی چونکہ اپنے باپ کی عمارت ہوتا ہے اس لئے اسے ابن کہا جاتا ہے۔ کیونکہ باپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا بانی بنایا ہے اور بیٹے کی تخلیق میں باپ بمنزلہ معمار کے ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جو دوسرے کے سبب اس کی تربیت، دیکھ بھال اور نگرانی سے حاصل ہو اسے اس کا ابن کہا جاتا ہے۔ نیز جسے کسی چیز سے لگاؤ ہو اسے بھی اس کا ابن کہا جاتا ہے جیسے:۔
فُلَانٌ اِبْنُ حَرْبٍ۔ فلاں جنگ جو ہے۔ اِبْنُ السَّبِيْلِ مسافر۔ اِبْنُ اللَّيْلِ چور۔ اِبْنُ الْعِلْمِ پروردۂ علم۔
شاعر نے کہا ہے[3] ع (طویل)
(۴۶) أُولَاكَ بَنُوْ خَيْرٍ وَشَرٍّ كِلَيْهِمَا
یہ لوگ خیر و شر یعنی ہر حالت میں اچھے ہیں۔
فُلَانٌ اِبْنُ بَطْنِهٖ پیٹ پرست۔ فُلَانٌ اِبْنُ فَرْجِهٖ شہوت پرست۔ اِبْنُ يَوْمِهٖ جو کل کی فکر نہ کرے۔ قرآن میں ہے:۔
وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (۹-۳۰)
اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔
إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي (۱۱-۴۵) میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے۔
إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ (۱۲-۸۱) کہ ابا آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جاکر) چوری کی۔
اِبْنٌ کی جمع اَبْنَاءٌ اور بَنُوْنَ آتی ہے قرآن میں ہے:
وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً (۱۶-۷۲) اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے
يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ (۱۲-۶۷)
کہ بیٹا ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا۔
يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

---

[1] یقال: لا ورب هذه البنية (الكعبة) وقد كثر قسمهم بها (راجع التاج ب ن ی) [2] هذا وان كان فی اصله خلاف لكن رجح فی التاج ان اصله بَنَيٌ (محركة) بالياء وقال وانما قضينا انه من الياء لان بنى يبنى اكثر فی كلامهم من يبنو [3] قال مسافع بن حذيفة العبسی (كما فی شرح التبريزی) وتمامه: جميعًا ومعروف الم ومنكره كذا فی الصناعتين ۳۱۲ مع آخر وفی ۸۴ والبيت فی الحماسة مع المرزوقی ۶۴۲ فی اربعة ابيات والاشباه ۲/۲۳۲ مع اختلاف فی بعض الرواية وفی بعض النسخ وابناء معروف بدل جميعًا ومعروف وفی الحيوان (۲: ۸۹) قاله العتبی وفی روايته لكن بدل اولاك والعتبی هو محمد بن عبد الرحمن بن عتبة بن ابی سفيان ومسافع بن حذيفة شاعر عاسی من شعراء الجاهلية (راجع الخزانة ۲: ۳۶۰)۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷-۳۱) اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے
تیں مزین کیا کرو۔
یَابَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ (۷-۲۷)
ے بنی آدم (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکانہ دے۔
ور اِبْنٌ کی مؤنث اِبْنَةٌ وَ بِنْتٌ اور ان کی جمع
بنَاتٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ ھُنَّ اَطْھَرُ لَكُمْ (۱۱-۷۸)
یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں تمہارے لئے
(جائز اور) پاک ہیں۔
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ (۱۱-۷۹)
تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں۔
بعض کہتے ہیں[1] کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اکابر قوم
کو خطاب کیا تھا اور ان کے سامنے اپنی بیٹیاں
پیش کی تھیں۔ مگر یہ ناممکن سی بات ہے کیونکہ نبی
کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنی چند لڑکیاں مجمع کثیر
کے سامنے پیش کرے اور بعض نے کہا ہے[2] کہ بَنَات
سے ان کی قوم کی عورتیں مراد ہیں اور ان کو بَنَاتِیْ اس
لئے کہا ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کے لئے بمنزلہ باپ کے
ہوتا ہے بلکہ والدین سے بھی اس کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے
جیسا کہ اَبٌ کی تشریح میں گزر چکا ہے اور آیت کریمہ:
وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ (۱۶-۵۷) اور یہ لوگ خدا
کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

(ب ھ ت)

بَهِتَ (س) حیران و ششدر رہ جانا بَهَتَهُ (ف)
اسے مبہوت کر دیا۔ قرآن میں ہے۔
فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ (۲-۲۵۸) یہ سن کر کافر حیران
رہ گیا۔ اور آیت کریمہ:۔
ھٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ (۲۴-۱۶) یہ تو (بہت) بڑا
بہتان ہے۔ میں بہتان کے معنی ایسے الزام کے ہیں
جسے سن کر انسان ششدر و حیران رہ جائے۔ اور آیت کریمہ:
وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ
اَرْجُلِهِنَّ (۶۰-۱۲) نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی
بہتان باندھ لائیں گی۔
میں بہتان زنا سے کنایہ ہے۔ بعض نے کہا ہے
نہیں بلکہ اس سے ہر وہ عمل شنیع مراد ہے جسے ہاتھ
اور پاؤں سے سرانجام دیا جائے۔ مثلاً ہاتھ سے کسی
ناروا چیز کو پکڑنا یا کسی عمل شنیع کا ارتکاب کرنے کے
لئے اس کی طرف چل کر جانا۔ جَاءَ بِالْبُهَیْتَةِ اس
نے جھوٹ بولا۔

(ب ھ ج)

اَلْبَهْجَةُ۔ خوش نمائی۔ فرحت و سرور کا ظہور۔
قرآن میں ہے:۔
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ (۲۷-۶۰) سرسبز باغ۔
بَهُجَ (ک) خوشنما اور تر و تازہ ہونا۔ اور خوشنما چیز
کو بَهِیْجٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔
وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ (۵۰-۷)
اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں۔
اور بَهِجٌ بھی صیغہ صفت ہے۔ شاعر نے کہا ہے[3] ع (
(۶۷) ذَاتُ خَلْقٍ بَهِجٍ
اور اس سے بَهُوْجٌ بروزن فَعُوْلٌ استعمال نہیں ہوتا۔
اِبْتَهَجَ بِكَذَا کسی چیز پر اس قدر خوش اور مسرور ہونا
کہ چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ اَبْهَجَهٗ خوش کرنا۔

---

[1] مروی عن قتادۃ (الطبری ۱۲: ۹۷) [2] قالہ مجاہد و سعید بن جبیر (الطبری ۱۲: ۹۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب ھ ل)

اَلْبَهْلُ (ف) اس کے اصل معنی کسی چیز کا اس حال میں ہونا ہے کہ اس کی دیکھ بھال نہ کی جائے اسی سے اَلْبَاهِلُ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پاستے بند یا نشان لگائے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے یا وہ اونٹنی جسے تھن باندھے بغیر چھوڑ دیا ہو چنانچہ کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا:۔ اَتَيْتُكَ بَاهِلًا غَيْرَ ذَاتِ صِرَارٍ کہ تمہیں پوری آزادی ہے جس طرح چاہو لطف اندوزی کرو اور اَلْبَاهِلُ اونٹ کے ساتھ تشبیہ دے کر اَبْهَلْتُ فُلَانًا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی کسی کو اس کی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دینا کے ہیں۔

اَلْبَهْلُ وَالْاِبْتِهَالُ فِی الدُّعَاءِ کھل کر عاجزی سے دعا کرنا قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ. (۳-۶۱) پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

جن لوگوں نے یہاں اِبْتِهَال کے معنی لعنت کئے ہیں وہ محض اس بنا پر کئے ہیں کہ یہاں دعا لعنت کے لئے تھی۔ شاعر نے کہا ہے ع (رمل)

(۶۸) نَظَرَ الدَّهْرُ اِلَيْهِمْ فَابْتَهَلْ

یعنی زمانہ ان کی طرف تیزی سے چلا اور انہیں فنا کر دیا۔

(ب ھ م)

اَلْبُهْمَةُ کے معنی ٹھوس چٹان کے ہیں اور تشبیہ کے طور پر بہادر آدمی کو بُهْمَة کہا جاتا ہے نیز ہر وہ حسی یا عقلی چیز جس کا عقل و حواس سے ادراک نہ ہو سکے اسے مُبْهَمٌ کہا جاتا ہے۔

اَبْهَمْتُ كَذَا مبہم کرنا اس کا مطاوع اِسْتَبْهَمَ ہے۔ اَبْهَمْتُ الْبَابَ دروازے کو اس طرح بند کرنا کہ کھل نہ سکے۔

اَلْبَهِيْمَةُ چوپایہ جانور (کیونکہ اس کی صورت مبہم ہوتی ہے۔ مگر عرف میں درندہ اور پرندہ کے علاوہ باقی جانوروں کو بہیمۃ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (۵-۱) تمہارے لئے چارپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے گئے ہیں۔

لَيْلٌ بَهِيْمٌ سیاہ رات فَعِيْلٌ بمعنی مُفْعَلٌ ہے۔ اور تاریکی کے باعث اس کا معاملہ بھی چونکہ مبہم ہوتا ہے اس لئے اسے بَهِيْمٌ کہا جاتا ہے یا فعیل بمعنی مُفْعِلٌ ہے چونکہ وہ چیزوں کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اس لئے اسے بَهِيْمٌ کہا جاتا ہے۔

فَرَسٌ بَهِيْمٌ یک رنگ گھوڑا جس کی اچھی طرح پہچان نہ ہو سکے اسی سے ایک روایت میں ہے:۔ (ام) يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بُهْمًا کہ قیامت کے دن لوگ ننگے بدن اٹھیں گے بعض نے کہا ہے کہ دنیاوی زیب و زینت اور آرائش سے عاری ہوں گے واللہ اعلم۔

اَلْبَهْمُ۔ بھیڑ بکری کے بچے۔ واحد بَهْمَةٌ اَلْبُهْمٰى ایک قسم کی گھاس جس کے بیچ ارہونے کی وجہ اس کی جڑیں معلوم نہیں ہو سکتیں کہاں ہیں اَبْهَمَتِ الْاَرْضُ زمین میں بہمی گھاس کا بکثرت ہونا جیسا کہ اَعْشَبَتْ وَاَبْقَلَتْ کے معنی گھاس اور سبزی کے بکثرت ہونے کے ہیں۔

---

۱ قال ابو عبیدۃ فی مجازہ (۱: ۹۶) ثم نبتہل ای نلتعن یقال مالہ بہلہ اللہ راجع ایضا الکشاف والقرطبی ۴/۱۰۵

۲ ہذا عجز بیت للبید وصدرہ فی قروم سادۃ من قومہ انظر دیوانہ ص ۸۰ الطبع لیدن (۱۸۹۱ء) والبیت مما استشہد بہ الطبری فی تفسیرہ (۳ = ۲۹۸) والامالی المرتضی (۱: ۵۴) والبحر (۲: ۴۸۰)

۳ وتمام الحدیث عراۃ غرلا بہما راجع الفائق (۱: ۱۳۰) والنہایۃ واللسان (بہم) ومعنی البہم صحیحۃ الاعضاء کما فی النہایۃ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب و ب)

اَلْبَابُ ہر چیز میں داخل ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ دراصل امکنہ جیسے شہر، مکان، گھر وغیرہ میں داخل ہونے کی جگہ کو باب کہتے ہیں۔ اس کی جمع اَبْوَاب ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ (۱۲-۲۵) اور دونوں دروازوں کی طرف بھاگے اور عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے دپکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا۔ اور دونوں کو دروازوں کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (۱۲-۶۷) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا۔

اور اسی سے (مجازاً) علم میں بَابُ کَذَا کا محاورہ ہے۔ نیز کہا جاتا ہے هٰذَا الْعِلْمُ بَابٌ اِلٰى عِلْمِ كَذَا کہ یعنی یہ علم فلاں علم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا[1]:۔ (۴۲)

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے[2] (رجز)

(۶۹) اَتَيْتَ الْمُرُوْءَةَ مِنْ بَابِهَا

تم نے جوانمردی کو اسی کی جگہ سے حاصل کیا۔

قرآن میں ہے:۔

فَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (۶-۴۴) توہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔

لَهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ (۵۷-۱۳) جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اَبْوَابُ جَنَّةٍ اور اَبْوَابُ جہنم سے مراد وہ باتیں ہیں جو ان تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہیں قرآن میں ہے:۔

اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ (۳۹-۷۲) کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔

حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (۳۹-۷۳) یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام۔

اور جو چیز کسی کام کے لئے صلاحیت رکھتی ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔

هٰذَا مِنْ بَابَتِهٖ كَذَا۔ کہ یہ اس کے مناسب ہے اس کی جمع بَابَات ہے۔ خلیل کا قول ہے کہ بَابَةٌ کا لفظ حدود (اور حساب میں) استعمال ہوتا ہے[3]

بَوَّبْتُ بَابًا۔ میں نے دروازہ بنایا۔

اَبْوَابٌ مُّبَوَّبَةٌ بنے ہوئے دروازے قائم کیے ہوئے دروازے۔ اَلْبَوَّابُ دربان تَبَوَّبْتُ بَابًا میں نے دروازہ بنایا۔

بَابٌ اصل میں بَوَبٌ ہے اور اس میں الف واو سے مبدل ہے۔

---

[1] مروی عن علیؓ فی الترمذی و ابن عباس مرفوعًا فی المستدرک و قال صحیح الاسناد و ذکرہ ابن الجوزی فی الموضوعات و اوردہ السیوطی فی اللالی والسنوعب طرقہ و ذکر نقود العلماء علی ہذا الحدیث راجع (ا: ۳۲۹-۳۳۶) و فی تخریج الاحیاء للعراقی (۲: ۱۹۰) قال ابن حبان لا اصل لہ و قال ابن طاہر موضوع ہذا فی الفتح الکبیر (ا: ۲۷۶) عق عد طب ک - عن ابن عباس (عدک) عن جابر - و فی الترمذی عن علیؓ انا دار الحکمۃ و علی بابہا و قال غریب [2] قدمر فی (اتی) [3] قال المتنبی: و بابۃ کل غلام عتی ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب و ر)

اَلْبَوَارُ (ن) اصل میں بَارَالشَّیءُ یَبُوْرُ بُوْرًا وَبَوَارًا کے معنی کسی چیز کے بہت زیادہ مندا پڑنے کے ہیں اور چونکہ کسی چیز کی کسادبازاری اس کے فساد کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کَسَدَ حَتّٰی فَسَدَ اس لئے بَوَار بمعنی ہلاکت استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے۔ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ (۳۵-۲۹) اس تجارت (کے فائدے) کے جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ ھُوَ یَبُوْرُ (۳۵-۱۰) اور ان کا مکر نابود ہو جائیگا۔

ایک روایت میں ہے[1] (۴۳) نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ بَوَارِ الْاَیِّمِ کہ ہم بیوہ کے مندا پن سے پناہ مانگتے ہیں یعنی یہ کہ اس کے لئے کہیں سے پیغام نکاح نہ آئے۔ اَحَلُّوْا قَوْمَھُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴-۲۸) اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر اتارا۔ رَجُلٌ حَائِرٌ بَائِرٌ مرد سرگشتہ خود رائے۔ جمع کے لئے حُوْرٌ بُوْرٌ کہا جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔ حَتّٰی نَسُوا الذِّکْرَ وَکَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا (۲۵-۱۸) یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ میں بُوْرٌ بَائِرٌ کی جمع ہے[2] بعض نے کہا ہے کہ بُوْرٌ مصدر ہے اور واحد و جمع دونوں کی صفت واقع ہوتا ہے جیسے۔ رَجُلٌ بُوْرٌ وَّ قَوْمٌ بُوْرٌ شاعر نے کہا ہے[3] ع (خفیف)

(۷۰) یَا رَسُوْلَ الْمَلِیْکِ اِنَّ لِسَانِیْ
رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ اِذْ اَنَا بُوْرٌ

اے اللہ کے رسول جو گناہ میں نے کفر کی حالت میں کئے اب ان سے تائب ہوتا ہوں۔

بَارَ الْفَحْلُ النَّاقَۃَ کے اصل معنی نر شتر کا مادہ کو یہ معلوم کرنے کے لئے سونگھنا کہ آیا حاملہ ہے یا نہیں اور استعارۃً کسی چیز کا امتحان کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔ بُرْتُ کَذَا میں نے فلاں چیز کو آزما دیکھا۔

(ب و ء)

اَلْبَوَاءُ۔ کے اصل معنی کسی جگہ کے اجزا کا مساوی (اور سازگار موافق) ہونے کے ہیں۔ یہ نَبْوَۃٌ کی ضد ہے جس کے معنی اجزاء کی ناہمواری

---

[1] انظر الحدیث، للسان (بور) والنہایۃ ۱؍۹۸ وغریب القرآن للقتبی ۳۱۱ والصغیر للطبرانی ۲۱۸ وفیہ تفرد بہ کنز العمال ۲؍رقم ۲۲۳۸ عن ابن عباس (ز ن)، و ۳؍۸۲۱ عن مجاہد مرفوعا [2] (قال تعالٰی: وکنتم قوما بورا (الفتح ۱۲) ای ہلکی عن ابن عباس ومجاہد وغیر واحد وقیل فوما فاسدین عن قتادۃ (الطبری ۲۶-۵۹) وابن کثیر (۴: ۱۸۹) [3] قالہ عبداللہ بن الزبعری السہمی القرشی وفی اللسان (بور) الاول بدل الملیک والبیت من کلمۃ قالہا حین قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلما وکان ہجا ہم فی الجاہلیۃ قال السہیلی (رتقت) ای فی الدین فکل اثم فتق وکل توبۃ رتق۔ اذ انا بور یریداذ انا کافر ہالک اھ راجع الروض (۲: ۲۷۹) والمؤتلف ۱۴۲ والسمط ۲۸۸-۳۹۰، ۸۳۳ واصلاح المنطق ۱۲۵ والسیرۃ (جوتنجن ۸۲۷) والطبری (۱۳: ۳۰؍۱۷: ۲۶۶) وتاریخ الطبری (۲: ۳۳۹) فی اربعۃ ابیات وفی (۳: ۱۲۲) والجمہرۃ (۱: ۲۵۸) والقرطبی (۱۳: ۱۱) والطبرسی (۲۶: ۵۸) واللسان والتاج والمقاییس (بور) ومجاز القرآن لابی عبیدۃ (۱: ۳۴۰ رقم ۳۹۰) والاتباع لابی الطیب ۲۲ والمخصص (۳: ۴۸) والاغانی (۱: ۳۳؍۱۷: ۳۰) والامالی (۱: ۱۴۰) والاقتضاب ۱۱ والشریشی (۲: ۳۱۸) وابن خالویہ ۲۳ وغریب القرآن للقتبی ۳۱۱ وشرح السبع لابن الانباری ۴۵۹، ۳۸۹ واسد الغابۃ (۳: ۱۴۰) فی ستۃ ابیات ؏

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ناسازگاری) کے ہیں۔ لہٰذا مَکَانٌ بَوَاءٌ اس مقام کو کہتے ہیں۔ جو اس جگہ پر اترنے والے کے سازگار اور موافق ہو۔

بَوَّأْتُ لَهُ مَكَانًا میں نے اس کے لئے جگہ کو ہموار اور درست کیا اور تَبَوَّأْتُ اس کا مطاوع ہے جس کے معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں قرآن میں ہے: وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا (۱۰-۸۷) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ (۱۰-۹۳) اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کو عمدہ جگہ دی۔

تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (۳-۱۲۰) ایمان والوں کو لڑائی کے لئے مورچوں پر (موقع بہ موقع) متعین کرنے لگے۔

يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ (۱۲-۵۶) وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔

ایک روایت میں ہے[1] (۴۵) إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَتَبَوَّأُ لِبَوْلِهِ كَمَا يَتَبَوَّأُ لِمَنْزِلِهِ کہ آنحضرت پیشاب کرنے کے لئے ہموار اور مناسب جگہ تلاش کرتے جیسے کوئی شخص اقامت کے لئے جگہ تلاش کرتا ہے۔

بَوَّأْتُ الرُّمْحَ میں نے مناسب جگہ پر نیزہ مارا۔

ایک حدیث میں ہے[2]: (۴۶)

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ جو عمداً مجھ پر جھوٹ لگائے اس کا ٹھکانا جہنم ہے الراعی نے اونٹوں کی صفت میں کہا ہے[3]

(۴۷) لَهَا أَمْرُهَا حَتَّى إِذَا مَا تَبَوَّأَتْ

بِأَخْفَافِهَا مَأْوًى تَبَوَّأَ مَضْجَعًا

یعنی چرواہا اونٹ چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ جب وہ چرنے کے لئے جگہ ہموار پا لیتے ہیں تو وہ اپنی آرام گاہ پر آکر سوجاتا ہے۔

اور تَبَوَّأَ فُلَانٌ (کنایہ) کے معنی نکاح کرنے کے ہیں جیساکہ بَنَى بِأَهْلِهِ وغیرہ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور بَوَاءٌ کا لفظ مصاہرت یا قصاص میں برابر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے فُلَانٌ بَوَاءٌ لِفُلَانٍ۔ وہ فلاں کا ہمسر ہے یعنی رشتہٴ مصاہرت میں اس کا کفو ہے یا قصاص میں اس کے مساوی ہے۔ اور آیت کریمہ: فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ (۸-۱۶) کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی جگہ پر اترا کہ اس کے ساتھ اللہ کا غضب یعنی عقوبت ہے۔ تو یہاں بِغَضَبٍ موضع حال میں ہے جیسے خَرَجَ بِسَيْفِهِ میں ہے اور مَرَّ بِزَيْدٍ کی طرح مفعول نہیں ہے۔ اور بِغَضَبٍ پر باء لاکر تنبیہ کی ہے کہ موافق جگہ میں

---

[1] رواه فی (طس۔ عن ابی ہریرة) راجع کنز العمال (۷، رقم ۱۹۶) [2] من حدیث ابی ہریرة رواه احمد ۲/۵۰۱ رقم ۱۰۵۲۰ وابن ماجة ایضاً والحدیث باختلاف الفاظ فی مسلم ۱/۹ والحاکم ۱/۱۰۲-۱۰۳ ومسند احمد رقم ۸۲۴۹ و ۸۷۶۱ و ۹۳۰۵ و ۹۳۲۹ و ۹۵۷۰ و ۱۰۰۵۰ و ۲/۲۱۰۷۳۹، ۳۲۱، ۳۶۵، ۴۱۰، ۴۱۳، ۴۶۹، ۵۱۹ والشافعی فی الرسالة ۱۰۹۱۔ راجع لتخریجه ایضاً کنز العمال ۳/۵۵-۵۷ رقم ۳۱۰۰ و ۳۱۱۰ ولا تجد فی غیره [3] قال الراعی واسمه عبید بن حصین بن معاویة بن بنی نمیر یکنی ابا جندل شاعر اسلامی وقبله: فخذا ان یتبع الزوج مرة یدعها ویخف الصوت حتی تریعا راجع للبیت اللآلی ۵۰ والسمط ۵۰۷ والامالی (۲/۱۳۷) وفی روایة لاخفافها مرعی بدل باخفافها ماوی وامالی المرتضی (۱: ۲۲۳) والفائق (۱: ۲۴) فیه قصة الشعبی مع السائل حین سئل عن رجل لطم عین رجل فشرقت بالدم فقال البیت فضربه مثلا للعین المحمرة ای لادیة فیها حتی یذهب ضوءها

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کے باوجود وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہے تو ناموافق جگہ میں بَاۗءَ الْاَوْلٰی اس پر غضب ہوگا۔ لہذا یہ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ کی مثل ہے اور آیت کریمہ:۔
اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ (۵-۲۹) میں تَبُوْٓءَ بِاِثْمِیْ کے معنی یہ ہیں کہ تو اس حالت کے ساتھ ہمیشہ رہے شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)
(۴۲) "اَنْكَرْتُ بَاطِلَهَا وَبُؤْتُ بِحَقِّهَا"
میں نے اس کے باطل کا انکار کیا اور اس کے حق پر اقرار کیا۔
جن لوگوں نے اس کے معنی اَقْرَرْتُ بِحَقِّهَا (یعنی اس کے حق کا اقرار کیا) کئے ہیں تو یہ تفسیر مقتضی لفظ کے مطابق نہیں ہے۔ اَلْبَاۗءَۃُ کنایہ از جماع خلف الاحمر سے منقول ہے کہ حَیَّاكَ اللهُ وَبَیَّاكَ اللهُ میں بَیَّاكَ اصل میں بَوَّءَكَ مَنْزِلًا ہے جیسا کہ اَتَیْتُهُ الْغَدَایَا وَالْعَشَایَا میں ہے یعنی عشایا کی مناسبت سے غدایا کہا جاتا ہے۔

(ب ی ت)

اَلْبَیْتُ اصل میں بیت کے معنی انسان کے رات کے ٹھکانہ کے ہیں۔ کیونکہ بَاتَ کا لفظ رات کو کسی جگہ اقامت کرنے پر بولا جاتا ہے جیسے ظَلَّ کے معنی دن گزارنے کے ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہ لفظ مطلق مسکن اور مکان کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے عام اس سے کہ وہ مٹی یا پتھر سے بنایا گیا ہو یا اون اور بالوں کا بنا ہوا ہے اس کی جمع بُیُوْتٌ اور اَبْیَاتٌ آتی ہے مگر پہلی جمع مسکن کے مختص ہے اور دوسری بیت بمعنی شعر کے ساتھ۔
قرآن میں ہے:۔
فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا (۲۷-۵۲)
یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں۔
وَاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً (۱۰-۸۷) اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھہراؤ۔
لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ (۲۴-۲۷)
دوسروں لوگوں کے گھروں میں ... داخل نہ ہوا کرو۔
اور تشبیہ کے طور پر ایک شعر کو بیت کہہ دیتے ہیں۔ اور ہر چیز کے مکان کو (مجازا) اس کا بیت کہا جاتا ہے
اور اَهْلُ الْبَیْتِ کا لفظ آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں متعارف ہو چکا ہے اور آنحضرت نے (۴۳) سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے) فرما کر تنبیہ کر دیا ہے[2] کہ غلام کی نسبت اس کے آقا کی طرف ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے[3]
(۴۴) مَوْلَی الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُهُ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کہ کسی قوم کا غلام انہی میں سے ہے اور اس کا لڑکا بھی ان ہی سے ہے۔
بَیْتُ اللهِ وَالْبَیْتُ الْعَتِیْقُ کعبہ قرآن میں ہے:۔
وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (۲۲-۲۹) اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔

[1] قالہ البیہ وعجزہ: بعندی، ولم یفخر علی کرامہا۔ والبیت فی اللسان والتاج والصحاح (بوء) [2] الحدیث رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن عمرو بن عوف الفتح الکبیر ۲/۱۵۹ [3] وفی روایۃ "من انفسہم" راجع لہ (حم، ن، حب، ک، ت) عن ابی رافع (خ) عن انس، واحمد من حدیث عتبۃ بن غزوان وابی موسی والطبرانی من حدیث ابی سعید فتح الباری ۵/۱۳۴ وطب۔ عن مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطب والبیہقی۔ عن ابن عباس والبغوی والباوردی وابن عساکر عن طہمان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنز العمال ۷: ۱۹۲۸، ۱۹۳۵، ۱۹۳۷، ۱۹۴۲، ۱۹۵۱ واما لفظ "وابنہ من انفسہم" فلم اجدہ فی شیٔ من المراجع۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ (۳-۹۶)
پہلا بیت جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ (۲-۱۲۷) اور جب ابراہیم ... بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ (۲-۱۸۹) اور نیکی اس بات میں نہیں ہے کہ (احرام کی حالت میں) گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ۔

ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو احرام کے بعد اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہونے سے پرہیز کرتے اور اسے احرام کے منافی سمجھتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ اس قسم کی رسوم بِرّ کے منافی ہیں اور آیت کریمہ۔

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ (۱۳-۲۳-۲۴) اور فرشتے (بہشت کے) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو۔

میں مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ سے ہر قسم کی مسرتیں مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ (۲۴-۳۶) (ان گھروں میں ہے) جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں۔

میں بقول بعض اس سے بیوت نبوی مراد ہیں۔ جیسا کہ آیت:۔

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ (۳۳-۵۳) پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو اجازت دی جائے۔ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ فِي بُيُوتٍ سے آپ کے اہل بیت اور قوم مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک قلب یعنی دل کی طرف اشارہ ہے بعض حکماء نے حدیث (۴۷) لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ[1] کے تحت لکھا ہے کہ یہاں بیت سے مراد دل اور کلب سے مراد حرص ہے۔ کیونکہ كَلِبَ فُلَانٌ کے معنی بہت زیادہ حرص کرنے کے ہیں اور کتا حرص میں ضرب المثل ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فُلَانٌ أَحْرَصُ مِنَ الْكَلْبِ (فلاں کتے سے زیادہ حریص ہے) اور آیت:۔ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (۲۲-۲۶) جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا۔

میں مَكَانَ الْبَيْتِ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (۶۶-۱۱) اے میرے پروردگار میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا۔ میں جنت میں گھر بنانے کے معنی یہ ہیں کہ جنت میں داخل ہونا میرے لئے آسان کر دے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً (۱۰-۸۷) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی طلحۃ زید بن سہل الانصاری وابن ماجۃ من حدیث علی وفی الباب ایضاً فی سنن ابی داود والنسائی وزاد ابن حبان رقم ۴۸۴ ولکن بزیادۃ لفظ "ولا جنب" وھذہ الزیادۃ وردت بطرق ضعاف عون المعبود ۱/۹۰ ☆

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ ٹھہراؤ۔
یہاں گھروں کو قبلہ ٹھہرانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اندر مسجد اقصیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرتے رہو۔ اور آیت کریمہ:۔
فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ۔ (۵۱-۳۶) اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔
یہاں ایک گھر سے ایک خاندان مراد ہے جو ایک گھر میں سکونت پذیر تھے۔ جیسا کہ قریہ بول کر اہل قریہ مراد لیے جاتے ہیں۔
اَلْبَيَاتُ وَالتَّبْيِيتُ کے معنی رات میں دشمن پر حملہ کرنے یعنی شبخون مارنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَائِمُوْنَ۔ (۷-۹۷) کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ بے خبر سو رہے ہوں۔
بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَائِلُوْنَ (۷-۴) (رات کو) آتا تھا جب کہ وہ سوتے تھے یا (دن کو) جب وہ قیلولہ (یعنی دن کو آرام) کرتے تھے۔
اَلْبَيُّوْتُ وہ معاملہ جس پر رات بھر غور و خوض کیا گیا ہو۔ قرآن میں ہے:۔
بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ (۴-۸۱) ان میں بعض لوگ رات کو مشورے کرتے ہیں۔
اور بَيَّتَ الْاَمْرَ کے معنی ہیں رات کے وقت کسی کام کی تدبیر کرنا۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ (۴-۱۰۸) حالانکہ جب وہ راتوں کو ایسی باتوں کے مشورے کیا کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا۔
اسی طرح ایک روایت میں ہے[1] (۸۴)
لَا صِيَامَ لِمَنْ لَّمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ کہ جو شخص رات سے روزہ کی پختہ نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ اور بَاتَ فُلَانٌ يَفْعَلُ كَذَا کے معنی رات بھر کوئی کام کرنا کے ہیں جیسا کہ ظل کے معنی دن بھر کام کرنا آتے ہیں اور یہ دونوں افعال عادات سے ہیں[2]۔

(ب ی د)

بَادَ (ض) الشَّيْءُ يَبِيْدُ بَيَادًا کے اصل معنی بَيْدَاءُ یعنی بیابان میں کسی چیز کے متفرق اور پراگندہ ہونے کے ہیں اور اسی اعتبار سے کامل تباہی اور بربادی کے متعلق یہ لفظ استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے:۔
مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖ اَبَدًا (۱۸-۳۵) کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔
اَلْبَيْدَاءُ کے معنی لق و دق صحرا کے ہیں اس کی جمع بِيْدٌ ہے اور مادہ خر وحشی کو اَتَانٌ بَيْدَانَةٌ کہا جاتا ہے۔

(ب ی ض)

اَلْبَيَاضُ سفیدی۔ یہ سَوَادٌ کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے اِبْيَضَّ، اِبْيِضَاضًا وَبَيَاضًا فَهُوَ مُبْيَضٌّ۔ قرآن میں ہے:۔
يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (۳-۱۰۶) جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ۔

---

[1] والحدیث بلفظہ فی النسائی عن حفصۃ راجع تخریج الکشاف ۱۲ والفائق ۱/۳۳ رفع روایۃ لمن لم یبیت واصحاب السنن من حدیث حفصۃ بلفظ لمن لم یجمع وباختلاف الفاظہ فی (ن) عن حفصۃ (وقط وہق) عن عائشۃ وبمعناہ فی (صہ، حم) ۳۱ عن حفصۃ)
[2] فی المطبوع ہہنا ہوجاج والتسدید من المراجع :

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ (۳-۱۰۷) اور جن کے منہ سفید ہوں گے۔

اور اَبْیَض ایک رگ کا نام بھی ہے جو سفید رنگ ہونے کی وجہ سے ابیض کہلاتی ہے۔

اہل عرب کے ہاں چونکہ سفید رنگ تمام رنگوں میں بہتر خیال کیا جاتا تھا جیسے کہا گیا ہے۔ اَلْبَیَاضُ اَفْضَلُ وَالسَّوَادُ اَھْوَلُ وَالْحُمْرَۃُ اَجْمَلُ وَالصُّفْرَۃُ اَشْکَلُ اس لئے بیاض بول کر فضل وکرم مراد لیا جاتا ہے اور جو شخص ہر قسم کے عیب سے پاک ہو اسے اَبْیَضُ الْوَجْہِ کہا جاتا ہے اس بنا پر آیت مذکورہ میں اِبْیَاضُ الْوُجُوْہ سے مسرت اور اِسْوِدَادُ الوجوہ سے غم مراد ہوگا جیسے دوسری جگہ فرمایا:۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا (۱۶-۵۸) حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے۔

اور جیسے اِبْیَاضُ الْوُجُوْہ خوشی سے کنایہ ہوتا ہے اسی طرح آیت:۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ (۷۵-۲۲) اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے۔ اور آیت:۔ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ (۸۰-۳۸) اور کتنے منہ اس روز چمک رہے ہونگے خوش اور مسرور نظر آئیں گے۔ میں بھی نَضْرَۃ اور اِسْفَار سے مراد مسرت ہی ہوگی۔ شاعر نے کہا ہے[1] (منسرح)

(۷۲) اُمُّکَ بَیْضَاءُ مِنْ قُضَاعَۃَ

یعنی تم عفیف اور سخی سردار ہو۔

اسی معنی میں فرمایا:۔ بَیْضَاءَ لَذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ (۳۷-۴۶) جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہوگی۔

اَلْبَیْضُ یہ بَیْضَۃٌ کی جمع ہے اور انڈے کے سفید ہونے کی وجہ سے بَیْضَۃٌ کہا جاتا ہے۔ انڈا سفید اور پروں کے نیچے محفوظ رہتا ہے اس لئے تشبیہ کے طور بَیْضَۃٌ بول کر خوبصورت عورت مراد لی جاتی ہے۔ بَیْضَۃُ الْبَلَدِ[2] یہ لفظ تعریف اور مذمت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب کلمہ تعریفی ہو تو اس سے رئیس شہر مراد ہوتا ہے۔

اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے[3]:۔ (کامل)

(۷۳) کَانَتْ قُرَیْشٌ بَیْضَۃً فَتَفَلَّقَتْ
فَالْمُخُّ خَالِصُہٗ لِعَبْدِ مَنَافٍ

قریش ایک انڈے کی مثل تھے جو ٹوٹا تو عبدمناف کے حصہ میں خالص مخ آئی۔

---

[1] قالہ ابن قیس الرقیات وتمامہ: ...... فی الرمیت الذی یستظل فی طنبہ۔ راجع اللسان (بیض) وشرح دیوان زہیر ۲۱۲ ودیوانہ ۹۴ واضداد ابی الطیب ۱۳ بغیر عزو وذکر بعضھم تکملتہ: ...... قد تمت لہا الولادات والنقد۔ راجع معانی اللبیہ للقیتبی ۵۴۸ والمرزوقی ۱۵۰ وفیہ یستکن بدل یستظل وق ص ۱۹۴ عزاہ فی حواشی المرزوقی لابن قیس الرقیات ولشدہ ایضا [2] مثل عند الجرجانی ۱۰۹ والعسکری ۶۲:۲ ۱۶۴ والمیدانی ار ۱۴۴ ، ۸۷/۸ والکلام علیہ مستوفی فی الاضداد لابن الانباری ۷۴ والسجتانی ۱۱۷ وذکر فی السمط کلا المعنیین ۵۹۵

[3] البیت فی اللسان والتاج والصحاح (مخ) والسیرۃ (۱:۹۴) وابن ابی الحدید (۳:۴۵۳) والعینی (۴:۱۴۰) منسوب الی ابن الزبعری وفی اکثر الروایات فالمخ وبالمہاۃ او فی روایۃ اللسان وحدہا "خالصہا"۔ راجع الامالی للمرتضی (۲:۸) و ۲۶۸ ونسبہ الی مطرود بن کعب الخزاعی وفی ۹۴ وذکر قصتہ وتاریخ الطبری (۲:۱۴) فی ترجمۃ ابن عبدمناف واضداد ابن الانباری ۸۷ وابی الطیب ۵۵ والتنبیہ للبکری ۵۷ ومثلہ لحسان بن ثابت (دیوانہ ۱۴ طبعۃ دار صادر) لکن فیہ عبدالدار بدل عبدمناف ۲:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب مذمت کے لئے استعمال ہو تو اس سے ذلیل آدمی مراد لیا جاتا ہے جیسے جنگل میں پڑے ہوئے انڈے کی طرح ہر ایک توڑ سکتا ہے اور شکل و رنگ میں مشابہت کی وجہ سے خصیتین کو بَیْضَتَا الرَّجُل کہا جاتا ہے۔ بَاضَتِ الدَّجَاجَۃ مرغی کا انڈے دینا۔ بَاضَ کَذَا کسی جگہ پر متمکن ہونا۔ شاعر نے کہا ہے[۴] ر

(۴۴) بَدَا مِنْ ذَوَاتِ الضِّغْنِ یَأْوِیْ
صُدُوْرَھُمْ فَعَشَّشَ ثُمَّ بَاضَا

بَاضَ الْحَرُّ گرمی سخت ہونا۔
بَاضَتْ یَدُ الْمَرْأَۃِ عورت کے ہاتھ پر انڈے کی طرح ورم ہونا۔ دَجَاجَۃٌ بَیُوْضٌ انڈے دینے والی مرغی ج بُیُضٌ۔

(ب ی ع)

اَلْبَیْعُ کے معنی بیچنے اور شِرَاءٌ کے معنی خریدنے کے ہیں۔ لیکن یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور بہ قیمت اور مبیع کے لحاظ سے ہوتا ہے اسی معنی میں فرمایا:۔ وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاھِمَ (۱۲-۲۰) اور اس کو تھوڑی سی قیمت یعنی معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا۔ اور علیہ السلام نے فرمایا[۵] (۴۶)
لَا یَبِیْعَنَّ اَحَدُکُمْ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْہِ کہ کوئی اپنے بھائی کی خرید پر خرید نہ کرے۔
اَبَعْتُ الشَّیْءَ کسی چیز کو بیع کے لئے پیش کرنا۔

شاعر نے کہا ہے[۶] (کامل)

(۴۵) فَرَسًا فَلَیْسَ جَوَادُنَا بِمُبَاعٍ

یعنی ہم عمدہ گھوڑی فروخت کے لئے پیش نہیں کریں گے۔
اَلْمُبَایَعَۃُ وَالْمُشَارَاۃُ خرید و فروخت کرنا۔
وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۲-۲۷۵) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام وَذَرُوا الْبَیْعَ (۶۲-۹) اور (خرید و فروخت ترک کر دو) لَا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ (۱۴-۳۱) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا نہ دوستی (کام آئے گی)
بَایَعَ السُّلْطَانَ (بادشاہ کی بیعت کرنا) اس قلیل مال کے عوض جو بادشاہ عطا کرتا ہے اس کی اطاعت کا اقرار کرنا۔ اس اقرار کو بَیْعَۃٌ یا مُبَایَعَۃٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:
فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ (۹-۱۱۱) تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو۔ میں بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر کہ آیت:
لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (۴۸-۱۸) (اے پیغمبر) جب مؤمن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا۔ اور آیت کریمہ:
اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ اَلْاٰیَۃ (۹-۱۱۱) میں پایا جاتا ہے۔
اَلْبَاعُ (دونوں بازوؤں کے پھیلانے کی مقدار

---

[۴] لم اجدہ فی المراجع ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

[۵] رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ طاخ اف ۲۷۔ عن ابن عمر وعند الضارحم، ق، دات، [۶] وادلہ: ترضیت آلار الکمیت فمن یُبع۔ والبیت فی اللسان (بیع) دالاقتضاب ۲۰۴ واصلاح یعقوب ۵ ۲۴۳ دحواشی التکالیس (۱: ۲۷) قالہ اجدع بن مالک الہمدانی وفی روایۃ اذ لا الاالکمیت بدل آلار الکمیت وراجع لترجمۃ الشاعر الاشتقاق ۱۲۱، ۲۵، ۴۴ والمؤتلف ۴۱ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو تقریباً ۹ فٹ ہوتی ہے) یہ مادہ واوی سے ہے کیونکہ بَاعَ فِی السَّیْرِ یَبُوْعُ کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی گھوڑے کے لمبے لمبے قدم رکھنا کے ہیں[1]۔

(ب ی ل)

اَلْبَالُ اصل میں اس حالت کو کہتے ہیں جس کی فکر یا پرواہ کی جائے اور یہ مَا بَالَیْتُ بِکَذَا بَالَۃً کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی پرواہ نہ کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
کَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (۴۷-۲) ان سے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کی حالت سنوار دی۔
فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (۲۰-۵۱) تو پہلی جماعتوں کا کیا حال[2] اور انسان کے دل اور دل میں گزرنے والے خیال کو بھی بَالٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔ خَطَرَ کَذَا بِبَالِیْ میرے دل میں یہ بات کھٹکی۔

(ب ی ن)

اَلْبَیْنُ کے معنی دو چیزوں کا درمیان اور وسط کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا (۱۸-۳۲) اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔
محاورہ ہے بَانَ کَذَا کسی چیز کا الگ ہو جانا اور جو کچھ اس کے تحت پوشیدہ ہو، اس کا ظاہر ہو جانا۔ چونکہ اس میں ظہور اور انفصال کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے یہ کبھی ظہور اور کبھی انفصال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور گہرے کنویں کو بَیُوْنٌ کہا جاتا ہے کیونکہ پانی نیچے اتر جانے کے سبب اس سے پانی نکالتے وقت رسی کو ہاتھ سے جدا کرنا پڑتا ہے تو اس میں انفصال کا معنی ملحوظ ہے۔
بَانَ الصُّبْحُ صبح نمودار ہو گئی اور آیت کریمہ:۔ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَیْنَکُمْ (۶-۹۵) آج تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے۔ میں بَیْنٌ کے معنی رشتہ اور تعلق کے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ تمہارے اموال قبیلہ اور اعمال جن پر تم اعتماد کرتے تھے سب ضائع ہو گئے جسکی طرف کہ آیت:۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ (۲۶-۸۸) میں اشارہ پایا جاتا ہے اور یہی معنی آیت:۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی (۶-۹۴) الآیۃ ایسے ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے۔ کے ہیں۔
واضح رہے کہ لفظ بَیْنَ کبھی اسم بن کر استعمال ہوتا ہے اور کبھی ظرف چنانچہ آیت مذکورہ میں دو قراءتیں ہیں جو اسے اسم قرار دیتے ہیں وہ بَیْنُکُمْ (بضمہ نون) پڑھتے ہیں اور جن کے نزدیک ظرف ہے وہ بَیْنَکُمْ (بفتح نون) پڑھتے ہیں اور ظرف غیر متمکن ہونے کی بنا پر اسے مفتوح رہنے دیتے ہیں[3]۔ چنانچہ آیات:۔
لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۴۹-۱) (کسی بات کے جواب میں) خدا اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو۔ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۵۸-۱۲) تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔
فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ (۳۸-۲۲) تو آپ ہم میں

---

[1] وایضاً البیعۃ معبد النصاریٰ، لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ (۲۲-۴۰) [2] وایضاً فما بال النسوۃ التی قطعن ایدیهن (۱۲-۵۰) [3] قراءۃ الرفع منسوب الی حمزۃ الکوفی احد القراء السبعۃ والفتح قراءۃ نافع الکسائی وحفص (راجع اضداد ابی الطیب ۸۳ والبحر المحیط لابی حیان ۴/۱۸۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انصاف کا فیصلہ کر دیجئے۔ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ (۴-۹۲) اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو۔ میں بَيْنَ ظرف واقع ہوا ہے اور آیت:۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا (۱۸-۶۱) جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے۔

میں بَيْنَ کا لفظ اسم ظرف بھی ہو سکتا ہے اور بمعنی مصدر بھی یعنی جب وہ ان کے الگ ہونے کے مقام پر پہنچے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بَيْنَ کا لفظ یا تو وہاں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں مسافت پائی جائے جیسے بَيْنَ الْبَلَدَيْنِ (دو شہروں کے درمیان) یا جہاں دو یا دو سے زیادہ چیزیں ہوں جیسے بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ بَيْنَ الْقَوْمِ اور واحد کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں بَيْنَ کو مکرر لانا ضروری ہوتا ہے[1] جیسے فرمایا:۔

وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (۴۱-۵) اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے۔

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا (۲۰-۵۸) تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو۔

اور کہا جاتا ہے:۔ هٰذَا الشَّيْءُ بَيْنَ يَدَيْكَ یعنی یہ چیز تیرے قریب اور سامنے ہے۔ اسی معنی میں فرمایا:۔

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ (۷-۱۷) پھر ان کے آگے ... (غرض ہر طرف سے) آؤں گا۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا (۱۹-۶۴) جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ... سب اسی کا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (۳۶-۹) اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی۔ اور ان کے پیچھے بھی۔

مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ (۵-۲۶) جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے۔

أَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا (۳۸-۸) کیا ہم سب میں سے اسی پر نصیحت (کی کتاب) اتری ہے اور آیت کریمہ:۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ (۳۴-۳۱) اور جو کافر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانیں گے اور نہ ان کتابوں کو جو اس سے پہلے کی ہیں۔

میں بَيْنَ يَدَيْهِ سے انجیل اور دیگر کتب سماویہ مراد ہیں اور آیت کریمہ:۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (۸-۱) خدا سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔

کے معنی یہ ہیں کہ صلہ رحمی، قرابت، دوستی وغیرہ باہمی رشتوں کا لحاظ کرو جو باہم تم سب کے درمیان مشترک ہیں اور بَيْنَ کے بعد مَا یا الف کا اضافہ[2] کر کے حین کے معنی میں استعمال کر لیتے ہیں جیسے بَيْنَمَا زَيْدٌ يَفْعَلُ كَذَا وَبَيْنَا نَفْعَلُ یعنی در آنحالیکہ زید یہ کام کر رہا تھا۔ شاعر نے کہا ہے[3] (کامل)

(۷۲) بَيْنَا تَعَنُّقُهُ الْكُمَاةَ وَرَوْغِهِ
يَوْمًا أُتِيحَ لَهُ جَرِيءٌ سَلْفَعُ

اس حال میں کہ وہ ایک روز بہادروں سے مقابلہ اور مراوغہ کر رہا تھا کہ اس کے لئے ایک دلیر بہادر مقصد ہو گیا۔

---

[1] واما آیۃ لا نفرق بین احد من رسلہ ففیہا لفظۃ احد بمعنی الجمیع فلا اعتراض (لوذی ۱/۷) [2] دیسمی ہذہ الالف الکافۃ وقیل بعض الکافۃ وقیل اشباع وبین مضافۃ الی الجملۃ (المغنی لابن ہشام ۱/۴۱۱) ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ [3] قالہ (بقیہ صفحہ ۳۷۳ پر دیکھو)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَانَ وَاسْتَبَانَ وَتَبَيَّنَ کے معنی ظاہر اور واضح ہو جانے کے ہیں اور بَيَّنْتُهُ کے معنی کسی چیز کو ظاہر اور واضح کر دینے کے۔ قرآن میں ہے :

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ (۱۴-۴۵) اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا۔

وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسَاكِنِهِمْ (۲۹-۳۸) چنانچہ ان کے (ویران) گھر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ (۶-۵۵) اور اس لیے کہ گنہگاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے۔

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲-۲۵۶) ہدایت صاف طور پر ظاہر (اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ (۳-۱۱۸) ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔

وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم کو سمجھا دوں (۴۳-۶۳)

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (۱۶-۴۴) ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ (۱۶-۳۹) تاکہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ (۳-۹۷) اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ (۲-۱۸۵) (روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے۔

اور بیان کرنے والے کے اعتبار سے آیت کو مُبَيِّنَة بھی کہا جاتا ہے جیسے آيَةٌ مُبَيِّنَةٌ و مُبَيِّنَاتٌ و مُبَيَّنَاتٌ۔ اَلْبَيِّنَةُ کے معنی واضح دلیل کے ہیں۔ خواہ وہ دلالت عقلیہ ہو یا محسوسۃ اور شَاهِدَانِ (دو گواہ) کو بھی بَيِّنَة کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے : (۱۳۷) اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ کہ مدعی پر گواہ لانا ہے اور مدعا علیہ پر حلف۔

قرآن میں ہے :-

أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ (۱۱-۱۷) بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتے ہیں۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (۸-۴۲) تاکہ جو مرے بصیرت پر (یعنی یقین جان کر) مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر (یعنی حق پہچان کر) جیتا رہے۔

بقیہ حاشیہ ۱۳۶ ابو ذویب الخضری فی رثا رنبیہ والشطر الاول فی المطبوع مصحف والتسدید من المراجع والبیت فی اللسان والتاج (بین) والمغنی لابن ہشام رقم ۷۹۸ والسیوطی ۹۲، ۲۶۷ وفی روایتہم جمیعًا تعانقہ بدل تعنقہ والبیت فی الخزانۃ (۳: ۱۸۳) والتبریزی شرح الحماسۃ (۴: ۲۹) والمرزوقی ۱۷۸۴ واستشہد بہ الاصمعی وکثیر من النحاۃ بان لفظۃ بینا و بینما یاتیان للمفاجاۃ والجزم ان تقع بعدہما اذا و اذ بخلاف ما ذہب الیہ سیبویہ راجع للبحث الکتاب لسیبویہ والبیت ایضًا فی الاشباہ والنحویہ (۱: ۱۷۶) والجمہرۃ ۲۴۷ فی ۷۲ بیتًا و دیوان الہذلیین (۱: ۸) وشرح الدرۃ للخفاجی ۹۷ ۱۳۷ رواہ الترمذی عن ابن عمرو ولکن لفظہ والیمین علی المدعیٰ علیہ وفی البیہقی وابن عساکر عن ابن عمر علی من انکر (راجع الفتح الکبیر ۲/۲۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ (۷-۱۰۱) ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔

اَلْبَيَانُ کے معنی کسی چیز کو واضح کرنے کے ہیں اور یہ نطق سے عام ہے۔ کیونکہ نطق انسان کے ساتھ مختص ہے اور کبھی جس چیز کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اسے بھی بَيَانٌ کہہ دیتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ "بَيَانٌ" دو قسم پر ہے۔ ایک بیان بِالتَّنْجِيْزِ یعنی وہ اشیاء جو اس کے آثار صنعت میں سے کسی حالت پر دال ہوں دوسرے بیان بالاختیار اور یہ یا تو زبان کے ذریعہ ہو گا اور یا بذریعہ کتابت اور اشارہ کے چنانچہ بیان حالت کے متعلق فرمایا۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ (۴۳-۶۲) اور (کہیں) شیطان تم کو (اس سے) روک نہ دے وہ تو تمہارا علانیہ دشمن ہے۔ یعنی اس کا دشمن ہونا اس کی حالت اور آثار سے ظاہر ہے۔ اور بیان بالاختیار کے متعلق فرمایا:۔

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ (۱۶-۴۳-۴۴) اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ اور ان پیغمبروں (کو) دلیلیں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (۱۶-۴۴) اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔

اور کلام کو بیان کہا جاتا ہے کیونکہ انسان اس کے ذریعہ اپنے ما فی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

هٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ (۳-۱۳۸) یہ (قرآن) لوگوں کیلئے بیان صریح ہے۔

اور مجمل مبہم کلام کی تشریح کو بھی بیان کہا جاتا ہے جیسے ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۷۵-۱۹) پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

بَيَّنْتُهُ وَأَبَنْتُهُ کسی چیز کی تشریح کرنا۔ جیسے فرمایا:۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (۱۶-۴۴) تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو۔

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۶۷-۲۶) کھول کر ڈرانے والا ہوں۔

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ۔ (۳۷-۱۰۶) بلا شبہ یہ صریح آزمائش تھی۔

وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ۔ (۴۳-۵۲) اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ۔ (۴۳-۱۸) اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كتابُ التّاء

(ت) (حرف جار)

شروع کلمہ میں قسم کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ۔ (۲۱-۵۷) اور خدا کی قسم ...... میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔

(۲) فعل مستقبل کے شروع میں مخاطب پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ۔ (۱۰-۹۹) تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو۔ نیز صیغہ تانیث ہونا ظاہر کرتا ہے جیسے فرمایا:۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (۴۱-۳۰) ان پر فرشتے اتریں گے۔

(۳) اور آخر کلمہ میں یا تو زائدہ علامت تانیث کے طور پر آتا ہے۔ اور یہ کبھی تو حالت وقف میں ھا بن جاتا ہے۔ جیسے "قَائِمَۃٌ" اور کبھی وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے۔ جیسے اُخْتٌ وَبِنْتٌ اور (۲) یا جمع مؤنث سالم کے آخر میں الف کے بعد آتی ہے جیسے مُسْلِمَاتٌ وَمُؤْمِنَاتٌ۔

(۴) فعل ماضی کے آخر میں جب مضموم ہو تو ضمیر متکلم کہلاتی ہے جیسے فرمایا:۔ وَجَعَلْتُ لَہٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (۷۴-۱۲) اور جس کو ہم نے مال کثیر دیا۔

اور مفتوح ہونے کی صورت میں ضمیر مذکر مخاطب ہوتی ہے جیسے فرمایا:۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۱-۶) جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔

اور مکسور ہو تو واحد مؤنث حاضر کی ضمیر پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا (۱۹-۲۷) یہ تو تم نے برا کام کیا۔

(ت ب ب)

اَلتَّبُّ وَالتَّبَابُ (ض) کے معنی مسلسل خسارہ میں رہنے کے ہیں کہا جاتا ہے تَبًّا لَہٗ (اللہ اسے خائب و خاسر کرے) تَبَّ لَہٗ وَتَبَّبْتُہٗ کسی سے "تَبًّا لَکَ" کہنا۔ قرآن میں ہے۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ (۱۱۱-۱) ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں یعنی وہ ہمیشہ خسارے میں رہے یہی مفہوم ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ (۲۲-۱۱) میں پایا جاتا ہے۔ وَمَا زَادُوْھُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ (۱۱-۱۰۱) نقصان میں ڈالنے (یعنی تباہ کرنے) کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے۔ وَمَا کَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ۔ (۴۰-۳۷) اور فرعون کی تدبیر تو بیکار تھی۔

(ت ب ت)[1]

اَلتَّابُوْتُ کے معنی صندوق کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ (۲-۲۴۸)

---

[1] والانسب ذکرہ فی (ت و ب) لان وزنہ فعلوت لان فاعولا قلیل وغیر معروف فہو اذا فعلوت من التوب وہو الرجوع ملخصا من الکشاف (۱: ۲۹۳ ج۱) لکن صاحب اللسان رجح کونہ (ت ب ت) کما ذکرہ المؤلف وقال الصواب ان وزنہ فاعول لان تاءہ اصلیۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ وہ صندوق لکڑی کا تھا جس میں حکمت کی کتابیں تھیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تابوت سے مراد دل ہے اور اس میں سکینت سے مراد علم ہے اسی لئے دل کو سَفَطُ الْعِلْمِ وَ بَيْتُ الْحِكْمَةِ وَ تَابُوتُ الْعِلْمِ وَ صندوقه کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:۔
اِجْعَلْ سِرَّكَ فِي وِعَاءٍ غَيْرِ سَرِبٍ۔ کہ اپنے بھید کو ایسے برتن میں رکھو جو ٹپکتا نہ ہو اور دل کا نام تابوت ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق فرمایا (۷۸)
هُوَ كُنَيْفٌ مُلِئَ عِلْمًا وہ ایک ایسا برتن ہے جو علم سے پر ہے۔

ت ب ع

تَبِعَهُ وَاتَّبَعَهُ کے معنی کسی کے نقش قدم پر چلنا کے ہیں یہ کبھی اطاعت اور فرمانبرداری سے ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲-۳۸) تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہونگے۔
قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا (۳۶-۲۰،۲۱) کہنے لگا کہ اے میری قوم پیغمبروں کے پیچھے چلو ایسے کے جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ (۲۰-۱۲۳) تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا۔ اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (۷-۳) (لوگو) جو (کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو۔
وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ (۲۶-۱۱۱) اور تمہارے پیرو تو ذلیل لوگ ہوتے ہیں۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي (۱۲-۳۸) اور اپنے باپ دادا ... کے مذہب پر چلتا ہوں
ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۴۵-۱۸) پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا ہے تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔
وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ (۲-۱۰۲) اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو ... شیاطین پڑھا کرتے تھے۔
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (۲-۱۶۸) اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (۳۸-۲۶) اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکا دے گی۔
هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ (۱۸-۶۶) اگر آپ اس میں سے مجھے سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔
وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (۳۱-۱۵) اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اسکے رستے پر چلنا۔
اَتْبَعَهُ کسی کے پیچھے چلنا اور اسے پالینا۔ قرآن میں ہے۔ فَأَتْبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ (۲۶-۶۰) تو انہوں نے سورج نکلتے ہی جا لیا۔
ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا (۱۸-۸۹) پھر اس نے دوسرا رستہ پایا
وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً (۲۸-۴۲) اور اس دنیا میں ہم نے ان کے ساتھ لعنت لگا دی۔
فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ (۷-۱۷۵) اس نے اسے پالیا۔
فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا (۲۳-۴۴) تو ہم بھی بعض

۱؎ قارن مجاز القرآن لابی عبیدۃ (۲: ۲۰۹) وزاد وموضع تبع الجاہلیۃ موضع الخلیفۃ فی الاسلام وہم ملوک العرب الاعاظم وایضاً فتح الباری ۸ (۹ / ۴۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بعض کے پیچھے لگاتے (یعنی ہلاک کرتے) رہے۔
اُتْبِعْتُ عَلَيْهِ (قرض) دوسرے کے حوالہ کرنا۔
دوسرے پر اتارنا۔ احاطہ کرنا۔ اُتْبِعَ فُلَانٌ بِمَالٍ
مال اس پر حوالہ کیا گیا۔
اَلتَّبِيْعُ بچھڑا جو ابھی تک گائے کے پیچھے پیچھے چلتا ہو۔
اَلتَّبَعُ۔ چارپائے کی ٹانگ۔ گویا دوڑتے وقت اس
کی ٹانگیں اُن لوگوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں جو طلب
انتقام میں ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہوتے ہیں۔
اَلْمُتْبِعُ۔ وہ چوپایہ جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو۔
تُبَّعٌ۔ رؤسائے یمن کا لقب تھا کیونکہ وہ سیاست
و ریاست میں ایک دوسرے کی اتباع کرتے تھے۔
بعض نے کہا ہے کہ تُبَّعٌ ایک بادشاہ کا لقب
ہے جس کی رعیت اس کی مطیع اور فرمانبردار تھی اس
کی جمع تَبَابِعَةٌ ہے[1] قرآن میں ہے:۔
اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (۴۴-۳۷) بھلا یہ
اچھے ہیں یا تبع کی قوم۔ اَلتُّبَّعُ (ایضاً) سایہ کیونکہ
وہ دھوپ کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

(ت ب ر)

اَلتَّبْرُ (ض) کے معنی توڑ دینے اور ہلاک
کر دینے کے ہیں کہا جاتا ہے۔ تَبَرَهُ و تَبَّرَهُ
اس نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ هٰؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ (۷-۱۳۹) یہ لوگ
جس (فعل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونیوالا ہے۔
وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (۱۷-۷) اور جس چیز پر غلبہ
پائیں اسے تباہ کر دیں۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا (۷۱-۲۸) اور
ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی بڑھا۔

(ت ت ر)

تَتْرٰى۔ یہ مُوَاتَرَة سے فَعْلٰی کے وزن پر
ہے جس کے معنی کسی چیز کے یکے بعد دیگرے آنے
کے ہیں۔ اصل میں یہ وَتْرٰی واؤ کے ساتھ ہے[2]
تُرَاث اور تُجَاه کی طرح اس کی واؤ تاء سے تبدیل
ہو گئی ہے[3] جن کے نزدیک یہ منصرف ہے وہ الف
زائدہ بتاتے ہیں[4] اور جن کے نزدیک غیر منصرف
ہے۔ اِن کے نزدیک الف تانیث ہے[5]
قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (۲۳-۴۴) پھر
ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے۔
فراء[6] کہتے ہیں کہ رفعی اور جری حالت میں تَتْرٰی
اور نصبی حالت میں تَتْرًا ہے اور الف تنوین
کے عوض میں آیا ہے۔ ثعلب کے نزدیک یہ تَفْعَلُ
کے وزن پر ہے۔ ابوعلی الفسوی کہتے ہیں[7] کہ یہ سراسر
غلط ہے کیونکہ صفت کا کوئی صیغہ تَفْعَلُ کے
وزن پر نہیں آتا۔

(ت ج ر)

تَجَرَ (ن) تَجْرًا وَ تِجَارَةً کے معنی نفع کمانے
کے لئے راس المال کو کاروبار میں لگانے کے ہیں۔
صیغہ صفت تَاجِرٌ و تَجْرٌ جیسے صَاحِبٌ و صَحْبٌ
یاد رہے کہ عربی زبان میں اس کے سوا اور کوئی لفظ

---

[1] ولذا ذكره المؤلف ايضًا فی (وتر) [2] ای علی خلاف القياس ومثلها فی احد وأناة والسمار [3] ان كانت للالحاق كما فی ارطی ينون نكرة لا معرفة وان كانت اصلية ينون وانما [4] ودفی شرح الكتاب للسيرافی (۲: ۹) وجعل بعضهم الفها للتانيث فيقرء بغير تنوين وهی قرارة الجمهور وقرء ابن كثير وابو عمرو بالتنوين فوزنه فعل واللفه بدل من التنوين وخط المصحف يؤيد الانصراف والتنوين [5] [6] والفراء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا نہیں ہے۔ جس میں تا اصلی کے بعد جیم ہو۔ رہا تجاہ تو اصل میں وجاہ ہے اور تجوب وغیرہ میں تاء اصلی نہیں ہے بلکہ فعل مضارع کی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (۶۱-۱۰) میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے مخلصی دے۔

میں لفظ تجارۃ کی تفسیر خود قرآن نے بعد کی آیت: تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ الآیہ میں بیان فرمادی ہے۔

نیز فرمایا: اِشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ (۲-۱۶) ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا۔

إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (۴-۲۹) ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے۔

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ (۲-۲۸۲) سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو۔

ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ فُلَانٌ تَاجِرٌ بِكَذَا کے معنی ہیں کہ فلاں اس چیز میں ماہر ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے۔

(ت ح ت)

تَحْتُ (اسم ظرف) یہ فوق کی ضد ہے قرآن میں ہے۔

لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم (۵-۶۶) تو ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (۲-۲۵) (نعمت کے) باغ میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔

فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا (۹-۲۴) اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے آواز دی۔

تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے نیچے ہو مگر اسفل کسی چیز کے نچلا حصہ کو جیسے:۔ اَلْمَالُ تَحْتَهُ (مال اس کے نیچے ہے) اَسْفَلُهُ اَغْلَظُ مِنْ اَعْلَاهُ (اس کا نچلا حصہ اعلیٰ حصہ سے سخت ہے)

حدیث میں ہے[1] (۴۸) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ التُّحُوتُ کہ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ تاوقتیکہ کمینے لوگ غلبہ حاصل نہ کرلیں۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیث میں آیت کریمہ:۔

وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (۸۴-۴) اور جب یہ زمین ہموار کردی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی۔ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] کلمۃ من حدیث طویل ذکرہ ابن حبان فی زوائدہ فی امارات الساعۃ انظار حدیث ابی ہریرۃ رقم ۱۸۸۷ والحافظ فی الفتح ۱۷/۱۲۱ من الطبرانی فی الاوسط وایضًا من طریق الی علقمۃ عن ابی ہریرۃ و عبداللہ بن مسعود راجع الزمخشری فی الفائق ۱/۱۴۹ (تحت) قال و ذکرہ مثلا للاراذل۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ت خ ذ)

تَخِذَ (س) بمعنی اَخَذَ یعنی پکڑنے کے آتا ہے شاعر نے کہا ہے[۱] ع (طویل)

(۷۷) وَقَدْ تَخِذَتْ رِجْلِي إِلَى جَنْبِ غَرْزِهَا
نَسِيْفًا كَأُفْحُوصِ الْقَطَاةِ الْمُطَرِّقِ

اس کے رکاب کے پہلو میں انڈا دینے والی قطا کے گڑھے جیسے نشان کو میرے پاؤں چھو رہے تھے۔

اسی سے اِتَّخَذَ (افتعال) ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ (۱۸ ـ ۵۰) کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا (۲ ـ ۸۰) ان سے پوچھو کیا تم نے خدا سے اقرار لے رکھا ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (۲ ـ ۱۲۵) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو۔

www.KitaboSunnat.com

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ (۶۰ ـ ۱) تم میرے اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا (۱۸ ـ ۷۷) اگر آپ چاہتے تو ان سے (اسکا) معاوضہ لیتے تاکہ کھانے کا کام چلتا)

(ت ر ب)

اَلتُّرَابُ کے معنی مٹی کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (۳۰ ـ ۲۰) کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (۷۸ ـ ۴۰) کہ اے کاش کہ میں مٹی ہوتا۔

تَرِبَ کے معنی فقیر ہونے کے ہیں کیونکہ فقر بھی انسان کو خاک آلودہ کر دیتا ہے۔ فرمایا:۔

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۹۰ ـ ۱۶) یا فقیر خاکسار کو یعنی جو بوجہ فقر و فاقہ کے خاک آلودہ رہتا ہے۔

اَتْرَبَ (افعال) کے معنی مال دار ہونے کے ہیں۔ گویا اس کے پاس مٹی کی طرح مال ہے نیز تُرَابٌ کے معنی زمین کے بھی آتے ہیں اور اس میں اَلتَّيْرَابُ، تَيَارِبُ اور اَلتُّوْرَابُ وَالتَّوْرَبُ وَالتَّوْرَابُ وغیرہ دس لغات ہیں[۲]

رِيْحٌ تَرِبَةٌ خاک اڑانے والی ہوا۔ اسی سے آنحضرت کا فرمان ہے[۳] (۵۰) عَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ کہ شادی کے لئے دیندار عورت تلاش کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ دیندار عورت تیرے ہاتھ سے نہ جانے پائے ورنہ تمہارا مقصد حاصل

---

[۱] وغریب ابی عبید ۳/ ۱۲۵ قالہ المرزق العبدی واسمہ شاس بن نہار والبیت فی اللسان (طرق) وفی روایتہ لقد بدل وقد راجع ایضًا التاج واللسان (تخذ، فحص، طرق، نسف) والصحاح (طرق) والمحکم (فحص) والاصمعیات ۷۴ والجمہرۃ (۲: ۱۷، ۲۳۳، ۱۴، ۲، ۳/ ۳: ۴۹) والعینی (۴: ۵۹۰) ومجاز القرآن لابی عبیدۃ (۱: ۴۱۱) والطبری (۱۵: ۲۹۱) وشواہد الکشاف والسیوطی ۲۴۲، والاشباہ والنحویہ (۱: ۱۰۹/ ۳: ۴۱) والشاعر جاہلی قدیم ترجم لہ فی الشعراء ۲۳۲ والمؤتلف ۱۸۵ والمرزبانی ۴۹۵ والاشتقاق ۱۹۶ والبیت الثانی الیتیمین (۵: ۸۱) والقطاۃ المطرق التی حان خروج بیضہا والنسیف اثر رکض الرجل بجنبی البعیر وافحص عند الجوہری فی المطبوع الطوق بالواو بدل الراء تصحیف والبیت یستشہد بہ علی ان تخذ یاتی بمعنی اخذ [۲] راجع المعاجم [۳] راجع للحدیث النہایہ (ترب) واللسان (ترب) والمذاق الطیب ۱۲۶ واختلف فی تاویلہ انظر اعراب ابن خالویہ ۹۳ واصل الحدیث متفق من حدیث ابی ہریرۃ راجع تخریج العراقی علی الاحیاء ۲/ ۳۰ والنیل للشوکانی ۶/ ۱۱۲-۱۱۳، وشرح الترمذی للشیخ المبارکفوری وادب الدنیا والدین للماوردی ۱۴۷ وفی روایۃ ابی سعید الخدری تربت یمینک کما فی زوائد ابن حبان رقم ۱۲۳۱۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوگا اور تم غیر شعوری طور پر فقیر ہو جاؤ گے۔[1]

بَارِحٌ تَرِبٌ خاک اڑانے والی ہوا۔

تَرَائِبُ سینہ کی پسلیاں (مفرد تَرِیْبَۃٌ) قرآن میں ہے:۔ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ اَبْکَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا۔ (۵۶-۳۷) کنواریاں، اور شوہروں کی پیاریاں اور ہم عمر۔ وَکَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۷۸-۳۳) اور ہم عمر نوجوان عورتیں۔

وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ (۳۸-۵۲) اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی (اور) ہم عمر (عورتیں) ہوں گی۔ میں اتراب کے معنی ہیں ہم عمر جنہوں اکٹھی تربیت پائی ہوگی گویا وہ عورتیں اپنے خاوندوں کے اس طرح مساوی اور مماثل یعنی ہم مزاج ہوں گی جیسے سینوں کی ہڈیوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور یا اس لئے کہ گویا زمین پر بیک وقت واقع ہوئی ہیں اور بعض نے یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ وہ اکٹھی مٹی میں ایک ساتھ کھیلتی رہی ہیں۔

(ت ر ث)

تُرَاثٌ (ورثہ) یہ اصل میں وُرَاثٌ مثال واوی ہے۔ (جیسا کہ ورث میں بیان ہوگا۔ قرآن میں ہے:۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا (۸۹-۱۹) اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

(ت ر ف)

اَلتُّرْفَۃُ۔ عیش و عشرت میں فراخی اور وسعت کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: اُتْرِفَ فُلَانٌ فَهُوَ مُتْرَفٌ وہ آسودہ حال اور کثرت دولت کی وجہ سے بدمست ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاَتْرَفْنَاهُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۲۳-۳۳) اور دنیا کی زندگی میں ہم نے اس کو آسودگی دے رکھی تھی۔ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِیْهِ (۱۱-۱۱۶) اور جو ظالم تھے وہ ان ہی باتوں کے پیچھے لگے رہے۔ جن میں عیش و آرام تھا۔

وَارْجِعُوْا اِلٰی مَا اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ (۲۱-۱۳) اور جن (نعمتوں) میں تم عیش و آسائش کرتے تھے ان کی طرف لوٹ جاؤ۔ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ (۲۳-۶۴) ہم نے ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو پکڑ لیا۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا (۱۷-۱۶) تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو بڑھا دیتے ہیں۔ اور یہی وہ مترفین ہیں جن کے متعلق دوسری جگہ فرمایا:۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (۸۹-۱۵) مگر انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اسے عزت دیتا ہے اور نعمت بخشتا ہے۔

(ت ر ق)

اَلتَّرْقُوَۃُ کے معنی ہنسلی کی ہڈی کے ہیں[2] (ج)

---

[1] قال الی انقالی فی الذیل وحملہ اکثر العلماء علی التنبیہ والاغراء وان کان لفظہ الدعاء علیہ وراجع اضداد ابی الطیب ۱۱۶ - ۱۱۸ والذیل (۵) ومن حملہ علی الدعاء علیہ قال معناہ: ان احترت غیر ذات الدین وخالفت الوصیۃ۔ وہہنا محل آخر للحدیث وہو ان اترب من الاضداد یاتی بمعنی الفقر وبمعنی الغنی فمعنا والدعاء لہ بالغنا اذا قبل وصیتہ ۱۲

[2] ذکرہ بعض اصحاب اللغۃ فی (ر ق ی) والصحیح انہ من (ت ر ق) کما ہہنا قال فی اللسان (ت ر ق) علی وزن فعلوۃ

www.KitaboSunnat.com

اَلتَّرَاقِیْ قرآن میں ہے:-
كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (۷۵-۲۶) دیکھو جب جان گلے تک پہنچ جائے۔

(ت ر ک)

تَرْكُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کو چھوڑ دینا کے ہیں[1] خواہ وہ چھوڑنا ارادہ و اختیار سے ہو اور خواہ مجبوراً چنانچہ ارادۃً اور اختیار کے ساتھ چھوڑنے کے متعلق فرمایا:-
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوجُ فِي بَعْضٍ (۱۸-۹۹) اس روز ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ (روئے زمین پر پھیل کر) ایک دوسرے میں گھس جائیں
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا (۴۴-۲۴) اور دریا سے (کہ) خشک (ہو رہا ہوگا) پار ہو جاؤ۔
اور بحالت مجبوری چھوڑنے کے متعلق فرمایا:-
كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ (۴۴-۲۵) وہ لوگ بہت سے باغ چھوڑ گئے۔
اسی سے جب کوئی شخص اپنی موت کے بعد مال چھوڑ جاتا ہے تو اس کو تَرِكَةٌ کہا جاتا ہے۔ اور کبھی ہر عمل کے متعلق جو کسی حالت پر منتہی ہو، تَرَكْتُهُ كَذَا یا اس کے ہم معنی جَعَلْتُهُ کا محاورہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے:- تَرَكْتُ فُلَانًا وَحِيدًا کہ میں نے اسے اس حال میں چھوڑا کہ وہ اکیلا تھا۔
اَلتَّرِيكَةُ کے اصل معنی جنگل میں پڑے ہوئے انڈا کے ہیں اور (مجازاً) لوہے کے خود کو بھی تَرِيكَةٌ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس پر بَيْضَةٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(ت س ع)

تِسْعَةٌ (نو) اور تِسْعُونَ (نوے) اسماء عدد سے ہیں۔ قرآن میں ہے:-
تِسْعَةُ رَهْطٍ (۲۷-۴۸) نو شخص۔ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ نَعْجَةً (۳۸-۲۳) ننانوے دنبیاں۔
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴-۳۰) اس پر انیس داروغے ہیں۔ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (۱۸-۲۵) نو اوپر تین سو سال۔
اَلتِّسْعُ (ایضاً) نو دن کے پیاسے اونٹ۔ اَلتُّسَعُ ہر ماہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں تاریخ (راتیں) تین دنوں کو تُسَعٌ کہا جاتا ہے۔ تَسَعْتُ الْقَوْمَ قوم کے مال سے نواں حصہ وصول کرنا یا ان میں نواں تھا۔

(ت ع س)

اَلتَّعْسُ۔ اصل میں تعس کے معنی[2] پھسل کر لغزش کھا کر گرنا اور پھر اٹھ نہ سکنا۔ پستی میں گر کر کسی چیز کا ٹوٹ جانا اور یہ تَعَسَ (س) تَعْسًا وَتَعْسَةً کا مصدر ہے۔ قرآن میں ہے:-
فَتَعْسًا لَّهُمْ (۴۷-۸) ان کے لئے ہلاکت ہے[3]۔

(ت ف ث)

اَلتَّفَثُ کے اصل معنی ناخن وغیرہ کی میل کچیل کے ہیں جسے بدن سے دور کیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:-
ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ (۲۲-۲۹) پھر چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں۔
یہاں لِيَقْضُوا قَضَى الشَّيْءَ سے ہے جس کے معنی

---

[1] قد یاتی بمعنی البقی کما فی الآیة: وترکنا علیه فی الآخرین (۳۷-۷۸) ای ابقینا الثناء علیه ۱۲ [2] تعس - ۔۔ الفعل منه تعس سقل وضع لسا فی القاموس [3] تعسا منصوب علی المصدر بفعل یجب اضماره (راجع الکشاف) وقال الخفاجی فی الدرة ۱۲ یقال فی الدعاء علی العاثر والفعل منه بکسر العین ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی چیز کو قطع اور زائل کرنے کے ہیں ایک اعرابی کا قول ہے۔ مَا اَتْفَثَكَ وَمَا اَدْرَنَكَ۔ تو کس قدر میلا کچیلا ہے۔

(ت ق و)

اَلتَّقْوٰی۔ تقوٰی کی تاء واؤ سے مبدل ہے اس پر اس کے باب (وق ی) میں بحث آئیگی۔

(ت ک ء)

اَلْمُتَّکَاءُ (اسم مکان) سہارہ لگانے کی جگہ۔ تکیہ جس پر ٹیک لگائی جائے اور آیت کریمہ:۔ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً (۱۲-۳۱) اور ان کے لئے ایک محفل مرتب کی۔ میں مُتَّکَأً کے معنی ترنج کے ہیں[1] اور بعض نے کہا ہے کہ مراد کھانا اور یہ اِتَّکَأَ عَلٰی کَذَا فَاَکَلَہٗ کے محاورہ سے مشتق ہے۔ قرآن میں ہے:۔ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا (۲۰-۱۸) یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں۔ مُتَّكِئِينَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ (۵۲-۲۰) تختوں پر جو برابر برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے۔ عَلَى الْاَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ (۳۶-۵۶) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ (۵۶-۱۶) آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوئے۔

(ت ل ل)

اَلتَّلُّ۔ اصل میں تَلٌّ کے معنی بلند جگہ یعنی ٹیلے کے ہیں اور تَلِیْلٌ گردن کو کہتے ہیں اور تَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ (۳۷-۱۰۳) کے معنی ٹیلے پر لٹا دینے کے ہیں جیسے تَرَّبَهُ (کسی کو زمین پر گرانا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی تَلِیْل یعنی گردن اور رخسار کے بل لٹا دینا ہیں جیسا کہ جبین (پیٹ پڑی) کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے۔
مِتَلٌّ نیزہ وغیرہ جسے مار کر کسی کو پچھاڑا جاتا ہے (سیدھا اور سخت نیزہ)

(ت ل و)

تَلَاهُ (ن) کے معنی کسی کے پیچھے پیچھے اس طرح چلنا کے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی اجنبی کو چیز حائل نہ ہو یہ کہیں تو جسمانی طور ہوتا ہے اور کہیں اس کے احکام کا اتباع کرنے سے اس معنی میں اس کا مصدر تُلُوٌّ اور تُلْوٌ آتا ہے اور کبھی یہ متابعت کسی کتاب کی قرائت (پڑھنے) اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے غور وفکر کرنے کی صورت میں ہوتی ہے اس معنی کے لئے اس کا مصدر تِلَاوَةٌ آتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلَاهَا (۹۱-۲) اور چاند کی قسم جب وہ سورج کا اتباع کرتا ہے۔ میں سورج کا اتباع بلحاظ اقتداء اور مرتبہ مراد ہے اور یہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے اور وہ سورج کے لئے بمنزلہ خلیفہ کے ہے۔ چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ آیت کریمہ: جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (۱۰-۵) میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ضیاء بنسبت نور کے زیادہ روشن ہوتی ہے۔ اور

---

[1] قال القتبی المتکأ الطعام قال ابوعبیدۃ فی مجازہ (۱: ۳۰۹) وزعم قوم انہ لاترج وہذا ابطل باطل فی الارض فتکن رد علیہ ابوعبید فی غریبہ وقال القتیبۃ اعلم بالتاویل منہ قال الطبری فتکن الصحیح ما قال ابوعبیدۃ واخذہ البخاری راجع فتح الباری (۸: ۲۷۰) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ ضِیَاء کے اندر نور کا مفہوم تو پایا جاتا ہے مگر نُوْرٌ کے اندر ضِیَاء کا مفہوم نہیں آتا۔
اور آیت کریمہ :۔ وَیَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (۱۱-۱۷) اور ان کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی جانب سے ہو۔ کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شاہد جو اس کی پیروی کرتا ہے اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ یَتْلُوْنَ آیَاتِ اللهِ (۳-۱۱۳) وہ آیات الہٰی کی تلاوت کرتے ہیں۔
اَلتِّلَاوَةُ۔ بالخصوص خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو تِلَاوَةٌ کہا جاتا ہے کبھی یہ اتباع ان کی قراءت (پڑھنے) کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی ان کے اوامر و نواہی (احکام) ترغیب و ترہیب اور جو کچھ ان سے سمجھا جا سکتا ہے ان کی اتباع کی صورت میں، مگر یہ لفظ قراءت (پڑھنے) سے خاص ہے یعنی تِلَاوَةٌ کے اندر قِرَاءَةٌ کا مفہوم تو پایا جاتا ہے مگر تِلَاوَةٌ کا مفہوم قِرَاءَةٌ کے اندر نہیں آتا چنانچہ کسی کا خط پڑھنے کے لئے تَلَوْتُ رُقْعَتَكَ نہیں بولتے بلکہ یہ لفظ صرف قرآن پاک سے کچھ پڑھنے پر بولا جاتا ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور آیت کریمہ :۔
هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ (۱۰-۳۰) وہاں ہر شخص اپنے (اعمال کی) جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کرلے گا۔ میں ایک قراءت تَتْلُوْا بھی ہے یعنی وہاں ہر شخص اپنے عمل نامے کو پڑھ کر اس کے پیچھے چلے گا۔
وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا (۵۴-۲۵) اور ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔
اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ (۲۹-۵۱) کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔
قُلْ لَّوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ (۱۰-۱۶) (یہ بھی) کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا (تو) میں ہی یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر نہ سناتا۔
وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا (۸-۲) اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔
یہاں تِلَاوَةٌ بمعنی قراءت کے ہے اور یہی معنی آیات ذیل میں ہیں۔
وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (۱۸-۲۷) اور اپنے پروردگار کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو۔
وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ (۵-۲۷) اور (اے محمدؐ) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل قابیل) کے حالات (جو بالکل سچے ہیں) پڑھ کر سنا دو۔
فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا (۳۷-۳) پھر ذکر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی۔
اور آیت کریمہ :۔ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (۲-۱۲۱) وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسے پڑھ کر سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور آیت کریمہ :۔ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ (۳-۵۸) یہ ہم تم کو (خدا کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ میں نَتْلُوْهُ کے معنی نازل کرنا کے ہیں کیونکہ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی نازل کرنا ہی ہوتے ہیں۔ اور آیت کریمہ :۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ (۲-۱۰۲) اور ان (بزرگان) کے پیچھے لگ گئے جو... شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ یہاں شیاطین کے پڑھنے کو تلاوت کہنا ان کے اس ادعا کی بنا پر ہے کہ جو کچھ وہ پڑھ کر سناتے وہ کتب الٰہیہ کا حصہ ہے۔

اَلتَّلَاوَۃُ وَالتَّلِیَّۃُ (قرض وغیرہ کا) باقی ماندہ حصہ جسے وصول کرنے کے لئے پیچھا کرنا پڑتا ہے۔

اَتْلَیْتُہٗ کے معنی کسی کے پیچھے لگانے کے ہیں جیسے اَتْلَیْتُ فُلَانًا عَلٰی فُلَانٍ بِحَقٍّ یعنی میں نے اس کا قرضہ فلاں کے حوالہ کر دیا فلان یتلوا علی فلان وَیَقُوْلُ عَلَیْہِ یعنی وہ فلاں پر جھوٹ بولتا اور اس پر غلط بیانی کرتا ہے جیسے فرمایا:۔

وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ (۳-۷۸) اور خدا پر جھوٹ بولتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ لَا دَرَیْتَ وَلَا اَتْلَیْتَ اَوْ لَا تَلَیْتَ وَلَا دَرَیْتَ تو یہاں پر تلیت اصل میں تلوت ہے قانون مزاوجت کی وجہ سے تلیت کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مَاذُوْرَاتٍ غَیْرَ مَاجُوْرَاتٍ میں ہے کہ اصل میں مَوْزُوْرَاتٍ ... ہے یعنی وہ بغیر اجر کے گناہ کا بوجھ اٹھائے ہوئے لوٹیں[1]۔

(ت م م)

تَمَامُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کے اس حد تک پہنچ جانے کے ہیں جس کے بعد اسے کسی خارجی شے کی احتیاج باقی نہ رہے اس کی ضد ناقص ہے یعنی وہ جو اپنی ذات کی تکمیل کے لئے ہنوز خارج شے کی محتاج ہو اور تمام کا لفظ معدودات کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے اور مقدار وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے مثلاً عَدَدٌ تَامٌّ وَکَیْلٌ تَامٌّ قرآن میں ہے:۔

وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ (۷-۱۳۷) (۶-۱۱۵) (۱۱-۱۱۹)

اور تمہارے پروردگار کا وعدہ پورا ہوا۔

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ (۶۱-۸) حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا۔

وَاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖ (۷-۱۴۲) اور دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی... میعاد پوری ہو گئی[2]۔

(ت و ب)

اَلتَّوْبُ (ن) کے معنی گناہ کے باحسن وجوہ ترک کرنے کے ہیں اور یہ معذرت کی سب سے بہتر صورت ہے کیونکہ اعتذار کی تین ہی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عذر کنندہ اپنے جرم کا سرے سے انکار کر دے اور کہہ دے لَمْ اَفْعَلْہُ کہ میں نے کیا ہی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے لئے وجہ جواز تلاش کرے اور بہانے تراشنے لگ جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اعتراف جرم کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا یقین بھی دلائے افرض اعتذار کی یہ تین ہی صورتیں ہیں اور کوئی چوتھی صورت نہیں ہے اور اس آخری صورت کو توبہ

---

[1] کما فی الاتباع لابی الطیب (۳۰) انی الفائق (۱-۲۰۷) وفی حدیث المنکر فیقول لا دریت ولا تلیت ومعناہ لا قرأت ولا درست قال فی النہایۃ (تلا) والمحدثون یروون کذالک والصواب لا ائتلیت والکلمۃ افتعال من الوت ۱۲ و ذکرہا من اغلاط الازدواج ایضاً حدیث غیر خزایا و (لا ندامی) راجع فتح الباری (۱: ۱۴۰) والغرایا والعتایا والاقتضاب (۲۷۸) والبحث فی ابن جنی علی تصریف المازنی (۶۱۲-۶۱۷) وشرح الدرۃ للخفاجی (۹۷) وفی الشریشی (۲: ۳۳۲) ان التشدید فی یا ریہ النجی للمزاوجۃ مع الخلی والکلام علی الازدواج۔ ابن الطیب علی الاقتراح ۱۲۸۲

[2] ایضاً تمام (۶-۱۴۵) والقدر (۱۱-۱۴۰) (۳۴-۲۷)

÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے مگر شرعًا اسے توبہ جب کہیں گے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے اور اپنی کوتاہی پہ نادم ہو اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ اگر ان گناہوں کی تلافی ممکن ہو تو حتی الامکان تلافی کی کوشش کرے پس توبہ کی یہ چار شرطیں ہیں جن کے پائے جانے سے توبہ مکمل ہوتی ہے۔

تَابَ اِلَى اللّٰهِ ان باتوں کا تصور کرنا جو انابت الی اللہ کی مقتضی ہوں۔ قرآن میں ہے:۔

وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا (۲۴-۳۱) سب خدا کے آگے توبہ کرو۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ (۵-۷۴) تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے۔

تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اللہ نے اس کی توبہ قبول کی اسی سے فرمایا:۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ (۹-۱۱۷) بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین پر۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا (۹-۱۱۸) پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ (۲-۱۸۷) سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے در گزر فرمائی۔

اَلتَّائِبُ (اسم فاعل) توبہ کرنے والا۔ توبہ قبول کرنے والا بندہ خدا کے سامنے توبہ کرتا ہے اور اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اس لئے تَائِبٌ کا لفظ اللہ اور بندے دونوں پر بولا جاتا ہے۔

اَلتَّوَّابُ یہ بھی اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جب بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی کثرت سے توبہ کرنے والا کے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو یکے بعد دیگرے گناہ چھوڑتے چھوڑتے بالکل گناہوں کو ترک کر دے اور جب تواب کا لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے وہ ذات جو کثرت سے بار بار بندوں کی توبہ قبول فرماتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲-۳۷) بیشک وہ بار بار توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (۲۵-۷۱) کے معنی یہ ہیں کہ گناہ ترک کر کے عمل صالح کا نام ہی مکمل توبہ ہے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ (۱۳-۳۰) میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(ت و ر)

اَلتَّوْرَاةُ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ وَرْىٌ سے مشتق ہے اور تاء واؤ سے مبدل ہے علمائے کوفہ کے نزدیک یہ وَوْرَاةٌ بروزن تَفْعَلَةٌ ہے اور بعض کے نزدیک تَفْعَلٌ کے وزن پر ہے جیسے تَتْفُلٌ لیکن کلام عرب میں تَفْعَلٌ کے وزن پر اسم کا صیغہ نہیں آتا۔

علماء بصرہ کے نزدیک یہ وَوْرَى بروزن فَوْعَلَ ہے جیسے حَوْقَلَ قرآن میں ہے:۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (۵-۴۴) بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ (۴۸-۲۹) ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ت ا ر ۃ)

تَارَۃً کے معنی ایک مرتبہ کے ہیں قرآن میں ہے:

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ (۲۰-۵۵) پھر تم دوسری مرتبہ نکالیں گے۔

بقول بعض یہ تَارَ الْجُرْحُ سے مشتق ہے جس کے معنی زخم کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا کے ہیں۔

(ت ی ن)

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ (۹۵-۱) انجیر کی قسم اور زیتون۔ بعض کے نزدیک تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کھانے کی دو چیزیں ہیں ان کے مقام ورود اور اختصاص کی تحقیق اس کتاب کے بعد بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(ت ی ہ)

تَاہَ (ض) کے معنی متحیر ہونے کے ہیں اور یہ باب تَاہَ يَتُوہُ (واوی) بھی آتا ہے قصہ بنی اسرائیل میں فرمایا:۔

أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ (۵-۶) چالیس برس تک ...... اور (جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔

تَوَّهَهُ وَتَيَّهَهُ حیران کرنا اور پھینک دینا۔

وَقَعَ فِي التِّيهِ وَالتَّوْهِ (ورطۂ حیرت میں پھنس گیا۔

مَفَازَةٌ تَيْهَاءُ وہ جنگل جس میں مسافر بھٹک جائیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کِتَابُ الثَّاء

(ث ب ت)

اَلثَّبَاتُ یہ زوال کی ضد ہے اور ثَبَتَ (ن) ثَبَاتًا کے معنی ایک حالت پر جمے رہنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (۸-۴۵) مومنو جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔

رَجُلٌ ثَبْتٌ وَثَبِیْتٌ فِی الْحَرْبِ لڑائی میں ثابت قدم رہنے والا مرد۔ اَثْبَتَ السَّھْمَ فِیْهِ اس میں تیر آر پار کر دیا۔ اور ثَابِتٌ کا لفظ اس پر بھی بولا جاتا ہے جو نظروں کے سامنے موجود ہو اور اس پر بھی جو کسی دلیل سمعی کی رو سے صحیح ہو مثلاً:۔

فُلَانٌ ثَابِتٌ عِنْدِیْ فلاں حکم میرے نزدیک دلیل کی رو سے صحیح ہے۔ نُبُوَّةُ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) ثَابِتَةٌ آنحضرت کی نبوت ثابت ہے یعنی از روئے دلائل صحیح ہے۔

اَلْاِثْبَاتُ وَالتَّثْبِیْتُ (افعال وتفعیل) کے معنی کبھی تو کسی چیز کو فی الواقع موجود کرنے کے ہوتے ہیں مثلاً اَثْبَتَ اللّٰهُ كَذَا (اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کو موجود کر دیا) اور کبھی ثبوت حکمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اَثْبَتَ الْحَاكِمُ عَلٰی كَذَا (قاضی نے فلاں پر یہ حکم لگایا) اور کبھی اثبات باعتبار قول مراد ہوتا ہے۔ خواہ وہ بات نفس الامر میں حق ہو یا باطل جیسے:۔

اَثْبَتَ التَّوْحِیْدَ وَصِدْقَ النُّبُوَّةِ اس نے توحید اور صدق نبوت کو دلائل سے ثابت کیا۔

فُلَانٌ اَثْبَتَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فلاں نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ثابت کیا اور آیت کریمہ:۔

لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ (۸-۳۰) تاکہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں۔

میں لِیُثْبِتُوْا کے معنی قید کرنے یا ورطۂ حیرت میں ڈالنے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (۱۴-۲۷) خدا مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور پکی) بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے۔

میں "قول ثابت" سے دلائل قویہ مراد ہیں اور آیت:۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا (۴-۶۶) اور اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔

میں اَشَدَّ تَثْبِیْتًا کے معنی علم وایمان کے لحاظ سے مضبوطی بھی مراد ہو سکتی ہے[1] اور اعمال کی پائیداری اور ان کا ثمرہ حاصل کرنے کے لحاظ سے بھی تثبیت مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں گے جن کے اعمال کی ناپائیداری بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے:۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵-۲۳) اور جو انہوں نے عمل کئے ہوں گے

---

[1] کما قال السدی راجع ابن کثیر (۱: ۵۲۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دینگے۔

محاورہ ہے:۔ ثَبَّتُّهُ۔ میں نے اسے استحکام بخشا، ثابت قدم رکھا۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ .... (۱۷-۷۴) اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رہنے دیتے۔

فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (۸-۱۲) تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو۔

وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ (۲-۲۶۵) اور خلوص نیت سے۔[1]

وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا (۳-۱۴۷) اور ہم کو ثابت قدم رکھ۔

(ث ب ر)

اَلثُّبُوْرُ (مصدر ن) کے معنی ہلاک ہونے یا زخم کے خراب ہونے کے ہیں اور اَلْمُثَابِرُ کسی کام کو مسلسل کرنے والا) ثَابَرَ عَلَى الْأَمْرِ سے (اسم فاعل کا صیغہ) ہے۔ جس کے معنی کسی کام کو مسلسل کرنا کے ہیں قرآن میں ہے:۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (۲۵-۱۳، ۱۴) تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو، بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔

اور آیت کریمہ:۔

وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (۱۷-۱۰۲) اے فرعون میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ میں ابن عباسؓ نے مَثْبُوْرًا کے معنی ناقص العقل کئے ہیں کیونکہ نقصانِ عقل سب سے بڑی ہلاکت ہے۔

ثَبِيْرٌ۔ مکہ کی ایک پہاڑی کا نام

(ث ب ط)

ثَبَّطَهُ الْمَرَضُ وَأَثْبَطَهُ: اسے مرض نے روک دیا اور اسے لازم ہوگئی قرآن میں ہے:۔

فَثَبَّطَهُمْ (۹-۴۶) تو ان کو ہلنے جلنے نہ دیا۔

(ث ب ی (و))

ثُبَةٌ کے معنی الگ جماعت کے ہیں اس کی جمع ثُبَاتٌ وَثُبِيْنَ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيْعًا (۴-۷۱) پھر یا تو جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔

شاعر نے کہا ہے[2] (الوافر)

(۷۸) وَقَدْ أَغْدُوْ عَلَى ثُبَةٍ كِرَامٍ

اور میں شریف لوگوں کی جماعت کے پاس جاتا ہوں اور اسی لئے ثَبَّيْتُ عَلَى فُلَانٍ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کے متفرق محاسن بیان کرنے کے ہیں۔ ثُبَةٌ کی تصغیر ثُبَيَّةٌ ہے لہذا اس میں یا محذوف ہے[3] لیکن ثُبَةُ الْحَوْضِ جس کے معنی وسطِ حوض ہیں یہاں پانی جمع ہوتا ہے یہ اجوف سے ہے اور اس میں عین کلمہ محذوف ہے۔[4]

(ث ج ج)

ثَجَّ (ن) ثُجُوْجًا۔ اَلْمَاءُ پانی کا زور سے بہنا

---

[1] ای متقربین بانما مائثیب اللہ علیہا (الزجاج) [2] زہیر وتمامہ بالشاوی واجدین لما اشلو۔ راجع دیوانہ مع شرح الاعلم الشنتمری ۸۵ اطبعہ لیدن والعقد الثمین ۷۷ والطبری (۵ / ۱۶۴) واللسان بلشو، مجاز القرآن رقم ۱۵۶ مختار الشعر الجاہلی ۲۵ (علیہ) وابن الانباری ۸۰ ومجموعۃ المعانی ۱۹۸ ومعاہد التنصیص (۱ / ۳۵) وفی روایۃ علی شرب بدل ثبۃ فلا شاہد [3] والمختار عند المحققین انہ ثبۃ من الواو واصلہا ثبوۃ وبہ قال ابن جنی والمؤلف انہ من الیاء [4] ذہب الجوہری وبعض علماء اللغۃ انہا من ثبۃ الحوض والذاہبۃ الواو من وسطہ وبہ قال ابو اسحاق بدلیل ثویبۃ لکن الاکثر علی النقص ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا برسنا محاورہ ہے: اَتَی الْوَادِیْ بِثَجِیْجِہٖ زبردست سیلاب آنا۔ قرآن میں ہے:
وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَآءً ثَجَّاجًا (۷۸-۱۴)
اور نچڑے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔
حدیث میں ہے[۱]: (ن۔ ۵)
اَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ یعنی افضل حج وہ ہے جس میں زور زور سے لبیک پکارا جائے اور کثرت سے قربانی کا خون بہایا جائے۔

(ث خ ن)

ثَخُنَ (ک) اَلشَّیْءُ کے معنی ہیں کسی چیز کا گاڑھا ہو جانا اس طرح کہ بہنے سے رک جائے اسی سے بطور استعارہ کہا جاتا ہے۔
اَثْخَنْتُہٗ ضَرْبًا وَّاسْتِخْفَافًا میں نے اسے اتنا پیٹا کہ وہ اپنے مقام سے حرکت نہ کر سکا قرآن میں ہے۔
مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (۸-۶۷) پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے۔
حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (۴۷-۴) جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔

(ث ر ب)

اَلتَّثْرِیْبُ (تفعیل) کے معنی ہیں کسی کو اس کی غلطی پر سرزنش اور زجر و توبیخ کرنا قرآن میں ہے:
لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (۱۲-۹۲) (یوسف نے کہا کہ) آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (و ملامت) نہیں ہے۔
ایک روایت میں ہے[۲]: (د ۵)
اِذَا زَنَتْ اَمَۃُ اَحَدِکُمْ فَلْیَجْلِدْهَا وَلَا یُثَرِّبْهَا۔ کہ جب کوئی لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگائے اور صرف ملامت پر اکتفا نہ کرے۔
اور عربی زبان میں اس سے صرف ثَرْبٌ کا لفظ معروف ہے جس کے معنی باریک اور پتلی سی چربی کے ہیں[۳] (جو انتڑیوں کے ساتھ ہوتی ہے) اور آیت کریمہ:
یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ (۳۳-۱۳) اے اہل مدینہ۔
میں ہو سکتا ہے کہ یَثْرِبَ اسی مادہ سے ہو اور اس میں یاء زائدہ ہو[۴]۔

(ث ع ب)

ثَعَبَ (ف) ثَعْبًا۔ اَلْمَآءَ کے معنی ہیں اس نے پانی بہایا فَانْثَعَبَ اس کا مطاوع ہے جس کے معنی ہیں چنانچہ وہ بہ نکلا۔ اسی سے ثُعَبُ الْمَطَرِ ہے (جس کے معنی بارش کا بہتا ہوا پانی یا برساتی نالہ کے ہیں) اور ہو سکتا ہے کہ آیت کریمہ:
فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (۲۶-۳۲) تو وہ اسی وقت صریح اژدہا بن گئی۔
میں ثُعْبَان (اژدہا) بھی ثَعَبْتُ الْمَآءَ کے محاورہ سے ماخوذ ہو سانپ بھی چونکہ زمین پر اس طرح چلتا

---

[۱] الترمذی والنسائی من حدیث عمرو ابن ماجۃ من حدیث محمد بن المنکدر عن جابر کر (حق) عن ابی بکر۔ ع۔ عن ابن مسعود راجع کنز العمال ۵ رقم، وراجع لشرحہ غریب ابی عبید ۱۳۰/۱ [۲] اصل الحدیث متفق علیہ رواہ احمد وابوداؤد من حدیث ابی ہریرۃ ولفظ الحدیث کما فی المراجع اذا زنت امۃ احدکم فتبین زنا ہا فلیجلدھا الحد ولا یثرب علیہا وفی روایۃ النسائی ولا یعنفہا" [۳] وفی الحدیث ان المنافق یؤخر العصر حتی اذا صارت الشمس کثرب البقرۃ صلاہا [۴] اسم قدیم للمدینۃ باسم اول من سکنہا من ولد سام بن نوح وقد نہی النبی ان یقال لہا یثرب وسماہا طیبۃ وطابۃ لان فی مادۃ ثرب معنی الفساد ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جیسے پانی بہ رہا ہوتا ہے اسلئے اسے ثعلبی کہا گیا ہو۔
ثُعْبَۃٌ خبیث قسم کا گرگٹ ج ثُعَبٌ یہ بھی چونکہ شکل وصورت میں سانپ کے مشابہ ہوتا ہے اس لئے اسے ثُعْبَۃٌ کہا جاتا ہے اور جسم میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کے لفظ میں اختصار کر لیا گیا ہے۔

(ث ق ب)

اَلثَّاقِبُ اتنا روشن کہ جس چیز پر اس کی کرنیں پڑیں اس میں چھید کرتی پار گزر جائیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۳۷-۱۰) تو جلتا ہوا انگارہ ان کے پیچھے لگتا ہے۔
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ (۸۶-۱، ۲، ۳) آسمان اور رات کے وقت آنے والے کی قسم اور تم کو کیا معلوم کہ رات کے وقت آنے والا کیا ہے؟ وہ تارا ہے چمکنے والا۔
اَلثَّاقِبُ اصل میں ثُقْبَۃ سے ہے جس کے معنی سوراخ کے ہیں۔ اَلْمِثْقَبُ پہاڑ میں سخت اور دشوار گزار راستہ گویا وہ سوراخ کی مثل ہے۔ ابوعمرو کا قول ہے کہ صحیح لغت مَنْقَبٌ (بفتح المیم) ہے[1] محاورہ ہے ثَقَّبْتُ النَّارَ میں نے آگ بھڑکائی۔

(ث ق ف)

اَلثَّقْفُ (س ک) کے معنی ہیں کسی چیز کے پالینے یا کسی کام کے کرنے میں حذاقت اور مہارت سے کام لینا۔ اسی سے اَلْمُثَاقَفَۃُ کا لفظ مستعار ہے۔ (جس کے معنی ہتھیاروں کے ساتھ باہم کھیلنے کے ہیں اور سیدھے نیزے کو رُمْحٌ مُثَقَّفٌ کہا جاتا ہے۔
اور اَلثِّقَافُ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے۔
ثَقِفْتُ کَذَا کے اصل معنی مہارت نظر سے کسی چیز کا نگاہ سے ادراک کر لینا کے ہیں۔ پھر مجازاً محض کسی چیز کے پالینے پر بولا جاتا ہے خواہ اسکے ساتھ نگاہ کی مہارت شامل ہو یا نہ۔ قرآن میں ہے:۔
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (۲-۱۹۱) اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ (۸-۵۷) اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ۔
مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (۳۳-۶۱) پھٹکارے ہوئے، جہاں پائے گئے پکڑے گئے۔ اور جان سے مار ڈالے گئے۔

(ث ق ل)

اَلثِّقَلُ یہ خِفَّۃٌ کی ضد ہے اور اس کے معنی بھاری اور انبار ہونا کے ہیں اور ہر وہ چیز جو وزن یا اندازہ میں دوسری پر بھاری ہو اسے ثَقِیْلٌ کہا جاتا ہے۔ اصل (وضع) کے اعتبار سے تو یہ اجسام کے بھاری ہونے پر بولا جاتا ہے لیکن (مجازاً) معانی کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:۔
اَثْقَلَهُ الْغُرْمُ وَالْوِزْرُ اسے تاوان یا گناہ کے بوجھ نے دبا لیا۔ قرآن میں ہے:۔
اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (۵۲-۴۰) (اے پیغمبر) کیا تم ان سے صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے۔

---

[1] راجع التاج (ثقب) لکن معناہ الطریق ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عرف میں انسان کے متعلق ثقیل لفظ عام طور تو بطور مذمت کے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بطور مدح بھی آجاتا ہے[1] جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2]۔ (الوافر)

(۹۰-۲۷) تَخِفُّ الْاَرْضُ اِذَا مَا زُلْتَ عَنْهَا
وَتَبْقٰی مَا بَقِیْتَ بِهَا ثَقِیْلَا
حَلَلْتَ بِمُسْتَقَرِّ الْعِزِّ مِنْهَا
فَتَمْنَعُ جَانِبَیْهَا اَنْ تَمِیْلَا

کہ جس سرزمین سے تم چلے جاؤ وہ ہلکی ہو جاتی ہے اور وہ اسی وقت تک بھاری رہتی ہے جب تک تم اس پر رہو۔ تم زمین میں عزت کے مقام پر فروکش ہو اور تمہاری وجہ سے اس میں توازن قائم ہے کہا جاتا ہے۔

فِیْ اُذُنِہٖ ثِقْلٌ یعنی اس کی قوت سماعت کمزور ہے ضد فِیْ اُذُنِہٖ خِفَّۃٌ گویا جو بات اس سے کی جاتی ہے اس کو سمجھنے میں گرانی محسوس کرتا ہے اور کسی بات کا سننا ناگوار محسوس ہو تو کہا جاتا ہے ثَقُلَ الْقَوْلُ... چنانچہ اسی معنی میں قیامت کے متعلق فرمایا:۔

ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷-۱۸۷) وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری بات ہو گی۔

اور آیت کریمہ:۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۹۹-۲) اور زمین اپنے (اندر کے) بوجھ نکال ڈالے گی۔ میں بعض نے کہا ہے کہ زمین کے دفینے مراد ہیں اور بعض نے حشر کے روز قبروں سے زندہ ہو کر نکلنا مراد لیا ہے اور آیت کریمہ:۔ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ (۱۶-۷) اور ... وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میں اثقال سے بھاری بوجھ مراد ہیں اور آیت:۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (۲۹-۱۳) اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور لوگوں کے بوجھ بھی۔ میں گناہوں کے بوجھ مراد ہیں جو انہیں ثواب سے روک دیں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ (۱۶-۲۵) (اے پیغمبر ان کو بکنے دو) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ اٹھائیں گے اور جن کو یہ بے تحقیق گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

اور آیت کریمہ:۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (۹-۴۱) تم سبکسار ہو یا گرانبار گھروں سے نکل آؤ۔ میں بعض نے خفاف اور ثقال سے جوان اور بوڑھے مراد لئے ہیں اور بعض نے خفاف سے نادار اور ثقال سے غنی لوگ مراد لئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان سے غریب الوطن اور مقیم لوگ مراد ہیں۔ اور بعض نے خفاف سے چست اور ثقال سے سست مراد لئے ہیں۔ لیکن آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ان جملہ معانی کو شامل ہے کیونکہ قرآن کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دینا ہے کہ تنگی کی حالت ہو یا فراخی کی ہر حال میں تمہیں جہاد کے لئے چل کھڑے ہونا چاہیئے[3]۔

اَلْمِثْقَالُ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے چنانچہ ہر باٹ کو مثقال

---

[1] ومنہ قولہ تعالیٰ: اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ (۵۵-۳۱) للجن والانس لما خصا بہ من العقل والتمیز من سائر الحیوان (راجع اللسان ثقل)۔ [2] قالہ زہیر بن ابی سلمی والشطر الثانی فی الثانی من اجاز ذ ابنہ کعب فیہ قصۃ راجع امالی المرتضی (۱: ۹۷) وفیہ الاول: تزال الارض اذا امامت خِفا وتحی ما حییت بہا ثقیلا وفیہ نزلت بدل حللت دیوانہ والعقد الثمین ۷۳ المحاضرات المؤلف وفی روایۃ اختلاف یسیر [3] قال العماد (۲: ۳۵۹) والاولی حملہ علی العموم ۱۲

www.KitaboSunnat.com

کہہ سکتے ہیں قرآن میں ہے:۔
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (۹۹-۷،۸) توجس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور آیت کریمہ:۔
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ (۱۰۱-۸) اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے۔
میں وزن کے ہلکا نکلنے سے اعمال حسنہ کے کم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔
ثقیل اور خفیف کے الفاظ دو طرح استعمال ہوتے ہیں ایک بطور مقابلہ کے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے اعتبار سے ثقیل یا خفیف کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیت میں یہی معنی مراد ہیں اور دوسرے یہ کہ جو چیزیں (طبعًا) نیچے کی طرف مائل ہوتی ہیں انہیں ثقیل کہا جاتا ہے جیسے حجر مدر وغیرہ اور جو چیزیں (طبعًا) اوپر کو چڑھتی ہیں جیسے آگ اور دھواں انہیں خفیف کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (۹-۳۸) توتم زمین پر گرے جاتے ہو۔ میں زمین پر گرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے۔

(ث ل ل)

اَلثَّلَّةُ (بفتح الثاء) کے اصل معنی اون کے ڈھیر کے ہیں اس لئے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو بھی ثَلَّة کہا جاتا ہے[1] اور معنی اجتماع کے اعتبار سے آدمیوں کی جماعت کو ثُلَّةٌ۔ قرآن میں ہے:۔
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ (۵۶-۳۹،۴۰) (یہ) بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں اور بہت سے پچھلوں میں سے۔
ثَلَلْتُ كَذَا میں نے اس سے کافی مقدار لی۔ ثَلَّ عَرْشَهٗ اس کی حکومت برباد کردی۔ اس کی عزت ضائع کردی۔ اَلثَّلَلُ دانتوں کا گرنا۔ اسی سے اُثِلَّ فَمُهٗ کا محاورہ ہے جس کے معنی دانت گرنے کے ہیں۔ تَثَلَّلَتِ الرَّكِيَّةُ کنواں منہدم ہوکر پٹ گیا۔

(ث ل ث)

اَلثَّلَاثَةُ تین (مونث)، ثَلَاثُوْنَ تیس (مذکر و مونث)، اَلثَّلٰثُمِائَةِ تین سو (مذکر و مونث) ثَلَاثَةُ اٰلَافٍ تین ہزار (مذکر و مونث) اَلثُّلُثُ تہائی (تثنیہ) ثُلُثَانِ اور جمع اَثْلَاثٌ قرآن میں ہے:۔
فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (۴-۱۱) تو ایک تہائی مال کا حصہ
وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً (۷-۱۴۲) اور ہم نے موسٰی سے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔
مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ۔ (۵۸-۷) (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا (مجمع) سرگوشی نہیں کرتا مگر وہ ان میں چوتھا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ (۲۴-۵۸) (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے (کے) ہیں۔ کے معنی یہ ہیں کہ یہ تین اوقات ستر کے ہیں۔
وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ (۱۸-۲۵) اور اصحاب کہف اپنے غار میں (نو اوپر) تین سو سال رہے۔
بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ۔ (۳-۱۲۴) تین ہزار فرشتے نازل کرکے تمہیں مدد دے۔
اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (۷۳-۲۰) تمہارا پروردگار

---

[1] فی المطبوع: للمقیم مصحف والصحیح للغنم کما فی التاج (ثلل)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوب جانتا ہے کہ تم .... کبھی دوتہائی کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات قیام کرتے ہو۔

مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (۴-۳) دو دو یا تین تین یا چار چار۔

ثَلَثْتُ الشَّیْءَ تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔

ثَلَثْتُ الْقَوْمَ میں نے قوم کے مال سے ایک تہائی حصہ وصول کیا۔ اَثْلَثْتُھُمْ دو میں شامل ہو کر تین بنا دیا۔ مال سے تہائی حصہ وصول کیا۔ اَثْلَثْتُ الدَّرَاھِمَ تین درم کر دیئے (یعنی دو سے تین کر دیئے)

اَثْلَثَ الْقَوْمُ وہ تین ہو گئے۔ حَبْلٌ مَثْلُوْثٌ تین بٹوں سے بٹی ہوئی رسی۔ رَجُلٌ مَثْلُوْثٌ جس کے مال سے تہائی لے لی گئی ہو۔ ثَلَثَ الْفَرَسُ وَ رَبَعَ (دوڑ میں) گھوڑے کا تیسرے یا چوتھے نمبر پر آنا محاورہ ہے:۔

أَثَلَاثَةٌ أَمْ ثَلَاثُوْنَ عِنْدَكَ أَوْ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ یعنی کیا تمہارے پاس ۳۳ مرد ہیں یا عورتیں ہیں؟ جاؤ ثُلَاثَ وَ مَثْلَثَ وہ تین تین آئے۔ نَاقَۃٌ ثَلُوْثٌ جس کے تین تھنوں سے دودھ دوہا جائے۔

اَلثُّلَاثَاءُ منگلوار (اسی طرح) اَلْاَرْبِعَاءُ بدھوار ان میں الف ھا کے عوض ہے (جیسے حَسَنَۃٌ و حَسْنَاءُ) اور یہ ایام سے ساتھ مخصوص ہیں۔

ثَلَّثَ الْبُسْرُ گدر کھجوریں دوتہائی پک گئیں۔ اسی طرح ثَلَّثَ الْعِنَبُ کا محاورہ ہے یعنی انگور دوتہائی پختہ ہو گئے۔ ثَوْبٌ ثُلَاثِیٌّ تین گز کپڑا۔

(ث م م)

ثُمَّ[1] یہ حرف عطف ہے اور پہلی چیز سے دوسری کے متاخر ہونے پر دلالت کرتا ہے خواہ یہ تاخیر بالذات ہو یا باعتبار مرتبہ اور یا باعتبار وضع کے ہو جیسا کہ قبلُ اور اول کی بحث میں بیان ہو چکا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (۱۰-۵۱) کیا جب وہ آوا قع ہوگا تب اس پر ایمان لاؤ گے (اس وقت کہا جائے گا کہ) اور اب (ایمان لائے) اس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (۱۰-۵۲) پھر ظالم لوگوں سے کہا جائیگا۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ (۲-۵۲) پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا۔

ثُمَامَةٌ ایک قسم کی گھاس جو نہایت چھوٹی ہوتی ہے اور ثَمَّتِ الشَّاةُ کے اصل معنی بکری کے ثُمَامَةٌ گھاس چرنا کے ہیں جیسے درخت چرنے کے لئے شَجَرَتْ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے پھر ہر قسم کی گھاس چرنے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ ثَمَمْتُ الشَّیْءَ اس چیز کو اکٹھا اور درست کیا۔ اسی سے محاورہ ہے۔ كُنَّا اَهْلَ ثُمِّهٖ وَرُمِّهٖ ہم اس کی اصلاح و مرمت کے اہل تھے۔

اَلثُّمَّةُ خشک گھاس کا مٹھا۔

ثَمَّ[2] وہاں، اسم اشارہ بعید کے لئے آتا ہے اور اس کے بالمقابل ھُنَالِكَ اسم اشارہ قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ دونوں لفظ دراصل اسم ظرف ہیں[3] اور آیت کریمہ:

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا (۷۶-۲۰)

---

[1] حرف عطف یقتضی ثلاثۃ امور، التشریک فی الحکم والترتیب والمہلۃ وفی کل منہا خلاف (راجع المغنی ۱: ۱۲۰) [2] قال الطبری معناہ ھنالک ولیست ثم التی تأتی للعطف قال ابن ہشام وہذا وہم منہ [3] ای ظرف لا یتصرف ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بہشت میں (جہاں) آنکھ اٹھاؤ گے کثرت سے نعمت . . . دیکھو گے۔ میں ثَمَّ مفعول واقع ہوا ہے۔[1]

(ث م د)

ثَمُوْدُ (حضرت صالحؑ کی قوم کا نام) بعض اسے معرب بتلاتے ہیں اور قوم کا علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور بعض کے نزدیک عربی ہے اور ثَمَدٌ سے مشتق ہے (بروزن فَعُوْلٌ) اور ثَمَدٌ (بارش کے) تھوڑے سے پانی کو کہتے ہیں جو جاری نہ ہو۔

اسی سے رَجُلٌ مَثْمُوْدٌ کا محاورہ ہے یعنی وہ آدمی جس میں عورتوں سے کثرت جماع کے سبب مادہ منویہ باقی نہ رہے۔ نیز مَثْمُوْد اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جسے سوال کرنے والوں نے مفلس کر دیا ہو۔

(ث م ر)

اَلثَّمَرُ اصل میں درخت کے ان اجزاء کو کہتے ہیں جن کو کھایا جا سکے اس کا واحد ثَمَرَۃٌ اور جمع ثِمَارٌ وَ ثَمَرَات آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ (۲-۲۲) اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ (۱۶-۶۷) اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی۔

اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ (۶-۹۹) ان کے پھلنے اور پکنے پر غور کرو۔[2]

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (۱۳-۳، ۱۶، ۱۱) اور ہر طرح کے میوے۔

ثَمَر اور ثِمَار کے ایک ہی معنی ہیں بعض نے کہا ہے۔ کہ ثِمَارٌ، ثَمَرٌ کی جمع ہے پھر بطور کنایہ ثمر کا لفظ ہر قسم کے کمائے ہوئے مال پر بولا جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ... (۱۸-۳۴) (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی۔ میں ابن عباسؓ نے ثمر کے یہی معنی کئے ہیں۔

محاورہ ہے ثَمَّرَ اللّٰهُ مَالَهٗ اللہ تعالیٰ اس کا مال بڑھائے اور مجازاً ہر چیز کے نفع پر ثمر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ثَمَرَۃُ الْعِلْمِ الْعَمَلُ الصَّالِحُ کہ علم کا ثمرہ نیک عمل ہیں۔ وَ ثَمَرَۃُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ الْجَنَّةُ۔ اور نیک عمل کا ثمرہ جنت ہے۔

اور صوری مشابہت اور نیچے کی طرف لٹکنے کے اعتبار سے چابک کے سر کی گرہ کو بھی ثَمَرَۃُ السَّوْط کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اسی طرح چابک سے نیچے لٹکتی ہوئی نظر آتی ہے جیسے درخت سے پھل کا گچھا لٹک پڑتا ہے۔

اَلثَّمِيْرَۃ مکھن کے بلبلے جو دودھ کو بلونے سے اس پر نظر آتے ہیں۔ صوری تشابہ کی وجہ سے ان کو ثَمِيْرَۃُ اللَّبَن کہا جاتا ہے اور پھر وہ دودھ سے حاصل بھی ہوتا ہے جیسے پھل درخت سے۔

(ث م ن)

اَلثَّمَنُ اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو فروخت کرنے والا اپنی چیز کے عوض خریدار سے وصول کرتا ہے خواہ وہ زر نقد ہو یا سامان۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] قال ابن ہشام وغلط من اعربہ مفعولا لرأیت فی ہذا الایۃ ۱۲ [2] وفی النسخ المطبوعۃ القدیمۃ والکشف "کلوا من ثمرہ" مصحف ۱۲ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ (۱۲-۲۰) اور اسے تھوڑی سی قیمت یعنی چند درہموں پر بیچ ڈالا۔ اور وہ کچھ جو کسی چیز کے عوض میں حاصل ہو وہ اس کا ثمن کہلاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۳-۷۷) جو لوگ خدا کے اقراروں اور اپنی قسموں (کو) بیچ ڈالتے ہیں اور ان کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۱۶-۹۵) اور خدا سے جو تم نے عہد کیا تھا (اس کو مت بیچو اور) اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۵-۴۴) اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا۔

محاورہ میں اَثْمَنْتُ الرَّجُلَ بِمَتَاعِهٖ وَاَثْمَنْتُ لَهٗ کے معنی کسی چیز کی زیادہ قیمت دینے کے ہیں۔ اور قیمتی چیز کو شَیْءٌ ثَمِیْنٌ کہا جاتا ہے۔

ثَمَانِیَةٌ آٹھ (مذکر) ثَمَانُوْنَ۔ اسی (مذکر و مؤنث) اَلثُّمُنُ آٹھواں حصہ۔

ثَمَنْتُهٗ آٹھواں ہونا۔ کسی شخص کے مال سے آٹھواں حصہ لینا۔ قرآن میں ہے:۔ ثَمَانِیَةَ اَزْوَاجٍ (۶-۱۴۳) (یہ بڑے چھوٹے چارپائے) آٹھ قسم کے ہیں۔

سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ کَلْبُهُمْ (۱۸-۲۲) وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمَانِیَ حِجَجٍ (۲۸-۲۷) اس (عہد) پر کہ تم آٹھ برس میری خدمت کرو۔

اَلثَّمِیْنُ بمعنی ثُمُن یعنی آٹھواں حصہ۔ شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۸۱) فَمَا صَارَ لِیْ فِی الْقَسْمِ اِلَّا ثَمِیْنُهَا

اس مقاسمہ میں میرا آٹھواں حصہ تھا۔

قرآن میں ہے

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ (۴-۱۲) تو جو مال تم (مرد) چھوڑ مرو تو اس میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔

(ث ن ی)

اَلثِّنْیُ وَالْاِثْنَانُ یہ دونوں ان تمام کلمات کی اصل ہیں جو اس مادہ سے بنتے ہیں یہ کبھی معنی عدد کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں اور کبھی تکرار معنی کے لحاظ سے جو ان کے اصل مادہ میں پایا جاتا ہے اور کبھی ان میں عدد و تکرار دونوں ملحوظ ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ (۹-۴۰) دو میں دوسرا۔

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا (۲-۶۰) بارہ چشمے۔

مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (۴-۳) دو دو یا تین تین یا چار چار۔ کہا جاتا ہے ثَنَّیْتُهٗ تَثْنِیَةً میں دوسرا تھا میں نے اسکا نصف مال لے لیا[2] ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز کو ملا کر دو کر دینا۔

اَلثِّنْیٰ۔ جس کا دو مرتبہ اعادہ ہو حدیث میں ہے[3]۔ (۵۲)

---

[1] قالہ یزید بن الطثریہ (والطثریہ امہ وھو احد الشعراء الذین اشتہروا بامہاتہم واسم ابیہا الصمۃ) واولہ: والقیت سہمی وسطہم حین اوخشوا والبیت فی اللسان (ثمن) والاقتضاب ۷۵ وتم فی خمسۃ ابیات وتہذیب الالفاظ ۵۸۹ والدرۃ مع الخفاجی ۸۹ وادب الکاتب ۷۵ وقبلہ۔ ای صبعۃ لیسعون للوصل کلہم۔ لدی عند لیلی دینۃ یستدینہا۔ ومعنی اوخشوا ردوا سہام المیسر فی خریطتہا [2] القسم بمعنی المقاسمۃ ۱۲ [3] والحدیث فی الصحاح (ثنی) والفائق ۱/۸۳ والدیلمی والنہایۃ واموال ابی عبید عن علیؓ وراجع کنز العمال ۷ رقم ۱۹۹۵ و ۱۳۲۲ وغریب ابی عبید ۱/۹۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا ثِنیٰ فِی الصَّدَقَۃِ ... یعنی صدقہ سال میں دو مرتبہ نہ لیا جائے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۸۲) "..... لَقَدْ کَانَ مِلَامَتُہَا ثِنیٰ"

بے شک اس نے بار بار ملامت کی۔

اِمْرَءَۃٌ ثِنیٌ جس عورت نے دو بچے جنے ہوں اس دوسرے بچہ کو ثِنیٌ کہا جاتا ہے۔

حَلَفَ یَمِیْنًا فِیْہَا ثِنیٌ وَثَنْوِیٌ وَثَنِیَّۃٌ وَمَثْنَوِیَّۃٌ اس نے استثناء کے ساتھ قسم اٹھائی۔

ثَنَا (ض) ثَنْیًا۔ اَلشَّیْءَ کسی چیز کو موڑنا، دوہرا کرنا لپیٹنا قرآن میں ہے:۔

اَلَا اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ (۱۱-۵) دیکھو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی قرأت یَثْنَوْنِیْ صُدُوْرُھُمْ ہے۔ جو اِثْنَوْنَیْتُ کا مضارع ہے[2] اور آیت کریمہ:۔ ثَانِیَ عِطْفِہٖ (۲۲-۹) (اور تکبر سے) گردن موڑ لیتا ہے۔

میں گردن موڑنے سے مراد تکبر اور اعراض کرنا ہے جیسا کہ لَوٰی شِدْقَہٗ وَنَاٰی بِجَانِبِہٖ کا محاورہ ہے۔

اَلثَّنِیُّ (ایضاً بکری) جو دوسرے سال میں داخل ہو (اونٹ) جس کے ثنیہ دانت گر گئے ہوں اور اس معنی میں فعل اَثْنیٰ ہے

ثَنَّیْتُ الشَّیْءَ اَثْنِیْہِ۔ کسی چیز کو ثنایین رسی کے ساتھ باندھنا۔ یہ غیر مہموز ہے بعض نے اس کے غیر مہموز ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ یہ کلمہ تثنیہ ہی استعمال ہوتا ہے اور اس کا واحد ثناؤ نہیں بولا جاتا[3]

اَلْمَثْنَاۃُ دوسری رسی۔

اَلثُّنْیَانِ سادات کے شمار کے وقت دوسرے درجہ کا سردار۔

ثُنْیَۃٌ فرومایہ محاورہ ہے فلَانٌ ثُنْیَۃُ اَھْلِ بَیْتِہٖ فلاں اپنے اہل میں ثنیہ یعنی سب سے کم مرتبہ ہے۔

ثَنِیَّۃٌ وہ پہاڑ جسے عبور کرنے وقت اوپر چڑھنا اور نیچے اترنا پڑے گویا دوہرا سفر کرنا پڑتا ہے شکل وصورت اور صلابت کے لحاظ سے پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دے کر سامنے کے چار دانت (دو از فوق دو از تحت) میں سے ہر ایک کو ثَنِیَّۃٌ کہا جاتا ہے (جمع ثنایا)

اَلثُّنْیَا۔ (مِنَ الْجَزُوْرِ) ذبح کئے گئے اونٹ کا سر اور صلب جو قصاب اپنے لئے مستثنیٰ کرلیتا ہے[4] اور ان کو ثُنْوِیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

اَلثَّنَاءُ۔ کے معنی بار بار کسی کی خوبیاں بیان کرنے

---

[1] قالہ کعب بن زہیر فی امرأتہ حین لامتہ فی بکر وتکملۃ البیت۔ أفی جنب بکر قطعتنی ملامۃ — لعمری... والبیت فی اللسان (ثنی) ودیوانہ ۷۸ والبحر (۵:۲۳۵) ونسبہ الصاحبی ۱۳۲ الی اوس بن حجر وجمعہ الدکتور محمد یوسف نجم فی مختلط شعرہ راجع دیوانہ ۱۳۱ وفی روایۃ خزانۃ بدل ملامۃ وضبطہ الجامع بالرفع والصواب النصب علی التمیز وفاعل قطعتنی امرأتہ وقبلہ وہو مطلع القصیدۃ:۔ الا بکرت عرسی توائم من لحی۔ واقرب باحلام النساء من الردی [2] راجع ابن کثیر ۲/۴۳۶ ہو من اثنونی (افعوعل) کما احلولی من الحلاوۃ۔ [3] ذکرہ الجوہری فی الصحاح وکذا فی النہایۃ فی شرح حدیث عمرو بن دینار رأیت ابن عمر ینحر بدنتہ وہی بارکۃ مثنیۃ بثنایین ... ولعدہ: قال الاصمعی وان مدہ مادّ لکان صواباً بجوز الاصمعی ثنا آن کما تقول کساآن لکن النحاۃ اتفقوا علی ترک الہمزۃ فی الثنایین وقررہ الازہری بالبسط فی تہذیبہ علی من ہمزہ فتدبر ۱۲ [4] وما فی المعاجم من الراس والقوائم وذکر بعضہم معہا لفظ الصلب ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہیں اور اَثْنیٰ عَلَیْہِ کے معنی کسی کی ثنا کرنے کے ہیں۔

تَثَنّیٰ (تفعل) فِیْ مِشْیَتِہٖ تکبر سے لڑکھڑا کر چلنا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ (۱۵-۸۷)

اور ہم نے تم کو سات مثانی (سورتیں) عطا کیں۔ میں قرآن کی سورتوں کو مثانی کہا ہے[1] کیونکہ مرور ایام کے ساتھ بار بار ان کا ذکر اور اعادہ ہوتا رہیگا۔ لیکن زمانہ کے گزرنے کے ساتھ نہ تو ان میں کسی قسم کا تغیر آئے گا اور نہ ہی دوسری اشیاء کی طرح یہ زوال پذیر ہیں۔ اسی بنا پر فرمایا:۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ۔ (۳۹-۲۳) خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دوہرائی جاتی ہیں۔

اور قرآن کو مثانی کہنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ بار بار اعادہ سے اس کے عجائب وغرائب منقطع نہیں ہوتے اور ہر بار نئے حقائق سامنے آتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے وصف میں ایک روایت مروی ہے[2] لَا یَعْوَجُّ فَیُقَوَّمُ وَلَا یَزِیْغُ فَیُسْتَعْتَبُ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ۔ کہ اس میں کجی نہیں آئے گی کہ اسے سیدھا کرنے کی ضرورت پیش آئے اور اس میں زیغ پیدا ہوگا کہ اس کا ازالہ کرنا پڑے اور اس کے عجائب وغرائب کبھی منقطع نہیں ہوں گے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَثَانِی ثناء سے مشتق ہو تو اس سے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ قرآن پاک سے ہمیشہ ایسے مضامین ظاہر ہوتے رہیں گے جو اس کی، اس کو پڑھنے والوں، اس کا علم حاصل کرنے والوں، اور اس پر عمل کرنے والوں، کی تعریف کا موجب ہوں گے اور اسی معنی میں قرآن کو آیت:۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ (۵۶-۷۷) کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔ میں کرم کے ساتھ متصف کیا ہے اور آیت:۔

بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ (۸۵-۲۱) بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے۔ اس کے وصف میں مجید کا لفظ ذکر کیا ہے۔

اَلْاِسْتِثْنَاءُ کے معنی کلام میں ایسا لفظ لانے کے ہیں جو پہلے عام حکم سے بعض افراد کی تخصیص یا اس عام حکم کے کلیۃً مرتفع ہونے کا فائدہ دے چنانچہ عموم حکم سے بعض افراد کی تخصیص کے متعلق فرمایا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً (الآیہ) (۶-۱۴۵) کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے۔ حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو۔

اور یہی کلام کی کلیۃً نفی جیسے:۔

وَاللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔ میں یہ کام ضرور کروں گا انشاء اللہ۔

اِمْرَاَتُہٗ طَالِقٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اس کی عورت کو طلاق ہے انشاء اللہ۔

عَبْدُہٗ عَتِیْقٌ اِنْ شَاءَ اللہ اس کا غلام آزاد ہے ان شاء اللہ اور آیت کریمہ:۔

اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ (۶۸-۱۷-۱۸) جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا

---

[1] راجع للبحث علی المثانی التاج (ثنی) وغریب ابی عبید ۳ ر ۱۴۵-۱۴۷ [2] کلمہ من حدیث طویل فی فضل القرآن راجع المصاحف لابن الانباری ک۔ص ۱ ب۔ عن ابن مسعود، ش (محمد بن نصر) کنز العمال ا رقم ۲۳۵۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ صحیح ہوتے ہوتے ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے۔ اور انشاء اللہ کہا۔ میں وَلَا يَسْتَثْنُونَ سے بھی یہی مراد ہیں۔

(ث و ب)

ثَوْبٌ کا اصل معنی کسی چیز کے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آنا کے ہیں یا غور و فکر سے جو حالت مقدر اور مقصود ہوتی ہے اس تک پہنچ جانے کے ہیں۔ چنانچہ حکماء کے اس قول اَوَّلُ الْفِكْرَةِ اٰخِرُ الْعَمَلِ میں اسی حالت کی طرف اشارہ ہے یعنی آغاز فکر ہی انجام عمل بنتا ہے۔ چنانچہ اول معنی کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ ثَابَ فُلَانٌ اِلٰى دَارِهٖ۔ فلاں اپنے گھر کو لوٹ آیا ثَابَتْ اِلَیَّ نَفْسِیْ میری سانس میری طرف ہوئی اور کنوئیں کے منہ پر جو پانی پلانے کی جگہ بنائی جاتی ہے اسے مَثَابَةٌ کہا جاتا ہے اور غور و فکر سے حالت مقدرہ مقصود تک پہنچ جانے کے اعتبار سے کپڑے کو ثَوْبٌ کہا جاتا ہے کیونکہ سوت کاتنے سے غرض کپڑا بننا ہوتا ہے لہذا کپڑا بن جانے پر گویا سوت اپنی حالت مقصودہ کی طرف لوٹ آتا ہے یہی معنی ثواب العمل کا ہے۔ اور ثَوْبٌ کی جمع اَثْوَابٌ وَثِيَابٌ آتی ہے اور آیت کریمہ:-
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۷۴-۴) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ میں بعض نے ثیاب سے اس کے حقیقی معنی یعنی کپڑے پاک رکھنا مراد لیا ہے[1] اور بعض نے کہا ہے کہ ثیاب سے (کنایۃ) نفس مراد ہے[2] (یعنی نفس کو رذائل سے پاک رکھنا مراد ہے) جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[3]۔ (طویل)

(۸۳) ثِيَابُ بَنِيْ عَوْفٍ طَهَارٰى نَقِيَّةٌ
کہ بنی عوف کے نفوس پاک و صاف ہیں۔

اسی طہارت نفسانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (۳۳-۳۳) (اے پیغمبر کے اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کردے اور تمہیں بالکل پاک صاف کردے۔

اَلثَّوَابُ انسان کے عمل کی جو جزا انسان کی طرف لوٹتی ہے اسے ثواب کہا جاتا ہے اس تصور پر کہ وہ جزا گویا عین عمل ہی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت:-
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۹۹-۷)
تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لیگا۔ میں جزا کو نفس عمل ہی قرار دیا ہے اس لئے یہاں يَرَ جَزَاءَهٗ نہیں کہا حالانکہ مراد یہی ہے۔
گو لغوی اعتبار سے ثَوَابٌ کا لفظ خیر و شر دونوں قسم کی جزا پر بولا جاتا ہے لیکن اکثر اور متعارف استعمال نیک اعمال کی جزا پر ہے چنانچہ فرمایا:-
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۴: ۴۴۳) الی محمد بن سیرین ورجحہ ابن جریر [2] نقل عن ابن عباس واکثر التابعین ویؤیدہ کلام العرب [3] قالہ امرؤ القیس فی مدح بنی عوف وتمامہ: واوجھہم بیض المسافر غران (عقیبہ القافیہ من کلمۃ ۱۶ بیتا ولا توجد تامۃ عند غیر ابن الانباری ۴۳۶ وفی روایۃ والسمط (۹) یوم الکریہۃ بدل بیض المسافر والبیت فی اللسان والصحاح (ثوب، غر) ودیوانہ ۱۵ والعقد الثمین ۱۶۱ وایام العرب ۵۰ وشرح السبع لابن الانباری ۴۶ وھو فیہ عند الشاہد بدل بیض المسافر والمعانی للقبتی ۴۸۵-۸۱ والسیوطی ۱۳۹ والصناعتین ۳۵۲ ومختار الشعر ۳۱۲ والعمدۃ (۱: ۱۴۸) فی اربعۃ ابیات والشطر فی حواشی تہذیب الالفاظ ۴۸۳ والبحر (۲: ۱۶۴) والشطر الثانی فی البحر (۲-۴۴/۸-۳۷۱) ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الثَّوَابِ (۳-۱۹۵) یہ خدا کے ہاں سے بدلہ ہے اور خدا کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔

فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ (۳-۱۴۸) تو خدا نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا اور آخرت میں بھی بہت اچھا بدلہ دیگا۔

اسی طرح لفظ مَثُوبَةٌ بھی زیادہ تر جزائے خیر پر بولا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ (۵-۶۰) کہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ خدا کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں۔

میں جزائے بد کے لئے مَثُوبَةً کا بطور استعارہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ عذاب کے متعلق بشارت کا لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ جزائے خیر کے متعلق فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ (۲-۱۰۳) اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔

اَلْإِثَابَةُ (افعال) کے معنی بھی اچھی جزا دینے کے ہیں جیسے فرمایا:۔

فَأَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (۵-۸۵) تو خدا نے ان کو ان کے کہنے کے عوض (بہشت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ (۳-۱۵۲) تو خدا نے تم کو غم پر غم پہنچایا۔ میں بری جزا کو ثواب قرار دینا بطور استعارہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اَلتَّثْوِيبُ (تفعیل) قرآن میں یہ لفظ صرف بری جزا کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا:۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ (۸۳-۳۶) تو کافروں کو پورا پورا بدلہ مل گیا۔ اور آیت کریمہ:۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ (۲-۱۲۵) اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے کی جگہ مقرر کیا۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ مَثَابَةٌ کے معنی جائے ثواب کے ہیں اور خانہ کعبہ کو مَثَابَةٌ اس لئے کہا ہے کہ وہاں ثواب اعمال لکھا جاتا ہے۔

اَلثَّيِّبُ۔ بیوہ یا مطلقہ عورت کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی خاوند سے جدا ہو کر گویا پہلی حالت کی طرف لوٹ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا (۶۶-۵) بن شوہر اور کنواریاں۔

اَلتَّثْوِيبُ کے معنی بار بار منادی کرنے کے ہیں اس سے تَثْوِيبٌ فِي الْأَذَانِ ہے (یعنی فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کہنا)

ثَوْبَاءُ (غشی) کیونکہ وہ بھی دورہ کے ساتھ بار بار طاری ہوتی ہے۔

اَلثُّبَةُ۔ جماعت کیونکہ اس کے افراد بھی بظاہر ایک دوسرے کی طرف لوٹتے ہیں قرآن میں ہے۔

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا (۴-۷۱)

شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

وَقَدْ اَغْدُوْ عَلٰی ثُبَةٍ کِرَامٍ

ثُبَةُ الْحَوْضِ حوض کا وسط جس کی طرف پانی لوٹ کر آتا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔

(ث و ر)

ثَارَ (ن) ثَوْرًا وَثَوَرَانًا۔ الْغُبَارُ وَالسَّحَابُ کے معنی غبار یا بادل کے اوپر اٹھنے اور پھیلنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

---

[1] قدمر تخریجہ فی (ث ب و)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَتُثِيْرُ سَحَابًا (۳۰-۴۸) تو وہ بادل کو اوپر اٹھاتی ہیں۔

اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَا (۳۰-۹) انہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو . . . آباد کیا۔

اور غبار کے منتشر ہونے کے ساتھ تشبیہ دیکر ثَارَتِ الْحَصْبَةُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کنکر کے پھیل جانے کے ہیں اور اسی طرح (یعنی مجازًا) ثَوَّرَ شَرًّا (شر کی آگ بھڑکانا) کہا جاتا ہے۔

ثَارَ ثَائِرُهٗ (کنایہ) یعنی وہ غضب ناک ہوگیا۔

ثَاوَرَهٗ اس پر حملہ کر دیا۔

اَلثَّوْرُ بیل کیونکہ اس سے زمین جوتی جاتی ہے۔ یہ اصل میں مصدر بمعنی فاعل ہے جیسا کہ ضَيْفٌ و طَيْفٌ بمعنی ضَائِفٌ وَطَائِفٌ استعمال ہوتا ہے محاورہ ہے۔

سَقَطَ ثَوْرُ الشَّفَقِ۔ یعنی شفق کی سرخی غروب ہوگئی۔

اَلثَّارُ کے معنی "خون کا بدلہ" کے ہیں یہ اصل میں مہموز العین ہے اور اس مادہ سے نہیں ہے۔

(ث و ی)

اَلثَّوَاءُ (ض) کے اصل معنی کسی جگہ پر مستقل طور پر اقامت کرنا کے ہیں کہا جاتا ہے ثَوٰی يَثْوِيْ ثَوَاءً وہ اقامت پذیر ہوگیا۔ قرآن میں ہے۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ (۲۸-۴۵) اور نہ تم مدین والوں میں رہ رہے تھے۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (۳۹-۶۰) کیا غرور والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷-۱۲) اور انکا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۴۰-۷۶) (اب) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ ہمیشہ اسی میں رہو گے۔ متکبروں کا کیسا برا ٹھکانا ہے۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ (۶-۱۲۸) خدا فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔

مَنْ اُمٌّ مَثْوَاكَ (کنایہ) تمہارا میزبان کون ہے۔

اَلثَّوِيَّةُ بھیڑ بکریوں کے باڑہ کو کہتے ہیں۔

(وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الجیم

(ج ء ر)

اَلْجُؤَارُ (ف) کے اصل معنی وحشیات جیسے ہرن وغیرہ کے گھبراہٹ کے وقت زور سے آواز نکالنے اور چیخنے کے ہیں پھر تشبیہ کے طور پر دعا اور تضرع میں افراط اور مبالغہ کرنے پر بولا جاتا ہے قرآن میں ہے۔

فَاِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ (۱۶-۵۳) تو اسی کے سامنے آہ وگریہ کرتے ہو۔ اِذَا هُمْ یَجْئَرُوْنَ (۲۳-۶۴) تو اس وقت چلائیں گے۔ لَا تَجْئَرُوا الْیَوْمَ (۲۳-۶۵) آج مت چلاؤ۔

(ج ب ب)

اَلْجُبُّ کنواں جو پختہ یا لپا ہوا نہ ہو۔

قرآن میں ہے:۔

وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ (۱۲-۱۰) کسی گہرے گڑھے میں ڈال دو۔

اور اس کنوئیں کو جُبٌّ یا تو اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ جَبُوْب یعنی سخت زمین میں کھدا ہوا تھا اور یا اس لئے کہ وہ گہرا گڑھا سا تھا۔

اصل میں اَلْجَبُّ (ن) کے معنی کسی چیز کو اس کی اصل سے کاٹ دینے کے ہیں جیسے جَبُّ النَّخْلِ کھجور کو گابھا دینا اور زَمَنَ الصِّرَامِ کی طرح زَمَنَ الْجِبَابِ کا محاورہ بھی مشہور ہے جس کے معنی کھجور کو گابھا دینے کا موسم کے ہیں۔

بَعِیْرٌ اَجَبُّ شتر کوہان برید اور ناقۃ جبّاء جیسا کہ مرد مقطوع الید کو رَجُلٌ اَقْطَعُ کہا جاتا ہے اور ایسی عورت کو قَطْعَاءُ کہتے ہیں۔

مَجْبُوْبٌ وہ مرد جس کا آلہ تناسل جڑ سے قطع کر دیا گیا ہو۔ اسی سے جُبَّةٌ (نوعے از پیراہن) ہے اور تشبیہ کے طور پر نیزہ کے اس پور کو بھی جُبَّة کہا جاتا ہے جس میں بھالا پیوست ہوتا ہے۔

اَلْجُبَابُ کلک شیر شتر کہ بسکہ ماند جَبَّتِ الْمَرْاَۃُ النِّسَاءَ حُسْنًا حسن میں برتر ہونا غالب رہنا یہ بھی جَبٌّ بمعنی قطع سے مستعار ہے جیسا کہ منازعت (بحث ومباحثہ) میں غالب ہونے کے لئے قَطَعْتُهٗ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جَبْجَبَة جس کے معنی طبل یا چرمیں زنبیل کے ہیں اس مادہ سے نہیں ہے بلکہ محض اس صوت کی وجہ سے اسے جَبْجَبَة کہا جاتا ہے جو اس سے مسموع ہوتی ہے۔

(ج ب ت)

اَلْجِبْتُ جِبْتٌ اور جِبْسٌ اس ردی شے کو کہتے ہیں جو کسی کام کی نہ ہو اور بعض نے کہا ہے کہ دراصل جِبْسٌ کے سین کو تا سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ تاکہ معنی مبالغہ

لہ علی اثنی عشر میلا من طبریۃ او بین سنجل ونابلس (التاج)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر دلالت کرے شاعر نے کہا ہے[1] - (رجز)

(۸۳) عمرو بن یربوع شرار النات

یعنی عمرو بن یربوع تمام لوگوں سے ناکام ہے۔ نیز ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے وہ جِبْتٌ کہلاتی ہے اور ساحر کاہن کو بھی جبت کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ (۴-۵۱) کہ بے اصل باتوں اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ج ب ر)

اَلْجَبْرُ اصل میں جبر کے معنی زبردستی اور دباؤ سے کسی چیز کی اصلاح کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے جَبَرْتُهٗ (ن)، فَانْجَبَرَ وَاجْتَبَرَ بعض نے جَبَرْتُهٗ فَجَبَرَ بھی نقل کیا ہے یعنی جَبَرَ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (رجز)

(۸۵) قَدْ جَبَرَ الدِّيْنَ الْإِلٰهُ فَجَبَرَ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کو درست کیا تو وہ درست ہوگیا۔ یہی قول اکثر ائمہ لغت کا ہے لیکن بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ شعر مذکور میں فَجَبَرَ (انفعال) یعنی لازم نہیں ہے بلکہ متعدی ہے اور تکرار سے اصلاح اور اس کی تکمیل پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ نے دین کی اصلاح کی ابتدا کی اور پھر اسے تکمیل تک پہنچا دیا کیونکہ فَعَلَ کا صیغہ جس طرح کسی کام کو شروع کرنے کا معنی دیتا ہے اسی طرح اس کے معنی کسی کام کو سرانجام دے کر اس سے فارغ ہوجانا بھی آتے ہیں اور اس سے مبالغہ کے معنی یا تکلف کو ظاہر کرنے کے لئے تَجَبَّرَ (تفعل) کا صیغہ استعمال ہوتا ہے شاعر نے کہا ہے[3] (طویل)

(۸۶) تَجَبَّرَ بَعْدَ الْأَكْلِ فَهُوَ غَمِيْضٌ

گھاس چرانے کے بعد دوبارہ ہری ہوگئی ہے۔

پھر جبر کا لفظ کبھی صرف اصلاح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ (۵۲)

يَا جَابِرَ كُلِّ كَسِيْرٍ وَمُسَهِّلَ كُلِّ عَسِيْرٍ اے ہر خستہ کی اصلاح کرنے والے اور ہر مشکل آسان کرنے والے اور اسی معنی میں روٹی کو جَابِرُ بْنُ حَبَّةَ کہا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ کبھی محض استبعاد کے

---

[1] انشد فی الامالی (۲: ۶۷) ثلاثة اشطار عن القراء: یاقبح اللہ بنی السعلات - عمرو بن یربوع شرار الناتِ - لیسوا اعفاء ولا اکیات راجع للشطر النوادر لابی زید ۱۴۷ وفیہ الاقال اللہ بدل یاقبح اللہ والجمہرۃ لابن درید (۳: ۲۳) قال الاستاذ المیمنی فی طرتہ علی اللالی والاشعار فی الثعلب ایضاً وراجع ابدال ابی الطیب (۱: ۱۷) واللسان (نات) والخصائص لابن جنی (۲) وسر الصناعۃ ۱۱۹ والمخصص لابن سیدہ (۳: ۳۶) ومبادی اللغۃ للاسکافی وتفسیر الطبری (۵: ۲۲۲) والصاحبی ۱۰۹ وفیہ عمرو بن مسعود والمفصل ۳۶۸ والشطر منسوب لعلباء بن ارقم الیشکری کما فی اللالی واللسان (نات) وہو شاعر جاہلی قدیم [2] نصف مطلع من ارجوزۃ العجاج فی نحو مأتی اشطار وہی موقوفۃ مقیدۃ یمدح بہا عمر بن عبد اللہ بن معمر وکان عبد الملک وجہہ لقتال ابی فدیک الخارجی فاوقع بہ وباصحابہ فذالک ذکر انجبار الدین ولعدہٗ: وعور الرحمان من ولی العور وقد جمع الشاعر بین اللازم والواقع راجع الخزانۃ (۱: ۱۰۳) والطبری (۲: ۱۷) والعمدۃ (۱: ۸۹) واصلاح لیعقوب ۲۸۸ واللسان (جبر) والاقتضاب ۴۰۷ [3] قالہ امرؤ القیس فی قصیدۃ ۵۶ بیتا مطلعہا: امن ذکر سلمی اذ نأتک تنوص فتقصر عنہا خطوۃ وتبوص وصدر البیت: ویاکلن من قوٍّ لعاعا وربۃ وفی روایۃ الدیوان نمیص بدل غمیض وکما فی بعض الطباعۃ، وہو مصحف والتصویب من المراجع وہی موافقۃ لما فی اللسان (جبر - نمص) قال السندوبی ونمیص ذاہب الشعر وفی اللسان: النمیص: النبات حین طلع ورقہ راجع للبیت اللسان (جبر) والعقد الثمین ۱۲۶ ودیوانہ ۸۷ (صنعۃ السندوبی) والجمہرۃ لابن درید (۳: ۸۹) وابدال ابی الطیب (۲: ۲۸۸) وغریب ابی عبید ۱۶۶/۲ ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ علیہ السلام کا فرمان ہے[1] (۸۵)
لَا جَبْرَ وَ لَا تَفْوِیْضَ۔ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے
نہ کلی طور پر مختار۔

علم ریاضی کی اصطلاح میں الجبر کے معنی ہیں کسی چیز کی اصلاح کے لئے اس کے ساتھ کچھ الحاق کرنا اور
اَلْجَبْرُ بمعنی بادشاہ بھی آتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۸۶) وَ انْعِمْ صَبَاحًا اَیُّهَا الْجَبْرُ

(کہ اے بادشاہ سلامت! تم خوش رہو۔)

بادشاہ کو جبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ارادہ کے مطابق لوگوں کو مجبور کر لیتا ہے یا اس لئے کہ وہ ان کے امور کی اصلاح کرتا ہے۔

اَلْاِجْبَارُ (افعال) اس کے اصل معنی کسی کو مجبور کرنا کہ وہ دوسرے کی اصلاح کرے۔ لیکن عرف میں محض اکراہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اَجْبَرْتُهٗ عَلٰی کَذَا (کسی کام پر مجبور کرنا) اور جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو گناہ پر مجبور کرتا ہے انہیں متکلمین کی اصطلاح میں مُجْبِرَۃ کہا جاتا ہے اور متقدمین انہیں جَبْرِیَّه یا جَبَرِیَّه کہتے ہیں[3]

اَلْجَبَّارُ انسان کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ناجائز تعلی سے اپنے نقص کو چھپانے کی کوشش کرنا۔ بدیں معنی اس کا استعمال بطور مذمت ہی ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے:۔

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (۱۴-۱۵) تو ہر سرکش ضدی نامراد رہ گیا۔

وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا (۱۹-۳۲) اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔

اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ (۵-۲۲) وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (۴۰-۳۵) ۔۔۔۔ اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

یعنی جو شخص قبول حق اور اس پر ایمان لانے سے بالاتر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

کبھی کبھی محض دوسرے پر استبداد کرنے والے کو جَبَّار کہا جاتا ہے اسی معنی میں فرمایا۔

وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (۵۰-۴۵) اور تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو۔

اور ہمسروں پر تعلی کے معنی کے لحاظ سے بلند کھجور یا اونٹنی کو جَبَّارَۃ کہا جاتا ہے اور جو حدیث میں آیا ہے[4] ( )

ضِرْسُ الْکَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَکَثَافَةُ جِلْدِهٖ اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْجَبَّارِ کہ دوزخ میں کافر کی ڈاڑھ کا حجم مثل احد کے ہوگا اور اس کی کھال کی کثافت جبار کے چالیس ذراع کے برابر ہوگی تو اس حدیث

---

[1] ۸۵ دمن علی موقوفًا فی خطبۃ طویلۃ انظر (مل) کنز العمال رقم ۱۵۶۸ رواہ الشافعی [2] ۸۶ قالہ ابن احمر واولہ: ہذا اسلم برادوق جیست به قال ابن جنی ولم یسمع بالجبر الملک الا فی شعر ابن احمر والبیت فی اللسان (جبر) والمعانی للقتبی ۴۵۵ قال والجبر الرجل اصلہ سریانی [3] خلاف القدریۃ قال الحافظ فی تبصیر ہو طریق منعلی الشافعیۃ وفی البصائر وہذا قول المتقدمین واما فی عرف المتکلمین فیقال لہم المجبرۃ وکذا فی التاج) ابو عبید ہو کلام مولد وہم فرقۃ اہل اہواء منسوبون الی شیخہم الحسین بن محمد النجار البصری (فی التاج) قلت ہو ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن عبد اللہ النجار وکان جملۃ المجبرۃ ومتکلمیہم ولہ مع النظام مجالس ومناظرات ولہ کتب فی القضاء والقدر وراجع الفہرست لابن الندیم ۲۵۴ والجواہر المضیئۃ ۱۴۲ وایضا التبصیر ص ۶۱ [4] فی روایۃ الترمذی عن ابی ہریرۃ اثنان واربعون ذراعا ولیس فیہ ذکر ذراع الجبار وفی مسند احمد من حدیث ابی عمر سبعون ذراعا واما لفظ ضرس الکافر مثل احد فرواہ مسلم وفیہ غلظ جلدہ مسیرۃ ثلاث راجع تخریج الاحیاء للعراقی ۴/۲۳۵ وذکر ذراع الجبار وفی الفائق ۱/۸۶ وفیہ کان ہذا الملک من ملوک العجم تام الذراع وکذا قال القتبی (راجع التاج) ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تفسیر میں ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہاں جَبَّار سے مراد بادشاہ ہے اور اس ذراع کو ذِرَاعُ الشَّاہ کہا جاتا ہے[1]

اور جب الجبار باری تعالیٰ کی صفت ہو جیسے فرمایا:
اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (۵۹-۲۳) غالب زبردست بڑائی والا۔ تو اس کے اشتقاق میں اہل لغت سے دو قول منقول ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ جَبَرْتُ الْفَقِیْرَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی فقیر کی حالت کو درست کرنے اور اسے بے نیاز کر دینا کے ہیں اور باری تعالیٰ بھی چونکہ اپنے فیضانِ نعمت سے لوگوں کی حالتیں درست کرتا اور ان کے نقصانات پورے فرماتا ہے اس لئے اسے اَلْجَبَّار کہا جاتا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے سامنے مقہور کر لیتا ہے اس لئے اسے الجبار کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

لیکن بعض ارباب لغت نے بحیثیت لفظ اور صیغہ کے اس معنی پر اعتراض کیا ہے کہ اَفْعَلْتُ سے صیغہ فَعَّال (مبالغہ) قیاساً نہیں آتا۔ لہٰذا اَلْجَبَّار کا صیغہ اِجْبَار (افعال) سے نہیں بن سکتا[2]۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جَبْر سے بنا ہے نہ کہ اِجْبَارٌ سے اور جَبْر کے معنی بھی مجبور کرنا آجاتے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے[3]: لَاجَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ۔ (کہ نہ مجبور کرنا ہے اور نہ سونپ دینا)

اور معتزلہ کی ایک جماعت نے معنوی لحاظ سے اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ بندوں کو مجبور کرے حالانکہ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر بندوں کو بہت سی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے جن سے رہائی پانا ان کے اختیار سے باہر ہے اور جبر کے یہ معنی مقتضائے حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہیں نہ کہ اس کے خلاف جیسا کہ جاہل اور گمراہ لوگوں کا خیال ہے مثلاً مرض، موت بعث بعد از موت وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خاص صنعت اور اعمال و اخلاق میں کوئی طریقہ اختیار کرنے پر مسخر کر رکھا ہے اور اسے مجبور بصورت مختار بنایا ہے کہ ہر انسان جس دھن میں لگا ہے اس میں مگن ہے یا اس سے بیزار ہے لیکن با دل نخواستہ اسے کئے چلا جا رہا ہے کہ گویا اس کے بدلہ میں کوئی اور کام اسے نظر ہی نہیں آتا۔ اسی بنا پر ارشاد ہے:

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۲۳-۵۳) تو پھر آپس میں اپنے کام کو متفرق کر کے جدا جدا کر دیا جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اسی سے خوش ہو رہا ہے۔ نیز فرمایا:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۴۳-۳۲) ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا۔

اس معنی میں الجبار اللہ تعالیٰ کی صفت ہونا ظاہر ہے کیونکہ اگر وہ کسی پر جبر کرتا ہے تو تفضلاً

---

[1] کذا فی التاج (جبر)، [2] قالہ القلیبی کما فی التاج بجوزۃ الفراء وقال: لم اسمع فعالا الامن افعل الا فی حرفین و ہو جبار من اجبرت و دراک من ادرکت وایضاً وافقہ الازہری [3] قدمر الآن تخریجہ وایضاً الشاہد فی ارجوزۃ العجاج وسیاتی من قول علیؓ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت کے مطابق کرتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے[1] (۵۶)

یَا بَارِئَ النَّسَمَاتِ وَجَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِهَا وَشَقِیِّهَا وَسَعِیْدِهَا کہ اے روحوں کو پیدا کرنے والے اور دلوں کو ان کی اچھی یا بری فطرت پر جوڑنے والے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو علم و عرفان کے لحاظ سے ان کی اصلی فطرت پر جوڑ دیا ہے اور یہ ما تقدم کے عموم میں داخل ہے۔

اَلْجَبَرُوْتُ (قدرت) طاقت عظمت یہ تجبر و تفعل سے فَعَلُوْتٌ کے وزن پر ہے۔

اِسْتَجْبَرْتُ حَالَهٗ میں نے اس کی حالت درست کرنے کے لئے اس کی دیکھ بھال کی۔

اَصَابَتْهُ مُصِیْبَةٌ لَا یَجْتَبِرُهَا اسے اتنی بڑی مصیبت پہنچی کہ وہ اس کے جبر کا قصد نہیں کرسکتا۔

اور جَبْرُ الْعَظْمِ ہڈی کو جوڑنا ہے اَلْجَبِیْرَةُ مشتق ہے جس کے معنی اس پٹی کے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جاتی ہے اور اَلْجِبَارَةُ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جاتی ہے اَلْجَبِیْرَةُ کی جمع اَلْجَبَائِرُ آتی ہے نیز تشبیہ کے طور پر کنگن اور بازوبند کو بھی جِبَارَةٌ کہا جاتا ہے اور اَلْجُبَارُ جس کی دیت ساقط ہو[2]۔

(ج ب ل)

اَلْجَبَلُ پہاڑ ج اَجْبَالٌ وَجِبَالٌ قرآن میں ہے: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًا ۞ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا (۷۸-۶،۷) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اس کی میخیں) نہیں ٹھہرایا؟

وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا (۷۹-۳۲) اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ (۲۴-۴۳) .... اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا (۳۵-۲۷) اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں۔

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا (۲۰-۱۰۵) اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ خدا ان کو اڑا کر بکھیر دے گا۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ (۲۶-۱۴۹) اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔

اور پہاڑ کی مختلف صفات کے اعتبار سے استعارۃ ہر صفت کے مطابق اشتقاق کر لیتے ہیں مثلاً معنی ثبات کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ فُلَانٌ جَبَلٌ لَا یَتَزَحْزَحُ کہ فلاں نہ ہلنے والا پہاڑ ہے۔ جَبَلَهُ اللّٰهُ عَلٰی كَذَا۔ اس کی فطرت ہی ایسی ہے یعنی تبدیل نہیں ہوسکتی۔ فُلَانٌ ذُوْ جِبِلَّةٍ فلاں بھدے جسم کا ہے۔ ثَوْبٌ جَیِّدُ الْجِبْلَةِ عمدہ اور مضبوط بُنا ہوا کپڑا۔

---

[1] فی الفائق ار۱۹۳ عن سلامة الکندی کان علیؓ یعلمنا الصلوٰۃ علی النبی ونقلہ تمامہا قریبًا فی سبعۃ اسطر ۲ و فی الحدیث المعدن جبار والبئر جبار والعجماء جبار ۔ ای الجرح والدم فی ہذہ الثلاثۃ ہدر لا ارش فیہا ہذہ فی المطبوع من الارض مکان من الارش مصحف والتسدید من المراجع ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بڑائی وعظمت کے معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے بڑی جماعت کو جِبِلٌّ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا (۳۶-۶۲)
اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا۔
ایک قرأت میں جُبُلًّا تشدید کے ساتھ ہے۔
تَوَزِی نے کہا ہے کہ جُبُلًا وَجِبْلًا وَجُبْلًا وَجِبِلًّا کے ایک ہی معنیٰ ہیں[1]
اور دوسرے علماء نے کہا ہے جِبِلٌّ جِبِلَّةٌ کی جمع ہے اور اسی سے آیت:۔ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ (۲۶-۱۸۴)
میں جبلہ سے مراد ان کے وہ احوال ہیں جن پر ان کو پیدا کیا تھا اور وہ راستے جن پر چلنے کے وہ فطرۃً پابند تھے۔
جس کی طرف آیت کریمہ:۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (۱۷-۸۴) کہدو کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے۔ میں اشارہ پایا جاتا ہے
جَبُلَ فُلَانٌ فلاں پہاڑ کی طرح غلیظ الجسم ہے۔

(ج ب ن)

اَلْجَبِيْنُ پیشانی کا کنارہ۔ اور پیشانی کے دونوں طرف کے کناروں کو جَبِيْنَانِ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔
وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (۳۷-۱۰۳) اور باپ نے بیٹے کو پٹ پڑی کے بل لٹا لیا۔
اَلْجُبْنُ (بزدلی) دل کا ایسے موقع پر کمزوری کا اظہار کرنا جہاں اسے قوت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے تھا۔ جَبَانٌ بزدل (مذکر و مونث)، اَجْبَنْتُهٗ بزدل پانا کسی پر بزدلی کا حکم لگانا۔ اَلْجُبْنُ (ایضًا) پنیر تَجَبَّنَ اللَّبَنُ دودھ پنیر بن گیا یا پنیر کی طرح جم گیا۔

(ج ب ہ)

اَلْجَبْهَةُ (ماتھا) پیشانی امر کا وہ حصہ جو سجدہ کی حالت میں زمین پر لگتا ہے اس کی جمع جِبَاہ آتی ہے جیسے فرمایا:۔
فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ (۹-۳۵) پھر ان سے ان (بخیلوں) کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائیگا۔
اور جَبْهَةٌ کے معنی ثریا ستارہ کے بھی آتے ہیں گویا وہ بھی برج اسد کے لئے بمنزلہ پیشانی کے ہے۔ جَبْهَةُ الْقَوْمِ سرداران قوم جیسا کہ انہیں وُجُوْهُ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے اور جَبْهَةٌ کے معنی گھوڑے بھی آتا ہے جیسا کہ مروی ہے[2]: اَنَّهٗ لَيْسَ فِي الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ یعنی گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(ج ب ی)

جَبَى (ض) جِبَايَةً۔ اَلْمَاءَ فِي الْحَوْضِ حوض میں پانی جمع کیا اور بڑے حوض کو جَابِيَةٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع جَوَابٍ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] ففیہ اربع قراءت جُبُلًا نسبہ الطبری الی سدح وزید وخال وہو قراءۃ الحسن والاعرج والزہری (راجع الطبرسی ۲۲/۲/۴۲۰ والتیسیر للدانی ۱۸۴ والتوزی ہو ابو محمد عبداللہ بن محمد التوزی من علماء البصرۃ (ـــ ۲۳۰) راجع البغیہ ۲۹۰ والانباہ ۲/۱۲۶ ؛

[2] وفی الفائق ۱/۱۸۶ وسمیت بذالک لانہا خیار البہائم والحدیث باختلاف الفاظ فی والبیہقی عن ابی ہریرۃ والحاکم فی الکنی عن الحسن عن عبدالرحمان بن سمرۃ وفی مراسلہ والبیہقی ایضًا عن الحسن مرسلا وابوعبید فی غریبہ راجع لتخریجہ زحیل) ؛ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ (۳۴-۱۳) اور لگن جیسے بڑے بڑے حوض۔ اور اسی سے بطور استعارہ جَبَیْتُ الْخَرَاجَ جِبَایَۃً کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی مال خراج جمع کرنے کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

يُجْبٰىٓ اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ (۲۸-۵۷) جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائے جاتے ہیں۔

اَلْاِجْتِبَاءُ (افتعال) کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کو جمع کرنے کے ہیں لہذا آیت کریمہ:۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا (۷-۲۰۳) اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنا لی۔ میں لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا کے معنی یہ ہوں گے کہ تم خود ہی ان کو تالیف کیوں نہیں کر لیتے دراصل کفار یہ جملہ طنزاً کہتے تھے کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ تم خود ہی اپنے طور بنا لیتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینا کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اسے اپنے فیض کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے جسے گونا گون نعمتیں جدوجہد کے بغیر حاصل ہو جاتی ہیں یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور صدیقوں اور شہیدوں کے لئے جو ان کے قریب درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ یوسفؑ کے متعلق فرمایا:۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ (۱۲-۶) اور اسی طرح خدا تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۶۸-۵۰) پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں میں کر لیا۔

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۶-۸۷) ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (۲۰-۱۲۲) پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔

يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (۴۲-۱۳) جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے۔

اس اجتباء کو دوسرے مقام پر اخلاص سے تعبیر فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (۳۸-۴۶) ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا۔

(ج ث ث)

جَثَّہٗ (ن) جَثًّا کے معنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے ہیں اور اِنْجَثَّ اس کا مطاوع آتا ہے جیسا کہ جَتَّ کا مطاوع اِجْتَثَّ آتا ہے قرآن میں ہے[1]۔

اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ (۱۴-۲۶) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے۔

اَلْمِجَثَّۃُ۔ ہر وہ آلہ جس سے درخت کو اکھاڑا یا کھودا جائے۔

جُثَّۃُ الشَّيْءِ کے معنی کسی کے ابھرے ہوئے شخص کے ہیں اور اَلْجُثُّ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو زمین سے بلند ہو جائے جیسے ٹیلہ وغیرہ۔

---

[1] وفی الحدیث قال رجل لنبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہذہ الکمأۃ الا الشجرۃ التی اجتثت من فوق الارض فقال لا بل ہی من المن (التاج) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْجُثْنَةُ کھجور کا پودا جو اکھاڑ کر لگایا گیا ہو۔
اَلْجُثْجَاثُ ایک قسم کا گھاس۔ ایک کڑوا خوشبودار زرد درخت جس میں بابونہ کی طرح پھول ہوتے ہیں۔

(ج ث م)

جَثَمَ (ض ن) جَثْمًا وَجُثُوْمًا۔ الطائر پرند کا زمین پر سینہ کے بل بیٹھنا اور اس کے ساتھ چمٹ جانا۔ اسی سے استعارہ کے طور پر فرمایا:۔ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ (۷-۹۱) اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔
اَلْجُثْمَانُ بیٹھے ہوئے انسان کا شخص۔ رَجُلٌ جُثَمَۃٌ وَجَثَّامَۃٌ بہت سونے والا سست آدمی۔

(ج ث و)

جَثَا (ن) جُثُوًّا وَجِثِیًّا۔ الرَّجُلُ گھٹنوں کے بل بیٹھنا یہ عَتَا (ن) عُتُوًّا وَعِتِیًّا کی طرح (باب نصر سے آتا ہے) جَاثٍ (صیغہ صفت) ج جُثِیٌّ جیسے بَاكٍ وَبُکِیٌّ۔ اور آیت کریمہ:۔ وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا (۱۹-۷۲) اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ میں جِثِیًّا، جَاثٍ کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور مصدر بمعنی اسم فاعل بھی اور آیت کریمہ:۔ وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً (۴۵-۲۸) اور تم ہر ایک فرقے کو دیکھو گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہو گا۔ میں "جَاثِیَۃً" جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے جَمَاعَۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ قَاعِدَۃٌ۔

(ج ح د)

جَحَدَ (ف) جَحْدًا وَجُحُوْدًا (جان بوجھ کر انکار کر دینا) کے معنی دل میں جس چیز کا اقرار ہو اس کا انکار اور جس کا انکار ہو اس کا اقرار کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ (۲۷-۱۴) اور ان سے انکار کیا کہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔ بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (۷-۵۱) اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے۔ کہا جاتا ہے:۔ رَجُلٌ جَحْدٌ یعنی کنجوس اور قلیل الخیر آدمی جو فقر کو ظاہر کرے۔
اَرْضٌ جَحْدَۃٌ خشک زمین جس میں روئیدگی نہ ہو۔ محاورہ ہے:۔ جَحْدًا لَّہٗ وَنَکَدًا (اسے خیر حاصل نہ ہو)۔ اَجْحَدَ (افعال) انکار کرنا۔ منکر ہونا۔

(ج ح م)

اَلْجُحْمَۃُ آگ بھڑکنے کی شدت اسی سے اَلْجَحِیْمُ (فعیل) ہے جس کے معنی دوزخ یا دہکتی ہوئی آگ کے ہیں۔
اور جَحَمَتِ النَّارُ سے بطور استعارہ جَحِمَ (س) وَجْھُہٗ مِنْ شِدَّۃِ الْغَضَبِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی غصہ سے چہرہ جل بھن جانے کے ہیں کیونکہ غصہ کے وقت بھی حرارت قلب بھڑک اٹھتی ہے کہا جاتا ہے:۔
جَحَمَ (ف) اَلْاَسَدُ بِعَیْنَیْہِ شیر نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کیونکہ شیر کی آنکھیں بھی آگ کی طرح روشن ہوتی ہیں۔

(ج د د)

اَلْجَدُّ (مصدر ض) کے اصل معنی ہموار زمین پر چلنے کے ہیں۔ اسی سے جَدَّ فِیْ سَیْرِہٖ

[1] فی المطبوع "بعد طحنہ" مصحف والصحیح بعد قلعہ کما فی المعاجم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جس کے معنی تیزروی کے ہیں اور جب کوئی شخص اپنے معاملہ میں محنت اور جانفشانی سے کام کرے تو کہا جاتا ہے جَدَّ فِیْ اَمْرِہٖ۔

اور اَجَدَّ (افعال) کے معنی صاحب جَد ہونے کے ہیں اور جَدَدْتُ الْاَرْضَ سے کسی چیز کو کاٹنے کا معنی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے جَدَدْتُہٗ (میں نے درست کرنے کے لئے اسے کاٹا) اور ثَوْبٌ جَدِیْدٌ کے اصل معنی قطع کئے ہوئے کپڑا کے ہیں اور چونکہ جس کپڑے کو کاٹا جاتا ہے وہ عموماً نیا ہوتا ہے اس لئے ہر نئی چیز کو جَدِیْدٌ کہا جانے لگا ہے اس بنا پر آیت:۔

بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ (۵۰-۱۵)

میں خلق جدید سے نشأۃ ثانیہ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے پیدا ہونا مراد ہے کیونکہ کفار اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے تھے۔

أَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا ذٰلِکَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ۔ (۵۰-۳) بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر زندہ ہوں گے؟) یہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے۔

اور جدید (نیا) خلق یعنی پرانا کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اسی اعتبار سے رات دن کو جَدِیْدَانِ اور اَجَدَّانِ کہا جاتا ہے۔ اور آیت:۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ (۳۵-۲۷) اور پہاڑوں میں سفید رنگ کے قطعات ہیں۔

میں جُدَدٌ کا واحد جُدَّۃٌ ہے جس کے معنی کھلے راستہ کے ہیں اور یہ طَرِیْقٌ مَجْدُوْدٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی وہ راستہ جس پر چلا جائے اسی سے جَادَّۃُ الطَّرِیْقِ ہے (جس کے معنی شاہراہ یا ہموار اور راستہ کے درمیانی حصہ کے ہیں جس پر عام طور پر آمد و رفت ہوتی رہتی ہے)

اَلْجَدُوْدُ وَالْجَدَّاءُ خشک تھنوں والی بھیڑ بکری اور سب وشتم کے طور پر کہا جاتا ہے۔ جُدَّ ثَدْیُ اُمِّہٖ اس کی ماں کے پستان خشک ہوجائیں اور جَدٌّ کا لفظ فیض الٰہی پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا (۷۲-۳) اور یہ کہ ہمارے پروردگار کا فیضان بہت بڑا ہے۔

میں جَدٌّ بمعنی فیض الٰہی ہی کے ہے بعض کے نزدیک اس کے معنی عظمت کے ہیں[1] لیکن اس کا مرجع بھی معنی اول کی طرف ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت اختصاص ملک کے طریق سے ہے اور حظوظ دنیوی جو اللہ تعالیٰ انسان کو بخشتا ہے پر بھی جَدٌّ کا لفظ بولا جاتا ہے جس کے معنی بخت و نصیب کے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے جُدِدْتُ وَحُظِظْتُ خوش قسمت اور صاحب نصیب ہوگیا اور حدیث (۵۸) وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی مال وجاہ سے آخرت میں ثواب حاصل نہیں ہوسکے گا بلکہ اُخروی ثواب کے حصول کا ذریعہ صرف طاعت الٰہی ہے۔ جیسا کہ آیت:۔

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَۃَ عَجَّلْنَا لَہٗ فِیْھَا مَا نَشَآءُ الآیۃ کے بعد فرمایا:۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا (۱۷-۱۹) اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور

---

[1] راجع غریب القرآن للقتیبی ۱۹ [2] اخرجہ مسلم فی صحیحہ ۱/۱۹۰ من حدیث ابی سعید الخدری وابن عباس (باب الدعاء بعد الرکوع) والنسائی عن معاویۃ (ما یقول اذا انصرف من الصلوٰۃ) کنز العمال ۲ رقم ۲۰۸۹) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔

نیز اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (۲۶-۸۸) جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے گا اور نہ بیٹے۔

اَلْجَدُّ (ایضًا) دادا۔ نانا۔

بعض نے کہا ہے کہ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ کے معنی یہ ہیں کہ اسے آبائی نسب فائدہ نہیں دے گا اور جس طرح کہ آیت لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ میں اولاد کے فائدہ بخش ہونے کی نفی کی ہے اسی طرح حدیث میں آباؤ اجداد کے نفع بخش ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

(ج د ث)

جَدَثٌ۔ قبر۔ ج اَجْدَاثٌ قرآن میں ہے:۔ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا (۷۰-۴۳) اس دن یہ قبر سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے۔

اور سورۂ یٰسٓ میں ہے:۔ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (۳۶-۵۱) یہ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں گے۔ اور قبر کو جَدَفٌ بھی کہا جاتا ہے۔

(ج د ر)

اَلْجِدَارُ کے معنی حائط (دیوار) ہی کے ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ وہ زمین سے اونچی اور بلند ہوتی ہے اسے جدار کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے اسے حائط کہا جاتا ہے۔ جِدَارٌ کی جمع جُدُرٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ (۱۸-۸۲) اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی۔

جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ (۱۸-۷۷) ایک دیوار دیکھی، جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی خضرؑ نے اس کو سیدھا کر دیا۔

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (۵۹-۱۴) یا دیواروں کی اوٹ میں۔ اور حدیث میں ہے (۵۹)

حَتّٰى يَبْلُغَ الْمَاءُ الْجُدُرَ جب تک کہ پانی دیواروں تک نہ پہنچ جائے۔

جَدَرْتُ الْجِدَارَ دیوار کو اونچا کر دیا۔

اور اس میں معنی ارتفاع کے اعتبار سے جَدَرَ الشَّجَرُ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں چنے کے دانے کی طرح درخت کے کونپل نکل آئے اسی طرح اس طرح وہ روئیدگی جو زمین پر ظاہر ہو۔ اسے جَدْرٌ کہا جاتا ہے اس کا واحد جَدْرَةٌ ہے اور اَجْدَرَتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین سبزہ زار ہوگئی۔

جُدِرَ (ن) الصَّبِيُّ وَجُدِّرَ بچے کو چیچک نکل آئی۔ یہ محاورہ درخت کے کونپل کیساتھ تشبیہا بولا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اَلْجُدَرِيُّ وَالْجُدَرَةُ کے معنی غدود یا آبلہ کے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتا ہے اس کی جمع اَجْدَارٌ ہے۔ شَاةٌ جَدْرَاءُ گوسپند آبلہ زدہ۔

---

[1] راجع کتاب الابدال لابی الطیب ۱/۱۹۲ [2] قال صلی اللہ علیہ وسلم فی شراج الحرة حین اختصم الیہ الزبیر بن العوام وحاطب بن ابی بلتعہ فقال یا زبیر اسق ثم ارسل الماء الی جارک فغضب الانصاری وقال: ان کان ابن عمتک فقال صلی اللہ علیہ وسلم اسق یا زبیر ثم احبس الماء حتی یرجع الی الجدر الحدیث (الکشاف ۱/۲۷۸) وابن ابی حاتم عن سعید بن المسیب فی الصحیحین من طریق الزہری عن عروة (راجع تخریج الکشاف ۴۵ رقم ۲۷ وغریب ابی عبید ۱/۲۰۱) والفائق ۱/۱۹۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْجَدِیْدُ کو تاہ قد یہ بھی جدار سے مشتق ہے لیکن بطور تحکم اس میں یا زائدہ کر دی گئی ہے حقارت کو ظاہر کرنے کے لئے اس میں یا بڑھا دی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم اپنی کتاب "اصول الاشتقاق" میں بیان کر چکے ہیں۔

اَلْجَدِیْرُ (سزاوار) اس کے معنی منتہی کے ہیں۔ کیونکہ اس تک کسی امر کی انتہا ہوتی ہے جیسا کہ دیوار تک پہنچ کر کوئی چیز رک جاتی ہے اور جَدُرَ (ک) بِکَذَا کے معنی کسی چیز کے لائق ہونے کے ہیں اس سے صیغہ صفت جَدِیْرٌ آتا ہے۔

مَا اَجْدَرَہٗ وَ اَجْدِرْ بِہٖ (صیغہ تعجب) وہ اس کے لئے کس قدر زیبا ہے۔

(ج د ل)

اَلْجِدَالُ (مفاعلۃ) کے معنی ایسی گفتگو کرنا کے ہیں جس میں طرفین ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اصل میں یہ جَدَلْتُ الْحَبْلَ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں رسی کو مضبوط بٹنا اسی سے بٹی ہوئی رسی کو اَلْجَدِیْلُ کہا جاتا ہے جَدَلْتُ الْبِنَاءَ مضبوط عمارت بنانا۔ دِرْعٌ مَجْدُوْلَۃٌ مضبوط زرہ۔

اَلْاَجْدَلُ شکرا۔ کیونکہ اس کا بدن بھی گٹھا ہوا ہوتا ہے۔

اَلْمِجْدَلُ مضبوط محل

اسی سے اَلْجِدَالُ (جھگڑنا) ہے کیونکہ جھگڑنے والے بھی ایک دوسرے کو اس کی رائے سے اس طرح پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ رسی کو بیچ دیا جاتا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اصل میں جدال کے معنی صراع یعنی ایک دوسرے کو جَدَالَۃ یعنی سخت زمین پر پچھاڑ دینا کے ہیں قرآن میں ہے۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۶-۱۲۵) اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيَاتِ اللّٰهِ (۴۰-۳۵) جو لوگ ... خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ (۲۲-۶۸) اور اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو کہدو کہ .... خدا ان سے خوب واقف ہے۔

قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا (۱۱-۳۲) تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا۔ ایک قرأت میں جَدَلَنَا بھی ہے۔

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا (۴۳-۵۸) انہوں نے (عیسیٰ کی) جو مثال بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۱۸-۵۴) لیکن انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ (۱۳-۱۳) اور وہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (۱۱-۷۴) وہ قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے۔

وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ (۴۰-۵) اور بیہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ (۲۲-۳) اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا کی شان میں .... جھگڑتے .... ہیں۔

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (۲-۱۹۷) تو حج کے دنوں میں ... نہ کسی سے جھگڑے۔

(ج ذ ذ)

اَلْجَذُّ (ن) کے معنی کسی چیز کو توڑنے اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں اور پتھر یا سونے کے ریزوں کو جُذَاذ کہا جاتا ہے۔ اسی معنی میں فرمایا۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا (۲۱-۵۸) پھران کو توڑ کر ریزہ ریزہ کردیا۔

عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (۱۱-۱۰۸) یہ (خدا کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔

محاورہ ہے۔

مَا عَلَيْهِ جُذَّةٌ یعنی اس کے بدن پر چیتھڑا بھی نہیں ہے۔

(ج ذ ع)

اَلْجِذْعُ درخت کا تنہ۔ ج جُذُوْعٌ قرآن میں ہے:۔ فِي جُذُوْعِ النَّخْلِ (۲۰-۷۱) جَذَعَهُ (ف) شاخ یا تنے کی طرح کاٹ ڈالنا۔

اَلْجَذَعُ (من الابل) شتر بسال پنجم (من الشاۃ) گوسپند بسال دوم اور چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دے کر زمانہ کو بھی جَذَعٌ کہا جاتا ہے (کیونکہ زمانہ بھی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔

(ج ذ و)

اَلْجِذْوَةُ وَالْجُذْوَةُ (انگارہ) جلنے اور شعلہ ختم ہوجانے کے بعد جو ایندھن باقی رہ جاتا ہے اسے جَذْوَۃ کہا جاتا ہے ج جِذًى وجُذًى قرآن میں ہے:۔

اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ (۲۸-۲۹) یا آگ کا انگارہ۔

خلیل نے کہا ہے کہ جَذَا اور جثا ہم معنی ہیں یعنی چمٹ جانا مگر جَذَا میں شدت لزوم کے معنی پائے جاتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے:۔

جَذَا الْقُرَادُ فِي جَنْبِ الْبَعِيْرِ کہ چچڑی اونٹ کے پہلو میں سختی کے ساتھ چمٹ گئی۔

اَجْذَتِ (افعال) الشَّجَرَةُ درخت کا جڑ پکڑ لینا۔ حدیث میں ہے[۱]۔ (۶۰)

كَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ اس کی مثال مضبوط جڑ والے صنوبر کے درخت کی ہے (یعنی جو ہوا کے جھکولوں سے ادھر ادھر نہیں جھکتا)

رَجُلٌ جَاذٍ مرد کوتاہ دست وکوتاہ ارش مؤنث جَاذِيَةٌ کوتاہ ہوتے ہیں اس کے دونوں ہاتھ گویا پارہ آتش ہیں۔

(ج ر ح)

جَرَحَهُ (ف) جَرْحًا زخمی کرنا صفت مفعول جَرِيْحٌ وَمَجْرُوْحٌ (زخمی) جُرْحٌ (اسم) ج جُرُوْحٌ قرآن میں ہے:۔

وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ (۵-۴۵) اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔

اور زخم کے ساتھ تشبیہ دے کر گواہ پر جرح کرنے کو بھی جَرْح کہا جاتا ہے اور کتے چیتے اور پرندے شکاری جانور کو جَارِحَة کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع جَوَارِح ہے اور شکاری جانوروں کو جَوَارِح یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ شکار کو زخمی کرتے ہیں اور یا اس لئے کہ وہ کما کر لاتے ہیں ان ہر دو وجوہ میں سے کسی ایک کی بنا پر اعضاء کاسبہ یعنی ہاتھ پاؤں کو جَوَارِح کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

---

[۱] راجع الفائق ۱/۱۸۶ ولفظۃ الحدیث متفق علیہ من حدیث کعب بن مالک فی اثنا (حدیث) مثل المؤمن الحدیث (راجع المسلم مع النووی ۲/۳۷۵ طبقۃ الہند وضبط النووی المجذیۃ بالیا (من اجذب) والبخاری (مرضیٰ، توحید و "دی" افاق رحم) ۲/۵۲۲-۳/۸۴۵-۵/۱۴۲۱ وغریب ابی عبید ۲ اص ۱۱۶-۱۱۷) ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ (۵-۴)
اور وہ شکار بھی حلال ہے) جو تمہارے شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھا رکھا ہے۔
اَلْاِجْتِرَاحُ (جرائم کا ارتکاب کرنا) اصل میں جَرَاحَۃ سے ہے جیسا کہ اِقْتِرَاف کا لفظ قَرَفَ الْقُرْحَۃَ سے مشتق ہے جس کے معنی زخم کو چھیلنے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ (۴۵-۲۱)
جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں۔

(ج ر د)

اَلْجَرَادُ۔ ٹڈی اس کا واحد جَرَادَۃٌ ہے۔
قرآن میں ہے:۔
فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ (۷-۱۳۳) ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں ...... بھیجیں۔
کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (۵۴-۵) الغرض جَرَادٌ کے معنی ٹڈی کے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اصل ہو اور اس سے جَرَدَ الْاَرْضَ مشتق ہو جس کے معنی ہیں ٹڈی زمین پر سے گھاس چٹ کر گئی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جراد خود جَرْدٌ سے مشتق ہو جس کے معنی ننگا کرنے کے ہیں اور چونکہ ٹڈی زمین کی روئیدگی کو کھا کر اسے ننگا اور صاف کر دیتی ہے اس لئے ٹڈی کو جراد کہا گیا ہے اور اَرْضٌ مَّجْرُوْدَۃٌ اس زمین کو کہا جاتا ہے جس کی نباتات کو ٹڈیوں نے کھا کر صاف کر دیا ہو۔

فَرَسٌ اَجْرَدُ بے بال یا چھوٹے بالوں والا گھوڑا
ثَوْبٌ جَرْدٌ پرانا کپڑا۔ کیونکہ اس کی روئیں جھڑ جاتی ہے اور کمزور ہو جاتا ہے۔ تَجَرَّدَ عَنِ الثَّوْبِ ننگا ہونا کپڑے اتار دینا
جَرَّدَہٗ (عن الثیاب) ننگا کرنا۔
اِمْرَءَۃٌ حَسَنَۃُ الْمُتَجَرَّدِ یعنی خوب صورت بدن است وقت برہنگی ایک روایت میں ہے
(۱) جَرِّدُوا الْقُرْاٰنَ قرآن کو علیحدہ رکھو یعنی اس کے ساتھ کوئی چیز خلط ملط نہ کرو۔
اِنْجَرَدَ بِنَا السَّیْرُ۔ دراز گردید سفر۔
جُرِدَ الْاِنْسَانُ خراج برآرد پوست انسان از خوردن ملخ یعنی ملخ کے کاٹنے سے جسم پر پتی اچھلنا۔

(ج ر ز)

جُرُزٌ۔ وہ زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہوتا ہو (ا)۔
صَعِیْدًا جُرُزًا (۱۸-۸) بنجر میدان ....
یعنی جس پر گھاس درخت وغیرہ کوئی چیز نہ ہو۔
اَرْضٌ مَّجْرُوْزَۃٌ زمین جس سے گھاس چر کر ختم کر دیا گیا ہو۔
اَلْجَرُوْزُ جو دستر خوان کو صاف کر دے۔ مثل مشہور ہے:۔ لَا تَرْضٰی شَانِئَۃُ اِلَّا بِجَرْزَۃٍ یعنی اس کے دشمن اس کا استیصال کئے بغیر خوش نہیں ہوں گے۔
اَلْجَارِزُ سخت کھانسی (اس میں معنی جرز کا تصور پایا جاتا ہے)
اَلْجُرَازُ تلوار سے کاٹنا۔ سَیْفٌ جُرَازٌ شمشیر بران

۱؎ موقوفا علی ابن مسعود وتمامہ لیربو فیہ صغیرکم ولا ینائی عنہ کبیرکم فان الشیطان یخرج من بیت تقرء فیہ سورۃ البقرۃ الفائق (۱/۱۹۶) وفی تاویلہ قولان: اراد رضی اللہ عنہ تجریدہ عن النقط والعشور لئلا ینشا نشوء فیری انہا من القرآن وقیل ہو حث علی ان لا یتعلم غیرہا فی حصوہ بالتعلم غریب ابی عبید (۴/۴۶-۹۴) ۔ ند ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج ر ع)

جَرَعَ (ف) جَرْعًا۔ اَلْمَاءَ گھونٹ گھونٹ کرکے پانی پینا۔ اور بقول بعض جرع (س) آتا ہے۔
تَجَرَّعَهٗ (تفعل) تکلف سے گھونٹ گھونٹ کرکے پی گیا۔ گویا اس کا پینا طبیعت پر ناگوار گذر رہا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
یَتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُهٗ (۱۴: ۱۷) وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور گلے سے نہیں اتار سکیگا۔
جُرْعَۃٌ ایک مرتبہ گھونٹ سے نگلنا مثل مشہور ہے[1]
اَفْلَتَ بِجُرَیْعَۃِ الذَّقَنِ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ کر بچ نکلا۔
نُوْقٌ مَجَارِیْعُ۔ وہ اونٹنیاں جن کا دودھ تھوڑا یا خشک ہو گیا ہو۔
اَلْجَرْعُ وَالْجَرْعَاءُ ریگستان جس میں کچھ نہ اُگے گویا وہ بیج کو نگل لیتا ہے۔

(ج ر ف)

قرآن میں ہے: عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (۹-۱۰۹) گر جانے والی کھائی کے کنارے پر۔ اَلْجُرُفُ۔ دریا کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو کٹ کٹ کر نیچے گر رہا ہو۔ محاورہ ہے:۔ جَرَفَ الدَّهْرُ مَالَهٗ حوادث زمانہ نے اس کے مال کو تباہ کر دیا۔
رَجُلٌ جُرَافٌ مرد بسیار جماع شادماں۔ گویا وہ اس شغل میں بہہ رہا ہے۔

(ج ر م)

اَلْجَرْمُ (ض) اس کے اصل معنی درخت سے پھل کاٹنے کے ہیں۔ یہ صیغہ صفت جَارِمٌ ج جِرَامٌ۔ تَمْرٌ جَرِیْمٌ خشک کھجور۔ جُرَامَۃٌ ردی کھجوریں جو کاٹتے وقت نیچے گر جائیں یہ نُفَایَۃٌ کے وزن پر ہے (جو کہ ہر چیز کے ردی حصہ کے لئے استعمال ہوتا ہے)
اَجْرَمَ (افعال) جرم دالا ہونا جیسے اَثْمَرَ وَاَتْمَرَ وَاَلْبَنَ اور استعارہ کے طور پر اس کا استعمال اکتساب مکروہ پر ہوتا ہے۔ اور پسندیدہ کسب پر بہت کم بولا جاتا ہے۔ اس کا مصدر جُرْمٌ ہے شاعر نے عقاب کے متعلق کہا ہے[2] (الوافر)
(۸۸) جَرِیْمَۃُ نَاهِضٍ فِیْ رَأْسِ نِیْقٍ
جیسا کہ (عقاب) بلند پہاڑ کی چوٹی پر اپنے بچوں کے لئے روزی کمانے والا ان کو کھلاتا ہے۔
یہاں شاعر کا "شاہین کے اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کو جرم کہنا" یا تو اس بنا پر ہے کہ وہ پرندوں کا شکار کر کے لاتا ہے اور یا اس کو ایسا شخص فرض کیا ہے جو اپنی اولاد کی خاطر گناہ کرتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا کہ ہر صاحب اولاد خواہ بہائم ہی کیوں نہ ہوں اپنی اولاد کے لئے ضرور ہی جرائم کا ارتکاب کرتا ہے
قرآن مجید میں اِجْرَام (افعال) اور جَرَم (ض) دونوں فعل استعمال ہوتے ہیں چنانچہ اجرام کے

---

[1] افلت یکون لازما ومتعدیا والیا ربمعنی مع وجریعۃ تصغیر جرعۃ والمراد منہ النفس ای خلص مع جریعۃ الذقن ای فیہ بقیۃ لوجہ بقدر، جرعۃ فی الفم راجع لتفصیلہ المیدانی ۶۹-۷۰ وابدال ابی الطیب ۳ر ۲۷۳-۲۷۴ واللسان (جرع) [2] قالہ ابوخراش الہزلی یصف عقاباتہ فرسہ بہا ترزق فرخہا وتمامہ: تری لعظام ما جمعت صلیبًا وفی اللسان (جرم، صلب) والاساس (جرم) ناہض بدل ناھض والبیت فی الاقتضاب ۳۱۷ والمعانی للقتبی ۲۸، ۱۴۷ وغریب القرآن للقتبی ۱۲۹ واصلاح یعقوب وادب الکاتب ۲۶ والدرر والجمہرۃ: ۳۱۳ (۲) والحیوان (۵: ۳۳۷) واشعار الہذلیین (۲: ۵۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعلق فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ (۸۳-۲۹) جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ دنیا میں (مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔

کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ (۷۷-۴۶) (اے جھٹلانے والو) تم کسی قدر کھالو اور فائدے اٹھالو تم بیشک گنہگار ہو۔

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (۵۴-۴۷) بیشک گنہگار لوگ گمراہی اور دیوانگی میں (مبتلا) ہیں

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ (۴۳-۷۴) اور جَرَمَ (ض) کے متعلق فرمایا:۔

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ (۱۱-۸۹) میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرادے کہ ..... تم پر واقع ہو۔

یہاں اگر یَجْرِمَنَّکُمْ فتحہ یا کے ساتھ پڑھا جائے تو بَغَیْتُہٗ مَالًا کی طرح ہوگا اور اگر ضمہ یا کے ساتھ پڑھا جائے تو اَبْغَیْتُہٗ مَالًا (یعنی میں نے مال سے اس کی مدد کی) کے مطابق ہوگا۔

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا (۵-۸) اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ اور آیت کریمہ:۔

فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ (۱۱-۳۵) تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر۔ میں ہوسکتا ہے کہ اِجْرَام (بکسر الہمزہ) باب افعال سے مصدر ہو اور اگر اَجْرَام (بفتح الہمزہ) پڑھا جائے تو جَرْمٌ کی جمع ہوگی[1]۔

اور جرم بمعنی قطع سے بطور استعارہ کہا جاتا ہے۔ جَرَمْتُ صُوْفَ الشَّاۃِ میں نے بھیڑ کی اون کاٹی تَجَرَّمَ اللَّیْلُ رات ختم ہوگئی۔

اَلْجِرْمُ (جسم) اصل میں یہ بمعنی مَجْرُوْمٌ ہے یعنی قطع کیا ہوا جیسے نِقْضٌ وَنِقْضٌ بمعنی منقوض و منقوض کے آتا ہے۔

پھر یہ جسم پر بولا جاتا ہے اور فُلَانٌ حَسَنُ الْجِرْمِ کے معنی ہیں کہ خوبصورت ہے جیسا کہ حَسَنُ السَّخَا کا محاورہ ہے اور حَسَنُ الْجِرْمِ کے معنی حسن صوت بھی آتے ہیں اور اس میں درحقیقت جرم سے محل صوت کی طرف اشارہ ہوتا ہے نہ کہ نفس صوت کی طرف لیکن اس سے آواز کی خوبصورتی بیان کرنا مقصود ہوتی ہے اس لئے اس کے معنی حسن صوت کردیئے جاتے ہیں جیسا کہ اسی معنی میں طَیِّبُ الْحَلْقِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ حلق سے صوت مراد لی جاتی ہے نہ کہ بذات خود حلق مراد ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا جَرَمَ (۱۶-۱۰۹) کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے لَا اصل میں محذوف پر داخل ہوا ہے جیسا کہ لَا اُقْسِمُ میں لا آتا ہے اور جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] ع (متقارب)

(۸۹) لَا وَاَبِیْکِ ابْنَۃَ الْعَامِرِیِّ

اور جَرَمَ فعل ماضی ہے جس کے معنی کَسَبَ یا جَنٰی کے ہیں اس کے بعد اَنَّ لَہُمُ النَّارَ (جملہ) موضع مفعول میں ہے اور معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنے لئے (دوزخ کی) آگ حاصل کی۔

بعض نے کہا ہے کہ جَرَمَ اور جُرْمٌ کے ایک ہی

[1] قال الزمخشری ونیصر الجمع ان نسرؤ الا ودیون بآتا ی (الکشاف ۲۹۲ ج ۲) [2] قالہ امرؤ القیس یخاطب ابنۃ عمہ فاطمۃ والبیت من مطلع قصیدۃ وعدتہا ۴۴ بیتا وتمامہ: ..... لا یدعی القوم انی افر۔ والبیت فی الحماسۃ مع المرزوقی۔ راجع الخزانۃ لا ر ۳۲۷-۴ ر ۹۹۴ والعینی (۱: ۹۹) وشرح المفضلیات العقاۃ لابن الانباری ۴۴ والعقد الثمین ۱۲۶ والسیوطی ۲۱۷ والطبری (۲۷: ۱۳۱) والغرر ۳: ۲۱۴، والبیت ایضا من شواہد الکشاف ۵۴ قال المحب وقیل البیت لربیعۃ بن جشم الیمنی وایضا المغنی ۱/ ۲۷۶ ودیوانہ ۹۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی ہیں۔ لیکن لا کے ساتھ جَرَمَ آتا ہے جیسا کہ قسم کے ساتھ عَمْرٌو کا لفظ مختص ہے اگرچہ عَمْرٌو و عُمُرٌ کے معنی ایک ہی ہیں اور معنی یہ ہے کہ ان کے لئے آگ کا ہونا کسی کا جُرم نہیں ہوگا بلکہ یہ ان کے عملوں کی سزا ہوگی اور انہوں نے خود ہی اسے اپنے لئے حاصل کیا ہوگا جیسا کہ آیت:۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (۴۱-۴۶) اور جو برے کام کرے گا۔ تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا۔ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

اس کی تفسیر میں اور بھی بہت سے اقوال منقول ہیں[1] لیکن ان میں سے اکثر تحقیق کی رو سے صحیح نہیں ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا:۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۱۶-۲۲-۲۳) تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں خدا ضرور اس کو جانتا ہے۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۱۶-۱۰۹) کچھ شک نہیں کہ یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

(ج ر ی)

جَرٰى (ض) جِرْيَةً وَجَرْيًا وَجِرْيَانًا کے معنی تیزی سے چلنے کے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ پانی اور پانی کی طرح چلنے والی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (۴۳-۵۱) اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے بہہ رہی ہیں۔ میری نہیں ہیں۔

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲-۲۵) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ (۳۰-۴۶) اور تاکہ ... کشتیاں چلیں

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۸۸-۱۲) اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے اور آیت کریمہ:۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (۶۹-۱۱) جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا۔

میں جَارِيَةٌ سے مراد کشتی ہے اس کی جمع جَوَارٍ آتی ہے جیسے فرمایا:۔ اَلْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (۵۵-۲۴) اور جہاز جو .... اونچے کھڑے ہوتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (۴۲-۳۲) اور اسی کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں (جو) گویا پہاڑ ہیں۔

اور پرند کے سنگدانہ کو جِرِّيَّةٌ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کھانا چل کر وہاں پہنچتا ہے اور یا اس لئے کہ وہ طعام کا مجریٰ بنتا ہے۔ اَلْاِجْرِيَّا عادت جس پر انسان چلتا ہے۔

اَلْجَرِيُّ وکیل۔ یہ لفظ رسول اور وکیل سے مختص ہے۔[2]

---

[1] وقیل: أن ذ موضع رفع وجرم بمعنی وجب ان لہم النار وانہم مفرطون بحث القالی فی نوادرہ فی لاجرم ومنہ اخذ ابن الانباری وغیرہم معظم ہذا الباب ولم یخرج المولف مما ہنالک وذکروا فیہ وجوہ ذہب الفراء تبعا للکسائی ان جرم اسم لا وذہب سیبویہ فی الکتاب بانہ فعل ماضی راجع للبحث النوادر ۲۱۲-۲۱۳ الخزانۃ ۴ر۳۱۱ والصحاح والتاج (جرم) وامالی المرتضی ار ۱۱۰ والفاخر لابی طالب ۱۹۹ واعراب القرآن المنسوب الی الزجاج ۱۱۷-۱۱۸ وفی ابن کثیر (۲: ۸۰) قال السدی وابن جریج "لاجرم" معنا، حقا وقال الضحاک۔ لاکذب وقال علی بن طلحہ عن ابن عباس لاجرم معناہ بلٰی ....

[2] فی التاج ... وما یجری جریہ وفی المطبوع ... وما یجری بجریہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جَرَّيْتُ جَرِيًّا کے معنی وکیل بنا کر بھیجنے کے ہیں اور حدیث میں ہے۔ (۶۲)
لَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ یہاں یہ لفظ اپنے اصل معنی پر بھی محمول ہو سکتا ہے یعنی شیطان اپنے حکم کی بجا آوری اور اطاعت میں بہہ جانے پر تمہیں برانگیختہ نہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جَرِيٌّ بمعنی رسول یا وکیل سے مشتق ہو اور معنی یہ ہونگے کہ شیطان کی وکالت اور رسالت کے سرپرست نہ بنو گویا یہ آیت کریمہ۔
فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ (۴-۷۶) شیطان کے مددگاروں سے لڑو۔
کے مضمون کی طرف اشارہ ہے اور فرمایا: إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ (۳-۱۷۵)
یہ خوف دلانے والا تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔

(ج ز ء)

جُزْءُ الشَّيْءِ چیز کا وہ ٹکڑا جس سے وہ چیز مل کر بنے۔ جیسے أَجْزَاءُ السَّفِينَةِ أَجْزَاءُ الْبَيْتِ اور حساب میں أَجْزَاءُ الْجُمْلَةِ (یعنی کل مجموعہ کے اجزاء) وغیرہ محاورات بولے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (۲-۲۶۰) پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دو۔
لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ (۱۵-۴۴) ہر ایک دروازے کے لئے ان میں ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے۔
وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا (۴۳-۱۵) اور انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لئے اولاد مقرر کی۔ میں بعض نے کہا ہے کہ جُزْءًا سے مراد اَناثٌ ہیں میں انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا اور یہ أَجْزَأَتِ الْمَرْأَةُ کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی مادینہ اولاد کو جنم دینا کے ہیں۔
جَزِءَ الْإِبِلُ مَجْزَءًا وَجَزْءًا اونٹ نر گھاس کھانے کی وجہ سے پانی سے بے نیاز ہو گئے محاورہ ہے۔ اَللَّحْمُ السَّمِينُ أَجْزَأُ مِنَ الْمَهْزُولِ موٹا گوشت دبلے گوشت سے زیادہ کفایت کرنے والا ہوتا ہے۔
جُزْأَةُ السِّكِّينِ چھری کا دستہ کیونکہ وہ اس کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

(ج ز ع)

اَلْجَزَعُ بے صبری۔ قرآن میں ہے:۔
سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا (۱۴-۲۱) اب ہم گھبرائیں یا صبر کریں۔ ہمارے حق میں برابر ہے۔ یہ حزن سے خاص ہے کیونکہ جزع خاص کر اس غم کو کہتے ہیں جو انسان کو جس چیز کے درپے ہو اس سے پھیر دے اور اس سے تعلق قطع کر دے۔
اصل میں جَزْعٌ (ف) کے معنی رسی کو نصف سے کاٹ دینے کے ہیں اور اِنْجَزَعَ (انفعال) اس کا مطاوع آتا ہے جیسے جَزَعْتُهُ فَانْجَزَعَ میں نے اسے کاٹا چنانچہ کٹ گیا۔ اور معنی انقطاع کے تصور کی بنا پر وادی کے موڑ کو جِزْعُ الْوَادِي کہا جاتا ہے اور نغیر سے بھی چونکہ اصل

---

۶۲ الحدیث فی النہایۃ وقبلہ قولوا بقولکم ...... وذالک انہم مدحوہ فکرہ لہم المبالغۃ فی المدح ای لا تتکلفوا فی المدح فیتخذکم الشیطان جریا ای وکیلا وارہ ۲۶۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ کٹ جاتا ہے اس لئے متلون خرمہرے کو جَزْعٌ کہتے ہیں اسی سے لَحْمٌ مُجَزَّعٌ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی دو رنگ کے گوشت کے ہیں اور نیم پختہ کھجور کو مُجَزَّعٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْجَازِعُ شہتیر کو کہتے ہیں جو چھت کے وسط میں ڈالا جاتا ہے اور دونوں طرف سے چھوٹے شہتیر آ آکر اس پر مل جاتے ہیں تو اسے جازع یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے گویا وہ بے صبر ہو رہا ہے اور یا اس لئے کہ کمرے کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے گویا وہ اسے دو حصوں میں قطع کر دیتا ہے۔

(ج ز ی)

اَلْجَزَاءُ (ض) کافی ہونا۔ قرآن میں ہے:۔
لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا۔ (۲-۴۸) کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔
لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا۔ کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکیگا۔
اَلْجَزَاءُ (اسم) کسی چیز کا بدلہ جو کافی ہو جیسے خیر کا بدلہ خیر سے اور شر کا بدلہ شر سے دیا جائے۔ کہا جاتا ہے۔ جَزَيْتُهٗ كَذَا بِكَذَا میں نے فلاں کو اس کے عمل کا ایسا بدلہ دیا قرآن میں ہے:۔
وَذٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى (۲۰-۷۶) اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔
فَلَهٗ جَزَاءُ نِ الْحُسْنٰى (۱۸-۸۸) اس کے لئے بہت اچھا بدلہ ہے۔
وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا (۴۲-۴۰) اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔
وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا۔ (۷۶-۱۲) اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کریگا۔
جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُوْرًا (۱۷-۶۳) اور وہ پوری پوری جزا ہے۔
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا (۲۵-۷۵) ان (صفات) کے لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے۔
وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۳۷-۳۹) اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔
اَلْجِزْيَةُ وہ ٹیکس جو ذمیوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اور اسے جزیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ان کے جان و مال کی حفاظت کے بدلہ میں ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۹-۲۹) یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
محاورہ ہے:۔ جَازِيْكَ فُلَانٌ یعنی فلاں تجھے کافی ہے۔
جَزَيْتُهٗ بِكَذَا وَجَازَيْتُهٗ میں نے اسے بدلہ دیا۔ قرآن نے جَزٰی (ض) کا لفظ استعمال کیا ہے اور جَازٰی (مفاعلہ) استعمال نہیں کیا کیونکہ مجازاۃ کے معنی مکافات کے ہوتے ہیں یعنی کسی کے احسان (نعمت) کے بدلے میں اسی قسم کا احسان کرنا۔ یہ چیز دو آدمیوں کے درمیان تو باہم مشترک ہو سکتی ہے۔ لیکن نعمت الٰہی کی کوئی شخص مکافات نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے بارے میں مکافات کا لفظ نہیں بولا جاتا ہے یہ بات بالکل واضح ہے (جس کی دلیل کی ضرورت نہیں)

(ج س س)

اَلْجَسُّ کے اصلی معنی ہیں رگ کو چھونا اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نبض دیکھ کر معلوم کرنا کہ بیمار ہے یا تندرست۔ یہ حَسّ سے خاص ہے۔ کیونکہ حَسّ کے معنی قوۃ احساس سے کسی چیز کا ادراک کرنا کے ہیں۔ لیکن جَسٌّ کسی اندرونی حالت کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں اور لفظ جَسٌّ سے جَاسُوْسٌ کا لفظ مشتق ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا (۴۹-۱۲) اور ایک دوسرے کے اندرونی حالات کا تجسس نہ کیا کرو۔

(ج س د)

اَلْجَسَدُ (اسم) جسم ہی کو کہتے ہیں مگر یہ جسم سے اخص ہے خلیل فرماتے ہیں کہ جسد کا لفظ انسان کے علاوہ دوسری مخلوق پر نہیں بولا جاتا نیز جَسَد رنگ (جسم کو کہتے ہیں مگر جسم کا لفظ بے جان اشیاء مثلاً پانی ہوا وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (۲۱-۸) کہ ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں ___ سے خلیل کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

نیز قرآن میں ہے:۔ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (۲۰-۸۸) ایک بچھڑا (یعنی قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (۳۸-۳۴) اور ان کے تخت پر ہم نے ایک دھڑ ڈال دیا چنانچہ انہوں نے خدا کی طرف رجوع کیا اور (لون کے اعتبار سے زعفران کو جساد کہا جاتا ہے اور زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کو ثَوْبٌ مُجَسَّدٌ کہتے ہیں۔

اَلْمُجَسَّدُ۔ کپڑا جو بدن سے متصل ہو اَلْجَسَدُ وَالْجَاسِدُ وَالْجَسِدُ۔ خشک خون۔

(ج س م)

اَلْجِسْمُ وہ ہے جس میں طول، عرض اور عمق پایا جائے اور اجزاء جسم خواہ کتنے ہی لطیف کیوں نہ ہوں اجسام ہی کہلاتے ہیں قرآن میں ہے زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲-۲۴۷) اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن وتوش بھی (بڑا عطا کیا ہے)

اور آیت کریمہ:۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (۶۳-۴) اور جب تم ان (کے تناسب اعضا) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بظاہر ان کی شکل وصورت اگرچہ جاذب نظر آتی ہے لیکن ان کے اندر کسی قسم کی صلاحیت نہیں ہے۔

اَلْجُسْمَانُ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کا شخص کے ہیں لیکن کسی شخص کے اجزاء ضروری نہیں کہ تقطیع اور تجزیہ کے بعد بھی ان کو شخص ہی کہا جائے مگر جسم کے اجزا کو خواہ کتنا ہی باریک کیوں نہ کر دیا جائے وہ جسمیت سے خارج نہیں ہوتے۔

(ج ع ل)

جَعَلَ (ف) یہ لفظ ہر کام کرنے کے لئے بولا جاسکتا ہے اور فَعَلَ وَصَنَعَ وغیرہ افعال کی بنسبت عام ہے۔ اور یہ پانچ طرح پر استعمال ہوتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) بمعنی صَارَ وَ طَفِقَ اس صورت میں متعدی نہیں ہوتا جیسے جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ کَذَا (یعنی زید یوں کہنے لگا) شاعر نے کہا ہے (الوافر)

(۹۶) فَقَدْ جَعَلَتْ قُلُوْصُ بَنِیْ سُهَیْلٍ
مِنَ الْاَکْوَارِ مَرْتَعُهَا قَرِیْبُ

اب بنی سہیل کی اونٹنی اکوار (جمع کور) کے قریب چرنے لگی ہے۔

(۲) بمعنی اَوْجَدَ (یعنی ایجاد و پیدا کرنا) اس صورت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (۶-۱) اور اندھیرے اور روشنی بنائی۔ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (۱۶-۷۸) اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل (اور اس کے علاوہ اور اعضاء) بخشے۔

(۳) ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنا اور بنانا جیسے فرمایا:۔ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا (۴۲-۱۱) اسی نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے۔

وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا (۱۶-۸۱) اور پہاڑوں میں غاریں بنائیں۔ وَجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا (۴۳-۱۰) اور اس میں تمہارے لئے رستے بنائے۔

(۴) بمعنی تصییر یعنی کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کردینا جیسے فرمایا:۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (۲-۲۲) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا..... بنایا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا (۱۶-۸۱) اور خدا ہی نے تمہارے (آرام کے) لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا (۷۱-۱۶) اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (۴۳-۳) کہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے۔

(۵) کسی چیز پر کسی چیز کے ساتھ حکم لگانا عام اس سے کہ وہ حکم حق ہو یا باطل حق کی مثال جیسے: اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (۲۸-۷) ہم ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔

اور باطل کی مثال جیسے:۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا (۶-۱۳۶) اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ (۱۶-۵۷) اور یہ لوگ خدا کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ (۱۶-۹۱) یعنی قرآن کو (کچھ ماننے اور کچھ نہ ماننے سے) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اَلْجُعَالَةُ چولہے سے دیگ اتارنے کا چیتھڑا۔ ل مِنْدَل یا اتارنے کا رومال۔

اَلْجُعْلُ وَالْجُعَالَةُ وَالْجَعِیْلَةُ جو چیز کسی شخص کے لئے کسی کام کے عوض مقرر کیا جائے۔ یہ

بلہ قالہ رجل من بحتر بن عتود والبیت فی الحماسۃ رقم ۹۹ مع المرزوقی فی ثلاثۃ بغیر عزو والبیت من شواہد الخزانۃ (۴: ۹۲) وفی روایۃ ابی زیاد" ولم ار احد من الشراح نسبہا الی قائلہا ووجدت نسبتہا عند الصاغانی فی العباب (الخیال) والبیت فی اللسان (جعل) والعینی والخزانۃ (۲: ۳۳۶) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُجرت اور ثواب سے اعم ہے۔

کَلْبٌ یُجْعِلُ (کنایہ) کتے کا جفتی کی خواہش کرنا۔[1]

اَلْجُعَلُ گبریلا۔ سیاہ بھونرا ج جِعْلَانٌ۔

(ج ف ن)

اَلْجَفْنَۃُ پیالہ۔ خاص کر کھانے کے برتن کو کہتے ہیں ج جِفَانٌ قرآن میں ہے:۔

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ (۳۴-۱۳) اور لگن جیسے بڑے حوض۔ حدیث میں ہے[2] (۶۳):

وَاَنْتَ الْجَفْنَۃُ الْغَرَّاءُ تم سخی سردار ہو۔

اور لگن کے ساتھ تشبیہ دے کر چھوٹے کنوئیں کو بھی جَفْنَۃٌ کہا جاتا ہے:۔

اَلْجَفْنُ اس کے معنی خاص کر تلوار کی نیام یا آنکھ کے پپوٹے کے آتے ہیں ج اَجْفَانٌ اور انگور کی بیل کو بھی جَفْنٌ کہا جاتا ہے گویا وہ انگور کے لئے بمنزلہ برتن کے ہے۔

(ج ف و)

اَلْجُفَاءُ وہ کوڑا کرکٹ جو وادی کے دونوں کناروں پر رہ جاتا ہے یا ہانڈی کا ابل کچیل جو ابال آنے سے ادھر ادھر گر جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اَجْفَأَتِ الْقِدْرُ (زَبَدَهَا) ہنڈیا نے اپنا ابال کو پھینک دیا۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً (۱۳-۱۷)

سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور بے فائدہ اور بے کار چیز کو بھی جُفَاءٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی مفہوم کے اعتبار سے کہا جاتا ہے:۔

اَجْفَأَتِ الْاَرْضُ زمین جفا یعنی جھاگ کی طرح ناکارہ اور بے خیر ہو گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ناقص واوی ہے۔ لہذا جَفَتِ الْقِدْرُ وَاَجْفَتْ کہا جائے گا اور اسی سے اَلْجَفَاءُ بمعنی ظلم ہے۔ اور جَفَاہُ (ن) جَفْوَۃً وَجَفَاءً کے معنی ہیں کسی پر ظلم کرنا اور اسی سے محاورہ ہے جَفَا السَّرْجَ عَنْ ظَهْرِ الدَّابَّةِ (گھوڑے کی پشت سے زین کو اٹھا دیا۔

(ج ل ل)

اَلْجَلَالَۃُ کے معنی ہیں عظیم القدر یعنی قدر و منزلت میں بڑا یعنی بلند مرتبہ ہونا کے ہیں اور (ۃ) کے بغیر اَلْجَلَالُ کہا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں عظمت کی آخری حد جس کے بعد اور مرتبہ نہ ہو۔ اسی لئے یہ اللہ تعالیٰ کی وصف کے ساتھ مختص ہے۔ اور دوسروں کے حق میں استعمال نہیں ہوتا چنانچہ قرآن میں ہے:۔

ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (۵۵-۲۷) صاحب جلال و عظمت۔

اَلْجَلِيْلُ "اور یہ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں ہے" اللہ تعالیٰ کو اَلْجَلِيْلُ یا تو اس لئے کہا جاتا

---

[1] راجع التاج والمعروف جعل والفعل اجعل (افعال) والبحث فی الحیوان للجاحظ ۵/۲۵۰: [2] النہایۃ انا انت الجفنۃ الغراء فی الکامل للمبرد: قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا الجفنۃ الغراء فی النہایۃ واللسان انہ قیل لہ انت کذا وانت کذا و انت الجفنۃ الغراء فی الفائق ۱/۲۰۲ من قول عبداللہ بن الشخیر حین قدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی التاج وراجع النہایۃ و اللسان (جفن) قال فی حاشیۃ الکامل ولم ار ہذا الحدیث ۹/۷۷ فی المطبوع وانت الجفنۃ الغراء ای الطعام مصحف والتسدید من المراجع والجملۃ من تحیۃ الجاہلیۃ لملوکہم [3] و رد فی القرآن: تتجافی جنوبہم عن المضاجع (۳۲-۱۶) ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ اس نے بڑی بڑی عظیم الشان چیزوں کو پیدا کیا ہے جن سے اس کی ذات بابرکت پر استدلال ہوسکتا ہے اور[1] یا اللہ تعالیٰ کی ذات اَلْجَلِیْل اس لئے ہے کہ وہ احاطہ سے بلند ہے اور[2] یا اس لئے کہ حواس کے ذریعہ اس کا ادراک نہیں ہوسکتا۔

اصل وضع کے اعتبار سے جَلِیْل کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو جسامت کے اعتبار سے بڑی بھی ہو اور غلیظ یعنی موٹی اور سخت بھی پھر معنی غلاظت کے اعتبار سے یہ دقیق کے مقابلہ میں استعمال ہونے لگا ہے اور عظیم کا لفظ صغیر کے مقابلہ میں، چنانچہ کہا جاتا ہے جلیل و دقیق وعظیم و صغیر اور باہم مقابلہ کے اعتبار سے اونٹ کو جلیل اور بھیڑ بکری کو حقیر کہا جاتا ہے چنانچہ محاورہ ہے[3] مَالَهُ جَلِيْلٌ وَلَا دَقِيْقٌ کہ اس کے پاس نہ اونٹ ہے اور نہ بھیڑ بکری) مَا اَجَلَّنِیْ وَلَا اَدَقَّنِیْ (اس نے مجھے نہ اونٹ دیئے اور نہ بھیڑ بکری) ـــ یہ اس کے اصل معنی ہیں ـــ پھر یہ لفظ ہر بڑی اور چھوٹی چیز پر بولا جاتا ہے۔

اَلْجِلَالَةُ خاص کر کلاں جسم اونٹنی کو کہتے ہیں اور اَلْجِلَّةُ کلاں سال کو۔ اَلْجَلَل۔ ہر بڑی چیز کار بزرگ جَلَّلْتُ كذا میں نے اس کا بڑا حصہ لے لیا۔ تجللت البعیر[4] میں نے کلاں جسم اونٹ یا ان کی بڑی مقدار لی۔ اَلْجَلَل[5] (ایضًا) جو پھینکی اٹھائی جائے۔ اسی سے کنایۃً ہر حقیر چیز کو جلل کہا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[6]۔

(۹۱) ”کل مصیبة بعدہٗ جَلَل

کہ ہر مصیبت اس کے بعد حقیر ہے۔

اَلْجُلّ کے معنی مصحف کے غلاف کے ہیں پھر اس سے مصحف کو مُجَلَّة کہا جانے لگا ہے[7]۔

اَلْجُلْجُلَة جس کے معنی حکایت صوت کے ہیں وہ اس مادہ سے نہیں ہے اور اسی سے سَحَابٌ مُجَلْجِلٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی گرجنے والے بادل کے ہیں۔ ہاں سَحَابٌ مُجَلِّلٌ کا محاورہ اس مادہ سے ہے۔ جس کے معنی عام بارش برسانے والے بادل کے ہیں۔ گویا وہ پانی اور نباتات سے زمین کو چھپا دیتا ہے۔

(ج ل ب)

اَلْجَلْبُ (ن ض) اس کے اصل معنی کسی چیز کو ہنکانے اور چلانے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[8]۔

(۹۲) وَقَدْ يَجْلِبُ الشَّيْئَ الْبَعِيْدَ الْجَوَابُ

---

[1] الزیادۃ ” ” من التاج قد سقط فی المطبوع [2] و فی التاج مالہ جلیلۃ ولا دقیقۃ ولا اجلنی ولا احشانی [3] فی المطبوع تجللت البقر خلاف جمیع الاصول و فی التاج قال الراغب تجللت البعیر اھ و علیہ اعتمدنا [4] و فی المطبوع الجلل المتناول من البقر و فی التاج قال الراغب: ... من البعر فتصحف والاسف ان المفردات للراغب لم یطبع الی الآن طبعًا محققًا مقابلًا بالاصول و انما اکلت جوادی فی تسدیدہ و سخرومہ والحمد للہ علیٰ ذالک [5] لم اجدہ و مثلہ یوجد فی شعر امرء القیس: الا کل شئی سواہ جلل و فی المزہر تی دہم: ۱۰۲۰) قال زہیر بن معرث ... فکل الذی لاقیت من بعد جلل و ایضًا انشد ابن درید: فعظیم کل مصیبۃ جلل [6] و فی التاج قال الراغب الجُلّ مکان الجلل والمصحف مکان الصحف و علیہ اعتمدنا لان الجلل بالفک لم یرد فی الاصول بہذا المعنی [7] لم اجدہ و یہ جع ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی جواب دور کی چیز کو کھینچ کرلے آتا ہے۔
اَجْلَبَ (افعال) عَلَیْهِ کسی پر چلا کر زبردستی اسے آگے بڑھانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ (۱۷-۶۴) اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لا تا رہ۔

اور حدیث[1] (۶۷) لَا جَلَبَ (یعنی جلب جائز نہیں ہے) کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ مصدق یعنی زکوٰۃ جمع کرنے والا چراگاہ سے کہیں دور بیٹھ جائے اور وہاں جانوروں کو حاضر کرنے کا حکم دے اور گھڑدوڑ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص دوڑ میں اپنے گھوڑے پر چیخنے کے لئے ایک آدمی کو مقرر کرے تاکہ وہ آگے بڑھ جائے۔

اَلْجُلْبَةُ پوست جراحی کہ خشک شدہ باشد۔
اَلْجُلَبُ۔ پتلا سا بادل جو زخم کے پردہ کیطرح ہوتا ہے۔
اَلْجَلَابِیْبُ اس کا واحد جِلْبَابٌ ہے جس کے معنی چادر یا قمیص کے ہیں۔

(ج ل ت)

جَالُوْتُ یہ اسم عجمی ہے عربی میں اس کی اصل نہیں ہے قرآن میں ہے:۔
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ (۲-۲۵۰) اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے۔

(ج ل د)

اَلْجِلْدُ کے معنی بدن کی کھال کے ہیں اس کی جمع جُلُوْدٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (۴-۵۶) جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے۔ اور آیت کریمہ:۔
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (۳۹-۲۳) اور خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی (ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے اس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہوکر) خدا کی یاد کی طرف (متوجہ) ہوجاتے ہیں۔
میں جُلُوْدٌ سے مراد ابدان اور قلوب سے مراد نفوس ہیں اور آیت کریمہ:۔
حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا.. (۴۱-۲۰، ۲۱) یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی دوسرے اعضا) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے اور وہ اپنے چمڑوں (یعنی اعضا) سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی۔
میں بعض نے کہا ہے کہ جُلُوْدٌ سے فروج یعنی شرمگاہیں مراد ہیں[2]۔

---

[1] الحديث في الفائق ۱ / ۲۰۳ والنسائی والضياء عن ابن عمرو (حم، ق، ن) وابن حبان (زيادة) عنه رقم ۱۱۰۷ عن عمران بن حصين والطبرانی عن انس وش عن عطاء وسلاوش عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده راجع كنز العمال ۲ رقم ۱۳۲۹ و ۱۲۱۸ و ۱۳۲۷ و ۱۳۲۹ [2] وفی غريب القرآن للقتبی ۳۸۹ وليذا رای السدی والفراء وغيرهما ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَلَدَہٗ (ض) کسی کے چمڑے پر مارنا۔ جیسے بَطَنَہٗ وَظَھَرَہٗ اور اس کے دوسرے معنی دُرّے لگانا بھی آتے ہیں جیسے عَصَاہُ (یعنی لاٹھی کے ساتھ مارنا) چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَۃً (۲۴-۴) توان کے اسی درے مارو۔
اَلْجَلَدُ وَالْجِلْدُ اونٹنی کے بچہ کی بھس بھری ہوئی کھال۔
جَلُدَ (ک) جَلَدًا کے معنی قوی ہونے کے ہیں۔ صیغہ صفت جَلْدٌ وَجَلِیْدٌ ہے اور اس کے اصل معنی اکتسابِ الجلد قوۃ یعنی بدن میں قوت حاصل کرنے کے ہیں۔ محاورہ ہے:۔
مَالَہٗ مَعْقُوْلٌ وَلَا مَجْلُوْدٌ اس میں نہ عقل ہے نہ قوت۔ اور تشبیہ کے طور پر سخت زمین کو اَرْضٌ جَلَدَۃٌ کہا جاتا ہے اسی طرح قوی اونٹنی کو نَاقَۃٌ جَلْدَۃٌ کہتے ہیں۔
جَلَدْتُ کَذَا میں نے اس کی جلد باندھی۔
فَرَسٌ مُجَلَّدٌ مار سے نہ ڈرنے والا گھوڑا یہ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے کیونکہ مُجَلَّدٌ اس شخص کو کہتے ہیں جسے مارنے سے درد نہ ہو۔ اَلْجَلِیْدُ پالا بھی گویا صلابت میں چمڑے کے متشابہ۔

(ج ل س)

اَلْجَلْسُ اس کے اصل معنی سخت زمین کے ہیں۔ اسی لحاظ سے نَجْدٌ یعنی بلند زمین کو جَلْسٌ کہا جاتا ہے ایک روایت میں ہے[1] (۹۳) اَعْطَاھُمُ الْمَعَادِنَ الْقَبَلِیَّۃَ غَوْرِیَّھَا وَجَلْسِیَّھَا ... کہ آنحضرت نے انہیں (بلال بن حارث) قبلیۃ کانیں نشیبی اور بلند سب کی سب (بطور جاگیر) عطا کردیں۔
اصل میں جَلَسَ کے معنی انسان کے اپنی مقعد کو سخت زمین پر رکھنے کے ہیں۔ پھر محض بیٹھنے کو جُلُوس اور بیٹھنے کی جگہ کو مَجْلِسٌ کہا جاتا ہے اور مَجْلِسٌ کی جمع مَجَالِسُ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ (۵۸-۱۱) جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو خدا تم کو کشادگی بخشے گا۔

(ج ل و)

اَلْجَلْوُ (ن) کے اصل معنی کسی چیز کے نمایاں طور پر ظاہر ہو جانا کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
اَجْلَیْتُ الْقَوْمَ عَنْ مَنَازِلِھِمْ فَجَلَوْا عَنْھَا یعنی میں نے انہیں جلاوطن کیا تو وہ چلے گئے اور جَلَاہُ (متعدی) بھی استعمال ہوتا ہے[2]۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[3] ع (طویل)

(۹۲) فَلَمَّا جَلَاھَا بِالْاُیَامِ تَحَیَّرَتْ
ثُبَاتٍ عَلَیْھَا ذُلُّھَا وَاکْتِئَابُھَا

(جب انگبین گیرندہ نے شہد کی مکھیوں کو دھواں

---

[1] وفی الفائق ا ر ۲۰۱ اعطی بلال بن الحارث معادن القبلیۃ جلسیہا وغوریہا والحدیث فی (د ق) کرعن ابن عباس (د ق) کثیر بن عبداللہ المزنی عن ابیہ عن جدہ (طب ک) عن بلال بن الحارث راجع کنز العمال ۳ رقم ۳۹۸۷
[2] وفی التاج: واجلی یتعدی ولا یتعدی کلاہما ومن اشتاق النفی حدیث الحوض فیجلون عنہ ای ینفون ویطردون
[3] قالہ ابو ذؤیب الہذلی یصف مشتارا وفی روایۃ تحیرت وبالراء المہملۃ والبیت فی واللسان (جلا، ایم) والاقتضاب ۳۰۴ والبحر ۳: ۲۹۰ والمعانی ۱۹۷ وفی روایۃ الدیوان ایضا تحیرت قال فی التاج ویروی: فلما اجتلاہا مکان جلاہا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعہ سے دور ہٹایا تو وہ ٹکڑیاں ہو کر غم و اندوہ کے ساتھ ایک طرف سکڑ گئیں۔

قرآن میں ہے:۔ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا (۵۹-۳)... اور اگر خدا نے ان کے بارے میں جلا وطن کرنا نہ لکھ دیا ہوتا۔ تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دے دیتا۔

اسی سے جَلَا لِي خَبَرٌ (کسی خبر کا ظاہر ہونا) وَخَبَرٌ جَلِيٌّ (واضح خبر) وَقِيَاسٌ جَلِيٌّ (اور واضح قیاس) کے محاورات ہیں اور صیغہ صفت (فاعل) جالٍ مسموع نہیں ہے۔

جَلَوْتُ الْعَرُوْسَ جِلْوَةً وَجِلَاءً: دلہن کو بناؤ سنگار کر کے پیش کرنا۔

جَلَوْتُ السَّيْفَ جِلَاءً: تلوار کو صیقل کیا

اَلسَّمَاءُ جَلْوَاءُ آسمان بے ابر اور صاف ہے

رَجُلٌ اَجْلٰی وہ شخص جس کے سر کے بال اڑ گئے ہوں

اَلتَّجَلِّیْ کے معنی ہیں ظاہر ہونا اور ہویدا ہونا اور جلوہ بار ہونا اور یہ (تجلی) کبھی بالذات ہوتی ہے جیسے: وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (۹۲-۲) اور دن کی جب نمایاں طور پر روشنی ہو جائے۔

اور کبھی بذریعہ امر اور فعل کے ہوتی ہے جیسے فرمایا: فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (۷-۱۴۳) جب ان کا پروردگار پہاڑ پر جلوہ افروز ہوا۔

کہا جاتا ہے:۔

فُلَانٌ اِبْنُ جَلَا ... یعنی فلاں مشہور و معروف ہے[1]

اَجْلَوْا عَنْ قَتِيْلٍ وہ مقتول سے الگ ہو گئے اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

(ج م م)

اَلْجَمُّ کے معنی ہر چیز کی کثرت اور زیادتی کے ہیں یہ جُمَّةُ الْمَاءِ سے ماخوذ ہے اور جُمَّةُ الْمَاءِ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی بہت بڑی مقدار میں جمع ہو جاتا ہو قرآن میں ہے:۔

وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۸۹-۲۰) اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

اصل میں یہ اَلْجَمَامُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں راحت کے لئے کسی جگہ پر ٹھہر جانا اور محنت و مشقت چھوڑ دینا

جُمَامُ الْمَكُّوْكِ دَقِيْقًا آٹے سے لبالب بھرا ہوا مکوک جس میں مزید گنجائش نہ ہو۔ اور معنی کثرت کے لحاظ سے جُمَّةٌ کا لفظ لوگوں کی اس بڑی جماعت پر بولا جاتا ہے جو کسی مصیبت کا بوجھ اٹھانے کے لئے جمع ہوں نیز جُمَّةٌ کے معنی ہیں پیشانی کے مجتمع بال۔

جُمَّةُ الْبِئْرِ پانی سے بھرا ہوا کنواں گویا کئی دنوں سے اس میں پانی جمع ہو رہا ہے اور متواتر اور سخت دوڑنے والے گھوڑے کو جَمُوْمُ الشَّدِّ کہا جاتا ہے۔

اَلْجَمَّاءُ الْغَفِيْرُ وَالْجَمُّ الْغَفِيْرُ ہجوم۔ لوگوں کی بڑی جماعت شَاةٌ جَمَّاءُ بے سینگ کے بکری یہ جُمَّةُ النَّاصِيَةِ سے ہے۔

(ج م ح)

جَمَحَ (ف) جَمْحًا وَجِمَاحًا وَجُمُوْحًا گھوڑے کا تیزی کے ساتھ دوڑتے جانا اور سوار کے قابو میں نہ رہنا یہ نشاط اور مَرَحٌ سے زیادہ بلیغ ہے۔ پھر کسی آدمی کے سرکشی کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] وقال الزجاج ان ظہر وبان وہذا مذہب اہل السنۃ والمؤلف مال الی الشاذ بل نوزع ثلۃ قال سحیم بن وثیل الریاحی انا ابن جلا وطلاع الثنایا متی اضع العمامۃ تعرفونی وقد تمثل الحجاج بقولہ ؛

www.KitaboSunnat.com

وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (۹-۵۷) (تو)... رسیاں تڑاتے ہوئے...
اَلْجُمَّاحُ بے پھل کا تیر جس سے بچے کھیلتے ہیں اس کے سرے پر غلیلہ سا لگا ہوتا ہے:۔

(ج م ع)

اَلْجَمْعُ (ف) کے معنی ہیں متفرق چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ملا دینا۔ محاورہ ہے:۔ جَمَعْتُهٗ فَاجْتَمَعَ میں نے اسے اکٹھا کیا چنانچہ وہ اکٹھا ہوگیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (۷۵-۹) اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے۔ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى (۷۰-۱۸) اور (مال) جمع کیا اور بند رکھا۔
جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (۱۰۴-۲) مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ (۳۴-۲۶) ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیگا۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۳-۱۵۷) تو جو (مال و متاع) لوگ جمع کرتے ہیں اس سے خدا کی بخشش اور رحمت کہیں بہتر ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ (۱۷-۸۸) کہدو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں۔ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (۱۸-۹۹) تو ہم سب کو جمع کر لیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ (۴-۱۴۰) کچھ شک نہیں کہ خدا منافقوں ...... کو جمع کرنے والا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ (۲۴-۶۲) ..... اور جب کبھی ایسے کام کے لئے جو جمع ہو کر کرنے کا ہو پیغمبر خدا کے پاس جمع ہوں۔ میں امر جامع کے معنی اہم معاملہ کے ہیں جس کے لئے لوگ جمع ہوں تو گویا اس معاملے نے ان کو جمع کر لیا ہے۔
ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ (۱۱-۱۰۳) یہ وہ دن ہوگا جس میں سب لوگ اکھٹے کئے جائیں گے۔ جیسے فرمایا:۔
يَوْمَ الْجَمْعِ (۴۲-۷) قیامت کے دن کا۔
يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ (۶۴-۹) جس دن وہ تم کو اکٹھا ہونے (یعنی قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا۔
اور مَجْمُوْعٌ، جَمْعٌ، جَمِيْعٌ اور جَمَاعَةٌ کے ایک ہی معنی ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (۳-۱۶۶) اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے دن واقع ہوئی۔
وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (۳۶-۳۲) اور سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کئے جائینگے۔
اَلْجُمَّاعُ مختلف قبائل کے لوگ جو ایک جگہ جمع ہوں۔ شاعر نے کہا ہے[1]: (سریع)
(۹۳) بِجَمْعِ غَيْرِ جُمَّاعٍ
ایسا مجمع جو مختلف قسم کے لوگوں پر مشتمل نہ تھا۔
اور اَجْمَعْتُ كَذَا عام طور پر اس عزم و ارادہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس تک غور و فکر سے پہنچا جائے۔ جیسے فرمایا:۔

---

[1] قال ابو قیس بن اسلم السلمی لیسف الحرب واولہ: حتی انتهینا ولنا غایة...... و فی روایة اللسان (جمع) من بین جمع مدل بجمیع و ثم تجلت ودل انتهینا و البیت من کلمة مفضلیة (۲۷: ۵۸) فی ۱۴ بیتا و راجع للبیت الیٹ المرزوقی ۷ ۸ ۱۰: والاقتضاب ۸ ۳۵: تہذیب الالفاظ ۲۴۷ و المحکم (جمع) و الجمہرة ۳۵ ۲۷ و فیہ حتی التقفینا و فی الفائق (۱: ۱۱۰) من بین (غیر جماع) ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (۱۰-۷۱) تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو۔

اور شاعر نے کہا ہے[1]:- (رجز)

(۹۴) هَلْ أَغْزُوَنْ يَوْمًا وَأَمْرِي مُجْمَعٌ

کیا میں کسی روز جنگ کروں گا اور میرا سامان حرب فراہم ہو گا۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ (۲۰-۶۴) تو تم (جادو کا) سامان اکٹھا کرو۔

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى كَذَا کسی معاملہ پر امت مسلمہ کا متفق ہو جانا۔ نَهْبٌ مُجْمَعٌ لوٹ جو نہایت فکر وتدبر سے حاصل کی جائے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ (۳-۱۷۳) کے بعض نے یہی معنی کئے ہیں کہ انہوں نے تمہارے خلاف تدبیر پر اتفاق کر لیا ہے۔ اور بعض نے لشکر کثیر جمع کرنا مراد لیا ہے۔

جَمِيْعٌ وَ اَجْمَعُ وَ اَجْمَعُوْنَ یہ تینوں الفاظ کسی امر پر اجتماع کی توکید کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اَجْمَعُوْنَ کا لفظ ہمیشہ اسم معرفہ کی صفت بن کر استعمال ہوتا ہے اور کبھی بھی حال بن کر منصوب نہیں ہوتا جیسے فرمایا:۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (۳۸-۷۳) تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۱۲-۹۳) اور اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔

اور جَمِيْعٌ کا لفظ کبھی منصوب علی الحال ہو کر توکید کا فائدہ دیتا ہے جیسے فرمایا:۔ اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (۲-۳۸) تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا (۱۱-۵۵) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو تدبیر کرنی چاہو) کر لو۔

اور جمعہ کے دن کو يَوْمُ الْجُمُعَةِ اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (۶۲-۹) .... جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔

اور مسجد الجامع کی اصل مَسْجِدُ الْاَمْرِ الْجَامِعِ او الوقت الجامع ہے لہذا یہاں جامع مسجد کی صفت نہیں ہے جَمَّعُوْا کے معنی نماز جمعہ ادا کرنے یا جامع یا جماعت میں حاضر ہونے کے ہیں۔

اَتَانٌ جَامِعٌ حاملہ گدھی قِدْرٌ جَامِعٌ بڑی دیگ اِسْتَجْمَعَ الْفَرَسُ جَرْيًا کے معنی ہیں گھوڑا سرپٹ دوڑا (پوری قوت سے بھاگا)۔ اس میں جمع کے معنی ظاہر ہیں مَاتَتِ الْمَرْاَةُ بِجُمْعٍ[2] حمل کی حالت میں مر گئی یہ محاورہ بھی عورت اور اس کے حمل میں اجتماع کے تصور پر استعمال ہوتا ہے۔ هِيَ مِنْهُ بِجُمْعٍ[3] (وہ اپنے خاوند سے ابھی حالت دوشیزگی میں ہے۔ یہ یہ محاورہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کے خاوند نے مجامعت کر کے اس کے پردہ بکارت کو زائل نہ کیا ہو۔

---

[1] قالہ الراجز واوز یالیت شعری والمنی لاتنفع۔ فی اللسان دجمع، وفیہ اغدون بدل اغزون راجع الطبری (۱۶: ۱۸۴/۱: ۱۸۱) والسیوطی ۲۷۴ وشرح السبع لابن الانباری ۵۲ ہم یجسوا ہدالکشاف (۷۰) وفی اصلاح لیعقوب (۲۶۳) غیر منسوب دامالی المرتضی (۱: ۵۵۹) والبحر (۵: ۱۷۹) [2] وفی الحدیث: ای امرءة ماتت بجمع ایلم تطمث دخلت الجنۃ راجع النہایۃ ۱/۲۰۷ والفائق ۱/۲۱۱ واللسان دجمع، وغریب ابی عبید ۱/۱۲۵ والحدیث فی (د) جنائز (ن) جنائز رحم) ۵/۳۰۵ [3] وفی اضداد ابی الطیب ۱۷۸: ومنہ قول الدھناء بنت مسحل: انی منہ بجمع ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضَرَبَہٗ بِجُمْعِ کَفِّہٖ اس نے اسے مکا مارا۔ اَعْطَاہٗ مِنَ الدَّرَاھِمِ جُمْعَ الْکَفِّ اسے مٹھی بھر درہم دیئے۔ اَلْجَوَامِعُ زنجیر۔ طوق کیونکہ اس سے ہاتھ پاؤں باندھے جاتے ہیں۔

(ج م ل)

اَلْجَمَالُ کے معنی حسن کثیر کے ہیں اور یہ دو قسم پر ہے۔

(۱) وہ خوبی جو خاص طور پر بدن یا نفس یا عمل میں پائی جاتی ہے۔

(۲) وہ خوبی جو دوسرے تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہے اسی معنی میں مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا (۶۶) اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ سے خیرات کثیرہ کا فیضان ہوتا ہے لہذا جو اس صفت کے ساتھ متصف ہوگا۔ وہی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ اور قرآن میں ہے:۔

وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ (۱۶-۱۶) اور جب شام کو انہیں جنگل سے لاتے ہو۔۔۔۔ تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے۔

اور جَمِیْلٌ وَجُمَالٌ وَجُمَّالٌ مبالغہ کے صیغے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ (۱۲-۱۸) اچھا صبر (کہ وہی) خوب ہے۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا (۷۰-۵) تو تم (کافروں کی باتوں کو) حسن صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہو۔ جَامَلْتُ فُلَانًا۔ کسی کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا تواضع سمر قندی سے پیش آنا۔ اَجْمَلْتُ فِیْ کَذَا کسی کام کو عمدگی سے سرانجام دینا اعتدال اختیار کرنا جَمَالَکَ یعنی اعتدال سے کام لو۔ پھر اس سے کثرت کے معنی کا اعتبار کرکے ہر مجموعہ اشیاء کو جملۃ کہتے ہیں اسی سے مجموعی حساب کو بھی جس کی تفصیل نہ کی گئی ہو جملۃ کہا جاتا ہے اور جس کلام کی تفصیل بیان نہ کی گئی ہو اسے مُجْمَلٌ کہا جاتا ہے اور اَجْمَلْتُ الْحِسَابَ وَاَجْمَلْتُ فِی الْکَلَامِ کے معنی حساب یا کلام کو اجمال سے بیان کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَۃً وَّاحِدَۃً (۲۵-۳۲) اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا۔

اور فقہا نے مجمل کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ اَلْمُجْمَلُ مَا یَحْتَاجُ اِلَی الْبَیَانِ کہ مجمل وہ ہوتا ہے جو بیان کا محتاج ہو تو یہ مُجْمَلٌ کی تحدید یا تفسیر نہیں ہے بلکہ صرف اس کی ایک حالت کا ذکر ہے جو بعض لوگوں کو پیش آتی ہے اور شئے کی تحدید میں اس کے کسی ایسے ذاتی وصف کا بیان کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے وہ ممتاز ہو جائے اور مجمل درحقیقت وہ ہے جو بہت سی اشیاء کے ایسے مجموعہ پر مشتمل ہو جن کی تلخیص نہ کی گئی ہو۔

اَلْجَمَلُ جوان اونٹ جو کم از کم پانچ سال کا ہو۔ اس کی جمع جِمَالٌ وَاَجْمَالٌ وَجِمَالَۃٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷-۴۰) یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔ اور آیت کریمہ:۔

---

۶۶ النہایۃ ا ر ۱۰۵ الحدیث باختلاف الفاظہ البیھقی و ابو یعلی عن ابی سعید و مسلم و الترمذی من روایۃ عبد اللہ ابن مسعود و الطبرانی من ابی امامۃ و دک، عن ابن عمر راجع للتفصیل الفتح الکبیر نبھانی ا ر ۱۳۳ و تخریج الکشاف ص ۱۴۴ رقم ۳۷۰ و کنز العمال۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (۷۷-۳۳) گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

میں جِمٰلَتٌ، جِمَالَۃٌ کی جمع ہے اور جِمَالَۃٌ جَمَلٌ کی اور ایک قرأت میں جُمَالَاتٌ بضمہ جیم ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی جوان اونٹنیوں کے ہیں۔

اَلْجَامِلُ اونٹوں کا گلہ جن کے ساتھ ان کا چرواہا بھی ہو یہ بَاقِرٌ کی طرح ہے اور اِتَّخَذَ اللَّیْلَ جَمَلًا (کہ اس نے رات کو اونٹ بنالیا) محاورہ مجاز پر محمول ہے جس کے معنی ہیں اپنے ساری رات سفر کیا۔ جیسا کہ رَکِبَ اللَّیْلَ کا محاورہ ہے اور اونٹ کو جَمَلٌ کہنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ عرب لوگ اونٹ کو اپنے لئے باعث زینت اور فخر سمجھتے تھے جیسا کہ آیت:۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

جَمَلْتُ الشَّحْمَ چربی پگھلانا اور پگھلائی ہوئی چربی کو اَلْجَمِیْلُ کہا جاتا ہے اور اِجْتِمَالٌ کے معنی چربی کو بطور تیل ملنے کے ہیں۔ ایک عورت نے اپنی لڑکی سے کہا:۔

تَجَمَّلِیْ وَتَعَفَّفِیْ یعنی چربی پگھلا کر کھایا کرو اور عفافہ یعنی تھنوں میں باقی ماندہ دودھ پیا کرو۔

(ج ن ن)

اَلْجَنُّ (ن) کے اصل معنی کسی چیز کو حواس سے پوشیدہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔ جَنَّهُ اللَّیْلُ وَاَجَنَّهٗ اسے رات نے چھپالیا۔ جُنَّ عَلَیْہِ اسے جنون ہوگیا۔

پس جَنَّهٗ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ اور اَجَنَّهٗ کے معنی چھپانے کے لئے کوئی چیز دینے کے ہیں جیسے:۔ قَبَرْتُهٗ وَاَقْبَرْتُهٗ وَسَقَیْتُهٗ وَاَسْقَیْتُهٗ جَنَّ عَلَیْہِ کَذَا۔ کسی چیز نے اسے چھپالیا۔

قرآن میں ہے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ اللَّیْلُ رَاٰی کَوْکَبًا (۶-۷۶) جب رات نے ان کو پردہ تاریکی سے چھپادیا تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔

اَلْجَنَانُ دل کیونکہ وہ حواس سے مستور ہوتا ہے۔

اَلْمِجَنُّ وَالْمِجَنَّۃُ ڈھال۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے آپ کو بچاتا اور چھپاتا ہے۔

قرآن میں ہے:۔ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً (۶۳-۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔

اور حدیث میں ہے[1]:۔ (۶۷)

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ کہ روزہ ڈھال ہے۔

اَلْجَنَّةُ ہر وہ باغ جس کی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے جنت کہلاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ (۳۴-۱۵) (اہل) سبا کے لئے ان کے مقام بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی دو باغ ایک دائیں طرف اور (ایک) بائیں طرف۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ (۱۸-۳۹) اور (بھلا) جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو ..... کیوں نہ۔

بعض کہا ہے کہ ان گنجان درختوں کو بھی جنت

---

[1] ای بیقی صاحبہ من الشھوات انظر للحدیث النہایۃ ۱/۳۰۴ واللسان (جنن) وزوائد ابن حبان۔ عن کعب بن عجرۃ انظر رقم ۲۵۵۳ و ۲۶۱ و ۱۵۷۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے جو زمین کو چھپائے ہوئے ہوں اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[1] (بسیط)

(۹۹) مِنَ النَّوَاضِحِ تَسْقِيْ جَنَّةً سَحِقًا

اور نخلستان کو سیراب کرنے والی سدھائی ہوئی اونٹنی پر رکھے ہوتے ہیں۔

اور بہشت کو جنت یا تو دنیوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں میں بون بعید ہے اور یا اس لئے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے مخفی رکھی گئی ہیں جیسا کہ فرمایا:۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ (۳۲-۱۷) کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جَنَّاتٍ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں[2]۔

(۱) جَنَّةُ الْفِرْدَوْس (۲) جَنَّةُ عَدْنٍ (۳) جَنَّةُ النَّعِيْم (۴) دَارُ الْخُلْدِ (۵) جَنَّةُ الْمَأْوٰى (۶) دَارُ السَّلَام (۷) عِلِّيِّيْنَ۔

اَلْجَنِيْنُ۔ بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہو اسے جنین کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع اَجِنَّةٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ (۵۳-۳۲) اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔

اور یہ یعنی جنین فعیل بمعنی مفعول سے ہے یعنی چھپا ہوا۔ اَلْجَنِيْنُ قبر کو بھی کہتے ہیں۔ فعیل بمعنی فاعل ہے یعنی چھپانے والی۔

اَلْجِنُّ۔ جن (اس کی جمع جِنَّةٌ آتی ہے اور) اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے۔

(۱) انسان کے مقابلہ میں ان تمام روحانیوں کو جن کہا جاتا ہے جو حواس سے مستور ہیں۔ اس صورت میں جن کا لفظ ملائکہ اور شیاطین دونوں کو شامل ہوتا ہے لہذا تمام فرشتے جن ہیں لیکن تمام جن فرشتے نہیں ہیں۔ اسی بنا پر ابو صالح نے کہا ہے کہ سب فرشتے جن ہیں۔

(۲) بعض نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ جن روحانیوں کی ایک قسم ہیں کیونکہ روحانیات تین قسم ہیں۔

(۱) اَخْيَار (نیک) اور یہ فرشتے ہیں۔

(۲) اَشْرَار (بد) اور یہ شیاطین ہیں۔

(۳) اَوْسَاط جن میں بعض نیک اور بعض بد ہیں اور یہ جن ہیں چنانچہ سورت جن کی ابتدائی آیات:۔ قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ ۔۔۔۔ وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ (۷۲: ۱-۱۴) اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔

اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنوں میں بعض نیک اور بعض بد ہیں۔

اَلْجِنَّةُ جنوں کی جماعت۔ قرآن میں ہے:۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۱۱۴-۶) (خواہ وہ) جنات سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (۳۷-۱۵۸) اور انہوں نے خدا میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا۔

اَلْجِنَّةُ (ایضًا) جنون۔ دیوانگی۔ قرآن میں ہے:۔ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (۳۴-۴۶) کہ ان کے

---

[1] قالہ زہیر بن ابی سلمٰی وادرہ، یکان ہیتی فی غرب مقتلہ والبیت فی دیوانہ بشرح الاعلم الشنتمری ۷۱ (طبع لیدن ۱۳۰۶ھ) والعقد الثمین ۹۴ ومطالع دمشق، شواہد الکشاف ۸۲ ومختار الشعر الجاہلی ۱: ۱۷۱ والبحر ۱۳۰۵/۷/۳۴۲ [2] وفی الفتح ۴/۲۷۸:۔ طبع المؤلف (البخاری) ہہنا باسماء الجنۃ وہا عشرۃ اوتزید بسبق المذکورۃ (۸) دارالمقامۃ (۹) المقام الامین (۱۰) مقعد صدق (۱۱) الحسنی وکلہا فی القرآن وزاد بعضہم دار الحیوان ۔۔۔ الایۃ وفیہ نظر۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی طرح کا بھی (جنون... نہیں ہے۔

اور دیوانگی کو جنون اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کے دل اور عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

جُنَّ فُلَانٌ۔ اسے جن لگ گیا۔

امراض کے معانی میں دوسرے افعال کی طرح یہ بھی فعل مجہول ہی استعمال ہوتا ہے جیسے زُکِمَ (اسے زکام ہو گیا) لُقِیَ (اسے لقوہ ہو گیا) حُمَّ (اسے بخار ہو گیا) وغیرہ۔ بعض نے کہا ہے کہ جُنَّ فُلَانٌ کے معنی ہیں۔ اس کے قلب کو عارضہ ہو گیا اور بعض نے کہا کہ دیوانگی نے اس کی عقل کو چھپا لیا اور آیت کریمہ مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ (۴۴-۱۴) کے معنی یہ ہیں کہ اسے وہ جن چمٹا ہوا ہے جو اسے تعلیم دیتا ہے اور یہی معنی آیت :-

أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (۳۷-۳۶) کہ بھلا ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔ میں شاعر مجنون کے ہیں۔

جُنَّ التِّلَاعُ وَالْآفَاقُ یعنی ٹیلوں اور ان کے گرد و نواح کو گھاس نے چھپا لیا۔ اور آیت کریمہ :-

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ (۱۵-۲۷) اور جان کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔

میں جَانّ سے بھی جنوں کی ایک قسم مراد ہے[1]۔ لیکن آیت کریمہ :- كَأَنَّهَا جَانٌّ (۲۷-۱۰) میں جانّ سے ایک قسم کا سانپ مراد ہے۔

(ج ن ب)

اَلْجَنْبُ اصل میں اس کے معنی پہلو کے ہیں اس کی جمع جُنُوبٌ ہے۔ قرآن میں ہے :-

قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (۳-۱۹۱) جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے۔

فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ (۹-۳۵) پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو .... داغے جائیں گے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۳۲-۱۶) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں۔

پھر بطور استعارہ پہلو کی سمت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ جیسا کہ یمین، شمال اور دیگر اعضا میں عرب لوگ استعارات سے کام لیتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۹۷) مِنْ عَنْ يَمِينِي مَرَّةً وَأَمَامِي

کبھی دائیں جانب سے اور کبھی سامنے سے۔

اسی سے جَنْبُ الْحَائِطِ وَجَانِبُهٗ کا محاورہ ہے۔ یعنی دیوار کی جانب۔

اور اَلصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ (۴-۳۶) کے معنی قریبی دوست کے ہیں۔ اور آیت کریمہ :-

يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ (۳۹-۵۶) کہ ہائے ہائے اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی۔

---

[1] الجان ابوالجن عن ابن عباس والحسن عن قتادۃ وعند ابی الحسن ابو الشیاطین ابلیس راجع مران (۴/۳۵)، [2] البیت لقطری بن فجاءۃ المازنی اسد زعماء الخوارج فی زمان مصعب بن الزبیر ۶۹ھ وسنۃ ۷۷ھ واسمہ جعونۃ بن مازن وصدرہ: فلقد ارانی للرماح دریئۃ ...... والبیت فی الحماسۃ مع المرزوقی رقم ۲۰ والشعر (۲: ۴۰)، (۲۲۹) والقالی (۲: ۲۸۶) والخزانۃ (۴: ۲۵۸) وابن عقیل (۱: ۲۲۳) وابن ہشام رقم ۲۶۵ واستشہد بہ النحاۃ علی ان لفظ من و عن قد تکون اسما بمعنی جانب قال ابن ہشام وذالک یتعین فی ثلاثۃ مواضع احدہا: ان یدخل علیہا من وہو کثیر کقول الشاعر ؛

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں جَنْبِ اللّٰهِ سے خدا تعالیٰ کے اوامر حدود مراد ہیں جو اس نے ہمارے لئے مقرر فرما دیئے ہیں۔

سَارَ جَنِيْبَهٗ وَجَنِيْبَتَهٗ وَجَنَابَيْهِ وَجَنَابَتَيْهِ اس کے پہلو بہ چلا وَجَنَبْتُهٗ میں نے اس کے پہلو پہ مارا جیسے کَبَدْتُهٗ میں نے اسکے کلیجے پر مارا فَأَدْتُهٗ میں نے اس کے فؤاد یعنی دل پہ مارا۔ جُنِبَ الرَّجُلُ ..... پہلو کے درد میں مبتلا ہونا جیسے کُبِدَ وَفُئِدَ اور جَنَبٌ سے فعل دو معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک کسی کی سمت مخالف کو جانا یا اس سے دور ہونا۔ دوم سمت موافق کو آنا یا اس کے قریب ہونا۔ اول معنی کی مثال جیسے جَنَبْتُهٗ وَاَجْنَبْتُهٗ میں نے اسے جانب مخالف یعنی دور کر دیا۔ اسی سے اَلْجَارِ الْجُنُبِ (۴-۳۶) ہے جس کے معنی اجنبی یعنی دور کے ہمسایہ کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۷۹) فَلَا تَحْرِمَنِّيْ نَائِلًا عَنْ جَنَابَةٍ

تو مجھ جیسے غریب الوطن کو دور ہی سے عطا سے محروم نہ کر۔

رَجُلٌ جَنِبٌ وَجَانِبٌ اجنبی آدمی۔

اَلْاِجْتِنَابُ (افتعال) بچنا، یکسو رہنا، پہلو تہی کرنا۔ قرآن میں ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ (۴-۳۱) اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جس سے تم کو منع کیا جاتا ہے۔ اجتناب رکھو گے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ (۵۳-۳۲) جو..... بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۲۲-۳۰) اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ اور آیت کریمہ:

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۳۹-۱۷) میں بتوں سے اجتناب کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے طاغوت کی عبادت یکسر ترک دی اس طرح وہ طاغوت سے دور رہے۔ نیز فرمایا:

فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۵-۹۰) سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ اور یہ یعنی اِجْتَنِبُوْا بنسبت اُتْرُكُوْهُ کے زیادہ بلیغ ہے۔

جَنَّبَ بَنُوْ فُلَانٍ بے شیر شدن قوم

جَنَبَ فُلَانٌ خَيْرًا۔ فلاں خیر سے محروم ہوگیا۔

جَنَبَ شَرًّا۔ وہ شر سے دور رہا۔ چنانچہ قرآن میں نار جہنم کے متعلق ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى (۹۲: ۱۷-۱۸) اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ اس (نار) سے بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو۔

لیکن اگر مطلق یعنی بغیر کسی متعلق کے جُنِبَ فُلَانٌ کہا جائے تو اس کے معنی خیر سے محروم ہونا ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دعائے خیر کے لئے بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۱۴-۳۵) اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ۔

میں اُجْنُبْنِيْ جَنَبْتُهٗ عَنْ كَذَا سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز سے دور رکھنے اور بچانے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ جَنَبْتُ الْفَرَسَ کے محاورہ

---

[1] قاله علقمة بن عبدة التميمي المعروف بعلقمة الفحل صاحب امرء القيس يخاطب بالحارث بن جبلة يمدحه وكان قد اسر اخاه شاسًا في تسعين رجلًا من بني تميم وتمامه:..... فاني امرؤ وسط القباب غريب والبيت في ديوان الستة ۱۰۷ والمفضليات (۲: ۴ ۱۹) والكامل ۲۲۷ والزجاج (۱: ۱۷ ب مخطوطة) و الشنتمري (۲: ۳ ۴۴) والقرطبي (۵: ۱۸۳ / ۱۳: ۲۵۷) واللسان والتاج (جنب) ابوعبيدة (۲: ۸۹ / ۱: ۱۲۶) وشواهد الشافية ۴۹۴ ومختار الشعر الجاهلي (۱: ۳۲۳) والبحر (۳: ۳۴۰) وامالي الشجرية (۱: ۱۴) والعمدة (۱: ۱۷۵) والعقد الثمين ۱۰۷ وايام العرب ۵۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ماخوذ ہے جس کے معنی کوتل ہانکنا کے ہیں۔ تو گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم اور اسباب مخفیہ کے ذریعہ اسے شرک کی جانب سے کھینچ لائے اور اسی طرح اس سے دور رکھے۔

اَلْجَنَبُ، (ایضًا) پیدائشی طور پر پاؤں کا ایک دوسرے سے دور ہونا اور آیت کریمہ:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (۵-۶) کے معنی یہ ہیں کہ جب تم حالت جنابت میں ہوا کرو تو غسل کر لو۔[۱] اور شرعًا جَنَابَةٌ کا لفظ یا تو انزال یعنی خروج منی سے ثابت ہوتا ہے اور یا دو ختنوں کے التقا یعنی مرد کے عضو تناسل کے عورت کی شرم گاہ میں داخل ہونے[۲] سے اور جنبی ہونے کے معنی میں جَنَبَ (ک ن س)، تَجَنَّبَ وَاجْتَنَبَ تینوں باب استعمال ہوتے ہیں اور جَنَابَةٌ کو جنابت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ شرعًا نماز سے دور رہنے کا سبب بنتی ہیں۔

اَلْجَنُوْبُ (جنوبی ہوا) اس میں کعبہ کی جانب سے آنے اور اس کی جانب جانے دونوں معنی کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جَنُوْبٌ سے جَنَبَتِ الرِّیْحُ کا محاورہ لیا گیا ہے جس کے معنی جنوبی ہوا چلنے کے ہیں۔ اَجْنَبْنَا ہم جنوب میں داخل ہوئے۔ جُنِبْنَا ہمیں جنوبی ہوا لگی۔ سَحَابَةٌ مَجْنُوْبَةٌ وہ بادل جسے جنوبی ہوا چلا کر لائی ہو۔

(ج ن ح)

اَلْجَنَاحُ پرند کا بازو۔ اسی سے جَنَحَ الطَّائِرَ کا محاورہ ماخوذ ہے جس کے معنی اس کا بازو توڑ دینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (۶-۳۸) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے۔

پھر کسی چیز کے دونوں جانب کو بھی جَنَاحَيْنِ کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً جَنَاحَا السَّفِيْنَةِ (سفینہ کے دونوں جانب)، جَنَاحَا الْعَسْكَرِ (لشکر کے دونوں جانب)، اسی طرح جَنَاحَا الْوَادِيْ وادی کے دونوں جانب اور انسان کے دونوں پہلوؤں کو جَنَاحَا الْاِنْسَانِ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ (۲۰-۲۲) اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو سے لگا لو۔ اور آیت:۔

وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (۲۸-۳۲) اور خوف دور ہونے (کی وجہ) سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو۔

میں جَنَاحٌ بمعنی يَدٌ کے ہے۔ کیونکہ پرند کا بازو اس کے لئے بمنزلہ ہاتھ کے ہوتا ہے اسی لئے جَنَاحَا الطَّيْرِ کو يَدَا الطَّيْرِ بھی کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (۱۷-۲۴) اور عجز و نیاز سے انکے آگے جھکے رہو۔

میں ذُلٌّ کے لئے جَنَاحٌ بطور استعارہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ذُلٌّ یعنی ذلت و انکساری دو قسم پر ہے ایک ذلت وہ ہے جو انسان کو اس کے مرتبہ سے گرا دیتی ہے اور دوسری وہ ہے جو انسان کے مرتبہ کو بلند کر دیتی ہے اور یہاں چونکہ ذلت کی دوسری قسم مراد ہے۔ جو انسان کو اس کے مرتبہ سے گرانے

---

[۱] وایضًا مجنبٌ بمعنی بعید کما فی قولہ تعالیٰ فبصرت بہ عن جنب (۲۸-۱۱) ای عن بعد ۱۲ [۲] وفی الحدیث عن عائشۃ: اذا مس الختان فقد وجب الغسل وفی روایۃ جاوز وہذا یوضح المراد راجع العوق ا ر ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بجائے بلند کر دیتی ہے اس لئے جناح کا لفظ بطور استعارہ (یعنی معنی رفعت کی طرف اشارہ کے لئے) استعمال کیا گیا ہے گویا اسے حکم دیا گیا ہے کہ رحمت الٰہی حاصل کرنے کے لئے ان کے سامنے ذلت کا اظہار کرتے رہو اور یا یہ معنی ہیں کہ ان پر رحمت کرنے کے لئے ذلت کا اظہار کرو۔

جَنَحَتِ الْعِيْرُ فِيْ سَيْرِهَا قافلہ تیزی سے چلا۔ گویا وہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑ رہا ہے۔ جَنَحَ اللَّيْلُ رات کی تاریکی چھا گئی۔ اَلْجُنْحُ رات کا سیاہ حصہ۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (۸-۶۱) اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ۔

میں جَنَحُوْا کے معنی مائل ہونے کے ہیں یہ جَنَحَتِ السَّفِيْنَةُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کشتی کے ایک جانب مائل ہو جانے کے ہیں۔ اسی لئے ہر وہ گناہ جو انسان کو حق سے مائل کر دے اسے جُنَاحٌ کہا جاتا ہے۔ پھر عام گناہ کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں متعدد مواضع پر لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ آیا ہے۔

جَوَانِحُ الصَّدْرِ وہ پسلیاں جن کے سرے سینے کے وسط میں باہم متصل ہوتے ہیں اس کا واحد جَانِحَةٌ ہے اور ان پسلیوں کو جوانح اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں میلان یعنی خم ہوتا ہے۔

(ج ن د)

اَلْجُنْدُ کے اصل معنی سنگستان کے ہیں معنی غلظت اور شدت کے اعتبار سے لشکر کو جُنْدٌ کہا جانے لگا ہے۔ اور مجازاً ہر گروہ اور جماعت پر جُنْدٌ پر لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حدیث میں ہے[1] (اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ) کہ ارواح کے بھی گروہ اور جماعتیں ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ (۳۷-۱۷۳) اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ (۴۴-۲۴) (تمہارے بعد) ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا۔

اور جُنْدٌ کی جمع اَجْنَادٌ وَجُنُوْدٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ (۲۶-۹۵) اور شیطان کے لشکر سب کے سب داخل جہنم ہوں گے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (۷۴-۳۱) اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور آیت کریمہ:۔

اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (۳۳-۹) خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت کی) جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کئے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میں پہلے جُنُوْد سے مراد کفار کی فوجیں ہیں اور

---

[1] وتمامہ: فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف (محاضرات المؤلف ۳/۵۳) والحدیث اخرجہ مسلم من حدیث ابی ہریرۃ والبخاری تعلیقاً من حدیث عائشۃ والطبرانی من حدیث ابن مسعود وبعضاد اخرجہ الطبرانی فی الاوسط من حدیث علی وفیہ قصۃ امرأتین المکیۃ والمدنیۃ اخرجہ الحسن بن سفیان فی مسندہ بسند حسن والدیلمی والخرائطی فی اعتلال القلوب عن علی وسندہ ومن عمرو بمعناہ السلفی فی انتخاب حدیث الفراء راجع تخریج الاحیاء للعراقی ۲/۱۶۱-۱۶۲ وادب الدنیا والدین للماوردی ۱۹۱ بشرح خان زادہ وکنز العمال ۹ رقم ۲۳، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۱، ۹۲۱ — ۹۲۳ ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے سے فرشتوں کے لشکر مراد ہیں جو انہیں نظر نہیں آتے تھے۔

(ج ن ف)

اَلْجَنَفُ اس کے اصل معنی فیصلہ میں ایک طرف مائل ہونے یعنی جانبداری اظلم کرنے کے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا (۲-۱۸۲) اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی وارث کی طرفداری کا اندیشہ ہو۔ میں صریح طور پر جانبداری مراد ہے اسی طرح فرمایا:۔ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ (۵-۳) بشرطیکہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔

(ج ن ی)

جَنَيْتُ (ض) جَنْيًا۔ الثَّمَرَةَ وَاجْتَنَيْتُهَا میں نے درخت سے پھل توڑا۔ اَلْجَنِيُّ وَالْجَنَى چنے ہوئے پھل جیسے سے نکالا ہوا شہد لیکن عام طور پر جَنِيٌّ تازہ پھل کو کہتے ہیں جو حال ہی میں توڑا گیا ہو۔ قرآن میں ہے:۔ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (۱۹-۲۵) تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (۵۵-۵۴) اور دونوں باغوں کے میوے قریب (جھک رہے) ہیں۔ اَجْنَى الشَّجَرُ درخت کے پھل پک گئے توڑنے کے قابل ہوگئے اَجْنَتِ الْاَرْضُ زمین زیادہ پھلوں والی ہوگئی۔ اسی سے یعنی پھل توڑنے کے معنی سے بطور استعارہ جَنٰى فُلَانٌ جِنَايَةً گناہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اِجْتَرَمَ کا محاورہ بطور استعارہ اس معنی میں آتا ہے۔

(ج ھ د)

اَلْجَهْدُ وَالْجُهْدُ کے معنی وسعت وطاقت اور تکلیف ومشقت کے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اَلْجَهْدُ (بفتح جیم) کے معنی مشقت کے ہیں اور اَلْجُهْدُ (بضم جیم) طاقت اور وسعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اَلْجُهْدُ کا لفظ صرف انسان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ (۹-۷۹) اور جنہیں اپنی محنت ومشقت (کی کمائی) کے سوا کچھ میسر نہیں ہے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (۱۶-۳۸) کے معنی یہ ہیں کہ وہ بڑی زور زور سے قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ اس میں اپنی انتہائی کوشش صرف کریں گے۔

اَلْاِجْتِهَادُ (افتعال) کے معنی کسی کام پر پوری طاقت صرف کرنے اور اس میں انتہائی مشقت اٹھانے پر طبیعت کو مجبور کرنا کے ہیں۔ کہا جاتا ہے جَهَدْتُ رَأْيِيْ وَاَجْهَدْتُهٗ میں نے غور وفکر سے اپنی رائے کو مشقت اور تعب میں ڈالا۔

اَلْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ دشمن کے مقابلہ اور مدافعت میں اپنی انتہائی طاقت اور وسعت خرچ کرنا اور جہاد تین قسم پر ہے (۱) ظاہری دشمن یعنی کفار سے جہاد کرنا (۲) شیطان اور (۳) نفس سے مجاہدہ کرنا اور آیت کریمہ:۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲-۷۸) کہ اللہ کی راہ میں پوری طرح جہاد کرو۔ تینوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم کے جہاد پر مشتمل ہے۔ نیز فرمایا:۔
وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (۹-۴۱) کہ خدا کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (۹-۲۰) جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرتے رہے۔
اور حدیث میں ہے[1] (۶۶)
جَاهِدُوا أَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُونَ أَعْدَاءَكُمْ کہ جس طرح اپنے دشمن سے جہاد کرتے ہو اسی طرح اپنی خواہشات سے بھی جہاد کیا کرو۔
اور مجاہدہ ہاتھ اور زبان دونوں کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (۶۷)
جَاهِدُوا الْكُفَّارَ بِأَيْدِيكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ کہ کفار سے ہاتھ اور زبان دونوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

(ج ھ ر)

اَلْجَهْرُ (ف) اس کے اصل معنی کسی چیز کا حاسہ سمع یا بصر میں افراط کے سبب پوری طرح ظاہر اور نمایاں ہونے کے ہیں چنانچہ حاسہ بصر یعنی نظروں کے سامنے کسی چیز کے ظاہر ہونے کے متعلق کہا جاتا ہے رَأَيْتُهُ جِهَارًا کہ میں نے اسے کھلم کھلا دیکھا قرآن میں ہے:۔
لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (۲-۵۵) کہ جب تک ہم خدا کو سامنے نمایاں طور پر نہ دیکھ لیں تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔
أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (۴-۱۵۳) ہمیں نمایاں اور ظاہر طور پر خدا دکھا دو۔
اور اسی معنی سے جَهَرُوا الْبِئْرَ وَاجْتَهَرُوهَا ہے جس کے معنی ہیں اس نے کنواں کو صاف کرکے اس کا پانی ظاہر کر دیا۔ محاورہ ہے مَا فِي الْقَوْمِ أَحَدٌ يَجْهَرُهُ عَيْنِي۔ قوم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میری نظر میں بڑا معلوم ہوتا ہو۔
اَلْجَوْهَرُ یہ بھی اسی مادہ سے فَوْعَلٌ کے وزن پر ہے اور جوہر اسے کہتے ہیں جس کے بطلان سے اس کے جملہ محمولات کا بطلان لازم آتا ہو اور اسے جوہر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حاسۂ بصر یعنی نظر کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔
اور حاسہ کے سامنے ظاہر ہونے کے متعلق فرمایا:۔
سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ (۱۳-۱۰) کہ تم میں سے کوئی چپکے سے بات کہے یا با آواز بلند پکار کر (اس کے نزدیک) دونوں برابر ہیں وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (۲۰-۷) تم پکار کر بات کہو وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔
وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ (۶۷-۱۳) اور تم پوشیدہ بات کرو یا ظاہر۔
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (۴۹-۲) اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے سامنے زور سے بات کرتے ہو (اسی طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔
كَلَامٌ جَهْوَرِيٌّ۔ بلند گو اور بلند آواز شخص کو جَهِيرٌ کہا جاتا ہے نیز جَهِيرٌ کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنے حسن وجمال سے نظر کو خیرہ کر دے۔

---

[1] الحدیث باختلاف لفظہ فی الدارمی عن انس وایضًا ابن حبان والنسائی وصححہ ورجال اسنادہ رجال الصحیح ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج ھ ز)

اَلْجِهَازُ۔ ساز و سامان جو تیار کر کے رکھا جائے۔ قرآن میں ہے:۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ۔ (۱۲۔ ۵۹) جب ان کے لئے ان کا سامان تیار کر دیا۔

اَلتَّجْهِيْزُ (تفعیل) تیار کردہ سامان کو لادنا یا بھیجنا ضَرَبَ الْبَعِيْرُ بِجِهَازِهٖ[1]۔ اونٹ نے اپنا سامان (پالان اور بوجھ) نیچے پھینک دیا اور بدک کر بھاگ گیا۔ جَهِيْزَةُ ایک احمق عورت[2] نیز مادہ گرگ جو دوسرے کے بچے کو دودھ پلاتی ہوا سے بھی جَهِيْزَةُ کہا جاتا ہے[3]۔

ج ھ ل

اَلْجَهْلُ۔ (جہالت، نادانی) جہالت تین قسم پر ہے (۱) انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا اور یہی اس کے اصل معنی ہیں اور بعض متکلمین نے کہا ہے کہ انسان کے وہ افعال جو نظام طبعی کے خلاف جاری ہوتے ہیں ان کا مقتضی بھی یہی معنی جہالت ہے۔ (۲) کسی چیز کے خلاف واقع یقین و اعتقاد قائم کر لینا۔ (۳) کسی کام کو جس طرح سرانجام دینا چاہیئے اس کے خلاف سرانجام دینا ہم اس سے کہ اس کے متعلق اعتقاد صحیح ہو یا غلط مثلاً کوئی شخص دیدہ و دانستہ نماز ترک کر دے چنانچہ اسی معنی کے اعتبار سے آیت:۔ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (۲۔ ۶۷) میں هُزُوًا کو جہالت قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ (۴۹۔ ۶) تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔

اور جاہل کا لفظ عموماً بطور مذمت بولا جاتا ہے۔ مگر کبھی بطور مذمت نہیں بھی آتا۔ چنانچہ آیت:۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (۲۔ ۲۷۳) کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو غنی خیال کرتا ہے۔ میں الجاہل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کی حالت سے ناواقف ہیں لہذا یہاں یہ لفظ مذمت کے لئے نہیں ہے[4]۔

اَلْمَجْهَلُ (سبب جہالت) ہر وہ معاملہ یا عادت یا زمین جو کسی چیز کے متعلق واقع کے خلاف اعتقاد قائم کر لینے کا سبب بنے اسے مَجْهَلٌ کہا جاتا ہے۔

اِسْتَجْهَلَتِ الرِّيْحُ الْغُصْنَ۔ ہوا نے شاخ کو اس طرح زور سے ہلایا گویا وہ اسے جہالت پر مجبور کر رہی ہے۔ یہ کس قدر عمدہ استعارہ ہے۔

(ج ھ ن م)

جَهَنَّمُ۔ دوزخ کا نام ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اصل میں فارسی لفظ جہنام سے معرب ہے واللہ اعلم۔

---

[1] مثل یضرب عند اظہار النفور من شیء راجع المیدانی رقم ۲۸۰ وفیہ جہازہ وفی من ہذا المعنی ای صدعا ثرأ فی جہازہ [2] وفی المثل قطعت جہیزۃ قول کل خطیب انظر المثل والقصۃ المیدانی رقم ۳۰۔۲۸ [3] وفی الحیوان (۱/۲۷) والعیون ۲/۹۶ یقال ہو احمق من جہیزۃ لانہا تترک ولدہا وترضع ولد الضبع راجع للمثل المعانی للقتیبی ۲۱۲ واللسان (جہز) وجمہرۃ الامثال (۱/۳۲۶) [4] وایضا الآیۃ الجاہلیۃ الاولی (۳۳۔۳۳) فیقال علی العادات التی کانت فیہم قبل الاسلام وفی الآیۃ (۲۵۔ ۶۳) جاء لفظۃ الجاہلون فی مقابلۃ عباد الرحمان ۱۲

÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج و و)

اَلْجَوُّ کے معنی فضا کے ہیں قرآن میں ہے:۔

فِیْ جَوِّ السَّمَاءِ مَا یُمْسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ (۱۶-۷۹) کہ فضا میں ۔۔۔ ان کو خدا ہی تھامے رکھتا ہے۔

اور یمامہ کو جَوٌّ بھی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(ج و ب)

اَلْجَوْبُ (ض) اس کے اصل معنی جَوْبَۃٌ قطع کرنے کے ہیں اور یہ پست زمین کی طرح (زمین میں گڑھا سا) ہوتا ہے۔ پھر ہر طرح زمین کے قطع کرنے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۸۹-۹) اور ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی (قریٰ) میں پتھر تراشتے (اور مکانات بناتے) تھے۔

اَلْجَائِبَۃُ۔ پھیلنے والی، محاورہ ہے هَلْ عِنْدَكَ مِنْ جَائِبَةِ خَبَرٍ۔ کیا تمہارے پاس کوئی نشر ہونے والی خبر ہے۔

جَوَابُ الْکَلَامِ اور کسی کلام کے جواب کو بھی جواب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ قائل کے منہ سے نکل کر فضا کو قطع کرتا ہوا سامع کے کان تک پہنچتا ہے مگر عرف میں ابتدائے کلام کرنے کو جواب نہیں کہتے بلکہ کلام کے لوٹانے پر جواب کا لفظ بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا (۲۷-۵۶) تو ان کی قوم کے لوگ (بولے تو) یہ بولے اور اس کے سوا ان کا جواب نہ تھا۔

پھر جواب کا لفظ سوال کے مقابلہ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور سوال دو قسم پر ہے (۱) گفتگو کا طلب کرنا اس کا جواب گفتگو ہی ہوتی ہے (۲) طلب عطا یعنی خیرات طلب کرنا اس کا جواب یہ ہے کہ اسے خیرات دے دی جائے چنانچہ اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا:۔

اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ (۴۶-۳۱) خدا کی طرف سے بلانے والے کی بات قبول کرو۔ وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ (۴۶-۳۲) اور جو شخص خدا کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے۔

اور دوسرے معنی کے اعتبار سے فرمایا:۔

قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا (۱۰-۸۹) کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی تو ہم ثابت قدم رہنا

اَلْاِسْتِجَابَۃُ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی اِجَابَۃٌ (افعال) کے ہے اصل میں اس کے معنی جواب کے لئے تحری کرنے اور اس کے لئے تیار ہونے کے ہیں لیکن اسے اِجَابَۃٌ سے تعبیر کر لیتے ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ قرآن میں ہے:۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (۸-۲۴) کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو۔ اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۴۰-۶۰) کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ (۳-۱۹۵) تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی۔ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۴۲-۲۶) اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان کی دعا قبول فرماتا۔ وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ (۴۲-۳۸) اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ (۲-۱۸۶) اور اے پیغمبر جب تم سے میرے بندے میرے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ میرے حکموں کو مانیں۔ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ (۳-۱۷۲) جنہوں نے باوجود زخم کھانے کے خدا اور رسول کے حکم کو قبول کیا۔

(ج و د)

اَلْجُوْدِیُّ۔ اس پہاڑی کا نام ہے جو موصل اور جزیرہ کے درمیان واقع ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ (۱۱-۴۴) اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری۔ یہ دراصل اَلْجُوْد کی طرف منسوب ہے اور اَلْجُوْد کے معنی مقتنیات (ذخائر) کو صرف اور خرچ کرنے کے ہیں عام اس سے کہ وہ ذخیرہ علم ہو یا ذخیرہ مال کا ہو۔

رَجُلٌ جَوَادٌ۔ سخی آدمی فَرَسٌ جَوَادٌ (تیز رفتار عمدہ گھوڑا) جو دوڑنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردے اس کی جمع اَلْجِیَاد آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ بِالْعَشِیِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ (۳۸-۳۱) (جب ان کے سامنے) شام کو خاصے کے گھوڑے (پیش کیے گئے)

جَوْدٌ۔ زیادہ بارش۔ اور گھوڑے میں جو تیز رفتاری کی صفت ہوتی ہے اسے جُوْدَۃٌ کہتے ہیں اور سخاوت مال کو جُوْدٌ کہا جاتا ہے۔

جَادَ (ن) اَلشَّیْءُ جُوْدَۃً کسی چیز کا عمدہ اور جید ہونا اس سے صیغہ صفت جَیِّدٌ آتا ہے اشیاء میں جو عمدگی (جودۃ) پائی جاتی ہے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (۲۰-۵۰) کہ اس نے ہر چیز کو اس کی (مناسب) شکل و صورت بخشی اور پھر راہ دکھائی۔

(ج و ر)

اَلْجَارُ (پڑوسی۔ ہمسایہ) ہر وہ شخص جس کی سکونت گاہ دوسرے کے قرب میں ہو وہ اس کا جَارٌ کہلاتا ہے یہ "اسماء متضایفہ" یعنی ان الفاظ سے ہے جو ایک دوسرے کے تقابل سے اپنے معنی دیتے ہیں جیسا کہ اَخٌ اور صَدِیْقٌ کے الفاظ ہیں (کہ اخوت اور صداقت دونوں جانب سے ہوتی ہے) کیونکہ کسی کا پڑوسی ہونا اسی وقت متصور ہوسکتا ہے جب دوسرا بھی اس کا پڑوسی ہو۔ چونکہ ہمسائے کا حق عقلاً اور شرعاً بہت بڑا حق سمجھا گیا ہے اس بنا پر ہر وہ شخص جس کا حق بڑا ہو یا وہ کسی دوسرے کے حق کو بڑا خیال کرتا ہو اسے اس کا "جَارٌ" کہہ دیتے ہیں قرآن میں ہے۔ اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ (۴-۳۶) اور رشتہ دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایوں۔

اِسْتَجَرْتُہٗ فَاَجَارَنِیْ میں نے اس سے پناہ طلب کی چنانچہ اس نے مجھے پناہ دے دی[1]۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ (۸-۴۸) اور میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں میں جَارٌ اسی معنی پر محمول ہے نیز فرمایا:۔ وَھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ (۲۳-۸۸) اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے بالمقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

---

[1] وفی التنزیل وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ (۹-۶) قُلْ لَّنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ (۷۲-۲۲) فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ (۶۷-۲۸)۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جَازَ میں معنی قرب کے تصور کی بنا پر جَادَةٌ وَجَاوَرَہٗ وَتَجَاوَرَ (انفعال) استعمال ہونے لگے ہیں یعنی کسی کے قرب وجوار میں رہنا قرآن میں ہے:۔ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا (۳۳-۶۰) وہ اس (شہر) میں عرصہ قلیل کے سوا تمہارے ہمسایہ بن کر نہیں رہ سکیں گے۔ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ (۱۳-۴) اور زمین میں ایک دوسرے سے متصل قطعات ہیں۔

اور معنی قرب کے اعتبار سے جَارَ عَنِ الطَّرِيقِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی (صدعن کی وجہ سے راستہ سے ایک جانب مائل ہو جانے کے ہیں پھر مطلقاً حق سے عدول کرنے کے لئے اس کو اصل قرار دے کر اس سے اَلْجَوْرُ بمعنی ظلم بنایا گیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَمِنْهَا جَائِرٌ (۱۶-۹) اور بعض راستے سیدھی راہ سے ایک جانب مائل ہو رہے ہیں (جو باری تعالیٰ تک نہیں پہنچتے)۔

بعض نے کہا ہے کہ اَلْجَائِرُ (جَوْرٌ سے صیغہ فاعل) انسانوں میں سے ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کے التزام سے رک جائے (اور اسی کا نام ظلم ہے)۔

(ج و ز)

جَوْزُ الطَّرِيقِ کے معنی راستہ کے وسط کے ہیں اسی سے جَازَ الشَّيْءُ ہے جو کسی چیز کے جائز یا خوشگوار ہونے کی ایک تعبیر ہے گویا اس نے وسط طریق کو لازم پکڑا۔
جَوْزُ السَّمَاءِ وسط آسمان۔ اَلْجَوْزَاءُ آسمان کے ایک برج کا نام ہے کیونکہ وہ بھی وسط آسمان میں ہے۔ شَاةٌ جَوْزَاءُ سیاہ بکری جس کے وسط میں سفیدی ہو۔

(جَاوَزَہٗ کسی چیز کے وسط سے آگے گزر جانا) قرآن میں ہے۔ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ (۲-۲۴۹) پھر جب وہ (حضرت طالوت) اس دریا کے وسط سے آگے گزر گئے یعنی پار ہو گئے۔ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ (۱۰-۹۰) اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا۔

جُزْتُ الْمَكَانَ کسی جگہ میں گزرنا۔ أَجَزْتُهُ میں نے اسے نافذ کر دیا یا اس کو پیچھے چھوڑ دیا[1]۔ اِسْتَجَزْتُ فُلَانًا فَأَجَازَنِي (میں نے اس سے (جانوروں یا کھیتی کے لئے) پانی طلب کیا چنانچہ اس نے مجھے دے دیا۔ یہ بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔ اور کسی لفظ کا حقیقی معنی وہ ہوتا ہے جو اپنے وضعی معنی میں استعمال ہو اور اس سے تجاوز نہ کرے[2] اور اسے مجاز کہتے ہیں)

(ج و س)

آیت کریمہ:۔ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ (۱۷-۵) میں جَاسُوا کے معنی ہیں کہ وہ تمہارے دیار کے اندر گھس گئے اور ان میں خوب پھرے (غارت گری اور قتل سے کنایہ ہے) اور وَاسُوا کے معنی بھی اسی (جَاسُوا) کے قریب قریب ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْجَوْسُ کے معنی کسی چیز کو استقصار کے ساتھ طلب کرنا کے ہوتے ہیں۔ اَلْمَجُوسُ۔ ایک معروف فرقے کا نام ہے۔

---

[1] وفی حدیث الصراط فاکون انا وامتی اول من یجیز علیہ [2] ههنا التعار فتفکر۔ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ج و ع)

اَلْجُوْعُ ۔ وہ تکلیف جو کسی حیوان کو معدہ کے طعام سے خالی ہونے کی وجہ پہنچتی ہے۔ اَلْمَجَاعَۃُ خشک سالی کا زمانہ۔ کہا جاتا ہے رَجُلٌ جَائِعٌ بھوکا آدمی اور جب بہت زیادہ بھوکا ہو تو اسے جَوْعَانٌ کہا جاتا ہے۔

(ج و ل)

جَالُوْت ۔ ایک سرکش بادشاہ کا نام ہے جسے حضرت داود علیہ السلام نے قتل کیا تھا چنانچہ آیت:۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (۲-۲۵۱) میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

(ج ی ء)

جَاءَ (ض) جِیْئَۃً وَ مَجِیْئًا یہ الاتیان کے ہم معنی ہے جس کے معنی آنا کے ہیں لیکن مجیئ کا لفظ اتیان سے زیادہ عام ہے کیونکہ اتیان کا لفظ خاص کر کسی چیز کے بسہولت آنے پر بولا جاتا ہے نیز اتیان کے معنی کسی کام کا قصد اور ارادہ کرنا بھی آجاتے ہیں گو اس کا حصول نہ ہو۔ لیکن مَجِیْئٌ کا لفظ اس وقت بولا جائیگا جب وہ کام واقعہ میں حاصل بھی ہو چکا ہو نیز جَاءَ کے معنی مطلق کسی چیز کی آمد کے ہوتے ہیں۔ خواہ وہ آمد بالذات ہو یا بالامر اور پھر یہ لفظ اعیان واعراض دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور اس شخص کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو کسی جگہ یا کام یا وقت کا قصد کرے قرآن میں ہے:۔ وَجَاءَ مِنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ رَجُلٌ یَّسْعٰی (۳۶-۲۰) اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آپہنچا۔ وَلَقَدْ جَاءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ (۴۰-۳۴) اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے۔ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ (۱۱-۷۷) اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے غمناک ہو گئے۔ فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ (۳۳-۱۹) پھر جب خوف کا وقت آئے۔ فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ (۳۵-۴۵) جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ بَلٰی قَدْ جَاءَتْکَ اٰیٰتِیْ (۳۹-۵۹) کیوں نہیں میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں۔

اور آیت: فَقَدْ جَاءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا (۲۵-۴) کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے یہ بات کہہ کر ظلم اور جھوٹ کا قصد کیا ہے اور حد سے تجاوز کیا ہے۔ تو یہاں پر ظلم اور زور کے متعلق مجیئ کا لفظ استعمال کرنا ایسے ہی ہے جیسا ان کے متعلق اَلْقَصْد کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اِذْ جَاءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ (۳۳-۱۰) جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَجَاءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا (۸۹-۲۲) میں پروردگار کے آنے سے اس کے حکم کا آجانا مراد ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہی معنی آیت فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ (۱۰-۷۶) میں الحق کے آنے کے ہیں۔

جَاءَہٗ بِکَذَا وَ اَجَاءَہٗ (متعدی بحرف جار و ہمزہ) وہ اسے لے آیا۔ قرآن میں ہے:۔ فَاَجَاءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ (۱۹-۲۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو درد زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔
بعض نے یہاں اَجَاءَ کے معنی اَلجَأَءَ یعنی مجبور
اور لاچار کرنا بھی کئے ہیں مگر یہ جَاءَ سے (ہمزہ
تعدیہ) متعدی بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی سے مثل
مشہور[1] ہے:۔ شَرٌّ مَا اَجَاءَكَ اِلٰى مُخَّةِ
عُرْقُوْبٍ یعنی انتہائی فقر ہی تمہیں عرقوب سے
مخ چوسنے کے لئے لے آیا ہے شاعر نے کہا ہے[2] (الوافر)
(۹۸) " اَجَاءَتْكَ الْمَخَافَةُ وَالرَّجَاءُ
اسے امید و بیم تمہارے پاس لے آئی ہے
جَاءَ بِكَذَا۔ اس نے اسے لا حاضر کیا۔ قرآن میں ہے:۔
لَوْلَا جَاءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ (۲۴-۱۳)
یہ افترا پرداز اپنی بات کی تصدیق کے لئے چار گواہ
کیوں نہیں لائے۔
وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ (۲۷-۲۲) اور
میں تمہارے پاس شہر سبا سے ایک سچی خبر لیکر آیا ہوں۔
اور جو چیز لائی جاتی ہے اس کے اعتبار سے جَاءَ
بِكَذَا کے معنی بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

(ج ی ب)

اَلْجَيْبُ کے معنی گریبان کے ہیں (مجازاً سینہ)
اس کی جمع اَلْجُيُوْبُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴-۳۱)
ان کو چاہیئے کہ اپنے سینوں پر اوڑھنیاں
اوڑھا کریں۔

---

[1] راجع للمثل المیدانی رقم ۷۷ ۱۹ وفیہ یجیئک بدل اجاک وفی اللسان اعرقب ویضرب للمضطر جدًا وذالک لان العرقوب لامخ لہ والعرقوب ایضاً اسم رجل ومواعید عرقوب مثل فی خلف الوعد [2] قالہ زہیر بن ابی سلمی واولہ وجارٍ سار معتمدًا الیکم قال الفراء اصلہ من جئت وقد جعلتہ بمعنی الجاء راجع اللسان والتاج (جیأ) والبیت من شواہد الطبری (۱۶-۴۷) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۹۶) والبحر (۶: ۱۸۲) والعقد الثمین ۷۷ ومحاضرات المؤلف (۱: ۲۶۸) ومجاز القرآن (۲: ...) ودیوانہ ۷۷ والقرطبی (۱۱: ۹۲) ۱۲ ج

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کِتَابُ الْحَاءِ

(ح ب ب)

اَلْحَبّ وَالْحَبَّةُ (فتحہ حا) گندم جو وغیرہ مطعومات کے دانہ کو کہتے ہیں۔ اور خوشبودار پودوں اور پھولوں کے بیج کو حِبٌّ وَحِبَّةٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (۲ - ۲۶۱) (اس کے خرچ) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں۔

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ (۶ - ۵۹) اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں ہے

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى (۶ - ۹۵) بے شک خدا ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر (ان سے درخت اگاتا ہے)

اور آیت کریمہ:- فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ (۵۰ - ۹) اور اس باغ سے دلبستان اگائے اور اناج۔ میں حَبَّ الْحَصِیْدِ سے گندم وغیرہ مراد ہے جو کاٹا جاتا ہے اور حدیث میں ہے[1] كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِیْ حَمِیْلِ السَّیْلِ۔ جیسے گھاس پات کے بیج جو سیلاب کے بہاؤ میں اگ آتے ہیں۔

اَلْحُبُّ (محبوب) عاشق، جس کی محبت حد سے بڑھ جائے دانوں کے ساتھ تشبیہ دیکر حَبَبُ الْاَسْنَانِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی دانتوں کی ہمواری اور موزونیت کے ہیں۔ اسی طرح شکل و صورت میں حبوب کے ساتھ تشبیہ دے کر پانی کے بلبلہ کو حَبَابُ الْمَاءِ کہا جاتا ہے۔

حَبَّةُ الْقَلْبِ. سویدائے قلب۔ یہ بھی ہیئت میں تشبیہ کے اعتبار سے ہے۔

حَبَبْتُ فُلَانًا. اس کے اصل معنی ہیں میں نے اس کے حَبَّةُ الْقَلْبِ پر مارا۔ جیسا کہ کَبَدْتُهٗ فَاَدْتُهٗ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اَحْبَبْتُ فُلَانًا اصل معنی تو یہ ہیں کہ میں نے اپنا دل اس کی محبت کے لئے پیش کیا مگر عرف میں مُحِبّ کی جگہ پر محبوب کا لفظ رکھ لیا جاتا ہے اور اَحْبَبْتُ کی بجائے حَبَبْتُ بھی استعمال ہوتا ہے۔

اَلْمَحَبَّةُ کے معنی کسی چیز کو اچھا سمجھ کر اس کا ارادہ کرنے اور چاہنے کے ہیں اور محبت تین قسم پر ہے:-

(۱) محض لذت اندوزی کے لئے جیسے مرد کسی عورت سے محبت کرتا ہے۔ چنانچہ آیت:۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا (۷۶ - ۸) میں اسی نوع کی محبت کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) محبت نفع اندوزی کی خاطر جیسا کہ انسان کسی نفع بخش اور مفید شے سے محبت کرتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ

---

[1] قطعة من حديث طويل ورد في اهل النار بعد ما يخرجون منها يلقون في نهر الحياة راجع البخاري مع الفتح ۱۱/ ۲۵۵ وفي رواية مسلم القتادة بدل الحبة وحملة السيل بدل حميل السيل والحديث في الفائق ۲/ ۲ وغريب ابي عبيدة وهناك تخريجه ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ (۶۱-۱۳) اور ایک چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو یعنی تمہیں خدا کی طرف سے مدد نصیب ہوگی اور فتح حاصل ہوگی۔

(۳) کبھی یہ محبت بہ محض فضل وشرف کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ اہل علم وفضل آپس میں ایک دوسرے سے محض علم کی خاطر محبت کرتے ہیں۔

اور بعض نے مثل آیت: فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا (۹-۱۰۸) میں محبت کی تفسیر ارادہ سے بھی کی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظ محبت میں بنسبت ارادہ کے معنوی طور پر زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے کیونکہ ہر محبت میں ارادہ تو پایا جاتا ہے مگر ہر ارادے کو محبت نہیں کہہ سکتے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ (۹-۲۳) کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں اور پسند کریں۔ اصل میں اِسْتِحْبَابٌ کے معنی کسی چیز میں ایسا معنی تلاش کرنے کے ہیں جس کی بنا پر اس سے محبت کی جائے مگر یہاں عَلٰی (صلہ) کی وجہ سے اس میں ایثار اور ترجیح کے معنی پیدا ہو گئے ہیں

اسی طرح آیت کریمہ:۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۴۱-۱۷) کے معنی بھی یہ ہیں کہ انہوں نے اندھا پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ اور آیت کریمہ:۔

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (۵-۵۴) تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور جسے وہ دوست رکھیں گے۔

میں اللہ تعالیٰ کے ان سے محبت کرنے سے مراد ان پر انعام کرنا ہے اور بندوں کے اللہ تعالیٰ سے محبت کے معنی ہیں بندہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کی طلب میں لگا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ (۳۸-۳۲) کے معنی یہ ہیں کہ میں نے گھوڑوں سے اس طرح محبت کی جس طرح کہ مجھے خیر سے محبت ہے۔ (اس طرح میں اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا) اور آیت کریمہ:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (۲-۲۲۲) میں اللہ تعالیٰ کے توابین اور متطہرین سے محبت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب دیگا اور ان پر فضل و کرم فرمائیگا اور آیت کریمہ:۔

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (۲-۲۷۶)

اور آیت:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۱۸-۲۱) کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔

میں اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ گناہوں کے ارتکاب سے انسان اس قدر سرکش ہو جاتا ہے کہ توبہ کرنے کا نام نہیں لیتا اور جب توبہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ان معنوں میں محبت نہیں کرتا جن معنوں میں کہ وہ توابین اور متطہرین سے محبت کرتا ہے یعنی انعام وافضال کرنا اور ثواب سے نوازنا۔

حَبَّبَ اللّٰهُ اِلَیَّ كَذَا فلاں چیز خدا نے مجھے عزیز کر دی۔ قرآن میں ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ (۴۹-۷) لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا۔

اَحَبَّ الْبَعِیْرُ اونٹ کا ماندہ اور بیمار ہو کر ایک جگہ پڑے رہنا گویا اسے اس جگہ سے محبت ہے۔

حَبَابُكَ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا یعنی تیری انتہائی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ تم ایسا کرو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ب ر)

اَلْحِبْرُ۔ وہ نشان جو عمدہ اور خوبصورت معلوم ہو حدیث میں ہے (۶۵) یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ رَجُلٌ قَدْ ذَهَبَ حِبْرُهٗ وَسِبْرُهٗ کہ آگ سے ایک آدمی نکلے گا جس کا حسن وجمال اور چہرے کی رونق ختم ہو چکی ہوگی اسی سے رونمائی کو حِبْرٌ کہا جاتا ہے[1]۔ شَاعِرٌ مُحَبِّرٌ عمدہ گو شاعر[2] شِعْرٌ مُحَبَّرٌ عمدہ شعر۔ ثَوْبٌ حَبِیْرٌ ملائم اور نیا کپڑا۔ اَرْضٌ مِحْبَارٌ جلد سرسبز ہونے والی زمین (والجمع محابیر) اَلْحَبِیْرُ (من السحاب) خوبصورت بادل۔

حُبِرَ فُلَانٌ اس کے جسم پر زخم کا نشان باقی ہے۔

اَلْحَبْرُ عالم کو کہتے ہیں اسلئے کہ لوگوں کے دلوں پر اس کے علم کا اثر باقی رہتا ہے۔ اور افعال حسنہ میں لوگ اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے فرمایا (۶۶) کہ علماء تاقیامت باقی رہیں گے اگرچہ ان کی شخصیتیں اس دنیا سے فنا ہو جاتی ہیں لیکن ان کے آثار لوگوں کے دلوں پر باقی رہتے ہیں۔

حَبْرٌ کی جمع اَحْبَارٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۹-۳۱) انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ ... کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ (۳۰-۱۵) کے معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں اس قدر خوش ہوں گے کہ وہاں کی نعمتوں کی تروتازگی کا اثر ان کے چہروں پر ہویدا ہوگا۔

(ح ب س)

اَلْحَبْسُ (ض) کے معنی کسی کو اٹھنے سے روک دینا کے ہیں قرآن میں ہے:۔ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ (۵-۱۰۶) تو ان کو (عصر کی) نماز کے بعد روک لو۔

نیز حَبْسٌ اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جو پانی روکنے کے لئے بنائی گئی ہو۔ اس کی جمع اَحْبَاسٌ ہے

اَلتَّحْبِیْسُ ہمیشہ کے لئے وقف کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ هٰذَا حَبِیْسٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ اللہ کی راہ میں وقف ہے۔

(ح ب ط)

اَلْحَبْطُ (س) کے معنی کسی کام کا اکارت اور ضائع ہو جانا کے ہیں) قرآن میں ہے:۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (۳-۲۲) جن کے اعمال ضائع ہو گئے۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۶-۸۸) اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (۳۹-۶۵) تو تمہارے عمل برباد ہو جائینگے۔

اَحْبَطَ (افعال) اکارت کر دینا) قرآن میں ہے:۔ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ (۴۷-۳۲) اور خدا ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا۔

---

[1] تال فی الفائق (۱ر ۲۵۱) الحبر والسبر بالکسر وقد یروی فیہما الفتح ایضاً راجع غریب ابی عبید (۱: ۸۵-۸۶) والیضاً صحاح یعقوب ۱۰
[2] ومنہ سمی کعب الاحبار لانہ کان صاحب کتب وہو کعب بن ماتع الحمیری ابو اسحاق التابعی مخضرم توفی ۳۲ھ فی خلافۃ عثمان و قد جاوز المائۃ وفی القاموس کعب الحبر ولا تقل الاحبار لکن ردہ العلماء راجع مشارق عیاض وتہذیب النووی [3] قال الاصمعی: وکان یقال لطفیل الغنوی فی الجاہلیۃ المحبر لانہ کان یحسن الشعر غریب ابی عبید (۱: ۸۶) [4] راجع تفول علی اخفد ۲ ر ۲۰۲ وفیہ وانشالہ بدل واشخاصہم کذا فی ابن الحدیدیہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَحْبَطَ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ (۴۷-۲۸) تو اس نے بھی ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔

حبطِ عمل کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ وہ اعمال دنیوی ہوں اس لئے قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئیں گے اسی کیطرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵-۲۳) اور جو انہوں نے عمل کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔

(۲) اعمال تو اخروی ہو لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے نہ کیا گیا ہو جیسا کہ مروی ہے[۶۹]

اَنَّہٗ یُؤْتٰی یَوْمَ القیامۃ برجل فیقال لہ بما کان اشتغالک قال بقراءۃ القرآن فیقال لہ قد کنت تقرء لیقال ھو قارئٌ وقد قیل ذالک فیؤمر بہ الی النار۔

کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تو کس قسم کے عمل کرتا رہا وہ جواب دے گا کہ میں قرآن پاک پڑھتا رہا تو اس سے کہا جائے گا کہ تو نے قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو لوگ تجھے قاری کہتے رہے حکم ہوگا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اعمال صالحہ کئے ہوں گے لیکن ان کے بالمقابل گناہ کا بار اسقدر ہوگا کہ اعمال صالحہ بے اثر ہوکر رہ جائیں گے اور گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا اسی کی طرف خفۃ المیزان سے اشارہ فرمایا گیا ہے[۲]۔

اصل میں حَبْط کا لفظ حَبَط سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کہ جانور اتنا زیادہ کھا جائے کہ اس کا پیٹ اپھر جائے۔ حدیث میں ہے[۳] (۷۰)

اِنَّ مِمَّا یُنْبِتُ الرَّبِیْعُ مَا یَقْتُلُ حَبَطًا اَوْ یُلِمُّ

بعض اوقات موسم ربیع کی گھاس یا پیٹ میں اپھار کی وجہ سے قتل کر دیتی ہے اور یا بیمار کر دیتی ہے۔

ایک شخص حارث کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ نفخ بطن سے مر گیا تھا تو اس کا نام الحارث الحبط پڑ گیا اور اس کی اولاد کو حبطات کہا جاتا ہے[۴]۔

(ح ب ک)

اَلْحَبِیْکَۃُ وَالْحِبَاکُ کے معنی راستہ کے ہیں (ج) اَلْحُبُکُ۔ آیت کریمہ:۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ (۵۱-۷) اور آسمان کی قسم جس میں رستے ہیں۔

میں بعض نے الحبک سے ستاروں اور کہکشاں کے محسوس راستے مراد لئے ہیں اور بعض نے عقلی راستے مراد لئے ہیں جن کا تعلق بصیرت سے ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا (الآیۃ) (۳-۱۹۱)

میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

اصل میں یہ بَعِیْرٌ مَحْبُوْکُ الْقَوٰی۔ کے محاورہ سے مشتق ہے یعنی وہ اونٹ جس کے جوڑ بند نہایت مضبوط ہوں۔

اَلْاِحْتِبَاکُ (افتعال) کس کر اور مضبوطی سے باندھنا۔

۱؎ الحدیث باختلاف الفاظہ فی مسلم ۲ ر ۱۴۰) — من حدیث ابی ہریرۃ ۲؎ ای فی الآیۃ (۱۰۱ = ۷۸ و ۹) واَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ۔
۳؎ راجع للحدیث کنز العمال ۳ ر نمبر ۱۱۰۴، ۵؎ بجمیع مخارجہ و فیہ مثل للمفرط من جمع الدنیا ومنعہا من حقہا المیدانی ۲ ۲؎ فی روایۃ ما یقتل حبطًا غریب ابی عبید بخاری جہاد ونفاق مسلم زکاۃ الفائق ا ر ۲۵۶ ۴؎ وہم خمسۃ عامر سعد ربیعہ انمار عمرو (التاج) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ب ل)

اَلْحَبْلُ۔ کے معنی رسی کے ہیں قرآن میں ہے۔ فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۱۱۱-۵) اس کے گلے میں کھجور کی رسی ہوگی۔

پھر جو رگ بھی شکل وصورت میں رسی سے ملتی جلتی ہے اس لئے شہ رگ کو حَبْلُ الْوَرِیْدِ (۵۰-۱۶) اور حَبْلُ الْعَاتِقِ کہتے ہیں اور ریت کے لمبے ٹیلے کو حَبْلُ الرَّمْلِ کہا جاتا ہے استعارتاً حَبْلٌ کے معنی ملا دینا بھی آتے ہیں اور ہر وہ چیز جس سے دوسری چیز تک پہنچ جائے حَبْلٌ کہلاتی ہے اس لئے آیت کریمہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (۳-۱۰۳) اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا۔ میں حَبْلُ اللّٰہِ سے مراد قرآن پاک اور عقل سلیم وغیرہما اشیاء ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور عہد وپیمان کو بھی حَبْلٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ: ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (۳-۱۱۲) یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت کو دیکھو گے کہ ان سے چمٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ خدا اور (مسلمان) لوگوں کے عہد (معاہدہ) میں آجائیں۔ میں تنبیہ کیا گیا ہے کہ کافر کو اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے دو قسم کے عہد وپیمان کی ضرورت ہے ایک عہد الٰہی اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص اہل کتاب سے ہو اور کسی سماوی کتاب پر ایمان رکھتا ہو۔ ورنہ تو اسے اس کے دین پر قائم رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اسے ذمہ اورامان مل سکتا ہے دوسرا عہدنامہ ہے جو لوگوں کی جانب سے اسے حاصل ہو۔

اَلْحِبَالَۃُ خاص کر صیاد کے پھندے کو کہا جاتا ہے اس کی جمع حَبَائِلُ ہے۔ ایک حدیث میں ہے[1] (۷۱) اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ کہ عورتیں شیطان کے جال ہیں۔

اَلْمُحْتَبِلُ وَالْحَابِلُ پھندا لگانے والا۔ ضرب المثل ہے[2]۔ وَقَعَ حَابِلُھُمْ عَلٰی نَابِلِھِمْ یعنی انہوں نے آپس میں شروفساد پیدا کردیا یا ان کا اول آخر پر گھوم آیا۔

اَلْحُبْلَۃُ

(ح ت م)

اَلْحَتْمُ کے معنی قضاء مقدر کے ہیں[3]۔

اَلْحَاتِمُ کالا کوا جو اہل عرب کے خیال کے مطابق کائیں کائیں کرکے جدائی ڈال دیتا ہے۔

حَتّٰی (حرف)

کبھی تو الیٰ کی طرح یہ حرف جر کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے مابعد غایت ماقبل کے حکم میں داخل ہوتا ہے اور کبھی عاطفہ ہوتا ہے اور کبھی استیناف کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے اَکَلْتُ السَّمَکَۃَ حَتّٰی رَأْسَھَا (عاطفہ) رَأْسِھَا (جارہ) رَأْسُھَا (مستانفہ) قرآن میں ہے: لَیَسْجُنُنَّہٗ حَتّٰی حِیْنٍ (۱۲-۳۵) کچھ عرصہ کے لئے

---

[1] قال ابن مسعود راجع المیدانی ۲۰/۲۴۰ وفی الاحیاء ۳/۹۶ مرفوعًا وتمامہ: ولولا ہذہ الشہوۃ لما کان للنساء سلطنۃ علی الرجال قال العراقی فی تخریجہ الاصفہانی فی الترغیب والترہیب من حدیث خالد بن زید الجہنی باسناد فیہ جہالۃ [2] راجع للمثل اللسان والصحاح (حبل) [3] وفی التنزیل: وکان علی ربک حتمًا مقضیا (۱۹-۷۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں قید ہی کر دیں۔
حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۹۷-۵) طلوع صبح تک ...
جب یہ فعل مضارع پر داخل ہو تو اس پر رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں اور ان میں ہر ایک کی دو وجہ ہو سکتی ہیں نصب کی صورت میں حَتّٰی بمعنی (۱) اِلٰی اَنْ یا (۲) کَیْ ہوتا ہے اور مضارع کے مرفوع ہونے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حَتّٰی سے پہلے فعل ماضی آجائے جیسے:۔
مَشَیْتُ حَتّٰی اَدْخُلُ الْبَصَرَۃَ (یعنی میں چلا حتی کہ بصرہ میں داخل ہوا) دوسری صورت یہ ہے کہ حتی کا مابعد حال واقع ہو جیسے مَرِضَ حَتّٰی لَا یَرْجُوْنَہٗ (وہ بیمار ہوا اس حال میں کہ سب اس سے نا امید ہو گئے) اور آیت کریمہ:۔
حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ (۲-۲۱۴) یہاں تک کہ پیغمبر... پکار اٹھے۔ میں یَقُوْلَ پر رفع اور نصب دونوں منقول ہیں اور ان ہر دو قراءت میں دونوں معنی بیان کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ حتی کا مابعد اس کے ماقبل کے خلاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:۔
وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا۔ (۴-۴۳) اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کر لو۔ ہاں اگر بحالت سفر رستے چلے جا رہے ہو اور غسل نہ کر سکو تو تیمم سے نماز پڑھ لو۔
مگر کبھی اس طرح نہیں بھی ہوتا جیسے مروی ہے[1] (۷۱):۔
اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا۔ پس اس حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمہارے تھک جانے کے بعد ذات باری تعالیٰ بھی تھک جاتی ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کو کبھی ملال لاحق نہیں ہوتا۔

(ح ج ج)

اَلْحَجُّ (ن) کے اصل معنی کسی کی زیارت کا قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں شاعر نے کہا[2] (طویل) (۹۹) یَحُجُّوْنَ سِبَّ الزِّبْرِقَانِ الْمُعَصْفَرَا
وہ زبرقان کے زرد رنگ کے عمامہ کی زیارت کرتے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں اقامت نسک کے ارادہ سے بیت اللہ کا قصد کرنے کا نام حج ہے اَلْحَجُّ (بفتح الحا) مصدر ہے اور اَلْحِجُّ (بکسر الحا) اسم ہے اور آیت کریمہ:۔
یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ (۹-۳) میں حج اکبر سے مراد یوم نحر یا یوم عرفہ ہے۔ ایک روایت میں ہے[3] (۷۲):۔
اَلْعُمْرَۃُ الْحَجُّ الْاَصْغَرُ عمرہ حج اصغر ہے۔
اَلْحُجَّۃُ اس دلیل کو کہتے ہیں جو صحیح مقصد کی وضاحت کرے اور نقیضین میں سے ایک کی صحت کی مقتضی ہو۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] قطعۃ من حدیث طویل لعائشۃ متفق علیہ وفی الموطا بلاغا راجع لشرحہ الزرقانی ار۳۴۳ ۲۴۴ ۲
[2] قالہ المخبل السعدی کما فی اللسان الکبیر للقتبی (۱: ۸۴) واصلاح لیعقوب ۳۷۲ وصدرہ واشہد من عوف حلالاً کثیرۃ وفی اللسان (سب) والطبری (۲: ۱۹۴) المزعفر بدل المعصفر قال فی ذیلہ ہکذا ورد البیت فی الاصول المطبوعۃ والمخطوطۃ لکن استدرک مصحح اللسان علی قول "بیت" وقال الصواب "سب" بسین مہملۃ مکسورۃ وباء موحدۃ ومعناہ العمامۃ وہو المناسب لقولہ المزعفر او المعصفر وقال قطرب معناہ الاست لانہ کان مقروفاً بالابنۃ راجع الجمہرۃ (۱: ۳۱) والخزانۃ (۳: ۴۸۲) وفیہ خلاف انظر السہیلی (۲: ۳۳۵) وتہذیب الالفاظ ۳۷۵ والبیت فی الغریب للقتبی ۴۲ والساجی ۸۱ لغیر عزو والبیان (۳: ۵۱) والسمط (۹) والصحاح والاساس والمحکم (حج) والتاج واللسان (سب)
[3] رواہ الشافعی فی الام (راجع الشوکانی ۱/۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (٦-١٤٩) کہہ دو کہ خدا ہی کی حجت غالب ہے۔

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ (٢-١٥٠) (یہ تاکید اس لئے رکھی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ لگا سکیں۔ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں۔

اس آیت میں ظالموں کے احتجاج کو حجۃ سے مستثنیٰ کیا ہے گو اصولاً وہ حجت میں داخل نہیں ہے پس یہ استثنا ویسا ہی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(١٠٠) وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ
بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

ان میں صرف یہ عیب پایا جاتا ہے کہ لشکروں کے ساتھ لڑنے سے ان کی تلواروں پر دندانے پڑے ہوئے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے اس احتجاج کو حجت قرار دینا ایسا ہی ہو۔ جیسا کہ آیت:۔

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ... (٤٢-١٦) اور جو لوگ خدا (کے بارے) میں بعد اس کے کہ اسے (مومنوں نے) مان لیا ہو جھگڑتے ہیں ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا جھگڑا لغو ہے۔

میں ان کے باطل جھگڑے کو حجت قرار دیا گیا ہے اور آیت کریمہ:۔

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (٤٢-١٥) اور ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں ہے۔

کے معنی یہ ہیں کہ ظہور بیان کی وجہ سے بحث و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْمُحَاجَّةُ۔ اس جھگڑے کو کہتے ہیں جس میں ہر ایک دوسرے کو اس کی دلیل اور مقصد سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

قرآن میں ہے:۔

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ (٦-٨٠) اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (٣-٦١) پھر اگر یہ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت الحال تو معلوم ہو ہی چکی ہے۔

لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ (٣-٦٥) تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔

هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ (٣-٦٦) دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا بھی مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں۔

وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ (٤٠-٤٧) اور جب وہ

---

[1] قالہ النابغۃ فی مدح ملوک غسان وہذا البیت مشہور اوردہ العلماء فی تصانیفہم وقد اورد العلماء البدیع شاہدا لتاکید المدح بما یشبہ الذم انظر لکلمۃ الفصل علی البیت الخزانۃ (٢: ٢٩٩) واللسان (فلل) وشواہد الکشاف ١٠ والکامل للمبرد (٤٨، ٣٠٠) والعمدۃ (٢: ١١٤) وذیلہ (١/ ٣١٦) ودیوانہ ٦ والصناعتین ٤٠٨ ومختار الشعر الجاہلی (١: ٨٠) والبحر (٥: ٧٢/٦: ٢٠٢/٣: ٥١٦) والکتاب (١/ ٣٦٧) ومحاضرات الراغب (٣: ١٥٦) والحیوان (٣: ٤٢٧) والعقد الثمین ٣ والصاحبی ٢٦٧ والمعانی الکبیر ٢٦م والسیوطی ٢١ (شواہد مغنی) ١٢

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوزخ میں جھگڑیں گے۔
اور حَجٌّ کے معنی زخم کی گہرائی ناپنا بھی آتے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] ع (البسیط)

یَحُجُّ مَأْمُومَةً فِیْ قَعْرِهَا لَجَفٌ

وہ سر کے زخم کو سلائی سے ناپتا ہے جس کا قعر نہایت وسیع ہے۔

(ح ج ب)

اَلْحَجْبُ وَالْحِجَابُ (ن) کسی چیز تک پہنچنے سے روکنا اور درمیان میں حائل ہوجانا اور وہ پردہ جو دل اور پیٹ کے درمیان حائل ہے اسے "حجاب الجوف" کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ :۔ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ۔ (۷-۴۶) اور ان دونوں (بہشت اور دوزخ) کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ میں حجاب سے وہ پردہ مراد نہیں ہے جو ظاہری نظر کو روک لیتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد وہ آڑ ہے جو جنت کی لذتوں کو اہل دوزخ تک پہنچنے سے مانع ہوگی اسی طرح اہل جہنم کی اذیت کو اہل جنت تک پہنچنے سے روک دے گی جیسے فرمایا:۔
فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌۭ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (۵۷-۱۳) پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی اس کے باطن میں رحمت ہوگی اور بظاہر اس طرف عذاب ہوگا۔ اور آیت کریمہ :۔
مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (۴۲-۵۱) اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے۔ میں پردے کے پیچھے سے کلام کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں وہ ذات الٰہی کو دیکھ نہیں سکتا اور آیت کریمہ :۔
حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (۳۸-۳۲) کے معنی ہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا۔
اَلْحَاجِبُ دربان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ تک پہنچنے سے روک دیتا ہے۔
اور حَاجِبَانِ (تثنیہ) بھویں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ آنکھوں کے لئے بمنزلہ سلطانی دربان کے ہوتی ہیں۔
حَاجِبُ الشَّمْسِ سورج کا کنارہ اسلئے کہ وہ بھی بادشاہ کے دربان کی طرح پہلے پہل نمودار ہوتا ہے اور آیت کریمہ :۔
كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (۸۳-۱۵) کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے روز تجلی الٰہی کو ان سے روک لیا جائیگا (اس طرح وہ دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے) جس کے متعلق آیت کریمہ :۔ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ۔ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(ح ج ر)

اَلْحَجَرُ سخت پتھر کو کہتے ہیں اس کی جمع

---

[1] قالہ عذارۃ بن ورقۃ الطائی وتمامہ : فاست الطبیب قذاہا کالمغاریید۔ انظر التاج واللسان والمحکم (رج) والکامل للمبرد (۹۸، ۲۲۴) والمعجم للیاقوت (۱۵ : ۳۷-۴۷) حیث الکلام طویل علی البیت والحیوان (۳ : ۲۴) والمخصص ۱۳ : ۱۸۲ ولمعنی بالجزاء الطبیب یجزع من ہولہا فالقذی یتساقط من اسنتہ کالمغارید وہو جمع مغرود ومعناہ کما صغارہ قال القتبی فی المعانی ۹۷۷ یحج ای یصلح ولجف ان یذہب فی احدالناحیتین فالطبیب مما یری من ہولہا القذی اسنتہ کالمغارید وہذا آخر ما قیل فی شرح البیت ۱۲ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَحْجَارٌ وَحِجَارَةٌ آتی ہے اور آیت کریمہ:۔
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (۲-۲۴) جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ وہ پتھر گندھک کے ہوں گے۔ اور بعض نے یہی پتھر مراد لئے ہیں اور اس سے اس آگ کی ہولناکی پر تنبیہ کی ہے کہ وہ پتھروں اور انسانوں سے بھڑکائی جائے گی بخلاف دنیا کی آگ کے کہ یہ جلنے کے بعد پتھروں پر تھوڑا بہت اثر کرتی ہے لیکن انہیں جلانے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔
بعض نے کہا ہے کہ اس سے ایسے لوگ مراد ہیں جو حق کے قبول کرنے میں ایسے سنگدل ہیں جیسے پتھر چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:۔
فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً (۲-۷۴) گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔
اَلْحَجْرُ وَالتَّحْجِيْرُ کے معنی کسی جگہ پر پتھروں سے احاطہ کرنا کے ہیں کہا جاتا ہے۔ حَجَرْتُهُ حَجْرًا فَهُوَ مَحْجُوْرٌ وَحَجَّرْتُهُ تَحْجِيْرًا فَهُوَ مُحَجَّرٌ اور جس جگہ کے اردگرد پتھروں سے احاطہ کیا گیا ہو۔ اسے حِجْرٌ کہا جاتا ہے اس لئے حطیم کعبہ اور دیار ثمود کو حِجْرٌ کہا گیا ہے[1]۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ (۱۵-۸۰)
اور (وادی) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اور حِجْرٌ (پتھروں سے احاطہ کرنا) سے حفاظت اور روکنے کے معنی لے کر عقل انسانی کو بھی حِجر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی انسان کو نفسانی بے اعتدالیوں سے روکتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ (۸۹-۵)
(اور) بے شک یہ چیزیں عقلمندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں۔
مبرد (لغوی) نے کہا ہے کہ گھوڑی کو بھی حِجْرٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ پیٹ کے اندر حمل روکے رکھتی ہے۔ اور حِجْرٌ حرام چیز کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کا تناول ممنوع ہوتا ہے قرآن میں ہے:۔
وَقَالُوْا هٰذِهٖ أَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (۶-۱۳۸)
اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی حرام ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۲۵-۲۲) میں حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے جاہلیت کا دستور تھا جب کسی کے سامنے کوئی ایسا شخص آجاتا جس سے اذیت کا خوف ہوتا تو حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کہدیتا (یعنی ہم تمہاری پناہ چاہتے ہیں) یہ الفاظ سن کر دشمن اسے کچھ نہ کہتا، تو قرآن نے یہاں بیان کیا کہ کفار بھی (عذاب کے) فرشتوں کو دیکھ کر (حسب عادت) یہ الفاظ کہیں گے کہ شاید عذاب سے پناہ مل جائے[2]۔
اور آیت کریمہ:۔
وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۲۵-۵۳) اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط اوٹ بنا دی۔
میں حِجْرًا مَّحْجُوْرًا سے مراد ایسی مضبوط رکاوٹ ہے جو دور نہ ہو سکے۔
فُلَانٌ فِيْ حِجْرِ فُلَانٍ وہ فلاں کے زیر نگرانی

---

[1] ناحیۃ الشام عند وادی القری وہم قوم صالح النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما حَجْر (بالفتح) جیم مصروف (فقصبۃ الیمامۃ۔ [2] وبہذا فسر اللیث وابن جریج ورده الأزہری وقال ان علماء التفسیر الذی یعتمدون علی خلاف ذالک وقالوا ان ذالک کلہ من قول الملائکۃ راجع الطبری (۱۹: ۳) والتاج واللسان (حجر)۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے یعنی اس کی طرف سے اس کے مال اور دیگر اختیارات پر پابندی ہے اس کی جمع حُجُورٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ (۴-۲۳)

اور وہ لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو۔

حَجْرُ الْقَمِيصِ یعنی قمیص کا اگلا حصہ جس میں کوئی چیز رکھ لی جاتی ہے۔ اور حجر سے احاطہ کے معنی لے کر کہا جاتا ہے۔

حُجِرَتْ عَيْنُ الْفَرَسِ یعنی گھوڑی کی آنکھ کے گرداگرد داغ دیا گیا۔ حُجِرَ الْقَمَرُ۔ چاند کے گرد ہالہ ہونا۔

اَلْحُجُّوْرَةُ ایک قسم کا بچوں کا کھیل جو وہ خط مستدیر کھینچ کر کھیلتے ہیں۔ اسی سے مَحْجِرُ الْعَيْنِ کا محاورہ ہے جس کے معنی خانہ چشم کے ہیں۔

تَحَجَّرَ كَذَا کسی چیز کا پتھر کی طرح سخت ہو جانا۔

اَلْاَحْجَارُ بنی تمیم کے چند بطون (جو اس نام سے مشہور ہوئے) اَلْاَحْجَارُ کیونکہ ان کے بزرگوں کے نام جندل حجر اور صخر وغیرہ تھے۔[1]

(ح ج ز)

اَلْحَجْزُ (ن ض) کے معنی دو چیزوں کے درمیان روک اور حد فاصل بنانے کے ہیں کہا جاتا ہے حَجَزَ بَيْنَهُمَا ان کے درمیان حد فاصل قائم کردی جیسے فرمایا:۔

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (۲۷-۶۱) اور (کس نے) دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنادی۔

اور حجاز کو بھی حجاز اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ شام اور بادیہ کے درمیان حائل ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (۶۹-۴۷)

پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہیں ہے۔ میں حَاجِزِيْنَ اَحَدٍ کی صفت ہے کیونکہ احد کا لفظ معنی جمع ہے۔

نیز حجاز اس رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی کلائی میں ڈال کر اسے اس کی کمر کے ساتھ باندھ دیتے ہیں تاکہ بل نہ سکے۔ پھر حجز میں معنی منع کے پیش نظر اِحْتَجَزَ فُلَانٌ عَنْ كَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی کسی چیز کے رک جانے کے ہیں اِحْتَجَزَ بِإِزَارِهِ تہبند باندھنا۔ اسی سے حُجْزَةُ السَّرَاوِيلِ ہے جس کے معنی ازار بند کے نیفہ کے ہیں[2] مشہور محاورہ ہے۔ اِنْ اَرَدْتُمُ الْمُحَاجَزَةَ فَقَبْلَ الْمُنَاجَزَةِ یعنی ایک دوسرے کو روکنے اور صلح کا موقعہ لڑائی سے قبل ہوتا ہے[3]۔

حَجَازَيْكَ یعنی ان کے درمیان حائل ہو جایئے

(ح د د)

اَلْحَدُّ جو دو چیزوں کے درمیان ایسی روک جو ان کو باہم ملنے سے روک دے۔ حَدَدْتُ كَذَا میں نے فلاں چیز کے لئے حد تمیز مقرر کردی۔ حَدُّ الدَّارِ مکان کی حد جس کی وجہ سے وہ دوسرے مکان سے ممیز ہوتا ہے۔ حَدُّ الشَّيْءِ کسی چیز کا وہ وصف جو دوسروں

---

[1] كذا في اللسان والتاج (حجر) قال وأباهم عنى الشاعر بقوله: وكل أنثى حملت أحجارا [2] ومنه الحديث: وأنا آخذ بحجزكم [3] كذا في التاج (حجز) وفي الميداني المثل يروى عن أكثم بن صيفي قال أبو عبيد معناه: دع نفسك قبل لقاء من لا تقاومه (الميداني رقم ۱۴۹) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سے اسے ممتاز کردے اور زنا و شراب کی سزا کو بھی حد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس کا دوبارہ ارتکاب کرنے سے انسان کو روکتی ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنے سے روک دیتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ (۶۵-۱)...... (اور یہ خدا کی حدیں ہیں۔ جو خدا کی حدود سے تجاوز کرے گا۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (۲-۲۲۹) یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز مت کرو۔ اور آیت کریمہ:۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَنْ لَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (۹-۹۷) دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام (شریعت) خدا نے نازل فرمائے ہیں ان سے واقف (ہی) نہ ہوں۔

میں بعض نے حدود کے معنی احکام کئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ حقائق ومعانی مراد ہیں۔

جملہ حدود الٰہی چار قسم پر ہیں (۱) ایسے حکم جن میں نقص وزیادہ دونوں ناجائز ہوتے ہیں جیسے فرض نمازوں میں تعداد رکعات کو جو شارع علیہ السلام نے مقرر کردی ہیں ان میں کمی بیشی قطعاً جائز نہیں ہے (۲) وہ احکام جن میں اضافہ تو جائز ہو لیکن کمی جائز نہ ہو (۳) وہ احکام جو اس دوسری صورت کے برعکس ہیں یعنی ان میں کمی تو جائز ہے لیکن ان پر اضافہ جائز نہیں ہے۔ (۴)

اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۵۸-۲۰) جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ میں يُحَادُّوْنَ کے معنی اللہ رسول کی مخالفت کے ہیں اور اس مخالفت کو يُحَادُّوْنَ کہنا یا تو رد کرنے کے اعتبار سے ہے اور یا الحدید کے استعمال یعنی جنگ کی وجہ سے حَدِيْدٌ لوہا۔ قرآن میں ہے

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ (۵۷-۲۵) اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے۔

حَدَّدْتُ السِّكِّيْنَ میں نے چھری کی دھار تیز کی۔ اور اَحْدَدْتُهٗ اس کے لئے حد مقرر کردی پھر ہر وہ چیز جو بلحاظ خلقت یا بلحاظ معنی کے ایک ہو۔ جیسے نگاہ اور بَصِيْرَةٌ اس کی صفت میں الحدید کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے:۔

هُوَ حَدِيْدُ النَّظَرِ (وہ تیز نظر ہے) هُوَ حَدِيْدُ الْفَهْمِ (وہ تیز فہم ہے) قرآن میں ہے:۔

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (۵۰-۲۲) تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ اور جب زبان بلحاظ تیزی کے لوہے کی سی تاثیر رکھتی ہو تو صَارِمٌ وَمَاضٍ کی طرح اس کی صفت حدید بھی آجاتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (۳۳-۱۹) تو تیز زبانوں کے ساتھ تمہارے بارے میں تیز زبانی کریں۔ اور رد کرنے کے معنی کے پیش نظر دربان کو حَدَّادٌ کہا جاتا ہے اور بدنصیب اور محروم آدمی کو رَجُلٌ مَحْدُوْدٌ کہہ دیتے ہیں۔

(ح د ب)

حَدِبَ (س) حَدَبًا۔ اَلرَّجُلُ وَاحْدَوْدَبَ واحْدَدَبَ کبڑا ہونا۔ ہوسکتا ہے کہ حَدَبُ الظَّهْرِ کا لفظ اس مادہ میں بنیاد کی حیثیت رکھتا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدب کے معنی کبڑی پیٹھ کے ہیں۔ پھر تشبیہ کے طور پر لاغر اونٹنی کو جس کے سرینوں کی ہڈیاں نمایاں ہوں، ناقۃ حدباء کہہ دیتے ہیں اور اسی سے (مجازاً) بلند اور سخت زمین کو حدب کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (۲۱-۹۶)
اور وہ (یاجوج ماجوج) بلندی سے دوڑتے ہونگے۔

(ح د ث)

اَلْحُدُوْثُ (ن) کے معنی ہیں کسی ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے نہ ہو عام اس سے کہ وہ جوہر ہو یا عرض اور اِحْدَاث کے معنی ایجاد یعنی وجود میں لانا ہیں جواہر کا اِحْدَاث صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مُحْدَث (صیغہ صفت مفعول) ہر وہ چیز جو عدم سے وجود میں آئی ہو اور کسی چیز کا اِحْدَاث کبھی تو نفس شے کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی اس شخص کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ جسے وہ حاصل ہوئی ہو۔ جیسے: اَحْدَثْتُ مِلْكًا میں نے نیا ملک حاصل کیا، چنانچہ آیت کریمہ:۔

مَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ (۲۱-۲) ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے نہیں آتی۔ میں اسی دوسرے معنی کے اعتبار ذکر کو محدث کہا گیا ہے، اور ہر وہ قول و فعل جو نیا نیا ظہور پذیر ہوا ہو اسے بھی حُدُوث کہہ دیتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔ (۱۸-۷۰)
جب تک میں خود ہی پہل کر کے تجھ سے بات نہ کروں۔

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (۶۵-۱) شاید خدا اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے۔

ہر وہ بات جو انسان تک سماع یا وحی کے ذریعہ پہنچے اسے حدیث کہا جاتا ہے عام اس سے کہ وہ وحی خواب میں ہو یا بحالت بیداری، قرآن میں ہے:۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا (۶۶-۳) اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بی بی سے ایک بھید کی بات کہی۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (۸۸-۱) بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت کا) حال معلوم ہوا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (۱۲-۱۰۱) اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ میں احادیث سے رؤیا مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بھی حدیث کہہ کر پکارا ہے، چنانچہ فرمایا:۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ (۵۲-۳۴) تو ایسا کلام بنا لائیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ (۵۳-۵۹) (اے منکرین خدا) کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو۔

فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (۴-۷۸) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟۔

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (۶-۶۸) یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (۴۵-۶) تو یہ خدا اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ اور خدا سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھ کر بات کا سچا کون ہے۔

اور حدیث میں ہے[1] (۴۷) اِنْ یَّکُنْ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ مُحَدَّثٌ فَھُوَ عُمَرُ کہ اگر اس امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے اور محدث سے آپ کی مراد وہ شخص ہے جس کے دل پر ملأ اعلیٰ کی طرف سے القاء ہوتا ہو۔ اور آیت کریمہ:۔ فَجَعَلْنٰھُمْ اَحَادِیْثَ (۲۳-۱۹) تو ہم نے (انہیں نابود کرکے) ان کے افسانے بنا دیئے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی داستانیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ جو بطور مثال کے ذکر کی جاتی ہیں

اَلْحَدِیْثُ (ایضًا) تازہ پھل رَجُلٌ حَدُوْثٌ یعنی خوش گفتار آدمی۔ ھُوَ حِدْثُ النِّسَاءِ وہ عورتوں سے باتیں کرنے کا عادی ہے۔ حَادَثَہٗ وَتَحَدَّثَہٗ وَتَحَادَثُوْا باہم بات چیت کرنا صَارَ اُحْدُوْثَۃً وہ افسانہ بن چکا ہے۔ رَجُلٌ حَدَثٌ وَحَدِیْثُ السِّنِّ نوعمر آدمی۔ حَادِثَۃٌ مصیبت۔ اس کی جمع حَوَادِثُ آتی ہے

(ح د ق)

اَلْحَدِیْقَۃُ (مرغزار) وہ قطعہ زمین جس میں پانی جمع ہو اور ھیئت وصورت اور پانی کے ہونے کی وجہ سے اسے حَدَقَۃُ الْعَیْنِ (آنکھ کی پتلی) کے ساتھ تشبیہ دے کر اس پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع حَدَائِقُ آتی ہے قرآن میں ہے حَدَائِقَ ذَاتَ بَھْجَۃٍ (۲۷-۶۰) سرسبز باغ۔ اور حَدَقَۃٌ کی جمع حِدَاقٌ وَاَحْدَاقٌ آتی ہے۔ حَدَّقَ اِنْظُرْ گھور دیکھنا نظر جما کر دیکھنا حَدَقُوْا بِہٖ وَاَحْدَقُوْا۔ انہوں اس کے گرد احاطہ کرلیا یہ معنی بھی حدقۃ العین کے گھماتے سے لئے گئے ہیں۔

(ح ذ ر)

اَلْحَذَرُ (س) خوف زدہ کرنے والی چیز سے دور رہنا کہا جاتا ہے حَذِرَ حَذَرًا وَحَذِرْتُہٗ میں اس سے دور رہا۔ قرآن میں ہے:۔ یَحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ (۳۹-۹) آخرت سے ڈرتا ہے۔ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ (۲۶-۵۶) اور ہم سب باساز وسامان ہیں۔

ایک قرأت میں حَذِرُوْنَ ہے۔

ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ (۶۳-۴) یہ تمہارے دشمن ہیں ان سے محتاط رہنا۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (۶۴-۱۴) تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو۔

حَذَارِ۔ کسی امر سے محتاط رہنے کے لئے کہنا۔ قرآن میں ہے:۔ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ (۳-۲۸) اور خدا تم کو اپنے (غضب) سے محتاط رہنے کی تلقین کرتا ہے

اَلْحِذْرُ بچاؤ۔ اور آیت کریمہ:۔ خُذُوْا حِذْرَکُمْ (۴-۷۱) (جہاد کے لئے) ہتھیار لے لیا کرو۔ میں حِذْر سے مراد اسلحہ جنگ وغیرہ ہیں جن کے ذریعہ دشمن سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے

حَذَارِ اور اسم فعل بمعنی امر ہے جیسے مَنَاعِ بمعنی اِمْنَعْ

---

[1] اخرجہ البخاری من حدیث ابی ہریرۃ ولفظہ: لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمرؓ رواہ مسلم من حدیث عائشۃ انظر الفتح ۷: ۴۰ والیضا فی مناقب عمر وہناک الکلام علیہ وتخریج الاحیاء ۳: ۲۴ ومعناہ المستدرک للحاکم ۳/۸۶ عن عائشۃ والفائق (۲۴۳/۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ر ر)

اَلْحَرَارَۃُ یہ بَرُوْدَۃ کی ضد ہے اور حرارت دو قسم پر ہے (۱) وہ حرارت جو گرم اجسام سے نکل کر ہوا میں پھیل جاتی ہے جیسے سورج اور آگ کی گرمی (۲) وہ حرارت جو عوارض طبعیہ سے بدن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے محموم (بخار زدہ) کے بدن کا گرم ہونا کہا جاتا ہے۔

حَرَّ (س) حَرَارَۃً الیومُ او الرِّیحُ دن یا ہوا گرم ہو گئی۔ ایسے دن کو مَحْرُوْرٌ کہا جاتا ہے اسی طرح حَرَّ الرَّجُلُ کا محاورہ ہے قرآن میں ہے۔ لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (۹ - ۸۱) کہ گرمی میں مت نکلنا (ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔

اَلْحَرُوْرُ گرم ہوا۔ لو۔ ارشاد ہے: وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ (۳۵ - ۲۱) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ کی تپش۔ اِسْتَحَرَّ الْقَیْظُ گرمی سخت ہو گئی۔ اَلْحَرَرُ یبوست جو شدت پیاس کی وجہ سے جگر میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اَلْحَرَّۃُ (اسم مرۃ از حَرَّ) کہا جاتا ہے[1] (مثل)

حَرَّۃٌ تَحْتَ قِرَّۃٍ یعنی سخت پیاس سردی کے ساتھ (بد دعا) اَلْحَرَّۃُ (ایضًا) پتھر جو گرمی کی شدت سے سیاہ ہو جائے۔ اسی سے اِسْتَحَرَّ الْقَتْلُ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی کشت و خون کا معرکہ گرم ہونے کے ہیں۔

حَرُّ الْعَمَلِ کام کی شدت۔ صعوبت عمل۔ مشہور ہے (مثل) اِنَّمَا یَتَوَلّٰی حَارَّهَا مَنْ تَوَلّٰی قَارَّهَا .... جس نے اس کی ٹھنڈک سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہی اس کی گرمی برداشت کرے۔

اَلْحُرُّ یہ عبدٌ کی ضد کہا جاتا ہے حُرٌّ بَیِّنُ الْحُرُوْرِیَّۃِ او الْحُرُوْرَۃِ وہ آدمی جس کی شرافت نمایاں ہو حُرِّیَّۃٌ (آزادی)۔ یعنی آزادی دو قسم پر ہے۔ (۱) جو کسی کا غلام نہ ہو۔ جیسے فرمایا:۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ (۲ - ۱۷۸) کہ آزاد کے بدلے آزاد (۲) جیسے صفات ذمیمہ یعنی حرص لالچ دنیوی مال و متاع کا غلام نہ بنا دیں۔

ضد عبودیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا[2] (۷۲) تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو۔ شاعر نے کہا ہے[3] ع (

(۱۰۲) وَرِقُّ ذَوِی الْاَطْمَاعِ رِقٌّ مُخَلَّدٌ

حریص اور لالچی لوگ ہمیشہ غلام رہتے ہیں۔ مثل مشہور ہے (مثل) عَبْدُ الشَّهْوَۃِ اَذَلُّ مِنْ عَبْدِ الرِّقِّ کہ شہوت کا بندہ غلام سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

اَلتَّحْرِیْرُ کے معنی کسی انسان کو آزاد کرنے کے ہیں چنانچہ شریعت نے اول معنی کے پیش نظر فرمایا:۔ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیئے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے فرمایا: نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (۳ - ۳۵) جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں۔ چنانچہ بعض نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ اپنے اس لڑکے سے کسی قسم کا دنیوی فائدہ حاصل نہیں کریں گی جس کی طرف آیت:۔ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً (۱۶ - ۷۲) اس میں اشارہ پایا جاتا ہے بلکہ یہ خالص عبادت الٰہی کے لئے وقف رہے گا۔ اسی بنا پر شعبیؒ نے مُحَرَّرًا کے معنی مخلصًا کئے ہیں اور مجاہد نے مُحَرَّرًا کے معنی خادم مَعْبَد کئے ہیں۔ امام جعفر نے کہا ہے۔

---

[1] انظر فی (ق ر ر)، [2] ترجمہ یعنی ربیب؟ [3] لم اجدہ فی المراجع ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر امور دنیوی سے آزاد ہوگا لیکن تاَل کے لحاظ
سے سب کا ماحصل ایک ہی ہے ۔
حَرَرتُ الْقَوْمَ میں نے انہیں قید خانہ سے رہا کر دیا۔
حُرُّ الْوَجْہِ وہ شخص جو احتیاج کے پنجہ میں
گرفتار نہ ہوا ہو۔
حُرُّ الدَّارِ گھر کا درمیان
أَحْرَارُ الْبَقْلِ وہ ترکاریاں جو کچی کھائی جاتی ہیں۔
اور شاعر کا قول ؎ (الکامل)
(۱۰۳) جَادَتْ عَلَيْهِ كُلُّ بِكْرٍ حُرَّةٍ
موسم بہار کی پہلی موسلا دھار بارش نے اس پر
سخاوت کی ہے۔
بَانَتِ الْمَرْأَةُ بِلَيْلَةِ حُرَّةٍ ؏ شب زفاف کو شوہر
در آں بکارت نتواں زائل کرد) یہ سب استعارات ہیں۔
اَلْحَرِيرُ (ریشمی کپڑا) ہر ایک باریک کپڑے کو حریر کہا
جاتا ہے فرمایا: ۔
وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (۲۲ - ۲۳) وہاں ان
کا لباس ریشمی ہوگا۔

(ح ر ب)

اَلْحَرْبُ جنگ کارزار۔ اور فتحہ را کے
ساتھ لڑائی میں کسی کا مال چھیننے کے ہیں پھر ہر قسم
کے سلب کو حَرَبٌ کہا جاتا ہے اور حَرَبٌ معنوی
لحاظ سے حَرْب سے مشتق ہے کہا جاتا ہے ۔
حُرِبَ الرَّجُلُ اس کا سامان چھین لیا گیا فَهُوَ حَرِيبٌ

یعنی لٹا ہوا ۔ اَلتَّحْرِيبُ لڑائی کا بھڑکانا۔ رَجُلٌ
مِحْرَبٌ جنگجو گویا وہ لڑائی بھڑکانے کا آلہ ہے ۔
اَلْحَرْبَةُ برچھا ۔
اصل میں یہ حَرْبٌ یا حِرَابٌ سے نَعْلَةٌ کے
وزن پر ہے اور مسجد کے محراب کو محراب یا تو
اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شیطان اور خواہشات
نفسانی سے جنگ کرنے کی جگہ ہے اور یا اس
لئے کہ اس جگہ میں کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے
پر حق یہ ہے کہ دنیوی کاروبار اور پریشان خیالیوں
سے یک سو ہو جائے ۔
بعض کہتے ہیں کہ اصل میں محراب البیت صدر
مجلس کو کہتے ہیں اسی بنا پر جب مسجد میں امام
کی جگہ بنائی گئی تو اسے بھی محراب کہہ دیا گیا۔
اور بعض نے اس کے برعکس محراب المسجد کو
اصل اور محراب البیت کو اس کی فرع مانا ہے
اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ
(۳۴-۱۳) وہ جو چاہتے یہ ان کے لئے بناتے
یعنی محراب اور مجسمے ۔
اَلْحِرْبَاءُ گرگٹ کیونکہ وہ سورج کے سامنے
اس طرح بیٹھ جاتی ہے گویا اس سے جنگ
کرنا چاہتی ہے نیز زرہ کے حلقہ یا میخ کو بھی
صوری مشابہت کی بنا پر حِرْبَاءٌ کہا جاتا ہے
جیسا کہ ضَبٌّ اور كَلْبٌ کے ساتھ مشابہت کی

عنترة وتمامه: فتركن كل قرارة كالدرهم ـ وفي رواية الامالي (۲: ۷ ۲۹) عينٌ ثرّة بدل بكر حرة وحديقة بدل قرارة وكذا في
معلقته والعشر للتبريزي ۸ ۲۶) وفي شرح التبريزي ۸۰ اكما هنا والسمط ۵۴ ۹ والصحاح والسان (حر) والمحكم (حدق)
الكامل والصناعتين ۲۸۲ والمختار الشعر الجاهلي (۱: ۸۲) ونقده ۶ والبحر (۵: ۳۲۵/۱: ۱۲۰/۷: ۱۷۲) والحيوان (۲: ۳۱۲)
العقد الثمين ۴۵ وطراز المجالس ۱۶ وفي البيت بحث يتعلق بلفظ كل والبيت في ديوانه ۴۵ وابن هشام (۱: ۲۱۷) بحث كل و
المعجزة ۳۰ وابن الانباري ۲ ۱ ... الشعر الباقي للقيرواني والمعد ... ۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے اس کے بعض حصوں کو ضَبَّۃٌ اور کَلْبٌ
کہہ دیتے ہیں۔

(ح ر ث)

اَلْحَرْثُ (ن) کے معنی زمین میں بیج ڈالنے اور اسے زراعت کے لئے تیار کرنے کے ہیں اور کھیتی کو بھی حَرْث کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ۔ (۶۸-۲۲) کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو۔ اور کھیتی سے زمین کی آبادی ہوتی ہے اس لئے حرث بمعنی آبادی آجاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ (۴۲-۲۰) جو شخص آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہے اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔
اور ہم اپنی کتاب مکارم الشریعہ میں دنیا کے کھیتی اور لوگوں کے کسان ہونے اور اس میں بیج بونے کی کیفیت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔
ایک روایت میں ہے[1] (۲۷)
اَصْدَقُ الْاَسْمَاءِ الْحَارِثُ کہ سب سے سچا نام حارث ہے کیونکہ اس میں کسب کے معنی پائے جاتے ہیں ایک دوسری روایت میں ہے[2] (۷۵)
اُحْرُثْ فِیْ دُنْیَاکَ لِاٰخِرَتِکَ کہ اس دنیا میں آخرت کے لئے کاشت کر لو۔
حَرَثَ الْاَرْضَ زمین کاشت کرنا سے تشبیہ بھڑکانا کے معنی کے پیش نظر حَرَثْتُ النَّارَ کہا جاتا ہے یعنی میں نے آگ بھڑکائی اور جس لکڑی سے آگ کریدی جاتی ہے اسے مِحْرَث کہا جاتا ہے۔ کسی کا قول ہے[3]
اُحْرُثُوا الْقُرْاٰنَ یعنی قرآن کی خوب تحقیق سے کام لو۔ حَرَثَ نَاقَتَہٗ اونٹنی کو کام اور محنت سے دبلا کر دیا۔
حضرت معاویہ نے انصار سے دریافت کیا کہ تمہارے پانی کھینچنے والے اونٹ کیا ہوئے تو انہوں نے جواب دیا[4]:۔
حَرَثْنَاھَا یَوْمَ بَدْرٍ کہ ہم نے بدر کے دن انہیں دبلا کر دیا۔ اور آیت کریمہ:۔
نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ (۲-۲۲۳) تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔
میں استعارۃً عورتوں کو حَرْث کہا ہے کہ جس طرح زمین کی کاشت پر افراد انسانی کی بقا کا مدار ہے اس طرح نوع انسان اور اس کی نسل کا بقا عورت پر ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
یُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (۲-۲۰۵) اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے۔ دونوں قسم کی کھیتی کو شامل ہے۔

(ح ر ج)

اَلْحَرَجُ وَالْحَرَاجُ (اسم) کے اصل معنی اشیاء کے مجتمع یعنی جمع ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور جمع ہونے میں چونکہ تنگی کا تصور موجود ہے اسلئے تنگی اور گناہ کو بھی حَرَج کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے

---

[1] النہایہ (حرث)، [2] الحدیث ورد بالفاظ مختلفہ راجع النہایہ ا/۳۵۷ [3] عن حدیث عبداللہ بن مسعود النہایہ ا/۳۹ [4] راجع النہایہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا (۴-۶۵) اور ... اپنے دل میں تنگ نہ ہوں۔
وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (۲۲-۷۸) اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔
حَرِجَ (س) حَرَجًا۔ صَدْرُہٗ: سینہ تنگ ہو جانا۔ قرآن میں ہے:۔
یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا (۶-۱۲۵) اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔
ایک قرأت میں حَرِجًا ہے[1] یعنی کفر کی وجہ سے اس کا سینہ گھٹا رہتا ہے اس لئے کہ عقیدہ کفر کی بنیاد ظن پر ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کو کبھی سکون نفس حاصل نہیں ہوتا اور بعض کہتے ہیں کہ اسلام کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے جیسا کہ آیت خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (۲-۷) سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ (۷-۲) اس سے تم کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیئے۔ میں لَا یَکُنْ فعل نہی کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور ...... جملہ دعائیہ بھی۔ بعض نے اسے جملہ خبریہ کے معنی میں لیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔
اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (۹۴-۱) سے مفہوم ہوتا ہے۔
اَلْمُتَحَرِّجُ (صفت فاعلی) گناہ اور تنگی سے دور رہنے والا جیسے مُتَحَوِّبٌ۔ حُوْبٌ (یعنی گناہ) سے بچنے والا۔

(ح ر د)

اَلْحَرْدُ (ض) تیزی اور غصہ کے ساتھ کسی چیز کو روکنا۔ قرآن میں ہے۔ وَغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قَادِرِیْنَ (۶۸-۲۵) اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر ہیں۔ یعنی وہ اس بات پر قدرت رکھتے تھے کہ مسکینوں کو اپنے باغ میں آنے سے روک دیں۔
نَزَلَ فُلَانٌ حَرِیْدًا: یعنی فلاں قوم سے الگ تھلگ اترا۔ هُوَ حَرِیْدُ الْمَحَلِّ یعنی الگ تھلگ رہنے والا ہے۔ حَارَدَتِ السَّنَةُ یعنی امسال بارش نہیں ہوئی۔
حَارَدَتِ النَّاقَةُ اونٹنی نے دودھ روک لیا۔ (یعنی اس کا دودھ کم یا خشک ہو گیا) حَرِدَ (س) غضبناک ہونا۔ حَرَّدَهٗ کَذَا فلاں چیز نے اسے غضبناک کر دیا۔ بَعِیْرٌ اَحْرَدُ اونٹ جس کی اگلی ٹانگ کا پٹھا ڈھیلا ہو۔ اَلْحُرْدِیَّةُ سرکنڈے کا باڑہ۔

(ح ر س)

اَلْحَرَسُ وَالْحُرَّاسُ (جمع) پاسبان۔ اس کا واحد حَارِسٌ ہے[2]۔ قرآن میں ہے:۔
فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا (۷۲-۸) تو اس کو مضبوط چوکیداروں ...... سے بھرا ہوا پایا۔
اَلْحَرْسُ (ض) اور اَلْحَرْزُ کے جس طرح الفاظ ملتے جلتے ہیں ایسے ہی ان کے معنی بھی قریب قریب ایک ہی ہیں ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ حِرْزٌ

---

[1] قراءۃ ابن عباس وعمرؓ [2] قال فی التاج: والحرس ولا تقل حارس لانہ قد صار اسم جنس الا ان یذھب بہ الی معنی الحراسۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا استعمال زیادہ تر نقدی اور سامان کی حفاظت کے لئے آتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۱۰۴) فَبَقِيتُ حَرَسًا قَبْلَ مُجْرَى دَاحِسٍ
لَوْ كَانَ لِلنَّفْسِ اللَّجُوجِ خُلُودُ

میں داحس کی دوڑ سے پہلے اس کی حفاظت کرتا رہا کاش سرکش نفس کے لئے ہمیشہ رہنا ہوتا بعض نے کہا ہے کہ شعر میں حَرَسًا کے معنی دَهْرًا کے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر صرف اس شعر کی بنا پر حرس کے معنی زمانہ کے گئے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ شعر مذکور میں ہو سکتا ہے کہ حرس مصدر بمعنی فاعل موضع حال میں ہو ای بقیت حارسًا اب رہا اس کا زمانہ یا مدت کے معنی پر دلالت کرنا تو یہ لفظ حرس کے اصل معنی نہیں ہیں بلکہ مقتضائے کلام سے مفہوم ہوتے ہیں۔

اَحْرَسَ صاحب حراست ہونا اس میں صاحب ماخذ ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ باب افعال کا خاصہ ہے۔

حَرِيسَةُ الْجَبَلِ وہ مال جو رات کے وقت پہاڑ میں حفاظت کے لئے رکھا جاتا ہے[2]۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ الحریسۃ بمعنی مَحْرُوسَة ہے نیز اَلْحَرِيسَة بمعنی مسروقۃ بھی آجاتا ہے یعنی چوری کیا ہوا مال اور اس معنی میں باب حَرَسَ (ض) يَحْرِسُ حَرْسًا آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اَلْحَرِيسَة سے بنا ہے کیونکہ اہل عرب سے الحریسۃ کے معنی سَرِقَة یعنی چوری بھی منقول ہے۔

(ح ر ص)

اَلْحِرْصُ شدت آز یا فرط ارادہ۔

قرآن میں ہے:۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ (۱۶-۳۷) یعنی ان کی ہدایت کے لئے تمہارے دل میں شدید آرزو اور خواہش ہو۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ (۲-۹۶) بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے زندگی پر کہیں زیادہ حریص دیکھو گے۔

وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (۱۲-۱۰۳) اور بہت سے آدمی گو تم (کتنی ہی) خواہش کرو ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اصل میں یہ حَرَصَ الْقَصَّارُ الثَّوْبَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں دھوبی نے کپڑے کو پتھر پر مار مار کر اسے پھاڑ دیا۔

اَلْحَارِصَةُ وہ زخم جو جلد کو پھاڑ ڈالے۔

اَلْحَارِصَةُ وَالْحَرِيصَةُ اس بادل کو کہتے ہیں جو اپنی بارش سے زمین کی بالائی سطح کو کھرچ ڈالے۔

(ح ر ض)

اَلْحَرَضُ اس چیز کو کہتے ہیں جو نکمی ہو جائے اور در خور اعتناء نہ رہے اس لئے جو چیز قریب بہ ہلاکت ہو جائے اس کے متعلق حَرِضَ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا (۱۲-۸۵) یا تو قریب بہ ہلاکت

---

[1] قالہ لبید کما فی اللسان والتاج (حرس) والعمرین ۲۳ وفی روایۃ وغنیت سبتًا بدل لبقیت حرسًا وفی مجاز القرآن ۱/۲۸۹ رقم ۲۲ ۳ والمحکم والمرزوقی ۱۷۱ وعمرت حرسا والبیت فی دیوانہ (۱: ۲۵) واصلاح یعقوب وتہذیب الاصلاح (۱: ۱۶) مع آخر قبلہ والبحر (۱: ۲۴۰) [2] ومنہ فی الحدیث فی حریسۃ الجبل (التاج) لانہ لیس فی حرز ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاؤ گے۔ اور اَحْرَضَہٗ کے معنی گھلا دینے اور قریب بہ ہلاکت کر دینے کے ہیں۔
شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۱۰۵) اِنِّی امْرُءٌ نَابَنِی هَمٌّ فَاَحْرَضَنِی

میں وہ آدمی ہوں جسے تمہارے غم نے گھلا دیا ہے

اَلْحُرُضَۃُ گھٹیا قسم کا آدمی جو خود ایک دام بھی خرچ نہ کرے بلکہ جیئے بازی کا گوشت مفت کھانے کا عادی ہو۔

اَلتَّحْرِیْضُ کے معنی ازالہ حرض کے ہیں یعنی کسی چیز سے بگاڑ اور خرابی کو دور کر دینا جیسے کہ مَرَّضْتُہٗ اور قَذَّیْتُہٗ کے معنی مرض اور تنکے کو دور کرنے کے ہوتے ہیں۔

تَحْرِیْضٌ کے معنی کسی کو مزین کر کے اور سے آسان صورت میں پیش کر کے اس پر برانگیختہ کرنے کے ہیں[2]۔

اَحْرَضْتُہٗ (افعال) کسی چیز میں خرابی پیدا کر دینا جیسے :۔ اَقْذَیْتُہٗ (کسی چیز کو قذا آلود کرنا) ہوتے ہیں۔

(ح ر ف)

حَرْفُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کے کنارہ کے ہیں حَرْفٌ کی جمع اَحْرُفٌ وَحُرُوْفٌ آتی ہے اور پہاڑ، کشتی اور تلوار کے کنارہ کو حرف کہا جاتا ہے اور حُرُوْفُ الْھِجَا کے معنی اطراف کلمہ کے ہیں اور اصطلاح نحاۃ میں اَلْحُرُوْفُ الْعَوَامِلُ ان حروف کو کہا جاتا ہے جو کلموں کے اطراف میں واقع ہوتے ہیں اور ان کو باہم مرتبط کرتے ہیں اور حَرْفُ الْجَبَلِ یعنی پہاڑ کے کنارے اور بالائی میں حرف کے ساتھ تشبیہ دے کر لاغر اونٹنی کو حرف کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ

(۲۲-۱۱) اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو کنارے پر (کھڑا) ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں ـــ میں عَلٰی حَرْفٍ کے معنی خود قرآن نے ہی بعد میں فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ الآیۃ سے بیان کر دیئے ہیں یعنی جب تک اطاعت و عبادت میں کچھ دنیاوی فائدہ نظر آتا ہے کرتا رہتا ہے اور جب کوئی تکلیف نظر آتی ہے تو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور یہی معنی آیت :۔ مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ (۴-۱۴۳) کے ہیں۔

اِنْحَرَفَ عَنْ کَذَا وَتَحَرَّفَ کسی چیز سے کنارہ کرنا، ایک جانب مائل ہونا۔ اَلْاِحْتِرَافُ کوئی پیشہ اختیار کرنا

اَلْحِرْفَۃُ (فعلۃ) پیشہ، پیشے کی حالت جیسے قِعْدَۃٌ وَجِلْسَۃٌ۔

اَلْمُحَارَفُ۔ وہ شخص جو خیر سے محروم اور اس کے کنارہ پر ہو (کم نصیب)

اَلتَّحْرِیْفُ (الشَّیْءِ) کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک جانب مائل کر دینا جیسے تَحْرِیْفُ الْقَلَمِ قلم کو ٹیڑھا قط لگانا۔

اور تَحْرِیْفُ الْکَلَامِ کے معنی ہیں کلام کو اس

---

[1] قالہ العرجی عبد اللہ بن عمرو بن عبد اللہ بن عثمان حتی بلیت وحتی شفنی السقم۔ والبیت فی اللسان والصحاح والتاج (حرض) ومجاز القرآن ۱: ۲۱۷ رقم ۳۶۶ والطبری (۱۳: ۴۲) وفی روایۃ لج بی حب بدل نابنی ہم والقرطبی (۹: ۲۵۰) والشطر فی فتح الباری (۸: ۳۰۲) ولجع الترجمۃ الشاعر الاغانی (۱: ۳۸۳) والاشتقاق ۸۴ والسمط ۴۲۲ والبحر (۵: ۳۲۷) [2] وفی التنزیل حرض المؤمنین علی القتال (۸-۶۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے موقع و محل سے پھیر دینا کہ اس میں دو احتمال پیدا ہو جائیں۔ قرآن میں ہے۔[1]

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (۵-۱۳) یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (۵-۴۱) ہے یعنی ان کے محل اور صحیح مقام پر ہونے کے بعد۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ (۲-۷۵) (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام خدا (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو (جان بوجھ کر) بدل دیتے رہے ہیں۔

اَلْحِرْفُ۔ وہ چیز جس میں تلخی اور حرارت ہو گویا وہ حلاوت اور حرارت سے پھیر دی گئی ہے۔ طَعَامٌ حِرِّيفٌ چرچراہٹ والا کھانا۔ ایک روایت میں ہے[2] (۷۶)

نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اس کی تحقیق ہمارے رسالہ المنبهة علی فوائد القرآن میں ملے گی۔[3]

(ح ر ق)

اَحْرَقَ كَذَا۔ (کسی چیز کو جلانا) اِحْتَرَقَ (جلنا) اَلْحَرِيقُ (آگ) قرآن میں ہے:-

ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (۳-۱۸۱) کہ عذاب (آتش) سوزاں کے مزے چکھتے رہو۔

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ (۲-۲۶۶) تو (ناگہاں) اس باغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے اور وہ جل (کر راکھ کا ڈھیر ہو) جائے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ (۲۱-۶۸) (تب) وہ کہنے لگے.... تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

لَنُحَرِّقَنَّهُ (۲۰-۹۷) ہم اسے جلا دیں گے۔ ایک قرأت میں لَنَحْرُقَنَّهُ ہے۔[4] پس حَرْقُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز میں بغیر اشتعال کے جلن پیدا کرنے کے ہیں جیسے دھوبی کے پٹخنے سے کپڑے کا پھٹ جانا۔

حَرَقَ (ن) الشَّيْءَ ریتی سے رگڑنا اسی سے حَرَقَ النَّابَ کا محاورہ ہے جس کے معنی دانت پیسنے کے ہیں۔ محاورہ ہے۔ يَحْرُقُ عَلَيَّ الْأُرَّمَ یعنی وہ مجھ پر دانت پیستا ہے۔

حَرِقَ الشَّعْرُ۔ بالوں کا منتشر ہونا۔

مَاءٌ حُرَاقٌ بہت کھاری پانی جو کھاری پن سے جلا ڈالے۔ اَلْإِحْرَاقُ کسی چیز کو جلانا اسی سے استعارۃً جب کہ بہت زیادہ ملامت کر کے اذیت پہنچائے تو کہا جاتا ہے۔ أَحْرَقَنِي بِلَوْمِهِ یعنی اس نے مجھے ملامت سے جلا ڈالا۔

---

[1] کذا فی غریب ابی عبید ۳/۱۵۹-۱۶۲ وتمامه کلها شاف کاف۔ وبعضهم یرویه فاقرؤا کما علمتم راجع الفائق ۱/۲۲۴ والصحیح انزل بدل نزل والحدیث باختلاف الفاظه فی (حم ق) عن عباس والسجزی فی الابانة عن زید بن ثابت (حب) عن عمرو بن العاص (د ت) عن ابی بن کعب (حم طب) عن عبادة بن الصامت (حم م ک) عن ابی بکرة و عمر (حم) عن ابی جهیم (حم ف) عن ابی (حم) عن حذیفة (طب) عن معاذ وعن ابن مسعود وابی الضریس عن ابن عباس وابن جریر عن ابن مسعود وابن عمر (حم) وابن جریر (طب) و ابونصر السجزی فی الابانة راجع کنز العمال ۲۷۰: ۱۸۶-۲۲۵ وفی بعضها ثلاثة احرف وفی بعضها اربعة احرف لکن حدیث سبعة اکثر طرقا صحیح فلها الاعتبار۔ [2] وهی قراءة علی رضی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ر ك)

اَلْحَرْكَۃُ یہ سکون کی ضد ہے اور جسم کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جسم کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو حرکت کہا جاتا ہے اور کبھی کسی چیز میں تغیر ہونے یا اس کے اجزاء میں کمی بیشی واقع ہونے پر بھی تحرک کذا کہہ لیتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ (۷۵-۱۶) اور (اے محمد) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو۔

(ح ر م)

اَلْحَرَامُ وہ ہے جس سے روک دیا گیا ہو خواہ یہ ممانعت تسخیری یا جبری، یا عقل کی رو سے ہو اور یا پھر شرع کی جانب سے ہو اور یا اس شخص کی جانب سے ہو جو حکم شرع کو بجالاتا ہے پس آیت کریمہ:۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (۲۸-۱۲) اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر (دودھ پلانے والیوں کے) دودھ حرام کر دیئے تھے۔ میں حرمت تسخیری مراد ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا (۲۱-۹۵) اور جس بستی (والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ (وہ دنیا کی طرف رجوع کریں۔

کو بھی اسی معنی پر حمل کیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک آیت فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (۵-۲۶) کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔

میں بھی تحریم تسخیری مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ منع جبری پر محمول ہے اور آیت کریمہ:۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (۵-۷۲) جو شخص خدا کے ساتھ شرک کرے گا۔ خدا اس پر بہشت کو حرام کر دے گا۔

میں بھی حرمت جبری مراد ہے اسی طرح آیت:۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۷-۵۰) کہ خدا نے بہشت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

میں تحریم بواسطہ منع جبری ہے اور حرمت شرعی جیسے (۷۷) آنحضرت نے طعام کی طعام کے ساتھ بیع میں تفاضل کو حرام قرار دیا ہے[1]۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ (۲-۸۵) اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلا دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا۔

میں بھی تحریم شرعی مراد ہے کیونکہ ان کی شریعت میں یہ چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ نیز تحریم شرعی کے متعلق فرمایا:۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ (۶-۱۴۵) الآیۃ کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا حرام نہیں پاتا۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ (۶-۱۴۶) اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے۔

---

[1] متفق علیہ من حدیث عمر بن الخطاب و رواہ النسائی و ابن ماجۃ و ابوداؤد من حدیث عبادۃ بن الصامت راجع النیل ۵/۲۰۴۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَوْطٌ مُّحَرَّمٌ بے دباغت چمڑے کا کوڑا۔ گویا دباغت سے وہ حلال نہیں ہوا جو کہ حدیث[1] كُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ کا مقتضی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مُحَرَّمٌ اس کوڑے کو کہتے ہیں جو نرم نہ کیا گیا ہو۔

اَلْحَرَمُ کو حرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے اس کے اندر بہت سی ایسی چیزیں حرام کر دی ہیں جو دوسری جگہ حرام نہیں ہیں اور یہی معنی الشھرالحرام کے ہیں رَجُلٌ حَرَامٌ وَ مُحْرِمٌ یعنی وہ شخص جو حالت احرام میں ہو اس کے بالمقابل رَجُلٌ حَلَالٌ وَّ مُحِلٌّ ہے اور آیت کریمہ۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (۶۶-۱) کے معنی یہ ہیں کہ تم اس چیز کی تحریم کا حکم کیوں لگاتے ہو جو اللہ نے حرام نہیں کی کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام نہ کی ہو وہ کسی کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہو جاتی جیسا کہ آیت:۔ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا الآيَة (۶-۱۳۸) اور (بعض) چارپائے ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا حرام کر دیا گیا ہے۔ میں مذکور ہے۔

اور آیت کریمہ:۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (۲۹-۲۷) بلکہ ہم (برگشتہ نصیب) بے نصیب ہیں ان کے محروم ہونے سے بدنصیبی مراد ہے۔

اور آیت کریمہ: لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (۵۱-۱۹) مانگنے والے اور نہ مانگنے (دونوں) میں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو خوشحالی اور وسعت رزق سے محروم ہو اور بعض نے کہا ہے المحروم سے کتا مراد ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ محروم کتے کو کہتے ہیں جیسا ان کی تردید کرنے والوں نے سمجھا ہے بلکہ انہوں نے کتے کو بطور مثال ذکر کیا ہے کیونکہ عام طور پر کتے کو لوگ دور ہٹاتے ہیں اور اسے کچھ نہیں دیتے۔

اَلْمَحْرُمَةُ وَالْمَحْرَمَةُ کے معنی حرمت کے ہیں۔

اِسْتَحْرَمَتِ الْمَاعِزُ بکری نے نر کی خواہش کی یہ حُرْمَةٌ سے ہے جس کے معنی بکری کی جنسی خواہش کے ہیں۔

(ح ر ی)

حَرَى (ض) الشَّيْءُ وَتَحَرَّاهُ کے معنی کسی چیز کے تحری یعنی جانب کا قصد کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا (۷۲-۱۴) یہی لوگ ہیں جنہوں نے سیدھی راہ کا قصد کیا۔ اور حَرَى الشَّيْءُ حَرْيًا کے معنی کسی چیز کے کم ہونے کے ہیں گویا وہ ایک جانب پڑی رہی اور بیچ میں نہیں شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۱۰۶) وَالْمَرْءُ بَعْدَ تَمَامِهِ يَحْرِي۔

---

[1] اخرجہ بہذا اللفظ الطبرانی عن ابن عباس والمعروف من لفظ الحدیث ایما بدل کل (راجع رحم، ت، ن، ۵ والمسلم عن ابن عباس وکذا فی مسند احمد ورواہ الشافعی وابن حبان والدارقطنی ورواہ الخطیب فی تلخیص المتشابہ من حدیث جابر وفی روایۃ الدارقطنی عن عائشۃ مرفوعا طہور کل ادیم دباغہا راجع النیل (۱: ۵۷) وکنز العمال ۹ رقم ۲۱۴۴، ۲۱۲۹ بالفاظ وطرق

[2] لسلمۃ بن عویۃ بن ربیعۃ الضبی من قصیدۃ طویلۃ وصدرہ حتی کانی خاتل قنصا ونسبہ المرتضی (۱: ۲۴۴) عن الجاحظ لذی الاصبع ونسبہ القالی (۲: ۱۴۶) ۲ ابیاتا لسلمی بن غزیہ قال الاستاذ المیمنی وہو غویۃ بن سلمی انظر السمط ۳۲۲ ومجالس ثعلب (۱: ۲۴۵ واللالئ ۹۷ وقد ذکرہ المرزبانی فی معجمہ فی حرف العین المہملۃ وذال لایقال غویہ بالمعجمۃ وفی البحتری ۲۹۶ لغزیہ بن سلمی ٭

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کامل ہونے کے بعد ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے
رَمَاہُ اللّٰہُ بِاَفْعٰی حَارِیَۃٍ [۱] (مثل)
واللہ تعالیٰ اس پر بوڑھا اژدہا مسلط کرے۔

(ح ز ب)

اَلْحِزْبُ وہ جماعت جس میں سختی اور شدت پائی جائے۔ قرآن میں ہے:۔
اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا (۱۸-۱۲)
دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔
اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ (۵۸-۱۹) یہ جماعت شیطان کا لشکر ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ (۳۳-۲۲)
اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا۔
میں احزاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو مختلف قبائل سے آنحضرت کے خلاف جنگ کے لئے جمع ہو گئے تھے اور آیت کریمہ:۔
فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۵-۵۶)
اور خدا کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔
میں حزب اللہ سے انصار اللہ یعنی دین الٰہی کی مدد کرنے والے لوگ مراد ہیں۔
یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْھَبُوْا وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّھُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ (۳۳-۲۰) خوف کے سبب خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر لشکر آ جائیں تو تمنا کریں کہ (کاش) گنواروں میں جا رہیں۔

اس کے بعد تھوڑا سا آگے چل کر فرمایا:۔
وَلَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ (۳۳-۲۲)

(ح ز ن)

اَلْحُزْنُ وَالْحَزَنُ کے معنی زمین کی سختی کے ہیں۔ نیز غم کی وجہ سے جو بیقراری سی طبیعت کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اسے بھی حُزْنٌ یا حَزَنٌ کہا جاتا ہے اس کی ضد فَرَحٌ ہے اور غم میں چونکہ خشونت کے معنی معتبر ہوتے ہیں اس لئے غم زدہ ہونے کے لئے خَشُنَتْ بِصَدْرِہٖ بھی کہا جاتا ہے۔
حَزِنَ (س) غمزدہ ہونا۔ حَزَنَہٗ (ن) وَاَحْزَنَہٗ غمگین کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
لِکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ (۳-۱۵۳)
تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے...... اس سے تم اندوہناک نہ ہو۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (۳۵-۳۴) کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔
تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا (۹-۹۲) تو وہ لوٹ گئے اور..... ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (۱۲-۸۶) کہ میں تو اپنے غم و اندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَا تَحْزَنُوْا (۳-۱۳۹) اور نہ کسی طرح کا غم کرنا۔
اور لَا تَحْزَنْ (۹-۴۰) کہ غم نہ کرو۔

---

[۱] انظر السمط ۹۴ والقالی ۲/۱۷۲، ۱۷۰ وذیل اللالی ۵ د فی مبحث "دعاء العرب" قال والجاریۃ التی رجع سمہا فیہا فاحرتہا فہو اشد لضربتہا والمیدانی ۱/۲۷۱، ۲۰۸، ۲۸۲ والحیوان ۴/۲۴۴ والمثل فی جل المعاجم ❊ ❊ ❊ ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اندوہگین ہونے سے منع نہیں کیا ہے اسلئے
کہ مغموم ہونا کسی انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے۔
جس سے منع کرنے کی ضرورت پیش آئے بلکہ یہاں
دراصل ان کاموں کے کرنے سے منع کرنا مقصود
ہے جو غم و اندوہ کا باعث بنتے ہیں اسی معنی کیطرف
اشارہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے[1] ع (
(۱۰۸) مَنْ سَرَّهٗ اَنْ لَا یَرٰی مَا یَسُوْءُهٗ
فَلَا یَتَّخِذْ شَیْئًا یُبَالِیْ لَهٗ فَقْدًا
(جسے یہ اچھا لگتا ہے کہ کوئی چیز اسے غمگین نہ کرے
تو وہ ایسی چیز حاصل نہ کرے جس کے گم ہونے کا
اندیشہ ہو نیز انسان کو دنیا کے نظام پر غور کرنا
چاہیئے (کہ یہاں کس طرح سلسلہ اضداد قائم ہے)
تاکہ جب اس پر اچانک کوئی مصیبت آپڑے تو
اس سے زیادہ پریشان نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے
کہ انسان معمولی مصیبتیں برداشت کرنے کا عادی
بن جائے تاکہ بڑے مصائب کو بھی برداشت کرسکے

(ح س س)

اَلْحَاسَّةُ اس قوۃ کو کہتے ہیں جس سے عوارض
حِسِّیَۃ کا ادراک ہوتا ہے اس کی جمع حَوَاسٌّ
ہے جس کا اطلاق مشاعر خمسہ (یعنی سمع، بصر، شم، ذوق
اور لمس) پر ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے:۔
حَسَسْتُ (ن) وَحَسِیْتُ وَاَحْسَسْتُ
محسوس کرنا اور اَحْسَسْتُ (افعال) دو طرح
استعمال ہوتا ہے۔
(۱) قوت حس سے کسی چیز تک پہنچنا (محسوس کرنا)
جیسے عَنْتُهٗ وَ رُعْتُهٗ۔
(۲) کسی کے حاسہ پر مارنا۔ جیسے کَبَدْتُهٗ وَفَادْتُهٗ۔
اور حاسہ پر مارنے سے کبھی انسان قتل ہوجاتا ہے۔
اس لیے حَسَسْتُهٗ بمعنی قَتَلْتُهٗ آجاتا ہے
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
(اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ) (۳-۱۵۲) جب کہ تم
کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔
اور حَسِیْس بمعنی قتیل بھی آتا ہے اور اسی سے
پکی ہوئی جراد کو جَرَادٌ مَحْسُوْسٌ کہا جاتا ہے۔
عرب لوگ کہتے ہیں حَسَّ الْبَرْدُ النَّبَاتَ پالے
نے نبات کو جلا ڈالا۔ اِنْحَسَّتْ اَسْنَانُهٗ اس
کے دانت گر گئے۔ اور حَسِسْتُ (س)
فَهِمْتُ وَعَلِمْتُ کے ہم معنی ہے مگر یہ صرف
اسی چیز کے متعلق بولا جاتا ہے جو بذریعہ حواس کے
معلوم ہو۔ اور حَسِیْتُ میں ایک سین کو یا سے
تبدیل کردیا گیا ہے اور اَحْسَسْتُهٗ کے اصل
معنی بھی کسی چیز کو محسوس کرنے کے ہیں اور اَحَسْتُ
بھی اَحْسَسْتُ ہی ہے مگر اس میں ایک سین
کو تخفیفاً حذف کردیا گیا ہے جیسا کہ ظَلْتُ (میں
ایک لام محذوف ہے) اور آیت کریمہ:۔
فَلَمَّا اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ (۳-۵۲)
جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کی طرف سے نافرمانی
(اور نیت قتل) دیکھی۔
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے
اسقدر برملا طور پر کفر کیا کہ عقل و فہم کی بجائے
وہ ہر ایک کو محسوس ہورہا تھا اور یہی معنی آیت:۔
فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَا اِذَا هُمْ مِنْهَا یَرْکُضُوْنَ۔
(۲۱-۱۲) جب انہوں نے ہمارے (مقدمہ
عذاب) کو دیکھا تو لگے اس سے بھاگنے۔
میں مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

---

[1] قال عبداللہ بن عبداللہ بن طاہر (عدہ الثعالبی فی خاص الخاص ۱۰۷ من ظرائف شعر) وقبلہ الم تران الدہر یہدم ما بنی۔ ویأخذ ما اعطی ویفسد ما اسدی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ (۱۹-۹۸) کے معنی یہ ہیں کہ کیا تم کسی کو بھی ان میں سے محسوس کرسکتے ہو۔
اَلْحَسِيْسُ وَ الْحِسُّ۔ حرکت، آہٹ کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا (۲۱-۱۰۲) (یہاں تک کہ اس کی آہٹ بھی تو نہیں سنیں گے۔
اَلْحُسَاسُ سوء خلق یہ زکام وسُعال کی طرح (فعال) کے وزن پر ہے (جو بیماری یا عیب کے معنی کے ساتھ خاص ہے)

(ح س ب)

اَلْحِسَابُ کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں کہا جاتا ہے۔ حَسَبْتُ (ض) اَحْسِبُ حِسَابًا وَ حُسْبَانًا۔ قرآن میں ہے :۔
لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (۱۷-۱۲) اور برسوں کا شمار اور حساب جان لو۔
وَجَاعِلُ الَّيْلِ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا[1] (۶-۹۶) اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ ان کے حُسْبَان ہونے کی حقیقت خدا ہی جانتا ہے اور آیت کریمہ :۔
وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ (۱۸-۴۰) اور وہ (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ حُسْبَانًا کے معنی آگ اور عذاب کے ہیں اور حقیقت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس پر محاسبہ کیا جائے اور پھر اس کے مطابق بدلہ دیا جائے۔ حدیث میں ہے[2] (۷۷) آنحضرت نے آندھی کے متعلق فرمایا :۔
اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا وَّحُسْبَانًا کہ الٰہی! اسے عذاب یا حُسْبَان نہ بنا اور آیت کریمہ :۔
فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا (۶۵-۸) تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا۔ میں حدیث[3] (۷۸) مَنْ نُوْقِشَ فِى الْحِسَابِ عُذِّبَ (کہ جس سے حساب میں سختی کی گئی اسے ضرور عذاب ہوگا) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیت کریمہ :۔
اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ (۲۱-۱) لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آپہنچا (اپنے مضمون میں) وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ کی طرح ہے اور آیت کریمہ :۔ وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (۶۹-۲۶) اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اور آیت :۔ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (۶۹-۲۰) مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (وکتاب) ضرور ملے گا۔
میں "ہ" وقف کی ہے جیسا کہ مَالِيَهْ وَسُلْطَانِيَهْ میں ہے :۔
اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۱۵-۵۱) بیشک خدا جلد حساب لینے والا ہے۔
اور آیت کریمہ :۔

---

[1] ہی قراءۃ الاکثر و فی قراءۃ الکوفیۃ جعل (فعل ماضی) وکلا ہما قراءتان مستفیضتان (الطبری ۷/۲۸۳ والدانی ۱۰۵) وحُسْبانا جمع حساب مثل شہاب وشہبان قالہ الاخفش (والفتح للشوکانی ۲) ایضًا ابو عبیدہ فی مجازہ ۱/۲۰۱) وقیل ہو مصدر (الطبرسی ۷/۱۳۸)
[2] راجع غریب ابی عبید ۱/۲۰۱ وابو داؤد (جنائز) والترمذی (فی التفسیر والمستدرک ۲/۸۴ [3] من حدیث عائشۃ و فی المطبوع مقذب والتصحیح من الاصول راجع للحدیث ومحاورۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتح للحافظ ۱۱/۱۹۱-۱۹۲ ذ الحدیث فی الفائق ۲/۲۸۸ والنہایۃ واصلہ من الصحیحین ۱۲ :

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا (۷۸-۳۶)
یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انوام کثیرہ میں بعض نے کہا ہے کہ حِسَابًا کے معنی کافیا کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت :- وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳-۳۹) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیت کریمہ :-
وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۲-۲۱۲)
اور خدا جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔ میں بغیر حساب کی متعدد توجیہات ہوسکتی ہیں۔

(۱) استحقاق سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔

(۲) جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور پھر اس سے واپس نہیں لیتا۔

(۳) اس قدر عطا فرماتا ہے کہ انسان کے لئے اس کا احصاء ممکن نہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے (۱۰۹) عَطَايَاهُ يُحْصٰى قَبْلَ اِحْصَائِهَا الْقَطْرُ کہ بارش کے قطروں سے بھی اس کے عطایا زیادہ ہو جاتے ہیں۔

(۴) بغیر کسی تنگی کے دیتا ہے اور یہ حَاسَبْتُهٗ سے ہے جس معنی ضَايَقْتُهٗ یعنی تنگی کرنا آتے ہیں۔

(۵) لوگوں کے عام اندازہ سے کہیں زیادہ دیتا ہے۔

(۶) اپنی مصلحت کے مطابق عطا فرماتا ہے نہ کہ لوگوں کے حساب کے مطابق جیسا کہ آیت :-
وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ (الآية) (۴۳-۳۳)
اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا سے انکار کرتے ہیں۔ میں تنبیہ فرمائی ہے۔

(۷) مومن کو جو کچھ دیتا ہے اس پر محاسبہ نہیں کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن دنیا میں بقدر کفایت حاصل کرتا ہے اور وہ بھی جائز طریقہ سے اور حسب ضرورت اور اسی طریق سے خرچ کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنے آپ پر محاسبہ بھی کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس سے اس طرح حساب نہیں لے گا جس سے کہ اسے نقصان پہنچے جیسا کہ حدیث میں ہے (۹۷) مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ فِي الدُّنْيَا لَمْ يُحَاسِبْهُ اللّٰهُ يوم القيامة. کہ جو شخص دنیا میں اپنے نفس پر محاسبہ کرتا رہے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہیں لے گا (یعنی جس سے کہ اسے نقصان پہنچے)

(۸) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے استحقاق سے زیادہ بدلہ عطا فرمائیگا۔ جیسے فرمایا :-
مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (۲-۲۴۵)
کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔

اور آیت کریمہ :-
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (۴۰-۴۰) تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔
بھی ان مذکورہ وجوہ (ثمانیہ) پر محمول ہوسکتی ہے

اور آیت کریمہ :-
هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۸-۳۹) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو تو احسان کرو یا رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے۔
میں بغیر حساب کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ اس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس شخص کی طرح تصرف کرو جسے محاسبہ کا خوف نہ ہو۔ یعنی (مومن کی طرح) واجب طریق سے بوقت ضرورت اور بقدر کفایت لیا کرو اور پھر اسی طریق سے خرچ کرتے رہو۔ اَلْحَسِیْبُ وَالْمُحَاسِبُ کے اصل معنی حساب لینے والا یا حساب کرنے والا کے ہیں۔ پھر حساب کے مطابق بدلہ دینے والے کو بھی حَسِیْب کہا جاتا ہے۔ (اور یہی معنی اللہ تعالیٰ کے حسیب ہونے کے ہیں) اور آیت کریمہ:۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (۴-۶) تو خدا ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے۔ میں حسیب بمعنی رقیب ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی نگہبانی کے لئے کافی ہے جو ان سے محاسبہ کرے گا۔

حَسْبُ (اسم فعل) بمعنی کافی۔ جیسے فرمایا:۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ (۹-۵۹) ہمیں خدا کافی ہے۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ (۵۸-۸) ان کو دوزخ ہی کی سزا کافی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (۶-۵۲) ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت:۔

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (۵-۱۰۵) اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ اور آیت:۔

وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ (۲۶-۱۱۲-۱۱۳) مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے۔ کے مفہوم کے مطابق ہے بعض نے آیت مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ان کو کافی ہونا تمہارا کام نہیں ہے۔ بلکہ تیرے اور ان کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ جیسا کہ آیت:۔ عَطَاءً حِسَابًا (۷۸-۳۶) میں حساب بمعنی کافی ہے اور یہ حَسْبِيْ كَذَا کے محاورہ سے لیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مِنْ حِسَابِهِمْ سے ان کے اعمال مراد ہیں یعنی ان کے اعمال کی وجہ سے تجھ پر گرفت نہیں ہوگی اور اعمال کو بلحاظ مآل کے حساب کہا گیا ہے۔

اِحْتَسَبَ ابْنًا لَّهُ یعنی اس نے اپنے بیٹے کی موت پر یہ سمجھ کر صبر کیا کہ اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملیگا۔ اور اس کے عمل کو حِسْبَةٌ کہا جاتا ہے اور آیات:۔

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ (۲۹-۲) کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ (۲۹-۴) کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (۱۴-۴۲) اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں خدا ان سے بے خبر ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ (۱۴-۴۷) تو ایسا خیال نہ کرنا کہ خدا نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (۲-۲۱۴) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

میں سب کا مصدر اَلْحِسْبَان ہے اور اَلْحِسْبَان کے معنی یہ ہیں کہ نقیضین میں سے کسی ایک کے بارے میں اس طرح حکم لگایا جائے کہ دوسری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا دل میں خیال تک بھی نہ آنے پائے اسی کو گنتی میں لائے اور اس پر ہی انگلی کو گرہ لگائے مگر اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہو اور یہی معنی تقریباً ظن کے ہیں مگر ظن کی صورت میں دونوں نقیضوں کا خیال لایا جاتا ہے اور پھر ایک کو دوسری پر غلبہ دیکر حکم لگایا جاتا ہے

(ح س د)

اَلْحَسَدُ (ن) کسی مستحق نعمت سے اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنے کا نام حسد ہے۔ بسا اوقات اس میں اسی مقصد کے لئے کوشش کرنا بھی شامل ہوتا ہے ایک روایت میں ہے (۸) اَلْمُؤْمِنُ یَغْبِطُ وَالْمُنَافِقُ یَحْسُدُ کہ مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے قرآن میں ہے:۔

حَسَدًا مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (۲-۱۰۹) اپنے دل کی جلن سے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (۱۱۳-۵) اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔

(ح س ر)

اَلْحَسْرُ (ن ض) کے معنی کسی چیز کو ننگا کرنے اور اس سے پردہ اٹھانے کے ہیں کہا جاتا ہے۔

حَسَرْتُ عَنِ الذِّرَاعِ میں نے آستین چڑھائی

اَلْحَاسِرُ بغیر زرہ یا بغیر خود کے۔

اَلْمِحْسَرَةُ

فُلَانٌ کَرِیْمُ الْمَحْسَرِ کنایہ یعنی نَاقَةٌ حَسِیْرٌ تھکی ہوئی اور کمزور اونٹنی۔ جس کا گوشت اور قوت زائل ہوگئی ہو اس کی جمع حَسْرَیٰ ہے۔

اَلْحَاسِرُ۔ تھکا ہوا۔ کیونکہ اس کے قویٰ ظاہر ہو جاتے ہیں عاجز اور درماندہ کو حَاسِرٌ بھی کہتے ہیں اور مَحْسُوْرٌ بھی حَاسِرٌ تو اس تصور کے پیش نظر کہ اس نے خود اپنے قویٰ کو ننگا کر دیا اور مَحْسُوْرٌ اس تصور پر کہ درماندگی نے اس کے قویٰ کو ننگا کر دیا۔ اور آیت کریمہ:۔

یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ (۶۷-۴) تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔

میں حَسِیْرٌ بمعنی حَاسِرٌ بھی ہوسکتا ہے اور مَحْسُوْرٌ بھی فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۱۷-۲۹) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

اَلْحَسْرَةُ۔ غم۔ جو چیز ہاتھ سے نکل جائے اس پر پشیمان اور نادم ہونا گویا وہ جہالت اور غفلت جو اس کے ارتکاب کی باعث تھی وہ اس سے دور ہوگئی یا فرط غم سے اس کے قویٰ ننگے ہوگئے یا اس کوتاہی کے تدارک سے اسے درماندگی نے پالیا قرآن میں ہے:۔

لِيَجْعَلَ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۳-۱۵۶) ان باتوں سے مقصود یہ ہے کہ خدا ان لوگوں کے دلوں میں افسوس پیدا کردے۔

وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۶۹-۵۰) نیز یہ کافروں کے لئے (موجب) حسرت ہے۔

يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (۳۹-۵۶) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی۔

---

(۸) کذا ذکر الغزالی فی الاحیاء مرفوعًا قال العراقی فی تخریجہ (۳ ر ۱۸۹) لم اجد لہ اصلًا مرفوعًا وانما ھو من قول الفضیل بن عیاض ذکرہ ابن ابی الدنیا فی ذم الحسد راجع لمعنی الحسد والغبطۃ النہایۃ تحت حدیث لاحسد فی اثنین الخ (ا ر ۳۸۳) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ (۲-۱۶۷) اسی طرح خدا ان کے اعمال انہیں حسرت بنا کر دکھائے گا۔
يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ج (۳۶-۳۰) بندوں پر افسوس ہے۔
اور فرشتوں کے متعلق فرمایا:۔
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (۲۱-۱۹) وہ اس کی عبادت سے نہ کنیاتے ہیں اور نہ درماندہ ہوتے ہیں۔ اس میں لَا يَحْسِرُوْنَ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

(ح س م)

اَلْحَسْمُ (ض) کے معنی کسی چیز کے نشان کو زائل کرنے اور مٹا دینے کے ہیں کہا جاتا ہے:۔
قَطَعَهٗ فَحَسَمَهٗ یعنی اسے قطع کیا اور پھر اس کا نشان تک مٹا دیا۔ پھر اس اعتبار سے تلوار کو حُسَام کہا جاتا ہے۔
حَسَمَ الدَّاءَ زخم کو مسلسل داغ دے کر اس کے نشان کو مٹا دینا اور جب نحوست انسان کے نشان کو مٹا ڈالے تو کہا جاتا ہے نَالَہٗ حُسُوْمٌ
اور آیت کریمہ:۔
ثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا (۶۹-۷) آٹھ دن لگاتار۔ میں بعض نے کہا ہے کہ ان کے گھروں کے نشانات مٹا دینے والی ریح مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نام و نشان مٹا دینے والی مراد ہے اور بعض نے ان کی عمروں کو قطع کر دینے والی مراد لی ہے اور یہ سب معانی حُسُوْمٌ کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(ح س ن)

اَلْحُسْنُ ہر خوش کن اور پسندیدہ چیز کو حُسْنٌ کہا جاتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) وہ چیز جو عقل کے اعتبار سے مستحسن ہو۔
(۲) وہ جو خواہش نفسانی کی رو سے پسندیدہ ہو۔
(۳) صرف نگاہ میں بھلی معلوم ہو۔
اَلْحَسَنَةُ ہر وہ نعمت جو انسان کو اس کے نفس یا بدن یا اس کی کسی حالت میں حاصل ہو کر اس کے لئے مسرت کا سبب بنے حَسَنَةٌ کہلاتی ہے اس کی ضد سَيِّئَةٌ ہے اور یہ دونوں الفاظ مشترکہ کے قبیل سے ہیں اور لفظ "حیوان" کی طرح مختلف انواع کو شامل ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ (۴-۷۸) اور ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتا ہے۔
میں حَسَنَة سے مراد فراخ سالی، وسعت اور کامیابی ہے اور سَيِّئَة سے قحط سالی، تنگی اور ناکامی مراد ہے اور یہی معنی آیت:۔
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج (۷-۱۳۱) تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں میں مراد ہیں اور آیت:۔
مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (۴-۷۹) (اے آدم زاد) تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے۔
میں حَسَنَة سے ثواب اور سَيِّئَة سے عذاب مراد ہے۔
اَلْحُسْنُ وَالْحَسَنَةُ اور الْحُسْنٰى یہ تین لفظ ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ہر) ان میں فرق یہ ہے کہ حَسَنٌ اعیان و اغراض دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح حَسَنَۃٌ جب بطور صفت استعمال ہو تو دونوں پر بولا جاتا ہے اور اسم ہو کر استعمال ہو تو زیادہ تر اَحْدَاث (احوال) میں استعمال ہوتا ہے اور حُسْنیٰ کا لفظ صرف احداث کے متعلق بولا جاتا ہے۔ اَعْیَان کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ اور اَلْحَسَنُ کا لفظ عرف عام میں اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو بظاہر دیکھنے میں بھلی معلوم ہو جیسے کہا جاتا ہے رَجُلٌ حَسَنٌ حُسَّان وَامْرَءَۃٌ حَسَنَۃٌ وَحَسَّانَۃٌ لیکن قرآن میں حَسَنٌ کا لفظ زیادہ تر اس چیز کے متعلق استعمال ہوا ہے جو عقل و بصیرت کی رُو سے اچھی ہو اور آیت کریمہ:۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ (۳۹-۱۸) جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ میں اَحْسَنُ سے وہ بات مراد ہے جو شک و شبہ سے دور (اور بالا) ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا[1]: اِذَا شَکَکْتَ فِیْ شَیْءٍ فَدَعْ کہ جس چیز میں تجھے شبہ ہو اسے ترک کر دے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۲-۸۳) اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا۔ میں حُسْن سے اچھی بات مراد ہے۔

اسی طرح فرمایا:۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا (۲۹-۸)

قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ (۹-۵۲) کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ (۵-۵۰) اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے؟۔

میں اگر اعتراض کیا جائے کہ اللہ کا حکم تو ہر حال اچھا ہے۔ خواہ کوئی یقین کرے یا نہ کرے تو پھر "لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ" کی تخصیص کیوں کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں بلکہ ظہور حسن کا قصد اور اس پر مطلع ہونا مراد ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ حکم الٰہی کا حسن اسی شخص کے سامنے ظاہر ہوگا جو پاکیزہ نفس ہو اور حکمت الٰہی پر اس کی نظر ہو۔ ورنہ جہال پر تو یہ راز منکشف نہیں ہو سکتا۔

اَلْاِحْسَان (افعال) دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے اول یہ کہ دوسروں پر انعام کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ اَحْسَنَ اِلٰی فُلَانٍ اس نے فلاں پر انعام کیا۔ دوم یہ کہ اپنے فعل میں حسن پیدا کرنا اور یہ چیز حسن علم اور حسنِ عمل سے پیدا ہوتی ہے اسی معنی میں امیر المؤمنین نے فرمایا[2]: اَلنَّاسُ اَبْنَاءُ مَا یُحْسِنُوْنَ یعنی لوگ اپنے علم و فضل اور اعمال حسنہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ (۳۲-۷) جس نے ہر چیز کو اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا۔

اِحْسَان انعام سے اعم ہے قرآن میں ہے:

---

[1] ولم اجدہ بلفظ اللفظ وحدیث دع ما یریبک معروف وسیاتی فی ریب) وادروہ الغزالی فی احیادہ ۹۵ وقد عقدہ الشافعی مع ثلاثۃ: اخسوا اتق الشبہات وازھد ودع ما لیس یعنیک واعملن بالنیۃ (العاہر ۲/۸) [2] انظر فی ادب الدنیا والدین للماوردی قال الشارح معناہ ای ابناء ما ینسبون الیہ من العلوم والصنائع فیقال مثلاً فلان العالم وفلان الجاہد فی معناہ قول عائشۃ راجع المحاضرات للمؤلف ۱/۳۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ (۱۷-۷) اگر تم نیکوکاری کروگے تو اپنی جان کے لئے کروگے۔

اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱۶-۹۰) خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔ میں اشارہ ہے کہ احسان عدل سے بڑھ کر چیز ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا ادا کر دینا اور اپنا حق پورا لے لینے کا نام عدل ہے لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے لہذا احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے۔ اور انسان پر عدل وانصاف سے کام لینا تو واجب اور فرض ہے مگر احسان مندوب ہے۔ اسی بنا پر فرمایا:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (۴-۱۲۵) اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے۔ اور فرمایا:۔

وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ (۲-۱۷۸) اور پسندیدہ طریق سے (قرار داد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خونبہا کرنا)۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محسنین کے لئے بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (۲۹-۶۹) اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۲-۱۹۵) بیشک خدا نیکی کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (۹-۹۱) نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ (۳۹-۱۰) جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے۔

(ح ش ر)

اَلْحَشْرُ (ن) کے معنی لوگوں کو ان کے ٹھکانہ سے مجبور کرکے نکال کر لڑائی وغیرہ کی طرف لے جانے کے ہیں۔ ایک روایت میں ہے[1] (۳۸) اَلنِّسَآءُ لَا يُحْشَرْنَ کہ عورتوں کو جنگ کے لئے نہ نکالا جائے اور یہ انسان اور غیر انسان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ حَشَرَتِ السَّنَةُ مَالَ بَنِىْ فُلَانٍ یعنی قحط سالی نے مال کو ان سے زائل کر دیا اور حَشْرٌ کا لفظ صرف جماعت کے متعلق بولا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔

وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ (۲۶-۳۶) اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً (۳۸-۱۹) اور پرندوں کو بھی کہ جمع رہتے تھے۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (۸۱-۵) اور جب وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (۵۹-۲) حشر اول کے وقت تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ نکل جائیں گے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (۲۷-۱۷) اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور قسم وار کئے جاتے تھے۔

اور قیامت کے متعلق فرمایا:۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً (۴۶-۱۶)

---

[1] راجع للحديث النهاية ۱/۲۸۹ وفيه: لايحشرن ولا يحشرن ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے۔
فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا (۴-۱۷۲) تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔
وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا (۱۸-۴۷) اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔
اور قیامت کے دن کو يَوْمُ الْحَشْرِ بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ اسے يَوْمُ الْبَعْثِ اور يَوْمُ النُّشُورِ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔
رَجُلٌ حَشْرُ الْأُذُنَيْنِ لطیف اور باریک کانوں والا۔

(ح ص ص)

حَصْحَصَ الْحَقُّ (۱۲-۵۱) کے معنی ہیں کہ حق بات جو کسی دباؤ کی وجہ سے چھپی ہوئی اب اس دباؤ کے دور ہونے کی وجہ واضح ہو کر سامنے آ گئی اور حَصَّ وَحَصْحَصَ (ثلاثی و رباعی) دونوں طرح آتا ہے۔ جیسے كَفَّ وَكَفْكَفَ وَكَبَّ وَكَبْكَبَ۔
حَصَّهٗ (ن) کسی چیز سے ایک حصہ کاٹ لینا۔ یہ کاٹنا خواہ حقیقی طور پر ہو یا حکمی طور پر۔ حقیقی کی مثال جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؏ (سریع)
(۱۱۹) "قَدْ حَصَّتِ الْبَيْضَةُ رَأْسِي"
(یعنی مسلسل خود پہنے رہنے کی وجہ سے میرے سر کے بال جھڑ گئے۔
اسی سے رَجُلٌ أَحَصُّ کا محاورہ ہے (یعنی مرد موئے رفتہ از سر) مونث حَصَّاءُ رَجُلٌ أَحَصُّ منحوس مرد، جو اپنی نحوست کی وجہ سے لوگوں سے خیرات کو قطع کر دے۔
اَلْحِصَّةُ کے معنی کل میں سے ایک ٹکڑہ کے ہیں اور بمعنی بہرہ یعنی نصیب کے استعمال ہوتا ہے۔

(ح ص د)

اَلْحَصْدُ وَالْحَصَادُ کے معنی کھیتی کاٹنے کے ہیں اور زَمَنُ الْحَصَادِ وَالْحِصَادِ یہ زَمَنُ الْجَدَادِ وَالْجِدَادِ کی طرح (بکسرہ حاء و فتحہا) دونوں طرح آتا ہے۔ اور آیت کریمہ:
وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (۶-۱۴۱) اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو خدا کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔
میں وہ کھیتی مراد ہے جو اس کے صحیح وقت میں کاٹی گئی ہو۔[2] مگر آیت:۔
حَتَّى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ (۱۰-۲۴) یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں ناگہاں رات

---

[1] قاله أحيحة الأوس أبو القيس بن الأسلت وتمامه ... . نعاسا الطعم نومًا غير تهجاع وفي رواية الفضي غمضًا بدل نومًا والبيت من كلمة مفضلية (۲: ۸۴) في ۴۲ بيتًا جمهرية (۳۴-۲۳۴-۲۳۶) يتقدم وتانيرا لبيت في اللسان والصحاح والتاج والمحكم (حصص) والموشح ۲۴۶ والكامل ۱۵۵ وابن اثير (۱: ۴۸۴) والأغاني والخزانة (۲: ۴۸، ۵۳۴) والتنبيه للبكري والكنز اللغوي ۷۷ والمرزوقي (۱: ۶۰۷) والجمحي ۸۸ والحماسة للبحتري ۴۳ وشواهد الكشاف ۷۰ ومحاضرات المؤلف ۳: ۱۴۶، ۳۳۵) والحيوان للجاحظ (۲: ۲۱۹) وأيام العرب ۹۲
[2] وفي المطبوع المحمود مصحف والصواب المحصود ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا ان کو ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ یہاں حصید سے مراد وہ کھیتی ہے جو بوقت افساد اور تباہی کی غرض سے کاٹی گئی ہو۔ اور اسی سے حَصَدَهُمُ السَّيْفُ کا استعارہ ہے یعنی تلوار نے انہیں تباہ کر دیا اور آیت کریمہ:۔

مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ (۱۱-۱۰۰) ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض کا تہس نہس ہو گیا۔ میں حَصِيدٌ سے تباہ و برباد کی ہوئی بستیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا (۶-۴۵) میں اشارہ پایا جاتا ہے اور حَبَّ الْحَصِيدِ (۵۰-۹) سے مراد اناج ہے اور حدیث میں ہے۔[1] (۹۴)

وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي النَّارِ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ لوگوں کو دوزخ میں اوندھے منہ صرف وہی گرائے گا جو ان کی زبانوں نے کاٹا ہوگا۔ یہاں زبان کے ساتھ حصائد کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ اور اسی سے حَبْلٌ مَحْصُودٌ (رسن محکم تافتہ)

وَدِرْعٌ حَصْدَاءُ (زرہ تنگ حلقہ و محکم تافتہ) وَشَجَرَةٌ حَصْدَاءُ (درخت بسیار برگ) کے محاورات ہیں۔

تَحَصَّدَ الْقَوْمُ لوگوں کا جمع ہو کر ایک دوسرے سے قوت حاصل کرنا۔

(ح ص ر)

اَلْحَصْرُ (ن) کے معنی تضییق یعنی تنگ کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔ وَاحْصُرُوهُمْ (۹-۵) اور گھیر لو یعنی انہیں تنگ کرو۔

اور آیت کریمہ:۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا (۱۷-۸) اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قیدخانہ بنا رکھا ہے۔ میں حَصِيرٌ کے معنی روکنے والا کے ہیں۔ حسنؒ نے کہا ہے کہ حصیر کے معنی مہاد یعنی بچھونے کے ہیں گویا ان کے نزدیک اس سے حصیر مرمول یعنی چٹائی مراد ہے اور چٹائی کو حصیر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ریشے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔ اور لبید کے شعر[2] (الکامل)

(۱۱۰) وَمَقَامَةٍ غُلْبِ الرِّقَابِ كَأَنَّهُمْ
جِنٌّ لَدَى بَابِ الْحَصِيرِ قِيَامُ

اور بہت سے موٹی گردنوں والے بہادر ہیں جو بادشاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے جنات معلوم ہوتے ہیں میں حصیر کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ اور بادشاہ کو حصیر یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ محصور رہتا ہے جیسا کہ اسے مُحَجَّبٌ کہا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ وہ جسے چاہے اسے اپنے پاس آنے سے روک سکتا ہے اور آیت کریمہ:۔ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا (۳-۳۹) اور سردار ہوں گے

---

[1] اخرجہ الترمذی وصححہ وابن ماجۃ والحاکم من حدیث معاذ بن جبل وقال صحیح علی شرط الشیخین راجع تخریج الاحیاء للعراقی ۲/۱۰۹ [2] وفی روایۃ نماقہ بدل ومقامۃ وہی جمع نمانقہ (بضمۃ النقاف) ومعناہ الرئیس الجواد والبیت فی الطبری (۱۵-۴۵) والسمط ۹۵۵ فی ثلاثۃ ابیات والامالی (۲: ۳۰۸) والقرطبی (۱۰: ۲۲۴) والصحاح واللسان والتاج (حصر) ومجاز القرآن (۱: ۳۷۲) رقم ۳۳۴ والبحر (۶: ۱۱/۲: ۶۰) وفی روایۃ الدیوان (۲: ۳۹) طرف الحصیر بدل باب الحصیر قال فی الصحاح وہذہ روایۃ غیر ابی عبیدۃ وفی المطبوع (مصر وکراتشی) ومعالم وہذہ تصحیف فی تماقم ۱۰ ۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے۔
یہں حصورًا کے معنی عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والا کے ہیں خواہ یہ نامردی کی وجہ سے ہو اور خواہ عفت اور ازالہ شہوت میں مجاہدہ اور ریاضت کی بنا پر مگر یہاں دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ یہ لفظ ان (یحییٰ علیہ السلام) کے لئے بطور مدح کے استعمال ہوا ہے۔

اَلْحَصْرُ وَالْاِحْصَارُ دونوں کے معنی حج سے روک دینے کے ہیں۔ مگر احصار ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی رکاوٹ کے متعلق بولا جاتا ہے جیسے دشمن کا آڑے آکر روک دینا یا مرض وغیرہ کی وجہ سے رک جانا مگر جب وہ رکاوٹ باطنی اسباب جیسے مرض وغیرہ کی بنا پر ہو تو اس موقع پر حَصْرٌ ہی بولا جاتا ہے۔ پس آیت کریمہ:۔
فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (۲-۱۹۶) اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو)
میں دونوں قسم کی رکاوٹیں مراد ہیں۔ اسی طرح آیت:۔
لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۲-۲۷۳) ان حاجت مندوں کے لئے جو خدا کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں۔ میں بھی احصار کے عام معنی مراد ہیں
اور آیت کریمہ:۔
اَوْ جَاۤءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (۴-۹۰) یا اس حال میں کہ ان کے دل .... رک گئے ہوں تمہارے پاس آجائیں۔

میں بخل بزدلی وغیرہ کی وجہ سے سینوں کا تنگ ہونا مراد ہے اور ان کو حصر کے ساتھ تعبیر کرنا ایسے ہی ہے جیسا کہ ان معانی کو ضیق الصدر کے لفظ سے تعبیر کر لیتے ہیں اور ان کے اضداد وجود شجاعت وغیرہ میں البِرّ اور السعۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(ح ص ن)

اَلْحِصْنُ (قلعہ) اس کی جمع حُصُوْنٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِنَ اللّٰهِ (۵۹-۲) کہ ان کے قلعے ان کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گے۔
اور آیت کریمہ:۔
لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ (۵۹-۱۴) یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے (بالمواجہ) نہیں لڑ سکیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں۔
میں مُحَصَّنَة سے مراد وہ بستیاں ہیں جو قلعوں کی طرح محفوظ اور محکم بنائی گئی ہوں۔
تَحَصَّنَ کے اصل معنی تو قلعہ کو مسکن بنا لینا کے ہیں مگر مجازاً ہر قسم کا بچاؤ حاصل کرنے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی سے دِرْعٌ حَصِيْنَةٌ (زرہ محکم) اور فَرَسٌ حِصَانٌ (اسپ نر و نجیب) کا محاورہ ہے۔ کیونکہ زرہ بدن کے لئے اور گھوڑا اپنے سوار کے لئے ایک طرح سے بمنزلہ قلعہ کے ہوتا ہے۔ اس بنا پر شاعر نے کہا ہے ؎ (الکامل)

له العجز للاشعر بن حمران الجعفی فاربعدما اخذتاکر ابیہ واتخذ الخیل یذکر فضلہا واولہ: ولقد علمت علی توقی الردی ... دفی روایۃ الاصمعی علی تجنب الردی" راجع اللسان (حصن) والبیت من الشواہد الکشاف، ۲، وفی المطبوع مون القری والتسدید من المراجع والبیت من کلمۃ اصمعیۃ فی الوحشیات رقم ۸۵ فی ۳۵ بیتا والطبری (۱۲: ۴۲) والمحاضرات للمؤلف (م: ۳۳۴) والحیوان للجاحظ (۱: ۳۴۶) وکتاب الخیل لمعمر بن المثنی الی ثمانیۃ ابیات وکتاب العرب للقتبی ۳۴۹ ضمن رسائل البلغاء (صنعۃ کرد علی)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۱۱) اِنَّ الْحُصُوْنَ الْخَیْلُ لَا مُدُنُ الْقُرٰی
کہ حقیقی قلعے تو نجیب گھوڑے ہیں نہ کہ شہر اور قصبے۔ اور آیت کریمہ:۔
اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ (۱۲-۴۸) صرف وہی تھوڑا رسا رہ جائیگا جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے۔
میں تُحْصِنُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ قلعے جیسی محفوظ جگہوں میں حفاظت سے رکھ چھوڑو۔
کہا جاتا ہے:۔
اِمْرَأَۃٌ حَصَانٌ وَحَاصِنٌ (عفیفہ عورت)
حَصَانٌ کی جمع حُصُنٌ اور حَاصِنٌ کی جمع حَوَاصِنُ آتی ہے اور حَصَانٌ کے معنی پاکدامن یا معزز عورت کے ہوتے ہیں[1]۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا (۶۶-) اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا۔
اَحْصَنَتْ وَحَصَنَتْ کے ایک ہی معنی ہیں۔
فَاِذَآ اُحْصِنَّ (۴-۲۵) یعنی جب نکاح کرلیں اور اُحْصِنَّ (مجہول) ہو تو نکاح کردی جائیں۔
اَلْحِصَانُ کے معنی مُحْصَنَۃ عورت کے ہیں خواہ وہ اَحْصَان پاکدامنی کی وجہ سے ہو یا کسی کے ساتھ نکاح کرلینے کی وجہ سے اور یا اپنے شرف اور حریت کی وجہ سے محفوظ ہو اور عورت کو مُحْصِنٌ (بصیغہ فاعل) بھی کہا جاتا ہے اور مُحْصَنٌ (بصیغہ مفعول) بھی اول یعنی صیغہ فاعل اس تصور کی بنا پر ہے کہ وہ خود اپنی ذات کی حفاظت کرتی ہے اور اسم مفعول دوسرے کی جانب سے حفاظت کی وجہ سے ہے اور آیت کریمہ:۔
وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ ...۔ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَۃٍ فَعَلَیْھِنَّ نِصْفُ مَا عَلَی الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (۴-۲۵) اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کردو۔ بشرطیکہ عفیفہ ہوں نہ ایسی کھلم کھلا بدکاری کریں ... پھر اگر نکاح میں آکر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) کے لئے ہے اس کی آدھی ان کو دی جائے۔
میں اول مُحْصَنٰات سے شوہر والی عورتیں مراد ہیں گویا خاوند ان کی حفاظت کرتے ہیں اور قرآن میں جہاں کہیں بھی مُحْصَنٰات کا لفظ آیا ہے وہاں فتحہ اور کسرہ صاد دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے لیکن جہاں حُرِّمَتْ کے بعد آیا ہے وہاں صرف فتحہ صاد کے ساتھ ہی پڑھا جائیگا کیونکہ شوہر دار عورتوں کے ساتھ ہی نکاح حرام ہے نہ کہ عفائف کے ساتھ۔

(ح ص ل)

اَلتَّحْصِیْلُ (تفعیل) کے معنی چھلکے سے گودہ اور مغز نکالنے کے ہیں مثلاً معدن کے پتھروں سے سونا نکالنا یا بھوسے گندم کے دانوں کو الگ کرنا۔ پس آیت کریمہ:۔
وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (۱۰۰-۱۰) کے معنی یہ ہیں کہ جو بھید سینوں میں ہیں وہ اس طرح نکال کر جمع کردیئے جائیں گے۔ جس طرح کہ چھلکے سے مغز الگ کرلیا جاتا ہے۔ یا جیسے حساب کا حاصل ظاہر کیا جاتا ہے اور حُصَالَۃٌ (یعنی بھان

---

[1] وقال حسان فی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: حَصَانٌ رَزَانٌ ما تُزَنُّ بریبۃٍ وتصبح غرثٰی من لحوم الغوافل ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ) کو حصیل کہا جاتا ہے۔
حَصَلَ الْفَرَسُ گھوڑے کا خشالہ وغیرہ کھانے کی وجہ سے پیٹ کے درد میں مبتلا ہونا۔ اور پرند کے پوٹے یا سنگدانے کو حَوْصَلَةُ الطَّيْرِ کہا جاتا ہے۔

ح ص ی

اَلْاِحْصَاءُ (افعال) کے معنی عدد کو حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے اَحْصَيْتُ كَذَا میں نے اسے شمار کیا۔ اصل میں یہ لفظ حَصًى (کنکریاں) سے مشتق ہے اور اس سے گننے کا معنی اس لئے لیا گیا ہے کہ عرب لوگ گنتی میں کنکریوں پر اس طرح اعتماد کرتے تھے جس طرح ہم انگلیوں پر کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (۷۲-۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو گن رکھا ہے۔ اور اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ایک حدیث میں ہے (۸۵) مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ کہ جو شخص ان (اسمائے حسنیٰ) کا احصاء کرلیگا (یعنی یاد کرلے گا) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا (۸۶) نَفْسٌ تُنْجِيْهَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اِمَارَةٍ لَا تُحْصِيْهَا کہ ایک جان کو ہلاکت سے بچالینا اس امارت سے بہتر ہے جسے تم نباہ نہ سکو۔ قرآن میں ہے:۔
عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ (۷۳-۲۰) اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے۔ ایک اور روایت میں ہے (۸۷) اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا کہ سیدھے رہو اور تم پوری طرح استقامت حاصل نہیں کرسکو گے۔

استقامت کے احصاء اور تحصیل کے متعذر اور مشکل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق صرف ایک ہے اور باطل کی بے شمار قسمیں ہیں بلکہ حق کی مثال بنسبت باطل کے دائرہ کے اجزا میں ایک نقطہ کی ہے یا کسی ہدف میں نشانہ لگانے کی جگہ کی ہو اس لئے اسے حاصل کرنا نہایت کٹھن کام ہے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا (۸۸) مجھے سورہ ہود اور اس کی مثل دوسری سورتوں نے بوڑھا کردیا تو صحابہ نے عرض کی کہ ان میں کونسی آیت ہے جس نے آپ کو بوڑھا کردیا تو آنحضرت نے فرمایا وہ آیت:۔ فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (۱۱-۱۱۲) ہے۔ یعنی جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق پوری استقامت سے رہو۔

اہل لغت نے یہاں لَنْ تُحْصُوْا کے معنی لَا تُحْصُوْا ثَوَابَهٗ کئے ہیں یعنی تم اس ثواب کو شمار میں نہیں لاسکو گے۔

---

۸۵ الحدیث متفق علیہ والترمذی عن ابی ہریرۃ وابن عساکر عن عمر وایضا ابن مردویہ وابو الشیخ معا فی التفسیر وابو نعیم فی الاسماء الحسنی راجع کنز العمال رقم ۱۹۴۴-۱۹۴۳ ۸۶ ذکرہ الغزالی فی الاحیاء فی محادثۃ علی ابن ریحان بن عمر مع ابی جعفر المنصور فقال قد سأل جدک العباس النبی صلی اللہ علیہ وسلم امارۃ مکۃ والطائف فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا عباس یا عم النبی... اخرجہ ابن ابی الدنیا ہکذا معضلا بغیر اسناد ورواہ البیہقی من حدیث جابر متصلا ومن روایۃ المنکدر مرسلا وقال ہذا ہو المحفوظ مرسلا راجع تخریج العراقی ۲ر ۳۵۰ وادب الدنیا للماوردی بشرح خان زادہ ۳۸۲ وفی العقد ۱ر۲۴ تحبیبا وولایۃ بدل امارۃ ۸۷ ۴ر۱۳۰ فی خطبۃ لعبد اللہ بن مسعود ۸۷ الحدیث فی ابن ماجہ والحاکم والدارمی والطبرانی فی الصغیر ۲۱۰ والبزار عن ثوبان وفی بعض طرقہ انقطاع الکافی ۹۵ والنہایۃ ۱ر۲۴۴-۲۳۵ واللسان (قوم) والفتح الکبیر ۱ر۱۸۱ وابن قتیبہ فی غریبہ ۳۸۹ وفی کنز العمال بالستیعابہ ۳ر۴۴۳ وایضا تخریج الکشاف للحافظ ۹۵ ۸۸ الحدیث باختلاف الفاظہ فی الترمذی ما للدار قطنی والدلائل للبیہقی وابن سعد فی الطبقات وابن عدی فی الکامل راجع ایضا فی (۲۴۵) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ض ض)

اَلْحَضُّ (ن) کے معنی حَثٌّ کی طرح کسی کام پر ابھانے اور برانگیختہ کرنے کے ہیں۔ مگر حَثٌّ کا لفظ سواری وغیرہ کو تیز چلانے کے لئے آتا ہے۔ اور حَضٌّ کا لفظ سواری ہانکنے کے علاوہ دوسرے کاموں پر برانگیختہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اصل میں حَضٌّ کے معنی جانور کو الحضیض یعنی نشیب زمین کی طرف ہانکنے کے ہیں پھر ابھارنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، قرآن میں ہے:۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۶۹-۳۴)(۱۰۷-۳)[1]
اور نہ فقیر کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا۔

(ح ض ب)

اَلْحَضَبُ کے معنی ایندھن کے ہیں اور آگ کریدنے کی لکڑی کو مِحْضَبٌ کہا جاتا ہے اور حَصَبُ جَهَنَّمَ (۲۱-۹۸) میں ایک قراءت حَضَبُ جَهَنَّمَ (دوزخ کا ایندھن) بھی ہے۔

(ح ض ر)

اَلْحَضَرُ یہ البدو کی ضد ہے اور الحَضَارَةُ حاد کو فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ آتا ہے جیسا کہ بَدَاوَةٌ و بِدَاوَةٌ اس کے اصل شہر میں اقامت کے ہیں۔ پھر کسی جگہ یا انسان وغیرہ کے پاس موجود ہونے پر حَضَارَةٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن میں ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (۲-۱۸۰) تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ (۴-۸) اور جب تم میراث کی تقسیم کے وقت ... آموجود ہوں۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (۴-۱۲۸) اور طبائع میں بخل ودیعت کر دیا گیا ہے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ (۸۱-۱۴) تب ہر شخص معلوم کرلے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (۲۳-۹۸) میں کنایہ ہے کہ اے پروردگار میں پناہ مانگتا ہوں کہ جن وشیاطین میرے پاس آحاضر ہوں۔

اور بطور کنایہ مجنون اور قریب المرگ شخص کو مُحْتَضَرٌ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت:۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (۵۰-۱۶)

اور آیت کریمہ:۔ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ میں اس معنی پر متنبہ کیا گیا ہے اور آیت کریمہ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (۳-۳۰) کے معنی یہ ہیں کہ انسان جو نیکی بھی کرے گا۔ قیامت کے دن اس کا اس طرح مشاہدہ اور معاینہ کرلے گا جیسا کہ کوئی شخص سامنے موجود ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (۷-۱۶۳) اور ان سے اس گاؤں کا حال پوچھو جو لب دریا پر واقع تھا۔ میں حَاضِرَةَ الْبَحْرِ کے معنی دریا کے قریب یعنی ساحل کے ہیں) اور آیت کریمہ:۔

تِجَارَةً حَاضِرَةً (۲-۲۸۲) میں حاضرۃ

---

[1] وفی التنزیل: ولا تحاضون علی طعام المسکین (۸۹-۱۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے معنی نقد کے ہیں۔ نیز فرمایا:۔
وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (۳۶-۳۲)
اور سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کئے جائیں گے۔
فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (۳۰-۱۶) وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ اور آیت کریمہ:۔
كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (۵۴-۲۸) ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیے۔ میں پانی کی باری کے محتضر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ باری والے اس گھاٹ پر موجود ہوں۔

اَلْحُضْرُ۔ خاص کر گھوڑے کی تیز دوڑ کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔ اَحْضَرَ الْفَرَسُ گھوڑا تیز دوڑا۔ اِسْتَحْضَرْتُ الْفَرَسَ میں نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ حَاضَرْتُهٗ مُحَاضَرَةً وَحِضَارًا باہم جھگڑنا۔ مباحثہ کرنا۔ یہ یا تو حضور سے ہے گویا ہر فریق اپنی دلیل حاضر کرتا ہے اور یا حُضْر سے ہے جس کے معنی تیز دوڑ کے ہوتے ہیں جیسا کہ... حَارَبْتُهٗ کہا جاتا ہے۔

اَلْحَضِيْرَةُ لوگوں کی جماعت جو جنگ میں حاضر کی جائے اور کبھی اس سے پانی پر حاضر ہونے والے لوگ بھی مراد لئے جاتے ہیں۔ اَلْمَحْضَرُ (اسم مکان) حاضر ہونے کی جگہ اور حَضَرْتُ (فعل) کا مصدر بھی بن سکتا ہے۔

(ح ط ط)

اَلْحَطُّ (ن) کے معنی کسی چیز کو اوپر سے نیچے اتارنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے حَطَطْتُ الرَّحْلَ (میں نے سواری سے پالان اتار کر نیچے رکھ دیا) جَارِيَةٌ مَّحْطُوْطَةُ[1] الْمَتْنِ (دختر نیست شکم کہ پشت وی دراز و ہموار باشد) اور آیت کریمہ: وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ اور حطۃ کہنا (۲-۵۸) میں بنی اسرائیل کو یہ کلمہ کہنے کا حکم دیا گیا تھا جس کے معنی ہیں اے اللہ ہمارے گناہ ہم سے اتار دے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی قُوْلُوْا صَوَابًا کے ہیں یعنی صحیح بات کہنا۔

(ح ط ب)

اَلْحَطَبُ (ایندھن) ہر وہ چیز جو آگ جلانے کے لئے تیار کی جائے حَطَبٌ کہلاتی ہے اور حَطَبَ (ض) حَطْبًا وَاحْتَطَبَ کے معنی ایندھن جمع کرنا کے ہیں۔ قرآن میں فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (۷۲-۱۵) تو وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔
اپنی گفتگو میں رطب و یابس ملانے والے کو حَاطِبُ لَيْلٍ کہا جاتا ہے کیونکہ رات کو لکڑی جمع کرنے والا بھی یہ نہیں دیکھتا کہ رسی میں کیا باندھ رہا ہے۔
حَطَبْتُ لِفُلَانٍ حَطْبًا کسی کے لئے کام کرنا۔
مَكَانٌ حَطِيْبٌ وہ جگہ جہاں بہت لکڑیاں ہوں (صفت از حَطِبَ الْمَكَانُ)
نَاقَةٌ مُحَاطِبَةٌ ناقہ کہ خار خشک خورد)
اور آیت کریمہ:۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (۱۱۱-۴) جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے۔ میں سخن چینی سے استعارہ ہے۔ اور حَطَبَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ کے معنی کسی کی چغلی کھانا کے ہیں۔

---

[1] وہی مصدر من حطّ عنا ذنوبنا رفع حکایۃ (راجع الطبری (۱-۲۳۰) و مجاز ابی عبیدۃ (۱:۴۱) و فتح الباری

۱۲ : ۲۲۹/۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح کہا جاتا ہے فُلَانٌ یُوْقِدُ بِالْحَطَبِ الْجَزْلِ (مثل) فلاں بہت بڑا چغل خور ہے۔

(ح ط م)

اَلْحَطْمُ کے اصل معنی کسی چیز کو توڑنے کے ہیں جیسا کہ اَلْھَشِیْمُ وغیرہ الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ پھر کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر دینے اور روندنے پر حَطْمٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن میں ہے۔

لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ (۲۷-۱۸) ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں۔

کہا جاتا ہے حَطَمْتُہٗ فَانْحَطَمَ (میں نے اسے توڑا چنانچہ وہ چیز ٹوٹ گئی)

سَائِقٌ حُطَمٌ بے رحم چرواہا۔ جو اونٹوں کو سخت ہنکا کر ان پر ظلم کرے[1] اور دوزخ کو حُطَمَۃ کہا گیا ہے۔ قرآن میں ہے:

فِی الْحُطَمَۃِ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَۃُ (۱۰۴-۴-۵) حطمہ میں ..... اور تم کیا سمجھے کہ حُطَمَہ کیا ہے۔

اور تشبیہ کے طور پر بہت زیادہ کھانے والے کو بھی حُطَمَۃٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے پیٹ کو تنور کے ساتھ تشبیہ دی ہے[2] ع ( )

( ) کَاَنَّمَا فِیْ جَوْفِہٖ تَنُّوْرٌ

گویا اس کے پیٹ میں تنور ہے۔

دِرْعٌ حُطَمِیَّۃٌ زرہ بننے والے یا استعمال کرنے والے کی طرف منسوب ہے اور حَطِیْم وَزَمْزَم (حرم میں) دو جگہوں کے نام ہیں۔

اَلْحُطَامُ جو خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔ قرآن میں ہے:-

ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُہٗ حُطَامًا (۳۹-۲۱) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد ہو گئی ہے پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔

(ح ظ ظ)

اَلْحَظُّ کے معنی معین حصہ کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ حَظِظْتُ وَاَحَظَّ فَھُوَ مَحْظُوْظٌ

حَظٌّ کی جمع اَحَاظٍ وَاَحُظٌّ آتی ہے قرآن میں ہے۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا (۵-۱۴)

لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (۴-۱۱) کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

(ح ظ ر)

اَلْحَظْرُ (ن) کے معنی کسی چیز کو حَظِیْرَہ یعنی احاطہ میں جمع کرنے کے ہیں اور ممنوع کو مَحْظُوْر کہا جاتا ہے۔ اَلْمُحْتَظِرُ باڑہ بنانے والا۔ قرآن میں ہے:-

فَکَانُوْا کَھَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ (۵۴-۳۱) تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔

جَاءَ فُلَانٌ بِالْحَظِرِ الرَّطْبِ (مثل) یعنی اس نے بہت قبیح جھوٹ بولا۔

---

[1] ومنہ الحدیث شر الرعاء الحطمۃ وفی روایۃ بتغیر ما (النہایہ) [2] لم اجدہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ف ف)

(الحَفُّ) (ن) کے معنی کسی چیز کو ساقتین یعنی دونوں جانب سے گھیرنے یا احاطہ کرنے کے ہیں، قرآن میں ہے:۔

وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ (۱۸-۳۲) اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے۔

وَتَرَى الْمَلٰئِكَةَ حَافِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ (۳۹-۷۵) اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔

یعنی اس کے دونوں جانب کو گھیرے ہوئے ہیں ایک حدیث میں ہے[1]:۔ (۸۹)

تَحُفُّهُ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا اسکو فرشتے اس پر اپنے پروں کے ساتھ گھیرا ڈال لیتے ہیں

شاعر نے کہا ہے[2] ع (طویل)

(۱۱۳) لَهٗ لَحَظَاتٌ فِيْ حَفَافَيْ سَرِيْرِهٖ

اس کی نظریں اس کے تخت کے دونوں جانب لگی رہتی ہیں۔

حَفَافٌ کی جمع اَحِفَّةٌ ہے۔ کہا جاتا ہے۔

فُلَانٌ فِيْ حَفَفٍ مِنَ الْعَيْشِ یعنی تنگ حال ہے[3]۔ گویا وہ خوشحالی سے ایک جانب میں ہے۔

اس کے برعکس خوشحالی کے لئے کہا جاتا ہے۔

هُوَ فِيْ رَفَاهِيَةٍ مِّنَ الْعَيْشِ اسی سے محاورہ ہے[4] (مثل)

مَنْ حَفَّنَا اَوْ رَفَّنَا فَلْيَقْتَصِدْ۔ یعنی جو شخص ہماری تعریف کرے اسے چاہیئے کہ درمیانہ روی سے کام لے (نہایہ)

حَفِيْفُ الشَّجَرِ وَالْجَنَاحِ درخت کے ہلنے یا پرندکے پروں کی سرسراہٹ۔ یہ حکایت صوت ہے۔

اَلْمِحَفَّةُ شانہ بافندہ نیز مِغ آن (کیونکہ اس سے حرکت کے وقت آواز آتی ہے۔

(ح ف د)

اَلْحَافِدُ۔ ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو تبرعاً تیزی کے ساتھ خدمت بجا لائے خواہ وہ اجنبی ہو یا رشتہ دار۔ اسی کی جمع حَفَدَةٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (۱۶-۷۲) اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیئے۔

مفسرین کا قول ہے کہ یہاں حَفَدَةٌ سے

---

[1] الحدیث باختلاف الفاظ فی فضیلۃ مجلس الذکر عن ابی ہریرۃ وغیرہ رواہ مسلم والغزالی فی الاحیاء راجع تخریج العراقی ۱ر۲۰۳ ونہایۃ ابن الاثیر ۱ر۴۰۸ [2] قالہ ابراہیم بن ہرمۃ فی مدیح المنصور واجازہ بہ عشرۃ آلاف کما فی ذیل الامالی (۴۰) وتمامہ: .... اذا کرہا فیہا عقاب ونائل۔ راجع للبیت الحیوان (۳ر۱۳۴) والاغانی ۴ (۱۰۹) وعیون الاخبار (۱: ۴۹) وفی روایتہم جمیعًا عن حفافی وفی العقد (۴: ۳۲۹) عن حفافی سریرہ وفی العمدۃ (۲: ۱۰۹) عن حفافی وفی الحصری (۲: ۲۶۲) من بدل عن وفی العقد (۱: ۲۷۰) عذاب بدل عقاب ولعدہ: فام الذی امنت آمنۃ الردی — وام الذی اوعدت بالشکل ثاکل وفی روایۃ حاولت والبیت فی البحر (۷: ۲۷۴) من غیر عزو [3] ومنہ الحدیث انہ علیہ السلام لم یشبع من طعام الاعلی حفف ای ضیق وقلۃ (نہایہ ۱ر۴۰۸) [4] مثل ”وفی روایۃ فلینزک راجع للمثل المیدانی ۲ر۱۷۶، ۲۲۱، ۲۳۴ والعسکری ۴ر۱۸۴، ۲ر۱۹۱ وشرح الدرۃ للخفاجی ۸۳ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراد اَسباط یعنی پوتے نواسے وغیرہم ہیں۔ کیونکہ ان کی خدمت زیادہ سچی ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۱۳۱) " حَفَدَ الْوَلَائِدُ بَيْنَهُنَّ "

فُلَانٌ مَحْفُوْدٌ فلاں مخدوم ہے۔

الغرض حَفَدَةٌ کا اطلاق سسرا ولولاد دونوں طرف کے رشتہ دار وں پر ہوتا ہے۔ اور دعا میں ہے[2]۔ اِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ ہم تیری طرف دوڑتے ہیں۔

سَيْفٌ مُحْتَفِدٌ قاطع تلوار۔

اصمعی کہتے ہیں کہ اصل میں حَفَدٌ کے معنی پھرتی اور جلدی کرنا کے ہیں۔

(ح ف ر)

اَلْحَفْرُ۔ وہ مٹی جو گڑھے سے نکالی جاتی ہے (یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے) جیسا کہ نَقْضٌ بمعنی منقوض آجاتا ہے۔

اَلْحُفْرَةُ وَالْحَفِيْرَةُ گڑھا۔ قرآن میں ہے:۔ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳-۱۰۲) اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔

اَلْمِحْفَارُ وَالْمِحْفَرُ وَالْمِحْفَرَةُ بیلچہ وغیرہ جس سے گڑھا کھودا جاتا ہے اور تشبیہ کے طور پر گھوڑے کے سم کو حَافِرٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دوڑتے وقت اپنے سم سے مٹی اڑاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اَئِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ (۷۹-۱۰) کیا ہم الٹے پاؤں پھر لوٹیں گے؟۔

میں مَرْدُوْدٌ فِي الْحَافِرَةِ۔ ایک مثل ہے اور یہ اس شخص کے حق میں بولتے ہیں جو جدھر سے آئے اسی طرف لوٹا دیا جائے ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے۔

بعض نے کہا ہے کہ حَافِرَةٌ سے مراد وہ زمین ہے جس میں ان کی قبریں بنائی گئی تھیں اور حَافِرَةٌ یہاں موضع حال میں ہے اور معنی یہ ہیں کہ کیا ہم لوٹائے جائیں گے اس حال میں کہ قبروں میں ہوں گے۔ محاورہ ہے۔ رَجَعَ عَلٰى حَافِرَتِهٖ اَوْرَجَعَ الشَّيْخُ اِلٰى حَافِرَتِهٖ یعنی بوڑھا ہو گیا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (۱۶-۷۰) آیا ہے۔

اور جو چیز نقد فروخت کی جائے اس کے متعلق عرب لوگ کہتے ہیں[3] (مثل) اَلنَّقْدُ عِنْدَ الْحَافِرَةِ۔ اور اصل میں یہ گھوڑے کی بیع کے متعلق بولا جاتا ہے۔ جیسے:۔ لَا يَزُوْلُ حَافِرُهٗ اَوْ يُنْقَدَ ثَمَنُهٗ کہ اس

---

[1] تکملۃ البیت:۔۔۔۔۔۔ وأسلمت۔ بأکفہن ازمۃ الاجمال۔ البیت من شواہد ابی عبیدۃ فی مجازہ (۱: ۳۶۴) ونسبہ لجمیل بن عبداللہ العذری والبیت فی الطبری (۱۴: ۱۴۴-۱۴۶) واللسان والتاج (حفد) والانصاف (۷، ۹) والبحر المحیط (۵: ۵۰۰) بغیر عزو وا لجمہرۃ (۲: ۱۲۳) والقرطبی (۱۰: ۱۴۳) ونسبہ ابن درید الی الفرزدق ومسائل نافع بن الازرق (ترتیب فؤاد عبدالباقی) قال ھو بیت ولا ادری کیف اضبطہ وجمیل ھو جمیل بن عبداللہ السلمی العذری من شعراء الدولۃ الامویۃ لہ ترجمۃ فی الشعراء والاغانی (۷: ۷۲) والخزانۃ (۱: ۱۹۰) وغریب ابی عبید (۴/۳۷۲) ونسبہ الی الاخطل ولیس فی دیوانہ ۱۲ [2] کلمۃ من دعاء القنوت فی الوتر راجع غریب القرآن للقتبی ۲۴۷ واللسان (حفد) والطبری ج ۱۴ وسنعید تخریجہ فی (قنت) وہناک المصادر ان شاء اللہ [3] کذا فی اللالی (۱: ۱۲۱) والثعالبی (۱: ۲۶-۲۷) وفی مجالس ثعلب یقال عند السبق ای عند اول یقع الفرس رجلہ اذا سبق راجع المیدانی ۲/۲۶۲ نقلا عن ثعلب وتمامہ بسبب اللسان فی شرحہ (حفد) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اسم یہاں سے جدا نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی قیمت نقد ادا نہ کی جائے۔
اَلْحَفَرُ تَآکُلُ الْاَسْنَانِ دانتوں کی زردی ان کو کھا جاتی ہے۔
حُفِرَ فُوْہُ حَفَرًا اس کے دانت خراب ہو گئے
اَحْفَرَ الْمُھْرُ بچھڑے کے ثنائی یا رباعی دانت گر گئے

(ح ف ظ)

اَلْحِفْظُ کا لفظ کبھی تو نفس کی اس ہیئت (یعنی قوت حافظہ) پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ جو چیز سمجھ میں آئے وہ محفوظ رہتی ہے اور کبھی دل میں یاد رکھنے کو حفظ کہا جاتا ہے۔ اس کی ضد نسیان ہے، اور کبھی قوت حافظہ کے استعمال پر یہ لفظ بولا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔
حَفِظْتُ کَذَا حِفْظًا یعنی میں نے فلاں بات یاد کر لی۔ پھر ہر قسم کی جستجو نگہداشت اور نگرانی پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔
حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ (۲-۲۳۸) سب نمازیں.... پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو۔
وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ (۲۳-۵) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحَافِظَاتِ (۳۳-۳۵) اور اپنے ستر کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں.... میں حفظ فرج عفت اور پاکدامنی.... سے کنایہ ہے۔

اور آیت کریمہ:۔
حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں (۴-۳۴) کے معنی یہ ہیں کہ اپنے شوہروں کی غیر حاضری میں ان کے عہد کی حفاظت کرتی ہیں اس بنا پر کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے[1]۔ اور ایک قرأت میں حَفِظَ اللّٰہَ اللہ پر نصب کے ساتھ ہے اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ وہ اللہ کے حق کی نگہبانی کے لئے حفاظت کرتی ہیں نہ کہ کسی قسم کی ریاکاری اور تصنع کے طور پر۔ اور آیت کریمہ:۔
وَمَا اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا (۴-۸۰) تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔
میں حفیظ بمعنی حافظ یعنی نگہبان کے ہیں جیسا کہ:۔ وَمَا اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِجَبَّارٍ (۵۰-۴۵) اور وَمَا اَنْتَ بِوَکِیْلٍ (۶-۱۰۸) میں فَعَّالٌ اور فَعِیْلٌ بمعنی فَاعِلٌ ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا (۱۲-۶۴) تو خدا ہی بہتر نگہبان ہے۔
میں ایک قراءت حِفْظًا ہے یعنی اس کی حفاظت دوسروں سے بہتر ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَعِنْدَنَا کِتٰبٌ حَفِیْظٌ (۵۰-۴) اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب ان کے اعمال کی حفاظت کرنے والی ہے تو یہاں بھی حفیظ بمعنی حافظ ہے جیسا کہ اَللّٰہُ حَفِیْظٌ عَلَیْھِمْ (۶-۱۰۴) میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حفیظ بمعنی محفوظ ہو یعنی وہ کتاب ضائع نہیں ہوگی۔

---

[1] ای فی صونہن والتزام ازواجہن النفقۃ علیہن قالہ الزجاج (الطبری ۵/۹۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے فرمایا:۔
عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى .... (۲۰-۵۲)
اَلْمُحَافَظَةُ وَالْحِفَاظُ (مفاعلہ) ایک دوسرے کی حفاظت کرنا اور آیت کریمہ:۔
وَالَّذِيْنَ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (۷۰-۳۴)
اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں۔
میں اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ وہ نمازوں کے اوقات اور اس کے ارکان کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس کی پابندی کرتے ہیں۔ اور نماز ان کی حفاظت کرتی ہے۔ یعنی وہ انہیں بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے جیسے فرمایا:۔
اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ (۲۹-۴۵) کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔
اَلتَّحَفُّظُ (تفعل) بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی عقل کی کمی کے ہیں اور اصل میں اس کے معنی قوت حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے تکلف سے کسی چیز کو یاد کرنے کے ہیں۔ اور قوت حافظہ چونکہ اسباب عقل سے ہے اس لئے اس کی تفسیر میں لوگوں نے وسعت سے کام لیا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔
اَلْحَفِيْظَةُ کے اصل معنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے غصہ اور حمیت سے کام لینے کے ہیں۔ پھر یہ لفظ محض غصہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے کہا جاتا ہے۔
اَحْفَظَنِيْ فُلَانٌ۔ یعنی فلاں نے مجھے غصہ دلایا۔

www.KitaboSunnat.com

(ح ف و)

اَلْاِحْفَاءُ کے معنی کسی چیز کے مانگنے میں اصرار کرنے یا کسی کی حالت دریافت کرنے کے لئے بحث اور کاوش میں لگے رہنے کے ہیں پہلے معنی کے لحاظ سے اَحْفَيْتُ السُّؤَالَ وَاَحْفَيْتُ فُلَانًا فِي السُّؤَالِ دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا (۴۷-۳۷) اگر وہ تم سے مال طلب کرے اور تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو۔
اصل میں یہ اَحْفَيْتُ الدَّابَّةَ (اسے سادہ گردانیدم یا پائے ستور را) سے ہے۔ جس کے معنی گھوڑے یا اونٹ کو زیادہ چلا کر اس کے سم یا پاؤں کو گھسا ہوا کر دینے کے ہیں۔ اور حَفِيَ حَفًا وَحَفْوَةً کے معنی زیادہ چلنے سے پاؤں کے چھل جانے کے ہیں۔ اسی سے اَحْفَيْتُ الشَّارِبَ (نیک برید بروت را) ہے جس کے معنی مونچھوں کو اچھی طرح کاٹ کر صاف کر دینے کے ہیں۔
اَلْحَفِيُّ۔ نیکوکار اور نہایت مہربان۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (۱۹-۴۷) بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔
کہا جاتا ہے اَحْفَيْتُ بِفُلَانٍ وَتَحَفَّيْتُ بِهٖ میں نے اس کے اعزاز و اکرام کے بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔
اَلْحَفِيُّ (ایضاً) کسی چیز کا اچھی طرح جاننے والا۔[1]

---

[1] وفی التنزیل يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا (۷-۱۸۷) ای کانک عالم بہا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ق ق)

اَلْحَقُّ (حق) کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔ جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے اور لفظ "حق" کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے۔

(۱) وہ ذات جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق اشیاء کو ایجاد کرے۔ اسی معنی میں باری تعالیٰ پر حق کا لفظ بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (۶-۶۲) پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالک برحق خدا تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔

نیز فرمایا:۔ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (۱۰-۳۲) یہی خدا تو تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟ تو تم کہاں پھرے جاتے ہو۔

(۲) ہر وہ چیز جو مقتضائے حکمت کے مطابق پیدا کی گئی ہو۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق ہے۔ قرآن میں ہے:۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ ..... مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ (۱۰-۵) وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں ..... یہ سب کچھ خدا نے تدبیر سے پیدا کیا ہے۔

اور قیامت کے متعلق فرمایا:۔ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (۱۰-۵۳) اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے کہہ دو ہاں خدا کی قسم سچ ہے

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ (۳-۷۱) اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ نیز فرمایا:۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (۳-۶۰) (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔

وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (۲-۱۴۹) بے شبہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔

(۳) کسی چیز کے بارے میں اسی طرح کا اعتقاد رکھنا جیسا کہ وہ نفس واقع میں ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ بعث ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے۔ قرآن میں ہے:

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ (۲-۲۱۳) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھادی۔

(۴) وہ قول یا عمل جو اسی طرح واقع ہو جس طرح پر کہ اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت اس کا ہونا واجب ہے چنانچہ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ کہ تمہاری بات یا تمہارا فعل حق ہے۔ قرآن میں ہے:

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ (۱۰-۳۳) اسی طرح خدا کا ارشاد ..... ثابت ہو کر رہا۔

حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ (۳۲-۱۳) میری طرف سے یہ بات قرار پاچکی ہے کہ میں دوزخ کو ..... بھردوں گا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آیت کریمہ:۔
وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ (۲۳-۷۱) اور اگر (خدائے) برحق ان کی خواہشوں پر چلے۔
میں الحق سے مراد ذات باری تعالیٰ بھی ہوسکتی ہے اور وہ حکم بھی ہوسکتا ہے۔ جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ کہا جاتا ہے۔
أَحْقَقْتُ كَذَا میں نے اس کا حق ہونا ثابت کر دیا یا اس پر حق ہونے کا حکم لگایا۔ اور آیت کریمہ:۔
لِيُحِقَّ الْحَقَّ (۸-۸) تاکہ سچ کو سچ کر دے۔
پس احقاقِ حق دو طرح ہوسکتا ہے (۱) ادلہ اور آیات کے اظہار سے جیسے فرمایا:۔ وَأُولٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا (۴-۹۱) یعنی ہم نے تمہیں ان پر حجت تو یہ عطا فرمائی (۲) شریعت حقہ کی تکمیل اور لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت کے ذریعہ جیسے فرمایا:۔
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۶۱-۸) حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔
هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۶۱-۹) وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے۔ اور آیت کریمہ:۔
الْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ (۶۹-۱،۲) سچ مچ ہونے والی، وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے۔
میں قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ سے اس کی تفسیر کی گئی ہے۔ اور قیامت کو حَاقَّةٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں جزائے اعمال واقع ہوگی۔
کہا جاتا ہے:۔ حَاقَقْتُهٗ فَحَقَقْتُهٗ میں نے حق کے متعلق اس سے جھگڑا کیا اور اس پر غالب رہا۔
حضرت عمرؓ کا فرمان ہے[1]۔ (۹۰)
"إِذَا النِّسَاءُ بَلَغْنَ نَصَّ الْحِقَاقِ فَالْعَصَبَةُ أَوْلٰى فِيْ ذٰلِكَ" جب عورتیں بالغ ہو جائیں تو عصبہ زیادہ حقدار ہیں۔
فُلَانٌ نَزِقُ الْحِقَاقِ فلاں معمولی باتوں میں جھگڑا کرتا ہے اور کبھی لفظ حق واجب، لازم اور لائق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۳۰-۴۷) اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔
كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۰-۱۰۳) اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کو نجات دیں۔
اور آیت کریمہ:۔
حَقِيْقٌ عَلٰٓى أَنْ لَّآ أَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۔۔۔۔۔ (۷-۱۰۵) مجھ پر واجب ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ حقیق بمعنی جدیر (یعنی سزاوار) ہے اور بعض نے بمعنی واجب لکھا ہے ایک قرأت میں حَقِيْقٌ عَلَيَّ بھی ہے نیز فرمایا:۔
وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ (۲-۲۲۸) اور ان کے خاوند ۔۔۔۔۔ (اس مدت) میں ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔

---

[1] كذا نسبه المؤلف الى عمرؓ والذي في اللسان ومختار الصحاح للرازي ۸ ۲۹ وغريب ابي عبيد ۳۰/۷ ۵۷ والفائق ۱/ ۲۷۶ والنهاية (حق) انه من قول عليؓ في رواية نص الحقائق والمراد بنص الحقائق الادراك يعني ما دامت الجارية صغيرة فامها اولى بها فاذا بلغت فالعصبة اولى من امها انظر ايضا كنز العمال ۱۱ رقم ۱۶۵ ؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اَلْحَقِیْقَةُ کا لفظ کبھی اس چیز کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جسے ثبات اور وجود حاصل ہو جیسے آنحضرتؐ نے حارثہؓ سے پوچھا تھا (۹۱) کہ لِكُلِّ حَقٍّ حَقِیْقَةٌ فَمَا حَقِیْقَةُ اِیْمَانِكَ[1] کہ ہر حق چیز کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ تو تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے یعنی یہ کیسے معلوم ہو کہ جس چیز کے تم مدعی ہو وہ حق ہے۔ فُلَانٌ یَحْمِیْ حَقِیْقَتَهٗ یعنی وہ اس چیز کی حفاظت کرتا ہے جس کی حفاظت اس پر واجب ہے۔ کبھی حَقِیْقَةٌ کا لفظ اعتقاد کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور کبھی عمل اور قول کے متعلق جیسے کہا جاتا ہے فُلَانٌ لِفِعْلِهٖ حَقِیْقَةٌ فلاں کا فعل صحیح ہے یعنی وہ ریاکار نہیں ہے۔ وَلِقَوْلِهٖ حَقِیْقَةٌ یعنی وہ نہ رخصت پر عمل کر رہا ہے اور نہ زیادتی سے کام لے رہا ہے۔ اس کے برعکس معنی میں متجوّز، متوسّع یا متفسّح وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ کہا گیا ہے۔ اَلدُّنْیَا بَاطِلٌ وَالْاٰخِرَةُ حَقِیْقَةٌ کہ دنیا فانی ہے اور بقا صرف آخرت کو ہے۔

فقہا اور متکلمین کے نزدیک حقیقت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی لفظ اصل لغت کے لحاظ سے اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو۔

اَلْحِقُّ وہ اونٹ جو باربرداری کے قابل ہو جائے مونث حِقَّةٌ ج حِقَاقٌ اور کہا جاتا ہے۔ اَتَتِ النَّاقَةُ عَلٰی حِقِّهَا یعنی وہ وقت آ گیا ہے۔ جس میں گزشتہ سال اس پر اونٹ بٹھایا گیا تھا۔

(ح ق ب)

قرآن میں ہے:۔ لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا (۷۸-۲۳) اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔

بعض نے کہا ہے کہ اَحْقَاب کا واحد حُقُبٌ ہے جس کے معنی زمانہ کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ حِقْبَةٌ کا لفظ اسی سال کی مدت پر بولا جاتا ہے[2] اس کی جمع حِقَبٌ آتی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مدت غیر معینہ پر بولا جاتا ہے۔

اَلْاِحْتِقَابُ (افتعال) سوار کا اپنے پیچھے حقیبہ یعنی سامان سفر کا تھیلا باندھنا چنانچہ کہا جاتا ہے۔ اِحْتَقَبَهٗ وَاسْتَحْقَبَهٗ اس نے اسے پالان کے پیچھے باندھ لیا۔ حَقِبَ الْبَعِیْرُ شتر کے غلاف زرہ میں اس کے تنگ کے داخل ہونے کی وجہ سے پیشاب کا رک جانا یا تکلیف سے آنا۔

اَلْاَحْقَبُ سرخ رنگ کا گورخر بعض نے کہا ہے کہ احقب اس گورخر کو کہتے ہیں جس کے دونوں پہلو باریک ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ سفید پہلوؤں والے گورخر کو کہا جاتا ہے اس کا مونث حَقْبَاءُ ہے۔

(ح ق ف)

اَلْحِقْفُ منحنی تودہ ریت اس کی جمع اَحْقَافٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (۴۶-۲۱) کہ جب

---

[1] وفی تاریخ الطبری قال شیخ من بنی عامر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل قول حقیقۃ فانبئنی بحقیقۃ قولک و بدء غائک (۱: ۵۰۵)۔

[2] روی ذالک عن ابن عمرو ابی ہریرۃ وعن الحسن انہ سبعون سنۃ وقال الفراء انہ سنۃ بلغۃ قریش (دیا جہ التاج)۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی۔
ظَبْيٌ حَاقِفٌ وہ ہرن جو ریت کے تودوں میں رہتا ہو
اِحْقَوْقَفَ۔ مائل ہوکر ریت کے تودہ کی طرح ہو
جانا شاعر نے کہا ہے[1] ع (رجز)
(۱۱۵) سَمَاوَةُ الْهِلَالِ حَتّٰى احْقَوْقَفَا
چاند کو راتیں تاریک بنا کر گزرتی رہتی ہیں حتی کہ وہ
کمان کی طرح خمیدہ ہوکر رہ جاتا ہے۔

(ح ك م)

حَكَمَ کے اصل معنی کسی چیز کی اصلاح کے
لئے اسے روک دینے کے ہیں۔ اسی بناء پر لگام
کو حَكَمَةُ الدَّابَّةِ کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ اسے
قابو میں رکھتا ہے) کہا جاتا ہے۔ حَكَمْتُ الدَّابَّةَ
میں نے اسے لگام دی۔ اسی طرح حَكَمْتُ
السَّفِيْنَةَ وَاَحْكَمْتُهَا بھی کہا جاتا ہے۔
شاعر نے کہا ہے[2] (الوافر)
(۱۱۶) اَبَنِيْ حَنِيْفَةَ اَحْكِمُوْا سُفَهَاءَكُمْ
اے بنی حنیفہ اپنے سفہاء کے منہ میں لگام دو۔
قرآن میں ہے
اَحْكَمَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ جس نے ہر چیز کو اچھی
طرح بنایا (یعنی) پیدا کیا۔
فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ
اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۲۲-۵۲) تو جو
(وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے خدا اس کو دور کر دیتا ہے
پھر خدا اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔
اَلْحُكْمُ کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کا نام
حکم ہے یعنی وہ اس طرح ہے یا اس طرح نہیں ہے
خواہ وہ فیصلہ دوسرے پر لازم کر دیا جائے یا
لازم نہ کیا جائے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ
(۴-۵۸) اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو
انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔
يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ (۵-۹۵) جسے تم
میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں۔
شاعر نے کہا ہے[3] ع (البسیط)
(۱۱۷) فَاحْكُمْ كَحُكْمِ فَتَاةِ الْحَيِّ اِذْ نَظَرَتْ
اِلٰى حَمَامٍ سِرَاعٍ وَارِدِ الثَّمَدِ
اس نوجوان عورت کی طرح عدل وانصاف سے
فیصلہ کر جس نے پانی پر وارد ہونے والی کبوتروں کی
ٹکڑی کو دیکھ کر ان کی صحیح تعداد بتادی تھی) اور
بعض نے اس کے معنی کن حکیما کئے ہیں نیز فرمایا۔
اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ
اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۵-۵۰) کیا یہ زمانہ
جاہلیت کے حکم کے خواہاں ہیں۔ اور جو یقین رکھتے
ہیں ان کے لئے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے؟
اور جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے اسے حَاكِمٌ
کہا جاتا ہے اس کی جمع حُكَّامٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ (۲-۱۸۸) اور نہ اس کو

---

[1] قاله العجاج راجع لتخريجه (زلف) [2] قاله جرير وتمامه ...... انی اخاف علیکم ان اغضبا۔ راجع للبیت البحر المحیط (۵: ۲۰۰ ۴: ۳۳۷) و دیوانہ ۷ والفائق (۱: ۱۴۱) والمحکم (حکم) [3] قاله النابغة وقال بعضهم انه لیس من الحکم فی شیء بل معناه کن حکیما وانظر للبیت دیوانہ ۳۳ وشرح البطلیوسی وادب الکاتب ۲۲ والاقتضاب ۴۹۷ وشواہد الکشاف ۳۳ ومختار الشعر الجاهلی (۱: ۱۸۷) والنحو (۲: ۱۹۱) والجمہرة ۸۵ والکتاب (۱: ۸۵) والعقد الثمین والعشر للتبریزی ۷۹ والمعانی للقتبی ۲۹۹ والعینی ۲/۲ ۵۴ والسیوطی ۱۱ وذیل اللآلی (۱: ۴۲۹) وابن الشجری (۲: ۲۸۹) والصناعتین ۷ ۱۴ فی خمسة ابیات وفی روایة ثمرائح کمانی الحیوان (۳: ۲۲۱) وفی روایة الاصمعی کمانی الخزانة (۱: ۳۰۰) لکن روایة النسب۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رشوۃ، حاکموں کے پاس پہنچاؤ۔
اور حَکَمٌ (منصف) ماہر حاکم کو کہا جاتا ہے اس لئے اس میں لفظ حاکم سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے قرآن میں ہے :۔
اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا (۶-۱۱۴) کہو کیا میں خدا کے سوا اور منصف تلاش کروں۔
اور آیت کریمہ :۔
فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (۴-۳۵) تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔
میں حَاكِمًا کی بجائے حَكَمًا کہنے سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ دو منصف مقرر کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں تفصیلات کی طرف مراجعت کئے بغیر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کریں خواہ وہ فیصلہ فریقین کی مرضی کے موافق ہو یا مخالف اور حَكَمٌ کا لفظ واحد جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔
تَحَاكَمْنَا اِلَى الْحَاكِمِ ہم حاکم کے پاس فیصلہ لے گئے قرآن میں ہے :۔
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ (۴-۶۰) اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جاکر فیصلہ کرائیں۔
حَكَّمْتُ فُلَانًا ۔ کسی کو منصف مان لینا ۔ قرآن میں ہے :۔
حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (۴-۶۵) جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں۔
جب یہ کہا جاتا ہے حَكَمَ بِالْبَاطِلِ تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس نے باطل کو بطور حکم کے جاری کیا اَلْحِكْمَةُ کے معنی علم وعقل کے ذریعہ حق بات دریافت کر لینے کے ہیں۔ لہذا حکمت الٰہی کے معنی اشیاء

کی معرفت اور پھر نہایت احکام کے ساتھ انکو موجود کرنا ہیں اور انسانی حکمت موجودات کی معرفت اور اچھے کاموں کو سرانجام دینے کا نام ہے چنانچہ آیت کریمہ :۔
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (۳۱-۱۲) اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی۔
میں حکمت کے یہی معنی مراد ہیں جو کہ حضرت لقمان کو عطا کی گئی تھی۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ کے متعلق حکیم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہ معنی مراد نہیں ہوتے جو کسی انسان کے حکیم ہونے کے ہوتے ہیں اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق فرمایا ہے۔
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (۹۵-۸) کیا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟
اور قرآن پاک کو حکیم یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حکمت کی باتوں پر مشتمل ہے جیسے فرمایا،
الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۱۰-۱) یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں۔
نیز فرمایا :۔
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ (۵۴-۴، ۵) اور ان کو ایسے حالات (سابقین) پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت ہے اور کامل دانائی کی کتاب بھی۔
اور بعض نے کہا ہے کہ قرآن پاک کے وصف میں حکیم بمعنی محکم ہوتا ہے جیسے فرمایا :۔
اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (۱۱-۱) جس کی آیتیں مستحکم ہیں۔
اور یہ دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ قرآن پاک کی آیات مُحْكَمٌ بھی ہیں اور ان میں پر از حکمت احکام بھی ہیں لہذا ان ہر دو معانی کے لحاظ سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن محکم ہے۔

حکم کا لفظ حکمۃ سے عام ہے ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہر حکم حکمت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حکم کے معنی کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کے ہوتے ہیں کہ وہ یوں ہے یا یوں نہیں ہے۔

آنحضرت نے فرمایا[1] (۹۲) اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً۔ کہ بعض اشعار مبنی بر حکمت ہوتے ہیں جیسا کہ لبید نے کہا ہے[2] (وہ ل)

(۱۱۸) اِنَّ تَقوٰی رَبِّنَا خَیرُ نَفَلٍ

کہ خدائے تعالیٰ کا تقویٰ ہی بہترین نوشہ ہے۔

قرآن میں ہے:۔

وَاٰتَینٰهُ الحُکمَ صَبِیًّا (۱۹-۱۲) اور ہم نے ان کو لڑکپن میں ہی دانائی عطا فرمائی تھی۔

اور آنحضرت نے فرمایا[3] ۹۳ اَلصَّمتُ حُکمٌ وَقَلِیلٌ فَاعِلُہٗ کہ خاموشی بھی حکمت ہے۔ لیکن بہت تھوڑے لوگ اسے اختیار کرتے ہیں۔

یہاں دونوں آیت اور حدیث میں، حکم کے معنی حکمت کے ہیں[4]۔ قرآن میں ہے:۔

وَیُعَلِّمُهُمُ الکِتٰبَ وَالحِکمَةَ (۲-۱۲۹) اور ان (لوگوں) کو کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِی بُیُوتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ (۳۳-۳۴) اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

میں حکمت سے مراد تفسیر قرآن ہے یعنی جس پر کہ قرآن نے آیت اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ... میں تنبیہ کی ہے کہ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے حکمت بنا دیتا ہے تو اس میں ترغیب ہے کہ لوگوں کو اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیئے۔ ابن عباس فرماتے ہیں[5] کہ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ میں حکمت سے ناسخ منسوخ محکم اور متشابہات کا علم مراد ہے۔ اور ابن زید کہتے ہیں کہ آیات سے حکم کا علم مراد ہے۔ سدّی نے کہا ہے کہ حکمت سے سنت نبوی مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حقائق قرآن کا فہم مراد ہے۔ کیونکہ بعض حقائق کا

---

[1] انظر الحدیث (حم ق د ہ ۔ عن ابی رت عن ابن مسعود رطب عن عمرو بن عوف وعن ابی بکرۃ دعل عن ابی ہریرۃ (خط عن عائشۃ عن حسان بن ثابت (ابن عساکر عن عمر) (ق عن ابن عباس) (عسکری عن عائشۃ) اکرعن عائشۃ) وفی کلہا حکمۃ بدون اللام ولبا طرق فیہا حکما و فی بعضہا لحکما انظر کنز العمال لعلی المتقی (۳ر ۳۲۱) ثم ذکر ۳۱ د ۲ ام) عن احمر بن بکیر الاسدی وفیہ لحکمۃ کما رواہ الاکثر ۱۲ [2] قال لبید بن ربیعۃ العامری وتمامہ: وباذن اللہ ریثی وعجل۔ البیت فی دیوانہ ۳۹ وامالی المرتضی (۱-۲۱) والعقد (۲: ۳۷۸) والمشکل للقتبی ۲ وغریبہ ۷۷ وجمہرۃ الاشعار ۷۰ والکامل (۲: ۲۴۶) ونظام الغریب ۲۳۷ والبحر (۴: ۵۵۴) واللسان (نفل) وشواہد الکشاف ۹ ۲۲ والطبری (۹: ۱۷) والقرطبی (۷: ۳۶۱) ومجاز القرآن رقم ۲ ۲۷ وفی کنز العمال (۳: ۴۸۹) ان عمر بن الخطاب کان یامر بروایۃ ہذہ القصیدۃ (دیکھ) [3] اخرجہ ابو منصور الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابن عمر بسند ضعیف والبیہقی فی الشعب والقضاعی من حدیث انس ان لقمان قال الخ کما فی البیہقی وروضۃ العقلاء ۲۸ بسند صحیح عن انس راجع کنز العمال ۳ر ۲۰۰ ۔ رقم ۵۲۷ وتخریج الاحیاء للعراقی ۳ر ۱۸ وفی الاحیاء الصمت حکمۃ غلط، غلط فیہ عثمان بن سعید الراوی [4] راجع الطبری (۱: ۴۷۶) وقول السدی ہو المنقول عن قتادۃ راجع فتح القدیر للشوکانی ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اس معاملہ میں دوسرے انبیاء ان کے تابع ہوتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:

یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا (۵-۴۴) اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے۔ یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ میں یَحْکُمُ کے معنی اس حاکمت کے بیان کرنے کے ہیں جو انبیاء کے ساتھ مختص ہوتی ہے اور یا یہ حکم ہی سے ماخوذ ہے یعنی فیصلہ کرتے رہے ہیں اور آیت کریمہ:

مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (۳-۷) جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ میں محکمات سے وہ آیات مراد ہیں جن میں لفظی اور معنوی اعتبار سے کسی قسم کا اشتباہ نہ پایا جاتا ہو اور تشابہ کی چند قسمیں ہیں جنہیں ان کے باب (ش ب ہ) میں بیان کیا جائیگا انشاء اللہ تعالٰی۔

حدیث میں ہے (۹۹) کہ جنت مُحَکَّمِیْن کے لئے ہے بعض نے کہا ہے کہ مُحَکَّمِیْن سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں کہا جائے کہ یا تو مرتد ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے تو وہ قتل ہونا پسند کریں[1] اور بعض نے کہا ہے کہ محکمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکمت کے ساتھ متخصص ہیں۔

ح ل ل

اَلْحَلُّ اصل میں حَلٌّ کے معنی گرہ کشائی کے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (۲۰-۲۷) اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ میں یہی معنی مراد ہیں اور حَلَلْتُ کے معنی کسی جگہ پر اترنا اور فروکش ہونا بھی آتے ہیں۔ اصل میں یہ حَلُّ الْاَحْمَالِ عِنْدَ النُّزُوْلِ سے ہے جس کے معنی کسی جگہ اترنے کے لئے سامان کی رسیوں کی گرہیں کھول دینا کے ہیں پھر محض اترنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ لہذا حَلَّ (ن) حُلُوْلًا کے معنی کسی جگہ پر اترنا ہیں اور اَحَلَّهٗ کے معنی اتارنے کے۔ قرآن میں ہے:

اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ (۱۳-۳۱) یا ان کے مکانات کے قریب نازل ہوتی رہے گی۔

وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴-۲۸) اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر اتارا۔

حَلَّ الدَّیْنُ قرض کی ادائیگی کا وقت قریب آپہنچا۔

اَلْحِلَّةُ نازل ہونے والی قوم (اسی سے کہا جاتا ہے حَیٌّ حِلَالٌ جبکہ لوگ ایک دوسرے کے جوار میں مقیم ہوں اَلْمَحَلَّةُ (اترنے کی جگہ) اور حَلُّ الْعُقْدَةِ (گرہ کھولنا) سے بطور استعارہ۔ حَلَّ (ض) اَلشَّیْءُ حِلًّا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا (۵-۸۸) اور جو حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ۔

هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (۱۶-۱۱۶) کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔

اور اَلْحُلُوْلُ سے اَحَلَّتِ الشَّاةُ کا محاورہ ہے جس کے معنی بکری کے تھنوں میں دودھ اترانا کے ہیں۔ مگر اَحَلَّ اللّٰهُ کَذَا کے معنی کسی چیز

---

[1] والمحکمین علی صیغة المفعول وبکسر الکاف معناه المنصف من نفسه راجع للحدیث الفائق ۱/ ۲۹ واللسان والنهایه (حکم)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو حلال کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:-
اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ (۵-۱) تمہارے لئے چوپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے گئے ہیں۔ اور آیت کریمہ:-
یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ (الاٰیۃ) (۳۳-۵۰) اے پیغمبر! ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دے دیئے ہیں۔ حلال کر دی ہیں اور تمہاری لونڈیاں جو خدا نے تم کو (کفار سے بطور مال غنیمت) دلوائی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں۔
میں ازواج مطہرات کی حلت تو ظاہر ہے کہ وہ آپؐ کے عقد میں تھیں اور بنات العم وغیرہ کی حلت سے حلت نکاح مراد ہے۔
بَلَغَ الْاَجَلُ مَحِلَّہٗ ادائیگی قرض کا وقت قریب آ پہنچا۔ قرآن میں ہے:-
حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ (۲-۱۹۶) جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے۔

رَجُلٌ حَلَالٌ وَّمُحِلٌّ جو احرام کھول دے یا وہ آدمی جو حدود حرم سے باہر چلا جائے۔ قرآن میں ہے:-
وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (۵-۲) اور جب احرام اتار دو تو پھر شکار کرو۔
وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۹۰-۲) اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو۔
اور آیت کریمہ:-
قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ (۶۶-۲) خدا نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری قسموں کی گرہ کشائی کا کفارہ بیان کر دیا ہے۔ حدیث میں ہے[1] (۹۵) لَا یَمُوْتُ لِلرَّجُلِ ثَلَاثَۃٌ مِّنَ الْاَوْلَادِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ اِلَّا تَحِلَّۃَ الْقَسَمِ کہ جس مسلمان کے تین بچے مر جائیں (اور وہ صبر کرے) تو اسے دوزخ کی آگ صرف تحلۃ القسم کی مقدار سے زیادہ نہیں چھوئے گی۔ یعنی جتنی دیر میں کہ انشاء اللہ کہے۔ اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[2] ع
(۱۱۹) وَقْعُهُنَّ الْاَرْضَ تَحْلِیْلُ
کہ ان کے قدم کا زمین پر پڑنا تحلۃ القسم کی مقدار

---

[1] الحدیث باختلاف الفاظہ فی اللسان (حلل) والفائق ۱/۲۸۴ ولفظہ لا یموت لمؤمن وفی ابن کثیر لمسلم وفی روایۃ من مات لہ راجع للحدیث المسند عبدالرزاق وابو داؤد والطیالسی واصلہ فی الصحیحین من حدیث ابی ہریرۃ انظر ابن کثیر ۳/۱۳۲ وکنز العال ۲/۱۴۳- ۱۴۴ وایضاً الاستثناء الا تحلۃ القسم ورد للحارث فی سبیل اللہ فی مسند احمد والروایۃ فی الترمذی والنسائی وابن ماجۃ وتحلۃ القسم مثل فی القلیل المفرط فی القلۃ وقیل اشارۃ الی قولہ تعالیٰ وان منکم الا واردہا والذی ذہب الیہ المؤلف ہو اعتبار بالاصل یخالف المنقول فی تفسیرہ) ۱۲ [2] قطعۃ من البیت لکعب بن زہیر السلمی من قصیدۃ جہریۃ (۲۸۲-۲۸۷) فی ۵۸ بیتاً وصدرہ: تخدی علی یسرات وہی لاحقۃ ذوابل ... وفی روایۃ اللسان لاحقۃ بدل لاحقۃ وباربع بدل ذوابل وفی روایۃ المحکم (حلل) نجائب بدل ذوابل والبیت فی النہایۃ (حلل) والعمدۃ (۲: ۸۸) وجمہرۃ اشعار العرب۔ ۳۱ ودیوانہ ۱۲ ومثلہ لعبدۃ بن الطبیب من قصیدۃ مفضلیۃ رقم ۲۶ فی ۸۱ بیتاً یذکر ثوراً وصدرہ: یخفی التراب باظلاف ثمانیۃ فی اربع ..... والبیت فی امالی المرتضیٰ والنوادر ۹ ودیوان المعانی (۲: ۱۰۸) واللسان (حلل) لکن فیہ مسہن بدل وقعہن ۱۲ ✤ ✤ ✤ ✤

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی برائے نام ہے۔
اَلْحَلِیْلُ خاوند۔ مؤنث حَلِیْلَۃٌ میاں بیوی کو حَلِیْلٌ وحَلِیْلَۃٌ یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے اپنی چادر کھولتا ہے اور یا اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اسی لئے جو شخص کسی کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا ہو وہ اس کا حَلِیْلٌ کہلاتا ہے اور یا یہ حَلال سے ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے حلال ہیں۔ اور حَلِیْلَۃٌ کی جمع الحَلَائِلُ ہے۔ قرآن میں ہے:
وَحَلَائِلُ اَبْنَائِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ (۴-۲۳) اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی۔
اَلْحُلَّۃُ دو کپڑوں کا جوڑا (اِزار اور رداء اوپر اور نیچے کی چادریں)
اَلْاِحْلِیْلُ پیشاب نکلنے کا سوراخ، کیونکہ پیشاب کے وقت اس کی گرہ کھل جاتی ہے۔

(ح ل ف)

اَلْحِلْفُ عہد و پیمان جو لوگوں کے درمیان ہو۔ اَلْمُحَالَفَۃُ (مفاعلہ) معاہدہ یعنی باہم عہد و پیمان کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر محالفت سے لزوم کے معنیٰ لے کر کہا جاتا ہے فُلَانٌ حِلْفُ کَرَمٍ وَحَلِیْفُ کَرَمٍ یعنی وہ کرم سے جدا نہیں ہوتا۔ حَلِیْفٌ جس کے ساتھ عہد و پیمان کیا گیا ہو اس کی جمع اَحْلَافٌ (وحُلَفَاءُ) آتی ہے۔
شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۱۲۰) تَدَارَکْتُمَا الْاَحْلَافَ قَدْ ثُلَّ عَرْشُہَا
تم نے ان حلیفوں کا تدارک کر دیا جن کے پائے ثبات متزلزل ہو چکے تھے۔
اَلْحَلْفُ اصل میں اس قسم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے عہد و پیمان کیا جائے اس کے بعد عام قسم کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے:
وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (۶۸-۱۰) اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آ جانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے۔
یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا (۹-۷۴) یہ خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (تو کچھ) نہیں کہا۔
وَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنَّهُمْ لَمِنْکُمْ وَمَا هُمْ مِّنْکُمْ (۹-۵۶) اور خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔
یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ (۹-۶۲) یہ لوگ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش کر دیں۔
شَیْءٌ مُحْلِفٌ (مشکوک چیز) جس کے ثابت کرنے کے لئے قسم کی ضرورت ہو۔
کُمَیْتٌ مُحْلِفٌ گھوڑا جس کے کمیت اور اشقر ہونے میں شک ہو ایک قسم کھائے کہ یہ کمیت ہے اور دوسرا حلف اٹھائے کہ یہ اشقر یعنی سرخ ہے اَلْمُحَالَفَۃُ کے اصل معنیٰ تو ایک دوسرے کے سامنے قسم کھانا کے ہیں اس سے یہ لفظ محض لزوم کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا

---

[1] قالہ زہیر یمدح ہرم بن سنان والحارث بن عوف والاحلاف غطفان وقیس وتمامہ: وذبیان قد زلت باقدامہا النعل۔ (راجع دیوانہ ۱۰۹ وشواہد الکشاف ۱۰۰ والمعلقات العشر والمختارات ۴۲ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۶۲) والاتباع لابی الطیب ۴۳ واضداد ابن الانباری ۳۸۷ واضداد ابی الطیب (۱: ۱۳۷) واللسان (ثلل)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور جو کسی سے الگ نہ ہوتا ہو اسے اس کا حِلْفٌ یا حَلِیْفٌ کہا جاتا ہے حدیث میں ہے[1] (۹۶) لَاحِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ اسلام میں زمانہ جاہلیت ایسے معاہدے نہیں ہیں۔

فُلَانٌ حَلِیْفُ اللِّسَانِ فلاں چرب زبان ہے گویا اس نے بولنے سے عہد کر رکھا ہے اور اس سے ایک لمحہ نہیں رکتا حَلِیْفُ الْفَصَاحَۃِ وہ فصیح ہے۔

(ح ل ق)

اَلْحَلْقُ حلق وہ جگہ جہاں سے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے (حَلَقَہٗ (ض) اسکے حلق کو قطع کر ڈالا۔ پھر یہ لفظ بال مونڈنے پر بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ حَلَقَ شَعْرَہٗ اس نے اپنے بال منڈوا ڈالے۔

قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ (۲-۱۹۶) اور ... ... سر نہ منڈواؤ۔

مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ (۴۸-۲۷) اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر

رَأْسٌ حَلِیْقٌ مونڈا ہوا سر۔

لِحْیَۃٌ حَلِیْقَۃٌ مونڈی ہوئی داڑھی۔

اور کسی انسان کے حق میں بددعا کے وقت عَقْرٰی حَلْقٰی کہا جاتا ہے یعنی اسے ایسی مصیبت پہنچے جس پہ عورتیں اپنے سر کے بال منڈوا ڈالیں۔ بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ اللہ تعالٰے اس کے حلق کو قطع کر ڈالے۔

اَلْمُحَالِقُ وہ کمبل جو کھردرا ہونے کی وجہ سے بدن کے بال کاٹ ڈالے۔

حَلْقَۃٌ یا حَلَقَۃٌ جماعت جو دائرہ کی شکل میں جمع ہو۔ کیونکہ وہ دائرہ ہیئت میں انسان کے حلق کے مشابہ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حَلَقَۃٌ کا لفظ صرف اس جماعت کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو اپنے سر منڈوا ڈالتے ہیں[2]۔ اِبِلٌ مُحَلَّقَۃٌ شتران کہ بشکل حلقہ داغ برآنہا کردہ باشند اور حلقہ میں معنی دوران کا اعتبار کر کے حَلَّقَ الطَّائِرُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی پرند کا چکر لگا کر اڑنا کے ہیں[3]۔

(ح ل م)

اَلْحِلْمُ کے معنی ہیں نفس و طبیعت پر ایسا ضبط رکھنا کہ غیظ و غضب کے موقع پر بھڑک نہ اُٹھے اس کی جمع اَحْلَامٌ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ (۵۲-۳۲) کیا ان کی عقلیں ان کو ... سکھاتی ہیں۔ میں بعض نے کہا ہے کہ اَحْلَامٌ سے عقلیں مراد ہیں اصل میں حلم کے معنی متانت کے ہیں مگر چونکہ متانت بھی عقل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لئے حلم کا لفظ بول کر عقل مراد لے لیتے ہیں جیسا کہ مسبب بول کر سبب مراد لے لیا جاتا ہے۔ حَلُمَ بردبار ہونا۔ حَلَّمَهُ الْعَقْلُ وَتَحَلَّمَ عقل نے اسے بردبار بنا دیا۔ اَحْلَمَتِ الْمَرْءَۃُ

---

[1] رواہ الحاکم فی المستدرک والمسلم وابوداؤد والنسائی۔ عن جبیر بن مطعم (راجع الفتح للنبہانی ۲۔۳۴۲۳ والحدیث فی النہایۃ (حلف) وغریب ابی عبید)۔ [2] وعلی ہذا فہی جمع حالق علی الاول مفرد وجمعہ حَلَقٌ واما الحلقۃ بسکون اللام فجمعہ حِلَق وعند البعض حَلَق علی غیر قیاس (النہایہ)۔ [3] (۶۷-۸۳) میں حلقوم بمعنی حلق آیا ہے وفی التنزیل الحلقوم (۵۶-۸۳)، بمعنی الحلق قال بعضہم المیم فیہ اصلیۃ وعند البعض الواو والمیم زائدتان (النہایہ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت کا حلیم بچے جننا۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ (۱۱-۷۵)
بیشک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ اور آیت کریمہ:۔
فَبَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (۳۷-۱۰۱) تو ہم نے ان کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔
کے معنی یہ ہیں کہ اس غلام میں قوت برداشت ..... تھی۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْکُمُ الْحُلُمَ (۲۴-۵۹)
اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں۔
میں حُلُم کے معنی سن بلوغت کے ہیں اور سن بلوغت کو حُلُم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس عمر میں عام طور پر عقل و تمیز آجاتی ہے کہا جاتا ہے۔
حَلَمَ (ن) فِیْ نَوْمِہٖ خواب دیکھنا مصدر حُلُمٌ اور حُلْمٌ اور حُلُمٌ مثل رُبْعٌ بھی کہا گیا ہے۔ اور یہی معنی تَحَلَّمَ وَاحْتَلَمَ کے ہیں۔
حَلَمْتُ بِہٖ فِیْ نَوْمِیْ۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا۔ قرآن میں ہے:۔
قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ (۱۲-۴۴) انہوں نے کہا یہ تو پریشان سے خواب ہیں۔
اَلْحَلَمَۃُ بڑی چیچڑی۔ کیونکہ وہ ایک جگہ پر جمے رہنے کی وجہ سے حلیم نظر آتی ہے اور پستان کو حَلَمَۃُ الثَّدْیِ کہنا مخصوص ہیئت میں چیچڑی

کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس مجاز کی دلیل یہ ہے کہ پستان کو قُرَاد بھی کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] ع (طویل)
(۱۲۱) کَاَنَّ قُرَادَیْ زَوْرِہٖ طَبَعَتْہُمَا
بِطِیْنٍ مِنَ الْجَوْلَانِ کُتَّابُ اَعْجَمِیْ
(اس کے سینے پر پستانوں کے نشانات اس طرح خوشنما نظر آتے ہیں کہ گویا کسی کاتب نے مٹی کی مہریں لگا دی ہیں) حَلِمَ الْجِلْدُ چمڑے کو کیڑا لگ جانا۔ حَلَمْتُ الْبَعِیْرَ میں نے اونٹ سے چیچڑ نکالے۔ حَلَّمْتُ فُلَانًا کسی پر قدرت حاصل کرنے کے لئے اس کے ساتھ مدارات سے پیش آنا تاکہ وہ مطمئن رہے جیسا کہ اونٹ سے چیچڑ دور کرنے سے اسے سکون اور راحت محسوس ہوتا ہے اور انسان اس پر پوری طرح قدرت پالیتا ہے۔

(ح ل ی)

اَلْحُلِیُّ (زیورات) یہ حَلْیٌ کی جمع ہے جیسے ثَدْیٌ کی جمع ثُدِیٌّ آجاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
مِنْ حُلِیِّہِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ اپنے زیور کا ایک بچھڑا (بنا لیا) (وہ) ایک جسم (تھا جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی (۷-۱۴۸)
حَلِیَ یَحْلٰی آراستہ ہونا (اور حَلّٰی آراستہ کرنا)

---

[1] قالہ عدی بن الرقاع فی قصیدۃ لہ یمدح فیہا عمر بن ہبیرۃ ویروی ایضًا للمفتاح الجرمی کما فی اللسان (قرد عجم) والمعرب للجوالیقی ۱۰۵ والحماسۃ (۲: ۱۵۱ - ۳۵۲) والمرزوقی رقم ۸۱ من خمسۃ ابیات والاقتضاب ۴۷۰ والبیت بغیر عزو فی المخصص (۲: ۸ / ۱۴) والطبرسی (۱: ۹۴) والجولان بفتح الجیم جبل من نواحی دمشق وطینتہ مشہور للختم وروی صاحب الاقتضاب ان الجولان اسم للطین الذی یطبع بہ وفی المطبوع الجولان بالمہملۃ مصحف الشداد۔ الجوہری زقرہ بلا نسبۃ یمدح لبعض الخلفاء وفی روایتہ صدرہ بدل زورہ وعدی بن الرقاع ہو عدی بن زید بن مالک بن عدی بن الرقاع العاملی وکان شاعرا مقدما عند بنی امیۃ خاصا بالولید بن عبد الملک وعدہ ابن سلام فی الطبقۃ الثامنۃ من شعراء الاسلام راجع الاغانی (۸: ۱۷۲-۱۸۲) وابن سلام (۲۰۹-۲۱۴) والمؤتلف ۱۰۶ والمرزبانی ۲۵۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں ہے :۔
یُحَلَّوْنَ فِیْھَا اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ (۱۸-۳۱) ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔
حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّۃٍ (۷۶-۲۱) اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔
اور حِلْیَۃٌ کے معنی زیور کے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ (۴۳-۱۸) کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے۔

(ح م م)

اَلْحَمِیْمُ کے معنی سخت گرم پانی کے ہیں۔
قرآن میں ہے :۔
وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا (۴۷-۱۵) اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔
اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا (۷۸-۲۵) مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (۱۰-۴) اور جو کافر ہیں ان کے پینے کو نہایت گرم پانی۔
یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ (۲۲-۱۹) (اور) ان کے سروں پر جلتا ہوا پانی ڈالا جائیگا۔
ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ (۲۲-۱۹) پھر اس (کھانے) کے ساتھ ان کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا۔
ھٰذَا فَلْیَذُوْقُوْہُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ (۳۸-۵۷) یہ گرم کھولتا ہوا پانی اور پیپ (ہے) اب اس کے مزے چکھیں۔

اور گرم پانی کے چشمہ کو حَمَّۃٌ کہا جاتا ہے ایک روایت میں ہے[1] - (۹۷)
اَلْعَالِمُ کَالْحَمَّۃِ یَاْتِیْھَا الْبُعَدَاءُ وَیَزْھَدُ فِیْھَا الْقُرَبَاءُ۔ کہ عالم کی مثال گرم پانی کے چشمہ کی سی ہے جس میں نہانے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں (اور شفایاب ہو کر لوٹتے ہیں) اور قرب وجوار کے لوگ اس سے بے رغبتی کرتے ہیں (اس لئے اس کے فیض سے محروم رہتے ہیں)
اور تشبیہ کے طور پر پسینہ کو بھی حمیم کہا جاتا ہے اسی سے اِسْتَحَمَّ الْفَرَسُ کا محاورہ ہے جس کے معنی گھوڑے کے پسینہ پسینہ ہونے کے ہیں۔ اور حَمَّام کو حَمَّام یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پسینہ آور ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ اس میں گرم پانی موجود رہتا ہے۔
اِسْتَحَمَّ فُلَانٌ۔ حمام میں داخل ہونا۔
پھر مجازاً قریبی رشتہ دار کو بھی حمیم کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انسان اپنے رشتہ داروں کی حمایت میں بھڑک اٹھتا ہے اور کسی شخص کے اپنے خاص لوگوں کو حَامَّتُہٗ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اَلْحَامَّۃُ وَالْعَامَّۃُ خاص وعام کا محاورہ ہے۔ قرآن میں ہے :۔
فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ (۲۶-۱۰۰-۱۰۱) تو آج نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے اور نہ گرم جوش دوست۔
نیز فرمایا :۔
وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا (۷۰-۱۰) اور کوئی

---

[1] الحدیث فی النہایۃ (حم) والفائق ۱/۳۱۵ وفیہ ویترکھا القرباء وغریب ابی عبید ۳/۲۰۱ والمعاجم (حم)
قال الحافظ فی تخریج الکشاف لم اجدہ (۴/۶۲) ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوست کسی دوست کا پرسان نہ ہوگا۔
اور اس کی دلیل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انسان کے قریبی مہربانوں کو حُزَانَتُهُ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے غم میں شریک رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔
اِحْتَمَّ فُلَانٌ لِفُلَانٍ فلاں اس کے لئے غمگین ہوا یا اس کی حمایت کے لئے جوش میں آگیا۔ اس میں باعتبار معنی اِھْتَمَّ سے زیادہ زور پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں غم زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ جوش اور گرمی کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔
اَحَمَّ الشَّحْمَ چربی پگھلا۔ یہاں تک کہ وہ گرم پانی کی طرح ہوجائے اور آیت کریمہ:۔
وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُوْمٍ (۵۶-۴۳) اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں۔
میں يَحْمُوْم حمیم سے یفعول کے وزن پر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی سخت سیاہ دھوآں کے ہیں۔ اور اسے يَحْمُوْم یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں شدت حرارت پائی جاتی ہے جیسا کہ بعد میں لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ سے اس کی تفسیر کی ہے اور یا اس میں حُمَمَةٌ یعنی کوئلے کی سی سیاہی کا تصور موجود ہے۔ چنانچہ سیاہ کو يَحْمُوْم کہا جاتا ہے اور یہ حُمَمَةٌ (کوئلہ) کے لفظ سے مشتق ہے۔ چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔
لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ... (۳۹-۱۶) ان کے اوپر تو آگ کے سائبان ہوں گے اور نیچے (اس کے) فرش ہونگے۔
اور حِمَام بمعنی موت بھی آجاتا ہے جیسا کہ کسی امر کے مقدر ہونے پر حُمَّ کَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور بخار کو اَلْحُمّٰی کہنا یا تو اس لئے ہے کہ اس میں حرارت تیز ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں آنحضرت نے فرمایا:[1] (۹۸)
اَلْحُمّٰی مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔ کہ بخار جہنم کی شدت سے ہے اور یا بخار کو حُمّٰی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں پسینہ آتا ہے اور یا اس لئے کہ یہ موت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ جیسا کہ عرب لوگ کہتے ہیں اَلْحُمّٰی بَرِيْدُ الْمَوْتِ (کہ بخار موت کا پیغام بر ہے) اور بعض اسے باب الموت یعنی موت کا دروازہ بھی کہتے ہیں اور اونٹوں کے بخار کو حُمَام کہا جاتا ہے یہ بھی حِمَام (موت) سے مشتق ہے۔ کیونکہ اونٹ کو بخار ہوجائے تو وہ نشاذ ونادر ہی شفایاب ہوتا ہے۔
حَمَّمَ الْفَرْخُ پرند کے بچہ نے بال و پر نکال لئے کیونکہ اس سے اس کی جلد سیاہ ہوجاتی ہے۔
حَمَّمَ وَجْهُهُ اس کے چہرہ پر سبزہ نکل آیا۔
یہ دونوں محاورے حُمَمَةٌ سے ماخوذ ہیں۔
اور حَمْحَمَتِ الْفَرَسُ جس کے معنی گھوڑے کے ہنہنانے کے ہیں یہ اس باب سے نہیں ہے۔

(ح م د)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی (کے معنی اللہ تعالٰے کی فضیلت کے ساتھ اس کی ثنا بیان کرنے کے

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابن عمر وعند البخاری عن عائشۃ موصولا وفی الموطا عن عروۃ مرسلا وعند الترمذی عن ثوبان وبمعناہ رواہ الحاکم والنسائی عن ابن عباس وفی روایۃ عن انس: زائد الموت رابن السنی وابو عظیم فی الطب! ہنا وفی الزہد وابن ابی الدنیا فی المرض والکفارات عن الحسن مرسلاً واجع التخریج بکنز العمال ۳ رقم ۱۶۱۲ ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۹۳ وج ۱۰ رقم ۱۷۰ والفتح للنبہانی ۸۲/۲ وایضا الکنز ج ۱۰ رقم ۹ ۱۵ ، ۲۸۵ ، ۱۶۶ ؛ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ یہ مدح سے خاص اور شکر سے عام ہے۔ کیونکہ مدح ان افعال پر بھی ہوتی ہے جو انسان سے اختیاری طور پر سرزد ہوتے ہیں اور ان اوصاف پر بھی جو پیدائشی طور پر اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح مال کے خرچ کرنے اور علم و سخا پر انسان کی مدح ہوتی ہے اس طرح اسکی درازئ قد و قامت اور چہرہ کی خوبصورتی پر بھی تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن حمد صرف افعال اختیاریہ پر ہوتی ہے۔ نہ کہ اوصاف اضطراریہ پر اور شکر تو صرف کسی کے احسان کی وجہ سے اس کی تعریف کو کہتے ہیں۔ لہٰذا ہر شکر حمد ہے۔ مگر ہر حمد شکر نہیں ہے اور ہر حمد مدح ہے مگر ہر مدح حمد نہیں ہے[1] اور جس کی تعریف کی جائے اسے محمود کہا جاتا ہے۔ مگر محمّد صرف اسی کو کہہ سکتے ہیں جو بکثرت قابل ستائش خصلتیں رکھتا ہو نیز جب کوئی شخص محمود ثابت ہو تو اسے بھی محمود کہہ دیتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (۱۱-۷۳) وہ سزاوار تعریف اور بزرگوار ہے۔

میں حمید بمعنی محمود بھی ہو سکتا ہے اور حامد بھی۔ حُمَادَاكَ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا یعنی ایسا کرنے میں تمہارا انجام بخیر ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں۔ (۶۱-۶)

میں لفظ احمدؐ سے آنحضرتؐ کی ذات کی طرف اشارہ ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؐ ہوگا اسی طرح آپ اپنے اخلاق و اطوار کے اعتبار سے بھی محمود ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی بشارت میں لفظ احمدؐ (صیغہ تفضیل) بولنے سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ آپؐ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے بیشتر و جملہ انبیاء سے افضل ہیں اور آیت کریمہ:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (۴۸-۲۹) محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں۔

میں لفظ محمدؐ گو من وجہ آنحضرتؐ کا نام ہے لیکن اس میں آنجناب کے اوصاف حمیدہ کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ يَحْيٰى (۱۹-۷)

میں بیان ہو چکا ہے کہ ان کا یہ نام معنی حیات پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اس کے مقام پر مذکور ہے۔

(ح م ر)

اَلْحِمَارُ (گدھا) اس کی حُمُرٌ وَحَمِيْرٌ وَاَحْمِرَةٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ (۱۶-۸) اور گھوڑے خچر اور گدھے۔

کبھی حمار کے لفظ سے جاہل اور بے علم آدمی بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (۶۲-۵) ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (۷۴-۵۰) گویا گدھے ہیں جو بدک جاتے ہیں۔

---

[1] انظر الکشاف ج ۱ ص ۹ - ۱۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حِمَارُ قُبَّان ایک قسم کا کیڑا (جسے فارسی میں خرک کہا جاتا ہے) اَلْحِمَارَانِ دو پتھر جن پر پنیر خشک کیا جاتا ہے ہیئت میں حمار سے تشبیہ کے طور پر کہا جاتا ہے اور گدھے کے ساتھ جلادت میں تشبیہ دیکر دوغلی نسل کے گھوڑے کو بھی اَلْمُحَمَّر کہا جاتا ہے۔

اَلْحُمْرَۃُ سرخی۔ اَلْاَحْمَرُ وَالْاَسْوَدُ عرب وعجم (اس میں عمومی رنگت کا لحاظ کیا گیا ہے) اور کبھی حَمْرَاءُ الْعِجَان (کنایہ از عجم) بھی کہا جاتا ہے[1]۔

اَلْاَحْمَرَانِ۔ گوشت اور شراب[2] اَلْمَوْتُ الْاَحْمَرُ سخت موت، وہ موت جو قتل سے واقع ہو سَنَۃٌ حَمْرَاءُ قحط سالی کیونکہ اس میں فضا کا رنگ سرخ نظر آتا ہے اسی بنا پر سخت گرمی کو حَمَرَّۃُ الْقَیْظِ کہا جاتا ہے۔ وَطْاَۃٌ حَمْرَاءُ قدم کا تازہ نشان اس کے بالمقابل مٹے ہوئے نشان کو وَطْاَۃٌ دَھْمَاءُ بولتے ہیں۔

(ح م ل)

اَلْحَمْلُ (ض) کے معنی بوجھ اٹھانے یا لادنے کے ہیں اس کا استعمال بہت سی چیزوں کے متعلق ہوتا ہے اس لئے گو صیغہ فعل یکساں رہتا ہے مگر بہت سے استعمالات میں بلحاظ مصادر کے فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ بوجھ جو حسی طور پر اٹھائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی چیز پیٹھ پر لادی جائے اس پر حِمْل (بکسر الحا) کا لفظ بولا جاتا ہے اور جو بوجھ باطن یعنی کوئی چیز اپنے اندر اٹھائے ہوئے ہوتی ہے اس پر حَمْل کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے پیٹ میں بچہ۔ بادل میں پانی اور عورت کے حمل کے ساتھ تشبیہ دے کر درخت کے پھل کو بھی حَمْل کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلٰی حِمْلِہَا لَا یُحْمَلْ مِنْہُ شَیْءٌ (۲۵-۱۸) اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا۔

اور حَمَلْتُ کا صیغہ ہر قسم کا بوجھ اٹھانے پر بولا جاتا ہے خواہ وہ بوجھ ظاہری ہو یا باطنی مثلاً کہا جاتا ہے حَمَلْتُ الثِّقْلَ حَمْلًا میں نے بوجھ اٹھایا۔ الرسالۃ پیغام اٹھایا۔ اَلْوِزْرَ گناہ کا بوجھ اٹھایا۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَہُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِہِمْ (۲۹-۱۳) یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور (اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔

وَمَا ہُمْ بِحَامِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰہُمْ مِّنْ شَیْءٍ (۲۹-۱۲) حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا کچھ بوجھ اٹھانے والے نہیں۔

وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَہُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ (۹-۹۲) اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو اور تم نے کہا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کردوں۔

لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَہُمْ کَامِلَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ (۱۶-۲۵) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور آیت کریمہ:۔

---

[1] وفی حدیث علیؓ عارضہ رجل من الموالی فقال: اسکت یا ابن حمراء العجان ای یا ابن الامۃ والعجان ما بین القبل والدبر وہی کلمۃ تقولہا العرب فی السب والذم (النہایہ ۱ر۴۴۴) [2] والیضا الذہب والزعفران ویقال للماء واللبن الابیضان وللتمر والماء الاسودان (النہایۃ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ (۶۲-۵) جن لوگوں (کے سپر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں پر احکام تورات کی بجا آوری کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی مگر انہوں نے اس میں کوتاہی کی۔

کہا جاتا ہے:۔

حَمَّلْتُهٗ وَحَمَّلْتُ عَلَیْهِ كَذَا میں نے اس کے ذمہ فلاں کام لگایا۔ تَحَمَّلَ وَاحْتَمَلَ وَحَمَلَ اس کے مطاوع آتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا (۱۳-۱۷) پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا۔

حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ (۶۹-۱۱) تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۔۔۔۔ (۲۴-۵۴) اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) جو تمہارے ذمے ہے۔

وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا (۲-۲۸۶) ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (۵۴-۱۳) اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔

ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (۱۷-۳) اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے۔

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ (۶۹-۱۴) اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا لئے جائیں گے۔

حَمَلَتِ الْمَرْاَةُ عورت کا حاملہ ہونا۔ اسی طرح حَمَلَتِ الشَّجَرَةُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے حَمْلٌ کی جمع اَحْمَالٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے (۶۵-۴)

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۔۔۔۔۔ (۴۱-۴۷) اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے (۷-۱۸۹)

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (۴۶-۱۵) اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے۔

اصل میں حَمْلٌ کے معنی پیٹھ پر بوجھ لادنا کے ہیں پھر بطور استعارہ عورت کے حمل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا اونٹنی کے حاملہ ہونے کے لئے وَسَقَتِ النَّاقَةُ بولا جاتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اَلْحَمُوْلَةُ (بالفتح) اسے کہتے ہیں جس پر بوجھ لادا گیا ہو۔ اور یہ قَتُوْبَةٌ اور رَكُوْبَةٌ کی طرح ہے اور جو بوجھ لدا ہوا ہو اسے حُمُوْلَةٌ (بالضم) کہا جاتا ہو اور حِمْلٌ بمعنی محمول آتا ہے اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ خاص کر بھیڑ کے چھوٹے بچے پر بولا جاتا ہے کیونکہ اسے چلنے سے عاجز یا نوزائیدہ ہونے کی وجہ سے اٹھایا جاتا ہے۔ اور حَمَلٌ کی جمع اَحْمَال وَ حِمْلَان آتی ہے۔ اور تشبیہ کے طور پر بادل کو حامل کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا (۵۱-۲) اور پانی کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔
اَلْحَمِیْلُ بہت پانی والا بادل۔ نیز حَمِیْل اس کوڑا کرکٹ کو بھی کہا جاتا ہے جو سیلاب بہا کر لے آتا ہے اور اجنبی مسافر اور ضامن پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ ضامن بھی مقروض کے ساتھ اس کی ضمانت کا بوجھ اٹھائے ہوتا ہے۔ نیز اَلْحَمِیْل اس بچے کو کہتے ہیں جس کا نسب ثابت نہ ہو۔ چنانچہ میراثُ الْحَمِیْل کا مسئلہ ہے یعنی اس شخص کی میراث جس کا نسب متحقق نہ ہو۔[1]
حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کنایۃً چغلخور۔
فُلَانٌ یَحْمِلُ الْحَطَبَ الرَّطْبَ یعنی فلاں چغلی کھاتا ہے۔

(ح م ی)

اَلْحَمْیُ وہ حرارت جو گرم جواہر جیسے آگ، سورج وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی جو بدن میں قوت حارہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فِیْ عَیْنٍ حَامِیَةٍ (۱۸-۸۶) گرم چشمے میں۔
ایک قرأت میں حَمِئَةٍ ہے[2]

یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ (۹-۳۵) جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا۔
حَمِیَ النَّهَارُ دن گرم ہو گیا۔ اَحْمَیْتُ الْحَدِیْدَ لوہا گرم کیا گیا۔
حُمَیَّا الْکَأْسِ شراب کی تیزی، اور انسان کی قوت غضبیہ جب جوش میں آجائے اور حد سے بڑھ جائے۔ تو اسے بھی حَمِیَّة کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے حَمِیْتُ عَلٰی فُلَانٍ میں فلاں پر غصے ہوا قرآن میں ہے:۔
حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ (۴۸-۲۶) اور ضد بھی جاہلیت کی
پھر استعارہ کے طور پر حَمَیْتُ الْمَکَانَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے یعنی کسی جگہ کی حفاظت کرنا۔ ایک روایت میں ہے[3] (۹۹)
لَاحِمٰی اِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ کہ چراگاہ کا محفوظ کرنا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حق ہے۔
حَمَیْتُ اَنْفِیْ مَحْمِیَةً میں نے اپنی عزت کی حفاظت کی۔ حَمَیْتُ الْمَرِیْضَ حَمْیًا بیمار کو نقصان دہ چیزوں سے روک دیا۔ اور آیت کریمہ:
وَلَاحَامٍ (۵-۱۰۳) اور نہ حام۔
میں بعض کے نزدیک حام سے وہ نر اونٹ مراد ہے جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں (اس کے متعلق) کہہ دیا جاتا تھا حُمِیَ ظَهْرُهٗ فَلَا یُرْکَبُ اس کی پشت محفوظ ہے اس پر کوئی سوار نہ ہو۔

---

[1] وفی حدیث انہ کتب الی شریح: الحمیل لا یورث الا ببینۃ (النہایہ) وفی الترمذی ... کما ان ابی حمیلا فورثہ مسروق [2] الاول قراءۃ ابن مسعود والحسن والثانی ابن عباس وعلیہ المصحف فی مجاز ابی عبیدۃ: فی عین حمئۃ (۸۶) التقدیر فعلۃ وہی مہموزۃ ومجازہا ذات حمأۃ ومن لم یہمز جعل مجازہ مجاز فعلۃ من الحرالحامی وموضعہا حامیۃ۔ [3] الحدیث فی النہایہ (حمی) وباختلاف الفاظہ فی معجم الاصبہانی وابن النجار عن ابن عباس (حم خ د) عن الصعب بن جثامۃ راجع کنز العمال ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَحْمَاءُ الْمَرْءَةِ خاوند کی طرف سے عورت کے رشتہ دار کیونکہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اضافت کے وقت تینوں حالتوں میں حَمَاهَا وَ حَمُوْهَا وَحَمِيهَا کہا جاتا ہے بعض حَمْءٌ (بھمزہ) بھی بولتے ہیں جیسا کہ کَمْءٌ ہے۔

اَلْحَمَأَةُ وَالْحَمَأُ سیاہ بدبودار مٹی قرآن میں ہے:
مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ (۱۵-۲۶) سڑے ہوئے گارے سے۔ کہا جاتا ہے حَمَأْتُ الْبِئْرَ میں نے کنوئیں کو صاف کیا۔ اَحْمَأْتُهَا اسے کیچڑ سے بھر دیا۔ ایک قرأت میں عَيْنٍ حَمِئَةٍ (۱۸-۸۶) ہے یعنی سیاہ بدبودار کیچڑ والا چشمہ۔

(ح ن ن)

اَلْحَنِيْنُ کسی چیز کی طرف شفقۃً کھنچنا کہا جاتا ہے۔

حَنَّتِ الْمَرْءَةُ وَالنَّاقَةُ لِوَلَدِهَا عورت اور اونٹنی کا اپنے بچے کا مشتاق ہونا اس اشتیاق کے ساتھ چونکہ کبھی آواز بھی ہوتی ہے اس لئے حنین اس آواز کو کہتے ہیں جس میں اشتیاق اور شفقت پائی جائے یا اشتیاق کی صورت کا تصور کے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے چنانچہ بحدیث، حَنِيْنُ الْجِذْعِ اس معنی پر محمول ہے[1]

رِيْحٌ حَنُوْنٌ سرسراہٹ سے چلنے والی ہوا۔

قَوْسٌ حَنَّانَةٌ آواز نکالنے والی کمان۔ محاورہ ہے (مثل) مَالَهُ حَانَّةٌ وَلَا آنَّةٌ۔ یعنی اسکے پاس نہ اونٹنی ہے۔ اور نہ کوئی موٹی بھیڑ اس میں اونٹنی اور بھیڑ کی یہ صفت ان کے صوت کی بنا پر ہے۔ اور حنین چونکہ معنی شفقت پر مشتمل ہوتا ہے اور شفقت میں ہمیشہ جذبہ رحمت کارفرما ہوتا ہے اس لئے اس سے مراد رحمت لے لی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا:

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا (۱۹-۱۳) اور اپنے پاس سے شفقت ۔۔۔۔ دی تھی۔

اسی سے اسمائے حسنیٰ اَلْحَنَّانُ وَالْمَنَّانُ ہے جس کے معنی بہت زیادہ رحم کھانے والے کے ہیں۔

حَنَانَيْكَ تجھ سے رحم کی التجا کرتا ہوں۔ یہ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ کی طرح تثنیہ لایا جاتا ہے۔

حُنَيْنٌ (مکہ اور طائف کے درمیان) ایک مشہور مقام کا نام ہے (جہاں ۸ھ کو جنگ حنین ہوئی تھی) قرآن میں ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (۹-۲۵) اور (جنگ) حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرہ تھا۔

(ح ن ث)

اَلْحِنْثُ گناہ، نافرمانی۔ قرآن میں ہے:

وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ (۵۶-۴۶) اور گناہ عظیم پر اڑے ہوئے تھے

اسی لئے يَمِيْنٌ غَمُوْسٌ (جھوٹی قسم) کو بھی حنث کہا جاتا ہے۔ اور حَنِثَ فِيْ يَمِيْنِهِ کے معنی قسم توڑنے کے ہیں اور حنث کے معنی سن بلوغت کے بھی آتے ہیں کیونکہ اس عمر میں انسان

---

[1] وفی النہایہ: انہ کان یصلی الی جذع فی مسجدہ فلما عمل لہ المنبر صعد علیہ فحن الجذع الیہ کذا فی النہایۃ وفی روایۃ، کان یخطب بدل یصلی ثم حدیث حنین الجذع معروف رواہ جماعۃ من الصحابۃ وفی بعض الروایات فخار کخوار الثور حتی ارتج المسجد فلا معنی لتاویل المؤلف وحملہ علی المجاز راجع للحدیث الداری رقم (۳۱-۴۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو گناہ کریگا اس پر اسے مواخذہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے بَلَغَ فُلَانٌ الْحِنْثَ فلاں بالغ ہوگیا اَلْمُتَحَنِّثُ وہ شخص جو اپنے سے گناہ کو دور کرنے کے لئے عبادت کرے جیسے متحرج اور متأثم کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔

(ح ن ج ر)

اَلْحُنْجُرَۃُ (نرخرہ) نائے گلو یعنی بیرونی جانب سے حلقوم کا سرا اس کی جمع حَنَاجِرُ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

لَدَی الْحَنَاجِرِ کَاظِمِیْنَ (۴۰-۱۸) غم سے بھر کر گلو تک آرہے ہوں گے۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (۳۳-۱۰) اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے۔

(ح ن ذ)

اَلْحَنِیْذُ (بھونا ہوا) قرآن میں ہے:۔

اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ (۱۱-۶۹) کہ ایک بھونا ہوا بچھڑا لے آئے۔

یعنی وہ بچھڑا جو دو گرم پتھروں کے درمیان رکھ کر کباب کیا گیا تھا اور یہ اس لئے کرتے تھے تاکہ اس سے لزوجت بہ کر نکل جائے۔ یہ حَنَذْتُ الْفَرَسَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پسینہ لانے کے لئے گھوڑے کو ایک دو چکر دوڑا کر اس پر جھول ڈال دینے کے ہیں۔ ایسے گھوڑے کو مَحْنُوْذٌ اور حَنِیْذٌ کہا جاتا ہے۔

حَنَذَتْنَا الشَّمْسُ ہمیں سورج نے جھلس دیا۔ اور پسینہ سے چونکہ معمولی سا پانی نکلتا ہے۔ اس لئے جب کوئی شراب پلائے تو اس سے کہا جاتا ہے اَحْنِذْ یعنی اس میں تھوڑا سا پانی ملا لو یعنی پسینہ کی مقدار میں یا اس رطوبت کی طرح جو حَنِیْذٌ یعنی کباب کئے ہوئے گوشت سے نکلتی ہے۔

(ح ن ف)

اَلْحَنَفُ کے معنی گمراہی سے استقامت کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔ اس کے بالمقابل حَنَفٌ ہے جس کے معنی راہ استقامت سے گمراہی کی طرف مائل ہونا۔

اَلْحَنِیْفُ (بر وزن فعیل) جو باطل کو چھوڑ کر استقامت پر آجائے قرآن میں ہے:۔

قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا (۱۶-۱۲۰) اور خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک کے ہو رہے تھے۔

حَنِیْفًا مُّسْلِمًا (۳-۶۷) سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے ہو رہے تھے۔

حَنِیْفٌ کی جمع حُنَفَاءُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰہِ (۲۲-۳۰-۳۱) اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو صرف ایک خدا کے ہو کر۔

تَحَنَّفَ فُلَانٌ راہ استقامت کی تلاش کرنا۔ ہر وہ شخص جو بیت اللہ کا حج کرتا اور ختنہ کرواتا عرب کے لوگ اسے حَنِیْف کہہ کر پکارتے تھے یعنی یہ دین ابراہیم کا پابند ہے۔

اَلْاَحْنَفُ جس کے پاؤں میں کجی ہو کبھی تفاؤل کے طور پر کسی کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف مائل ہونے کے معنی میں بطور استعارہ آتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ن ك)

اَلْحَنَكُ کے معنی انسان یا چوپائے کے تالو کے ہیں اور کوے کی چونچ کو حنک کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اس کے لئے بمنزلہ انسان کے تالو کے ہوتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے۔

اَسْوَدُ مِثْلَ حَنَكِ الْغُرَابِ اَوْحَلَكِ الْغُرَابِ وہ کوے کی چونچ یا اس کے پروں کی طرح سیاہ ہے، یہاں حنک کے معنی منقار اور حلک کے معنی پروں کی سیاہی کے ہیں اور آیت کریمہ:۔

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا تو میں تھوڑے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا (۱۷-۶۲)

میں یہ حَنَكْتُ الدَّابَّةَ سے بھی مشتق ہوسکتا ہے جس کے معنی اس کے منہ میں لگام دینے یا رسی باندھنے کے ہیں۔ پس یہ لَاُلْجِمَنَّ فُلَانًا وَ لَاُرْسِنَنَّهٗ کی طرح ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِحْتَنَكَ الْجَرَادُ الْاَرْضَ سے مشتق ہو جس کے معنی ٹڈی کے زمین کی روئیدگی کو صفاچٹ کردینے کے ہیں پس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ میں انہیں اس طرح تباہ و برباد کروں گا جیسے ٹڈی زمین پر سے نبات صفاچٹ کردیتی ہے۔

حَنَّكَهُ الدَّهْرُ زمانہ نے اسے تجربہ کار بنادیا۔ جیسا کہ نَجَّذَهٗ وَقَرَّعَ سِنَّهٗ وَافْتَرَّهٗ وغیرہ استعارات تجربہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

(ح و ب)

اَلْحَوْبُ (ن) جرم کا ارتکاب کرنا۔ حُوْبٌ (اسم) گناہ۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (۴-۲) کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔

ایک روایت میں ہے[1] (۱۰۰)

طَلَاقُ اُمِّ اَيُّوْبَ حُوْبٌ کہ ام ایوب کو طلاق دینا گناہ عظیم ہے اور طلاق کو حوب کہنا اس بنا پر ہے کہ وہ ممنوع عنہ ہے اور یہ حَابَ حُوْبًا وَحَوْبًا وَحِيَابَةً سے ہے جس کے معنی ارتکاب جرم کے ہیں۔ اصل میں حَوْبٌ کا لفظ کلمہ زجر ہے جو اونٹوں کو ڈانٹنے کے لئے بولا جاتا ہے۔

فُلَانٌ يَتَحَوَّبُ مِنْ كَذَا۔ فلاں گناہ سے بچتا ہے جیسے يَتَاَثَّمُ عرب لوگ کہتے ہیں: (مثل)

اَلْحَقَ اللّٰهُ بِهِ الْحَوْبَةَ اللہ اسے مسکنت اور احتیاج میں مبتلا کرے اصل میں حَوْبَةٌ اس حاجت کو کہتے ہیں جو انسان کو ارتکاب جرم پر آمادہ کرلے کہا جاتا ہے۔ بَاتَ فُلَانٌ بِحِيْبَةِ سُوْءٍ فلاں نے بری حالت میں رات گزاری۔

اَلْحَوْبَاءُ بقول بعض نفس کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن اصل میں حَوْبَاء اس نفس کو کہتے ہیں جو گناہ کا مرتکب ہو جیسے قرآن نے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (۱۲-۵۳) میں نفس امارہ سے تعبیر کیا ہے۔

---

[1] اخرجہ ابوداؤد فی المرسل وابراہیم الحربی فی الغریب من روایۃ ابن سیرین ورواہ یحیی الہمدانی فی مسندہ والطبرانی فی الاوسط عن ابن سیرین عن ابن عباس وزادہ: قال ابن سیرین الحوب الاثم ورواہ الحاکم عن انس لکن فیہ ان طلاق ام سلیم لحوب وراجع للتفصیل ذیل الکشاف ۱/۲۶۴ وتخریج الکشاف ۳۸ رقم ۳۱۶ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح و ت)

اَلْحُوْتُ بڑی مچھلی کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
نَسِیَا حُوْتَهُمَا (۱۸-۶۱) تو اپنی مچھلی بھول گئے
فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ (۳۷-۱۴۲) پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا۔
اس کی جمع حِیْتَانٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِذْ تَاْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا (۷-۱۶۳) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں۔
اور مچھلی چونکہ رخ بدلتی رہتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے حَاوَتَنِیْ فُلَانٌ اس نے مجھے مچھلی کی طرح دھوکا دیا۔

(ح و ج)

اَلْحَاجَةُ اس چیز کی ضرورت کو کہتے ہیں جس کی دل میں محبت ہو اس کی جمع حَاجَاتٌ و حَوَائِجُ آتی ہے اور حَاجَ (ن) یَحُوْجُ وَ اِحْتَاجَ کے معنی ضرورت مند ہونے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰهَا (۱۲-۶۸) ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی۔
حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا.... (۵۹-۹) اور جو کچھ ان کو ملا اس سے کچھ خواہش۔
اَلْحَوْجَاءُ کے معنی حاجت ہی کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ حَاجٌ ایک قسم کے کانٹے کو کہتے ہیں۔

(ح و ذ)

اَلْحَوْذُ (ن) کے معنی ہیں ہانکنے والا جو اونٹ کے پیچھے اس کے رانوں کے عین بیچ میں چل کر وہاں سے سختی کے ساتھ اسے ہانکے جائے۔
حَاذَ الْاِبِلَ سختی کے ساتھ ہانکنا اور آیت:۔
اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ (۵۸-۱۹)
شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے۔
میں استحوذ کے معنی ان پر مسلط ہو کر ہانکنے کے ہیں۔ یہ اِسْتَحْوَذَ الْعَیْرُ عَلَی الْاَتَانِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی گدھے کا مادۂ خر کی پشت پر چڑھ کر دونوں جانب سے قابو پا لینا (جیسا کہ جفتی کی صورت میں ہوتا ہے) اس میں ایک قرأت اِسْتَحَاذَ بھی ہے جو قیاس کے مطابق ہے آیت میں شیطان کے بنی آدم پر غلبہ پانے کے لئے اِسْتَحْوَذَ کا استعمال بطور استعارہ کے ہے جیسا کہ اِقْتَعَدَهُ الشَّیْطٰنُ وَارْتَکَبَهُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی شیطان نے اسے اپنی سواری بنا لیا۔
اَلْاَحْوَذِیُّ[1] مرد سبک فہم و نیک کارگزار کسی چیز کا ماہر یہ حَوْذٌ بمعنی سَوْقٌ (چلانا) سے مشتق ہے۔

(ح و ر)

اَلْحَوْرُ (ن) کے اصل معنی پلٹنے کے ہیں خواہ وہ پلٹنا بلحاظ ذات کے ہو یا بلحاظ فکر کے اور آیت کریمہ:۔
اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ (۸۴-۱۴) اور خیال کرتا تھا کہ (خدا کی طرف) پھر کر نہیں آئے گا۔

---

[1] و فی ذیل الامالی الزرق والحیۃ المسکنۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لَنْ یَّحُوْرَ سے دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنا مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:۔

زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ (۶۴-۷) جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہدو کہ ہاں ہاں میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

حَارَ الْمَاءُ فِی الْغَدِیْرِ پانی کا حوض میں گھومنا۔

حَارَ فِیْ اَمْرِہٖ کسی معاملہ میں متحیر ہونا۔

اسی سے مِحْوَرٌ ہے۔ یعنی وہ لکڑی جس پر چرخی گھومتی ہے اور گھومنے کے معنی کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔

سَیْرُ السَّوَانِیْ اَبَدًا لَا یَنْقَطِعُ کہ پانی کھینچنے والے اونٹ ہمیشہ چلتے رہتے ہیں۔

مَحَارَۃُ الْاُذُنِ کان کا گڑھا۔ یہ مَحَارَۃُ الْمَاءِ کے ساتھ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے کیونکہ اس میں آواز سے ہوا اس طرح چکر کاٹتی ہے۔ جیسے گڑھے میں پانی گھومتا ہے۔ اَلْقَوْمُ فِیْ حَوَارٍ یعنی زیادتی کے بعد نقصان کی طرف لوٹ رہے ہیں حدیث میں ہے[1]:۔ (۱۰۱)

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ ہم زیادتی کے بعد کمی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یا کسی کام کا عزم کر لینے کے بعد اس میں تردد سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اسی طرح کہا جاتا ہے (مثل)

حَارَ بَعْدَ مَا کَارَ زیادہ ہونے کے بعد کم ہوگیا۔

اَلْمُحَاوَرَۃُ وَالْحِوَارُ ایک دوسرے کی طرف کلام لوٹانا اسی سے تَحَاوَرَ (تبادلہ گفتگو) ہے قرآن میں ہے۔

وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا (۵۸-۱) اور خدا تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

كَلَّمْتُهٗ فَمَا رَجَعَ اِلَیَّ حَوَارًا اَوْ حَوِیْرًا اَوْ مَحُوْرَۃً میں نے اس سے بات کی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ مَا یَعِیْشُ بِاَحْوَرَ وہ عقلمندی سے زندگی بسر نہیں کر رہا ہے۔ اور آیات کریمہ:۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (۵۵-۷۲) وہ حوریں ہیں جو خیموں میں مستور ہیں۔

حُوْرٌ عِیْنٌ (۵۶-۲۲) اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔

میں حُوْرٌ، اَحْوَرُ اور حَوْرَاءُ کی جمع ہے۔ اور حَوَرٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بقول بعض آنکھ کی سیاہی میں تھوڑی سی سفیدی ظاہر ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

اِحْوَرَّتْ عَیْنُهٗ یعنی اس کی آنکھ بہت سیاہی اور سفیدی والی ہے۔ اور یہ آنکھ کا انتہائی حسن سمجھا جاتا ہے جو اس سے مقصود ہوسکتا ہے۔

حَوَّرْتُ الشَّیْءَ کسی چیز کو گھمانا۔ سفید کرنا (کپڑے کا) اسی سے اَلْخُبْزُ الْحُوَّارَیُّ ہے جس کے معنی میدے کی روٹی کے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے انصار و اصحاب کو حَوَارِیِّیْنَ کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قصار یعنی دھوبی تھے اور بعض نے کہا ہے کہ صیاد یعنی شکاری تھے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کو حواری اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو علمی اور دینی فائدہ پہنچا کر گناہوں کی میل سے اپنے آپ کو پاک کرتے تھے۔ جس پاکیزگی کی طرف کہ آیت۔

---

[1] الحدیث فی اللسان (حور، کور، کون) ومجالس ثعلب ۳۵۱ ومجازات القرآن للشریف الرضی ۲۸۲ والمجازات النبویۃ واساس البلاغۃ والفائق ۲/۳۱۱ وفیہ بعد الکون وغریب ابی عبید ۱/۲۱۹ والترمذی فی الدعوات والنسائی فی الاستعاذۃ و (رحم) ۵:۸۲-۸۳ [2] المثل فی جل المعاجم۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (۳۳-۳۳) میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر انہیں تمثیل اور تشبیہ کے طور پر قَصَّارٌ کہہ دیا گیا ہے ورنہ اصل میں وہ دھوبی پن کا کام نہیں کرتے تھے اور اس سے وہ شخص مراد لیا جاتا ہے جو معرفت حقائق کی بنا پر عوام میں متداول پیشوں میں سے کوئی پیشہ اختیار نہ کرے اسی طرح ان کو صتیا و اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو حیرت سے نکال کر حق کیطرف لاکر گویا ان کا شکار کرتے تھے۔ آنحضرت نے حضرت زبیر کے متعلق فرمایا (۲-۱۰)

الزبیر ابن عمتی وحواریّ۔ کہ زبیر میرا پھوپھی زاد بھائی اور حواری ہے نیز فرمایا (۱۰۳) لکل نبی حواریٌّ وحواریّ الزبیر۔ کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری رہا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ اس روایت میں حضرت زبیرؓ کو حواری کہنا محض نصرت اور مدد کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ عیسٰی علیہ السلام نے کہا تھا۔

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (۶۱-۱۴) بھلا کون ہیں جو خدا کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں۔ حواریوں نے کہا ہم خدا کے مددگار ہیں۔

ح ش

حَاشَا (کلمۂ استثناء اور تنزیہ ہے) قرآن میں ہے:۔

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ (۱۲-۳۱) یعنی وہ ہر نقص سے پاک اور دور ہے۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ یہ تنزیہ اور استثناء کیلئے آتا ہے۔ ابوعلی الفسویؒ کا قول ہے کہ حاش اسم نہیں ہے کیونکہ اس پر حرف جر داخل نہیں ہوتا۔ اور نہ حرف ہے کیونکہ حرف میں جب تک تضعیف نہ ہو اس میں سے حذف نہیں ہوتا۔ حالانکہ حاش وحاشی دونوں طرح بولتے ہیں۔ پس بعض حاش کو مستقل کلمہ مان کر اسے حُوْش بمعنی وَحْشی سے مشتق مانتے ہیں اور اسی سے حُوْشِیُّ الْکَلَامِ (وحشی کلام) ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حَوْش کے معنی مذکر جن کے ہیں اور اسی کی طرف وَحْشَۃُ الصَّید منسوب ہے اور اَحْشَتَہٗ کے معنی ہیں کہ شکار کو ہر طرف سے گھیر کر پھندے کی طرف لایا۔

وَاسْتَوْحَشُوْہُ وَتَحَوَّشُوْہُ انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔

اَلْحُوْشُ (ن) ایک کنارے سے کھانا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حَتّٰی سے مقلوب ہے اور اسی سے حَاشِیَۃٌ ہے جس کے معنی کنارے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[۱] (بسیط)

(۱۲۲) وَمَا اُحَاشِیْ مِنَ الْاَقْوَامِ مِنْ اَحَدٍ اور لوگوں سے میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتا گویا شاعر نے کہا ہے کہ میں کسی کو ایک حشا میں نہیں رکھتا۔ کہ تمہاری فضیلت بیان کرتے وقت

---

[۱] اخرجہ النسائی والترمذی والبخاری من حدیث جابر وردت ک (من علیؓ راجع الفتح مناقب زبیر بن العوام وتخریج الکشاف لابن حجر ۱۲ [۲] قالہ النابغۃ داولہ: ولا اری فاعلا فی الناس یشبھہ۔ الشطر فی الاشباہ والنحویہ (۲: ۷) والبیت فی مختار الشعر الجاہلی (۱: ۷۷) والعقد الثمین ۷ واللسان (حشی) ودیوانہ ۱۲ والخزانہ (۲: ۴۴) والمغنی لابن ہشام (۱: ۱۲۰) والعینی (۱: ۳۸) والسیوطی ۲۸، ۲۷ اواسرار ابن الانباری ۲۰۸ وشرح العشر للتبریزی ۲۲۹ و اسمہ ابوامامہ زیاد بن معاویہ المتوفی ذیحجہ اق) واختلف العلماء فی حاشی ہل ہو فعل او حرف جر واستدل المبرد بھذا البیت علی ان حاشی قدیکون فعلا انظر التفصیل فی البغدادیہ (۲: ۴۴-۴۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے مستثنیٰ کرنا پڑے۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے۔ (طویل)

(۱۲۳) وَلَا یَتَخَشَّی الْفَحْلُ اِنْ اَعْرَضَتْ بِہٖ
وَلَا یَمْنَعُ الْمِرْبَاعَ مِنْہُ فَصِیْلُھَا

(ح و ط)

اَلْحَائِطُ۔ دیوار جو کسی چیز کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو اور اِحَاطَۃٌ (افعال) کا لفظ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اجسام کے متعلق جیسے۔ اَحَطْتُ بِمَکَانِ کَذَا یہ کبھی بمعنیٰ حفاظت کے آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ (۴۱-۵۴) سن رکھو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یعنی وہ ہر جانب سے ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کبھی روکنے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ اِلَّا اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ (۱۲-۶۶) مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ۔ یعنی تمہیں روک لیا جائے۔ اور آیت کریمہ: اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْئَتُہٗ (۲-۸۱) اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں۔ میں بہت بلیغ استعارہ ہے۔ کیونکہ انسان جب کسی صغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے بار بار کرتا ہے تو یہ اسے کسی بڑے گناہ کے ارتکاب کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے۔ اس طرح وہ برابر گناہوں کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ اور وہ گناہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ تو گویا گناہ نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔

(۲) دوم احاطہ بالعلم ہے جیسے فرمایا:۔ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (۶۵-۱۲) اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (۳-۱۲۰) یہ جو کچھ کرتے ہیں خدا اس پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (۱۱-۹۲) میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور کسی چیز پر علم کے ذریعے احاطہ کر لینے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ انسان اس چیز کے وجود، جنس، کیفیت، اس کی غرض اور اس کو وجود میں لانے کے مقصد الغرض اس کے مالہ و ما علیہ کو پوری طرح جان لے۔ اور اس طرح کا احاطہ اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن نے مخلوق سے اس قسم کے احاطہ علمی کی نفی کی ہے۔ جیسے فرمایا:۔ بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ (۱۰-۳۹) حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکتے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا۔ اور خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا:۔ وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْرًا (۱۸-۶۸) اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیونکر سکتے ہو۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جب تک کسی چیز پر پوری طرح احاطہ نہ ہو اس وقت تک کامل صبر بہت مشکل ہوتا ہے اور کسی چیز پر پوری طرح احاطہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش کے بغیر ناممکن ہے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ اُحِیْطَ بِھِمْ (۱۰-۲۲) اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو) لہروں میں گھر گئے۔ میں احاطہ بالقدرۃ مراد ہے۔ اسی طرح فرمایا:۔ وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰہُ بِھَا۔

---

۱ ؎ قالہ رجل من بنی عکل والبیت فی المعانی للقتیبی ۲ ، ۳۹۲ ، ۱۲۳۷ واللسان (خشی) عن الباہلی فی المعانی ۱۲۳ ؛ ؛ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۴۸-۲۱) اور غنیمتیں دیں جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (اور) وہ خدا ہی کی قدرت میں تھیں۔

اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ (۱۱-۸۴) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہیگا۔

اَلْاِحْتِیَاطُ (افتعال) یعنی ایسے وسائل بروئے کار لانا جن کے ذریعہ کسی مضرت سے بچاؤ ہو سکے۔

(ح و ل)

اَلْحَوْلُ (ن) دراصل اس کے معنی کسی چیز کے متغیر ہونے اور دوسری چیزوں سے الگ ہونا کے ہیں معنی تغیر کے اعتبار سے حَالَ الشَّیْئُ یَحُوْلُ حُؤُوْلًا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی شے کے متغیر ہونیکے ہیں۔ اور اِسْتَحَالَ کے معنی تغیر پذیر ہونے کے لئے مستعد ہونے کے اور معنی انفصال کے اعتبار سے حَالَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ کَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی میرے اور اس کے درمیان فلاں چیز حائل ہو گئی۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ (۸-۲۴) اور جان رکھو کہ خدا آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

میں باری تعالیٰ کے مقلب القلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق انسان کے دل میں ایسی بات ڈال دیتا ہے جو اسے اس کے مقصد سے پھیر دیتی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَحِیْلَ بَیْنَہُمْ وَبَیْنَ مَا یَشْتَہُوْنَ (۳۴-۵۴) (ان میں اور ان کی خواہش کی چیزوں کے درمیان پردہ حائل کر دیا گیا) بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

بعض نے آیت یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کو مہلت دیے رکھتا ہے۔ تاکہ وہ ارذل عمر کی حد تک پہنچ جائے اور جاننے کے بعد کسی چیز کو بھی نہ جان سکے۔

حَوَّلْتُ الشَّیْئَ کسی چیز کو متغیر کرنا اور پھیر دینا۔ اور یہ تغیر کبھی باعتبار ذات کے ہوتا ہے اور کبھی باعتبار حکم اور قول کے اسی سے کہا جاتا ہے۔ اَحَلْتُ عَلٰی فُلَانٍ بِالدَّیْنِ میں نے فلاں پر قرض کا حوالہ کر دیا۔ حَوَّلْتُ الْکِتَابَ کتاب کو نقل کرنا۔ مثل مشہور ہے[1] (مثل) لَوْکَانَ ذَا حِیْلَۃٍ لَتَحَوَّلَ اگر صاحب تدبیر ہوتا تو پھر جاتا اور آیت کریمہ:۔

لَا یَبْغُوْنَ عَنْہَا حِوَلًا (۱۸-۱۰۸) اور وہاں سے مکان بدلنا نہ چاہیں گے۔ میں حِوَلًا کے معنی تحول یعنی پھرنے کے ہیں۔

اَلْحَوْلُ سال کو کہتے ہیں اس لئے کہ سال بھر میں سورج اپنی گردش پوری کر لیتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَہُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ (۲-۲۳۳) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔

مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ (۲-۲۴۰) کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔

اسی سے حَالَتِ السَّنَۃُ تَحُوْلُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں سال گزر گیا۔ حَالَتِ الدَّارُ

۱؎ راجع للمثل المیدانی رقم ۳۲۲۴، ۲۷۲۱، ۱۳۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھر کی حالت متغیر ہوگئی۔
اَحَالَتْ وَاَحْوَلَتْ اس پر ایک سال پورا ہوگیا جیسا کہ اَعَامَتْ وَاَشْھَرَتْ کا محاورہ ہے۔
اَحَالَ فُلَانٌ بِمَکَانٍ کَذَا وہ فلاں جگہ پورا ایک سال رہا۔
حَالَتِ النَّاقَۃُ تَحُوْلُ حِیَالًا اونٹنی کا حاملہ نہ ہونا۔ گویا اس کی پہلی حالت متغیر ہوگئی۔
اَلْحَالُ انسان وغیرہ کی وہ حالت جو نفس جسم اور مال کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے اور حَوْل کا لفظ مالی، بدنی اور جسمانی تینوں قسم کی قوت پر بولا جاتا ہے اسی سے کہا جاتا ہے۔
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اللہ کے سوا کچھ حیلہ اور قوت نہیں ہے۔
حَوْلُ الشَّیْءِ کسی چیز کی وہ جانب جس کی طرف اسے پھیرنا ممکن ہو حَوْل کہلاتا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ (۴۰-۷) اور جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں۔
اَلْحِیْلَۃُ وَالْحُوَیْلَۃُ اس تدبیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز تک پوشیدہ طور سے پہنچا جا سکے۔ عام طور پر اس کا استعمال بری تدبیر کے لئے ہوتا ہے لیکن کبھی ایسی تدبیر کے متعلق بھی ہوتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کے وصف ہیں:۔ وَھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ (۱۳-۱۳) آیا ہے یعنی باری تعالیٰ خفیہ سے اس کام کو سرانجام دیتا ہے جس میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کو مکر و کید کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے۔ ذکر بطور مذمت کے اللہ تعالیٰ تو ہر قبح سے پاک اور بالا ہے۔
اور حِیْلَۃٌ بھی حَوْل سے مشتق ہے واؤ کا ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے اسے یاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور اسی سے رَجُلٌ حُوَلٌ کا محاورہ ہے یعنی بہت چالاک اور ہوشیار ہے۔
اَلْمُحَالُ کے معنی ہیں دو متناقض چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا یہ کبھی قول میں ہوتا ہے جیسے کہا جائے ایک جسم دو جگہوں میں ایک ہی حالت میں پایا جاتا ہے۔ اِسْتَحَالَ الشَّیْءُ کسی چیز کا محال ہونا اور اس چیز کو مُسْتَحِیْلٌ کہا جاتا ہے یعنی محال ہونے لگی۔
اَلْحِوَلَاءُ یعنی سبز سی جھلی جو اونٹنی کے پیٹ سے بچے کے ساتھ نکلتی ہے۔
مثل مشہور ہے[1] (مثل) وَلَا اَفْعَلُ کَذَا مَا اَرْزَمَتْ اُمُّ حَائِلٍ جب تک کہ اونٹنی آواز نکالتی رہے میں اس کام کو نہیں کرونگا اور ام حائل اس شتر بچہ مادینہ کو کہتے ہیں جو ابھی پیٹ سے باہر آیا ہو اور اس میں شبہ نہ رہا ہو نہ کہ یہ مادہ ہے حالت اشتباہ کے دور ہونے کی وجہ سے اسے ام حائل کہا جاتا ہے۔
اَلْحَالُ لغت میں اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی چیز موصوف ہوتی ہے اور اہل منطق کی اصطلاح میں سریع الزوال کیفیت کو حالت کہا جاتا ہے۔ جیسے حرارت، برودت، یبوست اور رطوبت جو کسی چیز کو عارض ہوتی ہے۔

(ح و ی)

اَلْحَوَایَا (انتڑیاں) یہ حَوِیَّۃٌ کی جمع ہے

---

[1] ای لا افعلہ ابدًا راجع اللسان (حول) والامالی ۱ر۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے معنی آنت کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اَوِ الْحَوَایَا اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ (۶-۱۴۶) یا
انتڑیوں میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو۔
اور حَوِیَّۃٌ اس کمبل کو بھی کہتے ہیں جو اونٹ
کی کوہان کے اردگرد لپٹا جاتا ہے۔ یہ اصل میں
حَوٰیتُ (ض) حَیًّا وَ حَوَایَۃً سے مشتق ہے۔
جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔
اَلْاَحْوٰی کالا سیاہ مائل بہ سبزی۔ یہ حُوَّۃٌ سے
مشتق ہے جس کے معنی سبزی مائل سیاہی ہیں
اور اس کا باب اُحْوَوٰی یَحْوَوِیْ اِحْوِوَاءٌ
آتا ہے جیسے اِدْعَوٰی بعض نے کہا ہے کہ اس وزن
پر یہ دو باب ہی آتے ہیں وَلَا ثَالِثَ لَھُمَا
حَوِیَ حُوَّۃً سیاہ سبزی مائل ہونا اسی سے
اَحْوٰی ہے جس کے معنی سخت سیاہ کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔
فَجَعَلَہٗ غُثَاءً اَحْوٰی (۸۷-۵) پھر اس کو
سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔
یہاں اَحْوٰی سے مراد ہے: وہ گھاس جو پرانی
بوسیدہ ہو کر سیاہ پڑ جائے۔ جس کے متعلق
شاعر نے کہا ہے[1] ع (   )
کَالْحَبَشِیِّ بِالْلَّدِیْنِ الْاَسْوَدِ (۱۴۲)
پرانی خشک اور سیاہ گھاس یہی معلوم ہوتی ہے
ہوں۔ بعض نے کہا ہے کہ آیت کی ترتیب اصل
یہ ہے[2]۔ وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی۔ اَحْوٰی فَجَعَلَہٗ
غُثَاءً یعنی اللہ تعالیٰ سبز چارہ اگاتا ہے پھر
اس کو کوڑا بنا دیتا ہے۔

(ح ی ث)

حَیْثُ (یہ ظرف مکان مبنی برضم ہے) اور
مکان مبہم کے لئے آتا ہے جس کی مابعد کے جملہ
سے تشریح ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ (۲-۱۴۴) اور تم جہاں ہوا کرو۔
وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ (۲-۱۴۹) اور تم جہاں سے نکلو۔

(ح ی د)

اَلْحَیْدُ (ض) کے معنی پہلو تہی کرنے اور
دور بھاگنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُ (۵۰-۱۹) (اے
انسان) یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

(ح ی ر)

حَارَ (ض) حَیْرَۃً فَھُوَ حَائِرٌ وَحَیْرَان
وَتَحَیَّرَ وَاسْتَحَارَ کے معنی کسی کام سے بھٹکنے اور
متردد ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیَاطِیْنُ فِی الْاَرْضِ
حَیْرَانَ (۶-۷۱) جیسے کسی کو جنات نے جنگل
میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران ہو رہا ہو۔
اَلْحَائِرُ وہ جائے گرداب۔ شاعر نے کہا ہے[3] (   )
(۱۲۵) وَاسْتَحَارَ شَبَابُھَا
اور اس کی جوانی بھرپور ہو گئی۔ اور استحار کے

---

[1] لم اجرلہ ویرجی ۱۲ [2] وعلی ہذا التقدیر یکون احوی حالاً کما فی الکشاف ۴: ۲۳۸ وذکرہ ثعلب فی مجالسہ ۳۰۷ فی امثالہ التغلب ۱۲
[3] قالہ ابو ذویب الہذلی وتکملتہ ثلاثۃ اعوام فلما تجرمت تقضی شبابی ... والبیت فی اللسان والصحاح والتاج (جرم)، والمحکم (حیر)
وفی روایتہ احوال بدل اعوام الینا بھون بدل تقضی شبابی ودیوان الہذلیین الستۃ (۱: ۷) والسیوطی ۹ فی روایۃ علینا بھون وکذا
فی (رس) و دیوان الہذلیین ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی پانی سے پیٹ کے اس قدر پر ہو جانے کے ہیں کہ اسے حیرت لاحق ہو جائے۔

اَلْحُبَیْرُ ۔ ایک مقام کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پانی کے جمع ہونے کی وجہ سے اس مقام کا نام حُیَیْرَۃ پڑ گیا تھا۔

(ح ی ص)

حَاصَ (ض) عن الحَقِّ کے معنی حق سے بھاگ کر شدت و مکروہ کی طرف جانے کے ہیں قرآن میں ہے:۔ ھَلْ مِنْ مَّحِیْصٍ (۵۰-۳۶) کہیں بھاگنے کی جگہ ہے۔ مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ (۱۴-۲۱) کوئی جگہ گریز اور رہائی ہمارے لئے نہیں ہے۔

یہ اصل میں حَیْصٌ وَّبَیْصٌ سے ہے جس کے شدت اور سختی کے ہیں۔ مگر اَلْحَوْصُ (واوی) ہو تو اس کے معنی چیرا سلنا ہوتے ہیں اور اسی سے حُصْتُ عینَ الصَّقْرِ کا محاورہ ہے جس کے معنی صقرہ کی آنکھیں سی دینے کے ہیں۔

(ح ی ض)

اَلْحَیْضُ۔ وہ خون جو مخصوص دنوں میں صفت خاص کے ساتھ عورت کے رحم سے جاری ہوتا ہے اسے حیض کہا جاتا ہے۔ اور مَحِیْض کے معنی حیض، وقت حیض اور مقام حیض کے ہیں۔ کیونکہ فعل سے اس قسم کے مصادر مَفْعَلٌ کے وزن پر آتے ہیں جیسے مَعَاشٌ و مَعَاذٌ اور شاعر کے قول[1] ع (الکامل)

(۱۲۶) لَا یَسْتَطِیْعُ بِھَا القُرَادُ مَقِیْلًا

(کہ چیچڑی اس میں قیلولہ کی جگہ بھی نہیں پاتی)۔ میں مقیلا ظرف ہے یعنی قیلولہ کرنے کی جگہ گو بعض نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے اور کہا جاتا ہے مَا فِی بُرِّكَ مَكِيلٌ وَمَكَالٌ کہ تیرے غلہ میں ماپ نہیں ہے۔

(ح ی ف)

اَلْحَیْفُ (ض) فیصلہ کرنے میں ایک جانب کو جھک جانا انصاف نہ کرنا۔ قرآن میں ہے:۔ اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۴-۵۰) یا ان کو خوف ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان کے حق میں ظلم کرینگے (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔ تَحَیَّفْتُ الشَّیْءَ میں نے اسے کناروں سے پکڑا۔

(ح ی ق)

(اَلْحُیُوْقُ وَالْحَیَقَانُ (ض)) کے معنی کسی چیز کو گھیرنے اور اس پر نازل ہونے کے ہیں۔ اور یہ باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ (۳۵-۴۳) اور بری چال کا وبال اسکے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (۴۶-۲۶) اور جس چیز سے استہزاء کیا کرتے تھے اس نے ان کو آگھیرا۔

---

[1] قالہ الراعی النمیری عبید بن حصین بن جندل الراعی (ابو جندل ہو من فحول الشعراء) وصدرہ: بُنِیَتْ مرافقھُنَّ فوق مزلۃ .... والبیت من کلمۃ جمھریۃ طویلۃ (۱: ۲۳۱-۲۳۷) وراجع للبیت اللسان (زل) وامالی المرتضی ۱/ ۲۲۲ والبحر (۲: ۱۶۷) والکتاب (۲: ۲۴۷) مع شرحہ للشنتمری المفصل (۹: ۵۵/ ۱۲: ۱۶) والمحکم (حیض) واللسان وفیہ مایستطیع والحیوان (۵: ۳۲۷) وفی روایۃ مبنتْ بدل بنیت وفی بعض الروایات ثبتت ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ح ی ن)

اَلْحِیْنُ۔ اس وقت کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہنچے اور حاصل ہو۔ یہ ظرف مبہم ہے اور اس کی تعیین ہمیشہ مضاف الیہ سے ہوتی ہے جیسے فرمایا:۔
وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاص (۳۸-۳) اور وہ رہائی کا وقت نہ تھا۔

اور بعض نے حینُ (رفع کے ساتھ) پڑھا ہے پس حین کا استعمال چند وجوہ پر ہوتا ہے۔

(۱) مدت اور اجل کے معنی میں جیسے فرمایا:۔
وَمَتَّعْنَاهُمْ اِلٰی حِیْنٍ (۱۰-۹۸) اور ایک مدت تک (فوائد دنیوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔

(۲) سال اور برس کے معنی میں جیسے:۔
تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا (۱۴-۲۵) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو۔

(۳) ایک ساعت اور گھڑی کے معنی میں جیسے فرمایا:۔
حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ (۳۰-۱۷) تو جس وقت تم کو شام ہو اور جس وقت صبح ہو...

(۴) مطلق زمانہ اور وقت کے معنی میں جیسے فرمایا۔
هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (۷۶-۱) بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے۔
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ (۳۸-۸۸) اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائیگا۔
اور کسی ایک معنی کی تعیین موقع و محل کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔
عَامَلْتُهٗ مُحَایَنَةً میں نے اس سے وقتاً فوقتاً معاملہ کیا۔
اَحْیَنْتُ بِالْمَکَانِ میں وہاں ایک عرصہ ٹھہرا رہا۔
حَانَ حِیْنُ کَذَا۔ فلاں چیز کا موسم قریب آ پہنچا۔
حَیَّنْتُ الشَّیْءَ کسی چیز کیلئے وقت مقرر کرنا۔
اور اَلْحَیْنُ (بفتح الحاء) کے معنی موت اور ہلاکت کے ہیں۔

(ح ی ی)

اَلْحَیَاةُ زندگی، جینا یہ اصل میں حَیِیَ (س) یَحْیٰی کا مصدر ہے) کا استعمال مختلف وجوہ پر ہوتا ہے۔

(۱) قوت نامیہ جو حیوانات اور نباتات دونوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے نبات کو حَیٌّ یعنی زندہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۵۷-۱۷) جان رکھو کہ خدا ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔
فَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا (۵۰-۱۱) اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا۔
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (۲۱-۳۰) اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔

(۲) دوم حیاۃ کے معنی قوت احساس کے آتے ہیں اور اسی قوت کی بنا پر حیوان کو حیوان کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (۳۵-۲۲) اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا اَحْیَاءً وَّاَمْوَاتًا (۷۷-۲۵-۲۶)
اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ الَّذِیْ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ط اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدِیْرٌ۔ (۴۱-۳۹) تو جس نے زمین کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہں زمین کو زندہ کرنے سے اسے قوت نامیہ عطا کرنا مراد ہے اور مُحْیِ الْمَوْتٰی سے قوت احساس کے عطا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) قوت عاقلہ عاملہ کا عطا کرنا مراد ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔ اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ (۶-۱۲۲) بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔

اور شاعر نے کہا ہے[1] (   )

(۱۲۷) اَسْمَعْتَ لَوْ نَادَیْتَ حَیًّا
وَلٰکِنْ لَا حَیَاۃَ لِمَنْ تُنَادِیْ

اگر تو کسی زندہ کو پکارتا تو وہ سن لیتا۔ لیکن جس کو تم پکار رہے ہو اس میں زندگی نہیں ہے (یعنی عقل سے محروم ہے)

(۴) غم کا دور ہونا مراد ہوتا ہے۔ اس معنی میں شاعر نے کہا ہے[2] ع (خفیف)

(۱۲۸) لَیْسَ مَنْ مَاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَیْتٍ
اِنَّمَا الْمَیْتُ مَیِّتُ الْاَحْیَاءِ

جو شخص مر کر راحت کی نیند سو گیا وہ درحقیقت مردہ نہیں ہے۔ حقیقتاً مردے وہ ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مردے بنے ہوئے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ (۳-۱۶۹)

جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔

میں شہداء کو اسی معنی میں اَحْیَاءٌ یعنی زندے کہا ہے۔ کیونکہ وہ لذت وراحت میں ہیں۔ جیسا کہ ارواح شہداء کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں۔

(۵) حیات سے آخرت کی دائمی زندگی مراد ہوتی ہے۔ جو کہ علم وعقل کی زندگی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] البیت فی التاج غیر منسوب والطبرسی (۱: ۹۶) والطبری (۵/ ۷۸) والبحر (۱: ۳۷۲، ۴۸۶) وتنزیہ القرآن ۱۰ وفیہ تقدیل وقد ۔ ایضا لطائف المعارف للبونی ۳۳ وفی المطبوع وقد نادیت لو اسمعت حیا مقلوب ثم رأیت فی البلدان (رسم ابیہ) ان قائلہ کثیر یرثی صدیقا اخ. فانی ۱۹ بیتا ۱۲
[2] البیت مقطوعۃ لعدی بن الرعلاء الغسانی جاہلی وہو الذی یقال لہ کوثی ابن الرعلاء التاج (کوت، کوث) والنحویون یستشہدون بہ (راجع معالم الاہتداء للزبیدی ص) والبیت فی الاصمعیات د وتہذیب الالفاظ ۴۴ والمعجم (المرزبانی ۸۶ والسمط ۸/ ۳، ۶ والخزانۃ (۴: ۱۸۷) وابن الشجری ۱؍ والسیطی ۳۸، ۴/ ۸۷ والانتضاب ۸۹ ومجاز القرآن ۴۹ ارقم ۱۷۹ الصناعتین ۳۱۵ والبحر (۱: ۲۰۹) وایام العرب ۵۳ والرسالۃ القشیریہ ۴۳ والحکم (شعث) فی امثلۃ بیت التشعیث واضداد ابی الطیب (۱: ۲۱۸) ونسبہ البحتری فی الحماسۃ ۴۴ الی صالح ویاقوت فی الارشاد (۹: ۱۲۱) والمعجم ۲۶۹ الی صالح بن عبد القدوس قال الاستاذ المیمنی فی ذیل السمط وہو بہ الیط وبمذہبہ اونق والاسف ان الاستاذ حسن کامل الصیرفی نقل تخریج المیمنی بغیر عزو فی تعلیقاتہ علی دیوان البحتری وذکر الجاحظ فی البیان (۱: ۱۳۲) ان الحسن البصری کان یتمثل بہذا البیت فی مجلسہ ومواعظہ راجع الحیوان ۶، ۵۰۷ وکنز العمال رقم ۲۵۵۱ الدیلمی عن انس او ابن عباس واضداد ابی الطیب ۸ ۱۳ ولطائف المعارف للبونی ۳۲۷ وفی المیدانی ۲۸۹:۱ مثل یضرب بمن یوعظ فلا یقبل ولا یفہم وفی المعجم للمرزبانی واللآلی ان الشاعر قالہا فی وقعۃ عین اباغ بین الغساسنۃ بالشام والمناذرۃ بالعراق وانہا: کم ترکنا بالعین عین اباغ من ملیک وسوقۃ القاء وبعد الشاہد انما المیت من یعیش ذلیلا کاسفا بالہ قلیل الرجاء وبہذا یتضح المراد ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ (۸-۲۴) خدا اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول خدا تمہیں ایسے کام کے لئے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی (جاوداں) بخشتا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ:-

يَا لَيۡتَنِيۡ قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِيۡ (۸۹-۲۴) کاش میں نے اپنی زندگی (کی جاودانی کے لئے) کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ میں بھی اخروی دائمی زندگی مراد ہے۔

(۶) وہ حیات جس سے صرف ذات باری تعالیٰ متصف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت میں حیّ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات اقدس ہوتی ہے جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

پھر دنیا اور آخرت کے لحاظ بھی زندگی دو قسم پر ہے یعنی حیات دنیا اور حیات آخرت چنانچہ فرمایا:-

فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا (۷۹-۳۷-۳۸) تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا۔

اِشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ (۲-۸۶) جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔

وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا فِي الۡاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (۱۳-۲۶) اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے۔ یہاں متاع سے دنیاوی ساز و سامان مراد ہے۔

وَرَضُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا (۱۰-۷) اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ (۲-۹۶) بلکہ تم ان کو اور لوگوں سے زندگی پر کہیں حریص دیکھو گے اور آیت کریمہ:-

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اَرِنِيۡ كَيۡفَ تُحۡيِ الۡمَوۡتٰى... (۲-۲۶۰) اور جب ابراہیمؑ نے (خدا سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اخروی زندگی کی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کے متعلق سوال کیا تھا۔ جو دنیوی آفات کے شوائب سے پاک ہوگی۔

اور آیت کریمہ:-

وَلَكُمۡ فِي الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ (۲-۱۷۹) اور اے اہل عقل (حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگی ہے۔ میں قصاص میں حیات ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قصاص کے خوف سے لوگ قتل پر اقدام کرنے سے رکے رہیں گے۔ لہذا اس سے لوگوں کو زندگی حاصل ہوگی۔

وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا (۵-۳۲) اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگی کا موجب ہوا۔

یعنی انہیں ہلاکت سے نجات بخشی اور آیت کریمہ:-

رَبِّيَ الَّذِيۡ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ قَالَ اَنَا اُحۡيٖ وَاُمِيۡتُ (۲-۲۵۸) میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی کرسکتا ہوں۔

میں بھی یہی معنی مراد ہیں اس کافر کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں ایک شخص کو معاف کر کے اسے زندگی بخشتا ہوں۔

اَلۡحَيَوَانُ یہ زندگی کا مقام اور مقر ہوتا ہے اور دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) وہ جس میں قوت احساس ہو (۲) وہ جسے دائمی بقا حاصل ہو اور آیت کریمہ:-

وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِيَ الۡحَيَوَانُ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ (۲۹-۶۴) اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے دار آخرت کو حیوان کہا گیا ہے۔ اور لَھِیَ الْحَیَوَانُ کہہ کر تنبیہ کی ہے کہ حقیقی اور سرمدی زندگی تو وہ ہے جس کے بعد فنا نہ آئے نہ کہ وہ جو کچھ مدت کے بعد فنا ہو جائے۔

بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ حیوان اور حیاۃ دونوں ہم معنی ہیں بعض کہتے ہیں کہ حیوان وہ ہے جس میں حیاۃ یعنی زندگی ہو اس کے بالمقابل مَوَتَانٌ وہ ہے جس میں زندگی نہ ہو۔ اور بارش کو حیًا کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے اور آیت :۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (۲۱-۳۰)

میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور آیت کریمہ:۔

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ (۱۹-۷)

میں انہیں یحییٰ کہنے سے صرف یہ مقصود نہیں تھا۔ کہ وہ اس نام سے مشہور ہوں گے۔ کیونکہ اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا تھا کہ گناہوں سے اس کا دل مردہ نہیں ہو گا جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے

اور آیت کریمہ :۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (۳۰-۱۹) وہی زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور (وہی) مردے کو زندہ سے نکالتا ہے۔

کے معنی یہ ہیں کہ وہ نطفہ سے انسان پیدا کرتا ہے اور انڈے سے مرغی۔ اسی طرح زمین سے نباتات نکالتا ہے اور انسان سے نطفہ۔ اور آیت کریمہ:۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (۴-۸۶) اور جب تم کو کوئی دعا دے تو (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) سے (اسے) دعا دیا کرو یا انہی لفظوں سے دعا دو۔ نیز:۔

فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ (۲۴-۶۱) اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو (یہ) خدا کی طرف سے .... تحفہ ہے۔

میں تَحِیَّۃٌ کے معنی کسی کو حَيَّاكَ اللهُ کہنے کے ہیں یعنی اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یہ اصل میں جملہ خبریہ ہے لیکن دعا کے طور پر استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے حَيَّا فُلَانٌ فُلَانًا تَحِيَّةً فلاں نے اسے حَيَّاكَ اللهُ کہا۔ اصل میں تَحِيَّةٌ حیات سے مشتق ہے۔ پھر دعائے حیات کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ کیونکہ جملہ اقسام تحیۃ حصول حیاۃ یا سبب حیاۃ سے خارج نہیں ہیں خواہ یہ دنیا میں حاصل ہو یا عقبیٰ میں۔ اسی سے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ[1] ہے اور آیت کریمہ :۔

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ (۲-۴۹) اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔

کے معنی عورتوں کو زندہ چھوڑ دینے کے ہیں۔

اَلْحَيَاءُ کے معنی قبائح سے نفس کے منقبض ہو کر انہیں چھوڑ دینے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ حَيِيَ فَهُوَ حَيٌّ وَاسْتَحْيَا فَهُوَ مُسْتَحْيٍ۔ اور بعض نے اِسْتَحَى فَهُوَ مُسْتَحٍ (بتخفیف یاء) کے ساتھ بھی نقل کیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۲-۲۶) خدا اس بات

[1] دیلمی التشہد فی الصلوٰۃ والفاظہ وردت فی غیر حدیث والمعروف تشہد عبداللہ بن مسعود اخرجہ الائمۃ الستۃ ومنہا تشہد ابن عباس واختارہ الشافعی ومذہب مالک واصحابہ الی تشہد عمرؓ راجع الزرقانی علی المؤطا ۱: ۱۷۶-۱۷۸) ؁

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ (۳۳-۵۳) لیکن خدا سچی بات کے کہنے سے شرم نہیں کرتا۔

ایک روایت میں ہے۔[1]

(۱۰۳) اِنَّ اللّٰهَ يَسْتَحْيِي مِنْ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ اَنْ يُعَذِّبَهُ کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کو عذاب دینے سے شرماتا ہے۔

پس اللہ کی طرف جب حیا کی نسبت ہو تو اس کے معنی انقباض نفس کے نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس قسم کے اوصاف سے ذات باری تعالیٰ منزہ ہے بلکہ اس سے مراد اسے عذاب نہ کرنا ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے[2]

(۱۰۴) اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ کہ اللہ حیی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ اللہ قبائح کو چھوڑنے والا اور محاسن یعنی افعال حسنہ کو سرانجام دینے والا ہے۔

---

[1] ...

[2] ورد الحديث بالفاظ مختلفة وتمامه كريم يستحيي من عبده اذ رفع يديه ان يردهما صفرا راجع ابوداؤد والترمذي وابن ماجة من حديث سلمان والحديث ايضا في المستدرك للحاكم من انس وابي يعلى عن جابر ابن عمر من الطبراني وراجع عون المعبود ۱/ ۵۵۳ والكافي لابن جرير رقم ۳۶ وكنز العمال رقم ۳۴۴۲ و ۳۲۴۴ و ۳۲۵۳ و ۳۴۸۲ (عبد الرزاق عن انس) والحكيم الترمذي ايضا عن انس ج ۲ وايضا ۳۸۴-۳۸۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الخاء

(خ ب ء)

اَلْخَبْءُ (ف) کسی چیز کے پوشیدہ اور مخفی ذخیرہ کو خبأ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اَلَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ (۲۷-۲۵) جو چھپے ہوئے خزانے نکالتا ہے۔

اسی سے جَارِیَۃٌ خُبَأَۃٌ (طُلَعَۃٌ) کا محاورہ ہے[1] یعنی وہ لڑکی جو کبھی پردہ میں چلی جاتی ہو اور کبھی باہر نکل آتی ہو۔

اَلْخِبَاءُ۔ وہ نشان جو داونٹنی کے (کسی خفیہ مقام پر لگایا گیا ہو۔

(خ ب ت)

اَلْخَبْتُ۔ نشیبی اور نرم زمین کو کہتے ہیں اور اَخْبَتَ الرَّجُلُ کے معنی نشیبی اور نرم زمین کا قصد کرنے یا وہاں اترنے کے ہیں (جیسے اَسْہَلَ وَاَنْجَدَ) اس کے بعد لفظ اَلْاِخْبَاتُ (افعال) نرمی اور تواضع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ قرآن میں ہے۔

وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّہِمْ (۱۱-۲۳) اور اپنے پروردگار کے آگے عاجزی کی۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ۔ (۲۲-۳۴) اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔

یعنی تواضع کرنے والوں کو جیسا کہ دوسری جگہ انہی لوگوں کے متعلق لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ (۷-۲۰۶) فرمایا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُہُمْ (۲۲-۵۴) تو ان کے دل اللہ کے سامنے عاجزی کریں۔ میں اخبات کے معنی دلوں کے نرم ہونے اور عاجزی کرنے کے ہیں۔ اور یہاں اس کے معنی قریبًا وہی ہیں جو کہ آیت وَاِنَّ مِنْہَا لَمَا یَہْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ (۲-۷۴) اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ میں ہبوط کے ہے۔

(خ ب ث)

اَلْمُخْبِثُ وَالْخَبِیْثُ۔ ہر وہ چیز جو ردی اور خسیس ہونے کی وجہ سے بری معلوم ہو خواہ وہ چیز محسوسات سے ہو یا معقولات (یعنی عقائد وخیالات) سے تعلق رکھتی ہو اصل میں خبیث ردی اور ناکارہ چیز کو کہتے ہیں جو بمنزلہ لوہے کی میل کے ہو۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔ ع

(۱۰۹) سَبَکْنَاہُ وَنَحْسِبُہٗ لُجَیْنًا
فَاَبْدَی الْکِیْرُ عَنْ خَبَثِ الْحَدِیْدِ

ہم نے اسے اس خیال سے ڈھالا کہ یہ چاندی ہے لیکن بھٹی میں ڈالنے سے معلوم ہوا کہ یہ لوہے کا میل ہے۔ اس اعتبار سے یہ اعتقاد باطل، کذب اور فعل

---

[1] والمعروف فی المثل خُبَأَۃٌ طُلَعَۃٌ فہنا سقوط

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبیح سب کو شامل ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷-۱۵۷) اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔
یعنی محظورات جو طبیعت کے ناموافق ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ (۲۱-۷۴) اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کرتے تھے بچا نکالا۔
میں عمل خبائث میں لذت اندوزی کے لئے مردوں کی طرف مائل ہونے سے کنایہ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (۳-۱۷۹) جب تک خدا ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دیگا۔
میں اعمال خبیثہ کو اعمال صالحہ سے اور بدباطن لوگوں کو نفوس زکیہ سے تمیز دینا مراد ہے۔ اور آیت:۔
وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (۴-۲) اور ان کے پاکیزہ (اور عمدہ) مال کو اپنے ناقص اور برے مال سے نہ بدلو۔
میں خبیث اور طیب سے حلال اور حرام مراد ہیں اور فرمایا:۔
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ (۲۴-۲۶) ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے۔
یعنی افعال قبیحہ اور آوارہ کام، بد باطن اور آوارہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ (۵-۱۰۰) کہدو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں۔
میں خبیث اور طیب سے کافر اور مومن اور اچھے اور برے اعمال مراد ہیں۔ اور آیت:۔
مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ (۱۴-۲۶) اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے۔
میں کفر، جھوٹ، چغلی ہر قسم کی قبیح باتیں داخل ہیں حدیث میں ہے:۔
اَلْمُؤْمِنُ اَطْيَبُ مِنْ عَمَلِهٖ وَالْكَافِرُ اَخْبَثُ مِنْ عَمَلِهٖ۔ کہ مومن اپنے عمل سے پاک اور کافر اپنے عمل سے ناپاک ہے۔
اور خَبِيْث وَمُخْبِث خبث کے مرتکب کو بھی کہا جاتا ہے۔

(خ ب ر)

اَلْخُبْرُ۔ جو باتیں بذریعہ خبر کے معلوم ہوسکیں ان کے جاننے کا نام "خبر" ہے کہا جاتا ہے۔
خَبَرْتُهٗ خُبْرَةً وَاَخْبَرْتُ۔ جو خبر مجھے حاصل ہوئی تھی اس کی میں نے اطلاع دی۔
بعض نے کہا ہے کہ خُبْرَةٌ کا لفظ کسی معاملہ کی باطنی حقیقت کو جاننے پر بولا جاتا ہے۔
اَلْخَبَارُ وَالْخَبْرَآءُ نرم زمین۔ اور کبھی درختوں والی زمین پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔
اَلْمُخَابَرَةُ۔ بٹائی پر کاشت کرنا۔ اسی سے کسان کو "خَبِيْر" کہا جاتا ہے۔
اَلْخِبْرُ۔ چھوٹا توشہ دان۔ تشبیہ کے طور پر زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی کو بھی خِبْرٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵۰-۳) اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی تمہارے اعمال کی حقیقت کو جانتا ہے:۔
اور بعض نے کہا ہے کہ وہ تمہارے باطن امور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے واقف ہے۔ اور بعض نے خَبِیْرٌ بمعنی مُخْبِرٌ کہا ہے۔ جیسا کہ آیت:۔
فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶۲-۸) پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائیگا سے مفہوم ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ (۴۷-۳۱) اور تمہارے حالات جانچ لیں۔
قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ (۹-۹۴) خدا نے ہم کو تمہارے سب حالات بتا دئیے ہیں۔ یعنی تمہارے احوال سے ہمیں آگاہ کر دیا گیا ہے۔

(خ ب ز)

اَلْخُبْزُ۔ روٹی۔ قرآن میں ہے:۔
اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا (۱۲-۳۶) کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں۔
اَلْخُبْزَۃُ۔ نان کوماج۔ اَلْخَبْزُ (مصدر ض) روٹی بنانا۔
اِخْتَبَزَ (افتعال) روٹی بنانے کا حکم دینا۔
اَلْخِبَازَۃُ۔ نانبائی کا پیشہ۔
استعارہ کے طور پر خَبْزٌ کے معنی سخت ہنکانے کے بھی آجاتے ہیں۔ کیونکہ ہانکنے والا بھی اسی طرح ہاتھ مارتا ہے جیسے روٹی بنانے والا کرتا ہے۔

(خ ب ط)

اَلْخَبْطُ (ض) کے معنی کسی چیز کو اندھادھند بلا استواری کے مارنے کے ہیں۔ جیسے اونٹ کا زمین پر اگلا پاؤں مارنا یا آدمی کا لاٹھی کے ساتھ درخت سے پتے جھاڑنا۔ اور درخت سے جھاڑے ہوئے پتوں کو بھی خَبَطٌ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ مضروب پر ضَرْبٌ کا لفظ بول لیتے ہیں۔ پھر استعارہ کے طور پر بادشاہ کے ظلم پر بھی خَبْطٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ظالم بادشاہ کو خَبُوْطٌ کہا جاتا ہے۔
اِخْتِبَاطُ الْمَعْرُوْفِ کے معنی ہیں کسی سے زبردستی احسان کا مطالبہ کرنا یہ محاورہ خَبْطُ الْوَرَقِ (درخت سے پتے جھاڑنا) کے ساتھ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے اور آیت:۔
یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (۲-۲۷۵) جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ میں یَتَخَبَّطُ کے معنی خَبْطُ الشَّجَرِ سے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اور اختباط سے بھی۔ جس کے معنی احسان کا مطالبہ کے ہیں ایک حدیث میں ہے[1] (۱۰۵)
اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِكَ اَنْ یَتَخَبَّطَنِیَ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان مجھے لپٹ کر دیوانہ بنا دے۔

(خ ب ل)

اَلْخَبَالُ وَالْخَبْلُ وَالْخَبَلُ۔ اس فساد یا خرابی کو کہتے ہیں جو کسی جاندار کو لاحق ہو کر اس میں اضطراب اور بے چینی پیدا کر دے۔ جیسے جنون یا وہ مرض جو عقل و فکر پر اثر انداز ہو، کہا جاتا ہے۔ خَبَلَهٗ وَخَبَّلَهٗ فَهُوَ خَابِلٌ وَ الْجَمْعُ خُبَّلٌ رَجُلٌ مُّخَبَّلٌ دیوانہ۔ قرآن میں ہے:۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (۳-۱۱۸) مومنو! (کسی غیر مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدان نہ

---

[1] رواہ النسائی (۲/۳۲۰) من حدیث ابی الیسر ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی اور فتنہ انگیزی کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔

مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا (۹-۴۷) تو تمہارے حق میں شرارت کرتے۔

اور حدیث میں ہے [1]:

(۱۰۶) مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ ثَلَاثًا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّسْقِيَهٗ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ جو شخص تین مرتبہ شراب پئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے لازماً دوزخیوں کی پیپ پلائے گا۔

زہیر نے کہا ہے [2] (طویل)

(۱۳۰) هُنَالِكَ اِنْ يُّسْتَخْبَلُوْا الْمَالَ يُخْبِلُوْا

یعنی ایسے موقع پر اگر ان سے مال مانگا جائے تو وہ مال دے دیتے ہیں۔

(خ ب و)

خَبَتِ (ن) النَّارُ آگ کا شعلہ افسردہ ہو گیا اور اس پر راکھ کا خِبَاءٌ یعنی پردہ سا آگیا۔ اصل میں خِبَاءٌ اس پردہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو ڈھانپا جائے۔ اسی بنا پر جو یا گیہوں کی بالی کے چھلکا کو بھی خِبَاءٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (۱۷-۹۷) جب اس کی آگ بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لئے) اور بھڑکا دیں گے۔

(خ ت ر)

اَلْخَتْرُ اصل میں اس غداری کو کہتے ہیں جسے اس قدر کوشش سے کیا جائے کہ انسان کمزور پڑ جائے اور اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں قرآن میں ہے:۔

كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ (۳۱-۳۲) جو عہد شکن اور ناشکرے ہیں۔

(خ ت م)

اَلْخَتْمُ وَالطَّبْعُ۔ کے لفظ دو طرح سے استعمال ہوتے ہیں کبھی تو خَتَمْتُ اور طَبَعْتُ کے مصدر ہوتے ہیں اور اس کے معنی کسی چیز پر مہر کی طرح نشان لگانا کے ہیں اور کبھی اس نشان کو کہتے ہیں جو مہر لگانے سے بن جاتا ہے۔

مجازاً کبھی اس سے کسی چیز کے متعلق وثوق حاصل کر لینا اور اس کا محفوظ کرنا مراد ہوتا ہے

---

[1] الحديث باختلاف الالفاظ في النسائي عن ابن عمرو (رحم تي ه ن عن ابن عمرو (ه عن ابي هريرة)، والطبب عن ابن عمر والترمذي عن ابن عمرو وسودة عن ابن عمرو (راجع الفتح الكبير ج ۳/۲۰۱-۲۰۲)۔ [2] قاله زهير بن ابي سلمى المزني وتمامه ...... وان يسئلوا يعطوا وان ييسروا يغلوا والبيت في اللسان (خبل خول) وفي رواية الطبري (۳۲: ۱۹۹/۷: ۲۷۸) وان يستخولوا بدل يستخبلوا ويخولوا بدل يخبلوا وكذا في رواية ابي عبيد في غريبه والعسكري في الصناعتين وعده من جيد المديح قال في الامالي (۲: ۵۲) وما يبالي مدح بهذين البيتين الا يمدح بغيرهما والبيت في مختار الجاهلي بشرح المصطفى السقا (۱: ۱۹۳) والمختارات ۶۲ والعمدة (۲: ۱۲۷) ونقد الشعر ۳۲ في سبعة ابيات والبحر (۶: ۳۴۱) والنقد التمهين ۹۱ والمعاني الكبير ۵۳۹ والسيوطي ۱۰۸ قال في اللسان والاخبال اعطاء البعير او الناقة للركوب وا ستخبل اي استعار منه: الاصمعي وابو عبيدة في روايتهما عن ابي عمرو انكر الاستخبال وغيرها اثبته ورد المعاني للقتبي ص ۵۲۰۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ کتابوں یا دروازوں پر مہر لگا کر انہیں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ کہ کوئی چیز ان کے اندر داخل نہ ہو۔ قرآن میں ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۲-۷) خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی ہے۔

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ (۴۵-۲۳) اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی۔

اور کبھی کسی چیز کا اثر حاصل کر لیتے سے کنایہ ہوتا ہے جیسا کہ مہر سے نقش ہو جاتا ہے اور اسی سے خَتَمْتُ الْقُرْآنَ کا محاورہ ہے۔ یعنی قرآن ختم کر لیا۔ اور آیت کریمہ:۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۲-۷) خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ اور آیت:۔

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ (۶-۴۶) (ان کافروں سے) کہو بھلا دیکھو تو اگر خدا تمہارے کان یا آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے۔

میں عادت الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب انسان اعتقادِ باطل یا محرمات کے ارتکاب میں حد کو پہنچ جاتا ہے اور کسی طرح حق کی طرف التفات نہیں کرتا تو اس کی ہیئتِ نفسانی کچھ ایسی بن جاتی ہے کہ گناہوں کو اچھا سمجھنا اس کی خو بن جاتی ہے۔ گویا اس طرح اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (۱۶-۱۰۸) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے۔

اسی طرح آیات کریمہ:۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (۱۸-۲۸) اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے..... اس کا کہا نہ ماننا۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (۱۷-۴۶) اور ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں۔

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (۵-۱۳) اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

میں اِغْفَال کِنٌّ اور قَسَاوَۃٌ سے بھی علی الترتیب یہی معنی مراد ہیں۔

جبائی[1] کہتے ہیں کہ اللہ کے کفار کے دلوں پر مہر لگانے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے دلوں پر ایسی علامت قائم کر دیتے ہیں کہ فرشتے انکے کفر سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر نہیں کرتے۔ لیکن یہ بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ اگر یہ کتابت محسوس ہو تو اصحاب التشریح ( ) کو بھی اس کا ادراک ہونا ضروری ہے اور اگر سراسر عقلی اور غیر محسوس ہے تو ملائکہ ان کے عقائد باطلہ سے مطلع ہونے کے بعد اس قسم کی علامات سے بے نیاز ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مہر لگانے کے معنی ان کے ایمان نہ لانے کی شہادت دینے کے ہیں اور آیت کریمہ:۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ (۳۶-۶۵) آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں۔ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلام نہیں کر سکیں گے اور آیت (۳۳-۴۰) میں آنحضرتؐ کو خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی آمد سے سلسلہ نبوت کو مکمل کر دیا

---

[1] ہو ابو علی محمد بن عبد الوہاب الجبائی (المتوفی ۳۰۳ھ) والجبا بلد مثل رستان کورۃ بخوزستان من نواحی الاہواز بین فارس و واسط والبصرۃ مستفار التاج)؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے (اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔
اور آیت کریمہ:۔
وَخِتٰمُهٗ مِسْكٌ (۸۳-۲۶) جس کی مہر مسک کی ہوگی۔
میں بعض نے کہا ہے کہ خِتَامٌ کے معنی مَا يُخْتَمُ بِهٖ کے ہیں یعنی وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے مگر آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا آخری لطف اور برتن میں باقی ماندہ جھوٹ مسک کی طرح مہکے گا اور بعض نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ اس پر کستوری کی مہر لگی ہوئی ہوگی مگر یہ بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ شراب کو بذات خود لذیذ ہونا چاہیئے اگر وہ بذات خود لذیذ لذیذ نہ ہو تو اس پر مسک کی مہر لگانا چنداں مفید نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اس کی لذت میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہے۔

(خ د د)

اَلْخَدُّ وَالْاُخْدُوْدُ کے معنی ہیں زمین میں مستطیل اور گہرا گڑھا اَلْاُخْدُوْدُ کی جمع اَخَادِيْدُ ہے قرآن میں ہے قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ (۸۵-۴) کہ خندقوں کے (کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے۔
اصل میں خَدُّ الْاِنْسَانِ کے معنی انسان کے رخسار کے ہیں[۱] اور استعارۃً زمین اور دوسری اشیاء کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ لفظ وجہ (چہرہ) ہے۔ تَخَدَّدَ اللَّحْمُ جسم کا لاغر ہو کر جھری دار ہو جانا خَدَّدْتُهٗ کسی کو دبلا کرنا۔ اس کا مطاوع تَخَدَّدَ آتا ہے۔

(خ د ع)

اَلْخِدَاعُ کے معنی ہیں جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف ظاہر کر کے کسی کو اس چیز سے پھیر دینا جس کے وہ درپے ہو اور آیت کریمہ:۔
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ (۲-۹) یہ (اپنے پندار میں) خدا کو چکمہ دیتے ہیں۔
میں اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے سے اس کے رسول اور اولیاء کو فریب دینا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت کے ساتھ کوئی سا معاملہ کرنا گو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر فرمایا:۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ (۴۸-۱۰) جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔
اور ان کے اس فعل کی شناخت اور آنحضرت اور صحابہ کرام کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اسے خِداع سے تعبیر کیا ہے۔
اور بعض اہل لغت کا یہ کہنا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل میں يُخَادِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ہے۔ پھر مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ تو اس کے متعلق یہ جان لینا ضروری ہے کہ مضاف محذوف کو ذکر کرنے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ ایک تو یہاں ان کی فریب کاریوں کی شناخت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور دوسرے یہ بتانا ہے کہ آنحضرت کے ساتھ معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَ الْاٰيَةَ میں بیان ہو چکا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔

---

[۱] وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (۳۱-۱۸) ای لا تعرض عنهم استکبارا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَهُوَ خَادِعُهُمْ (۴-۱۴۲) اور وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔

کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی فریب کاریوں کا بدلہ دے گا اور بعض نے کہا ہے کہ مقابلہ اور مشاکلہ کے طور پر یہ کہا گیا ہے جیسا کہ آیت وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ میں ہے۔

خَدَعَ الضَّبُّ گوہ کا اپنے بل میں داخل ہو جانا اور گوہ کے بل میں چھپ جانے کے لئے خدع کا استعمال اس بنا پر ہے کہ اس کی بل کے دروازے پر ہمیشہ ایک بچھو تیار بیٹھا رہتا ہے۔ جو بل میں ہاتھ ڈالنے والے کو ڈس دیتا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے اَلْعَقْرَبُ بَوَّابُ الضَّبِّ کہ بچھو گوہ کا دربان ہے۔

چونکہ اہل عرب کے ہاں ضَبٌّ کی مکاری ضرب المثل تھی اس لئے کہا گیا ہے[1] (مثل) هُوَ اَخْدَعُ مِنَ الضَّبِّ کہ وہ ضب سے زیادہ مکار ہے طَرِيْقٌ خَادِعٌ وَخَيْدَعٌ گمراہ کرنے والا راستہ گویا وہ مسافر کو دھوکا دیتا ہے۔ اَلْمِخْدَعُ بڑے کمرے کے اندر چھوٹا کمرہ۔ گویا اس بڑے کمرے سے چیز اٹھانے والے کو دھوکا دینے کے لئے بنایا ہے۔ خَدَعَ الرِّيْقُ منہ میں تھوک کا خشک ہونا اس میں بھی دھوکے کا تصور پایا جاتا ہے۔ اَلْاَخْدَعَانِ گردن کی دو رگیں کیونکہ وہ کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے خَدَعْتُهٗ میں نے اس کی اخدع رگ کو کاٹ دیا۔ حدیث میں ہے[2] (۱۰۷)

بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ سِنُوْنَ خَدَّاعَةٌ کہ قیامت کے قریب دھوکا دینے والے سال ہوں گے کیونکہ وہ بھی خشک سالی اور خوشحالی سے رنگ بدلتے رہیں گے۔

(خ د ن)

اَلْخِدْنُ۔ کے معنی مصاحب اور رفیق کے ہیں۔ مگر عام طور پر اس مصاحب پر بولا جاتا ہے جو جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی کے ساتھ رہتا ہو اسی لئے خَدِنَ الْمَرْءَةَ وَخَدَنَ بِهَا کا محاورہ ہے جس کے معنی عورت کے آشنا کے ہیں اَلْخِدْنُ کی جمع اَخْدَانٌ آتی ہے قرآن میں ہے۔ وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ اور نہ وہ دریدہ آشنا رکھنے والی ہوں (۴-۲۵) اور شاعر کے قول[3] (۱۳۱) " خَدِيْنُ الْعُلٰى "

وہ بلندیوں کا ساتھی ہے۔

میں بلندیوں کے لئے خَدِيْنٌ کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ يَعْشَقُ الْعُلٰى (وہ بلندیوں پر عاشق ہے) يُشَبِّبُ بِالنَّدٰى (وہ سخاوت کے ساتھ تشبیب کرتا ہے) يَنْسِبُ بِالْمَكَارِمِ (اس کا نسب مکارم سے ملتا ہے) وغیرہ استعارات ہیں۔

(خ ذ ل)

قرآن میں ہے:۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۵-۲۹) اور شیطان انسان کو عین موقعہ پر دغا دینے والا ہے۔

---

[1] راجع للمثل المیدانی رقم ۱۲۰۲ و الحیوان ۶: ۴۳، ۴۵ و ۷-۱۰۰ واللسان (خدع) [2] الحدیث باختلاف الفاظہ فی النہایہ (خدع) وغریب لابی عبید ( ) وفی تاویل اختلاف ومنی المحکم (خدع) ان قبل الساعۃ سنین خداعۃ واللآلی مع السمط ۱۲۷ و فیہ ان قبل الدجال سنین خداعۃ ای قاطعۃ الزکوٰۃ او قلیل المطر کذا فی الفائق ۲/۱۰۷ و فیہ ایضا بین یدی الساعۃ سنین غدارۃ ای یکثر فیہا المطر ویقل النبات

[3] لم اجدہ ویرجیٰ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْخَذُوْلُ (صیغہ مبالغہ) بہت زیادہ خُذْلَان یعنی دغا دینے والا۔ اَلْخُذْلَان ایسے شخص کا عین موقعہ پر ساتھ چھوڑ کر الگ ہوجانا جسکے متعلق گمان ہو کہ وہ پوری پوری مدد کریگا۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے:۔ خَذَلَتِ الْوَحْشِیَّۃُ وَلَدَھَا وحشی گائے نے اپنے بچہ کو چھوڑ دیا۔ تَخَاذَلَتْ رِجْلَا فُلَانٍ اس کی ٹانگیں کمزور پڑ گئیں اسی سے اعشٰی نے کہا ہے[1] (الرمل)

(۱۳۲) بَیْنَ مَغْلُوْبٍ تَلِیْلٍ خَدُّہٗ
وَخَذُوْلِ الرِّجْلِ مِنْ غَیْرِ کَسَحٍ

(بعض مغلوب ہوکر رخسارے کے بل گر پڑے ہیں اور بعض کی ٹانگیں بدون بے حسی کے جواب دے چکی ہیں۔

رَجُلٌ خُذَلَۃٌ بے بس آدمی۔

(خ ر ر)

خَرَّ (ن ض) خَرِیْرًا کے معنی کسی چیز کے آواز کے ساتھ نیچے گرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ (۳۴-۱۴) جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا۔ کَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ (۲۲-۳۱) تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے۔ فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِھِمْ (۱۶-۲۶) اور چھت ان پر ان کے اوپر سے گر پڑی۔ اَلْخَرِیْرُ پانی وغیرہ کی آواز کو کہتے ہیں جو اوپر سے گر رہا ہو، اور آیت کریمہ:۔ خَرُّوْا سُجَّدًا (۳۲-۱۵) تو سجدے میں گر پڑتے ہیں خَرُّوْا کا لفظ دو معنوں پر دلالت کرتا ہے یعنی (۱) گرنا اور (۲) ان سے تسبیح کی آواز کا آنا۔ اور اس کے بعد آیت وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّھِمْ سے تنبیہ کی ہے کہ ان کا سجدہ ریز ہونا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے ساتھ تھا نہ کسی اور امر کے ساتھ۔

(خ ر ب)

خَرِبَ الْمَکَانُ خَرَابًا کسی جگہ کا اجاڑ ہونا۔ یہ عِمَارَۃٌ (آباد ہونا) کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا (۲-۱۱۴) اور اُن کی ویرانی میں ساعی۔ اَخْرَبَہٗ وَخَرَّبَہٗ ویران کر دینا، قرآن میں ہے:۔ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ (۵۹-۲) کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اس لئے ویران کرتے تھے تاکہ آنحضرت اور مسلمانوں کے کام نہ آئیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بربادی ان کی جلاوطنی کی وجہ سے تھی۔

اَلْخُرْبَۃُ کان میں وسیع چھید گویا اس سے کان میں خرابی پیدا ہوگئی اور اَقْطَعُ وَقُطْعَاءُ کی طرح اَخْرَبُ وَخَرْبَاءُ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور تشبیہ کے طور مشکیزہ کے سوراخ کو بھی خُرْبَۃُ الْمَزَادَۃِ کہا جاتا ہے جیسا کہ مجازًا اُذُنُ الْمَزَادَۃِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور خَارِبٌ کے معنی خاص کر اونٹوں کا چور کے ہیں[2] اَلْخَرَبُ (نر سرخاب) شترمرغ

---

[1] قالہ الاعشٰی فی قصیدۃ طویلۃ فی دیوانہ (۳۸-۴۲) یمدح فیہا ایاس بن قبیصۃ الطائی وفی روایۃ اللسان والمحکم (کسح، خذل) وصدرہ: کل وضاح کریم جدہ۔ وفی روایۃ ص وس صدرہ بین مغلوب نبیل جدہ کذا رواہ ابن بری واما روایۃ المؤلف فلم ارلہ الا فی بعض حواشی دیوانہ ۱۲ اوبرجی: تلیلا والبیت فی اللسان (خذل) ودیوانہ ام وغریب الی عبید دیم: ۳ ۲۸۳) ۱۲ [2] قالہ الاصمعی والجمع خراب والجوہری)۔ ☆

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی قسم کا ایک پرند اس کی جمع خِزْبَانٌ ہے کسی شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۱۳۳) اَبْصَرَ خِزْبَانَ فِضَاءٍ فَانْكَدَرَ

کہ وہ فضا میں سرخابوں کو دیکھ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔

(خ ر ج)

خَرَجَ (ن) خُرُوْجًا کے معنی کسی کے اپنی قرارگاہ یا حالت سے ظاہر ہونے کے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ قرارگاہ مکان ہو یا کوئی شہر یا کپڑا ہو اور یا کوئی حالت نفسانی ہو جو اسباب خارجیہ کی بنا پر اسے لاحق ہوئی ہو۔ قرآن میں ہے:۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ (۲۸-۲۱) موسٰیؑ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ (۷-۱۳) فرمایا تو بہشت سے اتر جا۔ تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا۔

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَةٍ مِنْ اَكْمَامِهَا (۴۱-۴۷) اور نہ تو پھل گابھوں سے نکلتے ہیں۔ فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (۴۰-۱۱) تو کیا نکلنے کی کوئی سبیل ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا (۵-۳۷) (ہر چند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اس سے نہیں نکل سکیں گے۔ اور اِخْرَاجٌ کا لفظ زیادہ تر اعیان کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ (۲۳-۳۵) تو تم زمین سے نکالے جاؤ گے۔

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (۸-۵) جس طرح تمہارے پروردگار نے تم کو تدبیر کے ساتھ گھر سے نکالا۔

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا (۱۷-۱۳) اور قیامت کے روز وہ کتاب اسے نکال دکھائینگے۔

اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمْ (۶-۹۳) کہ نکالو اپنی جانیں۔

اَخْرِجُوْا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ (۲۷-۵۶) کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ اور کبھی اِخْرَاج بمعنی تکوین الٰہی بھی آجاتا ہے جیسے فرمایا

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (۱۶-۱۷۸) اور خدا ہی نے تم کو ماؤں کے شکم سے پیدا کیا۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى (۲۰-۵۳) پھر اس نے انواع واقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں۔ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ (۳۹-۲۱) اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔

اَلتَّخْرِيْجُ (تفعیل) یہ عام طور پر علوم وصناعات کی ایجاد کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار اور جو کچھ حیوان کے اوجھ سے نکلتا ہے۔ اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو خَرْجٌ وَخَرَاجٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ (۲۳-۷۲) کیا تم ان سے (تبلیغ کے سلسلے میں) کچھ مال مانگتے ہو تو تمہارے پروردگار کا مال بہت اچھا ہے۔

---

[1] قاله العجاج في منظومته يمدح فيها عمر بن عبيد الله بن معمر التيمي وكان قد وجهه عبد الملك الى ابي فديك الحروري حين خرج عليه فقبله: تقضي البازي اذا البازي كسر. وفي رواية انس بدل ابصر والشطر في الطبري (۹: ۷۹) و (۳۰: ۶۵) واللسان (كذا) وديوانه (طبع ليبك ۱۹۰۳ء) رقم البيت ۷ والبيت من شواهد ابي عبيدة في مجازه تحت قوله واذا النجوم انكدرت (تكوير ۲) والشطر الاول في ابن الشجري (۱: ۳۸۹) والاقتضاب ۱۳۱۳ والامالي (۲: ۱۷۱) والشطر في السمط ۷۰۹ والبحر (۸: ۴۳۰) وفيه فلاة بدل فضاء ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں خروج کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں اس بات پر تنبیہ پائی جاتی ہے کہ اللہ نے اسے لازم و واجب کیا ہے اور خَرْجٌ خَرَاجٌ سے عام ہے کیونکہ خَرْجٌ کا لفظ دَخْلٌ (آمدنی) کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا (۱۸-۹۴) بھلا ہم آپ کے لئے خرچ کا انتظام کر دیں۔

مگر خَرَاجٌ کا لفظ عموماً زمین کے لگان پر بولا جاتا ہے محاورہ ہے۔ اَلْعَبْدُ يُؤَدِّي خَرْجَهُ غلام اپنی آمدنی سے مقررہ حصہ ادا کرتا ہے۔ وَالرَّعِيَّةُ تُؤَدِّي إِلَى الْأَمِيرِ الْخَرَاجَ رعیت حاکم کو لگان ادا کرتی ہے۔ اَلْخَرْجُ ہو ایضاً بادل کی ایک قسم ہے۔ اس کی جمع خُرُوجٌ آتی ہے۔ ایک روایت میں ہے[1] (۱۰۷) اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ یعنی مال بائع سے جو فائدہ حاصل ہوگا۔ وہ مبیع کی اس ضمانت کے عوض سمجھا جائے گا جو اس سے ساقط ہو چکی ہے۔

اَلْخَارِجِيُّ وہ شخص جو بذات خود اپنے ہمسروں کی صفات سے باہر نکل جائے اگر یہ خروج کسی اعلیٰ مرتبہ کی طرف ہو تو بطور مدح بولا جاتا ہے اور اگر ادنیٰ مرتبہ کی طرف ہو تو یہ لفظ بطور مذمت کے استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح کہ فُلَانٌ لَيْسَ بِإِنْسَانٍ یعنی کسی سے انسانیت کی نفی کبھی بطور مدح ہوتی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (طویل)

(۱۳۴) فَلَسْتَ لِإِنْسِيٍّ وَلٰكِنْ لِمَلْأَكٍ
تَنَزَّلَ مِنْ جَوِّ السَّمَاءِ يَصُوبُ

تم انسان نہیں ہو بلکہ فرشتہ کی مثل ہو جو آسمان کی بلندی سے زمین پر اتر آئے۔

اور کبھی مذمت کے لئے۔ جیسے فرمایا:۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ (۲۵-۴۴) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں۔

اَلْخَرَجُ دو رنگ سیاہ و سپید (دو رہم) اسی سے کہا جاتا ہے۔ ظَلِيمٌ اَخْرَجُ وَنَعَامَةٌ خَرْجَاءُ ابلق شتر مرغ۔ اَرْضٌ مُخْتَرِجَةٌ زمین کہ جائے انبات باگیاہ و جائے بے گیاہ باشد۔ اور اَلْخَوَارِجُ کو خوارج اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ امام کی طاعت سے باغی ہو گئے تھے۔

(خ ر ص)

اَلْخَرْصُ پھلوں کا اندازہ کرنا اور اندازہ کئے ہوئے پھلوں کو خِرْصٌ کہا جاتا ہے یہ بمعنی مَخْرُوْصٌ ہے۔ جیسے نِقْضٌ بمعنی مَنْقُوضٍ بعض نے کہا ہے کہ خَرْصٌ بمعنی کذب آجاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۴۳-۲۰) یہ تو صرف انکلیں دوڑا رہے ہیں۔ میں بعض نے کہا ہے کہ يَخْرُصُوْنَ بمعنی يَكْذِبُوْنَ ہے یعنی وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

---

[1] الحدیث مروی مختصراً ومطولاً راجع ابوداؤد والترمذی ۲ر ۲۶۰-۲۶۱ مع التحفۃ والنسائی وابن ماجۃ راجع تخریجہ الرسالۃ رقم ۱۲۳۲ مع التحقیق احمد شاکرؒ وکنز العمال ۴ رقم ۵۰ وابن حبان فی زوائدہ رقم ۱۱۲۵، ۱۱۲۶

[2] اختلفوا فی نسبۃ ہذا البیت قال العینی (۴: ۵۷۲) قائلہ رجل من عبد القیس یمدح النعمان وقیل ہو لابی وجزۃ یمدح عبد اللہ بن الزبیر ونسبہ الاعلم فی ہامش الکتاب (۲: ۳۷۹) الی علقمۃ والبیت من شواہد الطبری (۱: ۸، ۱۴۸، ۱۹۸) وراجع للبیت ایضاً الصحاح والتاج (الک، ملک، صوب) والقرطبی (۱: ۱۸۳) وامالی ابن الشجری (۲: ۲۰، ۲۹۲) والاشتقاق ۲۷ والجاز لابی عبیدۃ (۱: ۳۳) ومختار الشعر الجاہلی وتہذیب الاصلاح (۱: ۱۲۶) والبحر (۵: ۴ ،۳۰ر۳: ۴۰۴ر۱: ۱۳۷) وابن خالویہ ۸۲ وابن الانباری فی السبع ۵۷۲ والبیت من کلمۃ مفضلیۃ من زیادات المرزوقی (۲: ۱۹۴) وصدرہ ولست بجنی ولکن لملاک ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (۵۱-۱۰) اٹکل کرنے والے ہلاک ہوں۔
کے معنی بقول بعض یہ ہیں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو، اصل میں ہر وہ بات جو ظن و تخمین سے کہی جائے اسے خَرْصٌ کہا جاتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ اندازہ غلط ہو یا صحیح۔ کیونکہ تخمینہ کرنے والا نہ تو علم یا غلبہ ظن سے بات کرتا ہے، اور نہ سماع کی بنا پر کہتا ہے۔ بلکہ اس کا اعتماد محض گمان پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ تخمینہ کرنیوالا پھلوں کا تخمینہ کرتا ہے اور اس قسم کی بات کہنے والے کو بھی جھوٹا کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ واقع کے مطابق ہی کیوں نہ بات کرے جیسا کہ منافقین کے بارے میں فرمایا:۔
اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۶۳-۱) (اے محمدؐ) جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو (ازراہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ بے شک خدا کے پیغمبر ہیں۔ اور خدا جانتا ہے کہ درحقیقت تم اس کے پیغمبر ہو لیکن خدا ظاہر کئے دیتا ہے کہ منافق (دل سے نہ اعتقاد رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔

(خ ر ط م)

اَلْخُرْطُوْمُ اس کے اصل معنی ہاتھی کی سونڈ کے ہیں۔ قرآن نے میں ہے:۔
سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ (۶۸-۱۶) ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔
میں انسان کی ناک پر خرطوم کا اطلاق کیا ہے تو یہ

محض مذمت کے لئے ہے۔ یعنی اسے نہ مٹنے والی عار لاحق ہوگی یہ جُدِعَتْ اَنْفُهٗ کی طرح کا محاورہ ہے۔

(خ ر ق)

اَلْخَرْقُ (ض) کسی چیز کو بلا سوچے سمجھے بگاڑنے کے لئے پھاڑ ڈالنا۔ قرآن میں ہے:۔
اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا (۱۸-۷۱) کیا آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ مسافروں کو غرق کر دیں۔
خَرْقٌ خَلْقٌ کی ضد ہے۔ جس کے معنی اندازہ کے مطابق خوش اسلوبی سے کسی چیز کو بنانا کے ہیں۔ اور خرق کے معنی کسی چیز کو بے قاعدگی سے پھاڑ ڈالنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:
وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶-۱۰۰) اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنا گھڑی ہیں۔
یعنی بے سوچے سمجھے یہ بات کہتے ہیں۔ پھر معنی قطع کے اعتبار سے کہا جاتا ہے: خَرَقَ الثَّوْبَ وَخَرَّقَهٗ کپڑے کو پھاڑ ڈالا خَرَقَ الْمَفَاوِزَ ریگستان طے کئے اِخْتَرَقَ الرِّيْحُ ہوا کا تیز چلنا۔
اَلْخَرْقُ وَالْخِرِّيْقُ خاص کر کشادہ بیابان کو کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں ہوائیں تیزی سے چلتی ہیں اور یا اس لئے کہ وہ وسیع ریگستان کی صورت میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔
اَلْخُرْقُ (خاص کر) کپڑے میں سوراخ اور کان میں کشادہ سوراخ۔ صَبِيٌّ اَخْرَقُ وَاِمْرَاَةٌ خَرْقَاءُ جس کے کان میں کشادہ چھید ہو اور آیت کریمہ:۔
اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ (۱۷-۳۷) کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تو زمین کو طے نہیں کر سکے گا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا یہ کہ تو زمین کو اپنے پاؤں سے پھاڑ نہیں ڈالے گا۔
یہ دوسرا معنی خرق فی الاذن سے ماخوذ ہے اور بلے سوچے سمجھے کام کرنے کے اعتبار سے احمق اور نادان شخص کو اَخْرَقُ وَ خَرِقٌ کہا جاتا ہے اس کی مؤنث خرقاء ہے۔ اور تند ہوا کو بھی خرقاء کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے[1] (۱۰۸)
مَا دَخَلَ الْخَرَقُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهٗ جس چیز میں نادانی کا عمل دخل ہو وہ عیب ناک ہو جاتی ہے
اور خَرَقٌ سے مَخْرَقَۃٌ کا لفظ لیا گیا ہے[2] جس کے معنی کسی کام میں حیلہ جوئی کے لئے بے وقوفی کا اظہار کرنے کے ہیں۔
اَلْمِخْرَاقُ کپڑے کا کوڑا جس سے بچے کھیلتے ہیں گویا اسے بھی کسی چیز کو واقع کے خلاف ظاہر کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔
خَرِقَ الْغَزَالُ ہرن کا نادانی کی وجہ سے دوڑ نہ سکنا۔

(خ ز ن)

اَلْخَزْنُ کے معنی کسی چیز کو خزانے میں محفوظ کر دینے کے ہیں۔ پھر ہر چیز کی حفاظت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے جیسے بھید وغیرہ کی حفاظت کرنا اور آیت :۔
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ (۱۵-۲۱)
اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں۔
وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۶۳-۷)
حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے خدا ہی کے ہیں۔
میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے یا

اس معنی کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا[3] :۔ (۱۰۹)
فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ وَالرِّزْقِ وَالْاَجَلِ کہ خدا تعالیٰ مخلوق کی پیدائش اس کے رزق اور اجل سے فارغ ہو چکا ہے اور آیت کریمہ :۔
فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَا اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ (۱۵-۲۲)
اور ہم ہی تم کو اس کا پانی پلاتے ہیں اور تم تو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔
میں بعض نے خٰزِنِيْنَ کے معنی حٰفِظِيْنَ کئے ہیں۔ یعنی شکر گزاری سے تم اس کی حفاظت نہیں کر سکتے بعض نے کہا کہ یہ آیت کریمہ :۔
اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ الْاٰيَة (۵۶-۶۸-۶۹)
بھلا دیکھو تو سہی کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے۔
کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اَلْخَزَنَۃُ یہ خازن کی جمع ہے چنانچہ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا (۳۹-۷۱)
تو اس کے داروغے اس سے کہیں گے۔
اور آیت کریمہ :۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ (۶-۵۰) کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔
میں خَزَائِنُ اللّٰهِ سے وہ مقدورات الٰہیہ مراد ہیں جو اللہ تعالے نے لوگوں سے روک رکھی ہیں۔ کیونکہ لفظ خزن میں منع کے معنی پائے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع جود اور قدرت مراد ہے۔ اور بعض نے اس سے کلمہ

---

[1] الحدیث فی التاج والنہایۃ (خرق) ، [2] قال الاصمعی مولد (الجوہری ۱۲۱) [3] راجع لحدیث فرغ اللہ باختلاف الفاظہ (والنہایہ ۳) وطس عن ابن مسعود والطبرانی عن ابی الدرداء وکنز العمال ۱/۹۴ والفتح للنبہانی ۲/۲۶۶ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کن مراد لیا ہے خَزَنَ اللَّحْمُ کے اصل معنی تو گوشت کی ذخیرہ اندوزی کے ہیں۔ لیکن کنایۃً گوشت کے بدبودار ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہی معنی خَنِزَ (بہ تقدیم نون) کے ہیں۔

(خ ز ی)

خَزِیَ (س) الرَّجُلُ رسوا ہونا۔ خواہ وہ رسوائی انسان کو خود اس کی ذات سے لاحق ہو یا غیر کی طرف سے پھر جو رسوائی اپنی جانب سے لاحق ہوتی ہے اسے حیائے مفرط کہا جاتا ہے اور اس کا مصدر خَزَایَۃٌ ہے۔ اس سے صیغۂ صفت مذکر خَزْیَانُ اور مؤنث خَزْیٰ ج خَزَایَا حدیث میں ہے[1] (۱۰۱) اَللّٰھُمَّ احْشُرْنَا غَیْرَ خَزَایَا وَلَا نَادِمِیْنَ اے خدا ہمیں اس حالت میں زندہ نہ کرنا کہ ہم شرم اور ندامت محسوس کرنیوالے ہوں۔ اور جو رسوائی دوسروں کی طرف سے لاحق ہوتی ہے وہ ذلت کی ایک قسم ہے۔ اور اس کا مصدر خِزْیٌ ہے۔ اور رَجُلٌ خِزْیٌ کے معنی ذلیل آدمی کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا (۲-۱۱۴) دنیا میں انکی رسوائی ہے۔

اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ (۱۶-۲۷) کہ آج کافروں کی رسوائی اور برائی ہے۔

فَاَذَاقَھُمُ اللّٰہُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۳۹-۲۶) پھر ان کو خدا نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھا دیا۔

لِنُذِیْقَھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۴۱-۱۶) تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھائے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی (۲۰-۱۳۴) کہ ہمارے ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے۔

اَخْزٰی (افعال) یہ خِزْیٌ اور خَزَایَۃٌ دونوں سے آتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۶۶-۸) اس دن خدا پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کریگا۔

کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن خِزْیٌ سے بنا انسب معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ (۳-۱۹۲) اے پروردگار جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اسے رسوا کیا۔

میں اَخْزَیْتَہٗ خَزَایَۃٌ سے ہے مگر خِزْیٌ سے بھی ہو سکتا ہے یہی معنی مندرجہ ذیل آیات میں مراد ہیں:۔

مَنْ یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ (۳۹-۴۰) کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کریگا۔

وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (۳-۱۹۴) اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو۔

وَلِیُخْزِیَ الْفَاسِقِیْنَ (۵۹-۵) کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ (۱۱-۷۸) اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری آبرو نہ کھوؤ۔

جس طرح خِزْیٌ دو قسم پر ہے یعنی رسوائی کبھی اپنی ذات کی طرف سے لاحق ہوتی ہے اور کبھی دوسروں کی طرف سے اسی طرح ذَلَّ وَھَانَ بھی دو قسم پر ہے جو ذلت انسان کو خود اس کی ذات کی جانب سے لاحق ہو اسے ھَوْنٌ وَذُلٌّ

---

[1] فلینظر من اخرجہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے۔ اور یہ صفات محمودہ سے ہے مگر جو دوسروں کی طرف سے پہنچے اسے ھُوْنٌ، ھَوَان اور ذُلٌّ کہتے ہیں اور یہ مذموم سمجھی جاتی ہے۔

(خ س ء)

خَسَأْتُ الْكَلْبَ فَخَسَأَ میں نے کتے کو دھتکارا تو وہ دور ہو گیا۔ اور کسی کو دھتکارنے کے لئے عربی میں اِخْسَأْ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں کفار کے متعلق فرمایا:۔

اِخْسَؤُا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (۲۳-۱۰۸) اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ (۲-۶۵) تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

اسی سے خَسَأَ الْبَصَرُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں نظر درماندہ ہو کر منقبض ہو گئی۔

قرآن میں ہے:۔

خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (۶۷-۴) کہ وہ نظر درماندہ اور تھک کر لوٹ آئے گی۔

(خ س ر)

اَلْخُسْرُ وَالْخُسْرَانُ راس المال میں کمی آجانا خسارہ کی نسبت کبھی انسان کی طرف ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے خَسِرَ (س) فُلَانٌ فلاں نے نقصان اٹھایا۔ اور کبھی فعل کی طرف ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے خَسِرَتْ تِجَارَتُهٗ اس کی تجارت خسارہ میں ہے۔ قرآن میں ہے:۔

تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (۷۹-۱۲) یہ لوٹنا تو موجب زیاں ہے۔

عام طور پر اس کا استعمال خارجی ذخائر میں نقصان اٹھانے پر ہوتا ہے۔ جیسے مال وجاہ وغیرہ لیکن کبھی معنوی ذخائر یعنی صحت و سلامتی عقل و ایمان اور ثواب کھو بیٹھنے پر بولا جاتا ہے بلکہ ان چیزوں میں نقصان اٹھانے کو اللہ تعالٰی نے خسران مبین قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (۳۹-۱۵) جنہوں نے اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا۔ دیکھو یہی صریح نقصان ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (۲-۱۲۱) اور جو اس کو نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ...... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲-۲۷) جو خدا کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں ... یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۵-۳۰) مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (۵۵-۹) اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔

میں ہو سکتا ہے کہ ماپ تول میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے اور ظلم ترک کرنے کا حکم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان افعال کے ارتکاب سے منع کیا ہو جو قیامت کے دن میزان عمل میں کمی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا موجب ہوں جس کی وجہ سے آدمی ان لوگوں سے ہو جائے جن کے متعلق قرآن نے فَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ (۱۰۱-۸) کہا ہے، یہ دونوں معنی باہم لازم ملزوم ہیں۔ اور جہاں کہیں قرآن میں خسران کا لفظ آیا ہے وہ اسی دوسرے معنی پر محمول ہے۔ دنیوی کاروبار اور دیگر چیزوں میں نقصان اٹھانا مراد نہیں ہے۔

(خ س ف)

اَلْخُسُوْفُ کا لفظ چاند کے بے نور ہونے اور کُسُوْفٌ کا لفظ سورج کے بے نور ہونے پر بولا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ خسوف قدرے بے نور ہونے کو کہا جاتا ہے اور کُسوف پوری طرح بے نور ہو جانے کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ سورج ہو یا چاند کہا جاتا ہے خَسَفَهُ اللّٰهُ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا (متعدی) خَسَفَ هُوَ (لازمی) زمین میں دھنس جانا۔

قرآن میں ہے:-

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (۲۸-۸۰) پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔

لَوْلَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا (۲۸-۸۲) اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔

حدیث میں ہے[1] (۱۱۶)

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ اور عَيْنٌ خَاسِفَةٌ (اندر دھنسی ہوئی آنکھ) کا محاورہ خَسَفَ الْقَمَرُ سے منقول ہے بِئْرٌ مَّخْسُوْفَةٌ وہ کنواں جس کا پانی غائب ہو گیا ہو اور چاند گہن لگنے سے چونکہ ماند پڑ جاتا ہے اس لئے بطور استعارہ خَسْفٌ بمعنی ذلت و رسوائی بھی آ جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے۔ تَحَمَّلَ فُلَانٌ خَسْفًا۔ فلاں شخص ذلیل ہو گیا۔

(خ ش ب)

اَلْخَشَبُ (موٹی لکڑی ج خُشُبٌ) اور آیت کریمہ:-

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (۶۳-۴) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔

میں انہیں نکما ہونے میں لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور خَشَبٌ کے لفظ سے اشتقاق کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ خَشَبْتُ السَّيْفَ۔ تلوار کو صیقل کرنا اور صیقل کرنے کے آلہ کو مِخْشَبٌ کہا جاتا ہے۔ سَيْفٌ خَشِيْبٌ تلوار جو تازہ صیقل کی گئی ہو۔ جَمَلٌ خَشِيْبٌ نیا اونٹ یعنی جو سدھایا نہ گیا ہو۔ تَخَشَّبَتِ الْاِبِلُ۔ لکڑی کھانا سوکھی گھاس چرنا۔ جَبْهَةٌ خَشْبَاءُ۔ لکڑی کی طرح سخت اور کھردری پیشانی (کنایۃً)، بے حیا۔ جیسا کہ شاعر نے صخر یعنی چٹان کے ساتھ تشبیہ دیکر کہا ہے ع (د) (۱۳۵) وَالصَّخْرُ هَشٌّ عِنْدَ وَجْهِكَ فِي الصَّلَابَةِ تیرے چہرے کے مقابلہ میں تو پتھر بھی نرم اور شاش

---

[1] الحدیث فی الصحیحین وابی داؤد والنسائی عن عائشہ (صلوٰۃ الکسوف) والطیالسی عن انس وایضاً البخاری والنسائی عن ابی بکرۃ راجع الفتح اللنبهانی ج ا ص ۳۰۵-۳۰۶ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے۔

اَلْمَخْشُوْبُ۔ وہ چیز جس میں لکڑی ملائی گئی ہو۔ اور یہ ردی چیز سے کنایہ ہوتا ہے۔

(خ ش ع)

اَلْخُشُوْعُ (ن) کے معنی ضَرَاعَۃٌ یعنی عاجزی کرنے اور جھک جانے کے ہیں۔ مگر زیادہ تر خُشُوْعٌ کا لفظ جوارح اور ضَرَاعَت کا لفظ قلب کی عاجزی پر بولا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں ہے[1]: (۱۲۱)

اِذَا ضَرَعَتِ الْقَلْبُ خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ

جب دل میں فروتنی ہو تو اسی کا اثر جوارح پر ظاہر ہو جاتا ہے قرآن میں ہے:

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (۱۷-۱۰۹) اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (۲۳-۲) جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔

وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ (۲۱-۹۰) اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (۲۰-۱۰۸) اور ... ... آوازیں پست ہو جائیں گی۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ (۶۸-۴۳) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (۷۹-۹) اور آنکھیں جھکی ہوئی۔ یہ ان کی نظروں کے مضطرب ہونے سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ زمین و آسمان کے متعلق بطور کنایہ کے فرمایا۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا (۵۶-۴) جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۹۹-۱) جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (۵۲-۹-۱۰) جس دن آسمان لرزنے لگے کپکپا کر۔ اور پہاڑ اڑنے لگیں راون ہو کر۔

(خ ش ی)

اَلْخَشْيَةُ۔ اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی عظمت کی وجہ سے دل پر طاری ہو جائے، یہ بات عام طور پر اس چیز کا علم ہونے سے ہوتی ہے جس سے انسان ڈرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۳۵-۲۸) اور خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ میں خشیت الٰہی کے ساتھ علماء کو خاص کیا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى (۸۰-۸-۹) اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا اور خدا سے ڈرتا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (۵۰-۳۳) جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔

فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا (۱۸-۸۰) ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بدکردار ہوتا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ (۲-۱۵۰) سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (۴-۷۷) لوگوں سے یوں ڈرنے لگے

---

[1] لم اجدہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے خدا سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ (۳۳-۳۹)
جو خدا کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔
وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ (۴-۹) ۔۔۔ اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے۔
یعنی ان کو اپنے فقر کے خوف کا احساس ہونا چاہیئے۔
خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ (۱۷-۳۱) مفلسی کے خوف سے
یعنی اس اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کہ یہ مفلس ہو کر ذلیل ہو جائے گی۔ اور آیت کریمہ:۔
مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ (۵۰-۳۳)
جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔
یعنی اس کے دل میں ایسا خوف ہو جو کہ معرفت الٰہی کا تقاضا ہے۔

(خ ص ص)

اَلتَّخْصِیْصُ وَالْاِخْتِصَاصُ وَالْخُصُوْصِیَّةُ وَالتَّخَصُّصُ کسی چیز کے بعض افراد کو دوسروں سے الگ کر کے ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرنا یہ۔
اَلْعُمُوْمُ وَالتَّعَمُّمُ وَالتَّعْمِیْمُ کی ضد ہے۔
خُصَّانُ الرَّجُلِ۔ جن پر خصوصی نوازش کرتا ہو۔
اَلْخَاصَّةُ۔ یہ عامۃ کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَاصَّةً (۸-۲۵) اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گنہگار ہیں یعنی، بلکہ سب پر واقع ہوگا۔
خَصَّهٗ بِکَذَا وَاخْتَصَّهٗ۔ کسی کو کسی چیز کے ساتھ مختص کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (۲-۱۰۵)
جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے۔
خَصَاصُ الْبَیْتِ مکان میں شگاف کو کہتے ہیں۔ اسی سے خَصَاصَةٌ اس فقر او احتیاج کو کہتے ہیں جو ختم نہ ہوئی ہو۔ اس قسم کے فقر کو خَلَّةٌ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۵۹-۹) اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ لہذا آپ اسے خصاص سے ماخوذ قرار دے سکتے ہیں۔
اَلْخُصُّ۔ بانس یا لکڑی کا جھونپڑا اور اسے خُصٌّ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں جھروکے نظر آتے ہیں۔

(خ ص ف)

قرآن میں ہے:۔
وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (۲۰-۱۲۲) یعنی آدمؑ اور حواؑ اپنے اوپر خَصَفَة یعنی درخت کے پتے چپکانے لگے اسی سے زنبیل کو جو کھجوریں ڈالنے کے لئے کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا ہے اور گاڑھے کپڑے کو خَصَفَةٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع خَصَفٌ (وخِصَافٌ) آتی ہے۔ اور خَصْفَةٌ (بسکون صاد) چمڑے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس کے اوپر اس جیسا دوسرا ٹکڑا رکھ کر۔ جوتا بنایا جائے
خَصَفْتُ النَّعْلَ بِالْمِخْصَفِ ستالی کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ جوتا سینا۔

ایک روایت میں ہے[1] (۱۱۳)

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا خود ہی مرمت کر لیا کرتے تھے۔

خَصَفْتُ الْخَصْفَةَ۔ زنبیل بننا۔

اَلْاَخْصَفُ وَالْخَصِيْفُ دو رنگ کا کھانا اصل میں اس دودھ وغیرہ کو کہتے ہیں جو چمڑے کے شکیزے میں ڈالا جائے اور اس چمڑے کا رنگ اسی کے ساتھ مل جائے[2]۔

(خ ص م)

اَلْخَصْمُ۔ یہ خَصَمْتُهُ کا مصدر ہے جس کے معنی جھگڑنے کے ہیں کہا جاتا ہے خَصَمْتُهُ وَخَاصَمْتُهُ مُخَاصَمَةً وَخِصَامًا کسی سے جھگڑا کرنا قرآن میں ہے:۔

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۲-۲۰۴) اور وہ حالانکہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (۴۳-۱۸) اور جھگڑنے کے وقت بات نہ کر سکے۔

اور مُخَاصِمٌ کو خَصْمٌ کہا جاتا ہے اور خصم کا لفظ واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر کبھی تثنیہ بھی آجاتا ہے[3]۔

اصل میں خَصْمٌ کے معنی کنارہ کے ہیں۔ اور مخاصمت کے معنی ایک دوسرے کو کنارہ سے پکڑنے کے ہیں۔ اور بوری کو کونے سے پکڑ کر کھینچنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے[4]:۔ (۱۱۴)

نَسِيْتُهَا فِيْ خُصْمِ فِرَاشِيْ کہ میں اسے اپنے بستر کے کونے میں بھول آیا ہوں خَصْمٌ کی جمع خُصُوْمٌ وَاَخْصَامٌ آتی ہے اور آیت کریمہ:

خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا (۲۲-۹) دو فریق جھگڑتے ہیں۔ میں خَصْمَانِ سے دو فریق مراد ہیں اسی لئے اِخْتَصَمُوْا آیا ہے۔

اَلْاِخْتِصَامُ (افتعال) ایک دوسرے سے جھگڑنا۔ قرآن میں ہے:۔

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ (۵۰-۲۸) ہمارے حضور رد وکد نہ کرو۔

وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ (۲۶-۹۶) ... ... وہ آپس میں جھگڑیں گے۔

اَلْخَصِيْمُ۔ جھگڑالو بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا جیسے فرمایا:۔

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (۱۶-۴) مگر وہ (اس بارے میں) علانیہ جھگڑنے لگا۔

اَلْخَصِمُ سخت جھگڑالو جس کا شیوہ ہی جھگڑنا ہو۔ قرآن میں ہے:۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (۴۳-۵۸) حقیقت یہ ہے۔ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

---

[1] کلمۃ من حدیث عائشہ رواہ الترمذی وفی کنز العمال (المتفرقات) ۷: رقم ۴۳۸۳ (حم۔ عن عائشہ) وفی تخریج العراقی علی الاحیاء ۲/۳۶۰ اخرجہ احمد من حدیث عائشہ ورجالہ رجال الصحیح ورواہ ابوالشیخ ایضاً وابن حبان فی زوائدہ رقم ۲۱۳۳-۲۱۳۵-

[2] قال الجوہری الخصیف۔ اللبن الحلیب یصب علیہ الرائب فان جعل علیہ التمر والسمن فہو العوثبانی [3] قال الجوہری ومن العرب من ثینیہ ویجمعہ۔ [4] راجع اللسان (خصم) من حدیث ام سلمۃ قالت یارسول اللہ اراک ساھم الوجہ من علۃ قال لاالبکنہ من السبعۃ الدنانیر التی اتینا بہا امس فی خصم الفراش فبت ولم اقسمہا ؏ ؏ ؏ ؏

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(خ ض د)

خَضَدْتُہٗ فَانْخَضَدَ کے معنی ہیں میں نے درخت کے کانٹے توڑے چنانچہ وہ ٹوٹ گئے اور ایسے درخت کو جس کے کانٹے توڑ دیئے گئے ہوں اسے مَخْضُوْد اور خضید کہا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (۵۶-۲۸) (یعنی) بے خار کی بیریوں میں۔

اور خُضُدٌ بمعنی مَخْضُوْدٌ آتا ہے جیسے نُقُضٌ بمعنی مَنْقُوْضٌ اور اسی سے استعارۃً خَضَدَ عُنُقَ الْبَعِیْرِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اس نے اونٹ کی گردن توڑ ڈالی۔

(خ ض ر)

قرآن میں ہے:۔

فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً (۲۲-۶۳) تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔

ثِیَابًا خُضْرًا (۱۸-۳۱) سبز رنگ کے کپڑے۔

خُضْرًا کا واحد اَخْضَرُ ہے اور اَلْخُضْرَۃُ ایک قسم کا رنگ ہوتا ہے جو سفیدی اور سیاہی کے بین بین ہوتا ہے مگر سیاہی غالب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اَسْوَدُ (سیاہ) اور اَخْضَرُ (سبز) کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۱۳۶) قَدْ اَعْسِفُ النَّازِحَ الْمَجْهُوْلَ مَعْسَفَہٗ
فِیْ ظِلِّ اَخْضَرَ یَدْعُوْھَا مَۃُ الْبُوْمُ

میں تاریک اور بھیانک راتوں میں دور دراز راستوں میں سفر کرتا ہوں جو بے نشان ہوتے ہیں۔ اور سبزی اور شادابی کی وجہ سے عراق کے ایک حصہ کو سَوَادُ الْعِرَاقِ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔ مُدْھَامَّتَانِ (۵۵-۶۴) کے معنی سرسبز کے ہیں اور خُضْرَۃٌ کی جگہ دُھْمَۃٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی سیاہی کے ہیں۔ حدیث میں ہے[2]:۔ (۱۴۱)

اِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ تم کوڑی کی سرسبزی سے بچو۔ اور خَضْرَاءَ الدِّمَنِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آنحضرت نے فرمایا اَلْمَرْاَۃُ الْحَسْنَاءُ فِیْ مَنْبَتِ السُّوْءِ یعنی خوبصورت عورت جو بد طینت ہو۔

اَلْمُخَاضَرَۃُ سبزیوں اور کچے پھلوں کی بیع کرنا۔

اَلْخُضَیْرَۃُ کھجور کا درخت جس کی سبز اور نیم پختہ کھجوریں جھڑ جائیں

(خ ض ع)

اَلْخُضُوْعُ کے معنی خشوع یعنی جھکنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

رَجُلٌ خُضَعَۃٌ وہ شخص جو ہر ایک کے سامنے عاجزی اور انکساری ظاہر کرتا پھرے۔

خَضَعْتُ اللَّحْمَ۔ میں نے گوشت کاٹا۔

---

[1] قالہ ذوالرمۃ ویروی المجھول بدل المجھود ومعسفہ بالن معسفۃ کما فی اللسان (ہوم) والاقتضاب وفی روایۃ اغضف بدل اخضر وھو المتنی وادب الکاتب ۲۳ر۱۹۱ (البیت فی دیوانہ ۳ ۷ ۵ واضداد ابن الانباری ۳۴۸ واللسان (خضر، عسف) واضداد ابی الطیب ۲۳۰ والحیوان (۲: ۱۷۵) والسیوطی ۱۵۰ والمحکم (عسف) ومعنی العسف رکوب المفازۃ وقطعھا بغیر قصد لاھدایۃ ولا توخی صوب ولا طریق مسلوک ۱۲

[2] رواہ الدارقطنی فی الافراد والرامھرمزی فی الامثال من حدیث الخدری قال الدارقطنی تفرد بہ الواقدی وھو ضعیف (تخریج احیاء للعراقی ۲ر۴۱) والحدیث مثل راجع المیدانی ار۳۲ والفائق ار۱۷۵ وغریب ابی عبید الحصری ار۵۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظَلِیْمٌ اَخْضَعُ شتر مرغ جس کی گردن میں پستی اور جھکاؤ ہو۔

(خ ط ط)

اَلْخَطُّ (مثل مَدٌّ) جس میں طول ہو اہل ہندسہ کے نزدیک خطوط کئی قسم پر ہیں۔ یعنی مسطوح، مستدیر، مقوس اور ممال وغیرہ اور ہر مستطیل علاقہ کو خَطٌّ کہہ دیتے ہیں جیسے خَطُّ الْیَمَنِ جو یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کی طرف خطی نیزے منسوب ہیں اور زمین کا وہ حصہ جو انسان اپنے لئے مخصوص کرے اور کھودے اسے خَطٌّ اور خِطَّۃٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْخَطِیْطَۃُ وہ زمین جس کے ارد گرد بارش ہوئی ہو اور وہ درمیان میں خط منحرف کی طرح بے بارش کے رہ گئی۔ اور اَلْخَطُّ کے معنی لکھنا کتابت کرنا بھی ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ (۲۹-۴۸) اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔

(خ ط ء)

اَلْخَطْأُ وَالْخَطَاءُ کے معنی صحیح جہت سے عدول کرنے کے ہیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) کوئی ایسا کام بالارادہ کرے جس کا ارادہ بھی مناسب نہ ہو۔ یہ خطا تام ہے جس پر مواخذہ ہوگا اس معنی میں فعل خَطِئَ یَخْطَأُ خِطْأً وَخِطْأَۃً بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْرًا (۱۷-۳۱) کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت جرم ہے۔

وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ (۱۲-۹۱) اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے۔

(۲) ارادہ تو اچھا کام کرنے کا ہو لیکن غلطی سے برا کام سرزد ہو جائے۔ کہا جاتا ہے:۔ اَخْطَأَ یُخْطِئُ اِخْطَاءً فَھُوَ مُخْطِئٌ اس میں اس کا ارادہ تو درست ہوتا ہے مگر اس کا فعل غلط ہوتا ہے اسی قسم کی خطا کے متعلق آنحضرت نے فرمایا ہے[1] (۱۵۱)

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ کہ میری امت سے خطا اور نسیان اٹھا لئے گئے ہیں۔ نیز فرمایا[2]: (۱۱۶)

مَنِ اجْتَھَدَ فَاَخْطَأَ فَلَہٗ اَجْرٌ جس نے اجتہاد کیا۔ لیکن اس سے غلطی ہوگئی اسے پھر بھی اجر ملے گا۔ قرآن میں ہے:۔

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ (۴-۹۲) اور جو غلطی سے مومن کو مار ڈالے تو ایک تو) ...... غلام کو آزاد کردے۔

(۳) غیر مستحسن فعل کا ارادہ کرے لیکن اتفاق سے مستحسن فعل سرزد ہو جائے۔ اس صورت میں اس کا فعل تو درست ہے مگر ارادہ غلط ہے لہٰذا اس کا قصد مذموم ہوگا مگر فعل بھی قابل ستائش نہیں ہوگا۔ اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[3] ع (

(۱۳۷) اَرَدْتُ مَسَاءَتِیْ فَاَجَرْتَ مَسَرَّتِیْ
وَقَدْ یُحْسِنُ الْاِنْسَانُ مِنْ حَیْثُ لَا یَدْرِیْ

(تو نے میری برائی کا ارادہ کیا لیکن مجھے خوشی حاصل ہوگئی) کبھی انسان نادانستہ طور پر بھی اچھا کام کرلیتا ہے۔

---

[1] ... رواہ وضع وفی ابن عدی عن ابی بکرۃ مرفوعًا رفع اللہ عن ہذہ الامۃ ثلاثا الخ قال الحافظ فی تخریجہ ص ۱۳۲ رقم ۲۰۲ انہ من منکرات جعفر وفی روایۃ ابن ماجۃ و البیہقی وابن حبان عن ابن عباس ان اللہ تجاوز عن امتی (راجع المشکوۃ واللآلی للسیوطی) [2] لم اجدہ [3] لم اجدہ وہو ...

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کلام یہ کہ جس شخص سے اتفاقاً ارادہ کے خلاف فعل صادر ہو جائے۔ تو اس کے متعلق "اَخْطَاءَ" کہا جاتا ہے اور اگر ارادہ کے مطابق وہ فعل صادر ہو تو اصاب کہتے ہیں مگر کبھی اَخْطَاءَ کا لفظ اس شخص کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے جس نے کسی غیر مستحسن فعل کا ارتکاب کیا ہو یا کسی نازیبا کام کا ارادہ کیا ہو۔ لہذا اَصَابَ الْخَطَاءَ اَخْطَاءَ الصَّوَابَ وَاَصَابَ الصَّوَابَ وَاَخْطَاءَ الْخَطَاءَ ہر طرح کہنا درست ہوگا اور یہ لفظ مشترک ہے جو بہت سے معانی کا محتمل ہوتا ہے اس لئے جو شخص حقائق کا متلاشی ہو اسے اس کے متعلق خوب غور سے کام لینا چاہیے۔

اَلْخَطِیْئَةُ یہ قریب قریب سَیِّئَةٌ کے ہم معنی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْئَتُهٗ (۲-۸۱) اور اسکے گناہ ہر طرف سے اس کو گھیر لیں گے۔

لیکن زیادہ تر خَطِیْئَةٌ کا استعمال اس فعل کے متعلق ہوتا ہے جو بذات خود مقصود نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز کا ارادہ اس کے صدور کا سبب بن جائے مثلاً کسی نے شکار کے نشانہ لگایا مگر نشانہ خطا ہو کر کسی انسان کو جا لگا یا کسی مسکر چیز کا استعمال کیا اور نشہ کی حالت میں کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھا یہ سبب دو قسم پر ہے ایک سبب محظور جیسے مسکر چیز پینا اس حالت میں جو فعل سرزد ہوگا وہ قابل گرفت ہوگا۔ دوم سبب مباح جیسے شکار کو نشانہ بنایا اس حالت میں جو خطا سرزد ہو گی اس پر گرفت نہیں ہوگی اسی قسم کی غلطی کے متعلق فرمایا:۔

وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ (۳۳-۵) اور جو بات تم سے غلطی سے ہو گئی ہو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں لیکن جو قصد دلی سے کرو اس پر مواخذہ ہے)

اور آیت کریمہ:۔

وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْئَةً اَوْ اِثْمًا (۴-۱۱۲) اور جو کوئی قصور یا گناہ خود کرے۔

میں خَطِیْئَةٌ سے وہ فعل مراد ہے جو بلا قصد سرزد ہوا ہو اور اسی قسم کی خطا کے متعلق حضرت ابراہیم نے کہا تھا۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۲۶-۸۲) اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشیگا۔

خَطِیْئَةٌ کی جمع خَطِیْئَات وخطایا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ (۷۱-۲۴-۲۵) اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی بڑھا (آخر) وہ اپنے گناہ کے سبب ہی۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ (۲۶-۵۱) ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا۔

وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ (۲۹-۱۲) ہم تمہارے گناہ اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا کچھ بھی بوجھ اٹھانے والے نہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

نَغْفِرْ لَکُمْ خَطٰیٰکُمْ (۲-۵۸) ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔

سے وہ گناہ مراد ہیں جو عمداً کئے ہوں۔

اَلْخَاطِئُ بالارادہ گناہ کرنے والے کو کہتے ہیں جیسے فرمایا:۔

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ لَّا یَاْکُلُهٗٓ اِلَّا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْخَاطِئُوْنَ (۶۹-۳۷) اور نہ پیپ کے سوا اس کے لئے) کھانا ہے جس کو گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

مگر کبھی نفس گناہ پر بھی خَاطِئَةٌ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔

وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ (۶۹-۹) اور وہ جو الٹی بستیوں میں رہتے تھے سب گناہ کے کام کرتے تھے۔

یعنی وہ گناہ عظیم کا ارتکاب کرتے تھے جیسا کہ (بطور مبالغہ) شِعْرٌ شَاعِرٌ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

لیکن جو گناہ بلا قصد سرزد ہو جائے اس کے متعلق آنحضرت نے فرمایا ہے کہ وہ قابل گرفت نہیں ہے[۱]۔ مگر آیت کریمہ:۔

نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ (۲-۵۸) ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔

میں وہی معنی مراد ہیں جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(خ ط ب)

اَلْخَطْبُ وَالْمُخَاطَبَةُ وَالتَّخَاطُبُ۔

باہم گفتگو کرنا۔ ایک دوسرے کی طرف بات لوٹانا اسی سے خُطْبَةٌ اور خِطْبَةٌ کا لفظ ہے لیکن خُطْبَةٌ وعظ و نصیحت کے معنی میں آتا ہے اور خِطْبَةٌ کے معنی ہیں نکاح کا پیغام۔

قرآن میں ہے:۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ (۲-۲۳۵) اگر تم کنایہ کی باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو .... تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

اصل میں خِطْبَةٌ اسی حالت کو کہتے ہیں جو بات کرتے وقت ہوتی ہے جیسا کہ جِلْسَةٌ اور قِعْدَةٌ پھر خُطْبَةٌ سے تو خَاطِبٌ اور خَطِيبٌ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں مگر خِطْبَةٌ سے صرف خَاطِبٌ کا لفظ ہی بولا جاتا ہے۔ اور خَطَبَ فعل دونوں معنی کے لئے آتا ہے۔

اَلْخَطْبُ۔ اہم معاملہ جس کے بارے میں کثرت سے تخاطب ہو۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ (۲۰-۹۵) (پھر سامری سے کہنے لگے) کہ سامری تیرا کیا حال ہے۔

فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ (۵۱-۳۱) کہ فرشتو تمہارا مدعا کیا ہے۔

فَصْلَ الْخِطَابِ (۳۸-۲۰) دو ٹوک بات، فیصلہ کن بات جس سے نزاع ختم ہو جائے۔

(خ ط ف)

خَطِفَ يَخْطَفُ خَطْفًا وَاخْتَطَفَ اخْتِطَافًا کے معنی کسی چیز کو سرعت سے اچک لینا کے ہیں۔ یہ باب (س، ض) دونوں سے آتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ (۳۷-۱۰) ہاں جو کوئی (فرشتوں کی) بات کو چوری سے جھپٹ لینا چاہتا ہے۔

طاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں منقول ہیں اور اس سے مراد وہ شیاطین ہیں جو چوری چھپے ملاء اعلیٰ کی گفتگو سنا کرتے تھے۔ نیز فرمایا:۔

تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ (۲۲-۳۱) پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

---

[۱] و فد مر الآن ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ (۲-۲۰) قریب ہے کہ بجلی (کی چمک، ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اچک لے جائے۔

وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (۲۹-۶۷) اور لوگ ان کے گرد نواح سے اچک لئے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے گرد و نواح میں قتل و غارت کا سلسلہ جاری ہے۔

اَلْخُطَّافُ۔ (۱) ابابیل کی قسم کا ایک پرندہ جو پرواز کرنے میں کسی چیز کو جھپٹ لیتا ہے۔ (۲) آہن کج جس کے ذریعے کنوئیں سے ڈول نکالا جاتا ہے گویا وہ ڈول کو اچک کر باہر لے آتا ہے (۳) وہ لوہا جس پر کنوئیں کی چرخی گھومتی ہے۔ ج خَطَاطِيْفُ بَازٌ مُخْطَفٌ۔ باز جو اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔

اَلْخَيْطَفُ۔ تیز رفتاری۔ اَخْطَفُ الْحَشَاوَ مُخْتَطَفُهٗ۔ مرد باریک شکم جس کے دبلاپن کی وجہ سے ایسا معلوم ہو کہ اس کی انتڑیاں اچک لی گئی ہیں۔

(خ ط و)

خَطَوْتُ اَخْطُوْ کے معنی چلنے کے لئے قدم اٹھانے کے ہیں خَطْوَةٌ ایک بار قدم اٹھانا اَلْخُطْوَةُ وہ فاصلہ جو دو قدموں کے درمیان ہو۔ اَلْخُطْوَةُ کی جمع خُطُوَاتٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ۔ (۲-۱۶۸) اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔

یعنی شیطان کی اتباع نہ کرو۔ اور یہ آیت کریمہ:۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (۳۸-۲۶) اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ کی طرح ہے۔

(خ ف ف)

اَلْخَفِيْفُ (ہلکا) یہ ثقیل کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس کا استعمال کئی طرح پر ہوتا ہے (۱) کبھی وزن میں مقابلہ کے طور یعنی دو چیزوں کے باہم مقابلہ میں ایک کو خفیف اور دوسری کو ثقیل کہہ دیا جاتا ہے جیسے دِرْهَمٌ خَفِيْفٌ وَدِرْهَمٌ ثَقِيْلٌ یعنی وہ درہم ہلکا ہے۔ اور یہ بھاری ہے (۲) اور کبھی تقابل زمانی کے اعتبار سے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک گھوڑا جو فی گھنٹہ دس میل کی مسافت طے کرتا ہو اور دوسرا پانچ میل فی گھنٹہ دوڑتا ہو تو پہلے کو خفیف (سبک رفتار) اور دوسرے کو ثقیل (سست رفتار) کہا جاتا ہے (۳) جس چیز کو خوش آئندہ پایا جائے اسے خفیف اور جو طبیعت پر گراں ہو اسے ثقیل کہا جاتا ہے اس صورت میں خفیف کا لفظ بطور مدح اور ثقیل کا لفظ بطور مذمت استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیات کریمہ:۔

اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ (۸-۶۶) اب خدا نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (۲-۸۶) سو نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ اسی معنی پر محمول ہیں بلکہ ہمارے نزدیک آیت:۔

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا (۷-۱۸۹) اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے۔ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

(۴) جو شخص جلد طیش میں آجائے اسے خفیف اور جو پروقار ہو اسے ثقیل کہا جاتا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے خفیف صفت ذم ہوگی اور ثقیل صفت مدح۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) جو اجسام نیچے کی طرف جھکنے والے ہوں انہیں ثقیل اور جو اوپر کی جانب چڑھنے والے ہوں انہیں خفیف کہا جاتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے زمین پانی وغیرہا کو اجسام ثقیلہ اور ہوا، آگ وغیرہا اجسام خفیفہ میں داخل ہوں گے۔

خَفَّ (ض) خَفًّا وَخِفَّۃً وَ تَخَفَّفَ۔ ہلکا ہونا۔ خَفَّفَہٗ تَخْفِیْفًا۔ ہلکا کرنا۔ اِسْتَخَفَّہٗ۔ ہلکا سمجھنا خَفَّ الْمَتَاعُ سامان کا ہلکا ہونا اسی سے کَلَامٌ خَفِیْفٌ عَلَی اللِّسَانِ کا محاورہ مستعار ہے یعنی وہ کلام جو زبان پر ہلکا ہو۔ اور آیت کریمہ:۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ فَاَطَاعُوْہُ (۴۳-۵۴) غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔

کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اس نے اپنی قوم کو اکسایا کہ اس کے ساتھ تیزی سے چلیں اور یا یہ کہ انہیں اجسام وعزائم کے اعتبار سے "ڈھیلا پایا" اور بعض نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ "انہیں جاہل اور کم عقل سمجھا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ (۷-۹) اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے۔

میں اعمال صالحہ کی کمی کی طرف اشارہ ہے اور آیت کریمہ:۔

وَلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ (۳۰-۶۰) اور وہ تمہیں اوچھا نہ بنا دیں۔

کے معنی یہ ہیں کہ وہ شبہات پیدا کر کے تمہیں تمہارے عقائد سے متزلزل اور برگشتہ نہ کر دیں۔

خَفُّوْا عَنْ مَنَازِلِھِمْ۔ وہ تیزی سے کوچ کر گئے

اَلْخُفُّ۔ موزہ۔ انسان کے موزہ سے تشبیہ دے کر خُفُّ النَّعَامَۃِ وَالْبَعِیْرِ شتر مرغ (شتر و سیل شتر مرغ)، کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

(خ ف ت)

اَلْمُخَافَتَۃُ وَالْخَفْتُ پوشیدہ گفتگو کرنا۔ قرآن میں ہے:۔

یَتَخَافَتُوْنَ بَیْنَھُمْ (۲۰-۱۰۳) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے۔

وَلَا تُخَافِتْ بِھَا (۱۷-۱۱۰) اور نہ آہستہ۔

کسی شاعر نے کہا ہے ع (۱)

(۱۳۷) وَشَتَّانَ بَیْنَ الْجَھْرِ وَالْمَنْطِقِ الْخَفْتِ

کہ بلند اور پوشیدہ گفتگو میں بین فرق ہوتا ہے۔

(خ ف ض)

اَلْخَفْضُ۔ یہ رَفْعٌ کی ضد ہے۔ اور خَفْضٌ کے معنی نرم رفتاری اور سکون وراحت بھی آتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (۱۷-۲۴) اور عجز ونیاز سے ان کے آگے جھکے رہو۔ میں ماں باپ کے ساتھ نرم برتاؤ اور ان کا مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ گویا یہ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ (کہ مجھ سے سرکشی نہ کرنا) کی ضد ہے اور قیامت کے متعلق فرمایا:۔

خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ (۵۶-۳) کسی کو پست کرے اور کسی کو بلند۔

کیونکہ وہ بعض کو پست اور بعض کو بلند کر دے گی پس خَافِضَۃٌ میں آیت کریمہ:۔ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ (۹۵-۵) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) البیت فی الصحاح واللسان (خفت) بغیر عزو وصدرہ: اخاطب جھرا اذ لھن تخافت ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(خ ف ی)

خَفِيَ (س) خُفْيَةً۔ اَلشَّیْءُ پوشیدہ ہونا. قرآن میں ہے:۔
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (۷-۵۵) اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔
اَلْخِفَاءُ (مثل غِطَاءٍ) کے معنی پردہ کے ہیں۔
خَفَيْتُهٗ۔ میں نے اس سے پوشیدگی دور کر دی یعنی ظاہر کر دیا۔ **اَخْفَيْتُهٗ**۔ پوشیدہ کرنا. چھپانا. یہ اِبْدَاءٌ اور اِعْلَانٌ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (۲-۲۷۱) اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے۔ اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے۔
وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ (۱-۶) جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے۔
بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ (۶-۲۸) ہاں یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے۔

اَلْاِسْتِخْفَاءُ۔ چھپنا. قرآن میں ہے:۔
اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ (۱۱-۵) دیکھو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ خدا سے پردہ کریں۔
اَلْخَوَافِيْ۔ پرند کے بازوؤں کے نیچے چھپے ہوئے پر۔ اس کا مفرد خَافِيَةٌ ہے اور یہ اَلْقَوَادِمُ کی ضد ہے۔

(خ ل ل)

اَلْخَلَلُ۔ دو چیزوں کے درمیان کشادگی اور فاصلہ کو کہتے ہیں مثلاً بادل اور گھروں کے درمیان کا فاصلہ یا راکھ وغیرہ کا اندرونی حصہ اس کی جمع خِلَالٌ ہے۔ چنانچہ بادل کے متعلق فرمایا:۔
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ (۳۰-۴۸) تم دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ میں سے بارش برسنے لگتی ہے۔ اور گھروں کے متعلق فرمایا:۔
فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ (۱۷-۵) اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے۔
شاعر نے کہا ہے[1] ع ( )
(۱۳۹) اَرٰى خَلَلَ الرَّمَادِ وَمِيْضَ جَمْرٍ
میں راکھ کے اندر آگ کے انگارے کی چمک دیکھتا ہوں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ (۹-۴۷) اور تم میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ یعنی چغل خوری اور

---

(۱) قاله بعض شعراء الاموييں وتمامه: فيخاف ان يكون له ضرام۔ والبيت فى اللسان (ضرم) ونسبه ابن برى لابى مريم وفى روايته خلل الرماد بدل خلال الرماد وفى تاريخ الطبرى (۶ : ۳۶) كتب نصر بن سيار الى مروان بن محمد وفى العقد (۴ : ۷۷) الى هشام بن عبد الملك يخبره بخروج ابى مسلم الخراسانى عليه والبيت ايضاً فى الاخبار الطوال لابى حنيفة الدينورى المتوفى ۲۸۲ھ فى خمسة ابيات كذا فى مجموعة المعانى ۱۱۲ وعزاه لابى مريم البجلى وفى محاضرات المؤلف (۲ : ۷۷) معزو لابى مهيم والبيت ايضاً فى الاغانى (۹ : ۱۲) وفيه واخربان بدل اجادران وفى ابن عساكر (۴ : ۱۹۱) خليق ان وفى الاغانى (۶ : ۱۲۸) انه ارسل الابيات الى الوليد بن يزيد وفى العقد (۱ : ۱۱) نار بدل جمر كذا فى الاصول سوى العيون (۱ : ۱۲۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فساد سے تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کی کوشش کرتے۔

اَلْخَلَالُ۔ دانت وغیرہ صاف کرنیکا تنکا کہا جاتا ہے۔

خَلَّ سِنَّهٗ (اس نے اپنا دانت صاف کیا) خَلَّ ثَوْبَهٗ (کپڑے میں سوراخ کرنا۔ خَلَّ (ن) لِسَانَ الْفَصِيْلِ (اونٹ کے بچے کی زبان کو چھید کر لکھو نکنی ڈالنا تاکہ اونٹنی کا دودھ نہ پی سکے۔

خَلَّ الرَّمِيَّةَ بِالسَّهْمِ (نشانہ پر تیر مار کر سوراخ کردیا) حدیث میں ہے[ﷺ] (۱۷۱)

خَلِّلُوْا اَصَابِعَكُمْ (وضو میں انگلیوں کا خلال کیا کرو۔

اَلْخَلَلُ فِي الْاَمْرِ کسی کام میں خرابی کا پیدا ہوجانا۔ جیسا کہ دو چیزوں کے درمیان رخنہ پڑ جاتا ہے۔

خَلَّ (ض) خَلَّا وَخِلَالًا۔ لَحْمُهٗ گوشت کا دبلا اور کم ہوجانا۔ شاعر نے کہا ہے[ع]: مدید)

(۱۴۰) اِنَّ جِسْمِيْ بَعْدَ خَالِيْ لَخَلٌّ

کہ ماموں کے مرنے کے بعد میرا جسم گھل گیا ہے۔

اَلْخَلَّةُ۔ ریگ زار کے اندر راستہ کو کہتے ہیں اور اسے خَلَّة یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دشوار گزار ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ وہ راستہ ریگ زار کے اندر سے گزرتا ہے۔ نیز ترش سرکہ کو بھی خَلَّة کہتے ہیں۔ کیونکہ ترشی اس میں سرایت کئے ہوتی ہے۔

اَلْخِلَّةُ تلوار کی نیام کا چمڑا جو اس کے اوپر منڈھا ہوا ہوتا ہے۔ نیام چونکہ اس کے اندر ہی ہے اس لئے اس چمڑے کو خِلَّة کہا جاتا ہے۔

اَلْخَلَّةُ۔ (ایضًا) طبیعت کی خرابی یا عارضہ جو کسی چیز کی خواہش یا سخت احتیاج کی وجہ سے پیدا ہوجاتا ہے اس لئے خَلَّةٌ کے معنی حاجت اور خصلت بیان کئے جاتے ہیں۔

اَلْخُلَّةُ۔ مودت، دوستی۔ محبت اور دوستی کو خُلَّة یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دل کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ اور یا اس لئے کہ وہ دل کے اندر داخل ہو کر اس طرح اثر کرتی ہے جس طرح تیر نشانہ پر لگ کر اس میں نشان ڈال دیتا ہے۔ اور یا اس لئے کہ اس کی سخت احتیاج ہوتی ہے۔

اسی لئے کہا جاتا ہے:۔

خَالَلْتُهٗ مُخَالَّةً وَخِلَالًا فَهُوَ خَلِيْلٌ

اور آیت کریمہ:۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (۴-۱۲۵) اور خدا نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا تھا۔

میں بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے خلیل کہا ہے کہ وہ ہر حال میں باری تعالیٰ کے محتاج تھے اور یہ احتیاج ویسے ہی ہے۔ جس کی طرف آیت:۔

اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (۲۸-۲۴) میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔

---

[۱] راجع (حم) عن ابن عباس و (قط) عن عائشۃ و (قط) عن ابی ہریرۃ (الفتح للنبہانی ج ۲ ص ۹۰) [۲] و صدرہ فاسقینہا یا سواد بن عمرو والبیت فی قصیدۃ حماسیۃ لتابط شرا فی رثاء خالہ بعد ان اخذ بثارہ و مطلعہا ان بالشعب الذی دون سلع ۔ لقتیلاً دمہ ما یطل ۔ و فی نسبتہ اختلاف کبیر نسبہ ابو تمام فی الحماسۃ لتأبط شرا (۲ : ۳۱۲ - ۳۱۹) المرزوقی ۔ والتبریزی الی خلف الاحمر (۲ : ۲۰) و طبقات الشعراء لابن سلام ۹۷ و بعضہم الی ابن اخت تابط شرا ثم اختلف فی ابن اختہ نفیل الشنفری کما فی الاغانی (۵ : ۱۲۲) و امالی المرتضیٰ (۲ : ۱۸۵ و ذیلہ ۱ : ۲۸۰) واللسان (خلل) اقال فی السمط ۹۲۰ قولہ بعد خالی یرید اختیالی و قیل اراد بعد قتل خالی و فی امالی القالی (۲ : ۲۷۸) الخل الرجل النحیف الجسم و عدہ العلماء من الاضداد ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ اسی معنی میں کہا گیا ہے[۱]: (۱۸ا)

اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْاِفْتِقَارِ اِلَیْكَ ۔ وَلَا تُفْقِرْنِیْ بِالْاِسْتِغْنَاءِ عَنْكَ۔ اے اللہ مجھے اپنی احتیاج کے ساتھ غنی کر اور اپنی ذات سے بے نیاز کرکے کسی دوسرے کا محتاج نہ بنا۔

بعض نے کہا ہے کہ خَلِیْلٌ خُلَّہ سے ہے اور اللہ کے حق میں خُلَّۃٌ کے لفظ کے وہی معنی ہیں جو لفظ محبت کے ہیں۔ ابو القاسم البلخی کا کہنا ہے[۲] کہ یہ خَلَّۃٌ (احتیاج) سے ہے اور خُلَّۃٌ (دوستی) سے نہیں ہے۔ جو لوگ اسے حبیب پر قیاس کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے محبت کرنا تو جائز ہے اس لئے کہ محبت اس کی ثنا میں داخل ہے۔ لیکن خُلَّۃٌ (دوستی) جائز نہیں ہے کیونکہ خُلَّۃ کے معنی دوستی کے دل میں سرایت کر جانے کے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[۳] ع (

(۱۴۱) قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّیْ
وَبِہٖ سُمِّیَ الْخَلِیْلُ خَلِیْلاً

تم میرے لئے بمنزلہ روح کے ہو اور اسی سبب سے خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے اسی بنا پر مشہور محاورہ ہے۔ تَمَازَجَ رُوْحَانَا۔ ہماری روحیں باہم مخلوط ہیں۔

اور محبت کے معنی حبۂ قلب میں دوستی رچ جانے کے ہیں۔ یہ حَبَّۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی حبۂ پر مارنے کے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے متعلق محبت کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد احسان اور مہربانی کے ہوتے ہیں لہٰذا یہی معنی خُلَّۃ سے مراد ہوں گے۔ کیونکہ اگر ایک میں یہ تاویل صحیح ہے تو دوسرے میں بھی ہو سکتی ہے۔ مگر حُبٌّ سے حَبَّۃُ الْقَلْبِ مراد لینا اور خُلَّۃ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں تخلل کا معنی لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ ان باتوں سے بلند ہے[۴]۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ (۲-۲۵۴) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی کام آئے گی۔ کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن نہ تو حسنات کی خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی یہ مودت کے ذریعہ حاصل ہو سکیں گی تو گویا یہ آیت:۔ وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلَالٌ (۱۴-۳۱) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی کام آئیگی۔ میں بعض نے کہا ہے کہ خِلَال باب مفاعلہ سے مصدر ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ خلیل کی جمع ہے۔ کیونکہ اس کی جمع اَخِلَّۃٌ وَخِلَالٌ دونوں آتی ہیں اور یہ پہلی آیت کے ہم معنی ہے۔

(خ ل د)

اَلْخُلُوْدُ (ن) کے معنی کسی چیز کے فساد کے عارضہ سے پاک ہونے اور اپنی اصلی حالت پر قائم

---

[۱] ادب الدنیا والدین للماوردی ۲۹۰ والبحر (۳: ۳۴۸) ومحاضرات المؤلف (۲: ۱۳)

[۲] راجع لاحالہ فی (ذ ور و)

[۳] قالہ بشار بن برد الاعمٰی والبیت فی

[۴] قال البغدادی فی لباب التاویل (۱: ۵۰۲) وخلۃ اللہ للعبد ہی تمکینہ من طاعتہ وعصمتہ وتوفیقہ وستر خللہ ونصرہ والثناء علیہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہنے کے ہیں۔ اور جب کسی چیز میں عرصۂ دراز تک تغیر وفساد پیدا نہ ہو اہل عرب اسے خلود کے ساتھ متصف کر دیتے ہیں۔ مثلاً چولھے کے ان تین پتھروں کو جن پر دیگ چڑھائی جاتی ہے۔ "خَوَالِدُ" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دیر تک ایک جگہ پڑے رہتے ہیں نہ اس لئے کہ ان کو دوام بقا حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے:۔

خَلَدَ یَخْلُدُ خُلُوْدًا عرصۂ دراز تک رہنا

قرآن میں ہے:۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (۲۶-۱۲۹) شاید تم ہمیشہ رہو گے۔ اور خَلَدٌ انسان کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو تا زندگی ایک حالت پر قائم رہتا ہے اور دوسرے اعضاء کی طرح اس میں تغیر نہیں ہوتا۔

اصل میں مُخَلَّدٌ اسے کہتے ہیں جو عرصۂ دراز تک باقی رہے اس بنا پر جس شخص میں باوجود بڑی عمر کے بڑھاپا نہ آئے اسے "مُخَلَّدٌ" کہا جاتا ہے۔ اور جس جانور کے (رباعی) دانت نکلنے تک ثنایا دانت قائم رہیں اسے مُخَلَّدَةٌ کہا جاتا ہے اور بطور استعارہ ہمیشہ رہنے والی چیز کے متعلق خلود کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

جنت میں خلود کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تمام چیزیں اپنی اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں گی اور ان میں تغیر پیدا نہیں ہوگا۔ قرآن میں ہے:۔

أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۱-۲۳) یہی صاحب جنت ہیں ہمیشہ اسمیں رہیں گے۔

أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲-۸۱) تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں۔

(اور) وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (۴-۹۳) اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا۔ تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا۔ اور آیت کریمہ:۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (۵۶-۱۷) نوجوان خدمت گار جو ہمیشہ (ایک ہی حالت میں) رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے۔

کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ علیٰ حالہ قائم رہیں گے اور ان کی حالت تبدیل نہیں ہوگی اور بعض نے اس کے معنی مُقَرَّطُوْنَ بِالْخَلَدَةِ کئے ہیں یعنی بالیاں پہنے ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ خَلَدَةٌ" ایک قسم کی بالی کو کہتے ہیں۔

اَلْاِخْلَادُ کے معنی کسی چیز کو باقی رکھنے یا اس پر بقا کا حکم لگانے کے ہیں اسی معنی میں فرمایا:۔

وَلٰكِنَّهٗ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ (۷-۱۷۶) یعنی زمین کی طرف مائل ہوگیا یہ خیال کرکے کہ وہ اس پر ہمیشہ رہیگا۔

(خ ل ص)

اَلْخَالِصُ (خالص) اور اَلصَّافِیْ دونوں مترادف ہیں مگر الصافی کبھی ایسی چیز کو بھی کہہ دیتے ہیں جس میں پہلے ہی سے آمیزش نہ ہو اور خالص اسے کہتے ہیں جس میں پہلے آمیزش ہو مگر اس سے صاف کرلیا گیا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔

خَلَّصْتُهٗ فَخَلَصَ۔ میں نے اسے صاف کیا تو وہ صاف ہوگیا اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے[1] (   )

(۱۴۲) خُلَاصَ الْخَمْرِ مِنْ نَسْجِ الْفِدَامِ

جیسے شراب صافی سے صاف ہو کر نکل آتی ہے

---

[1] قال المتنبی یصف حمّی نالته بمصر فی ذی الحجۃ سنۃ ثمان واربعین وثلاث مائۃ فی قصیدۃ ۲۸ بیتۃ وصدرہ: وضاقت خطۃ فخلصت منہا

راجع دلہ ۱: ۳۰۷ هندیہ بمصر ۱۹۲۳ء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں ہے:-
وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُکُوْرِنَا (۶-۱۳۹) اور یہ بھی کہتے ہیں جو بچہ ان چارپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے۔
محاورہ میں هٰذَا خَالِصٌ وَخَالِصَةٌ (مذکر ومونث) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے دَاهِيَةٌ وَدَاهِيَةٌ اور آیت کریمہ:-
فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا (۱۲-۸۰) جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔
میں خَلَصُوْا کے معنی دوسروں سے الگ ہونا کے ہیں اور آیت کریمہ:-
وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (۲-۱۳۹) اور ہم خالص اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۱۲-۲۴) بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔
میں مخلص بندہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ تو یہود کی طرح تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح تثلیث کے قائل تھے چنانچہ تثلیث کے متعلق فرمایا:-
لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے اور مسلمانوں کے متعلق فرمایا:-
مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (۹۸-۵) کہ اخلاص کیسا تھ۔
وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ (۴-۱۴۶) اور خالص خدا کے فرمانبردار ہو گئے۔
نیز موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:-
اِنَّهٗ کَانَ مُخْلَصًا وَّکَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (۱۹-۵۱) بے شک وہ ہمارے برگزیدہ اور پیغمبر مرسل تھے۔
اور حقیقتاً اخلاص ماسوی اللہ سے بیزار ہونے کا نام ہے۔

(خ ل ط)

اَلْخَلْطُ (ن) کے معنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے اجزا کو جمع کرنے اور ملا دینے کے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ چیزیں سیال ہوں یا جامد یا ایک مائع ہو اور دوسری جامد اور یہ مَزْجٌ سے اعم ہے کہا جاتا ہے اِخْتَلَطَ الشَّیْءُ (کسی چیز کا دوسری کے ساتھ مل جانا) قرآن میں ہے:-
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ (۱۰-۲۴) پھر اس کے ساتھ سبزہ ..... مل کر نکلا۔
خَلِیْطٌ کے معنی دوست پڑوسی یا کاروبار میں شریک کے ہیں۔ اسی سے کتب فقہ میں خَلِیْطَانِ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مال اکٹھا ہو۔ قرآن میں ہے:-
وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (۳۸-۲۴) اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔
اور خَلِیْطٌ کا لفظ واحد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے؎ (البسیط)
(۱۴۳) بَانَ الْخَلِیْطُ وَلَمْ یَاْوُوْا لِمَنْ تَرَکُوْا
ساتھی جدا ہو گئے اور انہوں نے جن کو چھوڑا ان پر رحم نہ کھایا۔
قرآن میں ہے:- خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا (۹-۱۰۲) انہوں نے اچھے اور برے عملوں

ہے قالہ زہیر فی مطلع قصیدۃ فی ۳۲ بیتا وتمامہ: وزودوک اختیا لا آیۃ سلکوا والبیت فی النقائض ۱۶۹ ودیوانہ والعقد الثمین ۸۶-۲۸۴۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ملا جلا دیا تھا۔
یعنی نیک اور بد دونوں قسم کے عمل کرتے رہے ہیں۔
محاورہ ہے:۔
اَخْلَطَ فُلَانٌ فِیْ کَلَامِہٖ (فلاں نے بکواس کی)
اَخْلَطَ الْفَرَسُ فِیْ جَرْیِہٖ۔ گھوڑے کا دوڑنے میں کوتاہی کرنا۔

(خ ل ع)

اَلْخَلْعُ اس کے معنی اتار دینے کے ہیں اور یہ انسان کا اپنے کپڑے وغیرہ اور گھوڑے کا جھول اور پوزی وغیرہ اتارنے پر بولا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔
فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ (۲۰-۱۲) تو اپنی جوتیاں اتار دو۔
بعض نے کہا ہے کہ یہاں لفظی معنی مراد ہیں اور انہیں جوتا اتارنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ مردار گدھے کے چمڑے سے بنا ہوا تھا بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ دراصل تمثیل ہے کہ یہاں اطمینان سے اقامت پذیر ہو جاؤ جیسا کہ جب کسی کو یہ کہنا ہوتا ہے کہ یہاں جم کر بیٹھ جاؤ تو اس کے لئے اِنْزَعْ ثَوْبَکَ اَوْ خُفَّکَ وغیرہ محاورات استعمال کئے جاتے ہیں کبھی اس کا صلہ عَلٰی لاکر اس سے بخشش کے معنی بھی لئے جاتے ہیں۔ جیسے خَلَعَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ فلاں نے اسے خلعت دی یاد رہے کہ عَلٰی (صلہ) کی وجہ سے عطا کے معنی مفہوم ہوتے ہیں ورنہ اس کے بغیر یہ معنی صحیح نہیں ہوتے۔

(خ ل ف)

خَلْفٌ (پیچھے) یہ قدام کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے۔
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ (۲-۲۵۵) جو کچھ ان کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے اسے سب معلوم ہے۔
لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ (۱۳-۱۱) اس کے آگے اور پیچھے خدا کے چوکیدار ہیں۔
فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً (۱۰-۹۲) تو آج ہم تیرے بدن کو دریا سے نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لئے عبرت ہو۔
اور خَلَفَ کے معنی پیچھے رہ جانے اور کسی کا جانشین ہونے کے ہیں یہ تَقَدَّمَ اور سَلَفَ کی ضد ہے اور جو مرتبہ میں گرا ہوا ہو اسے بھی خَلْف کہا جاتا ہے اسی بنا پر ردی چیز کو خَلْفٌ کہتے ہیں اور خلف کے معنی متاخر اور جانشین کے بھی آتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ (۷-۱۶۹) پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے۔
امثال عرب میں ہے[1] (مثل)
سَکَتَ اَلْفًا وَنَطَقَ خَلْفًا کہ وہ ہزار باتوں سے خاموش رہا اور آخر بات کی تو بیہودہ اور ردی۔
خُلْفَۃٌ مسرین جب اس سے گوز نکل جائے کم عقل جو بیہودہ بات کرے۔
تَخَلَّفَ فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ کسی سے پیچھے رہ جانا کسی کا جانشین ہونا۔ اس کا مصدر خِلَافَۃٌ ہے جس کے معنی جانشینی کے ہیں مگر خَلَافَۃٌ (بفتحۃ الخاء) کے معنی کم عقل ہونے کے ہیں اور کم عقل آدمی کو خَالِفٌ کہا جاتا ہے۔
اور کبھی خَلْف[2] سے ناخلف بھی مراد ہوتا ہے۔

[1] المثل فی المیدانی رقم ۱۷۷۲ و فی الاشتقاق ۱۳۷ و فی جل المعاجم ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے فرمایا :۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ

پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑ دیا گویا سے کھو دیا۔ (۱۹-۵۹)

اور جو کسی کا جانشین اور قائم مقام ہو اسے خَلَفٌ (بفتح اللام) کہا جاتا ہے۔ خِلْفَۃٌ ایک کا دوسرے کے بعد آنا قائم مقام ہونا قرآن میں ہے :۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (۲۵-۶۲)

اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا۔

کہا جاتا ہے :۔

اَمْرُهُمْ خِلْفَةٌ یعنی ایک کے بعد دوسرا آتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۱۴۴) بِهَا الْعِیْنُ وَالْاٰرَامُ یَمْشِیْنَ خِلْفَةً

اس میں گاداں دشتی اور ہرنیاں ایک دوسرے کے پیچھے چلتی ہیں۔

اَصَابَتْهُ خِلْفَةٌ: بیچش لگ جانا۔

خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا۔ وہ اس کا جانشین ہوا خواہ اس کی موجودگی میں ہو یا بعد میں۔ قرآن میں ہے :۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ (۴۳-۶۰) اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔

اَلْخِلَافَةُ کے معنی دوسرے کا نائب بننے کے ہیں۔ خواہ وہ نیابت اس کی غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا موت کے سبب ہوا اور یا اس کے عجز کے سبب سے ہوا اور یا محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے ہو اس آخری معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو زمین میں خلافت بخشی ہے چنانچہ فرمایا :۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (۶-۱۶۵)

اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ (۳۵-۳۹) وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلوں کا) جانشین بنایا۔

وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (۱۱-۵۷)

اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لابسائیگا۔

اَلْخَلَائِفُ کا واحد خَلِیْفَةٌ ہے اور خُلَفَاءُ کا خَلِیْفٌ قرآن میں ہے :۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (۳۸-۲۶)

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ (۱۰-۷۳) اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا۔

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (۷-۶۹)

جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا۔

اَلْاِخْتِلَافُ وَالْمُخَالَفَةُ کے معنی کسی حالت یا قول میں ایک دوسرے کے خلاف طریق کار اختیار کرنے کے ہیں۔ اور خِلَافٌ کا لفظ ان دونوں سے اعم ہے کیونکہ ضدین کا مختلف ہونا تو

---

[1] قالہ زہیر فی معلقتہ وتمامہ - واطلاؤہا ینہضن من کل مجثم والبیت فی دیوانہ ۵ وشرح القصائد العشر للتبریزی ۱۰۱ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۵۱) وتفسیر الطبری (۲: ۳۳/۱۹: ۳۲) واللسان (خلف، طلی)، والاقتضاب ۱۴۱ ومحاضرات المؤلف (۴: ۳۴۳) والجمہرۃ ۵۰ وغریب القرآن ۲۱۴ والمعانی الکبیر ۶۹ والقرطبی (۳: ۶۵) ومجاز القرآن (۲: ۸۰) والعقد الثمین ۹۴ وایام العرب ۱۷۰ وشرح المعلقات لابن الانباری ۲۳۹۰۷۱ والسیوطی ۲۵ ۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروری ہوتا ہے مگر مختلفین کا ضدین ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں کا باہم کسی بات میں اختلاف کرنا عموماً نزاع کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے استعارۃً اختلاف کا لفظ نزاع اور جدال کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ (۴۳-۶۵) پھر کتنے فرقے ..... پھٹ گئے۔

وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ (۱۱-۱۱۸) لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ (۳۰-۲۲) اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (۷۸-۳) (یہ لوگ) کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں؟ (کیا) بڑی خبر کی نسبت؟ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُخْتَلِفٍ (۵۱-۸) (اے اہل مکہ) تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو۔

مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ (۱۶-۶۹) جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (۳-۱۰۵) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور احکام بین کے آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف) اختلاف کرنے لگے۔

فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ (۲-۲۱۳) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا۔ (۱۰-۱۹) اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی امت (یعنی ایک ہی دین پر) تھے۔ پھر جدا جدا ہو گئے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (۱۰-۹۳) اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کی بڑی عمدہ جگہ دی اور کھانے کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں۔ لیکن وہ باوجود علم حاصل ہونے کے اختلاف کرتے رہے۔ بے شک جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا۔

اور قیامت کے دن کے متعلق فرمایا:۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (۱۶-۹۲) اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ (۱۶-۳۹) تاکہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ (۲-۱۷۶)۔ اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا۔

میں بعض نے اخْتَلَفُوا بمعنی خَلَفُوا کیا ہے۔ جیسے كَسَبَ وَاكْتَسَبَ اور بعض نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے خلاف اس میں رد و بدل کر دیا۔ اور آیت کریمہ:۔

لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ (۸-۴۲) تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اِخْتَلَفْتُمْ کا لفظ خلاف سے بھی ہو سکتا ہے اور خُلْفٌ سے بھی۔ نیز فرمایا:۔
وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ (۴۲-۱۰) اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ خدا کی طرف (رجوع) ہوگا)
فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ۔ (۳-۵۵) تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے ... ان کا فیصلہ کر دوں گا۔ اور آیت کریمہ:۔
إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (۱۰-۶) رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں۔
میں اختلاف سے انکا یکے بعد دیگرے آنا مراد ہے۔
اَلْخُلْفُ ۔ کے معنی وعدہ شکنی کے ہیں محاورہ ہے:۔
وَعَدَنِي فَأَخْلَفَنِي۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا مگر اسے پورا نہ کیا۔ قرآن میں ہے۔
بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ (۹-۷۷) کہ انہوں نے خدا سے جو وعدہ کیا تھا اسکے خلاف کیا۔
إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (۳-۹) بیشک خدا خلاف وعدہ نہیں کرتا۔
فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا (۲۰-۸۶، ۸۷) تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اس کے (خلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی۔
أَخْلَفْتُ فُلَانًا میں نے فلاں کو وعدہ خلاف پایا۔
اَلْإِخْلَافُ۔ ایک دوسرے کے بعد پانی پلانا۔
أَخْلَفَ الشَّجَرُ پت جھڑ کے بعد درخت کا دوبارہ سرسبز ہونا۔
أَخْلَفَ اللّٰهُ عَلَيْكَ اللہ تعالیٰ تجھے ضائع شدہ چیز کا نعم البدل عطا فرمائے۔
خَلَفَ اللّٰهُ عَلَيْكَ ۔ اللہ کی جانب سے تیرا خلیفہ ہو۔ اور آیت کریمہ:۔
لَا يَلْبَثُونَ خِلْفَكَ (۱۷-۷۶) تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے۔
میں خلف کے معنی بعد کے ہیں ایک قراءت میں خِلَافَكَ ہے یعنی تیری مخالفت کر کے۔
اور آیت کریمہ:۔
أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ۔ (۵-۳۳) یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دئیے جائیں۔ یعنی ایک سیدھی جانب سے اور دوسرا الٹی جانب سے۔ خَالَفْتُهُ۔ میں نے اسے پیچھے چھوڑا۔ قرآن میں ہے:۔
فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللّٰهِ۔ (۹-۸۱) جو لوگ (غزوہ تبوک میں) پیچھے رہ گئے وہ پیغمبر خدا کی (مرضی) کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے ... یعنی پیغمبر خدا کے مخالف ہو کر۔
وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا (۹-۱۱۸) اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔
قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ (۴۸-۱۶) ... جو ..... پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہدو۔
اَلْخَالِفُ۔ نقصان یا کوتاہی کی وجہ سے پیچھے رہنے والا اور یہی معنی مُتَخَلِّفٌ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ (۹-۸۳) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔
اَلْخَالِفَةُ۔ خیمے کا پچھلا ستون بطور کنایہ اس سے مراد عورت لی جاتی ہے کیونکہ یہ مجاہدین سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔ اس کی جمع خَوَالِفُ ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں ہے :۔

رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ (۹ - ۸۷)
یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں) بیٹھ رہیں۔
وَجَدْتُّ الْحَیَّ خُلُوْفًا یعنی مرد گئے ہوئے ہیں صرف عورتیں موجود ہیں[1]۔

اَلْخُلْفُ (اَیْضًا)۔ کلہاڑی کی دھار۔ پہلو کی سب سے چھوٹی پسلی جو پیٹ کے جانب سب سے آخری ہوتی ہے۔ اَلْخِلَافُ۔ بید کی قسم کا ایک درخت کیونکہ وہ امید کے خلاف اگتا ہے۔ یا اس کا باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہے :۔

مُخْلِفُ عَامٍ اَوْ عَامَیْنِ۔ شتر کہ از نہ سالگی یک یا دو سال درگذشتہ باشد۔ اَلْخِلِّیْفٰی۔ خلافت۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے[2] (۸ ۱۱)

لَوْلَا الْخِلِّیْفٰی لَاَذَّنْتُ۔ اگر بار خلافت نہ ہوتا تو میں خود ہی اذان دیا کرتا (اذان کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے)

(خ ل ق)

اَلْخَلْقُ۔ اصل میں خلق کے معنی (کسی چیز کو بنانے کے لئے) پوری طرح اندازہ لگانا کے ہیں۔ اور کبھی خلق بمعنی ابداع بھی آجاتا ہے یعنی کسی چیز کو بغیر مادہ کے اور بغیر کسی کی تقلید کے پیدا کرنا چنانچہ آیت کریمہ :۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (۱۶ - ۳)
اسی نے آسمانوں اور زمین کو مبنی برحکمت پیدا کیا۔ میں خلق بمعنی ابداع ہی ہے کیونکہ دوسرے مقام پر اسی کو بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲-۱۱۷) سے تعبیر کیا ہے۔ نیز ایک چیز کو دوسری شے سے بنانے اور ایجاد کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا :۔

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ (۴ - ۱)
تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (۱۶-۴) اسی نے انسان کو نطفے سے بنایا۔

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ (۲۳-۱۲)
ہم نے انسان کو خلاصے سے پیدا کیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ (۷-۱۱) اور ہمیں نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا۔

خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ۔ (۵۵ - ۱۵) اور جنات کو۔ . . . شعلے سے پیدا کیا۔

خیال رہے کہ خلق بمعنی ابداع ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ ذات باری تعالیٰ اور دوسروں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ۔ (۱۶ - ۱۷) تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ ویسا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے۔ تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔

البتہ خلق جو بصورت استحالہ کے ہوتا ہے بعض اوقات ذات باری تعالیٰ دوسروں کو بھی اس کا

---

[1] ومنہ حدیث المرأة والمزادتین: والحی خلوف ای رجالنا غیّب (النہایہ خلف)، [2] و فی الفائق (۱: ۱۸۲) ولفظہ لو اطیق الاذان مع الخلیفی لاذنت وہو مصدر ومعناہ کثرة جہدہ فی ضبط امور الخلافة وتصریف اعنتہا کذا فی النہایہ (خلف) ولفظہ لو اطقت قال وہو مصدر مثل الرمیّا والدلیلا وفی غریب ابی عبید (۳: ۲۱۹) اسم علی وزن ہجّیرا ومعناہ الخلافة و امثالہ معدودة ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار دے دیتی ہے۔ جیسے عیسٰی علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمائیں گے:۔

اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ (۵-۱۱۰)

اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر۔

اور عام لوگوں کے لئے خلق کا لفظ صرف دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) اندازہ کرنا جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] ع (الکامل)

(۵۴۱) وَلَاَنْتَ تَفْرِيْ مَا خَلَقْتَ ! ـ تَ وَبَعْضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِيْ

تم جو سوچتے ہو کر گزرتے ہو۔ اور بعض لوگ تجاویز کرتے رہتے ہیں مگر انہیں عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ (۲) جھوٹ بولنے کے معنی میں فرمایا:۔

وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (۲۹-۱۷) اور طوفان باندھتے ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آیت کریمہ:۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (۲۳-۱۴)

تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ بڑا بابرکت ہے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق کے ساتھ خدا تعالٰے کے سوا دوسرے بھی متصف ہوسکتے ہیں، تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ بمعنی اَحْسَنُ الْمُقَدِّرِيْنَ ہے یعنی اللہ تعالٰی سب سے بہتر اندازہ کرنے والا ہے (اور خلق بمعنی تقدیر دوسروں کی صفت بھی آجاتا ہے)

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالٰے پر اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کا اطلاق کفار کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے۔ ان کا زعم یہ تھا کہ اللہ تعالٰی کے سوا دوسرے بھی پیدا کرتے ہیں تو پھر بھی ذات باری تعالٰی ان کے اعتقاد کے بموجب ان سب سے بہتر پیدا کرنے والی ٹھہری جیسے فرمایا:۔

خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ۔ (۱۳-۱۶) کیا انہوں نے خدا کی سی مخلوقات پیدا کی ہے جس کے سبب ان پر مخلوقات مشتبہ ہوگئی ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَّلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (۴-۱۱۹) اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں۔

میں بعض نے کہا ہے کہ خَلْقُ اللّٰهِ کی تغییر سے مراد خصا (یعنی خصی ہونا) اور نتف اللحیۃ (ڈاڑھی کے بال اکھاڑنا) وغیرہ کے ذریعہ (فطرتی صلاحیتوں اور) صورتوں کو تبدیل کرنا مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ احکام الٰہی میں تحریف وتبدیل کرنا مراد ہے[2] (اس صورت میں خلق اللہ سے مراد دین الٰہی ہوگا) اور آیت کریمہ:۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (۳۰-۲۰) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔

---

[1] البیت لزہیر بن ابی سلمٰی من قصیدۃ یمدح ہرمانی ۲۱ بیتا راجع دیوانہ ۴۲ والعقد الثمین ۸۲ والمعانی للقتبی ۱/۳۲۱، ۹۳۵ والاضداد لابن السکیت ۲۰۵ والاصمعی ۵۵ وابن الانباری ۱۵۹ وابی الطیب ۲۶۱ وشرح شواہد الشافیہ ۲۳۹ والکتاب (۲: ۲۸۹) ومقاییس اللغۃ (۲: ۲۱۴) والحیوان (۳: ۳۸۳) واللسان (خلق فری) والطبری (۱۸: ۹) والبحر المحیط (۱: ۴۶۵/۳، ۹۲/۲) ۶: ۳۹۸) والمشکل للقتبی ۳۸۸ والصناعتین (۳۸۷، ۴۴) وفیہ ولاراک بدل ولانت وفی مختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۹۰) فلا بدل ولا والبیت الیضّانی ثلاثین لابن خالویہ ۵۴ ۞ [2] ولکلا القولین محمل وکل منہی منقول عن السلف راجع ابن کثیر ۱: ۵۵۶ ومعالم التنزیل للبغوی ۱/ ۴۹۹ ۞

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بعض نے "خَلْقُ اللّٰہِ" سے قضاء و قدر الٰہی مراد لی ہے اور بعض نے تغییر خلقت یعنی شکل وصورت کا بدلنا مراد لیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ (۲۶-۱۶۶)

اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لیے (بیبیاں) پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو۔

میں "مَا خَلَقَ" سے کنایۃً عورتوں کی شرمگاہیں مراد ہیں۔

اور وہ ہر مقام جہاں خلق کا لفظ کلام کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ اس سے جھوٹ ہی مراد ہے۔ اس بنا پر اکثر لوگ قرآن کے تعلق خلق کا لفظ استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (۲۶-۱۳۷)

یہ تو اگلوں کے ہی طریق ہیں اور ایک قراءت میں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خَلْقُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۶-۱۳۷)

بھی ہے یعنی یہ تو پہلے لوگوں کی ایجاد و اختراع ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ۔ (۳۸-۷) یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں۔ یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔

خَلْقٌ۔ کا لفظ مخلوق کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ خَلْقٌ اور خُلُقٌ اصل میں دونوں ایک ہی ہیں جیسے شَرْبٌ وَ شُرْبٌ وصَرْمٌ وَ صُرْمٌ مگر ان میں اتنا فرق ہے کہ خَلق بمعنی خلقت یعنی اس شکل وصورت پر بولا جاتا ہے جس کا تعلق ادراک بصر سے ہوتا ہے اور خُلق کا لفظ قویٰ باطنہ اور عادات وخصائل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جن کا تعلق بصیرت سے ہے[1] قرآن میں ہے:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ؁ (۶۸-۴) اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔

اَلْخَلَاقُ۔ وہ فضیلت جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (۲-۲۰۰) ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

فُلَانٌ خَلِيْقٌ بِكَذَا۔ فلاں اس کا اہل ہے گویا وہ خوبی اس میں پیدا کی گئی ہے جیسا کہ فُلَانٌ مَجْبُوْلٌ عَلٰى كَذَا اَوْ مَدْعُوٌّ اِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الْخُلُقِ کا محاورہ ہے۔

خَلَقَ الثَّوْبُ وَاَخْلَقَ کپڑے کا پرانا ہو جانا اور پرانے کپڑے کو خَلَقٌ وَمُخْلَقٌ وَاَخْلَاقٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ حَبْلٌ اَرْمَامٌ وَاَرْمَاثٌ کا محاورہ ہے اور کپڑے کے پرانا ہونے سے ملائم اور چکنا ہونے کا معنی لیا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:۔

جَبَلٌ اَخْلَقُ وَصَخْرَةٌ خَلْقَاءُ (چکنا پہاڑ یا چکنا پتھر)

خَلَّقْتُ الثَّوْبَ۔ میں نے کپڑے کو پرانا کیا

اِخْلَوْلَقَ السَّحَابُ اَنْ تُمْطِرَ امید ہے کہ بارش ہو گی۔

یہ یا تو خَلَّقْتُ الثَّوْبَ سے ماخوذ ہے اور یا هُوَ خَلِيْقٌ بِكَذَا کے محاورہ سے لیا گیا ہے۔

اَلْخَلُوْقُ۔ ایک قسم کا خوشبو۔

---

[1] و العلماء دونوا الاخلاق علی حدۃ وصنفوا فیہا الکتب ومنہا تہذیب الاخلاق لیحیٰ ابن عدی وکتب الامام الغزالی انفع للشریعۃ فی ہذا الباب ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(خ ل و)

اَلْخَلَاءُ۔ خالی جگہ جہاں عمارت و مکان وغیرہ نہ ہو اور اَلْخُلُوُّ کا لفظ زمان و مکان دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ زمانہ میں مُضِیٌّ (گذرنا) کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے اہل لغت خَلَا الزَّمَانُ کے معنی زمانہ گذر گیا کر لیتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (۳-۱۴۴) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (۱۳-۶) حالانکہ ان سے پہلے عذاب (واقع) ہو چکے ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (۲-۱۳۴) یہ جماعت گذر چکی۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (۳-۱۳۷) تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گذر چکے ہیں۔

اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵-۲۴) مگر اس میں ہدایت کرنے والا گذر چکا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (۲-۲۱۴) ..... تم کو پہلے لوگوں کی سی۔

وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (۳-۱۱۹) اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ (۱۲-۹) پھر ابا کی توجہ تمہاری طرف ہو جائے گی۔ کے معنی یہ ہیں کہ پھر تمہارے ابا کی محبت اور توجہ صرف تمہارے ہی لئے رہ جائے گی۔

خَلَا الْاِنْسَانُ۔ تنہا ہونا۔ خَلَا فُلَانٌ بِفُلَانٍ کسی کے ساتھ تنہا ہونا۔

خَلَا اِلَيْهِ کسی کے پاس خلوت میں پہنچنا۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (۲-۱۴) اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں۔

خَلَّيْتُ فُلَانًا کے اصل معنی کسی کو خالی جگہ میں چھوڑ دینے کے ہیں۔ پھر عام چھوڑ دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ فرمایا:۔

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (۹-۵) تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

نَاقَةٌ خَلِيَّةٌ۔ اونٹنی کو دودھ دوہنے سے آزاد چھوڑ دینا۔ اِمْرَأَةٌ خَلِيَّةٌ مطلقہ عورت جو خاوند کی طرف سے آزاد چھوڑ دی گئی ہو اور جو کشتی ملاحوں کے بغیر چل رہی ہو اسے بھی خَلِيَّةٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْخَلِيُّ جو غم سے خالی ہو۔ جیسا کہ مُطَلَّقَةٌ کا لفظ سکون و اطمینان کے معنی میں آجاتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے[1] (طویل)

(۱۴۶) تُطَلِّقُهُ طَوْرًا وَطَوْرًا تُرَاجِعُ

میں کبھی اسے سکون ہو جاتا ہے اور کبھی وہ عود کر آتی ہے) میں تطلقہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

اَلْخَلَاءُ۔ خشک گھاس۔ کہا جاتا ہے:۔

خَلَيْتُ الْخَلَاءَ۔ میں نے خشک گھاس کاٹی۔

---

[1] قال النابغۃ الذبیانی وصدرہ: تناذرہا الراقون من سوء سمہا۔ وفی المطبوع مطلقۃ محرف والبیت فی اللسان (طلق، نذر) والکامل ۲ ۸۵ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۸۲) والبحر (۵: ۲۲۴) والعمدۃ (۱: ۲۳۸) والمخصص (۹: ۶۵) ودیوانہ ۵۲ والحیوان (۴: ۲۴۸) والعقد الثمین ۱۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَلَیْتُ الدَّآبَّۃَ۔ جانور کو خشک گھاس ڈالی۔
سَیْفٌ یَّخْتَلِیْ۔ تیز تلوار جو گھاس کی طرح ہر چیز کو کاٹ ڈالے۔

(خ م د)

خَمَدَتِ (ن) النَّارُ۔ آگ کے شعلوں کا ساکن ہو جانا (جب کہ اس کا انگارہ نہ بجھا ہو) اور اسی سے بطورِ استعارہ خَمَدَتِ الْحُمّٰی کا محاورہ ہے جس کے معنی بخار کا جوش کم ہو جانے کے ہیں۔ اور کبھی بطور کنایہ خُمُوْدٌ بمعنی موت بھی آجاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
جَعَلْنٰھُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ (۲۱-۱۵) ہم نے ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ کر (آگ کی طرح) بجھا کر ڈھیر کر دیا۔
فَاِذَا ھُمْ خٰمِدُوْنَ (۳۶-۲۹) سو وہ (اسی سے) ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔

(خ م ر)

اَلْخَمْرُ (ن) اصل میں خَمْرٌ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اسی طرح خِمَارٌ اصل میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی چیز چھپائی جائے مگر عرف میں خِمَارٌ کا لفظ صرف عورت کی اوڑھنی پر بولا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ اپنے سر کو چھپاتی ہے۔ اس کی جمع خُمُرٌ آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ (۲۴-۳۱) اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔

کہا جاتا ہے:۔
اِخْتَمَرَتِ الْمَرْءَۃُ وَتَخَمَّرَتْ عورت نے سر پر اوڑھنی ڈال لی۔
خَمَّرْتُ الْاِنَاءَ۔ میں نے برتن ڈھانپ دیا۔ ایک روایت میں ہے[1] (۱۲۱)
خَمِّرُوْٓا اٰنِیَتَکُمْ۔ کھانے کے برتن ڈھانک کر رکھا کرو۔
اَخْمَرْتُ الْعَجِیْنَ۔ گوندھے ہوئے آٹے میں خمیر ملانا اور خَمِیْرَۃٌ کو خمیر اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ پہلے مَخْمُوْرَۃٌ ہوتا ہے
دَخَلَ فِیْ خُمَارِ النَّاسِ۔ لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو کر چھپ گیا۔
اَلْخَمْرُ۔ شراب۔ نشہ۔ کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے بعض لوگوں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز پر خمر کا لفظ بولا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک صرف اسی چیز کو خمر کہا جاتا ہے۔ جو انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے[2] (۱۲۲)
اَلْخَمْرُ مِنْ ھَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ النَّخْلَۃِ وَالْعِنَبَۃِ (کہ خمر (شراب حرام) صرف وہی ہے جو ان دو درختوں یعنی انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ "خمر" صرف غیر مطبوخ یعنی اسی کو کہتے ہیں جو پکائی نہ گئی ہو۔ پھر اس بارے میں فقہاء مختلف ہیں کہ کس حد تک پکانے کے بعد اس پر خمر کا اطلاق نہیں ہوتا۔
اَلْخُمَارُ۔ بیماری جو شراب نوشی سے لگ جاتی ہے یہ بھی زُکَامٌ اور سُعَالٌ کی طرح

---

[1] وتمامہ: واوتوا السقیتکم واجیفوا ابوابکم واطفئوا مصابیحکم واکفتوا انیاءکم الخ الحدیث فی الفائق (۱: ۱۸۴)
[2] رواہ الدارمی (۲-۳۸) من حدیث ابی ہریرۃ والحدیث فی مسلم والاربعۃ واحمد فی مسندہ ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فُعَالٌ کے وزن پر ہے جو کہ بیماری کے معنی کے لئے مخصوص ہے۔

خُمْرَۃُ الطِّیْبِ خوشبو خَامَرَہٗ وَخَتَمَرَہٗ کسی سے گھل مل جانا اس سے الگ نہ ہونا۔ اسی سے بطور استعارہ شاعر نے کہا ہے[1]۔ (طویل)

(۱۴۷) "خَامِرِی اُمَّ عَامِرٍ"

کہ اے ام عامر چھپ جا۔

(خ م س)

اَلْخَمْسُ۔ (پانچ) اصل میں یہ لفظ اسم عدد ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ (۱۸-۲۲)

اَلْخَمْسِیْنَ (پچاس) قرآن میں ہے:۔

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (۲۹-۱۴) تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔

اَلْخَمِیْسُ۔ جامہ پانچ گزی۔ روز پنجشنبہ۔

رُمْحٌ مَخْمُوْسٌ نیزہ پانچ گزی۔ اَلْخِمْسُ پیاسے اونٹ جو چوتھے روز پانی پر وارد ہوں۔

خَمَسْتُ الْقَوْمَ (ن) پانچواں حصہ لینا۔

خَمَسْتُهُمْ (ض) پانچواں ہونا۔

(خ م ص)

اَلْمَخْمَصَةُ۔ ایسی بھوک جس سے پیٹ پچک جائے۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ (۵-۳) ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے۔ کہا جاتا ہے۔

رَجُلٌ خَامِصٌ پچکے ہوئے پیٹ والا اَخْمَصُ الْقَدَمِ پاؤں کے تلوے کا گڑھا۔

(خ م ط)

اَلْخَمْطُ۔ درخت بے خار بعض نے کہا کہ خَمْطٌ۔ پیلو کے درخت کو کہتے ہیں۔

اَلْخَمْطَةُ۔ ترش شراب تَخَمَّطَ غضبناک ہونا۔ کہا جاتا ہے۔ تَخَمَّطَ الْفَحْلُ۔ سانڈ کا مستی سے بربرانا۔

(خ ن ز ر)

اَلْخِنْزِیْرُ کے معنی سور کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (۵-۶۰)

اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سور بنا دیا۔ میں بعض نے کہا ہے کہ خاص کر سور ہی مراد ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں

---

[1] قطعة من البيت وتكملته: فلا تدفنوني ان دفني محرم۔ عليكم ولكن . . . . قال المرتضى (۲: ۲۷۳) البيت لتأبط شرا ويروى للشنفرى (صاحب لامية العرب التي شرحها الزمخشري باعجب العجاب) وللاستاذ الميمني حقق بدها في الطرائف (۱/ ۳۶) راجع البيت و قصته الاغانی (۲۱: ۱۳۶) وطبقات الشعراء لابن سلام (۱: ۴۷) والحيوان (۶: ۵۰) والمعانی الكبير ۲۱۲ وامالی ابن الشجری (۱: ۳۶) والحماسة بالتبريزی (۲: ۴۲) وذيل الامالی ۳۶ والصناعتين ۳۸۸ والصاحبی ۲۲۳ والبحر (۳: ۳۷۷) ومجمع البيان (۱: ۴۷) والمحاضرات للمؤلف (۲: ۳۹۸) وابن ابی الحديد (۱: ۵۷) واللسان (عمر) وفی رواية البشری بدل خامری۔ قال صاحب العقد (۱: ۱۱۸، ۱۱۹/۴: ۲۱۹) ان رواية خامری بعيد عن المعنی۔ راجع الازمنة والامكنة ومعنى البيت لاتدفنونی بل دعونی للتی يقال لها اذا صيدت خامری ام عامر ای للضبع قال الخليل ونقل عنه سيبويه فی الكتاب والخفاجی فی شرح الدرة (ص ۱۵۱) وصدرها لا ناصر فعلی هذا ليس فی البيت التفات كما ذهب اليه البعض والقطعة ايضا فی بيت الاخطل اللسان (وخط) والمرزوقی والقطعة مثل راجع الجرجانی ۹۰ والعسكری والميدانی ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کے افعال وعادات بندر اور سور جیسے ہو گئے تھے۔ نہ کہ وہ بلحاظ صورت کے بندر اور سور بن گئے تھے۔[1] مگر زیر بحث آیت میں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ مروی ہے کہ ایک قوم کی صورتیں مسخ ہو گئی تھیں اور وہ بندر اور سور بن گئے تھے۔ اسی طرح انسانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو شکل وصورت کے لحاظ سے گو انسان نظر آتے ہیں۔ لیکن اخلاق و عادات کے اعتبار سے بندر اور سور بنے ہوئے ہیں۔

(خ ن س)

اَلْخَنَسُ (ن) کے معنی پیچھے ہٹنے اور سکڑ جانے کے ہیں اسی سے شیطان کو خناس کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ذکر الٰہی سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور وسوسہ انداز نہیں ہو پاتا۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۱۱۴-۴) شیطان وسوسہ انداز کی برائی سے جو (خدا کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ (۸۱-۱۵) ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

میں خُنَّس سے وہ ستارے مراد ہیں جو دن کو الٹی رفتار چلتے ہیں یہ خَانِسٌ کی جمع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے زحل، مشتری اور مریخ مراد ہیں۔ کیونکہ یہ الٹی چال چلتے رہتے ہیں۔

اَخْنَسْتُ عَنْهُ حَقَّهٗ میں نے اس کے حق کو مؤخر کر دیا۔ روک لیا۔

(خ ن ق)

اَلْمُنْخَنِقَةُ (۵-۳) جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔

اَلْمِخْنَقَةُ۔ کے معنی قلاوہ کے ہیں۔

(خ و ر)

اَلْخُوَارُ۔ دراصل یہ لفظ گائے بیل کی آواز کے ساتھ مختص ہے۔ پھر استعارۃً اونٹ کی آواز پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (۲۰-۸۸) ایک بچھڑا (یعنی اس کا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔

اَرْضٌ خَوَّارَةٌ دو بلندیوں کے درمیان پست زمین۔

رُمْحٌ خَوَّارٌ۔ کمزور نیزہ۔

اَلْخَوْرَانُ۔ بہائم کی آواز۔ جانوروں کے گوبر کرنے کا راستہ۔

(خ و ض)

اَلْخَوْضُ (ن) کے معنی پانی میں اترنے اور اس کے اندر چلے جانے کے ہیں بطور استعارہ کسی کام میں مشغول رہنے پر بولا جاتا ہے قرآن میں اس کا زیادہ تر استعمال فضول کاموں میں لگے رہنا پر ہوا ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ (۹-۶۵) اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا (۹-۶۹) اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (۶-۹۱)

---

[1] ذهب الجمهور الى ان المسخ كان عقوبة وحقيقيا وقال مجاهد بالقول الثاني والاول ان المسخ على تغيير الاخلاق والله اعلم (راجع التفاسير)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ (٦-٦٨) اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اور باتوں میں مشغول ہو جائیں۔

کہا جاتا ہے:۔

اَخَضْتُ دَابَّتِیْ فِی الْمَآءِ۔ میں نے اپنی سواری کو پانی میں ڈال دیا۔

تَخَاوَضُوْا فِی الْحَدِیْثِ۔ باہم باتوں میں مشغول ہو گئے۔

(خ و ف)

اَلْخَوْفُ (س) کے معنی ہیں قرائن وشواہد سے کسی آنے والے خطرہ کا اندیشہ کرنا۔ جیسا کہ رجاء اور طمع کا لفظ قرائن وشواہد کی بنا پر کسی فائدہ کی توقع پر بولا جاتا ہے۔ خوف کی ضد امن آتی ہے۔ اور یہ امور دنیوی اور اخروی دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (١٧-٥٧) اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔

وَکَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَکْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّکُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰہِ (٦-١١) بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (٣٢-١٦) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں۔ (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا (٤-٣) اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ ... انصاف نہ کر سکو گے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا (٤-٣٥) اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے۔ میں بعض نے خِفْتُمْ کے معنی عَرَفْتُمْ کئے ہیں یعنی اگر تمہیں معلوم ہو مگر اس کے اصل معنی یہی ہیں کہ اگر حالات سے واقفیت کی بنا پر تمہیں اندیشہ ہو کہ

اَلْخَوْفُ مِنَ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنا) کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جس طرح انسان شیر کے دیکھنے سے ڈر محسوس کرتا ہے۔ اسی قسم کا رعب اللہ تعالیٰ کے تصور سے انسان کے قلب پر طاری ہو جائے بلکہ خوف الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ انسان گناہوں سے بچتا رہے۔ اور طاعات کو اختیار کرے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو شخص گناہ ترک نہیں کرتا وہ خائف یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں ہو سکتا۔

اَلتَّخْوِیْفُ (تفعیل) ڈرانا) اللہ تعالیٰ کے لوگوں کو ڈرانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگوں کو بری کاموں سے بچتے رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ (٣٩-١٦) بھی اسی معنی پر محمول ہے اور باری تعالیٰ نے شیطان سے ڈرنے اور اس کی تخویف کی پرواہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۳-۱۷۵) یہ خوف دلانے والا تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے لہذا اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔

یعنی شیطان کا حکم مت بجا لاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر رہو۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ (۱۹-۵)

اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں۔

میں خوف کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے مال کی فکر تھی کہ موالی اس کے وارث بن جائیں گے جیسا کہ بعض جہلاء نے سمجھا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ اس سے کہیں بلند ہوتا ہے کہ وہ دنیوی مال و اسباب کی فکر کریں بلکہ موالی سے انہیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ان کے مرنے کے بعد شریعت کی رعایت اور نظام دین کی حفاظت نہیں کریں گے۔

اَلْخِیْفَۃُ کے معنی خوف کی حالت کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ (۲۰-۶۷) (اس وقت) موسیٰؑ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا۔

اور کبھی خِیْفَۃٌ بمعنی خوف بھی آجاتا ہے جیسے فرمایا۔

وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ (۱۳-۱۳) اور فرشتے سب اس کے خوف سے۔

تَخَافُوْنَھُمْ کَخِیْفَتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ (۳۰-۲۸) (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو۔

یہاں خوف کی بجائے خِیْفَۃٌ کا لفظ لانے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خوف ان کی حالت لازم بن چکی تھی جو ان پر ہر آن طاری رہتی تھی۔

اَلتَّخَوُّفُ (تفعل) کسی انسان کا اظہار خوف کرنا تَخَوَّفْنَاھُمْ۔ ہم نے انہیں اتنا کم کیا جسقدر کہ خوف اس کا مقتضی تھا۔ قرآن میں ہے:۔

اَوْ یَاْخُذَھُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ (۱۶-۴۷) یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو اس وقت پکڑ لے۔

(خ و ل)

اَلتَّخْوِیْلُ (تفعیل) کے اصل معنی خَوَلٌ یعنی حشم و خدام عطا کرنے کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ایسی چیزیں عطا کرنے کے ہیں جو انسان کو خَوَلٌ کا کام دے اور بقول بعض ایسی چیزیں عطا کرنا جن کی نگہداشت کی ضرورت پڑے۔ اور یہ فُلَانٌ خَالُ مَالٍ اَوْ خَائِلُ مَالٍ کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی فلاں مال کی خوب نگہداشت کرنے والا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَتَرَکْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰکُمْ وَرَآءَ ظُھُوْرِکُمْ (۶-۹۴) اور (جو مال و متاع) ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے۔

اور اَلْخَالُ اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو وحشی جانوروں کو ڈرانے کے لئے کھیت میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ نیز خَالٌ کے معنی تل یعنی بدن پر سیاہ نشان کے بھی آتے ہیں[2]۔

(خ و ن)

اَلْخِیَانَۃُ۔ خیانت اور نفاق دونوں ہم معنی ہیں مگر خیانت کا لفظ عہد اور امانت کا پاس نہ

---

[1] وذہب الفراء الی ان معناہ التنقص والزجاج الی معنی الاخافۃ راجع التاج واللسان (خوف) [2] وایضا الخال والخالۃ اخوا الام واختہا وفی التنزیل خالٰتک (۳۳-۵۰) او بیوت اخوالکم او بیوت خالٰتکم (۲۴-۶۱) خالاتک (۳۳-۵۰) خالاتکم (۴-۲۳)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے پر بولا جاتا ہے اور نفاق دین کے متعلق بولا جاتا ہے۔ پھر ان میں تداخل ہو جاتا ہے پس خیانت کے معنی خفیہ طور پر عہد شکنی کر کے حق کی مخالفت کے آتے ہیں اس کا ضد امانت ہے۔ اور محاورہ میں خُنْتُ فُلَانًا وَ اَمَانَۃَ فُلَانٍ دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔

لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ (۸-۲۷) نہ تو خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا (۶۶-۱۰) خدا نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی۔

اور آیت کریمہ :۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (۵-۱۳) اور ..... ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔

کے معنی بعض نے عَلٰی جَمَاعَۃٍ خَائِنَۃٍ مِّنْھُمْ کئے ہیں یعنی خَائِنَۃٍ کو جَمَاعَۃٍ کی صفت مانا ہے اور بعض نے اس کے معنی عَلٰی رَجُلٍ خَائِنٍ کئے ہیں یعنی اسے رَجُل کی صفت مانا ہے اور کہا ہے رَجُلٌ خَائِنٌ وَ خَائِنَۃٌ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ رَاوِیَۃٌ (روایت کرنے والا) دَاھِیَۃٌ کے الفاظ میں۔

بعض نے کہا ہے کہ خَائِنَۃٌ یہاں مصدر کی جگہ پر استعمال ہوا ہے جیسا کہ قُمْ قَائِمًا کا محاورہ ہے اور آیت کریمہ :۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ (۴۰-۱۹) وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اور فرمایا :۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ (۸-۷۱) اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں تو یہ پہلے ہی خدا سے دغا کر چکے ہیں تو اس نے ان کو (تمہارے) قبضے میں دے دیا۔

اور آیت کریمہ :۔

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۲-۱۸۷) خدا جانتا ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرنا چاہتے تھے۔

میں اِخْتِيَانٌ کے معنی خیانت کے لئے حیلہ کرنے کے ہیں۔ اس بنا پر تَخُوْنُوْنَ اَنْفُسَكُمْ نہیں کہا کیونکہ ان سے خیانت کا صدور نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے اِخْتِيَانٌ کا ارتکاب کیا تھا جس کے معنی قصد خیانت کے لئے جذبات کے حرکت میں آنے کے ہیں اسی معنی کی طرف اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

(خ و ی)

اَلْخَوَاءُ کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے :۔ خَوٰی (ض) خَوًی۔ بَطْنُہٗ مِنَ الطَّعَامِ یعنی اس کا پیٹ طعام سے خالی ہو گیا۔ اور تشبیہ کے طور پر خَوَی الْجَوْزُ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔ خَوَتِ الدَّارُ خَوَاءً۔ گھر ویران ہو کر گر پڑا[1] اور جب ستارے کے گرنے پر بارش نہ ہو تو تشبیہ کے طور پر کہا جاتا ہے خَوَی النَّجْمُ وَ اَخْوٰی

---

[1] و فی التنزیل وَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا و ایضًا (۲: ۲۵۹) (۶۹-۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں خوئی کی نسبت اخوئی کے لفظ میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے جیسا کہ سقی اور اسقی ہیں۔
اَلتَّخْوِیَۃُ دو چیزوں کے درمیان جگہ خالی چھوڑنا۔

(خ ی ب)

اَلْخَیْبَۃُ (ض) کے معنی ناکام ہونے اور مقصد فوت ہو جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ (۱۴-۱۵) تو ہر سرکش ضدی نامراد ہو گیا۔
وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (۲۰-۶۱) اور جس نے افترا کیا وہ نامراد رہا۔
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (۹۱-۱۰) اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔

(خ ی ر)

اَلْخَیْرُ وہ ہے جو سب کو مرغوب ہو مثلاً عقل عدل وفضل اور تمام مفید چیزیں۔ یہ اَلشَّرُّ کی ضد ہے۔ اور خیر دو قسم پر ہے (۱) خیر مطلق جو ہر حال میں اور ہر ایک کے نزدیک پسندیدہ ہو جیسا کہ آنحضرتؐ نے جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا (۱۱۹)
لَاخَیْرَ بِخَیْرٍ بَعْدَہُ النَّارُ وَلَا شَرَّ بِشَرٍّ بَعْدَہُ الْجَنَّۃُ کہ وہ خیر کچھ بھی خیر نہیں ہے جس کے بعد آگ ہو اور وہ شر کچھ بھی شر نہیں ہے جس کے بعد جنت حاصل ہو جائے۔ (۲) دوسری قسم خیر وشر مقید کی ہے یعنی وہ چیز جو ایک کے حق میں خیر اور دوسرے کے لئے شر ہو مثلاً دولت کہ بسا اوقات یہ زید کے حق میں خیر اور عمرو کے حق میں شر بن جاتی ہے۔ اس بنا پر قرآن نے اسے خیر وشر دونوں سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِنْ تَرَکَ خَیْرًا (۲-۱۸۰) اگر وہ کچھ مال چھوڑ جاتے۔
اور دوسرے مقام پر فرمایا:۔
اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ (۲۳-۵۵-۵۶)
کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ مال پر خیر کا لفظ صرف اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ مال کثیر ہو اور حلال طریق سے جمع کیا گیا ہو جیسا کہ مروی ہے (۱۲۰) کہ حضرت علیؓ اپنے ایک غلام کے پاس گئے تو اس نے دریافت کیا کہ اے امیر المؤمنین! میں کچھ وصیت نہ کر جاؤں تو حضرت علیؓ نے فرمایا "نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وصیت کیلئے "اِنْ تَرَکَ خَیْرًا" فرمایا ہے۔ اور خیر مال کثیر کو کہا جاتا ہے" چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (۱۰۰-۸) وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔ میں بھی خیر کے معنی مال کثیر کے ہیں۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ آیت کریمہ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا میں مال کو خیر کہنے میں ایک باریک نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ وصیت صرف

---

۱۱۹ وایضا د (۳-۱۲۶) ؛ ۱۲۰ الحدیث ذکرہ فی الکشاف
قال الحافظ فی تخریجہ رواہ عبدالرزاق عن معمر عن ہشام عن ابیہ وایضا ابن ابی شیبۃ عن ابی خالد الاحمر عنہ ومثلہ عن عائشۃ ان رجلا اراد ان یوصی فسألتہ کم مالک (عبدالرزاق عن عبداللہ بن عبید بن عمیر وابن ابی شیبۃ عن ابن ابی ملیکۃ عن عائشۃ انظر تخریج الحافظ ۱۴ رقم ۱۰۲-۱۰۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مال میں بہتر ہے جو محمود طریق سے جمع کیا گیا ہو۔ اس معنی میں فرمایا:۔
قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ (۲-۱۱۵)
کہدو (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق ہیں) ماں باپ کو۔
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (۲-۱۹۷)
اور جو نیک کام کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائیگا۔
اور آیت کریمہ:۔
فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا (۲۴-۳۳)
اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو۔
میں بعض نے خَيْرًا سے مال مراد لیا ہے یعنی اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے پاس مال ہے اور بعض نے خیر بمعنی ثواب لیا ہے کہ اگر تمہیں یقین ہو کہ انکی آزادی تمہارے اور ان کے حق میں فائدہ مند یعنی باعث ثواب ہو گی۔ خیر و شر کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے کبھی بطور اسم کے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (۳-۱۰۴)
اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے۔
میں بھی خیر بطور اسم کے استعمال ہوا ہے اور کبھی یہ دونوں بطور وصف کے آتے ہیں۔ اور اَفْعَلُ مِنْ کی تقدیر میں ہوتے ہیں جیسے هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ ذَاكَ وَاَفْضَلُ (یعنی یہ اس سے بہتر اور افضل ہے قرآن میں ہے:۔
نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا (۲-۱۰۶) تو اس سے بہتر بھیج دیتے ہیں
اور آیت کریمہ:۔
وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ..... (۲-۱۸۴) اور روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

میں خیر اسم بھی ہو سکتا ہے اور بمعنی اَفْعَلُ مِنْ بھی۔ اور آیت کریمہ:۔
وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۲-۱۹۷)
اور زاد راہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زاد راہ (کا) پرہیزگاری ہے۔
میں خیر بمعنی اَفْعَلُ مِنْ کے ہے۔
پھر کبھی تو خیر کا لفظ شر کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے اور کبھی ضُرٌّ کے مقابلہ میں جیسے فرمایا:۔
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۶-۱۷) اور اگر خدا تم کو کوئی سختی پہنچائے تو اسی کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر نعمت (و راحت) عطا کرے (تو کوئی اس کو روکنے والا) نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ (۵۵-۷۰) ان میں نیک سیرت (اور) خوبصورت۔
میں بعض نے کہا ہے کہ خَيْرَاتٌ اصل میں خَيِّرَاتٌ ہے تخفیف کے لئے ایک یاء کو حذف کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے۔ رَجُلٌ خَيْرٌ وَامْرَأَةٌ خَيْرَةٌ وَهٰذَا خَيْرُ الرِّجَالِ وَهٰذِهٖ خَيْرَةُ النِّسَاءِ اور خَيْرَاتٌ سے مراد یہ ہے کہ ان میں نیک سیرت عورتیں ہوں گی جن میں کسی قسم کی رذالت نہیں پائی جائے گی۔ اَلْخَيْرُ۔ بہتر جو خیر کے ساتھ مختص ہو ناقَةٌ خِيَارٌ وَجَمَلٌ خِيَارٌ (مذکر و مؤنث) بہتر اونٹنی یا اونٹ۔
اَلْاِسْتِخَارَةُ کے معنی طلب خیر کے ہیں اس کا مطاوع خَارَ آتا ہے۔ کہا جاتا ہے:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسْتَخَارَ اللّٰہُ الْعَبْدُ فَخَارَ لَہٗ۔ بندے نے اللہ تعالیٰ سے طلبِ خیر کی تو اللہ تعالیٰ نے جو بہتر تھا وہ بتا دیا۔ خَایَرْتُ فُلَانًا کَذَا فَخِرْتُہٗ میں نے فلاں سے (علم میں) مسابقت کی تو میں غالب رہا۔

اَلْخِیَرَۃُ سے مراد وہ حالت ہے جو طالبِ خیر یا مختار کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ قِعْدَۃٌ وَجِلْسَۃٌ کا لفظ قَاعِدٌ اور جَالِسٌ کی ہیئت اور حالت پر بولا جاتا ہے۔

اَلْاِخْتِیَارُ (افتعال) بہتر چیز کو طلب کر کے اسے کر گزرنا۔

اور کبھی اختیار کا لفظ کسی چیز کو بہتر سمجھنے پر بھی بولا جاتا ہے گو نفس الامر میں وہ چیز بہتر نہ ہو اور آیت کریمہ:۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاھُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ (۴۴-۳۲) اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے دانستہ منتخب کیا تھا۔

میں ان کے بلحاظ خلقت کے بہتر ہونے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں دوسروں پر فوقیت بخشنا مراد ہو۔ متکلمین کی اصطلاح میں مُخْتَارٌ کا لفظ ہر اس فعل کے متعلق بولا جاتا ہے جس کے کرنے میں انسان پر کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ ہو لہذا ھُوَ مُخْتَارٌ فِیْ کَذَا کا محاورہ فُلَانٌ لَہٗ اِخْتِیَارٌ کے ہم معنی نہیں ہے کیونکہ اِخْتِیَارٌ کے معنی اس کام کے کرنے کے ہوتے ہیں جسے انسان بہتر خیال کرتا ہو مگر مُخْتَارٌ کا لفظ فاعل اور مفعول دونوں پر بولا جاتا ہے۔

(خ ی ط)

اَلْخَیْطُ۔ تاگا۔ والجمع اَلْخُیُوْطُ۔

خَاطَ (ض) خِیَاطَۃً وَخَیَّطَ الثَّوْبَ کے معنی کپڑا سینے کے ہیں اور کپڑا سینے کی سوئی کو اَلْخِیَاطُ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷-۴۰) یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نکل جائے۔

اور آیت کریمہ:۔

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (۲-۱۸۷) یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔

میں خَیْطِ اَبْیَض اور اَسْوَد سے صبح کی سفیدی اور رات کی تاریکی مراد ہے۔ اور شاعر کے قول (طویل)

(۱۴۸) تَدَلّٰی عَلَیْھَا بَیْنَ سِبٍّ وَخَیْطَۃٍ

وہ رسی اور میخ کے مابین اس پر اٹک گیا۔

میں خَیْطَۃٌ کا لفظ بطور استعارہ رسی یا میخ کے معنی میں استعمال ہوا ہے ایک روایت میں ہے[2] (۱۲۲) کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدیؓ بن حاتم نے سیاہ اور سفید دو عقال (ڈوریے) رکھ لئے ان کی طرف دیکھتے جاتے اور کھاتے جاتے یہاں تک کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آنے لگے پھر اس نے آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:۔

---

[1] قال ابو ذویب یصف مشتار العسل وتمامہ :..... بجرد اشل الوکف یکبو غرابھا و فی التہذیب القالی (۲: ۲۵۸) شطرہ الثانی شدید الوصاۃ نابل ابن وابن نابل والبیت من شواہد الکشاف ۴: ۳۳ الکن فیہ تمامہ ندلی دلو المایخ المتشمر واللہ اعلم والبیت فی تہذیب الاصلاح ۱: وللسان (سبب، خیط۔

[2] حدیث عدی بن حاتم متفق علیہ فی ابی داؤد من حدیث الشعبی عنہ والصحیح انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مزاحا لم یعیرہ بالحمق وان کانت اللفظۃ تاتی بمعنی الحمق ایضا ۱۲ ش

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّكَ لَعَرِيْضُ الْقَفَا وَإِنَّمَا ذَالِكَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَسَوَادُ اللَّيْلِ - کہ تم تو نرے ہی عریض القفاء (احمق) ہو۔ اس سے مراد تورات کی سیاہی اور فجر کی سفیدی ہے۔

خَيَّطَ الشَّوْبُ فِي رَأْسِهِ - اس کے سر میں تاگے کی طرح بڑھاپا ظاہر ہوگیا۔ اَلْخَيْطُ (ایضًا) شترمرغ اس کی جمع اَلْخِيْطَانُ ہے۔ نَعَامَةٌ خَيْطَاءُ - تاگے کی طرح لمبی گردن والا شترمرغ۔

(خ ی ل)

اَلْخَيَالُ - اس کے اصل معنی صورت مجردہ کے ہیں جیسے وہ صورت جو خواب یا آئینے میں نظر آتی ہے یا کسی کی عدم موجوگی میں دل کے اندر اس کا تصور آتا ہے۔ پھر (مجازًا) ہر اس امر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کا تصور کیا جائے اور ہر اس پتلے دبلے شخص کو خیال کہا جاتا ہے جو بمنزلہ خیال اور تصور کے ہو۔

اَلتَّخْيِيْلُ (تفعیل) کے معنی کسی کے نفس میں کسی چیز کا خیال یعنی تصور قائم کرنے کے ہیں اور اَلتَّخَيُّلُ کے معنی از خود اس قسم کا تصور قائم کر لینے کے ہیں۔ اور خِلْتُ بمعنی ظَنَنْتُ آتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ مظنون چیز بھی بمنزلہ خیال کے ہوتی ہے۔

خَيَّلَتِ السَّمَاءُ آسمان میں بارش کا سماں نظر آنے لگا۔ فُلَانٌ مُخِيْلٌ بِكَذَا۔ فلاں اس کا سزاوار ہے اصل میں اس کے معنی یہ ہیں کہ فلاں اس خیال کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اَلْخُيَلَاءُ۔ تکبر جو کسی ایسی فضیلت کے تخیل پر مبنی ہو جو انسان اپنے اندر خیال کرتا ہو۔ اسی سے لفظ خَيْل لیا گیا ہے کیونکہ جو شخص گھوڑے پر سوار ہو وہ اپنے اندر نخوت و غرور پاتا ہے۔ دراصل خَيْل کا لفظ گھوڑے اور سوار دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ - (۸-۶۰) اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے اور کبھی ہر ایک پر انفرادًا بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے[1] (۱۲۲) یَا خَيْلَ اللهِ ارْكَبِي - (اے اللہ کے سوار گھوڑے پر سوار ہو جا) تو یہاں خیل بمعنی فارس کے ہے اور ایک حدیث میں ہے[2] (۱۲۳) عَفَوْتُ لَكُمْ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ کہ میں نے تمہیں گھوڑوں کا صدقہ معاف کیا اَلْأَخْيَلُ۔ شقراق (ایک پرندہ) کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور ہر لحظہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ دوسرے رنگ کا ہے۔ اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے[3] (مجزوالکامل)

(۱۴۹) كَأَبِي بَرَاقِشَ كُلَّ لَوْ نٍ لَوْنُهُ يَتَخَيَّلُ

ابو براقش کی طرح جو ہر آن نیا رنگ بدلتا ہے۔

---

[1] رواه الشیخ فی الناسخ والمنسوخ وعزاه السہیلی فی الروض لمسلم والحدیث باختلاف الفاظہ فی ابی داؤد والمستدرک للحاکم وفی الردة للعواقدی قالہ خالد بن الولید لاصحابہ یوم الیمامة راجع الکافی رقم ۴۹ والحیوان ۱/۳۲۵ من کلمات النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یتقدمہ فیہن احد وفی اضداد ابی الطیب یقولون یا خیل اللہ ارکبی علی القلب هذه من المجاز [2] رواه ابوداؤد والترمذی من حدیث علی مرفوعًا قال الدارقطنی الصواب وقفہ علی علیؓ وفی المسند اختلاف راجع لاختلاف الفاظہ النیل ۴/۱۴۴، ۱۴۷ وکنز العمال ۴ رقم ۱۲۵۸ [3] قالہ الاسدی فی ذم قوم شہورین بالتقانع وفی المطبوع کالحت بدل کابی مصحف راجع اللسان (برقش) والاقتضاب ۳۵۲ والعیون (۲: ۲۹) والحیوان (۳: ۴۷) وانظر للبیت والروایات عما مثل فیہ دیوان المعانی (۱: ۲۸۲) وخزانة الادب (۳: ۶۶۰) والصناعتین ۱۰۳ وذیل الامالی ۸۳ والمحاضرات للمؤلف (۱: ۱۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الدال

(د ء ب)

اَلدَّاْبُ کے معنی مسلسل چلنے کے ہیں۔
کہا جاتا ہے:۔
دَاَبَ فِی السَّیْرِ دَاْبًا۔ وہ مسلسل چلا۔ قرآن میں ہے:۔
وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ (۱۴-۳۳) اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں۔
نیز دَاْبٌ کا لفظ عادۃ مستمرہ پر بھی بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔
کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ (۳-۱۱) ان کا حال بھی فرعونیوں کا سا ہے۔
یعنی انکی سی عادت جس پر وہ ہمیشہ چلتے رہے ہیں۔

(د ب ب)

اَلدَّبُّ وَالدَّبِیْبُ (ض) کے معنی آہستہ آہستہ چلنے اور رینگنے کے ہیں۔ یہ لفظ حیوانات اور زیادہ تر حشرات الارض کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور شراب اور بھنگی وغیرہ کے جسم اور کپڑے وغیرہ ہیں) سرایت کر جانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ جن کی حرکات کا علم حاسہ بصر سے اور ایک نہ ہو سکتا ہو۔ یہ لفظ گو عرف میں خاص کر گھوڑے پر بولا جاتا ہے مگر (لغۃ) ہر حیوان یعنی ذی حیات چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ (۲۴-۴۵) اور خدا ہی نے ہر چلتے پھرتے جانور کو پانی سے پیدا کیا۔
وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ (۲-۱۶۴) اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلائے ہیں۔
وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ (۱۱-۶) اور زمین پر چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے۔
وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ۔۔۔۔ (۶-۳۸) اور زمین پر چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا پرند نہیں ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ (۳۵-۴۵) اور اگر خدا لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر کسی ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔
کی تفسیر میں ابو عبیدہؓ نے کہا ہے کہ یہاں دَآبَّۃٌ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے خاص کر انسان مراد ہیں[۱]. مگر اولیٰ یہ ہے کہ اسے عموم پر رکھا جائے اور اس سے ہر ذی حیات چیز مراد لی جائے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْہِمْ اَخْرَجْنَا لَہُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُہُمْ (۲۷-۸۲)
اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک غیر معروف قسم کا جانور ہوگا جو قیامت کے قریب خروج کریگا۔ اور بعض نے اس سے وہ شریر لوگ مراد لئے ہیں جو جہالت میں جانوروں کی طرح ہوں گے۔ اس صورت میں لفظ دَآبَّۃ جمع ہوگا (جیسا کہ خائن کی جمع خَائِنَۃ آجاتی ہے) اور ہر چلنے پھرنے والی چیز کو شامل ہوگا۔ اور آیت کریمہ
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ (۸-۲۲) کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام جانوروں میں سب سے بدتر۔
میں دَوَابّ کا لفظ جملہ حیوانات کو شامل ہے۔
محاورہ ہے:۔
نَاقَۃٌ دَبُوْبٌ ضعف اور سستی کی وجہ سے آہستہ چلنے والی اونٹنی۔
مَا بِالدَّارِ دُبِّیٌّ۔ گھر میں کوئی نہیں۔
اَرْضٌ مَدْبُوْبَۃٌ۔ وہ زمین جس میں چھوٹے چھوٹے رینگنے والے جانور کثرت سے ہوں۔

(د ب ر)

دُبُرٌ۔ پشت، مقعد یہ قبل کی ضد ہے اور یہ دونوں لفظ بطور کنایہ جائے مخصوص کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور اس میں دُبْرٌ اور دُبُرٌ دو لغات ہیں اس کی جمع اَدْبَارٌ آتی ہے قرآن میں ہے:
وَمَنْ یُّوَلِّہِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ (۸-۱۶) اور جو شخص جنگ کے روز ان سے پیٹھ پھیرے گا۔
یَضْرِبُوْنَ وُجُوْہَہُمْ وَاَدْبَارَہُمْ (۸-۵۰) ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے وہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔
فَلَا تُوَلُّوْہُمُ الْاَدْبَارَ (۸-۱۵) تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا۔
یعنی ہزیمت خوردہ ہو کر مت بھاگو۔ اور آیت کریمہ:
وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (۵۰-۴۰) اور نماز کے بعد (بھی) میں ادبار کے معنی نمازوں کے آخری حصے (یا نمازوں کے بعد) کے ہیں۔ اور اَدْبَارَ النُّجُوْمِ (۵۲-۴۹) میں ایک قراءت اِدْبَارَ النُّجُوْمِ بھی ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر بمعنی ظرف ہوگا یعنی ستاروں کے ڈوبنے کا وقت جیسا کہ مَقْدَمَ الْحَاجِّ اور خُفُوْقَ النَّجْمِ میں ہے۔ اور اَدْبَار (بِفَتْحِ الْہَمْزَۃِ) ہونے کی صورت میں جمع ہوگی۔ اور الدبر سے مشتقات (جیسے دَبَرَ وَ اَدْبَرَ وَ دَابِرٌ) کبھی باعتبار فاعل (یعنی فعل لازم) کے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے:۔ دَبَرَ فُلَانٌ (فلاں نے پیٹھ پھیری)
اَمْسِ الدَّابِرُ (کل گذشتہ) قرآن میں ہے۔
وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ (۷۴-۳۳) اور رات کی جب پیٹھ پھیرنے لگے
اور کبھی باعتبار مفعول (یعنی فعل متعدی) کے جیسے
دَبَرَ السَّہْمُ الْہَدَفَ (تیر نشانہ سے ورے گر پڑا)

---

[۱] ہو نصہ وجاز دابۃ ہا ہنا الانسان راجع مجازہ (۲: ۱۵۶) وقارن الطبری ۲، ۲۰۵ و ۱۲۵ قال الحیری ولا یتکلم بہا الا فی الجدلی النفی:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَبَرَ فُلَانٌ اَلْقَوْمَ (یعنی وہ قوم سے پیچھے رہ گیا قرآن میں ہے:۔

نَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (۶-۴۵)

غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔

اِنَّ دَابِرَ هٰؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (۱۵-۶۶)

کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائیگی۔

اور دَابِرٌ کے معنی متاخر یا تابع کے آتے ہیں خواہ وہ تاخر باعتبار مکان یا زمان کے ہو اور خواہ باعتبار مرتبہ کے۔

اَدْبَرَ۔ اعراض کرنا پشت پھیرنا۔ قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ۔ اور پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبول حق سے) غرور کیا (۷۴-۲۳)

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى (۷۰-۱۷) ان لوگوں کو بلائے گی جنہوں نے (دین حق سے) اعراض کیا۔

حدیث میں ہے[1]:۔ (۱۲۵)

لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ کہ نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور نہ آپس میں روٹھو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔

بعض نے لَا تَدَابَرُوْا کے معنی یہ کئے ہیں کہ پس پشت ایک دوسرے کی برائی بیان نہ کرو۔

اَلْاِسْتِدْبَارُ (استفعال) پشت پھیرنا۔ کسی چیز کے پیچھے ہونے کو طلب کرنا۔

تَدَابَرَ الْقَوْمُ باہم اختلاف کرکے قطع تعلق کرنا۔

اَلدِّبَارُ۔ یہ دَابَرَهٗ کا مصدر ہے جس کے معنی پس پشت دشمنی کرنے کے ہیں۔

اَلتَّدْبِيْرُ (تفعیل) کسی معاملہ کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے اس میں غور و فکر کرنا قرآن میں ہے:۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (۷۹-۵) پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔

یعنی وہ فرشتے جو امور دنیوی کے انتظام کیلئے مقرر ہیں۔

اَلتَّدْبِيْرُ (ایضًا) آزاد کردن بندہ پس از مرگ۔

اَلدَّبَارُ (بفتح الدال) ہلاکت جو قوم کی جڑ کو کاٹ ڈالے۔ نیز ایام جاہلیت میں بدھ کے دن کو دبار کہا جاتا تھا۔ کیونکہ عرب لوگ اس سے بدشگونی لیتے تھے۔

اَلدَّبِيْرُ۔ (ریسماں کہ برگشند بوقت رشتن سپس (دوبیرو ضد آں قبیل است)

رَجُلٌ مُّقَابَلٌ وَمُدَابَرٌ۔ نجیب الطرفین۔

شَاةٌ مُقَابَلَةٌ مُدَابَرَةٌ۔ بکری جس کا اگلی اور پچھلی جانب سے کان کٹا ہوا ہو۔

دَابِرَةُ الطَّائِرِ پرند کے پاؤں کا رخار۔ پرند کی پانچویں انگلی جو دوسری انگلیوں کے اوپر نکلتی ہے۔

دَابِرَةُ الْحَافِرِ۔ ناخن کہ بر بازوئے ستور بر آید۔

اَلدَّبُوْرُ پچھوائی ہوا۔ اَلدَّبْرَةُ قابل کاشت زمین کا ٹکڑا اسکی جمع دِبَارٌ ہے شاعر نے کہا ہے[2] ع (طویل)

(۱۵۰) جِرْبَةٍ تَعْلُوا الدِّبَارَ غُرُوْبُهَا

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ ورواہ البخاری عن انس بمعناہ والطبرانی عن ابی ایوب راجع کنز العمال ۹: ۲۲۹ و ۹۳۸ و تخریج الاحیاء ۲ / ۱۷۸، ۱۸۰

[2] قالہ بشر بن ابی خازم وتکملتہ: تحدر ماء البئر عن جرشیۃ علی ... وفی المطبوع جربۃ (بالیاء) مصحف والصواب بالموحدۃ والقصاد ومعناہ المزرعۃ والدبار جمع دبرۃ او دبارۃ وہی القطعۃ من المزرعۃ والجرشیۃ ناقۃ منسوبۃ الی جرش وہی ارض بالیمن واہلہا یستقون علی الابل فالشاعر شبہ تحدر دموعہ بتحدر ماء علی جربۃ من غروب یستقی علیہا کذا قال الجوہری (جرش۔ دبر) والبیت ایضًا فی اللسان (جرب، دبر، جرش) و المفضلیات (۲: ۳۰) وفیہ الغرب مکان البئر راجع ایضًا البلدان (رسم: جرش) وفیہ ان جرش فتحت فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سنۃ عشر من الہجرۃ صلحًا علی الفئ وجُرَش بالضم والفتح ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے کہ منی اونٹنی کے پانی سے بھرے ہوئے ڈول زمین پر گرتے ہیں۔

اَلدَّبْرُ۔ شہد کی مکھیوں، بھڑوں یا اس قسم کی دوسری چیزوں کا غول جن کا ڈنک ان کے مقعد پر ہوتا ہے۔ اس کا واحد دَبْرَۃٌ ہے۔

اَلدِّبْرُ۔ مال کثیر جو میت چھوڑ مرے۔ اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا۔[1]

دَبِرَ الْبَعِیْرُ۔ زخمی پیٹھ والا ہونا۔ ایسے اونٹ کو اَدْبَرُ وَ دَبِرٌ کہتے ہیں۔ اَلدَّبْرَۃُ (بفتح الباء و سکونہا) شکست در کارزار۔[2]

(د ث ر)

اَلْمُدَّثِّرُ۔ (از تفعل) اصل میں مُتَدَثِّرٌ تھا۔ تا کو دال سے بدل کر دال کو دال میں ادغام کر دیا۔ اس کے معنی کپڑا اوڑھنے والے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے دَثَّرْتُہٗ فَتَدَثَّرَ (میں نے اسے کپڑے میں لپیٹا چنانچہ وہ لپٹ گیا) قرآن میں ہے:۔ یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (۷۴-۱) اے (محمد) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو۔

اَلدِّثَارُ۔ وہ کپڑا جس میں آدمی لپٹ جائے جیسے چادر کمبل وغیرہ

تَدَثَّرَ الْفَحْلُ النَّاقَۃَ۔ سانڈھ اونٹنی پر چڑھ گیا

تَدَثَّرَ الرَّجُلُ الْفَرَسَ۔ آدمی گھوڑے پر کود کر سوار ہو گیا۔ رَجُلٌ دَثُوْرٌ۔ کم نام آدمی۔

سَیْفٌ دَاثِرٌ۔ زنگ آلود تلوار جسے پالش کئے بہت عرصہ گزر گیا ہو۔ اسی سے جس منزل کے نشانات مٹ گئے ہوں اُسے دَاثِرٌ کہا جاتا ہے۔ فُلَانٌ دِثْرُ مَالٍ وہ مال کی اچھی طرح خبر گیری کرنے والا ہے۔

(د ح ر)

اَلدَّحْرُ وَ الدُّحُوْرُ۔ (ن) کے معنی دھتکار دینے اور دور کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اُخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۷-۱۸) نکل جا یہاں سے ذلیل دھتکارا ہوا۔

فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۱۷-۳۵) (ملامت زدہ اور درگاہ خدا سے راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا (۳۷-۹) اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو۔

(د ح ض)

دَاحِضَةٌ۔ (اسم فاعل) باطل اور زائل ہونے والی (دلیل) قرآن میں ہے:۔

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۴۲-۱۶) ان کے پروردگار کے نزدیک ان کی دلیل بالکل بودی ہے۔

کہا جاتا ہے اَدْحَضْتُ فُلَانًا فِيْ حُجَّتِهٖ فَدَحَضَ وَ اَدْحَضْتُ حُجَّتَهٗ فَدَحَضَتْ (میں نے اس کی دلیل کو باطل کیا تو وہ باطل ہو گئی)[3] قرآن میں ہے:۔

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (۱۸-۵۶) اور جو کافر ہیں وہ باطل (سے استدلال کر کے) جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو اس کے مقام سے پھسلا دیں۔

اصل میں یہ دَحْضُ الرِّجْلِ سے مشتق ہے

---

[1] کذا فی الصحاح [2] ومنہ المثل شر الرأی الدبری ای الذی یسنح اخیرا عند فوت الحاجۃ [3] وفی التنزیل: فساہم فکان من المدحضین (۳۷-۱۴۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے معنی پاؤں کے پھسلنے اور ٹھوکر کھانے کے ہیں۔ اس بنا پر مناظرہ کے بارے میں کسی نے کہا ہے [1] ع (الکامل)

(۱۵) نَظْرًا یُزِیْلُ مَوَاقِعَ الْاَقْدَامِ

ایسی نظر جو قدموں کو ان کی جگہ سے پھسلا دے۔ اور بطور استعارہ دَحَضَتِ الشَّمْسُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی سورج ڈھلنے کے ہیں

(د ح و)

اَلدَّحْوُ۔ کے معنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے زائل کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا۔ (۷۹-۳۰) اور اس کے بعد زمین کو اس کے مقر سے دور کیا۔ یعنی اسے اس کی قرار گاہ سے زائل کر دیا جیسا کہ آیت کریمہ :۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ (۷۳-۱۴) میں ہے۔ یہ دَحَا الْمَطَرُ الْحَصٰی عَنْ وَجْهِ الْاَرْضِ (کہ بارش زمین سے کنکریا کر لے گئی) کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ نیز کہا جاتا ہے: مَرَّ الْفَرَسُ یَدْحُوْ دَحْوًا۔ گھوڑا اپنے سم زمین پر لگاتا خاک اڑاتا چلا گیا۔ اور اسی سے اُدْحِیُّ النَّعَامِ ہے جس کے معنی ریت میں شتر مرغ کے انڈے دینے کی جگہ کے ہیں۔ یہ دَحْوٌ سے اُفْعُوْلٌ کے وزن پر ہے۔ دِحْیَۃ ایک مرد کا نام تھا (جو دحیہ کلبی کے نام سے مشہور تھا)

(د خ ر)

اَلدَّخَرُ وَالدُّخُوْرُ (ف، س) کے معنی ذلیل ہونے کے ہیں کہا جاتا ہے۔ اَدْخَرْتُهٗ فَدَخَرَ میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ قرآن میں ہے: وَهُمْ دَاخِرُوْنَ (۱۶-۴۸) اور وہ ذلیل ہو کر۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ (۴۰-۶۰) جو لوگ میری عبادت سے از راہ تکبر کنیا تے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

اور یَدَّخِرُ اصل میں یَذْتَخِرُ تھا پہلے تاء کو دال سے تبدیل کیا پھر ذال کو دال بنا کر دال کو دال میں ادغام کر کے یَدَّخِرُ بنا لیا) اور یہ اس باب (دخر) سے نہیں ہے۔

(د خ ل)

اَلدُّخُوْلُ (ن) یہ خروج کی ضد ہے۔ اور مکان و زمان اور اعمال سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے دَخَلَ مَكَانَ كَذَا فلاں جگہ میں داخل ہوا۔ قرآن میں ہے:۔ اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ (۲-۵۸) کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۶-۳۲) جو تم عمل کیا کرتے تھے ان کے بدلے بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

---

[1] والبیت من شواہد الکشاف ۳/۲۲۱ و اولہ: یتقارضون اذا التقوا فی مجلس۔ والبیت فی محاضرات المؤلف ۱/۷۳) والصناعتین ۲۸۱، ۷، ۳۵ و فیہ مواطیٔ بلا مواقع واللسان (نظر، قرض، زال) وفی روایتہ فی موطن بدل فی مجلس والشطر فی المقاییس ۲: ۱۲۱) والبیت فی المشکل للقتبی ۱۳۰ و مجازات القرآن للرضی ۳۴۳ والشوکانی ۲۶۹ والقرطبی ۲۵۶ والفخر (۳۰: ۱۰۰) والبحر ۷۱ والطبری (۲۹: ۳۰) والغریب للقتبی ۴۸۲ والبیان للجاحظ (۱: ۱۱) وفی روایتہ فی موقف بدل فی مجلس ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا (۱۶-۲۹) کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے۔
وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۵۸-۲۲) اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا۔
وَيُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ (۷۶-۳۱) جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ (۱۷-۸۰) اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجیو۔
میں مَدْخَلٌ (بفتح المیم) دَخَلَ يَدْخُلُ سے ہوگا اور مُدْخَلٌ (بضمہ میم) ہو تو اَدْخَلَ يُدْخِلُ سے جیسے فرمایا:۔
لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ (۲۲-۵۹) وہ ان کو ایسے مقام میں داخل کریگا جسے وہ پسند کریں گے۔ اور آیت کریمہ:۔
مُدْخَلًا كَرِيْمًا (۴-۳۱) میں ہر دو قراءت منقول ہیں یعنی (میم کا ضمہ اور فتحہ) ابوعلی الفسوی[1] لکھتے ہیں کہ مَدْخَلًا (بفتح المیم) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جنت میں قصد اور ارادہ سے داخل ہوں گے۔ اور ان کی حالت اہل دوزخ کی سی نہیں ہوگی جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے:۔
اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ (۲۵-۳۴) جو لوگ اپنے چہروں کے بل دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے۔
اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ (۴۰-۷۱) جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (اور) گھسیٹے جائیں گے۔
اور مُدْخَلًا پڑھا جائے تو یہ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهَا کی طرح ہوگا۔
اِدَّخَلَ۔ کسی جگہ میں بہ صد مشقت داخل ہونا گھس جانا۔ قرآن میں ہے:۔
لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا (۹-۵۷) اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غار و مغاک یا زمین کے اندر گھسنے کی جگہ مل جائے۔
اَلدَّخَلُ۔ یہ دَغَلٌ کی طرح اندرونی عداوت، فساد یا کسی نسب کا دعوی کرنے سے کنایہ ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے:۔
دُخِلَ فُلَانٌ (فِيْ عَقْلِهٖ اَوْجَسَدِهٖ) فَهُوَ مَدْخُوْلٌ وَدَخِلَ (س) دَخَلًا (کنایہ) یعنی اس کے عقل وجسم یا اصل میں خرابی پائی جاتی ہے۔ اسی سے اندر سے کھوکھلے درخت کو شَجَرَةٌ مَّدْخُوْلَةٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ (۱۶-۹۲) تم اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ بنانے لگو۔
اَلدِّخَالُ (اَلْاِبِل) وہ اونٹ جو ایک مرتبہ پانی پی چکا ہو اور اسے دوبارہ پیاسے اونٹوں کے درمیان حوض پر داخل کیا جائے تاکہ مزید پانی پی لے۔
اَلدُّخَّلُ۔ ایک چھوٹا سا ومضد ہے رنگ کا پرند اور اسے دُخَّلٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گنجان درختوں میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور نظر نہیں آتا۔
اَلدَّوْخَلَةُ کھجور کے پتوں کا زنبیل۔

[1] الفارسی صاحب الایضاح والتکملۃ (المتولد ۲۸۸ھ المتوفی ۳۷۷ھ) راجع لاحوالہ (من بحث آمین)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَخَلَ بِامْرَءَتِہٖ (کنایہ) اس نے اپنی عورت سے مباشرت کی۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ (۴-۲۳) جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو.... ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں، تم پر کچھ گناہ نہیں۔

(د خ ن)

اَلدُّخَانُ۔ یہ اَلْعُثَانُ کے ہم معنی ہے یعنی اس دھوئیں کو کہتے ہیں جو آگ کے شعلہ کے ساتھ نکلتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ (۴۱-۱۱) پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دھوئیں کی مثل تھا یعنی اس میں تماسک نہیں تھا۔

دَخَنَتِ النَّارُ تَدْخُنُ۔ آگ کا کثرت سے دھواں دینا اسی سے دُخْنَۃٌ ہے لیکن عرف میں اس خوشبو کو دُخْنَۃٌ کہا جاتا ہے جس سے دھونی دی جاتی ہے۔

دَخِنَ الطَّبِیْخُ۔ پکی ہوئی چیز کا دھوئیں سے خراب ہو جانا۔ اور دُخَانٌ سے لون (رنگ) کے معنی لے کر کہا جاتا ہے۔ شَاۃٌ دَخْنَاءُ وَذَاتُ دُخْنَۃٍ دھوئیں جیسی سیاہ بکری۔

لَیْلَۃٌ دَخْنَانَۃٌ تاریک رات۔

اور اس سے ایذا رسانی کے معنی لیکر ھُوَ دَخِنُ الْخُلُقِ کا محاورہ استعمال کرتے ہیں یعنی وہ بد خلق ہے۔ ایک روایت میں ہے[1]: (۱۲۵) ھُدْنَۃٌ عَلٰی دَخَنٍ۔ یعنی صلح ہو جائے گی لیکن دلوں میں کینہ ہوگا۔

(د ر ر)

اَلْمِدْرَارُ (صیغہ مبالغہ) بہت برسنے والا قرآن میں ہے:۔

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْھِمْ مِّدْرَارًا (۶-۶) اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا۔

یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا (۷۱-۱۱) وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا۔

اصل میں مِدْرَار، دَرٌّ اور دِرَّۃٌ سے ہے جس کے معنی دودھ کے ہیں۔ پھر بطور استعارہ بارش کے لئے استعمال ہونے لگا ہے جیسا کہ اونٹ کے دیگر اسماء و اوصاف بطور استعارہ استعمال ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔

لِلّٰہِ دَرُّہٗ (اس کی خوبی اللہ کے لئے ہے تعجب) کَثُرَ دَرُّکَ تمہاری خیر زیادہ ہو۔

پھر بطور استعارہ بازار کے پُر رونق ہونے پر لِلسُّوْقِ دِرَّۃٌ (بازار پر رونق ہے) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

مثل مشہور ہے (مثل) سَبَقَتْ دِرَّتُہٗ غِرَارَہٗ اس کی تلوار پر خون سبقت کر جاتا ہے) جیسا کہ ضرب المثل کے طور پر (مثل) سَبَقَ سَیْلُہٗ مَطَرَہٗ (اس کی بارش سے قبل ہی سیلاب آجاتا ہے) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے۔ اِسْتَدَرَّتِ الْمِعْزٰی۔ یعنی بکری نے نر سے جفتی کی خواہش کی کیونکہ بکری حاملہ ہوگی تو بچہ جنے گی اور بچہ جنے گی تو دودھ دے گی لہٰذا

---

[1] من حدیث حذیفۃ بن الیمان وبعدہ دجماعۃ علی اقذاء مثل تکدر نیاتہم وفقد نصانیہم الفائق ۲/۳۲۲ وابوداؤد (۴۲۱۲:۳) ۵۸ ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِسْتِدْرَار کا لفظ بول کر نر کی خواہش سے کنایہ کیا جاتا ہے۔

(د ر ء)

اَلدَّرْءُ (ف) کے معنی دنیزہ وغیرہ کے ایک جانب مائل ہوجانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

دَرَّءْتُ دَرْءَهٗ میں نے اس کی کجی کو درست کر دیا۔

دَرَءْتُ عَنْهُ۔ میں نے اس سے دفع کیا قرآن میں ہے:۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (۱۳-۲۲) اور نیکی کے ذریعہ برائیوں کا مقابلہ کرتے ہیں

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ (۲۴-۸) اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے۔

حدیث میں ہے (۱۲۶) اِدْرَءُو الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ شرعی حدود کو شبہات سے دفع کرو اس میں تنبیہ کیا ہے کہ حدود کو دفع کرنے کے لئے حیلہ کرنا چاہیے

قرآن میں ہے:۔

فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ....(۳-۱۶۸)

تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا۔

اور آیت کریمہ:۔

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا (۲-۷۲) تو اس میں تم باہم جھگڑنے لگے۔

میں اِدّٰرَءْتُمْ اصل میں تَدَارَءْتُمْ ہے تخفیف کے لئے تاء کو دال سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے اور شروع میں ابتدائے سکون کی وجہ سے ہمزہ وصلی لایا گیا ہے لہٰذا یہ اِفَّاعَلْتُمْ کے وزن پر ہے۔ بعض ادباء نے کہا ہے اِدّٰرَءْتُمْ بروزن اِفْتَعَلْتُمْ ہے مگر یہ چند وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ اِدّٰرَءْتُمْ کے آٹھ حروف ہیں اور اِفْتَعَلْتُمْ کے صرف سات حرف ہیں۔ دوم یہ کہ اس میں ہمزہ وصلی کے بعد حرف تاء ہے جسے دال سے تبدیل کیا گیا ہے۔ اور اِفْتَعَلْتُمْ میں ایسے نہیں ہے۔ سوم یہ کہ اگر اِفْتَعَلْتُمْ کے وزن پر ہوتا تو دوسرے حرف کے بعد دال کو تاء سے تبدیل کرنا چاہیے تھا۔ چہارم یہ کہ جس فعل کا عین کلمہ حرف صحیح ہو اس میں تاء افتعال کا مابعد ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ مگر یہاں اسے ساکن بنا لیا گیا ہے۔ پنجم یہ کہ یہاں تاء اور دال کے درمیان حرف زائد لایا گیا ہے۔ حالانکہ باب افتعال میں یہ نہیں ہوتا۔ ششم یہ کہ اسے باب افتعال سے ملنے کی صورت میں الف کو عین کلمہ ماننا پڑے گا۔ حالانکہ وہ موضع عین میں نہیں ہے۔ ہفتم یہ کہ دو حروف اِفْتَعَلَ کی تاء سے قبل ہیں اور اس کے بعد بھی وہی ہیں۔ مگر اِدّٰرَءْتُمْ میں تاء کے بعد تین حروف ہیں۔

(د ر ج)

اَلدَّرَجَةُ۔ کا لفظ منزلۃ کے ہم معنی ہے مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مَنْزِلَةٌ اترنے کی جگہ کو درجۃ اس وقت کہتے ہیں جب اس سے صعود یعنی اوپر چڑھنے کا اعتبار کیا جائے ورنہ بسیط جگہ پر امتداد کے اعتبار سے اسے درجۃ نہیں کہتے جیسا کہ چھت اور سیڑھی کے درجات ہوتے ہیں مگر کبھی اس کا اطلاق منزل رفیع یعنی

۱؎ روی عن علی مرفوعًا لکنہ منکر وعن ابن مسعود موقوفًا و فی مسند ابی حنیفۃ الحارثی عن ابن عباس مرفوعًا و کذا عن عقبۃ بن عامر و معاذ و عمرو غیرہ احد من الصحابۃ لکن جملۃ الآثار لاتخلو عن ضعف او نکارۃ واصح ما فیہ قول ابن مسعود راجع النیل (۷/۱۱۰-۱۱۱) و بمعناہ فی ابن ماجۃ وعن عائشۃ فی الترمذی موقوفًا ۲؎ تاریخ الطبری ۱/۲۵۶-۲۵۷

www.KitaboSunnat.com

بلند مرتبہ پر بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲-۲۲۸) البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔
میں تنبیہ کی ہے کہ عقل و سیاست وغیرہ کے اعتبار سے مردوں کو عورتوں پر برتری حاصل ہے جس کی طرف آیت:۔
اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (۴-۳۴) مرد عورتوں کے قوام اور منتظم ہیں۔ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔
اور اہل جنت کے متعلق فرمایا:۔
لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۸-۴) اور ان کے لئے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے ہیں۔
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ (۳-۱۶۳) یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصحاب درجات ہوں گے اور تشبیہ کے طور پر ستاروں کے منازل کو دَرَجَاتُ النُّجُوْمِ کہا جاتا ہے۔
مَدْرَجَةٌ۔ راستے کا وسط اور وسیع حصہ۔
فُلَانٌ يَتَدَرَّجُ فِيْ كَذَا فلاں اس پر درجہ بدرجہ چڑھ رہا ہے۔
دَرَجَ الشَّيْخُ وَالصَّبِيُّ دَرَجَانًا۔ بوڑھے اور بچے کا اس طرح آہستہ آہستہ چلنا جیسا کہ سیڑھی پر چڑھنے والا چلتا ہے۔
اَلدَّرْجُ۔ کتاب یا کپڑے کی تہ اور لپیٹے ہوئے مراسلہ یا کپڑے کو بھی دَرْج کہا جاتا ہے اور بطور استعارہ دَرْج بمعنی موت بھی آجاتا ہے۔ جیسا کہ طَوَتْهُ الْمَنِيَّةُ میں طَيٌّ کا لفظ موت کے لئے مستعار ہے۔ اور محاورہ ہے:۔
مَنْ دَبَّ وَ دَرَجَ یعنی جو زندہ اور چل پھر رہا ہے اور جو مر چکا ہے اور اس نے اپنے دفتر زندگی کو لپیٹ لیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (۷-۱۸۲) ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم نہ ہوگا۔
کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم انہیں کتاب کی طرح لپیٹ لیں گے۔ یہ ان کی بے خبری اور غفلت سے کنایہ ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (۱۸-۲۸) اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے..... اس کا کہنا نہ ماننا۔
بعض نے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کے معنی یہ کئے ہیں کہ ہم انہیں بتدریج پکڑیں گے بایں طور کہ انہیں آہستہ آہستہ کسی چیز (جہنم) کے قریب لارہے ہیں جیسا کہ سیڑھیوں اور منزلوں پر چڑھا یا ان سے نیچے اترا جاتا ہے۔
دُرْجٌ۔ چھوٹا سا تھیلا جس میں عورتیں خوشبو اور سنگار کا دیگر سامان رکھتی ہیں۔ اَلدُّرْجَةُ۔ وہ لتہ جسے لپیٹ کر ناقہ کی کس میں رکھ دیا جاتا ہے
اَلدُّرَّاجُ تیتر کیونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ چلتا ہے۔

(د ر س)

دَرَسَ الدَّارُ۔ گھر کے نشان باقی رہ گئے اور نشان کا باقی رہنا چونکہ شے کے فی ذاتہ مٹنے کو چاہتا ہے اس لئے دُرُوْسٌ کے معنی اِنْمِحَاءٌ یعنی مٹ جانا کر لئے جاتے ہیں اسی طرح دَرَسْتُ الْكِتَابَ وَالْعِلْمَ کے اصل معنی کتاب یا علم کو حفظ کر کے اس کا اثر لے لینے کے ہیں اور اثر کا حاصل ہونا مسلسل قراءت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے دَرَسْتُ الْكِتَابَ کے معنی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسل پڑھنا کے آتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ (۷-۱۶۹) اور جو کچھ اس (کتاب)
میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے۔
بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَدْرُسُوْنَ (۳-۷۹) کیونکہ تم کتاب (خدا کی)
تعلیم دینے اور اسے پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔
وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا (۳۴-۴۴)
اور ہم نے نہ تو ان کو کتابیں دیں جن کو یہ پڑھتے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ (۶-۱۰۵) میں ایک قراءت
دَارَسْتَ بھی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر یہ
نہ کہیں کہ تم نے کتاب کو دوسروں سے پڑھ لیا۔
بعض نے کہا ہے وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ (۷-۱۶۹)
کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس پر عمل ترک کر دیا
اور یہ دَرَسَ الْقَوْمُ الْمَكَانَ کے محاورہ سے
ماخوذ ہے۔ یعنی انہوں نے مکان کے نشانات مٹا دیئے۔
دَرَسَتِ الْمَرْاَةُ (کنایہ) عورت کا حائضہ ہونا۔
دَرَسَ الْبَعِيْرُ۔ اونٹ کے جسم پر خارش
کے اثرات ظاہر ہونا۔

(د ر ك)

اَلدَّرْكُ اور دَرْج کے ایک ہی معنی ہیں۔
لیکن اَلدَّرْجُ کا لفظ اوپر چڑھنے کے اعتبار سے
بولا جاتا ہے اور اَلدَّرْكُ کا لفظ نیچے اترنے کے
لحاظ سے اس لئے دَرَجَاتُ الْجَنَّةِ اور دَرَكَاتُ
النَّارِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ پستی کے
اعتبار سے دوزخ کو ھَاوِيَةٌ کہا جاتا ہے چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ
(۴-۱۴۵) کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ
کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔
اور سمندر کی گہرائی کی تہہ اور اس رسی کو جس کے
ساتھ پانی تک پہنچنے کے لئے دوسری رسی ملائی جاتی
ہے، بھی دَرَكٌ کہا جاتا ہے۔ اور دَرَكٌ بمعنی
تاوان بھی آتا ہے مثلاً خرید و فروخت میں بیعانہ
کو دَرَكٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى (۲۰-۷۷) پھر
تم کو نہ تو (فرعون کے) آپکڑنے کا خوف ہوگا اور
نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔
اَدْرَكَ۔ کسی چیز کی غایت کو پہنچنا، یا لینا جیسے
اَدْرَكَ الصَّبِيُّ لڑکا بچپن کی آخری حد کو پہنچ گیا
یعنی بالغ ہوگیا۔ قرآن میں ہے:۔
حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ (۱۰-۹۰) یہاں
تک کہ اس کو غرق (کے عذاب) نے آپکڑا۔
اور آیت کریمہ:۔
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ
(۶-۱۰۳) (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک
نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔
کو بعض نے ادراک بصری کی نفی پر حمل کیا ہے
اور بعض نے ادراک کی نفی بلحاظ بصیرت مراد لی
ہے اور کہا ہے کہ اس آیت سے اس معنی پر تنبیہ
کی ہے جو کہ حضرت ابوبکرؓ کے قول "يَا مَنْ غَايَةُ
مَعْرِفَتِهِ الْقُصُوْرُ عَنْ مَعْرِفَتِهِ" (اے وہ
ذات جس کی غایت معرفت بھی اس کی معرفت سے
کوتاہی کا نام ہے) میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
کی معرفت کی غایت یہ ہے کہ انسان کو تمام اشیاء
کا کما حقہٗ علم حاصل ہونے کے بعد یہ یقین ہو جائے
کہ ذات باری تعالیٰ نہ کسی کی جنس ہے اور نہ ہی
کسی چیز کی مثل ہے بلکہ وہ ان تمام چیزوں کی موجد ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَتَدَارُكُ۔ (پالینا) یہ زیادہ تر نعمت اور فریاد رسی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
لَوْلَا اَنْ تَدَارَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (۶۸-۴۹)
اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی۔
اور آیت کریمہ:۔
حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا (۷-۳۸)
یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے۔ کے معنی یہ ہیں کہ جب سب کے سب اس میں ایک دوسرے کو آملیں گے۔ پس اِدَّارَكُوْا اصل میں تَدَارَكُوْا ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ:۔
بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (۲۷-۶۶)
بلکہ آخرت (کے بارے) میں انکا علم منتہی ہو چکا ہے۔ میں اِدَّارَكَ اصل میں تَدَارَكَ ہے تاء کو دال میں ادغام کرنے کے بعد ابتدائے سکون کی وجہ سے ہمزہ وصل لایا گیا ہے جس طرح کہ آیات:۔
اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ (۹-۳۸) اور اِطَّيَّرْنَا بِكَ (۲۷-۴۷) میں ہے ایک قراءت میں بَلْ اَدْرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ہے جسنؒ نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ امور آخرت سے سراسر غافل ہیں، مگر اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ آخرت کو پالینے سے انکا علم منتہی ہو چکا ہے اس بنا پر وہ اس سے جاہل اور بے خبر ہیں۔ بعض نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ انہیں آخرت میں ان چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جائیگی کیونکہ دنیا میں جو چیزیں محض ظنون نظر آتی ہیں آخرت میں ان کے متعلق یقین حاصل ہو جائے گا۔

(د ر ھ م)

اَلدِّرْهَمُ۔ چاندی کے ایک سکہ کا نام ہے اسکی جمع دَرَاهِمُ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ (۱۲-۲۰)
اور اسکو تھوڑی سی قیمت (یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا۔

(د ر ی)

اَلدِّرَايَةُ اس معرفت کو کہتے ہیں جو کسی قسم کے حیلہ یا تدبیر سے حاصل کی جائے اور بہ دَرَيْتُهٗ وَدَرَيْتُ بِهٖ دِرْيَةً دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (یعنی اس کا تعدیہ باء کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اور باء کے بغیر بھی) جیسا کہ فَطِنْتُ وَشَعَرْتُ ہے اور اِدَّرَيْتُ بمعنی دَرَيْتُ آتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] ع (الوافر)
(۱۵۲) وَمَاذَا يَدَّرِي الشُّعَرَاءُ مِنِّيْ
وَقَدْ جَاوَزْتُ رَأْسَ الْاَرْبَعِيْنَ
اور شعراء مجھے کیسے دھوکہ دے سکتے ہیں جب کہ میں چالیس سے تجاوز کر چکا ہوں۔ قرآن میں ہے۔
لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (۶۵-۱)
تجھے کیا معلوم شاید خدا اس کے بعد کوئی رجعت کی سبیل پیدا کر دے۔
وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ (۲۱-۱۱۱) اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمائش ہو۔
مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ (۴۲-۵۲) تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے۔
اور قرآن پاک میں جہاں کہیں وَمَا اَدْرٰكَ آیا ہے

---

[1] قالہ سحیم بن وثیل الریاحی وفی اللسان والحکم وطبع آخرہ بدل رأس والبیت فی البحتری ۲۵ والکامل ۵۰۴ وفی ترجمتہ فی الاصابۃ (۲: ۱۱۰) والسمط (۵۵۸) والسیوطی ۱۷۵ والعینی (۱: ۱۹۱) والخزانۃ (۱: ۱۲۶) والاصمعیات ۲۳ واصلاح یعقوب ۵۶ ونقد الشعر، وفیہ تبتغی بدل یدری مجالس ثعلب ۲۷۱ والاشباہ (۴: ۱۵۲) والبیت کانہ نقیدۃ القافیۃ فیہ اقواء ولعدہ:۔ اخو خمسین مجتمع اشدی ونجذنی مداورۃ الستین ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں لبعد میں اس کا بیان بھی لایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ۔ نَارٌ حَامِيَةٌ (۱۰۱-۱۰-۱۱)
اور تم کیا سمجھے کہ (ہاویہ) کیا ہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ (۹۷-۲-۳) اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ (۶۹-۳) اور تم کو کیا معلوم ہے کہ سچ مچ ہونے والی کیا چیز ہے؟
ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ۔ (۸۲-۱۷)
اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (۱۰-۱۶) (یہ بھی) کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ کتاب تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا۔
میں اَدْرٰىكُمْ دَرَيْتُ سے ہے کیونکہ اگر دَرَأْتُ سے ہوتا تو وَلَا اَدْرَأْتُكُمُوْهُ کہا جاتا۔[1] اور جہاں کہیں قرآن میں وَمَا يُدْرِيْكَ آیا ہے اس کے بعد اس کا بیان مذکور نہیں ہے[2] جیسے فرمایا:
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى (۸۰-۳)۔ اور تم کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ (۴۲-۱۷)
اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی آپہنچی ہو۔
یہی وجہ ہے کہ دِرَايَةٌ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے متعلق استعمال نہیں ہوتا اور شاعر کا قول[3] (ع د)

(۱۵۳) لَاهُمَّ لَآ اَدْرِيْ وَاَنْتَ الدَّارِيْ
اے اللہ میں نہیں جانتا اور تو خوب جانتا ہے۔
میں جو اَنْتَ الدَّارِيْ اللہ تعالیٰ کے متعلق استعمال ہوا ہے تو یہ بے سمجھ اور اجڈ بدو کا قول ہے (للہذا حجت نہیں ہو سکتا)
اَلدَّرِيَّةُ (۱) ایک قسم کا حلقہ جس پر نشانہ بازی کی مشق کی جاتی ہے۔
(۲) وہ اونٹنی جسے شکار کو مانوس کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور شکاری اسکی اوٹ میں بیٹھ جاتا ہے تاکہ شکار کر سکے۔
اَلْمِدْرٰى (۱) بکری کا سینگ کیونکہ وہ اس کے ذریعہ مدافعت کرتی ہے۔ اسی سے استعارۃً کنگھی یا باریک سینگ کو مدریٰ کہا جاتا ہے[4]۔ جس سے عورتیں اپنے بال درست کرتی ہیں۔

(د س ر)

اَلدُّسُرُ: میخیں اس کا واحد دِسَارٌ ہے قرآن میں ہے:۔
وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (۵۴-۱۳)
اور ہم نے نوحؑ کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔
اصل میں دَسْرٌ کے معنی کسی چیز کو زور سے مار کر ہٹا دینے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔ دَسَرَهٗ بِالرُّمْحِ۔ اسے نیزہ مار کر پیچھے ہٹا دیا اور رَجُلٌ

---

[1] وفی الصحاح: وقرئ ولا اَدْرَأْتُكُمْ بِہٖ والوجہ فیہ ترک الہمزۃ (راجع) وفی اعراب ثلاثین ہمزۃ الحسن البصری فی بعض الآیات وکذا التحویل وکذا الاختلاف فی الدریۃ۔ قال ابوزید ہو جمہور ملکی الجمہور علی ترک الہمزۃ [2] منقول عن الفراء راجع اعراب ثلاثین لابن خالویہ ۸۱
[3] البیت فی الصحاح واللسان (دری) لہم وتمامہ .... کل امرئ منک علی مقدار ۱۲ [4] وفی الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی یدہ مدری یحک بہ راسہ (الفائق ۱/۱۹۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِطْعَنٌ کی طرح مِدْ سَرٌ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی بہت بڑے نیزہ باز کے ہیں۔ ایک روایت میں ہے[1] (۱۲۷)
لَيْسَ فِي الْعَنْبَرِ زَكٰوةٌ إِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ دَسَرَهُ الْبَحْرُ۔ کہ عنبر میں زکوٰۃ نہیں ہے وہ ایک چیز ہے جسے سمندر کنارے پر پھینک دیتا ہے۔

(د س س)

اَلدَّسُّ (ن) کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز میں زبردستی داخل کر دینے کے ہیں کہا جاتا ہے۔ دَسَسْتُهٗ فَدَسَّ۔ میں نے اسے ٹھونسا تو وہ ٹھنس گیا۔
دُسَّ الْبَعِيْرُ بِالْهِنَاءِ۔ اونٹ پر زبردستی قطران ملی گئی۔
بعض کہتے ہیں کہ قطران کے متعلق دَسٌّ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن میں ہے :۔
اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ (۱۶-۵۹) یا زمین میں گاڑ دی۔

(د س ی)

دَسّٰى (تفعیل) کے معنی کسی چیز کو مٹی میں چھپا دینے اور گم کر دینے کے ہیں۔ یہ اصل میں دَسَّسَ تھا تخفیف کے لئے ایک سین کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے جیسا کہ تَظَنَّنْتُ سے تَظَنَّيْتُ بنا لیتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۹۱-۱۰) اور جس نے اسے دبا دیا وہ نامراد اور ناکام رہا۔

(د ع ع)

اَلدَّعُّ کے معنی سختی کے ساتھ دھکا دینے کے ہیں۔ اصل میں یہ کلمہ زجر ہے جس طرح پھسلنے والے کو (بطور دعا لَعًا کہا جاتا ہے۔ اسیطرح دَعْ دَعْ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (۵۲-۱۳) جس دن وہ آتش جہنم کی طرف نہایت سختی سے دھکیلے جائیں گے۔
فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ (۱۰۷-۲) یہ وہی (بدبخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔
شاعر نے کہا ہے[2] (   )
(۱۵۴) دَعَّ الْوَصِيِّ عَلٰى قَفَاءِ يَتِيْمِهٖ
جیسا کہ وصی یتیم کی گدی پر گھونسا مارتا اور اسے دھکے دیتا ہے۔

(د ع و)

اَلدُّعَاءُ (ن) کے معنی ندا کے ہیں مگر ندا کا لفظ کبھی صرف یَا، اَیَا وغیرہما حروف ندا پر بولا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کے بعد منادٰی مذکور نہ ہو لیکن دُعاء کا لفظ صرف اس وقت بولا جاتا ہے جب حرف ندا کے ساتھ اسم (منادی) بھی مذکور ہو جیسے :۔ یَا فُلَانُ۔ کبھی یہ دونوں یعنی دعاء اور نداء ایک دوسرے کی جگہ پر بولے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً (۲-۱۷۰) (ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔
اور کبھی دُعاء بمعنی تسمیہ (نام رکھنا) آجاتا ہے

---

[1] الحدیث موقوف علی ابن عباس راجع الفائق ا ر ۱۹۷ وبحث عنہ صاحب الامالی وعنہ ایضًا لیس العنبر بزکاۃ راجع البخاری مع الفتح ۸ ر ۱۰۵۔ [2] وفی الحدیث الغرق وساق من روایۃ ابن عمر الفائق ۱ ر ۲۲۲ ر [3] لم اجدہ ویبحی [4] قارن الفتح للحافظ ۱۲ ر ۳۳۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے دَعْوَتُ ابْنِی زَیْدًا[1] میں نے اپنے لڑکے کا نام زید رکھا۔ اور آنحضرتؐ کی تعظیم پر رغبت دلاتے ہوئے فرمایا[2] :۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔ (۲۴-۶۳) مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

کیونکہ بعض لوگ آنحضرتؐ سے مخاطبت کے وقت آپ کو "یا محمدؐ" کہہ کر پکارتے تھے۔

اور دَعْوَتُہٗ کے معنی سوال یا مدد طلب کرنا بھی آتے ہیں[3]۔ قرآن میں ہے :۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ۔ انہوں نے کہا (اب کے) اپنے پروردگار سے پھر درخواست کیجئے۔

اور آیت کریمہ :۔

قُلْ اَرَاَیْتَکُمْ اِنْ اَتَاکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ۔ (۶-۴۰-۴۱) کہو (کافرو) بھلا دیکھو تو اگر تم پر خدا کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو تو کیا تم (ایسی حالت میں) خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر سچے ہو (تو بتاؤ) (نہیں) بلکہ (مصیبت کے وقت تم) اسی کو پکارتے ہو۔

میں تنبیہ کی ہے کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا اور عاجزی کرتے ہو۔

وَادْعُوْا رَبَّکُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ (۷-۵۶) اور خدا سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔

وَادْعُوْا شُھَدَاءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۲-۲۳) اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ مُنِیْبًا اِلَیْہِ۔ (۳۹-۸) اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتا (اور) اس کی طرف دل سے رجوع کرتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِہٖ (۱۰-۱۲) اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا ہمیں پکارتا ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ۔ (۱۰-۱۰۶) اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا بھلا کرسکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے۔

اور آیت کریمہ :۔

لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا کَثِیْرًا۔ (۲۵-۱۴) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو۔

دعائے ثبور سے یَا لَھْفَاہ یا حَسْرَتَاہ وغیرہ کلمات تاسف کہنا اور واویلا کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ آج تم پر ایک مصیبت نہیں ہے بلکہ بہت سے غموم و مصائب کا سامنا ہوگا۔

اَلدُّعَاءُ اِلَی الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کا قصد کرنے پر رغبت دلانے اور اکسانے کے ہیں۔

---

[1] کذا ذکرالحافظ فی الفتح ۱۳/۴۳۸ [2] وجملۃ القول ان لفظ الدعاء جاء فی القرآن لستۃ معان العبادۃ ولم یذکرہ المؤلف والایۃ ادعونی استجب لکم بمعنی العبادۃ بدلیل مابعدہا والاستغاثۃ والسوال والقول والنداء والثناء راجع شرح الاسماء الحسنی لابی القاسم القشیری [3] وایضا دعا بمعنی جعل کما فی قولہ تعالیٰ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۱۹-۹۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں ہے :۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ (۱۲-۳۳) کہ پروردگار جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے۔

وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (۱۰-۲۵) اور خدا سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

وَیٰقَوْمِ مَالِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشْرِکَ بِہٖ (۴۰-۴۱، ۴۲) اور اے قوم میرا حال ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے اس لئے بلاتے ہو کہ خدا کے ساتھ کفر کروں اور ... ... اس کا شریک مقرر کروں۔

اور آیت کریمہ :۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْہِ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃٌ (۴۰-۴۳) سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں ہے۔

میں دَعْوَۃٌ کے معنی رفعت اور عظمت کے ہیں[1]۔

اَلدِّعْوَۃُ۔ کے معنی خاص کر نسب کا دعویٰ کرنے کے آتے ہیں۔ اصل میں یہ قِعْدَۃٌ وَجِلْسَۃٌ کی طرح فِعْلَۃٌ کے وزن پر ہے جو حالت کے لئے آتا ہے۔ مثل مشہور ہے :۔

دَعْ دَاعِیَ اللَّبَنِ (مثل) یعنی دودھ اتارنے کے لئے تھوڑا سا دودھ تھنوں میں چھوڑ دے[2]۔

اَلْاِدِّعَاءُ کے معنی کسی چیز کے متعلق دعویٰ کرنے کے ہیں (کہ یہ میری ہے) اور جنگ میں اِدِّعَاء کے معنی اپنے کو کسی طرف منسوب کرنا ہوتے ہیں[3] (کہ میں فلاں قوم سے ہوں یا فلاں کا بیٹا ہوں وغیرہ)

اور آیت کریمہ :۔

وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا (۴۱-۳۲) اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لئے (موجود ہوگی (یہ) مہمانی ہے۔

کے معنی یہ ہیں کہ تم جنت میں جو چیز طلب کرو گے حاضر کر دی جائے گی۔

اور دَعْوٰی کبھی بمعنی اِدِّعَاءٌ بھی آجاتا ہے۔ جیسے فرمایا :۔

فَمَا کَانَ دَعْوٰھُمْ اِذْ جَآءَھُمْ بَاْسُنَآ (۷-۵) توجس وقت ان پر عذاب آتا تھا ان کے منہ سے یہی نکلتا تھا۔

اور کبھی بمعنی دعا کے[4] جیسے فرمایا :۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۰-۱۰) اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ خدائے رب العلمین کی حمد (اور اس کا شکر) ہے۔

(د ف ء)

اَلدِّفْءُ۔ گرمی، حرارت یہ بَرْدٌ (سردی) کی ضد ہے۔ اور آیت کریمہ :۔

لَکُمْ فِیْہَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ (۱۶-۵) ان میں تمہارے لئے جڑاول اور بہت سے فائدے ہیں۔

میں دِفْءٌ سے جاڑے کا سامان مراد ہے۔

رَجُلٌ دِفْاٰنُ (مؤنث دِفْآٰئی) گرمی حاصل کرنیوالا۔

---

[1] کذا نقل عن المؤلف الحافظ فی الفتح (۱۳-۲۳۸) [2] امر صلی اللہ علیہ وسلم ضرار بن ازور ان یحلب ناقۃ فقال لہ (الفائق ۱/۴۱۹ والنہایہ دعا) وغریب ابی عبید [3] کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحد: انا ابن عبد المطلب ومن الدعوۃ الدعیٰ وجمعہ اَدْعِیَاءُ (۳۳-۴) [4] والدعوی ہہنا بمعنی القول راجع الفتح للحافظ ۱۳/۲۳۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَیْتٌ دَفِیْئٌ گرم مکان۔

(د ف ع)

اَلدَّفْعُ (دفع کرنا، ہٹا دینا) جب اس کا تعدیہ بذریعہ اِلیٰ ہو تو اس کے معنی دے دینے اور حوالے کر دینا ہوتے ہیں جیسے فرمایا:۔

فَادْفَعُوْٓا اِلَیْہِمْ اَمْوَالَھُمْ (۴-۶) تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

اور جب بذریعہ عَنْ متعدی ہو تو اس کے معنی مدافعت اور حمایت کرنا ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

اِنَّ اللہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۲۲-۳۸) خدا تو مومنوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ (۲-۲۵۱) اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا۔

اور آیت کریمہ:۔

لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللہِ ذِی الْمَعَارِجِ (۷۰:۲،۳) کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا۔ (اور وہ) خدائے صاحب درجات کی طرف سے (نازل ہوگا)

میں دَافِعٌ کے معنی حامی اور محافظ کے ہیں۔

اَلْمُدَفَّعُ ہر جگہ سے دھتکارا ہوا۔ ذلیل اور رسوا۔

اَلدُّفْعَۃُ۔ بارش کی بوچھاڑ۔ اَلدُّفَّاعُ سیلاب کا زور۔

(د ف ق)

اَلدَّفْقُ (مصدر ن) کے معنی سرعت کے ساتھ بہنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ (اچھل کر تیزی سے گرنے والے پانی سے۔ (۸۶-۶)

اسی سے بطور استعارہ جَاءُوْا دُفْعَۃً۔ (وہ یکبارگی آگئے) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور تیز رفتار اونٹ کو بَعِیْرٌ اَدْفَقُ کہتے ہیں۔

مَشَی الدِّفِقّٰی اس طرح تیز رفتاری سے چلا جیسے زور سے بہنے والا پانی اچھل کر گرتا ہے اور بہتا ہوا چلا جاتا ہے۔

مَشَوْا دِفَقًا۔ وہ تیز چلے۔

(د ك ك)

اَلدَّكُّ (اسم) کے معنی نرم اور ہموار زمین کے ہیں۔ اور دَكَّہٗ (ن) دَكًّا کے معنی کوٹ کر ہموار کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّۃً وَّاحِدَۃً (۶۹-۱۴) اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا لئے جائیں گے پھر ایک بارگی توڑ کر برابر کر دیئے جائیں گے۔

وَدُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (۸۹-۲۱)[1]

یعنی زمین کوٹ کوٹ کر ہموار کر دی جائیگی۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَكًّا (۷-۱۴۳) جب ان کا پروردگار پہاڑ پر نمودار ہوا تو (تجلی انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

اور اسی سے دُكَّان ہے جس کے معنی ہموار چبوترہ کے ہیں۔

اَلدَّكْدَاكُ۔ نرم ریت۔ اَرْضٌ دَكَّاءُ ہموار زمین۔ ج دُكٌّ۔ اور ہموار زمین کے ساتھ تشبیہ دے کر نَاقَۃٌ دَكَّاءُ اس اونٹنی کو کہہ دیتے ہیں جس کی کوہان نہ ہو۔[2]

---

[1] وفی المطبوع الجبال مکان الارض خطأ مطبعی ۱۲ [2] قارن المجاز لابی عبیدہ (۱:۲۱۵) ✦ ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(د ل ل)

اَلدَّلَالَۃُ۔ جس کے ذریعہ کسی چیز کی معرفت حاصل ہو جیسے الفاظ کا معانی پر دلالت کرنا اور اشارات در موز اور کتابت کا اپنے مفہوم پر دلالت کرنا اور حساب میں عقود کا عدد مخصوص پر دلالت کرنا وغیرہ اور پھر دلالت عام ہے کہ جاعل یعنی واضع کی وضع سے ہوا یا بغیر وضع اور قصد کے ہو مثلاً ایک شخص کسی انسان میں حرکت دیکھ کر جھٹ جان لیتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مَا دَلَّہُمْ عَلٰی مَوْتِہٖۤ اِلَّا دَآبَّۃُ الْاَرْضِ (۳۴-۱۴) تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے۔

اصل میں دَلَالَۃٌ کا لفظ کِنَایَۃٌ وَاَمَارَۃٌ کی طرح مصدر ہے۔ اور اسی سے دَالٌّ صیغہ صفت فاعل ہے یعنی وہ جس سے دلالت حاصل ہو اور دَلِیْلٌ صیغہ مبالغہ ہے جیسے عَالِمٌ وَ عَلِیْمٌ وَ قَدِیْرٌ[1] ہے۔ کبھی دَالٌّ وَ دَلِیْلٌ بمعنی دَلَالَۃٌ (مصدر) آجاتے ہیں اور یہ تَسْمِیَۃُ الشَّیْءِ بِمَصْدَرِہٖ کے قبیل سے ہے۔

(د ل ک)

دُلُوْکُ (الشَّمْسِ) کے معنی ہیں آفتاب کا (زوال) مائل بہ غروب ہونا۔ قرآن میں ہے:۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ (۱۷-۷۸) (اے محمدؐ) سورج کے ڈھلنے سے ... نماز ... پڑھا کرو۔

یہ اصل میں دَلَکَتِ الشَّمْسُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کوئی چیز دیکھنے کے لئے آنکھوں کے اوپر ہتھیلی رکھ کر دھوپ کو دفع کرنا۔ اور اسی سے دَلَکْتُ الشَّیْءَ فِی الرَّاحَۃِ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو ہتھیلی میں لے کر ملنے کے ہیں۔ دَلَکْتُ الرَّجُلَ لیت لعل کرنا۔

اَلدَّلُوْکُ۔ ایک قسم کی خوشبو جسے بدن پر ملا جاتا ہے۔

اَلدَّلِیْکُ۔ ایک قسم کا کھانا جو مسکہ اور کھجور سے تیار ہوتا ہے۔

(د ل و)

دَلَوْتُ الدَّلْوَ۔ کے معنی کنویں میں ڈول ڈالنے کے ہیں اور اَدْلَیْتُہَا کے معنی ڈول بھر کر نکالنے کے۔ ابو منصور نے لکھا ہے کہ اَدْلٰی کے معنی ڈول کنویں میں ڈالنے کے آجاتے ہیں۔ قرآن میں ہے[2]:۔

فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ (۱۲-۱۹) اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا۔

اسی سے بطور استعارہ اَدْلٰی کے معنی کسی چیز تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنانا بھی آجاتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[3] ع (۱)

(۱۵۵) وَلَیْسَ الرِّزْقُ عَنْ طَلَبٍ حَثِیْثٍ
وَلٰکِنْ اَلْقِ دَلْوَکَ فِی الدِّلَاءِ

رزق جدوجہد سے حاصل نہیں ہوتا ہاں تمہیں اس کے لئے وسائل تلاش کرنا چاہیئے۔ اس بنا پر وسیلہ کو مَاتِحٌ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ع (الطویل)

---

[1] وفی التنزیل ثم جعلنا الشمس علیہ دلیلا (۲۵-۴۵)، [2] راجع تاج المصادر للبیہقی [3] البیت فی محاضرات المؤلف (۲: ۲۹۴) وفی روایۃ: دعا طلب المعیشۃ بالتمنی ..... و مجموعۃ المعانی ۳۰ والمیدانی رقم ۳۴۳۲ مع آخر ولم ارقی المراجع من نسبہ [4] قالہ العجیر السلولی و عنی بالمائح لسانہ وفی اللسان (میح) المائح بدل الناس ویعلی بدل مُعلی والدلا بدل السطوی والبیت فی المحکم (میح) و مجالس ثعلب (۲: ۴۶۲) فی تسعۃ والازمنۃ والامکنۃ (۲: ۱۵۹) وہی قصیدۃ فی الایثار انشدہا الشاعر بین یدی عبدالملک بن مروان والعجیر ہو عمیر بن عبداللہ بن عبیدۃ شاعر مقل وکان جنتیار اجع الاغانی (۱۱: ۱۴۶-۱۵۳) والخزانۃ (۲: ۳۹۹) و ابن السلام (۱۹۹-۲۰۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۵۶) وَلِیْ مَاٰرِبُ لَمْ یُؤَدِّ النَّاسُ قَبْلَهٗ
مُعَلّٰی وَاَشْطَانُ الطَّوِیِّ کَثِیْرٌ

میرے پاس اظہار مطلب کے لئے ایسا بلند قدر وسیلہ ہے جو چھوٹے مضامین بیان کرتا ہے اور گفتگو کے اسباب بہت ہیں اور قرآن میں ہے۔ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُکَّامِ (۲-۱۸۸)۔ اور نہ ان اموال کے ذریعہ رشوت دیکر حکام تک رسائی حاصل کرو۔

اَلتَّدَلِّیْ (تفعل) قریب ہونا اور اترآنا۔ قرآن میں ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی (۵۳-۸) پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔

(د م د م)

اَلدَّمْدَمَةُ (فعللۃ) ہلاک کرنا۔ اور آیت۔ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ (۹۱-۱۴)۔ کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے انہیں ہلاک کر ڈالا اور پریشان و بے چین کر دیا۔

بعض نے کہا ہے کہ دَمْدَمَةٌ (اسم صوت ہے اور) بلی کی آواز کی حکایت کو کہتے ہیں۔ اسی سے دَمْدَمَ فُلَانٌ فِیْ کَلَامِهٖ کا محاورہ ہے یعنی اس نے پریشان کن سی گفتگو کی۔ دَمَمْتُ الثَّوْبَ کپڑے کو رنگ سے طلا کرنا۔

اَلدِّمَامُ۔ ہر وہ چیز جس سے طلا کی جائے۔ بَعِیْرٌ مَدْمُوْمٌ بِالشَّحْمِ۔ بہت موٹا اور چربی والا اونٹ گویا چربی اس پر طلا کی گئی ہے۔

اَلدَّامَّاءُ وَالدُّمَمَةُ۔ جنگلی چوہے کا بل۔

اَلدَّامَاءُ (تخفیف میم) وَالدَّہْمُوْمَةُ صحراء۔ ریگستان۔

(د م ر)

اَلتَّدْمِیْرُ (تفعیل) کے معنی ہیں کسی چیز پر ہلاکت لاڈالنا۔ قرآن میں ہے: فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا (۱۷-۱۶) اور ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ (۲۶-۱۷۲) پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔

وَدَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ (۷-۱۳۷) اور فرعون اور قوم فرعون جو محل بناتے اور انگور کے باغ (جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔

اور آیت کریمہ:
دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ (۴۷-۱۰) خدا نے ان پر تباہی ڈال دی۔
میں دَمَّرَ کا مفعول محذوف ہے۔
محاورہ ہے: مَا بِالدَّارِ تَدْمُرِیٌّ یعنی گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔

(د م ع)

دَمَعَتِ (ف) الْعَیْنُ دَمْعًا وَّدَمْعَانًا آنسو جاری ہونا۔ قرآن میں ہے:۔
تَوَلَّوْا وَّاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا (۹-۹۲) تو وہ لوٹ گئے۔ اور اس غم سے ۔۔۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
معلوم ہوا کہ الدمع اسم بھی آتا ہے جس کے معنی ہیں آنسو اور (باب مذکور کا) مصدر بھی۔

(د م غ)

اَلدَّمْغُ (ف) کے اصل معنی دماغ پھوڑ دینے کے ہیں (اس سے نیست و نابود کرنے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ (۲۱-۱۸) (نہیں) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا مغز توڑ دیتا ہے۔
حُجَّةٌ دَامِغَةٌ۔ حجت قاطع۔ سر پھوڑ دلیل۔
نیز دَامِغَةٌ۔ ایک قسم کے شگوفہ کو کہتے ہیں جو کھجور کے تنا سے پھوٹ نکلتا ہے۔ اگر اسے کاٹا نہ جائے تو کھجور کے درخت کو خشک اور خراب کر دیتا ہے نیز دَامِغَةٌ اس لوہے کو بھی کہتے ہیں جو پالان کی لکڑی کے پیچھے لگا دیا جاتا ہے۔
یہ تمام الفاظ دَمَغَ سے بطور استعارہ استعمال ہوتے ہیں۔ جس کے معنی دماغ کو توڑنا کے ہیں۔

(د م ی)

اَلدَّمُ۔ خون۔ یہ اصل میں دَمَیٌ تھا یاء کو برائے تخفیف حذف کر دیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (۵-۳)۔ تم پر مردار جانور اور (بہتا) لہو ۔۔۔۔ یہ سب حرام ہیں۔
دَمٌ کی جمع دِمَاءٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ (۲-۸۴) کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا۔
دَمِيَتِ (س) الْجِرَاحَةُ۔ زخم سے خون بہنا۔
فَرَسٌ مَدْمِيٌّ۔ خون کی طرح نہایت سرخ رنگ کا گھوڑا۔
اَلدُّمْيَةُ۔ گڑیا جو خون کی مانند سرخ اور منقوش ہو۔
شَجَّةٌ دَامِيَةٌ۔ سر کا زخم جس سے خون بہہ رہا ہو۔

(د ن ر)

اَلدِّيْنَارُ۔ (اشرفی) اصل میں دِنَّارٌ تھا ایک نون کو یاء سے تبدیل کیا گیا ہے (والجمع دنانیر) بعض نے کہا ہے کہ یہ فارسی لفظ دین آر سے معرب ہے یعنی وہ جسے شریعت لے آئی ہو[1]
قرآن میں ہے:۔
مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ (۳-۷۵) کہ اگر اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو۔

(د ن و)

اَلدُّنُوُّ (ن) کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور یہ قرب ذاتی، حکمی، مکانی، زمانی اور قرب بلحاظ مرتبہ سب کو شامل ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ (۶-۹۹) اور کھجور کے گابھے میں سے قریب جھکے ہوئے خوشے کو۔
اور آیت کریمہ:۔
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (۵۳-۸)۔ پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔
میں قرب حکمی مراد ہے۔ اور لفظ ادنیٰ کبھی بمعنی اَصْغَرُ آتا ہے۔ اس صورت میں اَکْبَرُ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ (۵۸-۷) اور نہ اس سے کم نہ زیادہ۔
اور کبھی[2] اَدْنٰى بمعنی اَرْذَلُ استعمال ہوتا ہے اس وقت یہ خیر کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ (۲-۶۱) بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو۔
اور[3] کبھی بمعنی اول (نشاۃ اولیٰ) استعمال ہوتا ہے اور الآخر (نشاۃ ثانیہ) کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔

---

[1] المعرب للجوالیقی وراجع الاتقان (۱/۱۳۹) [2] والصواب فی التمثیل ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر (۳۲-۲۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ۔ (۲۲-۱۱) اس نے دنیا میں بھی نقصان اُٹھایا اور آخرت میں بھی۔

اور آیت کریمہ:۔

وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۔ (۱۶-۱۲۲) اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

اور[1] کبھی اَدْنیٰ بمعنی اقرب آتا ہے اور اقصیٰ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ (۸-۴۲) (جس وقت تم (مدینے کے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بعید کے ناکے پر۔

اَلدُّنْيَا کی جمع اَلدُّنیٰ آتی ہے جیسے اَلْكُبْرَىٰ کی جمع اَلْكُبَرُ والصُّغْرَىٰ کی جمع اَلصُّغَرُ۔

اور آیت کریمہ:۔

ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا (۵-۱۰۸) اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح شہادت ادا کریں۔

میں اَدْنیٰ بمعنی اقرب ہے یعنی یہ اقرب ہے۔ کہ شہادت ادا کرنے میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھیں۔ اور آیت کریمہ:

ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ (۳۳-۵۱) یہ (اجازت) اس لئے ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہیں (رہیں)

بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۲-۲۱۹-۲۲۰) تاکہ تم سوچو (یعنی) دنیا اور آخرت (کی باتوں) میں (غور کرو)

دنیا اور آخرت کے تمام احوال کو شامل ہے کہا جاتا ہے۔

أَدْنَيْتُ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ وَأَدْنَيْتُ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ۔ یعنی دو چیزوں کو باہم قریب کرنا یا ایک چیز کو دوسری کے قریب کرنا۔ قرآن میں ہے:۔

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (۳۳-۵۹) کہ باہر نکلا کریں تو اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔

أَدْنَتِ الْفَرَسُ۔ گھوڑی کے وضع حمل کا وقت قریب آپہنچا۔

اَلدَّنِيُّ۔ خاص کر حقیر اور رذیل آدمی کو کہا جاتا ہے اور یہ سَيِّئٌ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے:۔

هُوَ دَنِيٌّ۔ یعنی نہایت رذیل ہے۔ اور جو مروی ہے[1] (۱۲۸) إِذَا أَكَلْتُمْ فَدَنُّوا تو یہ دُونَ سے ہے یعنی جب کھانا کھاؤ تو اپنے سامنے سے کھاؤ۔

(د ھ ر)

اَلدَّهْرُ (زمانہ) اصل میں مدت عالم کو کہتے ہیں یعنی ابتداء آفرینش سے لے کر اس کے اختتام تک کا عرصہ۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ (۷۶-۱) بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے۔

میں اَلدَّهْرُ سے یہی معنی مراد ہیں پھر (مجازاً) اس سے ہر طویل مدت مراد لی جاتی ہے برخلاف لفظ "زمان" کے کہ یہ مدت قلیلہ اور کثیرہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور دَهْرُ فُلَانٍ کے معنی اس کی مدت حیاۃ کے ہیں اور جو عادت زندگی بھر باقی رہے اس پر بھی استعارۃ دَهْرٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: مَا دَهْرِي بِكَذَا۔

---

[1] وفی النہایہ دنوا، سمّوا اللہ ودنّوا وسمّتوا اقال وہو فعّلوا من دنا یدنو ومعناہ کلوا مما یلیکم وما بین یدیکم ❊ ❊ ❊ ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس کا عادی نہیں ہوں۔ اور خلیل نے حکایت کی ہے:۔ دَهَرَ فُلَانًا نَائِبَةٌ دَهْرًا۔ (یعنی فلاں پر مصیبت نازل ہوگئی) تو یہاں دَهْر کا لفظ مصدر ہے اور بعض نے دَهْدَرٌ دَهْدَرَةٌ بھی کہا ہے دَهْرٌ دَاهِرٌ وَدَهِيْرٌ زمانہ بے انتہا وقت۔ ایک حدیث میں ہے[1] (۱۲۹)

لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔ (کہ زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے) بعض نے اللہ تعالیٰ کے دَهْر ہونے کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو خیر و شر اور خوشی و ناخوشی زمانہ کی طرف منسوب ہوتی ہے اس کا فاعل حقیقی چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا جب تم زمانہ کو برا بھلا کہو گے جو تمہارے اعتقاد کے مطابق فاعل ہے۔ تو گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کو گالیاں دے رہے ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حدیث میں دَهْر ثانی دَهْر اول کا غیر ہے اور یہ مصدر بمعنی فاعل ہے یعنی فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّاهِرُ۔ اور معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کا تصرف وتدبیر اور جو کچھ رونما ہوتا ہے اس کا فیضان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے مگر معنی اول اظہر و انسب ہے۔ اور قرآن پاک نے مشرکین عرب کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔ (۴۵-۲۴) کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہے جو ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔

اس کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں دَهْرٌ سے مراد زمانہ ہی ہے۔

(د ھ ق)

اَلدَّهْقُ (ف) کے معنی لبالب بھرنے اور چھلکنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَكَأْسًا دِهَاقًا (۷۸-۳۴) اور لبالب اور چھلکتا ہوا پیالہ۔

محاورہ ہے:۔

أَدْهَقْتُ الْكَأْسَ فَدَهَقَ (میں نے پیالہ بھرا تو وہ بھر گیا) دَهَقَ لِي مِنَ الْمَالِ دَهْقَةً (اس نے مجھے بہت مال دیا) جیسا کہ قَبَضَ لِي قَبْضَةً کا محاورہ ہے۔

(د ھ م)

اَلدُّهْمَةُ۔ کے اصل معنی تورات کی سیاہی کے ہیں اور یہ لفظ گھوڑے کی سیاہی پر بولا جاتا ہے کبھی اس سے نہایت گہرا سبز رنگ مراد ہوتا ہے جیسا کہ ہلکے سیاہ رنگ کو خُضْرَةٌ سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں قسم کی رنگت قریبًا ملتی جلتی سی ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مُدْهَامَّتَانِ (۵۵-۶۴) دونوں خوب گہرے سبز۔

یہ اِدْهَامَّ اِدْهِيْمَامًا سے مُفْعَالٌّ کے وزن پر ہے۔ کسی شاعر نے رات کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے[2] (البسیط)

---

[1] اخرجہ البخاری والمسلم (دہر) والفائق ۱/۳۱۵ وانظر لتاویل الحدیث امالی المرتضیٰ (۱/۴۵-۴۶) وابن کثیر ۴: ۱۵۱؛ والطبری ۲۵/۱۵۲ بسیاق غریب جدا والحدیث باختلاف الفاظہ فی (م احمد) وابن عساکر فی معجمہ وابن النجار کلھم عن ابی ہریرۃ (راجع کنز العمال (۳: ۴۳۵) ۲/۱۲

[2] قالہ ذوالرمۃ والبیت فی اللسان (عسف، ہوم) وقد مر تخریجہ فی (خضر) ۞ ۞ ۞

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۳۷) فِیْ ظِلِّ اَخْضَرَ یَدْعُوْهَا هَامَةُ الْبُوْمُ
یعنی تاریک رات جس میں کہ بوم اپنے ہام کو بلا رہا ہوتا ہے۔

(د ھ ن)

اَلدُّهْنُ۔ تیل۔ چکناہٹ ج اَدْهَانٌ

قرآن میں ہے:۔
تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ (۲۳-۲۰)۔ جو روغن ... لئے ہوئے اُگتا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۵۵-۳۷) پھر ... تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائیگا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ دِهَان کے معنی تلچھٹ کے ہیں۔
اَلْمُدْهُنُ۔ ہر وہ برتن جس میں تیل ڈالا جائے۔
یہ اسم آلہ کے منجملہ ان اوزان کے ہے جو (بطور شواذ) مُفْعُلٌ کے وزن پر آتے ہیں اور بطور تشبیہ (پہاڑ میں) اس مقام (چھوٹے سے گڑھے) کو بھی مُدْهُنٌ کہا جاتا ہے جہاں تھوڑا سا پانی ٹھہر جاتا ہو اور دُهْنٌ سے بطور استعارہ کم دودھ والی اونٹنی کو دَهِيْنٌ کہا جاتا ہے اور یہ فعیل بمعنی فاعل کے وزن پر ہے یعنی وہ بقدر دہن کے دودھ دیتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔

گویا اسے دودھ کا دُهن لگایا گیا ہے۔ یہ بھی دودھ کے کم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ دوسرا قول اقرب الی الصحت معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے آخر میں ۃ تانیث نہیں آتی۔ (جو فعیل بمعنی مفعول ہونیکی دلیل ہے)
دَهَنَ الْمَطَرُ الْاَرْضَ۔ بارش نے زمین کو ہلکا سا نم کر دیا جیسا کہ سر پر تیل ملا جاتا ہے۔
دَهَنَهٗ بِالْعَصَا (کنایۃً) لاٹھی سے اس کی تواضع کی۔ یہ بطور تہکم کے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ مَسَحْتُهٗ بِالسَّيْفِ وَحَيَّيْتُهٗ بِالرُّمْحِ کا محاورہ ہے۔
اَلْاِدْهَانُ۔ یہ اصل میں تَدَهُّنٌ کی طرح ہے۔ لیکن یہ تصنع، نرمی برتنے اور حقیقت کا دامن ترک کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ تَقْرِيْدٌ کا لفظ جس کے اصل معنی اونٹ سے چیچڑ دور کرنا کے ہیں پھر تصنع اور نرمی برتنا کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (۵۶-۸۱)
کیا تم اسی کتاب سے انکار کرتے ہو؟
شاعر نے کہا ہے:[1] (السریع)

(۱۵۷) اَلْحَزْمُ وَالْقُوَّةُ خَيْرٌ
مِنَ الْاِدْهَانِ وَالْفَكَّةِ وَالْهَاعِ

کہ حزم و احتیاط اور قوت چاپلوسی اور جزع فزع

---

[1] قال ابو قیس بن الاسلت الانصاری (وفی روایۃ الاکثر): الکیس والقوۃ خیر من الٔ: اِشفاق والفہۃ والہاع۔ والبیت من کلمۃ مفضلیۃ ۲۳۵ فی ۲۴ بیتا وفی روایتہ الفکۃ بدل الفلۃ وفی روایۃ احمد بن عبید الفہۃ کما فی اللسان (فکک) ومعناہ الضعف والہاع سوء الحرص مع الضعف والبیت فی الحیوان (۳: ۴۴) والبیان (۱: ۲۰۴) والامالی (۲: ۲۱۲) والسمط ۳۷ والبحر (۸: ۲۰۸) وابدال ابی الطیب (۲: ۵۷۵) وفی العمدۃ (۲: ۸۰) اثنا والامثلۃ مما عیب فی المقابلۃ وابو قیس اختلف فی اسمہ ذکرہ الحافظ فی الاصابہ والراجح صیفی بن الاسلت وکان الرئیس استدام لہ الیہ فی الحرب الاخیرۃ بین الاوس والخزرج فکفی نفسہ حتی شحب وتغیر ولبث اشہر الایقرب من امرأتہ ثم انہ جاء لیلۃ فدق علی امرأتہ ففتحت لہ فاھوی الیہا بیدہ فدفعتہ وانکرتہ فقال انا ابو قیس فقالت والشاعر فتک حتی تکلمت فقال فی ذالک القصیدۃ مطلعہا: قالت ولم تقصد لقیل الخنا۔ مہلا فقد ابلغت اسماعی۔ وفیہا الشاہد واختلف فی اسلامہ راجع الاصابۃ (۱: ۸۵/۵: ۲۵۷/۴: ۲۵۲) والاغانی (۱۵: ۴۱۵) واسد الغابۃ (۱: ۱۸۴) والخزانۃ (۱۳: ۵ ۳۷۵-۳۷۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بہتر ہیں۔
دَاھَنْتُ فُلَانًا مُدَاھَنَۃً میں نے فلاں کے سامنے چاپلوسی کی۔ قرآن میں ہے:۔
وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ (۶۸-۹) کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم مداہنت سے کام لو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

(د و د)

دَاوٗد (داؤد علیہ السلام) یہ عجمی نام ہے (اور عجمہ و علمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے)

(د و ر)

اَلدَّارُ۔ منزل۔ مکان کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ چار دیواری سے گھرا ہوتا ہے۔ بعض نے دَارَۃٌ بھی کہا ہے۔ اس کی جمع دِیَارٌ ہے۔ پھر دار کا لفظ شہر، علاقہ بلکہ سارے جہان پر بولا جاتا ہے اور اَلدَّارُ الدُّنْیَا اور اَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ سے نشاۃ اولیٰ و نشاۃ ثانیہ میں دو قرارگاہوں کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے دَارُ الدُّنْیَا وَدَارُ الْاٰخِرَۃِ (باضافت) بھی کہا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
لَھُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّھِمْ۔ (۶-۱۲۷) ان کے لئے ان کے اعمال کے صلے میں پروردگار کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔
یہاں دارالسلام سے جنت مراد ہے اور دَارُ الْبَوَارِ۔ (۱۴-۲۸) ہلاکت کا گھر۔ اسے جہنم نیز فرمایا۔
قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ (۲-۹۴) کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر..... تمہارے لئے ہی مخصوص ہے۔
اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ (۲-۲۴۳)۔ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو...... اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔
وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا (۲-۲۴۶) جب کہ ہم وطن..... سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔
سَاُورِیْکُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ (۷-۱۴۵) میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔
کہا جاتا ہے مَا بِھَا دَیَّارٌ یعنی یہاں کوئی نہیں رہتا۔ یہ دَارٌ سے فَیْعَالٌ کے وزن پر ہے۔ کیونکہ اگر فَعَّالٌ کے وزن پر ہوتا تو دَیَّارٌ کی بجائے دَوَّارٌ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ (قول سے) قَوَّالٌ اور (جور سے) جَوَّارٌ ہے۔ اَلدَّائِرَۃُ۔ خط محیط (سرکل) کو کہتے ہیں یہ دَارَ یَدُوْرُ دَوَرَانًا سے ہے جس کے معنی چکر لگانا کے ہیں پھر مصیبت گردش زمانہ کو بھی دائرہ (یا دائرۃ) کہہ دیا جاتا ہے اسی مناسبت سے زمانہ کو..... الدَّوَّارِیُّ کہتے ہیں کیونکہ اس کی گردشیں بھی انسان پر گھومتی رہتی ہیں چنانچہ شاعر نے کہا[1] (الرجز)
(۱۵۸) وَالدَّھْرُ بِالْاِنْسَانِ دَوَّارِیٌّ
کہ زمانہ انسان کو گھما رہا ہے۔
اور الدولۃ و الدائرہ کا لفظ مکروہ چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل جو محبوب چیز گھوم کر آئے اسے دَوْلَۃٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] بیت من مشطورۃ الرجز للعجاج فی وصف الدہر وبعدہ: "أفنی القرون وہو قعسری" وقبلہ: "أطربًا وانت قنسری" (الرجز فی اللسان قعسر دور) والصحاح (دور) وتفسیر الطبری (۱۹: ۱۴) واراجیز العرب للسید توفیق البکری ۴۷، ومجموع اشعار العرب (۲: ۶۶) والخزانۃ (۳: ۱۱۵) وابن ہشام (۱: ۱۲) رقم ۱۲ وثلاثین ۱۹ والسیوطی ۱۸ والمرزوقی ۴: ۸۱۸ والمحکم (قعسر) ۱۲

www.KitaboSunnat.com

نَخْشٰی اَنْ تُصِیْبَنَا دَائِرَۃٌ۔ (۵-۵۲) ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے (دائرۃ کی جمع دوائر آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَائِرَ عَلَیْھِمْ دَائِرَۃُ السَّوْءِ۔ (۹-۹۸) کہ وہ تمہارے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں انہی پر بری مصیبت واقع ہو یعنی تباہی اور بربادی انہیں ہر طرف سے اس طرح گھیرلے جیسا کہ کوئی شخص دائرہ کے اندر ہوتا ہے۔ اور ان کے لئے اس بربادی سے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے

اَلدَّوَّارُ۔ ایک بت کا نام ہے جس کے گرداگرد لوگ طواف کیا کرتے تھے۔

اَلدَّارِیُ۔ یہ الدار کی طرف منسوب ہے[1] مگر عطار (عطر فروش) کے ساتھ مخصوص ہوچکا ہے جیساکہ اَلْھَالِکِیُّ کا لفظ قَیْن یعنی لوہار پر خاص کر بولا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے[1] (۱۲۹)

مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ کَمَثَلِ الدَّارِیِّ کہ نیک صحبتی کی مثال عطار کی سی ہے۔

اور جو شخص گھر کے اندر ہی جم کر بیٹھا رہے اور باہر نہ نکلے اسے بھی دَارِیٌّ کہا جاتا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ۔ (۲-۲۸۲) ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو۔

یعنی نقد اور ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو اور اس میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہو۔

(د و ل)

اَلدَّوْلَۃُ وَالدُّوْلَۃُ۔ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی گردش کرنا۔ بعض نے کہا ہے کہ دَوْلَۃٌ کا لفظ مال و زر کے گھومنے پر بولا جاتا ہے اور دُوْلَۃٌ لڑائی اور عزت وجاہ کے ادلنے بدلنے پر۔ بعض نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ دَوْلَۃٌ اسم ہے اور اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ لین دین کیا جائے اور دُوْلَۃٌ (بضم الدال) مصدر ہے یعنی لین دین کرنا قرآن میں ہے:۔

کَیْلَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

تَدَاوَلَ الْقَوْمُ کَذَا کسی چیز کو دولت [illegible] باری باری لینا۔

دَاوَلَ اللّٰہُ کَذَا بَیْنَھُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان اسے گھمایا۔

قرآن میں ہے:۔

وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ (۳-۱۴۰)

---

[1] ذکر علماء اللغۃ والغریب قولین فی ہذہ النسبۃ الاول نسبۃ الی الدار وہی علم لموضع بین البصرۃ والبحرین کما فی الیاقوت (رسم: الدار) وذکرہ ابن درید فی الملاحم وقال:۔ الدار موضع بالبحرین معروف والیہ ینسب الداری العطار والثانی انہ نسبۃ الی فرضۃ البحرین یقال لہا دارین: قال الیاقوت: والنسبۃ الیہا دَارِیٌّ والیہ ذہب ابن الاثیر فی النہایۃ (دار) والجوہری فی الصحاح (دار) وفی البلدان ہی بلدۃ فتحت فی ایام ابی بکر رضی اللہ عنہ سنۃ ۱۲ وکان علی الغزاۃ العلاء بن الحضرمی وفیہ یقول الفرزدق کَاَنَّ تریکۃ من ماء مزن۔ ودارِیُّ الذکی من المدام راجع البلدان (رسم: دارین) ۱۲ [2] وتتمۃ الحدیث ذکرہ المؤلف فی الاخوانیات من محاضراتہ (۳:۹) والزمخشری فی الفائق (۱: ۲۰۷) والنہایۃ (دار) راجع الحدیث (د، ک، عن انس) ودع والرامہرمزی، وحب فی روضۃ العقلاء عن شبل من انس وابن حبان والرامہرمزی ایضا عن ابی موسیٰ ولفظ الاکثر مثل العطار الا ان اصحاب الغریب ذکروا لفظ الداری بدل العطار راجع للمراجع کنز العمال (۹، ۵، ۵) والفتح للنبہانی ۳/۱۲۸ ومجمع البحار ۲/۵۲ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔

اَلدَّوْلُ۔ بڑی مصیبت ج اَلدَّأْلِيلُ وَالدُّوَلَاءُ۔

(د و م)

اَلدَّوَامُ۔ اصل میں دوام کے معنی سکون کے ہیں کہا جاتا ہے۔ دَامَ الْمَاءُ (پانی ٹھہر گیا) اور حدیث میں[1] (۱۳۰) اَلْمَاءُ الدَّائِمُ یعنی کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اَدَمْتُ الْقِدْرَ وَدَوَّمْتُهَا تھوڑا سا پانی ڈال کر ہانڈی کو ٹھنڈا کر دیا۔ اسی سے دَامَ الشَّيْءُ کا محاورہ ہے یعنی وہ چیز جو عرصہ دراز تک رہے قرآن میں ہے:۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (۵-۱۱۷)۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا۔

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا۔ (۳-۷۵) جب تک اس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو۔

لَنْ نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا (۵-۲۴) جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے۔

اور یہ باب دِمْتَ تَدَامُ سے آتا ہے اور بعض نے دُمْتَ تَدُوْمُ کہا ہے جیسے مُتَّ تَمُوْتُ۔

دَوَّمَتِ الشَّمْسُ فِيْ كَبِدِ السَّمَاءِ۔ وسط آسمان میں سورج ٹھہر گیا۔ شاعر نے کہا ہے[2]۔ ع

(۱۵۹) وَالشَّمْسُ حَيْرٰى لَهَا فِي الْجَوِّ تَدْوِيْمُ

سورج حیران پریشان ہو کر فضا میں ٹھہرا ہوا ہے۔

دَوَّمَ الطَّيْرُ فِي الْهَوَاءِ۔ پرند فضا میں منڈلایا۔

اِسْتَدَمْتُ الْأَمْرَ میں نے اس پر دیر تک غور و فکر کیا۔

اَلظِّلُّ الدَّوْمُ (دَائِمٌ) ہمیشہ رہنے والا سایہ۔

اَلدِّيْمَةُ۔ بارش جو لگاتار کئی روز تک برستی رہے۔

(د و ن)

اَلدُّوْنُ۔ جو کسی چیز سے قاصر اور کوتاہ ہو وہ "دُوْنٌ" کہلاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دُنُوٌّ کا مقلوب ہے۔ اور اَلْأَدْوَنُ بمعنی دَنِيٌّ آتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (۳-۱۱۸) کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کو راز دار مت بناؤ جو دیانت میں تمہارے ہم مرتبہ (یعنی مسلمان) نہیں ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جو قرابت میں تم سے نیچے ہیں یعنی تمہارا ان سے تعلق نہیں ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (۴-۴۰) اور اسکے سوا اور گناہ ...... معاف کر دے۔

میں مَادُوْنَ سے وہ گناہ مراد ہیں جو شرک سے کم درجہ ہیں یا وہ جو شرک کے علاوہ ہیں۔ اور یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں اور آیت کریمہ:۔

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ

---

[1] ولفظة الحدیث ولا یبولن احدکم فی الماء الدائم راجع تخریجہ فی کنز العمال ۹ : ۲۷۲ - ۶۱۷ - ۸۶ - ۱۷ ، وفی کتب الغریب النہایۃ (دوم) والفائق (ا : ۲۰۵) [2] قالہ ذوالرمۃ فی میمیتہ یصف جندبا الذی یصیح فی حر الشمس وادلہ : معروریا رمض الرضراض یرکضہ۔ والبیت فی اللسان (دوم) والاقتضاب ۹۵۱ والبحر (۲ : ۴۹۸) والمحاضرات للمؤلف ۵۴۹ والمعانی الکبیر ۱۱۶ ودیوانہ ۵۷۸ وابو الطیب فی اضدادہ ۲۷۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۵-۱۱۶) کیا تم نے لوگوں سے کہا
تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو۔
یہں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے معنی غَیْرُ اللّٰهِ کے ہیں
یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ہم دونوں کو معبود بنا
لو۔ بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ دو معبود جن کے
ذریعہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا جائے۔ اور آیت کریمہ:۔
لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ (۶-۵۱)
اس کے سوا نہ تو ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ
سفارش کرنے والا۔ اور نیز آیت:۔
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ
(۲-۱۰۷) اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست
اور مددگار نہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے بغیر کوئی بھی ایسا
نہیں ہے جو ان کی مدد کر سکے اور یہی معنی آیت کریمہ:۔
قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ
لَا يَضُرُّنَا (۶-۷۰) کہو کیا ہم خدا کے سوا ایسی
چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے نہ برا۔
میں مراد ہیں اور دُوْنَ میں ایک لغت دَوْنَ
(بفتح الدال) بھی ہے کہا جاتا ہے۔ دَوْنَكَ كَذَا
یعنی یہ پکڑ لو۔ قتیبی نے کہا ہے کہ دَانَ يَدُوْنُ
دُوْنًا کے معنی کمزور ہونے کے ہیں[1]۔

(د ی ن)

دِنْتُ الرَّجُلَ کے معنی قرض لینے اور
اَدَنْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اسے دائن بنادیا یعنی
قرض دیا۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ دِنْتُهٗ کے معنی
اَقْرَضْتُهٗ یعنی قرض دینا کے ہیں اور مقروض کو
مَدِيْنٌ وَمَدْيُوْنٌ کہا جاتا ہے دِنْتُهٗ کے معنی
قرض لینا بھی آتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2] ع (
(۱۶۰) نَدِيْنُ وَيَقْضِي اللّٰهُ عَنَّا وَقَدْ نَرٰى
مَصَارِعَ قَوْمٍ لَا يَدِيْنُوْنَ ضُيَّعًا
ہم قرض لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہم سے اس قرض کو
ادا کر دیتا ہے اور جو لوگ قرض نہیں لیتے ان کی
قبریں ضائع ہونے والی دیکھتے ہیں اور اَدَنْتُ
دِنْتُ کی طرح ہے یعنی اس کے معنی قرض لینا کے
ہیں اور اَدَنْتُ کے معنی قرض دینا بھی ہیں۔
اَلتَّدَايُنُ وَالْمُدَايَنَةُ۔ قرض کا معاملہ کرنا۔
قرآن میں ہے:۔
اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (۲-۲۸۲)
جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لئے قرض کا معاملہ
کرنے لگو۔
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (۴-۱۲)
(یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت و قرض۔
اَلدِّيْنُ کے معنی طاعت اور جزا کے آتے ہیں اور
بطور استعارہ دین بمعنی شریعت بھی آتا ہے۔ اور
دین ملت کی طرح ہے لیکن شریعت کی طاعت اور
فرمانبرداری کے لحاظ سے اسے دین کہا جاتا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳-۱۹) دین تو
خدا کے نزدیک اسلام ہے۔
وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ (۴-۱۲۵) اور اس شخص سے کس کا دین

---

[1] قال فی الصحاح ولا یشتق منہ فعل، وبعضہم یقول منہ، دَانَ یَدُوْنُ دَوْنًا راجع ایضا اللسان (دون) [2] فی اللسان ضُیَّع بالخفض علی الصفۃ للقوم والبیت للعجیر السلولی وقبلہ: فعد صاحب اللحام سیفا تبیعہ۔ وزد در ہما فوق المغالین واخنع۔ والبیت فی الصحاح (دین) وفی روایۃ ایضا ضُیَّعًا وقال ابن بری: صوابہ ضُیَّعٍ بالخفض علی الصفۃ (للقوم)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے۔

وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ (۴-۱۴۶) اور خالص خدا کے فرمانبردار ہو گئے۔ اور آیت کریمہ:۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ (۵-۷۷) اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔

میں آنحضرت کے دین یعنی اسلام کی اتباع پر ترغیب پائی جاتی ہے جو تمام ادیان سے معتدل دین ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے جیسے فرمایا:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (۲-۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا۔

اور آیت کریمہ:۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (۲-۲۵۶)۔ دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔

میں بعض نے دین کے معنی طاعت کئے ہیں کیونکہ طاعت حقیقت میں وہی ہے جو مبنی بر اخلاص ہو اور اخلاص کی صورت میں اکراہ و جبر کیسے ہو سکتا ہے بعض نے کہا ہے کہ عدم جبر کا حکم ان اہل کتاب کے ساتھ مختص ہے جو جزیہ ادا کریں۔ اور آیت کریمہ:۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ (۳-۸۳) کیا یہ (کافر) خدا کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟۔

میں دِیْنُ اللّٰهِ سے دین اسلام مراد ہے۔ کیونکہ (قرآن نے) دوسری آیت میں تصریح فرما دی ہے:۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ (۳-۸۵) اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور مندرجہ ذیل آیات میں بھی یہی معنی مراد ہے:۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ (۹-۳۳) وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔

وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ (۹-۲۹) اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (۴-۱۲۵) اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ (۵۶-۸۶)۔

میں غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ کے معنی غَیْرَ مَجْزِیِّیْنَ کے ہیں۔ یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں دی جائے گی۔

اَلْمَدِیْنُ وَالْمَدِیْنَةُ (ایضًا) کے معنی غلام اور لونڈی کے بھی آتے ہیں۔ ابو زید[1] نے کہا ہے کہ یہ دِیْنَ فُلَانٌ یُدَانُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی ناپسند کام پر مجبور کئے جانے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دِنْتُهٗ سے ماخوذ ہے جس کے معنی طاعت کی جزا دینے کے ہیں۔ بعض نے لفظ مَدِیْنَة (شہر) بھی اسی معنی سے لیا ہے۔

---

[1] ابوزید سعید بن اوس بن ثابت الانصاری وحد من الصحابۃ باشدید العنایۃ بجمع اللغات واللہجات توفی سنہ ۲۱۴ھ وقد قارب المائۃ کان من تلامذۃ عمرو بن العلاء و زلیزیدی کان رفیقۃ فی الدرس راجع لاحوالہ (بشد) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الذال

(ذ ء ب)

اَلذِّئْبُ۔ کے معنی بھیڑیا کے ہیں اصل میں یہ ذِئْبٌ یعنی نہموز ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ۔ (۱۲-۷) تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔
اَرْضٌ مَذْءَبَةٌ۔ بہت بھیڑیوں والی سرزمین۔
ذُئِبَ فُلَانٌ۔ در گوسپنداں وے گرگ افتاد۔
تَذَاءَبَتِ الرِّيْحُ۔ ہوا ہر طرف سے چلی۔ یہ بھیڑیئے کی آمد کے ساتھ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔
تَذَاءَبْتُ لِلنَّاقَةِ۔ اونٹنی کو بچے پر مہربان کرنے کیلئے بھیڑیئے کا روپ دھار لینا اور ہیئت کذائی میں شباہت کے پیش نظر یالان کے پہلوؤں کے درمیان کی کشادگی کو ذِئْبَةٌ کہا جاتا ہے۔

(ذ ء م)

ذَأَمَهُ يَذْءَمُهُ ذَأْمًا اور ذَمَّهُ (ن) ذَمًّا اور ذَامَهُ۔ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کسی کو حقیر اور مذموم گرداننا۔ قرآن میں ہے:۔
اُخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَدْحُوْرًا (۷-۱۸) نکل جا یہاں سے ذلیل راندے ہوئے۔

(ذ ب ب)

اَلذُّبَابُ۔ کے معنی مکھی کے ہیں اور یہ لفظ شہد کی مکھی اور بھڑ وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)

(۱۶۱) فَهٰذَا اَوَانُ الْعِرْضِ حَيٌّ ذُبَابُهٗ
زَنَابِيْرُهٗ وَالْاَزْرَقُ الْمُتَلَمِّسُ

یہ وادی کے پر رونق ہونے کا موسم ہے اس کے زنابیر اور سبز مکھیاں خوب بھن بھنا رہی ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا۔ (۲۲-۷۳) اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے۔
میں ذباب کے معنی مکھی کے ہیں۔
ذُبَابُ الْعَيْنِ۔ آنکھ کی پتلی۔ اسے ذُباب یا تو ہیئت میں تشبیہ کے لحاظ سے کہا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ آنکھ کی پتلی سے بھی مکھی کی طرح شعاعیں نکلتی ہیں۔ اور ایذا رسانی میں مکھی کے ساتھ تشبیہ دے کر تلوار کی دھار کو ذُبَابُ السَّيْفِ کہا جاتا

---

[1] قال المتلمس ولقب بہ بہذا البیت والبیت فی الحماسۃ (۲ : ۱۰۲) والخزانۃ (۳ : ۲۷۰) والاغانی (۲۱ : ۲۰) والسمط ۲۷۰ والاقتضاب ودیوانہ رقم ۵ والسیوطی ۱۷، ۱۰۴ والمختارات ۳۳ والمحکم (عرض) والحیوان (۳ : ۳۹۱) والمعانی الکبیر للقتبی وفی روایتہ وذاک بدل فہذا والمرزوقی ۶۶۲ وفی روایتہ حن ذبابہ بدل حی ذبابہ والمتلمس شاعر جاہلی اسمہ جریر بن عبد المسیح الضبعی راجع لترجمتہ السیوطی ۱۰۲-۱۰۴ والاغانی (۲۱ : ۱۲۷-۱۳۵) والخزانۃ (۱ : ۴۷۶) والشعراء (۱۳۱-۱۳۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اسی طرح موذی شخص کو بھی ذُبَابٌ کہہ دیا جاتا ہے۔

ذَبَّبَ عَنْ فُلَانٍ کسی سے مکھی کو دور ہٹانا۔

اَلْمِذَبَّۃُ: مورچھل۔ مکھیاں اڑانے کا آلہ۔

استعارہ کے طور پر ذَبٌّ کا لفظ ہر چیز کے دفع کرنے پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:۔

ذَبَبْتُ عَنْ فُلَانٍ۔ میں نے فلاں سے دور ہٹایا۔

ذُبَّ الْبَعِیْرُ اونٹ کی ناک میں مکھی داخل ہوگئی۔ یہ بھی بیماری کے دوسرے صیغوں کی طرح (جیسے زُکِمَ وغیرہ) فعل مجہول استعمال ہوتا ہے۔

بَعِیْرٌ مَذْبُوْبٌ وَذُبَّ جِسْمُہٗ۔ اونٹ دبلا ہوکر مکھی یا تلوار کی دھار کی طرح ہوگیا۔

اَلذَّبْذَبَۃُ اصل میں معلق چیز کے ہلنے کی آواز کو کہتے ہیں۔ پھر بطور استعارہ ہر قسم کی حرکت اور اضطراب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ (۴-۱۴۳) بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں۔

یعنی وہ ہمیشہ مضطرب سے رہتے ہیں کبھی مسلمانوں کی طرف جھک جاتے ہیں اور کبھی کفار کی طرف۔ شاعر نے کہا ہے (۱) (طویل)

(۱۶۲) تَرٰی کُلَّ مَلِکٍ دُوْنَھَا یَتَذَبْذَبُ

کہ اس کی سلطنت کے ورے ہر ایک سلطنت مضطرب نظر آتی ہے۔

ذَبَّبْنَا اِبِلَنَا۔ ہم نے اونٹوں کو سخت ہنکایا۔ شاعر نے کہا ہے (۲) (متقارب)

(۱۶۳) یُذَبِّبُ وَرْدٌ عَلٰی اِثْرِہٖ

کہ ورد اس کے پیچھے سخت دوڑ رہا تھا۔

(ذ ب ح)

اَلذَّبْحُ (ف) اصل میں اس کے معنی حیوانات کے حلق کو قطع کرنے کے ہیں اور ذِبْحٌ بمعنی مَذْبُوْحٌ آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ (۳۷-۱۰۷) اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً (۲-۶۷) کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو۔

ذَبَحْتُ الْفَارَۃَ۔ میں نے نافہ مشک کو چیرا۔ یہ حیوان کے ذبح کے ساتھ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح ذَبَحَ الدِّنَّ کا محاورہ ہے جس کے معنی مٹکے میں شگاف کرنے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:

یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ۔ (۲-۴۹) تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے۔

میں صیغہ تفعیل برائے تکثیر ہے یعنی وہ کثرت کے ساتھ یکے بعد دیگرے تمہارے لڑکوں کو ذبح کررہے تھے۔

سَعْدُ الذَّابِحِ (برج جدی کے ایک) ستارے کا نام ہے۔ اور سیلاب کے گڑھوں کو مَذَابِحُ کہا جاتا ہے۔

---

(۱) قالہ النابغۃ فی قصیدۃ یمدح فیہا النعمان بن المنذر واولہ: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اعطاک سورۃ وسیأتی فی (سور) (۲) وتمامہ: و ادرکہ وقع مردی خشب۔ والبیت لعنترۃ بن شداد العبسی ابوالمغلس راجع المرزوقی ۴۴۴ و فی رعایۃ المختار الجاہلی (ا: ۳۱۰) والعقد الثمین ۳۵ تذاءب بمل یذبب ومرد بدل مردی والبیت فی اللسان (خشب)، والمعانی ۱۸۲۰ ❊ ❊ ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ذ خ ر)

اَلْاِدِّخَارُ (افتعال) اصل میں اِذْتِخَارٌ تھا۔ کہا جاتا ہے۔
ذَخَرْتُهٗ وَادَّخَرْتُهٗ (مستقبل کے لئے ذخیرہ جمع کرنا) ایک روایت میں ہے[1]۔
اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَدَّخِرُ لِغَدٍ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لئے کوئی چیز جمع نہ کرتے تھے۔

www.KitaboSunnat.com

اَلْمَذَاخِرُ۔ پیٹ اور انتڑیاں جن میں طعام کا ذخیرہ جمع رہتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)
(۱۶۲) فَلَمَّا سَقَیْنَاهَا الْعَکِیْسَ تَمَلَّأَتْ
مَذَاخِرُهَا وَامْتَدَّ رَشْحًا وَرِیْدُهَا
جب ہم نے اسے عکیس یعنی شوربے میں ملا ہوا دودھ پلایا تو اس کا پیٹ بھر گیا اور رگیں پھول کر پسینہ بہنے لگا۔
اَلْاِذْخِرُ۔ ایک قسم کی خوشبودار گھاس۔

(ذ ر ر)

اَلذُّرِّیَّةُ۔ نسل۔ اولاد۔ قرآن میں ہے:۔
وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (۲-۱۲۴) اور میری اولاد میں سے بھی۔
وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ (۲-۱۲۸) اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رہیو۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (۴-۴۰) خدا کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا۔
اور کہا گیا ہے کہ ذُرِّیَّةٌ اصل میں مہموز اللام ہے اور (ذ ر ء) میں اس پر بحث آ رہی ہے۔

(ذ ر ء)

اَلذَّرْءُ کے معنی ہیں اللہ نے جس چیز کا ارادہ کیا اسے ظاہر کر دیا۔ کہا جاتا ہے۔
ذَرَأَ اللّٰهُ الْخَلْقَ۔ یعنی ان کے اشخاص کو موجود کیا قرآن میں ہے:۔
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (۷-۱۷۹) اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا (۶-۱۳۶)۔ اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں (یعنی) کھیتی اور چوپایوں میں خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔
وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یَذْرَؤُکُمْ فِیْهِ (۴۲-۱۱) اور چارپایوں کے بھی جوڑے (بنائے اور) اسی

---

[1] رواہ الترمذی عن انس مسندًا وعن ثابت مرسلًا وتاویل الحدیث ای لنفسہ فلا ینافی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحبس لاہلہ قوت سنتہم والحدیث رواہ ابن حبان فی زوائدہ رقم ۲۵۵۰، ۲۱/۳۹ قال المناوی فی شرح الجامع الصغیر اسنادہ جید وفی الترمذی غریب وراجع التحفہ ج ۳ ص ۲۷۲)

[2] وفی اللسان (مدح) قالہ الراعی ابو منصور الاسدی یصف فرسًا والصواب انہ للراعی النمیری یصف امرءۃ وہی ام خنزر بن ارقم وکان بینہ وبین خنزر ہجاء فہجاہ بکون امرءتہ تطرقہ وتطلب منہ القری ویدل علیہ ماقبلہ: فلما عرفنا انہا ام خنزر ... جنالہا الیہا وغاب مفیدہا الی آخر ما قال ثلاثۃ ابیات اللسان (مدح)، والصحاح (مدح، ذخر) وتہذیب الالفاظ ۴۰۶ مع آخر والحماسۃ لابی تمام بالتبریزی (۳: ۳۹) والمعانی للقتیبی ۳۸۷ والحکم (عکس، مدح) ومشابہ الانصاف ۱۳۷ وفی روایۃ البیت اختلاف ففی روایۃ تمدحت بدل تملأت کما فی الصحاح واللسان وخواصرہا بدل مذاخرہا وازداد بدل امتد ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریق پر تم کو پھیلا تا رہتا ہے۔

اور تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ (۱۸-۴۵) میں ایک قراءت تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ بھی ہے[1]۔

اَلذُّرْأَةُ۔ بڑھاپے یا نمک کی سفیدی۔ کہا جاتا ہے مِلْحٌ ذَرْآنِيٌّ نہایت سفید نمک[2] اور جس کے بال سفید ہو جائیں اسے رَجُلٌ اَذْرَءُ کہا جاتا ہے اس کی مؤنث ذَرْآءُ ہے۔

ذَرِئَ شَعْرُهٗ (ذَرَءَ کفرح ومنع) اس کے بال سفید ہو گئے۔

(ذ ر ع)

اَلذِّرَاعُ۔ ہاتھ (کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے آخر تک) کبھی ذِرَاعٌ کا لفظ بول کر مَذْرُوْعٌ یعنی وہ چیز بھی مراد لی جاتی ہے جس کی پیمائش کی گئی ہو۔ قرآن میں ہے:۔

فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ (۶۹-۳۲) پھر زنجیر سے جس کی ناپ ستر گز ہے جکڑ دو۔

اور ذِرَاعٌ مِّنَ الثَّوْبِ وَذِرَاعٌ مِّنَ الْاَرْضِ وغیرہ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور حیوان کے بازو کے ساتھ تشبیہ دے کر ایک ستارے کو بھی ذِرَاعُ الْاَسَدِ کہا جاتا ہے۔

ذِرَاعُ الْعَامِلِ۔ نیزے کا اگلا حصہ۔ محاورہ ہے۔ هٰذَا عَلٰى حَبْلِ ذِرَاعِكَ۔ یہ تیرے اختیار میں ہے جیسا کہ "هُوَ فِيْ كَفِّكَ" کا محاورہ ہے۔

ضَاقَ بِكَذَا ذِرَاعِيْ۔ یعنی میں اس سے عاجز ہوں[3]۔ جیسا کہ ضَاقَتْ بِهٖ يَدِيْ محاورہ ہے۔

ذَرَعْتُهٗ۔ (۱) بازو پر مارنا۔ اور ذَرَعْتُ کے معنی (۲) بازو پھیلانا بھی آتے ہیں اور اسی سے ذَرَعَ الْبَعِيْرُ فِي سَيْرِهٖ کا محاورہ ہے جس کے معنی اونٹ کے بازو پھیلا کر چلنے کے ہیں (تیز چلنا) فَرَسٌ ذَرِيْعٌ وَذَرُوْعٌ۔ کشادہ قدم گھوڑا (تیزرو) مُذَرَّعٌ (سفید بازو والا گھوڑا یا بیل) اور زِقٌّ ذِرَاعٌ کے معنی بعض کے نزدیک بڑی مشک کے ہیں اور بعض کے نزدیک چھوٹی مشک کو کہتے ہیں۔ پہلی صورت میں بازوؤں والی مشک مراد ہوگی۔ اور دوسری صورت میں بغیر بازو مشک کے یعنی جس کے بازو کاٹ دیئے گئے ہوں۔

محاورہ ہے ذَرَعَهُ الْقَيْءُ اس پر قے غالب آ گئی ذَرَعَ الْفَرَسُ۔ گھوڑے کا کشادہ قدم چلنا۔

تَذَرَّعَتِ الْمَرْأَةُ الْخُوْصَ۔ عورت کا ٹوکری وغیرہ بنانے کے لئے کھجور کی شاخوں کو کاٹنا۔

اسی سے تشبیہ کے طور پر تَذَرَّعَ فِيْ كَلَامِهٖ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کلام میں تیزی کرنے کے ہیں جیسا کہ سَفْسَفَ فِيْ كَلَامِهٖ (لغو گوئی کرنا) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ جو اصل میں سَفِيْفُ الْخُوْصِ (کھجور کے پتوں کی ٹوکری) سے ماخوذ ہے۔

(ذ ر و)

ذِرْوَةُ السَّنَامِ وَذُرَاهُ۔ کوہان کا بلند حصہ۔ اسی سے محاورہ ہے اَنَا فِيْ ذُرَاكَ میں تیری جناب میں باعزت ہوں (یعنی تیری پناہ میں ہوں) اَلْمِذْرَوَانِ سرین کے دونوں کنارے (وَلَا وَاحِدَ لَهٗ)

---

[1] قراۃ شاذۃ وفی حرف ابن مسعود تذریہ الریاح وایضاً تذریہ فہذہ ثلاث ذکرہا اصحاب التفاسیر (مراجع الطبری والشوکانی)

[2] وفی المعاجم بفتح الراء وسکونہا۔ [3] وفی التنزیل: وضاق بہم ذرعاً (۱۱-۷۷)؛ [4] والعرب بفتح الذال ای طاقتک کنکہ شہ راجع الامالی ج ۱ ص ۱۹۹

www.KitaboSunnat.com

ذَرَتْهُ الرِّيْحُ تَذْرُوْهُ وَتَذْرِيْهِ ۔ ہوا کا کسی چیز کو بکھیر دینا ۔ قرآن میں ہے:۔
وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا (۵۱-۱) بکھیرنے والیوں کی قسم جو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔
تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۔ (۱۸-۴۵) ۔ کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔
اَلذُّرِّيَّةُ کے اصل معنی چھوٹی اولاد کے ہیں مگر عرف میں مطلق اولاد پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اصل میں یہ لفظ جمع ہے مگر واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے[1]۔ قرآن میں ہے:۔
ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۔ (۳-۳۴) ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے۔
ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۔ (۱۷-۳) اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔
وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۔ (۳۶-۴۱) اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔
اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ۔ (۲-۱۲۴) میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا انہوں نے کہا کہ پروردگار میری اولاد سے بھی۔
ذُرِّيَّةٌ کے اصل میں تین اقوال ہیں۔
(۱) بعض کے نزدیک یہ ذَرَءَ اللّٰهُ الْخَلْقَ سے ہے یعنی اصل میں مہموز اللام ہے مگر کثرت استعمال کے سبب ذُرِّيَّةٌ و بَرِيَّةٌ کی طرح ہمزہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔
(۲) بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں ذُرْوِيَّةٌ بروزن فُعْلِيَّةٌ تھا اور ذَرٌّ سے مشتق ہے۔ جیسے قُمْرِيَّةٌ قُمْرٌ سے (۳) ابوالقاسم البلخی[2] کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:۔
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ (۷-۱۵۹) اور ہم نے ... جہنم کے لئے پیدا کئے۔
میں ذَرَاْنَا ذَرَيْتُ الْحِنْطَةَ سے مشتق ہے جس کے معنی گندم کو اساون کرنے کے ہیں گویا وہ اسے بھی مہموز نہیں سمجھتے[3]۔

(ذ ع ن)

اَلْاِذْعَانُ (افعال) کے معنی کسی کا مطیع اور منقاد ہو جانے کے ہیں قرآن میں ہے:۔
يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ (۲۴-۴۹) تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے۔
نَاقَةٌ مِذْعَانٌ ۔ سوار کی مطیع اور فرمانبردار اونٹنی۔

(ذ ق ن)

ذَقَنٌ ۔ ٹھوڑی۔ اس کی جمع اَذْقَانٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ ۔ (۱۸-۱۰۹) اور

---

[1] وفی اشتقاقہ اختلاف ذکرہ اصحاب المعاجم فی ذرر وفی ذرء وفی ذرو

[2] ابوالقاسم البلخی عبداللہ بن احمد الحنفی المعروف بالکعبی احد شیوخ المعتزلۃ ورأس طائفۃ منھم یقال لھم الکعبیۃ وفی الملل والنحل للشہرستانی ۱/۷۶ وکان تلمیذا لابی الحسین الخیاط المعتزلی وتذھبہ فی کشف الظنون ۱/۴۲۳ وابن الندیم ۲۵۷ انہ الف تفسیرا کبیرا فی اثنی عشر مجلدا توفی رحمہ اللہ فی سنۃ ۳۱۹ ، و۳۱۷ ، راجع لترجمۃ لسان المیزان ۳/۲۵۵ وابن خلکان ۱/۲۵۲

[3] لان المہموز معناہ یخالف الاعتزال فتجنبہ وتلوی راجع الکشاف ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں۔
ذَقَنْتُہٗ: میں نے اس کی ٹھوڑی پر مارا۔
نَاقَۃٌ ذَقُوْنٌ وہ اونٹنی جو ٹھوڑی کے سہارے پر چلتی ہو۔ پھر تشبیہ کے طور بڑے ڈول کو جو ایک جانب مائل ہو اسے بھی دَلْوٌ ذَقُوْقٌ کہہ دیتے ہیں۔[۲]

(ذ ک ر)

اَلذِّکْرُ: یہ کبھی تو اس ہیئت نفسانیہ پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے انسان اپنے علم کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ قریبًا حفظ کے ہم معنٰی ہے مگر حفظ کا لفظ احراز کے لحاظ سے بولا جاتا ہے اور ذِکْرٌ کا لفظ استحضار کے لحاظ سے۔ اور کبھی ذِکْرٌ کا لفظ دل یا زبان پر کسی چیز کے حاضر ہونے کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس بنا پر بعض نے کہا ہے کہ ذِکْرٌ دو قسم پر ہے۔ ذکر قلبی اور ذکر لسانی۔ پھر ان میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے نسیان کے بعد کسی چیز کو یاد کرنا یا بغیر نسیان کے کسی کو ہمیشہ یاد رکھنا اور ہر قول کو ذکر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ذکر لسانی کے بارے میں فرمایا:۔
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ۔ (۲۱-۱۰) ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔
وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ۔ (۲۱-۵۰) اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے۔
وَھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ (۲۱-۲۴) یہ میری اور میرے ساتھ والوں کی کتاب ہے اور جو مجھ سے پہلے (پیغمبر) ہوئے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
ءَ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا۔ (۳۸-۸) کیا ہم سب میں سے اسی پر نصیحت (کی کتاب) اتری ہے۔
میں ذکر سے مراد قرآن پاک ہے۔ نیز فرمایا:۔
صٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ۔ (۳۸-۱) ص۔ قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ ج۔ (۴۳-۴۴) اور یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے۔
میں ذکر بمعنی شرف ہے یعنی یہ قرآن تیرے اور تیری قوم کیلئے باعث شرف ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ (۱۶-۴۳) تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔
میں اہل ذکر سے اہل کتاب مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
قَدْ اَنْزَلَ اللہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا۔ رَّسُوْلًا (۶۵-۱۰-۱۱) خدا نے تمہارے پاس نصیحت (کی کتاب) اور اپنے پیغمبر (بھی بھیجے) ہیں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں اَلذِّکْرُ آنحضرت کی وصف ہے۔ جیسا کہ عیسٰیؑ کی وصف میں کَلِمَۃٌ

---

[۱] وفی الصحاح ترخی ذقنہا فی السیر وفی الاساس تمد خطامہا و تحرک رأسہا قوۃ و نشاطا فی السیر ۱۲

[۲] وفی الصحاح والمحیط اذا خرز تہا فجاءت شفتہا مائلۃ (التاج) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا لفظ وارد ہوا ہے اور آنحضرت کو اَلذِّکْر اس لحاظ سے کہا گیا ہے۔ کہ کتب سابقہ میں آپ کے متعلق خوش خبری پائی جاتی تھی۔ اس قول کی بنا پر رَسُوْلًا ذِکْرًا سے بدل واقع ہوگا۔ بعض کے نزدیک رَسُوْلًا پر نصب ذِکْرًا کی وجہ سے ہے گویا آیت یوں ہے۔ قَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا یَّا ذِکْرًا رَسُوْلًا یَّتْلُوْ جیسا کہ آیت کریمہ:۔ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا (۹۰-۱۴) میں یَتِیْمًا اِطْعَامٌ کی وجہ سے منصوب ہے اور لسیان کے بعد ذکر کے متعلق فرمایا:۔

فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَهٗ (۱۸-۶۳)۔ تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔

اور ذکر قلبی اور لسانی دونوں کے متعلق فرمایا:۔

فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (۲-۲۰۰)۔ تو (منیٰ میں) خدا کو یاد کرو جسطرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

فَاذْکُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْکُرُوْهُ کَمَا هَدٰىکُمْ (۲-۱۹۸) تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں خدا کا ذکر کرو اور اسطرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ (۲۱-۱۰۵) اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا۔

میں اَلذِّکْر سے کتب سابقہ مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (۷۶-۱) انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔

میں شَیْئًا مَّذْکُوْرًا کے معنی یہ ہیں کہ بذات خود اس کا وجود نہ تھا اگرچہ علم الٰہی میں اس وقت بھی موجود تھا۔ اور آیت کریمہ:۔

اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ (۱۹-۶۷) کیا (ایسا) انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا۔

کے معنی یہ ہیں کہ کیا حشر ونشر کے منکر کو اپنی پہلی پیدائش یاد نہیں ہے جس سے وہ دوبارہ جی اٹھنے پر استدلال کرسکتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ (۳۶-۷۹)

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ (۳۰-۲۷)

اور آیت کریمہ:۔

وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ۔ (۲۹-۳۸) اور خدا کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے۔

کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کو یاد کرنا بندے کے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے بڑھ کر ہے۔ گویا اس میں کثرت سے ذکر الٰہی کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

اَلذِّکْرٰی۔ کثرت سے ذکر الٰہی کرنا اس میں "اَلذِّکْر" سے زیادہ مبالغہ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] علی سبیل المبالغۃ او علی حذف مضاف من الاول تقدیرہ: انزل ذا ذکر رسولا (فتح القدیر ۵/۲۴۶-۲۴۷)

[2] قالہ ابو علی الفارسی لان المصدر المنون یعمل (السابق) فالمراد بالذکر القرآن راجع الطبری ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ (۳۸-۴۳) (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۵۱-۵۵) اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

اسی طرح بہت سی آیات میں ذِکْرٰی کا لفظ آیا ہے۔

اَلتَّذْكِرَةُ جس کے ذریعہ کسی چیز کو یاد دلایا جائے اور یہ دلالت اور امارت سے اعم ہے۔ قرآن میں ہے:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ (۷۴-۴۹) ان کو کیا ہوا کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (۸۰-۱۱) دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ مراد قرآن پاک ہے۔

ذَكَّرْتُهٗ كَذَا کسی کو کچھ یاد دلانا۔ قرآن میں ہے:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (۱۴-۵) اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔

اور آیت کریمہ:

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (۲-۲۸۲) تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔

کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ اسے دوبارہ یاد دلا دے۔ اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں وہ حکم لگانے میں دوسری کو ذکر بنا دے گی۔ بعض علماء نے آیت کریمہ:

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ (۲-۱۵۲) سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اور اُذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ (۲-۴۰) میرے وہ احسان یاد کرو۔ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ اُذْكُرُوْنِىْ کے مخاطب آنحضرت کے اصحاب ہیں جنہیں معرفت الٰہی میں فوقیت حاصل تھی اس لئے انہیں براہ راست اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اس کے انعامات کے ذریعہ سے پہچانتے تھے۔ اس بنا پر انہیں حکم ہوا کہ انعامات الٰہی میں غور و فکر کرتے رہو حتیٰ کہ اس ذریعہ سے تم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے۔

اَلذَّكَرُ نر یہ اُنْثٰى (مادہ) کی ضد ہے قرآن میں ہے:

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى (۳-۳۶) اور (نذر کے لئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا۔

ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ (۶-۱۴۴) کہ خدا نے (دونوں کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادہوں کو۔

ذَکَرٌ کی جمع ذُكُوْرٌ وَذُكْرَانٌ آتی ہے چنانچہ فرمایا:

ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا (۴۲-۵۰) ... بیٹے اور بیٹیاں۔

اور ذَکَرٌ کا لفظ بطور کنایہ عضو تناسل پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور جو عورت نرینہ بچہ جنے اسے مُذْكِرٌ کہا جاتا ہے مگر اَلْمِذْكَارُ وہ ہے جس کی عادت نرینہ اولاد کو جنم دینا ہو۔

نَاقَةٌ مُذْكِرَةٌ وہ اونٹنی جو عظمت جثہ میں اونٹ کے مشابہ ہو۔

سَيْفٌ ذُوْ ذُكْرٍ وَمُذْكِرٌ آبدار اور تیز تلوار۔

صارم ذُكُوْرُ الْبَقْلِ۔ وہ ترکاریاں جو لمبی اور سخت دلدار ہوں۔

(ذ ك و)

ذَكَتِ (ن) النَّارُ کے معنی آگ جلنے اور روشن ہونے کے ہیں اور ذَكَّيْتُهَا (تفعیل) کے معنی جلانے اور روشن کرنے کے۔ ذُكَاءُ سورج

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فجر کو سورج کا بیٹا تصور کر کے اسے اِبْنُ ذُکَاءَ کہا جاتا ہے اور اس کا حاجب اور دربان تصور کر کے اسے حَاجِبُ الشَّمْسِ کہہ دیتے ہیں۔
اور بطور کنایہ ذُکَاءٌ کے معنی ذہانت اور زود فہمی کے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ فُلَانٌ هُوَ شُعْلَةُ نَارٍ کا محاورہ ہے کہ فلاں آتش کا پرکالا ہے۔ ذَکَّیْتُ الشَّاةَ۔ بھیڑ ذبح کرنا۔
اصل میں تَذْکِیَةٌ (تفعیل) کے معنی حرارت غریزی خارج کرنے کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں مخصوص طریقہ سے حیاۃ زائل کرنے کو تَذْکِیَةٌ کہتے ہیں[۱]۔
اس اشتقاق کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ میت کو خَامِدٌ اور هَامِدٌ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف بجھی ہوئی آگ کو مَیِّتَةٌ کہا جاتا ہے۔
ذَکَّی الرَّجُلُ۔ جب کوئی شخص سن رسیدہ ہو کر کثرت تجارب کی بنا پر ذکاوت اور فہم سے بہرہ مند ہو جائے تو اس کے متعلق یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اس اشتقاق کے اعتبار سے صرف اسی عمر رسیدہ کو مُذَکٍّ کہا جائے گا جو کار آزمودہ اور ریاضت چشیدہ ہو اور پھر تجارب اور ریاضت عام طور پر چونکہ عمر رسیدہ آدمیوں میں پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے بارے میں ذکاوت کا لفظ استعمال ہوا تو اس مناسبت سے عمدہ اور عمر رسیدہ گھوڑوں کے متعلق بھی ذُکَاءٌ کا لفظ بولا جانے لگا چنانچہ محاورہ ہے:۔ جَرْیُ الْمُذَکِّیَاتِ غِلَابٌ۔ کہ بوڑھے گھوڑے دوڑ میں غالب رہتے ہیں[۲]۔

(ذ ل ل)

اَلذُّلُّ (ن)، یہ ذَلَّ یَذِلُّ کا مصدر ہے اور ذُلٌّ (بضمہ ذال) زور و قہر کی وجہ سے جھکنے کو کہتے ہیں مگر جب طبیعت کی تیزی اور سختی از خود مغلوب ہو جائے تو اسے ذِلٌّ (بکسرہ ذال) کہا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ:
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (۱۷-۲۴) کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سامنے مقہور و مجبور بن کر رہو۔ اور ایک قراءت میں جَنَاحَ الذِّلِّ (بکسرہ ذال) ہے[۳] یعنی ان کے سامنے نرم خو اور طاعت کیش بن کر رہا کرو۔ بغیر تاء کے ذُلٌّ اور تاء کے ساتھ ذِلَّةٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ قُلٌّ اور قِلَّةٌ ہے۔ قرآن میں ہے:
وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (۱۰-۲۷) اور ان کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی۔
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (۲-۶۱) اور (آخر کار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی۔
سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ (۷-۱۵۲) ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور ذلت (نصیب ہوگی)

---

[۱] ای فی الشرع الا ما ذکیتم ای الا ان تدرکوا ...
[۲] المثل لقیس بن زہیر العبسی یفخر بہا یوصف بالتبریز علی اقرانہ فی حلبۃ الفضل راجع المثل، اللسان (ذکی) والمیدانی رقم ۱۲۱ و جمہرۃ الامثال ۷۰۸ والمشکل للقتبی ۶۵ وسمط اللآلی ۸۳ ۵ قال الیمنی فی طرتہ ... وی غلاءٌ والمثل فی الکامل ۲۱۹ والمستقصی والثمار ۲۸۵ والعسکری ۱/۷۷، ۳۴۳ والتبریزی ۳/۲۳
[۳] وہی قراءۃ ابن عباس وعروۃ بن جبیر وغیرہما وبالضم قراءۃ الجمہور (ابو حیان ۶/۲۸ وابن الانباری ۳/۷۴) ؛ ؛ ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذَلَّتِ الدَّابَّةُ ذُلًّا۔ منہ زوری کے بعد سواری کا مطیع ہوجانا اور اس قسم کی مطیع اور منقاد سواری کو ذَلُوْلٌ (صفت فاعلی) کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ (۲-۷۱) کہ وہ بیل کام میں لگا ہوا نہ ہو۔ نہ تو زمین جوتتا ہو۔

پھر اگر انسان کی ذلت خود اس کے اپنے اختیار وارادہ سے ہو تو وہ محمود سمجھی جاتی ہے جیسا کہ قرآن نے مومنین کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (۵-۵۴) جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ (۳-۱۲۳) اور خدا نے جنگ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی اور اس وقت بھی تو تم بے سروسامان تھے۔

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا۔ (۱۶-۶۹) یعنی بغیر کسی قسم کی سرکشی کے نہایت مطیع اور منقاد ہوکر اپنے پروردگار کے صاف راستوں پر چلی جا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا۔ (۷۶-۱۴) کے معنی یہ ہیں کہ وہ گچھے اس طرح جھکے ہوئے ہوں گے کہ ان کو نہایت آسانی سے توڑ سکیں گے۔

محاورہ ہے۔ (مثل)

اَلْاُمُوْرُ تَجْرِيْ عَلٰى اَذْلَالِهَا کہ تمام امور اپنے راستوں پر اور حسب مواقع جاری ہیں۔

(ذ م م)

ذَمَّهُ (ن) ذَمًّا کے معنی مذمت کرنے کے ہیں۔ اس سے صیغہ صفت مفعولی مَذْمُوْمٌ وَذَمِيْمٌ آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ (۱۷-۱۸) نفرین شنکر اور درگاہ خدا سے راندہ ہوکر۔

اور بعض ذَمَمْتُهُ صیغہ واحد متکلم میں دوسری میم کو تاء سے بدل کر ذَمَتُّهُ[1] بھی کہہ دیتے ہیں۔

اَلذِّمَامُ۔ وہ عہد وغیرہ جس کا ضائع کرنا باعث مذمت ہو۔ یہی معنی ذِمَّةٌ وَمَذَمَّةٌ کے ہیں۔ کہا گیا ہے لِيْ مَذَمَّةٌ فَلَا تَهْتِكْهَا کہ میرے عہد یا حرمت کا پاس کیجئے توڑیئے نہیں۔

اَذْهِبْ مَذَمَّتَهُمْ بِشَيْءٍ یعنی ان کے حق احترام کا بدلہ اتار دیجئے۔

اَذَمَّ بِكَذَا۔ اس کی حرمت کو ضائع کردیا۔ تہاون سے کام لیا۔

رَجُلٌ مَذَمٌّ جس میں حرکت بہت[2] کم ہو۔ ذَمَّةٌ کم پانی والا کنواں۔ چیونٹی کے انڈوں کی طرح سفید سا مادہ جو ناک پر ظاہر ہوجاتا ہے اسے اَلذَّمِيْمُ کہا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[3]۔ (ر)

(۱۶۵) وَتَرَى الذَّمِيْمَ عَلٰى مَرَاسِنِهِمْ
يَوْمَ الْهِيَاجِ كَمَازِنِ النَّمْلِ

---

[1] ایضًا ذَمِمْتُ وَذَمَتُّ (الصحاح) [2] ھو ھجہاز کام [3] قالہ الحادرۃ الذبیانی وفی روایۃ اللسان: کمازن الجثل وفی الجمہرۃ لابن درید غب العجاج او غب الہیاج (۱۹) بدل یوم الہیاج وفی روایۃ الابدال لابی الطیب (۱: ۱۹۲) وتری الذفیق قال فی الصحاح الذمیم المخاط والبول الذی یذم ویذل من قضیب التیس الذمیم الجنا شیءٌ یخرج من مسام المارن کبیض النمل وذہب ابن درید الی ان الذمیم بہنا ہو الندی۔ راجع للبیت اللسان والتاج (جثل، ذمم، مزن) والصحاح (ذمم) و المخصص (۲: ۵۶ / ۱۴ / ۸) والاساس (رسن) ومبادی اللغۃ للاسکافی ۷۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑائی کے دن انکی ناک پر چیونٹی کے انڈوں کی طرح سفید سی پھنسیاں نظر آتی ہیں۔

(ذ ن ب)

ذَنَبُ الدَّآبَّةِ وَغَیْرِھَا۔ چوپایہ وغیرہ کی دم کو کہتے ہیں۔ پھر اس کا اطلاق کم مرتبہ اور ذلیل آدمی پر ہونے لگا ہے چنانچہ محاورہ ہے:۔ ھُمْ اَذْنَابُ الْقَوْمِ۔ یعنی وہ رذیل ہیں اور اسی سے بطور استعارہ ٹیلوں میں پانی کے راستوں کو مَذَانِبُ التِّلَاعِ کہا جاتا ہے۔ اَلْمُذَنَّبُ (البُسْر) وہ کھجور جو پچھل جانب سے پکنا شروع ہو۔

اَلذَّنُوْبُ۔ لبی دم والا گھوڑا۔ دم دار ڈول مُحَجَّلٌ کی طرح بطور استعارہ ذَنُوْبٌ کے معنی بھی نصیب اور حصہ آجاتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔ فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحَابِھِمْ۔ (۵۱-۵۹) کہ ان ظالموں کے لئے بھی (عذاب کی) نوبت مقرر ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کی نوبت مقرر تھی۔

اَلذَّنْبُ (ض) کے اصل معنی کسی چیز کی دم پکڑنا کے ہیں کہا جاتا ہے ذَنَبْتُہٗ میں نے اس کی دم پر مارا دم کے اعتبار سے ہر اس فعل کو جس کا انجام برا ہو اسے ذَنْبٌ کہہ دیتے ہیں اسی بناپر انجام کے اعتبار سے گناہ کو تَبِعَۃٌ بھی کہا جاتا ہے۔ ذَنْبٌ کی جمع ذُنُوْبٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ (۳-۱۱) تو خدا نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب (عذاب میں) پکڑ لیا تھا۔ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِہٖ (۲۹-۴۰) تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ (۳-۱۳۵) اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے۔ وَ غَیْرُ ذٰلِکَ مِنَ الْاٰیَاتِ ۞

(ذ ھ ب)

اَلذَّھَبُ۔ سونا۔ اسے ذَھَبَۃٌ بھی کہا جاتا ہے۔ رَجُلٌ ذَھِبٌ۔ جو کان کے اندر زیادہ سونا دیکھ کر ششدرہ جائے۔ شَیْءٌ مُّذَھَّبٌ (او مُذْھَبٌ) زراندودہ طلاء کی ہوئی چیز۔ کُمَیْتٌ مُّذَھَّبٌ (او مُذْھَبٌ) کمیت گھوڑا جس کی سرخی پر زردی غالب ہو۔ گویا وہ سنہری رنگ کا ہے۔

اَلذَّھَابُ (و الذُّھُوْبُ) کے معنی چلا جانے کے ہیں۔ ذَھَبَ (ف) بِالشَّیْءِ وَ اَذْھَبَہٗ۔ لے جانا۔ یہ اعیان و معانی دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (۳۷-۹۹) کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔ فَلَمَّا ذَھَبَ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ الرَّوْعُ (۱۱-۷۴) جب ابراہیمؑ سے خوف جاتا رہا۔ اور آیت کریمہ: فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرَاتٍ (۳۵-۸) تو ان لوگوں پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے۔ میں ذَھَابِ نَفْسٍ موت سے کنایہ ہے اور فرمایا:۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (۱۴-۱۹) اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کردے اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (۳۵-۳۴) وہ کہیں گے خدا کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ (۳۳-۳۳) خدا چاہتا ہے تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے۔

اور آیت:۔ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ (۴-۱۹) کے معنی یہ ہیں کہ تم ان کو اپنے گھروں میں اس لئے نہ روک رکھو کہ اس طرح مہر وغیرہ کی کچھ (رقم) ان سے واپس لو۔ اور فرمایا۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ (۸-۴۶) اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (۲-۱۷) تو خدا نے ان لوگوں کی روشنی زائل کر دی۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ (۲-۲۰) اور اگر خدا چاہتا تو ان کے کانوں (کی شنوائی) ..... کو زائل کر دیتا۔

لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ (۱۱-۱۰) تو (خوش ہو کر) کہتا ہے کہ (آہا) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔

(ذ ھ ل)

اَلذُّهُوْلُ (ف) ایسی مشغولیت جو غم و نسیان کی موجب ہو۔ کہا جاتا ہے:۔ ذَهَلَ عَنْ کَذَا۔ وہ اس سے غافل ہو گیا۔

اَذْهَلَهٗ کَذَا۔ فلاں چیز نے غافل کر دیا۔ قرآن میں ہے۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ۔ (۲۲-۲) (اے مخاطب) جس دن تو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی۔

(ذ و)

ذُوْ (والا۔ صاحب) یہ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے (۱) اول یہ کہ اسماء (اجناس و انواع) کے ساتھ توصیف کے لئے اسے ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اس صورت میں یہ اسم ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اس کا تثنیہ جمع بھی آتا ہے۔ اور مونث کے لئے ذَاتٌ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے اس کا تثنیہ ذَوَاتَا اور جمع ذَوَاتٌ آتی ہے۔ اور یہ تمام الفاظ مضاف ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ (۲-۲۵۱) لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی۔ (۵۳-۶)۔ (یعنی جبریل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے۔

وَذِی الْقُرْبٰی (۲-۸۳) اور رشتہ داروں۔

وَیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ۔ (۱۱-۳) اور ہر صاحب فضل کو اسکی بزرگی (کی داد) دیگا۔

ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی (۲-۱۷۷) رشتہ داروں اور یتیموں۔

اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (۱۱-۵) وہ تو دلوں تک کی باتوں سے آگاہ ہے۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ۔ (۱۸-۱۸) اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے ہیں۔

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَةِ تَکُوْنُ لَکُمْ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۸-۷) اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے شان وشوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے۔

ذَوَاتَا اَفْنَانٍ۔ (۵۵-۴۸) ان دونوں میں بہت سی شاخیں (یعنی قسم قسم کے میووں کے درخت ہیں۔ علمائے معانی (منطق وفلسفہ) ذات کے لفظ کو بطور استعارہ عینِ شے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور یہ جوہر اور عرض دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور پھر کبھی یہ مفرد (یعنی بدونِ اضافت کے استعمال ہوتا ہے۔ اور کبھی اسم ضمیر کی طرف مضاف ہو کر اور کبھی معرف باللام ہو کر۔ اور یہ لفظ بمنزلہ نفس اور خاصہ کے بولا جاتا ہے۔ اور نَفْسُہٗ وَخَاصَّتُہٗ کی طرح ذَاتُہٗ بھی کہا جاتا ہے۔ مگر یہ عربی زبان کے محاورات سے نہیں ہے (۲) دوم بنی طی ذُو بمعنی اَلَّذِیْ استعمال کرتے ہیں اور یہ رفعی، نصبی جری، جمع اور تانیث کی صورت میں ایک ہی حالت پر رہتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۱۶۴) وَبِئْرِیْ ذُوْحَفَرْتُ وذُوْطَوَیْتُ

یعنی کنواں جسے میں نے کھودا اور صاف کیا ہے۔

(ذ ا)

ہاں "ھذا" میں "ذا" کا لفظ اسم اشارہ ہے جو محسوس اور معقول چیز کی طرف اشارہ کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ ھٰذِہٖ وَھٰذِیْ وھَاتَا۔ ان میں سے صرف ھَاتَا کا تثنیہ ھَاتَانِ آتا ہے۔ ھٰذِہٖ اور ھٰذِیْ کا تثنیہ استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن میں ہے:۔

اَرَاَیْتَكَ ھٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ۔ (۱۷-۶۲) کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔

ھٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ (۳۸-۵۳) یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ۔۔۔۔۔ تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

ھٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ (۵۱-۱۴)۔ یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

اِنْ ھٰذَانِ لَسَاحِرَانِ (۲۰-۶۳) کہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔

ھٰذِہِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۔ (۵۲-۱۴)۔ یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے۔

ھٰذِہٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ (۵۵-۴۳) یہی وہ جہنم ہے جسے گنہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔

"ھذا" کے بالمقابل جو چیز اپنی ذات کے اعتبار سے دور ہو یا باعتبار مرتبہ بلند ہو۔ اس کے لئے ذَاكَ اور ذَالِكَ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتَابُ (۲-۲،۱) الٓمّٓ۔ یہ کتاب

ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ (۱۸-۱۷) یہ خدا کی نشانیوں میں سے ہے۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی۔ (۶-۱۳۱) یہ اس لئے کہ تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ۔۔۔۔۔۔ ہلاک کر دے۔

---

[1] قالہ سنان بن فحل الطائی حین اختصم الی عبدالرحمٰن بن الضحاک والی المدینۃ (۱۰۲-۱۰۴) ایام یزید بن عبدالملک والبیت من خمسۃ اوردھا ابوتمام فی الحماسۃ رقم ۱۹۲ المرزوقی وقد عیب بہ علی المؤلف ایرادہ فی باب الحماسۃ دراجع شرح الحماسۃ امین الدین الطبرسی) وفی اللسان (ذو ود) غیر منسوب والامالی الشجریہ (۲: ۳۰۶) والخزانۃ (۲: ۵۱۱) ۱۲ ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ماذا)

اور "مَاذَا" بھی دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ اول یہ کہ "مَا" "ذَا" کے ساتھ مل کر بمنزلہ ایک اسم کے ہو۔ دوم یہ کہ ذَا بمنزلہ اَلَّذِیْ کے ہو اور مَا بمعنی اَیُّ شَیْءٍ کے ہو۔ پہلی قسم کی مثال جیسے:۔ عَمَّاذَا تَسْأَلُ (کہ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہو) اس صورت میں چونکہ "مَا" اکیلا استفہام کے لئے نہیں ہے بلکہ "ذَا" کے ساتھ مل کر ایک اسم بنتا ہے۔ اس لئے "مَا" کے الف کو حذف نہیں کیا گیا۔ اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۱۶۷) دَعِیْ مَاذَا عَلِمْتِ سَأَتَّقِیْهِ

یعنی جو چیز تجھے معلوم ہے اسے چھوڑ دے میں اس سے بچنے کی کوشش کرونگا۔ اور آیت کریمہ:۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ (۲-۲۱۵) اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں۔

میں جو لوگ قُلِ الْعَفْوَ میں اَلْعَفْوَ کو منصوب پڑھتے ہیں۔ وہ "مَاذَا" کو بمنزلہ ایک اسم کے مانتے ہیں یعنی کونسی چیز صرف کریں مگر جن کے نزدیک "اَلْعَفْوُ" مرفوع ہے ان کے نزدیک "ذَا" بمعنی اَلَّذِیْ ہے اور مَا استفہامیہ ہے اَیْ مَا الَّذِیْ یُنْفِقُوْنَ یعنی وہ کونسی چیز ہے جسے خرچ کریں۔ اسی بنا پر آیت کریمہ:۔ مَاذَا اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (۱۶-۲۴) کہ تمہارے پروردگار نے کیا اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ (وہ تو) پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں۔ میں اَسَاطِیْرُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں[2]۔

(ذ و د)

ذُدْتُهٗ۔ (ن) عَنْ کَذَا کے معنی کسی چیز سے دفع کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ (۲۸-۲۳) اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنے مال کو) روکے کھڑی ہیں۔ یعنی اپنے ذَوْدٌ کو روکے کھڑی ہیں۔ اور ذَوْدٌ دس اونٹوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔

(ذ و ق)

اَلذَّوْقُ (ن) کے معنی چکھنے کے ہیں۔ اصل میں ذَوْقٌ کے معنی تھوڑی چیز کھانے کے ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کو زیادہ مقدار میں کھانے پر "اَکْلٌ" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ قرآن نے عذاب کے متعلق ذوق کا لفظ اختیار کیا ہے اس لئے کہ عرف میں اگرچہ یہ قلیل چیز کھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر لغوی معنی کے اعتبار سے اس میں معنی کثرت کی صلاحیت موجود ہے۔ لہٰذا معنی عموم کے پیش نظر عذاب کے لئے یہ لفظ اختیار کیا ہے۔ تاکہ قلیل وکثیر ہر قسم کے عذاب کو شامل ہوجائے قرآن میں بالعموم یہ لفظ عذاب کے

---

[1] قاله المثقب العبدی عائذ بن محصن وتمامه: ولکن بالمغیب نبئینی۔ والبیت فی الخزانة (۲: ۵۵۴) وابن ہشام (۱: ۳۲۳) والعینی (۱: ۴۸۸) والسیوطی ۶۹ قال السیوطی اورده المؤلف فی "ماذا" علی انها موصول اوجنس بمعنی ای شیء وعلمت ضبطه النحاس بکسر التاء والاخفش عن ابی اسحاق بضمها والسان (ذو) ونسبه الی ابی حیة النمیری والبحر ۲/ ۱۱۹ والکتاب اورده والزمخشری بغیر عزو ۱۲ [2] قارن المشکل للقتبی (۱۲۴-۱۲۵) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ آیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (۴-۵۶) تاکہ (ہمیشہ) عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔
وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ (۳۲-۲۰) اور ان سے کہا جائیگا کہ دوزخ کے مزے چکھو۔
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (۳-۱۰۶) اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب (کے مزے) چکھو۔
ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (۴۴-۴۹) (اب) مزہ چکھو تو بڑی عزت (والا اور) سردار ہے۔
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ (۳۷-۳۸) بے شک تم تکلیف دینے والے عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔
ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ (۸-۱۴) یہ (مزہ) تو (یہاں) چکھو۔
وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ (۳۲-۲۱) اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے۔
اور بعض مقامات پر رحمت کے ساتھ بھی آیا ہے جیسے فرمایا:۔
وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً (۱۱-۹) اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں۔
وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ (۱۱-۱۰) اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں۔
اور کبھی (بطور استعارہ) ابتلاء و اختبار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے اَذَقْتُهٗ كَذَا فَذَاقَ میں نے اسے مزہ چکھایا چنانچہ اس نے چکھ کر لیا۔ فُلَانٌ ذَاقَ كَذَا وَاَنَا اَكَلْتُهٗ (مثل) فلاں نے تو اسے چکھا ہے اور میں کھا چکا ہوں یعنی میں اس سے زیادہ باخبر ہوں۔ اور آیت کریمہ:۔
فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (۱۶-۱۱۲) تو خدا نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھایا۔
میں لباس کے ساتھ ذوق لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس سے اختبار و ابتلاء مراد ہے یعنی بھوک اور خوف سے اس طرح دوچار کیا کہ وہ ان کا تجربہ کرنے لگے بعض نے کہا ہے کہ یہاں در اصل دو جملے ہیں اور تقدیر کلام یہ ہے اَذَاقَهَا طَعْمَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ وَاَلْبَسَهَا لِبَاسَهُمَا۔ یعنی انہیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا اور ان دونوں کا لباس اوڑھا دیا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً (۴۲-۴۸) اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں۔
میں رحمۃ کے ساتھ اذاق کا لفظ استعمال ہوا ہے اور رحمۃ کے بالمقابل سیئۃ (یعنی سختی اور مصیبت) کے لئے اصاب کا لفظ آتا ہے تو لفظ اذاق لا کر تنبیہ کی ہے کہ انسان ادنیٰ سی نعمت پا کر اترا جاتا ہے اور گھمنڈ کرنے لگ جاتا ہے اس سے آیت کریمہ:۔
كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (۹۶-۶،۷) مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے جبکہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔ کے مفہوم کی طرف اشارہ ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب الرّاءِ

(ر ب ب)

اَلرَّبُّ (ن) کے اصل معنی تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو تدریجاً نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچانا کے ہیں اور رَبَّہٗ، وَرَبَّاہُ وَرَبَّبَہٗ تینوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں کسی نے کہا ہے۔ لَاَنْ یَّرُبَّنِیْ رَجُلٌ مِّنْ قُرَیْشٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّرُبَّنِیْ رَجُلٌ مِّنْ هَوَازِنَ۔ کہ کسی قریشی کا سردار ہونا مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ بنی ہوازن کا کوئی آدمی مجھ پر حکمرانی کرے۔ رَبٌّ کا لفظ اصل میں مصدر ہے اور استعارۃً بمعنی فاعل استعمال ہوتا ہے اور مطلق (یعنی اضافت اور لام تعریف سے خالی) ہونے کی صورت میں سوائے اللہ تعالیٰ کے، جو جملہ موجودات کے مصالح کا کفیل ہے، اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (۳۴-۱۵) عمدہ شہر اور (آ) آخرت میں) گناہ بخشنے والا پروردگار۔ نیز فرمایا:۔ وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا اور وہ تم سے (کبھی بھی) یہ نہیں کہے گا کہ فرشتوں اور انبیاء کرام کو خدا مانو (یعنی انہیں معبود بناؤ) اور مسبب الاسباب اور مصالح عباد کو کفیل سمجھو (۳-۸۰)

اور اضافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور دوسروں پر بھی۔ چنانچہ فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱-۱) ہر طرح کی حمد خدا ہی کو (سزاوار) ہے (جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اَللّٰہَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ۔ (۳۷-۱۲۶) یعنی اللہ کو جو تمہارا (بھی) پروردگار (ہے) اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا (بھی)

رَبُّ الدَّارِ گھر کا مالک۔ رَبُّ الْفَرَسِ گھوڑے کا مالک اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا:۔ اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ فَاَنْسٰہُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّہٖ (۱۲-۴۲) اپنے آقا سے میرا بھی تذکرہ

له قاله صفوان بن امیة، کما فی الکشاف ۱/۸ والمغازی لابن اسحاق ومن طریقة اخرجه ابن حبان فی صحیحه والبیهقی فی الدلائل و ذکر الدارقطنی فی الغرائب عن الزہری مرسلاً کما ذکرہ والصواب ان صفوان قال لکلدة بن حنبل اخیه من امه وحدیثه انه لما انہزم الناس عن الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یوم حنین وتکلم الناس فقال سفیان بن حرب لا تنتهی ہزیمتہم دون البحر وصرح کلدة بن حنبل الا بطل السحر الیوم فقال له صفوان اسکت فض اللہ فاک انظر للکلمة سیرة ابن ہشام ۴/۸۷ واللسان (ریب) والفائق ۲/ ۵۴ اما اضداد ابن السکیت ۴۰ واضداد ابن الطیب ۳۱ وفی اللسان (ریب) وکذا قال ابن عباس فی حوار لابن الزبیر لان یربنی بنو عمی احب الی من ان یربنی غیرہم یعنی ان بنی امیة خیر منک ۱۲

www.KitaboSunnat.com

کرنا۔ سو شیطان نے اس کو اپنے آقا سے تذکرہ کرنا بھلا دیا۔

اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ۔ (۱۲-۵۰) اپنے سرکار کے پاس لوٹ جاؤ۔ اور آیت :۔

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ۔ (۱۲-۲۳) (یوسف نے کہا) معاذ اللہ وہ (تمہارا شوہر) میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔

میں بعض نے کہا ہے کہ رَبِّیْ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور بعض نے عزیز مصر مراد لیا ہے۔ لیکن پہلا قول انسب معلوم ہوتا ہے[1]۔

رَبَّانِیٌّ بقول بعض یہ رَبَّانَ (صیغہ صفت) کی طرف منسوب ہے۔ لیکن عام طور پر فَعْلَان (صفت) فَعِلَ سے آتا ہے۔ جیسے عَطْشَانُ سَکْرَانُ اور فَعَلَ (فتحہ عین) سے بہت کم آتا ہے جیسے۔ نَعْسَانُ (مِنْ نَعَسَ)

بعض نے کہا ہے کہ یہ رَبٌّ (مصدر) کی طرف منسوب ہے اور رَبَّانِیٌّ وہ ہے جو علم کی پرورش کرے جیسے حکیم (یعنی جو حکمت کو فروغ دے۔) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ رَبٌّ مصدر کی طرف ہی منسوب ہے اور رَبَّانِیٌّ وہ ہے۔ جو علم سے اپنی پرورش کرے درحقیقت یہ دونوں معنی باہم متلازم ہیں کیونکہ جس نے علم کی پرورش کی تو اس نے علم کے ذریعہ اپنی ذات کی بھی تربیت کی اور جو شخص اس کے ذریعہ اپنی ذات کی تربیت کریگا وہ علم کو بھی فروغ بخشے گا۔

۲ بعض نے کہا ہے کہ یہ رَبٌّ بمعنی اللہ کی طرف منسوب ہے اور رَبَّانِیٌّ بمعنی اِلٰهِیٌّ ہے (یعنی اللہ والا) اور اس میں الف نون زائدتان ہیں جیسا کہ جِسْمٌ و لِحْیٌ کی نسبت میں جِسْمَانِیٌّ و لِحْیَانِیٌّ کہا جاتا ہے[2]۔ حضرت علیؓ کا قول ہے (۱۶۸)

اَنَا رَبَّانِیُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ میں اس امت کا عالم ربانی ہوں اس کی جمع رَبَّانِیُّوْنَ ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے :۔

لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِیُّوْنَ (۵-۶۳) انہیں ان کے رَبِّیْ (یعنی مشائخ) کیوں منع نہیں کرتے۔

کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ (۳-۷۹) (بلکہ دوسروں سے کہیگا) کہ تم خدا پرست ہو کر رہو۔

اور [3] بعض نے کہا ہے کہ رَبَّانِیٌّ اصل میں سریانی لفظ ہے اور یہی قول انسب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ عربی زبان میں یہ لفظ بہت کم پایا جاتا ہے[4] اور آیت :۔ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ (۳-۱۴۵) بہت سے اللہ والوں نے۔ میں رِبِّیٌّ بمعنی رَبَّانِیٌّ ہے[5]۔

اَلرُّبُوْبِیَّةُ وَالرَّبَّانِیَّةُ یہ دونوں مصدر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے رُبُوْبِیَّةٌ اور دوسروں کے لئے رَبَّانِیَّةٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اَلرَّبُّ (صیغہ صفت) جمع ارباب۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] والاول ہو قول الزجاج راجع فتح القدیر للشوکانی ۳/۷ ادا لفیوضات الالٰہیہ ۲/۵۴ [2] والزائدتان للمبالغۃ فی النسبۃ کمافی رقبانی ولحیانی راجع الکتاب لسیبویہ واضداد ابی الطیب ۳۰۵ [3] قال ابو عبیدۃ فی مجازہ (۱: ۹۷) لم یعرفوا ربانیین وفی العرب للجوالیقی (۱۶۱) قال ابو عبید احسن الکلمۃ لیس بعربیۃ انما ہی عبرانیۃ او سریانیۃ وذالک لان ابا عبیدۃ زعم ان العرب لا تعرف الربانیین۔ زاد ابو عبید وانما عرفہا الفقہاء واہل العلم راجع ایضا اللسان (ربی) وانظرہ فی القرطبی ۴: ۱۲۲ و غریب ابی عبید [4] فی مجاز ابی عبیدۃ : الربیون الجماعۃ الکثیرۃ والواحد منہا ربی ایضا فارن الفتح ۸/۱۵۵

www.KitaboSunnat.com

ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۱۲: ۳۹) بھلا دیکھو تو سہی کہ جدا جدا معبود اچھے یا خدائے یگانہ اور زبردست۔

اصل تو یہ تھا کہ رَبٌّ کی جمع نہ آتی۔ کیونکہ قرآن پاک میں یہ لفظ خاص کر ذات باری تعالیٰ کیلئے استعمال ہوا ہے لیکن عقیدہ کفار کے مطابق بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے اور سوائے اَرْبَابٌ کے علاوہ اس کی جمع اَرِبَّةٌ وَرُبُوبٌ بھی آتی ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے۔[1] (بسیط)

(۱۶۸) کَانَتْ اَرِبَّتُهُمْ بَهْزٌ وَغَرَّهُمْ
عَقْدُ الْجِوَارِ وَكَانُوا مَعْشَرًا غُدُدًا

ان کے ہم عہد بنی بہز تھے جنہیں عقد جوار نے مغرور کردیا اور درحقیقت وہ غدار لوگ ہیں۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے[2] (طویل)

(۱۶۹) وَكُنْتَ امْرَءًا أَفْضَتْ اِلَيْكَ رِبَابَتِي
وَقَبْلَكَ رَبَّتْنِي فَضِعْتُ رُبُوبُ

تم وہ آدمی ہو جس تک میری سرپرستی پہنچی ہے تم سے پہلے بہت سے میرے سرپرست بن چکے ہیں مگر میں ضائع ہوگیا ہوں۔ رِبَابَةٌ عہد و پیمان یا اس چیز کو کہتے ہیں جس میں قمار بازی کے تیر لپیٹ کر رکھے جاتے ہیں۔

رَابَّةٌ وہ بیوی جو پہلے شوہر سے اپنی اولاد کی تربیت کررہی ہو۔ اس کا مذکر رَابٌّ ہے۔ لیکن وہ اولاد جو پہلے شوہر سے ہو اور دوسرے شوہر کی زیر تربیت ہو یا پہلی بیوی سے ہو اور دوسری بیوی کی آغوش میں پرورش پا رہی ہو۔ اسے رَبِيبٌ یا رَبِيبَةٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع رَبَائِبُ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ (۴: ۲۳) اور تمہاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمہاری گودوں میں (پرورش پاتی) ہے۔

رَبَّبْتُ الْأَدِيمَ بِالسَّمْنِ میں نے چمڑے کو گھی لگاکر نرم کیا۔

رَبَّبْتُ الدَّوَاءَ بِالْعَسَلِ میں نے شہد سے دوا کی اصلاح کی سِقَاءٌ مَرْبُوبٌ پانی مشک جسے تیل لگاکر نرم کیا گیا ہو۔ شاعر نے کہا ہے[3] (طویل)

(۱۷۰) فَكُونِي لَهُ كَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الْأَدَمُ

تم اس کے لئے ایسی ہوجاؤ جیسے رُبٌّ لگا ہوا چمڑا گھی کے لئے ہوتا ہے۔

اَلرَّبَابُ بادل کو کہتے ہیں کیونکہ وہ نباتات کی پرورش کرتا اور اسے بڑھاتا ہے اسی معنی کے اعتبار سے مَطَرٌ کو دَرٌّ (دودھ) اور

---

[1] قاله ابو ذؤيب الهذلي و بهز بطن من سليم والبيت في اللسان (رب) والمعاني الكبير ۴۹۸ [2] قاله علقمة بن عبدة في قصيدة لمفضلية (۲: ۱۹۴) وفي۔ وانيه امانتي بدل ربابتي وربتني بتاء التانيث والبيت في منتهى الطلب (۱: ۲۹) والطبري (۱: ۴۸۳ ۱: ۲۲۷) واللسان (رب) ومختار الشعر الجاهلي (۱: ۴۲۲) والعقد الثمين ۱۰۷ وايام العرب ۵۷ وفي الهامش قال بعض مصحح اللسان قال الصاغاني والرواية "انت امرؤ" والمخاطب حارث بن نضلة ۱۲ [3] قاله عمرو بن شاس الاسدي يخاطب امرأته ام حسان ابنة الحارث وكانت تكره ابنه عرارا فطلقها ثم ندم ولام نفسه وصدره فان كنت مني او تريدين صحبتي ـ وقوله ربت له الادم اي جعل فيها الرب لئلا تفسد والادم واحدها اديم يريد الاسقية التي يجعل فيها الرب تصلح للسمن وفي رواية اسد الغابة به بدل له والبيت في الحماسة مع المرزوقي ۲۸۰ والشعراء ۳۸۹ والكامل ۱۵۴ والطبقات لجمحي ۷۶ وانظر الجزء والابيات العيني في الاغاني (۱۰: ۶۰) والامالي (۲: ۱۸۴-۱۸۵) وفي رواية ربت له الادم والتبريزي والسمط ۸۰۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادل کو تشبیہاً نَقُوْحٌ (یعنی وہ چھلیلی اونٹنی) کہا جاتا ہے جیسا کہ وہ ہے۔

اَدْیَتِ السَّحَابَۃُ بدلی متواتر برستی رہی اور اسکے اصل معنی ہیں بدلی صاحب تربیت ہوگئی اس کے بعد اس سے ٹھہرنے کا معنی لے کر یہ لفظ کسی جگہ پر مقیم ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ جیسے اَرَبَّ فُلَانٌ بِمَکَانِ کَذَا اس نے فلاں جگہ پر اقامت اختیار کی۔

رُبَّ تقلیل کے لئے آتا ہے اور کبھی تکثیر کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔ (۱۵-۲) کافر بہتیرے ہی ارمان کریں گے (کہ) اے کاش (وہ بھی) مسلمان ہوئے ہوتے۔

(ر ب ح)

اَلرِّبْحُ وہ فائدہ جو خرید و فروخت سے حاصل ہو مجازاً ثمرہ اعمال کو بھی رِبْحٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت کبھی سامان تجارت کی طرف ہوتی ہے۔ اور کبھی صاحب سامان کی طرف۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُھُمْ (۲-۱۶) سو نہ تو ان کی تجارت سود مند ہوئی۔

کسی شاعر نے کہا ہے۔ (۱)

(۱۷۱) قَرَوْا اَضْیَافَھُمْ رُبْحًا بِبُحٍّ

بعض نے کہا ہے کہ رُبَحٌ ایک پرندے کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ رُبَحٌ بمعنی چربی ہے لیکن ہمارے خیال میں رُبَحٌ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو رِبْحٌ سے حاصل ہوتی ہو جیسا کہ نقص سے جو اثر ظاہر ہوتا ہے اسے نقص کہا جاتا ہے اور بُحٌّ قرعہ اندازی یا قمار بازی کے تیر کو کہتے ہیں۔ تو شعر کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے مہمانوں کی مہمانداری سے تعریف کا بہت بڑا فائدہ حاصل کیا۔ جیسا کہ دوسرے شاعر نے کہا ہے (۲) (طویل)

(۱۷۲) فَاَوْسَعَنِیْ حَمْدًا اَوْ اَوْسَعْتُہٗ قِرًی
وَاَرْخِصْ بِحَمْدٍ کَانَ کَاسِبُہُ الْاَکْلُ

اس نے میری تعریف میں فروگذاشت نہ کی اور میں نے بھی اس کی خوب مہمان نوازی کی۔ وہ تعریف کتنی سستی ہے جو چند لقموں سے حاصل ہوجائے۔

(ر ب ص)

اَلتَّرَبُّصُ کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔ خواہ وہ انتظار سامان تجارت کی گرانی یا ارزانی کا ہو یا کسی امر کے واقع ہونے یا زائل ہونیکا انتظار ہو۔ تَرَبَّصْتُ لِکَذَا وَلِیْ رُبْصَۃٌ بِکَذَا وَتَرَبُّصٌ کسی چیز کا انتظار کرنا۔ قرآن میں ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ (۲-۲۲۸) مطلقہ عورتوں کو چاہیے کہ انتظار کریں۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ (۵۲-۳۱) ان سے کہو کہ (بہت اچھا تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا اِلَّا اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِکُمْ (۹-۵۲) (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں

---

(۱) قالہ خفان بن ندبہ وتمامہ یعیش بفضلہن انحی سمر والبیت فی اللسان والحکم والتاج (ربح، بحح) وقبلہ: اذا الحسناء لم ترحض یدیھا ولم یقصر لھا بصر لیستر (۲) البیت فی الفاضل للمبرد ۸۲ والحماسۃ رقم: ۶۳ والمرزوقی ۹۰۵ فی ثلاثۃ ابیات بلا عزو ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں سے (خواہ نخواہ) ایک نہ ایک کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں انتظار کرتے ہیں۔

(ر ب ط)

رَبْطُ الْفَرَسِ کے معنی گھوڑے کو کسی جگہ پر حفاظت کے لئے باندھ دینے کے ہیں اور اسی سے رِبَاطُ الْجَیْشِ ہے یعنی فوج کا کسی جگہ پر متعین کرنا اور وہ مقام جہاں حفاظتی دستے متعین رہتے ہوں اسے رِبَاط کہا جاتا ہے۔ اور رَبَطْتُ و رَابَطْتُ کا مصدر بھی رِبَاط آتا ہے اور مُرَابَطَۃٌ کے معنی حفاظت کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (۸-۶۰) اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھے رکھنے سے جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو مرعوب کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا (۳-۱۹۹) (ان تکلیفوں کو جو راہ خدا میں تم کو پیش آئیں) برداشت کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو اور دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔

پس معلوم ہوا کہ مُرَابَطَۃٌ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی سرحدوں پر دفاع کے لئے پہرہ دینا اور دوسرے نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنا اور اس میں کوتاہی نہ کرنا جیسے مجاہدۂ نفس کی صورت میں ہوتا ہے اور اس مجاہدۂ نفس کا ثواب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے[1] (—) مِنَ الرِّبَاطِ اِنْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی رباط ہے۔

فُلَانٌ رَابِطُ الْجَاْشِ۔ فلاں مضبوط دل ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا (۲۸-۱۰) اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کئے رہتے (تو عجب نہ تھا کہ وہ ہمارا معاملہ ظاہر کر دیتیں۔

وَلِيَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ (۸-۱۱) تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے۔

اور اسی معنی کی طرف دوسرے مقام پر اشارہ فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۵۸-۲۲) وہ خدا ہی تو تھا جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل ڈالا اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی تائید کی۔

کیونکہ ان کے دل ایسے نہیں تھے جیسے فرمایا:۔

وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ (۱۴-۴۳) اور ان کے دل (ہیں کہ) ہوا ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

اور اسی سے فُلَانٌ رَابِطُ الْجَاْشِ کا محاورہ ماخوذ ہے جس کے معنی مضبوط دل شخص کے ہیں۔

(ر ب ع)

اَرْبَعٌ وَاَرْبَعُوْنَ وَرُبْعٌ وَرِبَاعٌ ان سب کی ایک ہی اصل ہے۔ قرآن میں ہے:۔

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ (۱۸-۲۲) (اصحاب کہف) تین تھے اور چوتھا ان کے ساتھ ان کا کتا تھا۔

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ چالیس برس تک

---

[1] اخرجہ ابن حبان فی زوائدہ من حدیث جابر انظر رقم ۱۶۱ وفی روایۃ افضل الرباط انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ (شعب) وابن جریر عن ابی ہریرۃ (راجع کنز العمال ۱۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ سرزمین ان کے نصیب نہ ہوگی اور) اس بیابان میں سرگرداں رہیں گے (۵ - ۲۶)

اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً (۷ - ۱۴۲) (پوں) چالیس رات کا وعدہ پورا ہوگیا)

وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ (۴ - ۱۲) اور تم کچھ (ترکہ) چھوڑ مرو تو بیبیوں کا حصہ چوتھائی ہے۔

مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (۴ - ۳) دو دو اور تین تین اور چار چار (عورتوں سے نکاح کرلو)۔

رَبَعْتُ الْقَوْمَ (۱) میں نے قوم سے چوتھائی حصہ وصول کیا (۲) میں نے انہیں چار بنا دیا۔

رَبَعْتُ الْحَبْلَ رسی کو چار ریشوں سے بٹنا

رِبْعٌ (۱) چار دن کے پیاسے اونٹ (۲) چوتھیا بخار

اَرْبَعَ اِبِلَہٗ اونٹوں کو چوتھے روز پانی پلانا۔

رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ وَمُرْبَعٌ جسے چوتھیا بخار ہو۔

اَلْاَرْبِعَاءُ چہارشنبہ۔ کیونکہ عربی میں ہفتہ کا پہلا دن اتوار ہے۔ جسے یوم الاحد کہا جاتا ہے۔

رَبِیْعٌ موسم بہار (کیونکہ یہ سال کا چوتھا موسم ہے)، اسی سے محاورہ ہے:۔

رَبَعَ فُلَانٌ وَارْتَبَعَ۔ اس نے فلاں جگہ پر موسم بہار گذارا مجازاً کسی جگہ پر اقامت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ اقامت موسم بہار میں ہو یا کسی اور موسم میں ہو، حتیٰ کہ ہر منزل کو رَبْعٌ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے اصل معنی موسم ربیع کی اقامت گاہ کے ہیں۔

اَلرُّبَعُ وَالرِّبْعِیُّ جانور کا وہ بچہ جو موسم ربیع میں پیدا ہو اور موسم بہار جانوروں کی ولادت کے لئے چونکہ سال میں پہلا اور بہتر موسم ہے اس لئے استعارہ کے طور پر وہ بچہ جو کسی کے ہاں عالم شباب میں پیدا ہو اسے رِبْعِیٌّ کہا جاتا ہے بمثل مشہور ہے[1]۔

اَفْلَحَ مَنْ کَانَ لَہٗ رِبْعِیُّوْنَ۔ سعادت مند ہے وہ شخص جس کے ہاں عالم شباب میں اولاد ہو جائے۔

اَلْمِرْبَاعُ موسم بہار میں بچہ دینے والی اونٹنی۔

غَیْثٌ مُرْبِعٌ موسم بہار کی بارش۔

رَبَعَ الْحَجَرَ وَالْحِمْلَ پتھر یا بوجھ کو چاروں طرف سے پکڑ کر اٹھانا۔

اَلْمِرْبَعُ لکڑی جس کے ذریعہ چوپایہ پر بوجھ لادا جاتا ہے رَبِیْعَۃٌ وہ پتھر جو ورزش کے طور پر اٹھایا جاتا ہے۔

اِرْبَعْ عَلٰی ظَلْعِکَ۔ یعنی طاقت سے زیادہ کام نہ کرو یہ یا تو رَبَعَ بمعنی اِقَامَۃ سے ہے اور یا رَبْعُ الْحَجَرِ سے اَلْمِرْبَاعُ اموال غنیمت کا چوتھا حصہ جو رئیس قبیلہ وصول کیا کرتا تھا یہ رَبَعْتُ الْقَوْمَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی رُبْع وصول کرنے کے ہیں اور اسی سے استعارہ کے طور پر رِبَاعَۃ بمعنی سیادت آتا ہے۔ مشہور محاورہ ہے:۔

لَا یُقِیْمُ رِبَاعَۃَ الْقَوْمِ اِلَّا فُلَانٌ کہ قوم کی سیاست کی باگ ڈور فلاں شخص ہی سنبھال سکتا ہے۔

رَبِیْعَۃٌ (ایضاً) اصل میں خُود کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ

---

[1] وقبلہ: ان بنی صبیۃ صیفیون والشطر قد اصبح مثلاً یضرب فی الندم علی ما فات وقد تمثل بہا سلیمان بن عبدالملک وھو یجود بنفسہ الفاخر (۲:۵۷۲) والاخبار الطوال ۳۳۰ والمثل فی المیدانی (۱:۱۴) والرجز لیضانی الاصلاح ۲۶۲،۴۰۰ والحیوان (۱:۱۰۹) والاختقاق ۳۴۴،۲۰۱ والعقد (۳:۱۰۳) والمقاییس (۳:۴۷۲) والالفاظ ۳۹۲ والفائق (۲:۷۴) والمخصص (۱:۳۰) والمحکم والتناج (ربع) وجمہرۃ الامثال (۱:۴) واللسان (ربع، صیف) والشطر الثانی فی شرح الحماسۃ للمرزوقی ۱۳۴۵ والاول فی المعانی للقتبی ۳۱۱ واختلف فی اول قائلہ فقیل ہو ابو زید ۸۶ ہو اکثم بن صیفی وفی المیدانی سعد بن مالک بن ضبیعۃ وقیل بن معاویہ بن قشیر وفی محاضرات المؤلف (۲:۲۰۱) قالہ دہقان ملک من ملک العجم ونبیا الخبر وفی اللسان او اکثم بن صیفی ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے چار طبقے یا چار ٹانگیں ہوتی ہیں۔

اَلرُّبَاعِیَّتَانِ دو دانتوں کا نام۔ بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں کے درمیان چونکہ چار دانتوں کا فاصلہ ہوتا ہے اس لئے انہیں رباعیتان کہا جاتا ہے۔

اَلْیَرْبُوْعُ جنگلی چوہا کیونکہ یہ چوکھا بل بناتا ہے۔

اَرْضٌ مَرْبَعَۃٌ بہت چوہوں والی زمین جیساکہ زیادہ سوسمار والی زمین کو مَضَبَّۃٌ کہا جاتا ہے۔

(ر ب و)

رَبْوَۃٌ (مثلثۃ الراء) وَرَبَاوَۃٌ (بفتح الراء و کسرھا) بلند جگہ یا ٹیلے کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ (۲۳-۵۰) ایک اونچی جگہ پر جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب (بھی تھی)

ابوالحسن نے کہا ہے کہ رَبْوَۃٌ کا لفظ زیادہ جید ہے۔ کیونکہ اس کی جمع رُبًی آتی ہے۔ اور رَبَا فُلَانٌ فلاں اونچی جگہ پر چلا گیا۔ اور رَبْوَۃٌ کو رَابِیَۃٌ بھی کہا جاتا ہے گویا وہ خود بلندی پر ہے اور اسی سے رَبَا ہے جس کے معنی بڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ (۲۲-۵) پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ لہلانے اور ابھرنے لگتی ہے۔

فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا (۱۳-۱۷) پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آگیا۔

فَاَخَذَھُمْ اَخْذَۃً رَّابِیَۃً (۶۹-۱۰) تو خدا نے بھی انہیں بڑا سخت پکڑا۔

اَرْبٰی عَلَیْہِ کسی پر بلند ہونا یا کسی کی نگرانی کرنا۔

رَبَیْتُ الْوَلَدَ فَرَبَا میں نے بچے کی تربیت کی چنانچہ وہ بڑھ گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں رَبَّبْتُہٗ ہے۔ تخفیف کے لئے ایک باء حذف کردی گئی ہے۔ جیساکہ تَظَنَّیْتُ کہ اصل میں تَظَنَّنْتُ ہے تخفیفاً ایک نون کو یاء سے تبدیل کردیا ہے۔

اَلرِّبَا (سود) راس المال یعنی اصل سرمایہ پر جو بڑھوتی لی جائے وہ رِبٰو کہلاتی ہے۔ لیکن شریعت میں خاص قسم کی بڑھوتی پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ زیادہ ہونے کے اعتبار سے فرمایا:۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ (۳۰-۳۹) اور تم جو چیز (عطیہ) زیادہ لینے کے لئے دو تاکہ لوگوں کے اموال میں بڑھوتی ہو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھے گی۔

اور آیت:۔

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (۲-۲۷۶) اللہ سود کو بے برکت کرتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔ میں مَحْق کا لفظ لا کر اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ رِبَا یعنی سود میں برکت نہیں ہوتی اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ کے متعلق فرمایا:۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (۳۰-۳۹) اور جو تم (محض) خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہی اپنے دیئے ہوئے کو خدا کے ہاں بڑھا رہے ہیں۔

اَلْاُرْبِیَّتَانِ۔ سرینوں کے چڑھے۔

اَلرَّبْوُ سانس پھولنا۔ سانس پھول کر چڑھنا اوپر کو چڑھتا ہے اس لئے اسے رَبْوٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ سانس پھولے ہوئے آدمی کے متعلق ھُوَ یَتَنَفَّسُ الصُّعَدَاءَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور اَلرَّبِیْئَۃُ جس کے معنی جاسوس ہیں (ر ب ء) سے ہے اور اس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مادہ (ر ب د) سے اس کا کوئی تعلق نہیں -

(ر ت ع)

رَتَعَ (ف) رَتْعًا وَرُتُوعًا وَرِتَاعًا کے اصل معنی جانوروں کے چرنے کے ہیں۔ پھر استعارہ کے طور پر انسانوں کے جی بھر کر کھانے پینے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :-
يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ (۱۲-۱۲) کہ (جنگل کی پھل پھلاری) کھائے پئے اور کھیلے (کودے)
اور تشبیہ کے طور پر (بدگوئی کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ) شاعر نے کہا ہے (رمل)
(۱۷۸) وَإِذَا خَلَوْا لَهُ لَحْمِي رَتَعْ
جب تنہائی میں اس کے پاس ہوتے ہیں تو میرا گوشت کھانے لگ جاتا ہے یعنی غیبت کرتا ہے۔
مویشی کے لئے (رَاتِع کی جمع رِتَاعٌ آتی ہے اور انسان کے لئے رَاتِعُونَ -

(ر ت ق)

اَلرَّتْقُ۔ اس کے اصل معنی جوڑنا اور ملانا کے ہیں خواہ خلقی طور پر ہو یا صناعی طریقہ سے۔ قرآن میں ہے:-
كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (۲۱-۳۰) (کہ آسمان و زمین) دونوں ایک ہیولیٰ تھے تو ہم نے (اس کو توڑ کر) زمین و آسمان کو الگ الگ کیا۔
رَتْقَاءُ وہ عورت جس کی شرمگاہ کے دونوں کنارے باہم چسپیدہ ہوں اور اس سے ہم بستری نہ ہوسکے مشہور محاورہ ہے -
فُلَانٌ رَاتِقٌ وَفَاتِقٌ فِي كَذَا (مثل) فلاں اس معاملہ میں کرتا دھرتا ہے -

(ر ت ل)

اَلرَّتَلُ کسی چیز کا حسن تناسب کے ساتھ منتظم اور مرتب ہونا رَجُلٌ رَتِلُ الْاَسْنَانِ آدمی جس کے دانت آبدار اور حسن ترتیب کے ساتھ ہوں اور تَرْتِيلٌ کے معنی سہولت اور حسن تناسب کے ساتھ کسی کلمہ کو ادا کرنے کے ہیں -
قرآن میں ہے :-
وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (۷۳-۴) اور تم قرآن کو خوب حسن ترتیب سے پڑھا کرو -
وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (۲۵-۳۲) اور ہم نے اسے نہایت عمدہ ترتیب اور تناسب کے ساتھ اتارا -

(ر ج ج)

اَلرَّجُّ (ن) اس کے معنی کسی چیز کو ہلانے اور جنبش دینے کے ہیں اور اِرْتِجَاجٌ (افتعال) اس کا مطاوع ہے جس کے معنی ہلنے اور مضطرب ہونے کے ہیں۔ جیسے : رَجَّهُ فَارْتَجَّ. اسے ہلایا چنانچہ وہ ہلنے لگا۔ قرآن میں ہے :
إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا (۵۶-۴) (اور قیامت اس وقت واقع ہوگی) جب کہ زمین بڑے زور سے ہلنے لگے گی -
اسی کو دوسرے مقام پر:- إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ - الآیۃ (جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی (۹۹-۱) سے تعبیر کیا ہے -
اَلرَّجْرَجَةُ اضطراب - كَتِيبَةٌ رَجْرَاجَةٌ لشکر جرار

له منقید القافیۃ قالہ سوید بن کاہل الیشکری فی کلمۃ مفضلیۃ ۸۸ ابیتا بعضہا فی الامالی (۱:۱۰۱/۲:۲/۱۹) وصدرہ : ویحیینی اذا لاقیتہ والبیت فی اللسان (رتع) والشعراء ۲۵ وا لخزانۃ (۱:۷۴ ۵) وشواہد الکشاف ۲۷ وفی روایۃ اذ یخلو بسل خلوا وحبیب لی بسل (تحیین) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جَارِیَۃٌ رَجْرَاجَۃٌ تھرتھرا کر چلنے والی چھوکری
اِرْتَجَّ کَلَامُہٗ کلام کرتے وقت آواز میں گونج اور لہر پیدا ہونا۔
رِجْرِجَۃٌ تھوڑا سا پانی جو ہلانے سے گدلا ہو جائے

(ر ج ز)

اَلرِّجْزُ اس کے اصل معنی اضطراب کے ہیں اور اسی سے رَجْزُ الْبَعِیْرِ ہے جس کے معنی ضعف کے سبب چلتے وقت اونٹ کی ٹانگوں کے کپکپانے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے کے ہیں ایسے اونٹ کو اَرْجَزُ اور ناقہ کو رَجْزَاءُ کہا جاتا ہے اور شعر کے ایک بحر کا نام بھی رَجَزٌ ہے جس میں شعر پڑھنے سے زبان میں اضطراب سا معلوم ہوتا ہے اور جو قصیدہ اس بحر میں کہا جائے اسے اُرْجُوْزَۃٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع اَرَاجِیْزُ آتی ہے اور رَجَزَ فُلَانٌ وَ اَرْتَجَزَ کے معنی بحر رجز پر شعر بنانے یا اُرْجُوْزَہ پڑھنے کے ہیں اور رجز گو شاعر کو راجِزٌ، رَجَّازٌ اور رَجَّازَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت:۔

عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ۔ (۳۴-۵) (ان کیلئے) عذاب دردناک کی سزا ہے۔ یہں لفظ رِجْز زلزلہ کی طرح عذاب سے کنایہ ہے۔ اور فرمایا:۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (۲۹-۳۴) ہم ان پر ایک آسمانی آفت نازل کرنے والے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ۔ (۷۴-۵) اور نجاست سے الگ رہو۔

میں بعض نے کہا ہے کہ رُجْزٌ سے بت مراد ہیں۔ بعض نے اس سے ہر وہ عمل مراد لیا ہے جس کا نتیجہ عذاب ہو اور گناہ کو بھی مآل کے لحاظ سے عذاب کہا جاسکتا ہے۔ جیسے ندی یعنی شحم آجاتا ہے اور آیت:۔

وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ وَیُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ۔ (۸-۱۱) اور آسمان سے تم پر پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ سے تم کو پاک کرے اور شیطانی گندگی کو تم سے دور کرے۔

میں رِجْزَ الشیطان سے مراد خواہشات نفسانی ہیں جیسا کہ اس کے محل میں بیان کیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے کفر بہتان طرازی فساد انگیزی وغیرہا گناہ مراد ہیں جن کی کہ شیطان ترغیب دیتا ہے۔

رِجَازَۃٌ وہ کمبل جس میں پتھر وغیرہ باندھ کر اونٹ کے ہودہ ...... کا توازن قائم رکھنے کیلئے ایک طرف باندھ دیتے ہیں اس میں بھی حرکت و اضطراب کے معنی ملحوظ ہیں۔

(ر ج س)

اَلرِّجْسُ پلید، ناپاک، جمع اَرْجَاسٌ کہا جاتا ہے۔ رَجُلٌ رِجْسٌ ناپاک آدمی وَرِجَالٌ اَرْجَاسٌ۔ قرآن میں ہے:۔

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (۵-۹۰) (تو یہ) ناپاک اور شیطانی کام ہیں۔

جاننا چاہیے کہ رِجْسٌ چار قسم پر ہے (۱) صرف طبیعت کے لحاظ سے (۲) صرف عقل کی جہت سے (۳) صرف شریعت کی رو سے (۴) ہر سہ کی رو سے جیسے میتہ (مردار) سے انسان کو طبعی نفرت بھی ہے اور عقل و شریعت کی رو سے بھی ناپاک ہے رجس شرعی جیسے جوا اور شراب ہے کہ شریعت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے انہیں رجس قرار دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ چیزیں عقل کی رو سے بھی رجس ہیں چنانچہ آیت کریمہ: وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (۲-۲۱۹) دیگر فائدہ سے ان کا گناہ (اور نقصان) بڑھ کر ہے۔ میں اسی معنی پر تنبیہ کی ہے کیونکہ جس چیز کا نقصان اس کے نفع پر غالب ہو ضروری ہے کہ عقل سلیم اس سے مجتنب رہنے کا حکم دے اسی طرح کفار کو رجس قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں اور شرک عند العقل قبیح ترین چیز ہے جیسے فرمایا: فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ رِجْسٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ (۹-۱۲۵) اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو اس (سورت) نے ان کی (پہلی) خباثت پر ایک اور خباثت بڑھادی۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ۔ (۱۰-۱۰۰) اور خدا (شرک وکفر کی) نجاست انہیں لوگوں پر ڈالتا ہے جو دلائل وحدانیت میں عقل کو کام میں نہیں لاتے۔

بعض نے رِجْسٌ سے نتن (بدبو دار) اور بعض نے عذاب مراد لیا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت:۔ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (۹-۲۸) مشرک تو (نرے) گندے ہیں۔

میں مشرکین کو اور آیت کریمہ:۔ أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ (۶-۱۴۵) یا سور کا گوشت کہ یہ چیزیں بیشک ناپاک ہیں۔ میں خنزیر کے گوشت کو رجس کہا گیا ہے یعنی شرعاً ناپاک ہو امر و یہ رِجْسٌ وَرَجْزٌ سخت آواز بعیر۔ بَعِيرٌ رَجَّاسٌ مست اونٹ۔ غَمَامٌ رَاجِسٌ وَرَجَّاسٌ بہت گرجنے والا بادل۔

(ر ج ع)

اَلرُّجُوْعُ اس کے اصل معنی کسی چیز کے اپنے میدا حقیقی یا تقدیری کی طرف لوٹنے کے ہیں خواہ وہ کوئی مکان ہو یا فعل ہو یا قول اور خواہ وہ رجوع بذاتہ ہو یا باعتبار جزء کے اور یا باعتبار فعل کے ہو، الغرض رجوع کے معنی عود کرنے اور لوٹنے کے ہیں اور رَجْعٌ کے معنی لوٹانے کے اور رَجْعَةٌ کا لفظ طلاق کے بعد رجوع کرنے یا موت کے بعد دنیا کی طرف لوٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے[1]:۔ فُلَانٌ يُؤْمِنُ بِالرَّجْعَةِ فلاں رجعت پر ایمان رکھتا ہے اور رِجَاعٌ کا لفظ خاص کر پرند کے اپنی جماعت سے علیحدہ ہونے کے بعد واپس اس طرف لوٹ آنے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ رجوع کے معنی میں فرمایا:۔

لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ (۶۳-۸) (اور منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے۔

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَى أَبِيهِمْ (۱۲-۶۳) تو جب (یہ لوگ) اپنے والد کے پاس لوٹ کر گئے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ (۷-۱۵۰) اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے۔

وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا (۲۴-۲۸) اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ آؤ تو (بے تامل) لوٹ آؤ۔ رَجَعْتُ عَنْ كَذَا میں نے فلاں بات سے رجوع کر لیا۔ رَجَعْتُ الْجَوَابَ (متعدی) جواب دینا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ (۹-۸۳) اگر خدا تم کو (جہاد پر سے) ان منافقوں کے (کسی گروہ

---

[1] قال في اللسان ومن جملتهم طائفة من الرافضة يقولون ان علي بن ابي طالب مستتر في السحاب فلا يخرج مع من خرج من ولده حتى ينادي مناد من السماء اخرج مع فلان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف (صحیح وسلامت) لوٹا کرلے جائے۔

اِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ۔ (۱۱-۴) تم (سب) کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى۔ (۹۶-۸) بے شک (ان سب کو) تمہارے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ۔ (۱۰-۴) اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

مَرْجِعُ رُجُوْعٌ سے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ آیت:۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲-۲۸) پھر اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

میں ہے اور رَجْعٌ (متعدی) سے بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ایک قراءت ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲-۲۸) پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

بھی ہے اور آیت کریمہ:۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللهِ۔ (۲-۲۸۱) اور (دیکھو) اس دن (کی پرسش) سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور میں لوٹائے جاؤ گے۔

میں ایک قراءت تَرْجِعُوْنَ (بصیغہ معروف) بھی ہے۔ اور آیت:۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۳۲-۲۱) کہ (اب بھی) یہ لوگ باز آجائیں۔

میں رُجُوْعٌ عَنِ الذَّنْبِ یعنی گناہ سے باز آجانا مراد ہے۔ اسی طرح آیت:۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۲۱-۹۵) کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے کہ توبہ کرکے شرک وکفر یا گناہوں سے باز آجائیں کیونکہ مرنے کے بعد توبہ نہیں ہے اسی بنا پر منافقین کو استہزا کے طور پر کہا جائیگا۔

اِرْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا۔ (۵۷-۱۳) (الآیۃ) تو (ان سے کہا جائیگا) کہ (نہیں) اپنے پیچھے (یعنی دنیا) کی طرف لوٹ جاؤ اور (وہاں) کوئی اور روشنی تلاش کرو۔

(یعنی توبہ کرکے ایمان لاؤ جو اس روشنی کا سبب ہے۔ اور آیت:۔

بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (۲۷-۳۵) کہ ایلچی کیا لے کر آتے ہیں۔

میں يَرْجِعُ رجوع سے بھی ہوسکتا ہے اور رَجْعُ الْجَوَابِ سے بھی جیسا کہ فرمایا:۔

يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ نِ الْقَوْلَ۔ (۳۴-۳۱) اور ایک کی بات ایک رد کر رہا ہوگا۔

اور آیت کریمہ:۔

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ (۲۷-۲۸) پھر ان سے (الگ) ہٹ جا۔ اور دیکھتا رہ کہ لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

میں يَرْجِعُوْنَ رَجْعُ الْجَوَابِ سے ہے نہ کہ رجوع سے اور آیت:۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۸۶-۱۱) (اور بارش برسانے والے آسمان کی قسم۔

میں رَجْعٌ کے معنی بارش کے ہیں اور بارش کو رَجْعٌ اس لئے کہا گیا ہے کہ اولاً سمندروں سے بخارات بن کر پانی اوپر چلا جاتا ہے اور پھر ہوا، بارش کی صورت میں انہیں زمین پر واپس لے آتی ہے اور تالاب کو بھی رَجْعٌ کہا جاتا ہے یا تو اس لئے کہ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ اس کی لہروں میں تلاطم ہوتا رہتا ہے محاورہ ہے:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَيْسَ لِكَلَامِهٖ مَرْجُوْعٌ اس کی بات کا جواب نہیں۔
دَابَّةٌ لَهَا مَرْجُوْعٌ۔ وہ جانور جسے استعمال کے بعد بیچنا ممکن ہو۔
نَاقَةٌ رَاجِعٌ اونٹنی جو جفتی سے حاملہ نہ ہو گویا وہ نر کے نطفہ کو واپس لوٹا دیتی ہے۔
اَرْجَعَ يَدَهٗ اِلٰى سَيْفِهٖ۔ اس نے تلوار سونتنے کے لئے ہاتھ کو واپس لوٹایا۔
اَلْاِرْتِجَاعُ (افتعال) واپس لے لینا۔ اِرْتَجَعَ اِبِلًا۔ نر شتر بیچ کر ان کے عوض مادہ شتر خریدنا۔ اس میں اگرچہ بعینہٖ پہلی چیز کو لوٹانے کے معنی نہیں پائے جاتے لیکن تقدیراً واپس لوٹانے کے معنی ملحوظ ہیں۔
اِسْتَرْجَعَ فُلَانٌ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہا۔
اَلتَّرْجِيْعُ (۱) غنا یا قرأت کے وقت آواز کو حلق میں لوٹانا۔ (۲) کوئی بات دوبارہ کہنا۔ اسی سے ترجیع فی الاذان ہے جس کے معنی اذان میں شہادتین کو ایک مرتبہ پست آواز سے کہنے کے بعد دوبارہ بلند آواز سے کہنے کے ہیں۔
اَلرَّجِيْعُ (۱) انسان یا چوپایہ کا فضلہ۔ اسے اگر رجوع سے مانا جائے تو فعیل بمعنی فاعل ہوگا۔ اور اگر رَجْعٌ (متعدی) سے مانا جائے تو فعیل بمعنی مفعول ہوگا۔
جُبَّةٌ رَجِيْعٌ۔ وہ جبہ جسے ادھیڑ کر دوبارہ سلا گیا ہو۔
(۲) نیز رجیع اس سواری کو کہتے ہیں جو ایک سفر سے واپس آنے کے بعد متصل ہی دوسرے سفر پر چل جائے اس کی مؤنث رَجِيْعَةٌ ہے اور کنایۃً کثرت اسفار کی وجہ سے لاغر او دبلی سواری کو بھی دَابَّةٌ رَجِيْعٌ و رَجْعُ سَفَرٍ کہہ دیتے ہیں۔
(۳) نیز مکرر کلام کو بھی رَجِيْعٌ کہا جاتا ہے اور (۴) وہ کلام جو بوجہ کراہت متکلم کی طرف لوٹا دی جائے اسے بھی رَجِيْعٌ ہی کہا جاتا ہے۔

(ر ج ف)

اَلرَّجْفُ (ن) اضطراب شدید کو کہتے ہیں اور رَجَفَتِ الْاَرْضُ اَوِ الْبَحْرُ کے معنی زمین یا سمندر میں زلزلہ آنا کے ہیں۔ بَحْرٌ رَجَّافٌ متلاطم سمندر۔ قرآن میں ہے:۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ (۷۳-۱۴) جب کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ۔ (۷۹-۶) جب کہ زمین لرز جائے گی۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (۷-۷۸) پس ان کو زلزلے نے پالیا۔
اَلْاِرْجَافُ (افعال) کوئی جھوٹی افواہ پھیلا کر یا کسی کام کے ذریعہ اضطراب پھیلانا کے ہیں قرآن میں ہے: وَالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ (۳۳-۶۰) اور جو لوگ مدینے میں جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے[1]۔ اَلْاَرَاجِيْفُ مَلَاقِيْحُ الْفِتَنِ کہ جھوٹی افواہیں فتنوں کی جڑ ہیں۔

(ر ج ل)

اَلرَّجُلُ۔ کے معنی مرد کے ہیں اس بنا پر قرآن میں ہے: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) اگر ہم (رسول کا مددگار) کوئی فرشتہ بناتے تو اس کو بھی آدمی ہی بناتے۔
رَجُلَةٌ۔ عورت جو مردسی وضع اختیار کرلے۔ شاعر نے کہا ہے[2]۔

(۱۷۵) "لَمْ يُبَالُوْا حُرْمَةَ الرَّجُلَةِ"

---

[1] راجع للمثل المعاجم وفي الميداني ۱ : ۱۲ [2] لم اجد قائلہ واولہ: خرقوا جيب فتاتهم. والبيت فی اللسان (رجل) والكامل ۱ : ۲۴۱ يتفسير الطبري (۸ : ۱۴۶) والبحر (۲ : ۱۷۴) وفي المطبوع لم ينالوا مصحف وقبله: كل جار ظل مغتبطا. غير جيران بني جبلة. والبيت ايضا في امالى ابن الشجري (۲ : ۲۸۷) واعراب ثلاثين لابن خالويه ۴۴ وفي روايته صولة بدل حرمة والاعجاز للباقلاني

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس مرد نما عورت کی حرمت کی پرواہ نہ کی۔
اور رَجُلٌ کے معنی مردِ کامل بھی آتے ہیں جس میں مردانگی کے جوہر نمایاں ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَجَاءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى۔ (۳۶-۲۰) اور شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا آیا۔
رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ فرعون کے لوگوں میں سے ایک مرد مومن یعنی جو قوی اور بہادر تھا یہ ماجرا سن کر بولا) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔ کہ کیا تم (صرف اتنی بات پر) ایک شخص کے قتل کے درپے ہو کہ وہ خدا ہی کو اپنا پروردگار بتاتا ہے۔
محاورہ ہے:۔ هُوَ اَرْجَلُ الرَّجُلَيْنِ کہ وہ دونوں میں زیادہ جوانمرد ہے۔
اَلرِّجْلُ۔ پاؤں۔ اس کی جمع اَرْجُلٌ آتی ہے۔
قرآن میں ہے:۔
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (۵-۶) اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔
رَاجِلٌ و رَجِلٌ۔ پا پیادہ چلنے والا۔ یہ بھی الرجل بمعنی پاؤں سے مشتق ہے اور راجل کی جمع رِجَالَۃ اور رَجْلٌ آتی ہے جیسے رَكْبٌ جو کہ رَاكِبٌ کی جمع ہے اور رَاجِلٌ کی جمع رِجَالٌ بھی آجاتی ہے جیسے رَاكِبٌ وَرُكَابٌ۔
اور رَجِلٌ رَاجِلٌ اسے کہتے ہیں جو چلنے پر قدرت رکھتا ہو اس کی جمع رِجَالٌ آجاتی ہے قرآن میں ہے۔
فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا۔ (۲-۲۳۹) تو پاؤں پیدل یا سوار۔
اسی طرح رَجِيْلٌ وَ ذُوْ رُجْلَۃٍ کے معنی بھی بہت زیادہ پا پیادہ چلنے والے شخص کے ہیں۔

حَرَّةٌ رَجْلَاءُ۔ جس میں صعوبت سے چلا جائے
اَلْاَرْجَلُ۔ سفید پاؤں والا گھوڑا۔ بڑے پاؤں والا۔ رَجَلْتُ الشَّاةَ میں نے بکری کو پاؤں سے باندھ کر لٹکا دیا۔ اور بطور استعارہ رِجْلٌ کے معنی (۱) ٹڈی دل اور دریا نی بہنے کا راستہ بھی آجاتے ہیں اس کا واحد رِجْلَۃٌ ہے اور سَيْلُ الْمَاءِ کو رِجْلٌ کہنا ایسے ہی ہے جیسا کہ اسے مذانب کہہ دیتے ہیں۔ رِجْلَۃٌ۔ بقلۃ الحمقاء کیونکہ وہ بھی عموماً راستہ میں اگتا ہے۔
اور کسی شخص کے عہد حکومت کو بھی رِجْل کہہ دیتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے۔ كَانَ ذٰلِكَ عَلٰى رِجْلِ فُلَانٍ (کہ فلاں کے عہد حکومت میں تھا) جیسا کہ عَلٰى رَأْسِ فُلَانٍ کا محاورہ ہے۔
اِرْتَجَلَ الْكَلَامَ۔ فی البدیہہ کہنا۔ اِرْتَجَلَ الْفَرَسُ فِي عَدْوِهٖ گھوڑے کا درمیانی دوڑ دوڑنا۔
تَرَجَّلَ الرَّجُلُ۔ سواری سے اتر کر پیدل چلنا۔
تَرَجَّلَ فِي الْبِئْرِ۔ بغیر رسی کے کوئیں میں اترنا۔
تَرَجَّلَ النَّهَارُ سائے کا دیواروں سے نیچے اترنا گویا وہ پیدل چل رہا ہے۔
رَجَّلَ شَعْرَهٗ۔ کے معنی بالوں کو کنگھی کرنا کے ہیں کیونکہ کنگھی کرنے سے بال نیچے پاؤں کی طرف اتر آتے ہیں۔
اَلْمِرْجَلُ۔ نصب کی ہوئی دیگ۔ اَرْجَلْتُ الْفَصِيْلَ۔ اونٹنی کے بچہ کو اسکی ماں کیساتھ آزاد چھوڑ دیا۔

(ر ج م)

اَلرِّجَامُ۔ بتھر۔ اسی سے الرجم ہے جس کے معنی سنگسار کرنا کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ رَجَمَهٗ۔ اسے سنگسار کیا اور جسے سنگسار کیا گیا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو اسے مَرْجُوْمٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ (۲۶-۱۱۶) کہ تم ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔
اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ۔ (۱۸-۲۰) کیونکہ تمہاری قوم کے لوگ تمہاری خبر پائیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے۔
پھر استعارہ کے طور پر رَجْمٌ کا لفظ جھوٹے گمان، توہم، سب وشتم اور کسی کو دھتکار دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
رَجْمًا بِالْغَيْبِ (۱۸-۲۲) یہ سب غیب کی باتوں میں انکل کے تکے چلاتے ہیں۔
شاعر نے کہا ہے[1] (طویل)
(۱۷۶) "وَمَا هُوَ عَنْهَا بِالْحَدِيْثِ الْمُرَجَّمِ"
اور لڑائی کے متعلق یہ بات محض اندازے سے نہیں ہے۔
اور شیطان کو رجیم اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ خیرات اور ملاء اعلیٰ کے مراتب سے راندہ ہوا ہے قرآن میں ہے :۔
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ (۱۶-۹۸) تو شیطان مردود کے وسواس سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔
فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ۔ (۳۸-۷۷) تو بہشت سے نکل جا کہ راندۂ درگاہ ہے۔
اور شُهُبٌ (ستاروں) کو رُجُوْمٌ کہا گیا ہے قرآن میں ہے :۔
رُجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنِ (۶۷-۵) ان کو شیاطین کے لئے ایک طرح کا زد بنایا ہے۔
رَجْمَةٌ و رُجْمَةٌ۔ قبر کا پتھر جو بطور نشان اس پر نصب کیا جاتا ہے۔ مجازاً اس سے قبر مراد لیتے ہیں۔ اس کی جمع رِجَامٌ وَ رُجَمٌ آتی ہے۔ اور رَجَمْتُ الْقَبْرَ کے معنی قبر پر پتھر نصب کرنا کے ہیں۔ حدیث میں ہے[2] (۱۵۰)
لَا تَرْجُمُوْا قَبْرِيْ کہ میری قبر پر پتھر نہ لگانا۔
اَلْمُرَاجَمَةُ۔ باہم ایک دوسرے کو مغلظات سنانا۔ مُقَاذَفَةٌ کی طرح یہ لفظ بھی اس معنی میں بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔ اور رَجْمٌ سے تَرْجَمَان بروزن تَفْعَلَان آجاتا ہے۔

(ر ج و)

رَجَا الْبِئْرِ۔ کنویں کا کنارہ۔ رَجَا السَّمَاءِ۔ آسمان کا کنارہ۔ اس کی جمع اَرْجَاءٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے :۔
وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَائِهَا۔ (۶۹-۱۷) اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے۔
اور رَجَاءٌ ایسے ظن کو کہتے ہیں جس میں مسرت حاصل ہونے کا امکان ہو۔ اور آیت کریمہ :۔
مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔ (۷۱-۱۳) تو تمہیں کیا بلا مار گئی کہ تم نے خدا کا وقار دل سے اٹھا دیا۔
میں بعض مفسرین نے اس کے معنی لَا تَخَافُوْنَ کئے ہیں یعنی کیوں نہیں ڈرتے

---

[1] قالہ زہیر فی معلقتہ من السبعۃ واولہ :۔ وما الحرب الا ما علمتم و ذقتم۔ والبیت فی مجاز ابی عبیدۃ ۸ ۳۹ رقم ۴۴ وعنہ فی القرطبی (۲: ۳۹۴) والعقد الثمین ۹۵ وایام العرب ۴ ۷ ۲ والاساس (رجم) والمحاضرات للمؤلف (۲: ۱۷۶) والجمہرۃ ۱۰۷ ودیوانہ ۱۷ وشرح العشر للتبریزی ۱۱۲) والبحر (۶: ۱۱۴) والقرطبی (۱۰: ۳۸۲) والخزانۃ (۳: ۳۵۴) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۵۴) وشرح السبع لابن الانباری ۲۶۷ ☆
[2] وصیۃ اوصٰی بہا عبداللہ بن مغفل وقت الموت ای لا تجعلوا علیہا الرجم ومعناہ النہی عن التسنیم والرفع انظر الفائق ۱ ۳ ۴ ۲ والنہایۃ (۲: ۲۰۵) قال الجوہری المحدثون یروونہ بتخفیف الجیم والصحیح تشدیدہا ۱۲ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔[1] (الطویل)

(۱۷۷) إِذَا لَسَعَتْهُ النَّحْلُ لَمْ يَرْجُ لَسْعَهَا
وَحَالَفَهَا فِي بَيْتِ نُوبٍ عَوَاسِلِ

جب اسے مکھی ڈنگ مارتی ہے تو وہ اس کے ڈسنے سے نہیں ڈرتا۔ اور اس نے شہد کی مکھیوں سے معاہدہ کر رکھا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ خوف و رجا باہم متلازم ہیں تو جب کسی محبوب چیز کے حصول کی توقع ہوگی۔ ساتھ ہی اس کے تضیع کا اندیشہ بھی دامن گیر رہے گا۔ اور ایسے ہی اس کے برعکس صورت میں کہ اندیشہ کے ساتھ ہمیشہ امید پائی جاتی ہے) قرآن میں ہے:۔

وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَالَا يَرْجُونَ۔ (۴-۱۰۴)

اور تم کو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں۔

وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ۔ (۹-۱۰۶) اور کچھ اور لوگ ہیں کہ حکم خدا کے انتظار میں ان کا معاملہ ملتوی ہے۔

أَرْجَتِ النَّاقَةُ اونٹنی کی ولادت کا وقت قریب آگیا۔ اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ اونٹنی نے اپنے مالک کو قرب ولادت کی امید دلائی۔

الْأُرْجُوَانُ ایک قسم کا سرخ رنگ جو رجاء کی طرح فرحت بخش ہوتا ہے۔

(ر ح ب)

اَلرَّحْبُ (اسم) جگہ کی وسعت کو کہتے ہیں۔ اسی سے رَحَبَةُ الْمَسْجِدِ ہے جس کے معنی مسجد کے کھلے صحن کے ہیں اور رَحُبَتِ الدَّارُ کے معنی گھر کے وسیع ہونے کے پھر یہ رَحْبٌ کا لفظ استعارۃً پیٹ یا سینہ کی وسعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے رَحِيبُ الْبَطْنِ (بسیار خور) رَحِيبُ الصَّدْرِ (فراخ سینہ) عالی ظرف کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے برعکس ضیق الصدر کا لفظ مجازاً تنگ سینہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن میں ہے:۔

وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔ (۹-۲۵) اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی۔

اور بطور استعارہ جس کے نوکر چاکر بہت زیادہ ہوں اسے رَحِيبُ الْفِنَاءِ کہا جاتا ہے۔

مَرْحَبًا وَأَهْلًا تو نے کشادہ جگہ پائی اور اپنے اہل میں آیا (یہ لفظ خوش آمدید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) قرآن میں ہے:۔

لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ۔ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ۔ (۳۸: ۵۹-۶۰)

---

[1] قاله ابو ذؤیب الهذلی فی وصف مشتار والبیت من شواهد الکشاف ۴۴۱ والطبری ۱۳/ ۲۱۲ والطبرسی ودیوان الهذلیین (۱: ۱۴۳) والاساس (۲: ۴۷۹) واللسان (نوب) ومجاز القرآن رقم ۳۰۹ والخزانة (۲: ۴۹۲) ورسالة المبرد ما اتفق لفظه واختلف معناه) والاضداد لابن الانباری ۹ وابن السکیت ۹۷ والمقاییس (نوب) وابن ولاد ۳۴ والمعانی الکبیر ۶۲۷ والجمهرة واشعار ۶۲ والقرطبی (۸: ۳۱۱) والدرة للحریری ۷ وتهذیب اصلاح المنطق (۲۴۱/۱: ۲۰۴) ومعانی القرآن المنسوب الی الفراء (۱: ۲۸۶) وفیه عوامل بدل عواسل والمشکل للقتیبی ۷۴ وغریبه ۱۲۱ وفی روایة ابی الطیب (ابدال ۲: ۳۸۴) ورسالة الغفران (۲: ۳۴۲) والمخصص (۸: ۱۲۸/ ۱۷: ۱۱) والصحاح (نوب) واللسان والتاج (خلف، رجا، دبر) واضداد ابی الطیب ۲۹۹ خالفها (بالخاء المعجمة) ورواية الاضداد وللثلاثة حالفها (بالحاء المهملة) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر خدا کی مار بے شک یہ بھی دو نرخ ہی میں آ رہے ہیں (یہ سن کر وہ کہیں گے) بلکہ تم پر خدا کی مار۔

ر ح ق

رَحِیْقٌ (خالص عمدہ شراب جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو) قرآن میں ہے:۔

یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ۔ (۸۳ - ۲۵) ان کو شراب خالص سر بند پلائی جائے گی۔

ر ح ل

اَلرَّحْلُ ہر وہ چیز جسے اونٹ پر اس لئے باندھا جائے کہ اس پر سوار ہوا جائے پھر یہ لفظ مجازاً خود اونٹ پر بولا جانے لگا ہے اور کبھی رَحْلٌ کا لفظ اس چیز پر بھی بولا جاتا ہے جس پر گھر میں بیٹھا جاتا ہے۔ اس کی جمع رِحَالٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَقَالَ لِفِتْیَانِہِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَھُمْ فِیْ رِحَالِھِمْ (۱۲ - ۶۲) تو اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ ان کا سرمایہ ان کے کجاووں میں رکھ دو۔

اَلرِّحْلَۃُ (مصدر) اس کے اصل معنی سفر یا کوچ کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ (۱۰۶ - ۲) جاڑے اور گرمی کے سفروں کو (اکٹھا رکھنے والے)

اَرْحَلْتُ الْبَعِیْرَ میں نے اونٹ پر پالان کسا

اَرْحَلَ الْبَعِیْرُ اونٹ کا اس قدر موٹا ہو جانا گویا موٹاپے کی وجہ سے اس کی پیٹھ پر پالان رکھا ہوا ہے۔

رَحَّلْتُہٗ میں نے اسے اس جگہ سے دور ہٹا یا۔

اَلرَّاحِلَۃُ اونٹ جو سواری کے قابل ہو جائے

رَاحَلَہٗ سفر کرنے میں اس کی مدد کی۔ مُرَحَّلٌ وہ کپڑا جس پر کجاوے کی تصویریں بنی ہوئی ہوں۔

ر ح م

اَلرَّحِمُ۔ عورت کا رحم۔ اور رَحُوْمٌ اس عورت کو کہتے ہیں جسے خرابی رحم کی بیماری ہو اور استعارہ کے طور پر رحم کا لفظ قرابت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ تمام اقربا ایک ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس میں رَحِمٌ و رُحْمٌ دو لغت ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَاَقْرَبَ رُحْمًا (۱۸ - ۸۱) اور قرابت میں (اس سے) بہتر (ہو)

اَلرَّحْمَۃُ وہ رقت قلب جو مرحوم (یعنی جس پر رحم کیا جائے) پر احسان کی مقتضی ہو۔ پھر کبھی اس کا استعمال صرف رقت قلب کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں خواہ رقت کی وجہ سے نہ ہو۔ جیسے:۔ رَحِمَ اللّٰہُ فُلَانًا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جب اس کے ساتھ ذات باری تعالیٰ متصف ہو تو اس سے صرف احسان مراد ہوگا جیسا کہ مروی ہے۔ (۱۵۱)

ان الرَّحْمَۃَ مِنَ اللّٰہِ انعام و افضال و من الآدمیین رقۃ و تعطف کہ اللہ کی طرف سے رحمت اس کے انعام و فضل سے عبارت ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف سے رقت اور شفقت کے معنی میں آتی ہے۔ اسی معنی میں آنحضرت نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے[2] (۱۵۲)

انہ لما خلق اللہ الرحم قال لہ انا الرحمٰن

---

[1] ملاحظہ ہو فقہ اللغۃ للثعالبی ۱۲ مترجم [2] اخرجہ ابوداؤد وغیرہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَأنت الرحم شققت اسمك من اسمي فمن وصلك وصلته ومن قطعك قطعته. کہ جب اللہ تعالیٰ نے رحم پیدا کیا تو اس سے فرمایا:۔
"میں رحمان ہوں اور تو رحم ہے۔ میں نے تیرے نام کو اپنے نام سے اخذ کیا ہے۔ پس جو تجھے ملائے گا۔ (یعنی صلہ رحمی کرے گا) میں بھی اسے ملاؤں گا اور جو تجھے قطع کریگا میں اسے پارہ پارہ کردوں گا"
اس حدیث میں بھی معنی سابق کی طرف اشارہ ہے کہ رحمت میں رقت اور احسان دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ پس رقت تو اللہ تعالیٰ نے طبائع مخلوق میں ودیعت کر دی ہے اور احسان کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے۔ تو جس طرح لفظ رحم رحمت سے مشتق ہے اسی طرح اس کا وہ معنی جو لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ بھی اس معنی سے ماخوذ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے اور ان دونوں کے معنی میں بھی وہی تناسب پایا جاتا ہے جو ان کے لفظوں میں ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ وَالرَّحِيْمُ یہ دونوں فَعْلَانُ وَفَعِيْلٌ کے وزن پر مبالغہ کے صیغے ہیں[1] جیسے نَدْمَانٌ وَنَدِيْمٌ پھر رحمٰن کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس نے اپنی رحمت کی وسعت میں ہر چیز کو سما لیا ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے اور رحیم بھی اسماء حسنیٰ سے ہے اور اس کے معنی بہت زیادہ رحمت کرنے والے کے ہیں اور اس کا اطلاق دوسروں پر بھی جائز ہے۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲-۱۷۳) بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور آنحضرت کے متعلق فرمایا:۔
لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۹-۱۲۸) لوگو! تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے (اور) ان کو تمہاری بہبود کا ہوکا ہے اور مسلمانوں پر نہایت درجے شفیق (اور) مہربان ہیں۔

بعض نے رحمٰن اور رحیم میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ رحمٰن کا لفظ دنیوی رحمت کے اعتبار سے بولا جاتا ہے۔ جو مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور رحیم اخروی رحمت کے اعتبار سے جو خاص کر مومنین پر ہوگی۔ جیسا کہ آیت:۔
وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (۷-۱۵۶) اور ہماری جو رحمت ہے وہ (اہل ونااہل) سب چیزوں کو شامل ہے۔ پھر اس کو خاص کر ان لوگوں کے نام لکھ لیں گے۔ جو پرہیزگاری اختیار کریں گے۔
میں اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ دنیا میں رحمت الٰہی عام ہے اور مومن و کافر دونوں کو شامل ہے۔ لیکن آخرت میں مومنین کے ساتھ مختص ہوگی (اور کفار اس سے کلیۃ محروم ہوں گے)۔

(ر خ و)

اَلرُّخَاءُ۔ لینت یعنی نرمی کو کہتے ہیں اور یہ شَيْءٌ رِخْوٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی نرم چیز کے ہیں اور باب رَخِيَ يَرْخٰى بروزن عَلِمَ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] راجع غریب القرآن للقتیبی، ومجاز القرآن لابی عبیدة ۲۱، والطبری (۱: ۵۸، ۵۹) ورد علی ابی عبیدة ردا عنیفا فالقول. ان الرحمان مجازہ ذو الرحمة والرحیم مجازہ الراحم۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاءً حَيْثُ اَصَابَ۔ (۳۸-۳۶) تو ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں پہنچنا چاہتے ان کے حکم کے مطابق اسی طرف وہ نرمی سے چلتی۔

اور اسی سے اَرْخَيْتُ السِّتْرَ کا محاورہ لیا گیا ہے۔ جس کے معنی پردہ لٹکانے کے ہیں پھر اِرْخَاءُ السِّتْرِ سے بطور استعارہ اِرْخَاءُ سِرْحَانٍ بولا جاتا ہے جس کے معنی بھیڑیئے کی تیز روی کے ہیں۔ ابو ذویب نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۱۷۸) " فَهِيَ رِخْوٌ تَمْزَعُ "

اور وہ ہوا کی طرح تیز اور نرم رفتار ہے۔

فَرَسٌ مِرْخَاءٌ تیز رو گھوڑی خَيْلٌ مَرَاخٍ تیز رو گھوڑے۔

اَرْخَيْتُهٗ میں نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی کہ تیز رفتاری سے چلے۔

(ر د د)

اَلرَّدُّ (ن) اس کے معنی کسی چیز کو لوٹا دینے کے ہیں خواہ ذات شے کو لوٹایا جائے یا اس کی حالتوں میں سے کسی حالت کو محاورہ ہے۔ رَدَدْتُهٗ فَارْتَدَّ میں نے اسے لوٹایا پس وہ لوٹ آیا۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ (۶-۱۴۸) (مگر نا بکے) لوگوں سے اس کا عذاب تو ہمیشہ کے لئے ٹلنے والا ہی نہیں۔

اور ذات شے کو واپس لوٹانے کے متعلق فرمایا:۔

لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (۶-۲۸) اور اگر (دنیا میں) واپس بھیج دیئے گئے تو جس چیز سے ان کو منع کیا گیا ہے اس کو پھر دوبارہ کریں۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ (۱۷-۶) پھر ہم نے (تم کو) دشمنوں پر (غلبہ دے کر دوبارہ) تمہارے دن پھر دیئے۔

رُدُّوْهَا عَلَيَّ (۳۸-۳۳) (تو) ان گھوڑوں کو میرے پاس لوٹا لاؤ۔

فَرَدَدْنَاهُ اِلٰى اُمِّهٖ (۲۸-۱۳) غرض ہم نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ (۶-۲۷) اے کاش ہم پھر دنیا میں واپس بھیج دیے جائیں اور پروردگار کی آیتوں کو) نہ جھٹلاتے۔

اور کسی کو اس کی پہلی حالت کی طرف رد کرنے کے متعلق ہے۔ فرمایا:۔

يَرُدُّوْكُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (۳-۱۴۹) تم کو الٹے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹا کر لے جائیں گے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ (۱۰-۱۰۷) اگر (اللہ تعالیٰ) تجھ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اسکے فضل کا روکنے والا نہیں۔ میں رَادَّ کے معنی روکنے والا اور دفع کرنے والا کے ہیں اور یہی معنی آیت:۔

عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ (۱۱-۷۶) (اور ان لوگوں پر ایسا) عذاب آنے والا ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ میں مراد ہے اور اسی سے اَلرَّدُّ اِلَى اللّٰهِ ہے جیسے فرمایا:۔

وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا۔ (۱۸-۳۶) (تو جب) میں اپنے پروردگار

---

[1] قطعة من عجز البيت لابی ذؤیب وتكملته: فعدو بہ خوصا یقصم جریها حلق الرحالة ... والبیت من کلمة مفضلیة جمہریة طویلة فی ۶۵ بیتًا (۲۲-۲۲۹) والبیت فی السمط ۸۴۴، ۴۱ ۷ والسیوطی ۹۲ والجمہرة ۲۶ ۲ والاقتضاب ۴۱۳ والحکم (رحل) ودیوان الہذلیین (۱: ۱۶) واللسان (رخو)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف لوٹایا جاؤں گا تو جہاں لوٹ کر جاؤں گا (بہرحال، اس دنیا، سے) تو اس جگہ کو بہتر ہی پاؤں گا۔

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (۹-۹۴) پھر آخر کار تم اس زنادر مطلق کی طرف لوٹائے جاؤگے جو حاضر و غائب دونوں کو جانتا ہے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (۶-۶۲) پھر قیامت کے دن تمام لوگ اپنے مالک برحق خدائے تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔

تو یہاں رَدٌّ کا لفظ ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ میں رَجْعٌ کا لفظ ہے۔

بعض نے کہا ہے اَلرَّدُّ اِلَى اللّٰهِ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) ایک معنی وہ ہے جس کا ذکر آیت مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (۲۰-۵۵) میں ہے (یعنی فوت کرکے) زمین کی طرف لوٹا دینا اور دوسرے معنی وہ ہیں جس کی طرف کہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (۲۰-۵۵) میں ارشاد فرمایا ہے یعنی فوت کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا لیکن یہ دو معنی دو حالتوں کے اعتبار سے ہیں اور ردٌّ کا لفظ اپنے عموم کے اعتبار سے دونوں معنی کو شامل ہے اور آیت فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (۱۴-۹) کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں ایک یہ کہ غصہ سے پشت دست کاٹنے لگے دوم یہ کہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرے یہ کہ اَفْوَاهِهِمْ میں هِمْ کی ضمیر کا مرجع انبیاء کو قرار دیا جائے یعنی انہوں نے انبیاء کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور انہیں خاموش کر دیا اور ردٌّ کا لفظ لاکر اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ انہوں نے بار بار ایسا کیا۔[1]

اور آیت: لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا (۲-۱۰۹) کہ ایمان لاچکنے کے بعد تم کو کافر بنا دیں۔

میں یَرُدُّ کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمہیں دوبارہ حالت کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں جیسے تم چھوڑ کر مسلمان ہوئے ہو۔ جیساکہ دوسری جگہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ (۳-۹۹) لوگو! تم اہل کتاب کے کسی فرقے کا بھی کہا مانو گے تو وہ تمہارے ایمان لائے پیچھے تم کو پھر کافر بنا دیں گے۔

اَلْاِرْتِدَادُ وَالرِّدَّةُ اس راستہ پر پلٹنے کو کہتے ہیں جس سے کوئی آیا ہو۔ لیکن رِدَّةٌ کا لفظ کفر کی طرف لوٹنے کے ساتھ مختص ہو چکا ہے اور ارتداد عام ہے جو حالت کفر اور غیر دونوں کی طرف لوٹنے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى (۴۷-۲۵) بیشک جو لوگ اپنی پشتوں پر لوٹ گئے (اس کے) بعد کہ ان کے سامنے ہدایت واضح ہو گئی۔ اور آیت کریمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ (۵-۵۴)۔

میں اسلام سے کفر کی طرف لوٹنا مراد ہے اور یہی معنی آیت:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ (۲-۲۱۷)

میں مراد ہیں وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا (۶-۷۱) تو کیا اس کے بعد بھی الٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جائیں گے۔

---

[1] والبسط ما رایت البحث فی الآیۃ فی امالی المرتضیٰ راجع (۳۶۵-۳۶۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور غیر کفر کی طرف لوٹنے کے متعلق فرمایا:۔
وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ (۵-۲۱) اور اپنی پشتوں پر مت پھرو یعنی کسی کام کی تحقیق کر لینے اور اس کی اچھائی کو جان لینے کے بعد اسے مت چھوڑو۔
فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (۱۸-۶۴) پھر دونوں اپنے دبیروں کے، نشانوں کے کھوج لگاتے الٹے پاؤں پھرے۔
فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا (۱۲-۹۶)۔ پھر جب (یوسف علیہ السلام کے زندہ وسلامت ہونے کی) خوشخبری دینے والا (یعقوب علیہ السلام کے پاس) آپہنچا تو اس نے لا آنے کے ساتھ ہی یوسف کا کرتہ (یعقوب علیہ السلام) کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ یعنی ان کی بینائی ان کی طرف لوٹ آئی اور رَدَدْتُ الْحُكْمَ اِلٰی فُلَانٍ کے معنی کسی کے فیصلہ سپرد کر دینے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ (۴-۸۳) اور اگر اس خبر کو رسول اور ان لوگوں کے سپرد کر دیتے جو ان میں سے برسر حکومت ہیں۔
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (۴-۵۹) پھر اگر کسی امر میں تم (اور حاکم وقت) آپس میں جھگڑ پڑو تو اس امر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔
عام محاورہ ہے:۔ رَادَّهٗ فِيْ كَلَامِهٖ کسی سے بحث کرنا حدیث میں ہے[1]:۔ (۱۵۳)
اَلْبَيِّعَانِ يَتَرَادَّانِ یعنی بائع اور مشتری بیع کو رد کر دیں۔

رَدَّةُ الْاِبِلِ اونٹوں کا دوبارہ پانی پینے کو جانا۔
اَرَدَّتِ النَّاقَةُ (۱) اونٹنی کا ولادت سے قبل پستان نکالنا (۲) نمناک زمین پر بیٹھنے کی وجہ سے اونٹنی کے پستان اور مخصوص جگہ پر ورم ہو جانا۔
اِسْتَرَدَّ الْمَتَاعَ سامان واپس لے لینا۔

(ر د ء)

اَلرِّدْءُ۔ جو دوسرے کا مددگار بن کر اس کے تابع ہو۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُّصَدِّقُنِيْٓ (۲۸-۳۴) ان کو مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دو کہ میری تصدیق کریں۔
اور اَرْدَءَهٗ کے معنی کسی کی مدد کرنا کے ہیں اور رَدِيْءٌ (ردی) بھی اصل میں رِدْءٌ کے ہم معنی ہے مگر عرف میں متاخر مذموم پر بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے:۔ رَدُءَ الشَّيْءُ رَدَاءَةً فَهُوَ رَدِيْءٌ۔ کسی شے کا ردی ہونا۔

(ر د ف)

اَلرِّدْفُ تابع یعنی ہر وہ چیز جو دوسرے کے پیچھے ہو اور رِدْفُ الْمَرْءَةِ کے معنی عورت کے سرین کے ہیں۔
اَلتَّرَادُفُ یکے بعد دیگرے آنا ایک دوسرے کی پیروی کرنا۔
اَلتَّرَادِفُ۔ متاخر یعنی پچھلا۔
اَلْمُرْدِفُ اگلا جس نے اپنے پیچھے کسی کو سوار کیا ہو۔ قرآن میں ہے:۔

[1] رواہ النسائی عن سمرۃ وابو داؤد وابن ماجۃ من ابی بردۃ والمستدرک عن ابن عمرو والبخاری عن ابن عمر ومتفق علیہ عن حکیم بن حزام وراجع الفتح للنبہانی ۲/۲۰۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ (۸-۹) سو اس نے تمہاری سن لی (اور فرمایا) کہ ہم لگاتار ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کریں گے۔

ابو عبیدہ کے نزدیک رَدِفَ وَاَرْدَفَ یعنی مجرد اور مزید فیہ ایک ہی معنی میں آتے ہیں[1] اس لئے انہوں نے مُرْدِفِیْنَ کا معنی "بعد میں آنے والے" کیا ہے۔ اور یہ شاہد پیش کیا ہے[2] ( )

(۱۷۹) "اِذَا الْجَوْزَاءُ اَرْدَفَتِ الثُّرَیَّا"
جب ثریا کے پیچھے جوزاء ستارا نکل آیا۔

مگر ابو عبیدہ کے علاوہ دوسرے علماء نے مُرْدِفِیْنَ کے معنی یہ کئے ہیں کہ "دوسرے فرشتوں کو پیچھے لانے والے" تو اس لحاظ سے گویا دو ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کی گئی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ مُرْدِفِیْنَ سے مراد وہ فرشتے ہیں۔ جو اسلامی لشکر کے آگے آگے چلتے تھے تاکہ کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیں۔

اور ایک قراءت میں مُرْدَفِیْنَ فتح دال کے ساتھ ہے[3] یعنی ہر ایک مسلمان فوجی کے پیچھے اس کی مدد کے لئے ایک فرشتہ متعین تھا۔

ایک اور قراءت میں مُرَدِّفِیْنَ بتشدید دال ہے جو در اصل مُرْتَدِفِیْنَ باب افتعال سے ہے۔ صرفی قاعدہ کے مطابق تا کو دال میں ادغام کر کے اس کی حرکت دال کو دے دی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے۔

اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ ـ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ۔ (۳-۲۳-۲۴) کیا تم کو اتنا کافی نہیں کہ تمہارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد فرمائے (ضرور کافی ہے) بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو (اور خدا اور رسول کی نافرمانی سے) بچو اور دشمن (ابھی) اسی دم تم پر چڑھ آئیں تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو بڑی سج دھج سے آموجود ہوں گے۔

اَرْدَفْتُهٗ میں نے اسے اپنے پیچھے سوار کیا۔
اَلرِّدَافُ سواری پر ردیف کے بیٹھنے کی جگہ۔
دَابَّةٌ لَا تُرَادِفُ اَوْلَا تُرْدِفُ۔ سواری جو ردیف کو سوار نہ ہونے دے۔
جَاءَ وَاحِدٌ فَاَرْدَفَهٗ اٰخَرُ۔ ایک کے بعد دوسرا آیا۔
اَرْدَافُ الْمُلُوْكِ بادشاہوں کے جانشین۔ نائب۔

---

[1] وكذا قال ابن الاعرابي راجع شرح الدرة ۲۰۱ ومجاز ابي عبيدة (۱: ۲۴۱) والحجة لابي على الفارسي (۱: ۱۹۳) والقرطبي ۷/۲ ونقل عن ابي عبيدة الحافظ في الفتح (۸: ۲۲۴) [2] راجع اللسان (ردف افرط) قال خزيمة بن نهد وكان يعشق فاطمة بنت يشكر وفيها يقول وتمام: «ظننت بآل فاطمة الظنونا» ولعده يقول: حالت دون ذالك من هموم ـ هموم تورث الداء الدفينا والبيت في الطبري (۹: ۱۹۱) وشرح الدرة ۲۰۱ والبحر ۷: ۲۱۴) غير منسوب وفي السمط (۱: ۹۹) انه لخزيمة (مثل ربيعة) بن نهد. قال الاستاذ الميمني هذا هو الصحيح وهو مصحف في جل الكتب بخزيمة او جذيمة الا في المعجم البكري ۱۴ والمشتبه فانه ضبطه بالصواب والبيت في التاج (ردف) وشرح المعلقات لابن الانباري ۸۰ والتبريزي ۷۳ وخزيمة لها ترجمة في المعجم البكري ۱۴ وراجع ايضا المبدا في ۲۸۸/۴، ۳۷۴، ۳۹۰ وكتاب البسوس ۷ وانظر لمعناه الانواء للقتيبي والخبر بطوله في الاغاني (۱۱: ۱۲/۱۵۴) [3] قرا اهل المدينة ويعقوب مُرْدَفِيْنَ بفتح الدال والباقون بالكسر وقرئ في الشواذ مُرَدِّفِيْنَ (راجع الطبري ۹/۱۱۱) ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ر د م)

اَلرَّدْمُ۔ پتھروں سے کسی شگاف کو بند کرنا۔ قرآن میں ہے:۔

اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (۱۸-۹۵)

میں تم (لوگوں) میں اور ان (لوگوں) میں ایک روک بنا دوں۔

رَدْمٌ بمعنی مَرْدُوْم یا مُرْدَم ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] ع (الکامل)

(۱۸۰) هَلْ غَادَرَ الشُّعَرَاءُ مِنْ مُتَرَدَّمِ

کیا شعراء قدیم نے کوئی قابل اصلاح مقام چھوڑا ہے (جس پر طبع آزمائی کی جائے)

اَرْدَمَتْ عَلَيْهِ الْحُمّٰى کسی کو دائمی بخار رہنا۔

سَحَابٌ مُرْدِمٌ ساکن اور ایک جگہ پر ٹھہرنے والا بادل۔

(ر د ی)

اَلرَّدٰی۔ (س) کے معنی ہلاکت کے ہیں اور التَّرَدِّیْ (تفعل) کے معنی ہیں اپنے آپ کو ہلاکت کے سامنے پیش کرنا۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى۔ (۹۲-۱۱)

اور جب وہ جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدٰى۔ (۲۰-۱۶) اور وہ اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے پڑا (اگر ایسا کرو گے) تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔

اَلْاِرْدَاءُ (افعال) ہلاک کرنا قرآن میں ہے:۔

تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ۔ (۳۷-۵۶) خدا کی قسم تو تو مجھے تباہ کرنے کو تھا۔

اَلْمِرْدَاةُ وہ پتھر جس سے دوسرے پتھر توڑے جاتے ہیں۔

(ر ذ ل)

اَلرَّذْلُ وَالرُّذَالُ وہ چیز جس سے اس کے ردی ہونے کی وجہ سے بے رغبتی کی جائے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (۱۶-۷۰)

اور تم میں سے ایسے بھی ہیں جو بدترین حالت کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ۔ (۱۱-۲۷)

مگر جو ہم میں رذلے ہیں (اور پیرو ہو بھی گئے ہیں تو) بے سوچے سمجھے سرسری نظر سے۔

اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ (۲۶-۱۱۱)

کیا ہم تمہاری بات تسلیم کریں۔ حالانکہ ادنیٰ درجے کے لوگ تمہارے متبع ہیں۔

یہ اَرْذَل کی جمع ہے جس کے معنی حقیر اور رذیل شخص کے ہیں۔

(ر ز ق)

اَلرِّزْقُ وہ عطیہ جو جاری ہو خواہ دنیوی ہو یا اخروی اور رزق بمعنی نصیبہ بھی آجاتا ہے۔ اور کبھی[2] اس چیز کو بھی رزق کہا جاتا ہے جو پیٹ

---

[1] قالہ عنترۃ العبسی وتمامہ: ام ہل عرفت الدار بعد توہم والبیت من معلقتہ تسمی المذہبۃ راجع السیوطی ۴۶ والامالی (۲: ۲۴۳) اللآلی فی السمط (۶۹) البیت لابوحیانی شرحی التبریزی والزوزنی ولیوحیدنی دیوان الستۃ ۴۴ والحقاف الثمین رقم ۲۱ مطلع قصیدۃ وانظر ایضاً ابن الانباری ۲۹۶ والتبریزی ۱۷۲ ورواہ ابوعمرو عن ابی حرام العکلی فقط والبیت من قصیدۃ الطبری (۱۶: ۲۳) والشعر الجاہلی (۱: ۲۷۹) واللسان وردم ایضاً من ترجیم وفی روایۃ ابی عبیدۃ مترنم راجع ابدال ابی الطیب (۲: ۵۰) والجمہرۃ ۱۶۱ والشطر فی المثل السائر (۱: ۲۴۳) ؛

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پہنچ کر غذا بنتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔
اَعْطَی السُّلْطَانُ رِزْقَ الْجُنُوْدِ۔ بادشاہ نے فوج کو راشن دیا۔
رُزِقْتُ عِلْمًا۔ مجھے علم عطا ہوا۔ قرآن میں ہے۔
وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ (۶۳-۱۰) یعنی جو کچھ مال وجاہ اور علم ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے صرف کرو

اسی طرح آیت:۔
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ (۲-۳) اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے (راہ خدا میں) صرف کرتے ہیں۔ میں بھی رزق عام ہے جو ان تینوں کو شامل ہے۔
کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ (۲-۸۱) اور ہم نے جو تم کو عمدہ اور پاکیزہ روزیاں دی ہیں (شوق سے) کھاؤ۔
اور آیت کریمہ:۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ۔ (۵۶-۸۲)
میں رزق کے معنی حصہ اور نصیبہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ نعمت الٰہی کی تکذیب کو تم نے اپنا حصہ بنا لیا ہے۔ اور آیت:۔
وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ (۵۱-۲۲) اور تمہارا رزق آسمان میں ہے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے جو ہر ذی حیات کے لئے باعث حیات ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً اور ہم نے آسمان سے بارش کی اور بعض نے کہا ہے کہ رزق سے مراد نصیبہ ہے اور آیت میں تنبیہ پائی جاتی ہے کہ حظ یعنی نصیبے مقادیر کے ساتھ ہیں۔ اور آیت:

فَلْیَاْتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔ (۱۸-۱۹) تو اس میں سے (بقدر ضرورت) کھانا تمہارے پاس لے آئے۔ میں رزق سے مراد طعام ہی ہے جو انسانی غذا بنتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ۔ رِزْقًا لِّلْعِبَادِ۔ (۵۰-۱۰، ۱۱) اور لمبی لمبی کھجوریں جن کی گیلیں خوب گتھی ہوئی ہیں بندوں کو روزی دینے کے لئے۔
میں رزق سے غذائی اشیاء مراد ہیں اور بعض کے نزدیک کھانے پہننے اور ہر قسم کے استعمال کی چیزیں مراد ہیں۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں قدرت الٰہی کے ساتھ بارش کے ذریعہ ہی زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور آیت:۔
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ (۳-۱۶۹) اور (اے پیغمبر) جو لوگ اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں ان کو مرا ہوا خیال نہ کرنا (وہ مرے نہیں) بلکہ زندہ ہیں ان کو ان کے پروردگار کے ہاں روزی ملتی ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر اخروی نعمتوں کا برابر فیضان ہو رہا ہے۔
اسی طرح آیت:۔
وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا (۱۹-۶۲) اور وہاں ان کا کھانا صبح وشام (جس وقت وہ چاہیں گے ان کو ملا کرے گا۔
میں انعامات اخروی ہی مراد ہیں۔ اور آیت:۔
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (۵۱-۵۸) اللہ تعالیٰ خود بڑا روزی دینے والا، قوت والا اور زبردست ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں رزق کا لفظ عموم پر محمول ہوگا اور ذات باری تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے لیکن رَازِقٌ کا لفظ خالق رزق اور اس کے دینے والے اور مسبب تینوں پر بولا جاتا ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے اور اس انسان پر بھی جو دوسروں تک رزق پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا آیت:۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرَازِقِيْنَ۔ (۱۵-۲۰) ..... اور ہم ہی نے زمین میں تمہارے لئے سامان معیشت پیدا کیا اور ان کے لئے بھی جن کو تم روز نہیں دیتے۔ یعنی جن کی روزی کا نہ تم سبب بنتے ہو اور نہ ہی تمہیں ان کی روزی میں کسی قسم کا دخل ہے۔

اسی طرح آیت:۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ (۱۶-۷۳) اور خدا کے سوا ان (معبودوں) کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں و زمین میں ان کو رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی (ایسے اختیار پر) دسترس پا سکتے ہیں۔ میں لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا سے مراد یہ ہے کہ انہیں رزق دینے میں کسی قسم کا بھی دخل نہیں ہے (اور تمام اسباب رزق خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔

عام محاورہ ہے۔ اِرْتَزَقَ الْجُنْدُ یعنی لشکر نے اپنا مقررہ راشن حاصل کیا اور وہ راشن جو ایک دفعہ دیا جائے اسے رَزْقَۃٌ کہا جاتا ہے۔

(ر س س)

وَاَصْحٰبُ الرَّسِّ (۲۵-۳۸) اور رس کے رہنے والوں نے۔

بعض نے کہا ہے کہ رَسٌّ ایک وادی کا نام ہے[1] جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2]۔ (الطویل)

(۱۸۱) وَهُنَّ لِوَادِي الرَّسِّ كَالْيَدِ لِلْفَمِ

اور وہ وادی رس کے لئے جیسے ہاتھ منہ کی طرف

اصل میں رَسٌّ کسی چیز کے تھوڑے سے نشان کو کہا جاتا ہے۔ عام محاورہ ہے:۔

سَمِعْتُ رَسًّا مِنْ خَبَرٍ میں نے کچھ یوں ہی سی خبر سنی

رَسَّ الْحَدِيْثُ فِيْ نَفْسِيْ میرے دل میں تمہاری بات کا تھوڑا سا اثر ہوا۔

وَجَدَ رَسًّا مِنْ حُمَّى۔ اس نے بخار کا تھوڑا سا اثر محسوس کیا۔

رُسَّ الْمَيِّتُ۔ میت دفن ہوگئی اور اس کی شخصیت کے بعد اب اس کے آثار باقی رہے۔

(ر س خ)

رَسُوْخُ الشَّيْءِ۔ کسی چیز کا محکم اور جائے گیر ہونا

رَسَخَ الْغَدِيْرُ۔ جوہڑ کا پانی خشک ہو کر زمین میں جذب ہوگیا۔

اَلرَّاسِخُ فِي الْعِلْمِ وہ محقق جسے کوئی اشکال اور شبہ پیش نہ آسکے۔ گویا یہ راسخ فی العلم لوگ وہی ہیں جو آیت:۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا۔ (۴۹-۱۵) الپس سچے

---

[1] ابن کثیر ۳ / ۳۱۹ عن ابن عباس قریۃ من قری ثمود وفی روایۃ ابن ابی حاتم عن ابن عباس انہا اسم بئر فی آذر بائیجان قیل ان قوما دفنوا فیہا نبیہم وفی تفسیر الطبری ان اصحاب الرس ہم اصحاب الاخدود وفی البخاری الرس معدن وجمعہ الرساس وقیل قوم شعیب راجع البخاری مع الفتح ۸ قالہ زہیر فی معلقیۃ دیکھئے صفحہ ۲۹۸ حاشیہ [2]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان تو وہ ہیں) جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر (کسی طرح کا) شک و شبہ نہیں کیا ہیں مذکور صفات کیساتھ متصف ہیں اور اسیطرح سورۂ نساء میں فرمایا:۔

لٰكِنِ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ (۴-۱۶۲) لیکن (اے پیغمبر) ان میں سے جو علم میں بڑی پلے گاہ رکھتے ہیں۔

(ر س ل)

اَلرِّسْلُ: اصل میں اس کے معنی آہستہ اور نرمی کے ساتھ چل پڑنے کے ہیں اور نَاقَةٌ رِسْلَةٌ نرم رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں اور سبکی کے ساتھ اٹھنے والے اونٹوں کو اِبِلٌ مَرَاسِيْلُ کہا جاتا ہے۔ اسی سے رسول ہے جس کے معنی ہیں روانہ ہونے والا پھر کبھی رفق اور نرمی کے لحاظ سے عَلٰى رِسْلِكَ کہہ دیتے ہیں یعنی اپنے حال پر سکون سے ٹھہرے رہیے اور کبھی صرف روانہ ہونے کا معنی لے لیتے ہیں چنانچہ اسی اعتبار سے اس سے رسول مشتق ہے مگر کبھی رسول کا لفظ صرف پیغام پر بولا جاتا ہے۔ جیساکہ شاعر نے کہا ہے۔ (۱)

(۱۸۲) اَلَا اَبْلِغْ اَبَا حَفْصٍ رَسُوْلًا

ابو حفص (عمرؓ) کو میرا پیغام پہنچا دو۔

اور کبھی اس شخص پر جسے پیغام دے کر بھیجا گیا ہو اور واحد جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (۹-۱۲۸) لوگو تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ اور فرمایا:۔

اَنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶-۱۶) ہم تمام جہان کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اور شاعر نے کہا ہے۔ (۲)

(۱۸۳) اَلِكْنِيْ اِلَيْهَا وَخَيْرُ الرَّسُوْ
لِ اَعْلَمُهُمْ بِنَوَاحِي الْخَبَرِ

اسے میرا پیغام پہنچا دو اور بہتر پیغام بر تو وہ ہوتا ہے جو خبر کو اچھی طرح جانتا بھی ہو۔

اور رسول کی جمع رُسُلٌ آتی ہے اور قرآن پاک میں رسول اور رُسُلُ اللّٰہ سے مراد کبھی فرشتے ہوتے ہیں جیسے فرمایا:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۸۱-۱۹) کہ یہ (قرآن) بے شک معزز فرشتے (یعنی جبریل) کا (پہنچایا ہوا) پیام ہے۔

اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ (۱۱-۸۱) ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تم تک نہیں پہنچ پائیں گے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ (۱۱-۷۷) اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو وہ غمزدہ ہوئے۔

---

(۱) قالہ زہیر بن ابی سلمٰی واولہ، بکرن بکورا واستجرن بسحرۃ۔ والبیت فی الکامل ۱/۴۸ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۵۲) والبحر (۲: ۳۹۸) والعقد ۵۱ وایام العرب ۲۷۲ والتبریزی فی العشرۃ ۱۰۵ وابن الانباری ۵۰۶ فی روایۃ فہن ووادی الرس ۱۲ (۲) قالہ جعدۃ بن عبداللہ السلمی وتمامہ: فدیٰ لک من اخی ثقۃ ازاری۔ والبیت فی اللسان (ازر) فی ستۃ ابیات قال احد مصحح اللسان ولعل الاولی ان یقول قول نضیلۃ الاکبر الاشجعی بمل جعدۃ والبیت فی الوحشیات ۱۰۸ مع الخمسۃ قال فی ذیلہ لبقیلۃ الاکبر او لرجل من الانعام من سلمٰی راجع الآمدی ۲۳۰ وکنایات الثعالبی ۳ واللسان (قلص) انشدہ العمدۃ (۱: ۲۱۴) والفصول والغایات ۱۶۵ قال احمد شاکر وہی ایضا طبقات ابن سعد (۳، ۱: ۲۰۵) والفائق (۲: ۱۳۱) والصناعتین ۳۵۰ (۳) قالہ ابو ذؤیب الہذلی والبیت من شواہد الطبری (۲۶: ۱۵۸) والطبرسی واللسان (رسل، الک) والمحکم (غنی) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاهِيْمَ بِالْبُشْرٰى
(۱۱-۶۹) اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام
کے پاس خوش خبری لے کر آئے۔
وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا (۷۷-۱) قسم ہے ان فرشتوں
کی جو پیام الٰہی دے کر بھیجے جاتے ہیں۔
بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (۴۳-۸۰) کیوں
نہیں (ضرور سنتے ہیں) اور (سننے کے علاوہ) ہمارے
فرشتے ان کے پاس (تعینات ہیں کہ وہ ان کی سب
باتیں) لکھتے جاتے ہیں۔
اور کبھی اس سے مراد انبیا علیہم السلام ہوتے ہیں
جیسے فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (۳-۱۴۴)
اور محمد اس سے بڑھ کر اور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس
يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
(۵-۶۷) اے پیغمبر جو احکام تم پر تمہارے پروردگار
کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (بلا کم وکاست)
ان کو لوگوں تک پہنچا دو۔
اور آیت:۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (۶-۴۸) اور پیغمبروں
کو ہم صرف اس غرض سے بھیجا کرتے ہیں کہ (نیکوں
کو خوشنودی خدا کی) خوشخبری سنائیں اور (بدوں
کو عذاب سے) ڈرائیں۔
میں ملائکہ اور انسان دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور آیت:۔
يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا (۲۳-۵۱) (ہم نے اپنے پیغمبروں سے
یہی ارشاد کرتے رہے ہیں کہ) اے گروہ پیغمبران
ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔
میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے تمام برگزیدہ اصحاب
مراد ہیں اور صحابہ کرام پر آنحضرت کے ساتھ تبعاً
رُسُل کا لفظ بولا گیا ہے جیسا کہ مُهَلَّبٌ اور ان

کی اولاد کو مہالبہ کہا جاتا ہے۔
اَلْاِرْسَالُ (افعال) کے معنی بھیجنے کے ہیں اور
اس کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے اور دوسری
محبوب یا مکروہ چیزوں کے لئے بھی آتا ہے۔ کبھی
(۱) یہ تسخیر کے طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے ہوا،
بارش وغیرہ کا بھیجنا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۤءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا (۶-۶)
اور (اوپر سے) ان پر موسلادھار مینہ برسایا۔
اور کبھی (۲) کسی بااختیار وارادہ شخص کے بھیجنے
پر بولا جاتا ہے جیسے پیغمبر بھیجنا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (۶-۶۱) اور تم لوگوں
پر نگہبان (فرشتے) تعینات رکھتا ہے۔
فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۤئِنِ حٰشِرِيْنَ (۲۶-۵۳)
اس پر فرعون نے (لوگوں کی بھیڑ) جمع کرنے کے
لئے شہروں میں ہرکارے دوڑائے۔
اور کبھی (۳) یہ لفظ کسی چیز کو اس کی اپنی حالت
پر چھوڑ دینے اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ
کرنے پر بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (۱۹-۸۳) (اے پیغمبر) کیا تم
نے (اس بات پر) غور نہیں کیا کہ ہم نے شیطانوں
کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ انہیں انگیخت
کر کے اکساتے رہتے ہیں۔
اور کبھی (۴) یہ لفظ امساک (روکنا) کے بالمقابل
استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ
لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ
(۳۵-۲) تو اللہ جو اپنی رحمت (کے لنگر) لوگوں
کے لئے کھول دے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بند کر دے تو اس کے (بند کئے) پیچھے کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں۔
اور رَسْلٌ اس اونٹنی یا بکری کو کہتے ہیں جو پیہم اور نرم رفتاری سے چلے اور اگر لوگ یکے بعد دیگرے متواتر آئیں تو کہا جاتا ہے۔ جَاؤُا اَرْسَالًا یعنی وہ یکے بعد دیگرے آئے۔ اور اسی سے رِسْلٌ اس زیادہ دودھ کو کہتے ہیں جو مسلسل آرہا ہو۔

(ر س و)

رَسَا الشَّیْءُ (ن) کے معنی کسی چیز کے کسی جگہ پر ٹھہرنے اور استوار ہونے کے ہیں اور اَرْسٰی کے معنی ٹھہرانے اور استوار کر دینے کے۔ قرآن میں ہے:
وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (۳۴-۱۳) اور بڑی بھاری بھاری دیگیں جو ایک جگہ پر جمی رہیں۔
وَّرَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ (۷۷-۲۷) اور اونچے اونچے پہاڑ یہاں پہاڑوں کو بوجہ ان کے ثبات اور استواری کے رَوَاسِیَ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا (۷۹-۳۲) اور پہاڑوں کو (اس میں گاڑ کر) پلا دیا۔
اسی طرح معنی ثبات کے اعتبار سے پہاڑوں کو اوتاد فرمایا ہے۔ جیسے:۔ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا (۷۸-۷) اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا۔
کسی شاعر نے کہا ہے۔[1] (البسیط)
(۱۸۴) وَلَا عِمَادَ اِذَا لَمْ تُرْسَ اَوْتَادٌ
اور میخوں کے بغیر ستون نہیں ٹھہر سکتے۔ عام محاورہ ہے:
اَلْقَتِ السَّحَابَةُ مَرَاسِيَهَا کہ بادل نے اپنے لنگر ڈال دیئے یعنی جم کر برسنے لگا جیسا کہ اسی معنی میں اَلْقَتْ طُنُبَهَا کہا جاتا ہے اور قرآن میں جو ہے۔
بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا (۱۱-۴۱) اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا ہے۔
تو یہ اَجْرَیْتُ وَاَرْسَیْتُ (باب افعال) سے ماخوذ ہے۔ اور مُرْسٰی کا لفظ مصدر میمی بھی آتا ہے اور صیغہ ظرف زمان و مکان اور اسم مفعول بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت مذکورۃ الصدر میں ایک قرأت مَجْرِیْهَا وَمُرْسِیْهَا بھی ہے۔[2] اور آیت:۔
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا (۷-۱۸۷) (اے پیغمبر لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کہیں اس کا ثقل بڑا بھی ہے! (یعنی کب واقع ہوگی)
میں مُرْسٰهَا سے اس کے بپا ہونے کا زمانہ مراد ہے۔ عام محاورہ ہے: رَسَوْتُ بَيْنَ الْقَوْمِ میں نے قوم کے درمیان صلح کو پختہ کر دیا۔

(ر ش د)

اَلرَّشَدُ وَالرُّشْدُ یہ غَیٌّ کی ضد ہے اور ہدایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ باب نَصَرَ وَعَلِمَ دونوں سے آتا ہے۔ قرآن میں ہے:
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (۲-۱۸۶) تاکہ وہ سیدھے رستے پر لگ جائیں۔
قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲-۲۵۶) گمراہی سے ہدایت الگ ہو چکی۔
فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (۴-۶) اور اگر تم

---

[1] قالہ الافوہ الاودی واسمہ صلاءۃ بن عمرو وکنیۃ ابا ربیعۃ وصدرہ: والبیت لا یبتنی الا باعمدۃ ... وفی الاغانی الا لہ عمد۔ وفی المطبوع ولا جبال اخشی ان یکون تصحیفا والبیت من باب التمثیل ای لا ینال الامر الا بتوفر اسبابہ وفی الطرائف من شعر الافوہ الاودی والبیت فی روضۃ العقلاء ۲۴۴ والبحر ۴۱۱ وانظر التخریج ایضا ۲۔ [2] کذا فی الصحاح [3] نسبہ ابن کثیر الی ابی رجاء العطاردی (۲ ۴۴۶)

www.KitaboSunnat.com

ان میں صلاحیت دیکھو۔
وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ۔ (۲۱-۵۱)
اور ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی۔

ان آیات میں ابراہیم اور یتیم دونوں کے متعلق رُشْد کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن دونوں میں بون بعید پایا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ رَشَدٌ (بفتح الراء والشین) رُشْد (بضم الراء) سے اخص ہے کیونکہ رُشْد کا لفظ امور دنیوی اور اخروی دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور رَشَدٌ صرف امور اخروی کے ساتھ مختص ہے لیکن رَاشِدٌ اور رَشِيْدٌ (صیغہ صفت) دونوں طرح پر یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔
أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (۴۹-۷) یہی لوگ نیک چلن ہیں۔
وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ۔ (۱۱-۹۷) اور فرعون کی بات کچھ راہ کی بات تو تھی نہیں۔

(ر ص ص)

رَصَّ (ن) کے معنی دو چیزوں کو باہم ملا کر جوڑ دینے کے ہیں اور رَصَاصٌ سیسہ کو کہتے ہیں اور اسی سے فرمایا:۔
كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ (۶۱-۴) گویا ایک مضبوط دیوار ہیں جس میں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔
اور رَصَصْتُهُ (ن) وَرَصَّصْتُهُ (تفعیل) کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کسی چیز کو سیسہ پلا کر مضبوط کرنا اور جوڑنا اور تَرَاصُّوا فِي الصَّلٰوةِ کے معنی ہیں نماز کی صف میں باہم پیوستہ ہو کر کھڑے ہونا اور تَرْصِيصُ الْمَرْأَةِ کے معنی ہیں عورت کا نقاب کو مضبوطی سے باندھنا اور اس میں تَرَصُّص سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

(ر ص د)

اَلرَّصَدُ گھات لگا کر بیٹھنا۔ اور رَصَدَ لَهُ وَتَرَصَّدَ کے معنی ہیں کسی کے لئے گھات لگانا اور اَرْصَدْتُهُ کسی کو گھات لگانے کے لئے مقرر کرنا اور اَرْصَدَ لَهُ کے معنی پناہ دینا بھی آتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ (۹-۱۰۷) اور ان لوگوں کو پناہ دیں جو اللہ اور رسول کے ساتھ پہلے لڑ چکے ہیں۔
إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (۸۹-۱۴) بیشک تیرا پروردگار (نافرمانوں کی) تاک میں (لگا) رہتا ہے)۔

رَصَدٌ (صیغہ صفت) یہ معنی فاعل اور مفعول دونوں کے لئے آتا ہے اور واحد اور جمع دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا۔ (۷۲-۲۷) تو ان کے آگے اور ان کے پیچھے فرشتوں سے پہرہ دینے والے ان کے ساتھ رہتے ہیں۔
تو یہاں رَصَدًا سے واحد اور جمع دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

اَلْمَرْصَدُ گھات لگانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔ (۹-۵) اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔
اور مِرْصَاد بمعنی مَرْصَدٌ آتا ہے لیکن مِرْصَاد اس جگہ کو کہتے ہیں جو گھات کے لئے مخصوص ہو۔ قرآن میں ہے:۔
إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا۔ (۷۸-۲۱) بلاشک

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوزخ گھات میں ہے۔
تو آیت میں اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ جہنم کے اوپر سے لوگوں کا گزر ہوگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
فَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (۱۹-۷۱) اور تم میں سے کوئی (ایسا بشر) نہیں جو جہنم پر سے ہو کر نہ گزرے۔

ر ض ع

رَضَعَ الْمَوْلُودُ (ض س) رِضَاعًا و رَضَاعَةً بچے کا دودھ پینا۔ اسی سے استعارہ کے طور پر انتہائی کمینے کو لَئِيمٌ رَاضِعٌ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ لفظ اس کنجوس شخص پر بولا جاتا ہے جو انتہائی بخل کی وجہ سے رات کے وقت اپنی بکریوں کے پستانوں سے دودھ چوس لے تاکہ کوئی ضرورت مند دودھ دوہنے کی آواز سنکر سوال نہ کرے۔ پھر اس سے رَضُعَ فُلَانٌ بمعنی لَؤُمَ استعمال ہونے لگا ہے۔ رَاضِعَتَانِ بچے کے اگلے دو دانت جن کے ذریعہ وہ ماں کی چھاتی سے دودھ چوستا ہے۔ اور اَرْضَعَ (افعال) کے معنی دودھ پلانا کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ (۲-۲۳۳) اور جو شخص پوری مدت تک دودھ پلانا چاہے تو اس کی خاطر مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔ نیز فرمایا:۔
فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (۶۵-۶) اگر وہ (بچے کو) تمہارے لئے دودھ پلانا چاہیں تو انہیں ان کی دودھ پلائی دو۔

عام محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ أَخُوهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ (بضم الراء) فلاں کا رضاعی بھائی ہے۔ حدیث میں ہے[1] (۱۵۵)
يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ بوجہ رضاعت کے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔
اَلْاِسْتِرْضَاعُ کسی سے دودھ پلوانا۔ قرآن میں ہے:۔
وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ (۲-۲۳۳) اگر تم اپنی اولاد کو (کسی دایہ سے) دودھ پلوانا چاہو۔ یعنی انہیں مزدوری دے کر دودھ پلوانے کا ارادہ ہو۔

ر ض و

رَضِيَ (س) رِضًا فَهُوَ مَرْضِيٌّ وَمَرْضُوٌّ راضی ہونا۔ واضح رہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا یہ ہے کہ جو کچھ قضائے الٰہی سے اس پر وارد ہو وہ اسے خوشی سے برداشت کرے اور اللہ تعالیٰ کے بندے پر راضی ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اسے اپنے اوامر کا بجا لانے والا اور منہیات سے رکنے والا پائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (۵-۱۱۹) اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش۔
لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ (۴۸-۱۸) تو اللہ تعالیٰ ضرور ان مسلمانوں سے خوش ہوتا ہے۔
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (۵-۳) اور ہم نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا:۔
أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۹-۳۸) کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر قناعت کر بیٹھے ہو۔

---

[1] الحديث في رحم، ق، د، ن، ه عن عائشة، حم، م، ن، ه عن ابن عباس وفي رواية من الولادة بدل النسب وابن جرير عن عائشة بمعناه (ت حسن صحيح) والطبراني عن ابن عباس ۱۲ قال في الصحاح نجاعدوا به على الاصل والقياس ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُرْضُوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبٰى قُلُوْبُهُمْ (۹-۸)
اپنی زبانی باتوں سے تو تم کو رضامند کر دیتے ہیں اور ان کے دل ہیں کہ ان باتوں سے انکار کرتے ہیں۔

وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا اٰتَيْتَهُنَّ (۳۳-۵۱)
اور آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ (بھی) تم ان کو دو گے وہ (لے کر سب کی سب) راضی ہو جائیں گی۔

اَلرِّضْوَانُ رضائے کثیر یعنی نہایت خوشنودی کو کہتے ہیں۔ چونکہ سب سے بڑی رضا اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اس لئے قرآن پاک میں خاص کر رضائے الٰہی کے لئے رِضْوَانٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ۔ (۵۷-۲۷) اور (لذت) دنیا کا چھوڑ بیٹھنا جس کو انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہم نے وہ طریق ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ ....
... مگر (ہاں) انہوں نے اس کو خدا ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایجاد کیا تھا۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (۴۸-۲۹) اور خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے رہتے ہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ۔ (۹-۲۱) ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی کی خوشخبری دیتا ہے۔

اور آیت کریمہ۔ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (۲-۲۳۲) جب جائز طور پر آپس میں راضی ہو جائیں۔ میں تَرَاضَوْا باب تفاعل سے ہے جس کے معنی باہم اظہار رضامندی کے ہیں۔

(ر ط ب)

اَلرَّطْبُ (تر) یہ یَابِسٌ (خشک) کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ ..... (۶-۵۹)۔ اور (دنیا کی) تر اور خشک چیزیں (سب ہی تو) کتاب واضح (یعنی لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) موجود ہیں۔

اور رُطَبٌ کا لفظ (پختہ اور) تازہ کھجور کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (۱۹-۲۵) اور کھجور کی شاخ کو اپنی طرف ہلا۔ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔

اَرْطَبَ النَّخْلُ کے معنی ہیں درخت خرما پکی کھجوروں والا ہو گیا۔ اس میں صاحب ماخذ ہونے کا خاصہ پایا جاتا ہے (جیسے اَتْمَرَ وَاَجْنٰی میں ہے) عام محاورہ ہے:۔

اَرْطَبْتُ الْفَرَسَ وَرَطَبْتُهُ میں نے گھوڑے کو تازہ گھاس کھلائی اور رَطِبَ الْفَرَسُ (باب علم سے لازمی ہے اور اس) کے معنی گھوڑے نے تر گھاس کھانا کے ہیں۔

رَطِبَ الرَّجُلُ۔ تر و خشک ہر قسم کی باتیں کرنا خوش گپیاں اڑانا یہ محاورہ رَطِبَ الْفَرَسُ کے ساتھ بطور تشبیہ استعمال ہوتا ہے:۔

اَلرَّطِيْبُ نرم و ملائم کو کہتے ہیں۔

(ر ع ب)

اَلرُّعْبُ۔ اس کے اصل معنی خوف سے بھر کر کٹ جانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَعَبْتُهٗ فَرَعُبَ رُعْبًا۔ میں نے اسے خوف زدہ کیا تو وہ خوف زدہ ہوگیا۔ اور خوف زدہ شخص کو رَعِبٌ کہا جاتا ہے۔ اَلتِّرْعَابَةُ (صیغہ صفت) بہت زیادہ ڈرپوک۔ قرآن میں ہے:۔
وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (۳-۱۵۱) ہم عنقریب تمہاری ہیبت کافروں کے دلوں میں بٹھا دیں گے۔
وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔ (۱۸-۱۸) اور ان کی (صورت حال سے) تجھ میں ایک دہشت سما جائے۔
کبھی کبھی یہ صرف بھرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے رَعَبْتُ الْحَوْضَ میں نے حوض کو پانی سے پر کر دیا۔
سَیْلٌ رَاعِبٌ سیلاب جو وادی کو پُر کر دے۔
اور جَارِیَةٌ رُعْبُوْبَةٌ کے معنی جوانی سے بھرپور اور نازک اندام دوشیزہ کے ہیں اس کی جمع رَعَابِیْبُ آتی ہے۔

(ر ع د)

اَلرَّعْدُ (اسم) بادل کی گرج مروی ہے (۱۵۶) اَنَّهٗ مَلَكٌ یَسُوْقُ السَّحَابَ کہ رعد[1] اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔
رَعَدَتِ السَّمَاءُ وَبَرَقَتْ بادل گرجا اور چمکا۔
اور یہی معنی اَرْعَدَتْ وَاَبْرَقَتْ کے ہیں اور کنایہ کے طور پر یہ دونوں لفظ تہدید یعنی ڈرانے اور دھمکانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور صَلَفٌ[2] تَحْتَ رَاعِدَةٍ (مثل) ضرب المثل ہے جو اس شخص کے حق میں بولی جاتی ہے جو بڑا باتونی ہو لیکن کچھ کر کے نہ دکھاتا ہو۔
اَلرِّعْدِیْدُ بزدلی کی وجہ سے کانپنے والا نیز بخاوت ہے۔
اُرْعِدَتْ فَرَائِصُهٗ خَوْفًا یعنی مارے خوف کے اس کے پٹھے کانپنے لگے۔

(ر ع ن)

قرآن میں ہے:۔
لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا (۲-۱۰۴) یعنی راعنا کہہ کر خطاب نہ کیا کرو۔
رَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ (۴-۴۶) اور اپنی زبانیں مروڑ مروڑ کر اور دین اسلام میں طعنے کی راہ سے کہہ کر تم سے خطاب کرتے ہیں۔
اس کلمہ کے ساتھ آنحضرت کو بطور تہکم خطاب کرتے تھے اور آپ پر رعونت کا الزام دھرتے اور ظاہر یہ کرتے کہ ہم رَاعِنَا کا کلمہ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں ہمارا خیال کیجیے اور رَاعِنًا۔ رعن سے مشتق ہے اور رَعُنَ الرَّجُلُ (ک) کے معنی کسی آدمی کے سست اور بے وقوف ہونے کے ہیں اس سے صیغہ صفت اَرْعَنُ اور رَعْنٌ آتا ہے جس کے معنی کم فہم آدمی کے ہیں یہ دراصل رَعْنٌ کی سالہ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے جس کے معنی بینی کوہ کے ہیں یعنی پہاڑ کا وہ حصہ جو باہر نکلا ہوا ہو اور اَرْعَنُ کی مؤنث رَعْنَاءُ آتی ہے کسی شاعر نے کہا ہے[3] (۱۸۵)

لَوْلَا ابْنُ عُتْبَةَ عَمْرٌو وَالرَّجَاءُ لَهٗ
مَا کَانَتِ الْبَصْرَةُ الرَّعْنَاءُ لِیْ وَطَنًا

اگر عمرو بن عتبہ اور اس کے عطایا کی امید نہ ہوتی تو میں

---

[1] ہکذا ورد فی حدیث مرفوع عن ابن عباس والحدیث فی الترمذی والنسائی واحمد والطبرانی فی الاوسط من روایۃ جابر وابی عمران الکوفی ۔ عن ابن جریج راجع التفاسیر تحت الآیۃ (۱۳-۱۳) وتخریج الکشاف رقم ۲۲۵ وقد ذکرہ معنیہ ابوعبیدۃ فی مجازہ ۱/۳۲۵۔ [2] مثل فی جل المعاجم فی الصحاح: لمن یکثر الکلام ولاخیر فیہ [3] قالہ الفرزدق فی عمرو بن عتبۃ وفی اللسان (رعن) صدرہ: لولا ابو مالک المرجو نائلہٗ وفی روایۃ الحماسۃ بدل الرعناء والبیت فی الاقتضاب ۱۸۹ ودیوانہ والبلدان (رسم: بصرۃ) وفیہ وجہ تلقیبہا بالرعناء ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَصْرَۃٌ رَعْنَا کو بھی اپنا وطن نہ بناتا۔
بصرۃ کو رَعْنَاءُ یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بادیہ کی بنسبت نشیبی ہونے کے سبب گویا رَعْنَاء دست عورت کے مشابہ ہے اور یا اس لئے کہ اس کی ہوا میں تغیر اور تکسر پایا جاتا ہے۔

(ر ع ی)

اَلرَّعْیُ۔ اصل میں حیوان یعنی جاندار چیز کی حفاظت کو کہتے ہیں۔ خواہ غذا کے ذریعہ ہو جو اسکی زندگی کی حافظ ہے یا اس سے دشمن کو دفع کرنے کے ذریعہ ہو اور رَعَیْتُہٗ کے معنی کسی کی نگرانی کرنے کے ہیں اور اَرْعَیْتُہٗ کے معنی ہیں میں نے اسکے سامنے چارا ڈالا اور رِعْیٌ چارہ یا گھاس کو کہتے ہیں مَرْعًی ظرف (چراگاہ)۔ قرآن میں ہے:۔
کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ (۲۰-۵۴) تم بھی کھاؤ اور اپنے چار پاؤں کو بھی چراؤ۔
اَخْرَجَ مِنْھَا مَآءَھَا وَمَرْعٰھَا (۷۹-۳۱) اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔
وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی (۸۷-۴) اور جس نے (خوش نما) چارہ (زمین سے) نکالا۔
رَعْیٌ اور رِعَاءٌ کا لفظ عام طور پر حفاظت اور حسن انتظام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا (۵۷-۲۷) لیکن جیسے اس کی نگہداشت کرنا چاہیئے تھی انہوں نے نہ کی۔

اور ہر وہ آدمی جو دوسروں کا محافظ اور منتظم ہو اسے رَاعِیْ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے[1] (۱۵) کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا شاعر نے کہا ہے[2] (السریع)

(۱۸۶) .... وَلَا اِذٌ
مَرْعِیٌّ فِی الْاَقْوَامِ کَالرَّاعِیْ

اور محکوم قومیں حاکم قوموں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔
اور رَاعِیْ کی جمع رِعَاءٌ وَرُعَاۃٌ آتی ہے۔ اَلْمُرَاعَاۃُ کسی کام کے انجام پر غور کرنا اور دیکھنا کہ اس سے کیا صادر ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔ رَاعَیْتُ النُّجُوْمَ میں نے ستاروں کے غروب ہونے پر نگاہ رکھی۔ قرآن میں ہے:۔
لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (۲-۱۰۴) (مسلمانو پیغمبر سے) رَاعِنَا کہہ کر مت خطاب کیا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو۔
کہا جاتا ہے:۔
اَرْعَیْتُہٗ سَمْعِیْ۔ میں نے اس کی بات پر کان لگایا یعنی غور سے اس کی بات کو سنا۔ اسی طرح محاورہ ہے:۔
اَرْعِنِیْ سَمْعَکَ میری بات سنیے۔
اور اَرْعٰی عَلٰی کَذَا۔ کے معنی کسی پر رحم کھانے اور اس کی حفاظت کرنے کے ہیں۔

(ر غ ب)

اَلرَّغْبَۃُ اس کے اصل معنی کسی چیز میں وسعت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: رَغُبَ الشَّیْءُ

---

[1] اصل الحدیث متفق علیہ وایضا فی الترمذی وابی داود والبیہقی من انس وابن عباس والطبرانی من حدیث ابن عباس راجع لتخریجہ احیاء العلوم للغزالی بتخریج العراقی ۲ / ۲۱ وکنز العمال ۶ رقم ۱۲۱۰۹۱ والفتح الکبیر ۲ / ۳۰۲-۳۰۳۱ [2] قالہ ابو قیس بن الاسلت وتکملتہ لیس قطاً مثل قُطَیٍّ ...... والبیت من کلمۃ مفضلیۃ (۲-۸۵) جمہرۃ فی ۱۹ بیتا راجع السمط ۸۲۷ والمیدانی (۲:۹۰) واللسان (قطا، رعی) وایام العرب ۸۳ وخاص الخاص للثعالبی ۹۴ والمثل ایضا فی المیدانی (۲: ۸۶، ۱۱۶) والعسکری ۱۷۵، ۱۷۶ (۱۷۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی چیز کا وسیع ہونا اور حَوْضٌ رَغِيْبٌ کشادہ حوض کو کہتے ہیں۔ عام محاورہ ہے۔
فُلَانٌ رَغِيْبُ الْجَوْفِ فلاں پیٹو ہے۔
فَرَسٌ رَغِيْبُ الْعَدْوِ بہت تیز رفتار اور کشادہ قدم گھوڑا
اَلرَّغْبَةُ وَالرَّغَبُ وَالرُّغْبٰى ارادہ اور خواہش کی وسعت کو کہتے ہیں قرآن میں ہے:۔
وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (۲۱-۹۰) اور وہ ہم کو (ہمارے فضل کی) توقع اور (ہمارے عذاب کے) خوف سے پکارتے ہیں۔
اور رَغِبَ فِيْهِ وَاِلَيْهِ کے معنی کسی چیز پر رغبت اور حرص کرنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ (۹-۵۹) ہم تو اللہ سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔
لیکن رَغِبَ عَنْ کے معنی کسی چیز سے بے رغبتی کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ (۲-۱۳۰) اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے۔
اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ (۱۹-۴۶) (اے ابراہیم) کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔
اور رَغِيْبَةٌ کے معنی بہت بڑے عطیہ کے ہیں (ج رَغَائِبُ) یہ رغبت سے مشتق ہے یا تو اس لئے کہ وہ مرغوب فیہ ہوتی ہے اور یا اصل معنی یعنی وسعت کے لحاظ سے عطیہ کو رغیبہ کہا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)
(۱۸۷) "يعطى الرغائب من يشاء ويمنع"
وہ جسے چاہتا ہے بڑے بڑے عطایا بخشتا اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔

(ر غ د)

رَغَدًا اور رَغِيْدًا آسودہ زندگی۔ قرآن میں ہے:۔
وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا (۲-۳۵) اور اس میں سے تم دونوں بافراغت کھاؤ۔
يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (۱۶-۱۱۲) ہر طرف سے ان کا رزق بافراغت ان کے پاس چلا آتا تھا۔
اَرْغَدَ الْقَوْمُ آرام و راحت میں بسر کرنا۔
اَرْغَدَ مَاشِيَتَهُ اس نے اپنے مویشی چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیئے۔
ان میں اول یعنی اَرْغَدَ الْقَوْمُ جَدَبَ وَاَجْدَبَ کی طرح لازم ہے اور دوسرا یعنی اَرْغَدَ مَاشِيَتَهُ اَدْخَلَ کی طرح متعدی ہے۔
اَلْمُرْغَادُ ایک قسم کا کھانا جو دودھ میں خرما وغیرہ ڈال کر بنایا جاتا ہے اور وافر ہونے کی وجہ سے زندگی کی آسودگی پر دلالت کرتا تھا۔

(ر غ م)

اَلرُّغَامُ اصل میں خاک کو کہتے ہیں اور رَغِمَ اَنْفُ فُلَانٍ کے معنی ہیں اس کی ناک خاک آلودہ ہو یعنی وہ ذلیل ہو اور اَرْغَمَهُ کسی کو ذلت کے ساتھ خاک میں ملا دیا جانا۔ رَغِمَ اَنْفُ فُلَانٍ کے معنی ناراض ہونا بھی آتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] ( )

---

[1] لعبدة بن الطبيب من قصيدة يعظ فيها بنيه وصدره :- اوصيكم بتقى الاله فانه ... راجع للبيت شرح شواہد التلخيص (۱: ۳۶)
[2] قد مر في (الف) رقم ۲۱ وفيه غضبت بدل ارغمت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۸۸) اِذَا رَغِمَتْ تِلْكَ الْاُنُوفُ لَمْ اُرْضِهَا
وَلَمْ اَطْلُبِ الْعُتْبٰی وَلٰکِنْ اَزِیْدُھَا

اگر وہ ناراض ہوں گے تو میں ان کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کروں گا بلکہ اس کی ناراضگی کو اور بڑھاؤں گا۔
یہاں پر رغم کو اِرْضَاء کے بالمقابل لانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے معنی سخط یعنی غصے اور ناراض ہونے کے ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔
اَرْغَمَ اللہُ اَنْفَ فُلَانٍ اَوْ اَرْغَمَہٗ یعنی اللہ اسے ذلیل کرے اور رَاغَمَہٗ (باب مفاعلہ) کے معنی باہم ناراض ہونے اور ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی کوشش کے ہیں بعد ازاں مراغمہ کا لفظ منازعت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اور آیت:
یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرَاغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً (۴-۱۰۰) تو وہ زمین میں اس کو رہنے سہنے کی وافر جگہ اور ہر طرح کی کشائش ملے گی۔
میں مُرَاغَمًا سے مراد پناہ گاہ ہے یعنی برائی کو دیکھ کر اسے روکنے کی کوشش کرے اگر اس سلسلہ میں اسے وطن بھی ترک کرنا پڑے تو ہراساں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے کوئی اچھی پناہ گاہ دے گا۔ جہاں اسے وسعت اور فراخی نصیب ہوگی اور یہ رَغِمْتُ اِلَیْہِ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی کے پاس چلا جانا۔ جیسے غَضِبْتُ اِلٰی فُلَانٍ مِنْ کَذَا یعنی ناراض ہو کر فلاں کے پاس چلا گیا۔

(ر ف ف)

رَفِیْفُ الشَّجَرِ درخت کی شاخوں کا ہوا سے لہلہانا اور منتشر ہونا کہا جاتا ہے۔
رَفَّ الطَّائِرُ جَنَاحَیْہِ پرندکا اپنے بچے کی حفاظت کے لئے دونوں بازو پھیلانا۔ یہ باب رَفَّ یَرُفُّ (ن) سے ہے اور استعارہ کے طور پر رَفٌّ کا لفظ کسی چیز کی دیکھ بھال کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے عام محاورہ میں کہا جاتا ہے۔
مَا لِفُلَانٍ حَافٌّ وَلَا رَافٌّ یعنی اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اس پر کوئی شفقت کرنے والا نہیں رہا۔ مثل مشہور ہے[1] (مثل)
مَنْ حَفَّنَا اَوْ رَفَّنَا فَلْیَقْتَصِدْ جو ہم پر شفقت کرے اسے چاہیے کہ اعتدال سے کام لے۔
اَلرَّفْرَفُ کے معنی درخت کے منتشر پتوں کے ہیں۔ اور قرآن کی آیت:
عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ (۵۵-۷۶) (وہ سبز قالینوں پر تکیہ لگائے)
رَفْرَفٍ سے خاص قسم کے کپڑے مراد ہیں۔ جو مرغزار کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ رَفْرَفٌ سے خیمے کا کنارہ مراد ہے۔ جو زمین پر پڑا رہتا ہے اور حسن (بصری) سے مروی ہے کہ اس سے گل تکیے مراد ہیں۔

(ر ف ت)

اَلرُّفَاتُ یہ باب نصر کا مصدر ہے اور رَفَتَ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو چورا چورا کر دینے کے ہیں اور جو بھوسہ وغیرہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے اسے رفات کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:
وَقَالُوْا اَئِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا (۱۷-۴۹)

---

[1] انظر للمثل النہایۃ لابن الاثیر (۲ ۸۸ ۹) واللسان والصحاح (رفف) ومجالس ثعلب ۲/ ۱۸۹ وفی اتباع ابی الطیب ۸۹ فلیترک بدل فلیقتصد وکلھم جعل الکلمۃ من قبیل المثل الا ابا الطیب فانہ قال جاء فی الحدیث۔ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کہا کرتے کہ جب ہم گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

اور استعارہ کے طور پر رُفات اس رسی کو بھی کہتے ہیں۔ جو بوسیدہ ہو کر ٹکڑے ہو گئی ہو۔

(ر ف ث)

اَلرَّفَثُ (ن) وہ فحش باتیں جن کا ذکر اچھا نہیں سمجھا جاتا یعنی جماع اور اس کے دواعی کا تذکرہ اور آیت کریمہ :۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ (۲-۱۸۷) مسلمانو! ماہ رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے جائز کر دیا گیا ہے۔

میں کنایۃً جماع مراد ہے اور اس سے متنبہ کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کو جماع کے لئے بلانا اور ان سے اس کے متعلق گفتگو کرنا جائز ہے اور اسے بواسطہ الیٰ متعدی کر کے معنی افضاء کی طرف اشارہ کیا ہے اور آیت :۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ .... (۲-۱۹۷) (اور حج میں) نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ گناہ کی۔

میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جماع کی ممانعت کی گئی ہو اور یہ بھی کہ اس کے متعلق گفتگو سے منع کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ گفتگو جماع کے مقدمات میں شامل ہے لیکن پہلا احتمال زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ دوران طواف میں یہ شعر پڑھا۔ (رجز)

(۱۸۹) وَھُنَّ یَمْشِیْنَ بِنَا ھَمِیْسًا
اِنْ تَصْدُقِ الطَّیْرُ نَنِکْ لَمِیْسًا[1]

اور اونٹ ہمیں لے کر آہستہ آہستہ نرم رفتاری سے چلتے ہیں اگر پرندہ سچ بولتا ہے تو ہم لمیس سے جماع کریں گے۔

اور رَفَثَ وَ اَرْفَثَ دونوں ایک دوسرے کی جگہ میں استعمال ہوتے ہیں اس لئے کہ رَفَثَ کے معنی مباشرت کرنے کے ہیں اور اَرْفَثَ کے معنی رَفَث (ماخذ) کے ساتھ متصف ہونا کے اور یہ دونوں باتیں لازم ملزوم ہیں۔

(ر ف د)

اَلرِّفْدُ (ن) اس کے معنی عطا اور مدد کے ہیں اور رَفْدٌ مصدر (ض) ہے جس کے معنی مدد دینے اور عطا کرنے کے ہیں اور مِرْفَدٌ اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس میں عطیہ ڈال کر دیا جائے عام طور پیالوں میں خیرات ڈال کر دی جاتی ہے اس لئے مِرْفَدٌ معنی پیالہ آتا ہے اور رَفَدْتُہٗ کے معنی عطیہ دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ۔ (۱۱-۹۹) بہت ہی برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا۔

اور اَرْفَدْتُہٗ کے معنی کسی کے لئے عطا مقرر کرنے کے ہیں کہ وہ مقررہ مقدار میں اس سے لیتا رہے رَفَدَہٗ وَ اَرْفَدَہٗ دونوں سَقَاہُ وَ اَسْقَاہُ کی طرح متعدی بن کر استعمال ہوتے ہیں۔

اور رُفِدَ فُلَانٌ فَھُوَ مُرْفَدٌ سے بطور استعارہ

---

[1] راجع للقصۃ والبیت الکشاف والمستدرک للحاکم والطبری (۲: ۲۶۵) وفی روایۃ خرجن یسری بنا مکان ھن یمشین والرجز ایضا فی البحر (۲/۱۱۰:۲۷) والعمدۃ (۱: ۳۰) والمحاضرات للمولف (۱: ۷۹) وابن کثیر (۱/۲۲۱: ۲۳۳) والحیوان للجاحظ (۳: ۴۰) والعیون (۱: ۳۲۱/۳: ۲۲)

www.KitaboSunnat.com

وہ شخص بھی مراد ہوتا ہے جسے ریاست (سرداری) دی گئی ہو۔

اَلرَّفُوْدُ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ایک بار دودھ دوہنے سے پیالہ بھر دے لہذا یہ (فعول) بمعنی فاعل ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مَرَافِیْدُ ان اونٹنیوں اور بکریوں کو کہا جاتا ہے جو موسم گرما اور سرما میں برابر دودھ دیتی ہوں اور ان کا دودھ کبھی خشک نہ ہوتا ہو شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۱۹۰) أأطعمت العراق ورافدیه
فزاریا احذ ید القمیص

یعنی تو نے عراق اور دجلہ و فرات پر ایک فزاری کو عامل بنا کر بھیجا ہے جو خیانت میں نہایت ماہر ہے۔ یہاں رافدیہ سے دجلہ اور فرات مراد ہیں کیونکہ ان کا پانی مسلسل جاری رہتا ہے۔

تَوَافُدُوْا کے معنی ایک دوسرے سے تعاون کرنا کے ہیں اسی سے رفادہ ہے یعنی وہ فنڈ جو قریش نادار حجاج کی مدد کے لئے جمع رکھتے تھے۔

(ر ف ع)

اَلرَّفْعُ (ف) کے معنی اٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں یہ کبھی تو مادی چیز جو اپنی جگہ پر پڑی ہوئی ہو اسے اس کی جگہ سے اٹھا کر بلند کرنے پر بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (۲-۶۳) اور ہم نے طور پہاڑ کو تمہارے اوپر لا کر کھڑا کیا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۱۳-۲) اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے آسمان کو بدون کسی سہارے کے اونچا بنا کھڑا کیا۔

اور کبھی عمارت کو کھڑا کرنے اور راوپر لے جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ (۲-۱۲۷) اور جب ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

اور کبھی ناموری اور شہرت کا ذکر بلند کرنے کے لئے جیسے فرمایا:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۹۴-۴) اور ہم نے تمہارے ذکر خیر کا آوازہ بلند کیا۔

اور کبھی مرتبہ کی بلندی بیان کرنے کیلئے۔ جیسے فرمایا:۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (۶-۱۶۶) اور ان میں سے بعض کو بعض پر بلحاظ درجات کے فوقیت دی۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (۱۲-۷۶) اور ہم

---

[1] قاله الفرزدق یہجو عمر بن هبیرة الفزاری و یخاطب یزید بن عبد الملک لما ولاه العراق (۲۰۱ھ) وقبلہ: تفیهق بالعراق ابو المثنی۔ وعلّم قومه اکل الخبیص والبیت فی السمط ۶۲ ۸ واللسان والمحکم والصحاح (خذف) ودیوانہ (۲: ۴۸۸) رقم ۴۰۲ والحصری (۱: ۵۷) والجرجانی ۴۷ والکامل ۸۰۸ والرافدان: الدجلة والفرات والبیت ایضا فی الحیوان (۵: ۱۹۷/۶: ۵۱۰) فی اربعة ابیات والجزنی الفاضل ۱۱۱ وادب الکاتب للصولی ۱۱۲ والبیت ایضا فی مجازات القرآن ۲۹۱ والمعارف للقتیبی ۱۷۹ والمعانی للقتیبی ۵۹۷ وروایة فی معظم المصادر "أأطعمت" وفی الاغانی (۱۹: ۱۷) والامالی (۳: ۱۲۳ ت) والصحاح "أولیت" وفی الحیوان والاساس واللسان (رفد) "بعثت الی" فاظن ان الغار فی المطبوع مصحف قال القتیبی فی المعانی الاحذ معناه سریع الید وارادوا خفة یده فی السرقة والخیانة (کذا فی الصحاح) وذکر القمیص لتسدید القافیہ وذکر الاخباریون: فعزله یزید سنہ ۱۰۵ھ ثم لم یسمع لذکره

www.KitaboSunnat.com

جس کو چاہتے ہیں (حسن تدبیر ہیں) اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں۔
رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ ذُوالْعَرْشِ (۴۰-۱۵) خدا بڑا عالی مرتبہ (اور) عرش (بریں) کا مالک ہے۔
اور آیت:۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ (۴-۱۵۸) بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔
میں رفع کے معنی آسمان کی طرف اٹھا لے جانا بھی ہوسکتے ہیں اور رفع[1] بلحاظ شرف بخشی بھی اور قیامت کے متعلق آیت:۔
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (۵۶-۳) بعض کو نیچا دکھائے گی اور بعض کو (بلحاظ درجہ) بلند کرے گی۔
(میں بھی) رَافِعَةٌ کا لفظ خَافِضَةٌ کے مقابلہ میں آیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ رفع بلحاظ درجات مراد ہے۔ اور آیت:۔
وَاِلَی السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ (۸۸-۱۸) اور آسمان کی طرف (نہیں دیکھتے) کہ کیسا اونچا بنایا۔
میں دونوں قسم کی بلندی کی طرف اشارہ ہے یعنی بلندی بلحاظ محل اور بلندی بلحاظ شرف و منزلت اور آیت۔
وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (۵۶-۳۴) اور اونچے اونچے فرش۔
میں فرش کی بلندی سے ان کے عمدہ اور نفیس ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح آیت:۔
فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (۸۰-۱۳، ۱۴) ان اوراق میں (لکھا ہوا ہے) جن کی تعظیم کی جاتی ہے اور وہ پاکیزہ اور اونچی جگہ پر رکھے ہوئے ہیں۔
میں بھی بلندی بلحاظ شرف و منزلت ہی مراد ہے۔ اور آیت:۔
فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ...... (۲۴-۳۶) ایسے گھروں میں جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی عزت کی جائے۔
میں بھی رَفَعَ بلحاظ عز و شرف مراد ہے۔ یعنی ان کی تعظیم کی جائے اور ان کے اندر کوئی نازیبا حرکت نہ کی جائے جو ان کے ادب و احترام کے خلاف ہو اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت:۔
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (۳۳-۳۳) (اے پیغمبر کے گھر والو) خدا کو تو یہی منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) گندگی کو دور کر دے۔
میں رجس کے دور کرنے سے عز و شرف بخشنا مراد ہے اور رفع کے معنی تیز رفتاری بھی آتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے۔ رَفَعَ الْبَعِيْرُ فِیْ سَيْرِهٖ اونٹ تیز رفتاری سے چلا اَرْفَعْتُهٗ اَنَا میں نے اسے تیز چلایا بَعِيْرٌ مَرْفُوْعُ السَّيْرِ تیز رفتار اونٹ۔ اور رَفَعَ کے معنی کسی کے راز کو فاش کرنا بھی آتے ہیں جیسے رَفَعَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ میں نے اس سے پردہ اٹھا دیا یعنی اس کے راز کو فاش کر دیا اور رِفَاعَةٌ اس چھوٹی سی گدی کو کہتے ہیں جسے عورتیں اپنے سرین پر باندھ لیتی ہیں تاکہ وہ بڑے معلوم ہوں۔

(ر ق ق)

اَلرِّقَّةُ (باریکی) اور دِقَّةٌ کے ایک ہی معنی ہیں۔ لیکن دِقَّةٌ بلحاظ کناروں کی باریکی کے استعمال ہوتا ہے اور رِقَّةٌ بلحاظ عمق کے بولا جاتا ہے۔ پھر اگر رقت کا لفظ اجسام کے متعلق استعمال ہو تو اس کی ضد صفاقت آتی ہے جیسے ثَوْبٌ رَقِيْقٌ (باریک کپڑا) اور ثوب صفیق (موٹا کپڑا) اور دل کے متعلق استعمال ہو تو اس کی ضد قساوت اور جفاء آتی ہے مثلاً نرم دل کے متعلق کہا جاتا ہے۔

---

[1] لكن الرفع إلى السماء متعين في الآية لان الاحاديث تدل بالتواتر على انها المعنى (راجع ر ی ق ن)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلاں رَقِیْقُ الْقَلْبِ اور اس کے بالمقابل سخت دل آدمی کو قاسی القلب کہتے ہیں۔

اَلرَّقُّ: کاغذ کی طرح کی کوئی چیز جس پر لکھا جائے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فِی رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۵۲-۳) (اور چوڑے چھلکے کاغذ پر لکھی ہوئی (کتاب کی قسم ہے)

اور نیز کچھوے کو بھی رَقٌّ کہا جاتا ہے۔

اَلرِّقُّ کے معنی غلاموں کا مالک ہونے کے ہیں۔ اسی سے مملوک غلام کو رقیق کہا جاتا ہے اس کی جمع اَرِقَّاءُ آتی ہے اور اِسْتَرَقَّ فُلَانٌ فُلَانًا کے معنی کسی کو غلام بنانے کے ہیں

اَلرَّقْرَاقُ شراب کی چمک دمک کو کہتے ہیں اور رَقْرَاقَۃٌ کے معنی شفاف شراب کے ہیں نیز ہر وہ قطعہ زمین جو پانی سے متصل ہو اسے رِقَّۃٌ کہا جاتا ہے کیونکہ مرطوب ہونے کی وجہ سے وہ نرم ہوتی ہے مثال مشہور ہے (۱)

اَعَنْ صَبُوْحٍ تُرَقْرِقُ کیا تمہارا اشارہ صبح کی شراب سے ہے۔ یہ حسن طلب کے موقع پر بولا جاتا ہے۔

(ر ق ب)

اَلرَّقَبَۃُ اصل میں گردن کو کہتے ہیں پھر رقبۃ کا لفظ بول کر مجازاً انسان مراد لیا جاتا ہے اور عرف عام میں اَلرَّقَبَۃُ غلام کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے جیسا کہ لفظ رَأْسٌ اور ظَھْرٌ بول کر مجازاً سواری مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

فُلَانٌ یَرْبِطُ کَذَا ظَھْرًا اَوْ کَذَا رَأْسًا۔۔۔۔

یعنی فلاں کے پاس اتنی سواریاں ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ (۴-۹۲) کہ جو مسلمان کو غلطی سے (بھی) مار ڈالے تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرائے۔

اور رَقَبَۃٌ کی جمع رِقَابٌ آتی ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَفِی الرِّقَابِ (۲-۱۷۷) اور غلام کو آزاد کرنے میں۔ مراد مکاتب غلام ہیں۔ کیونکہ مال زکوٰۃ کے وہی مستحق ہوتے ہیں اور رَقَبْتُہٗ (ن) کے معنی گردن پر مارنے یا کسی کی حفاظت کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً۔۔۔۔۔ (۹-۱۰) کسی مسلمان کے بارے میں نہ تو قرابت کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں اور نہ ہی عہد و پیمان کا۔

اسی سے نگران کو رَقِیْبٌ کہا جاتا ہے یا تو اس لئے کہ وہ اس شخص کی گردن پر نظر رکھتا ہے جس کی نگرانی منظور ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ وہ نگرانی کے لئے بار بار اپنی گردن اٹھا کر دیکھتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ (۱۱-۹۳) تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (۵۰-۱۸) مگر ایک چوکیدار اس کے لکھنے کو تیار رہتا ہے۔

اَلْمَرْقَبُ۔ بلند جگہ جہاں رقیب (نگران) بیٹھ کر چوکسی کرتا ہے اور قمار بازوں کے محافظ کو بھی رَقِیْبٌ کہا جاتا ہے۔ جو قمار بازی کے بعد شراب نوشی کرتے ہیں۔ اسی طرح قمار بازی کے تیسرے درجہ کے تیر کو بھی رقیب کہتے ہیں۔

تَرَقُّبٌ (تفعل) کے معنی ہیں انتظار کرتے ہوئے کسی چیز سے بچنا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَخَرَجَ مِنْھَا خَائِفًا یَّتَرَقَّبُ (۲۸-۲۱) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکل بھاگے اور دوڑتے جاتے تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

۱؎ راجع للمثل المعاجم ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَقُوْبٌ اس عورت کو کہتے ہیں جو کثرت اولاد کی وجہ سے اپنے بچوں کی موت کی منتظر ہو نیز وہ اونٹنی جو پانی پینے کے لئے باری کے انتظار میں ہو اسے بھی رَقُوْبٌ کہا جاتا ہے اَرْقَبَ (افعال) کے معنی رُقْبیٰ کرنے کے ہیں یعنی کسی کو اس کی زندگی بھر کے لئے مکان وغیرہ ہبہ کر دینا اور اس کی موت کے بعد اس عطا کو واپس لے لینا۔ اور اسے رُقْبیٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہبہ کے بعد گویا وہ اس کی موت کا انتظار کرتا ہے۔ اور ایسے ہبہ کو عُمریٰ بھی کہا جاتا ہے[1]۔

(ر ق د)

اَلرُّقَادُ خوشگوار اور ہلکی سی نیند کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے رَقَدَ (ن) رُقُوْدًا فَهُوَ رَاقِدٌ اور رَاقِدٌ کی جمع رُقُوْدٌ آتی ہے جیسے فرمایا:۔ وَهُمْ رُقُوْدٌ (۱۸-۱۸) حالانکہ وہ (اصحاب کہف) سوئے ہوئے ہیں۔
اصحاب کہف کی گہری اور لمبی نیند کے باوجود ان پر رقود کا لفظ بول کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نیند خواہ کتنی ہی گہری اور لمبی کیوں نہ ہو موت کے مقابلہ میں وہ نوم خفیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ لوگوں کو یقین ہو چکا تھا کہ اصحاب کہف مر چکے ہیں قرآن نے وَهُمْ رُقُوْدٌ کہہ کر ان سے موت کی نفی کی ہے۔
اور مَرْقَدٌ (ظرف) خواب گاہ کو کہتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔ (۳۶-۵۱) ہم پر افسوس ہے کس نے ہمیں ہماری خواب گاہوں سے جگا اٹھایا۔
اور اَرْقَدَ الظَّلِيْمُ کے معنی شتر مرغ کے تیز دوڑنے کے ہیں گویا اس نے تیز روی سے اپنی نیند کو دور کر دیا۔

(ر ق م)

اَلرَّقْمُ کے معنی گاڑھے خط کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ رَقْمٌ کے معنی کتاب پر اعراب اور نقطے لگانے کے ہیں اور آیت:۔
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (۸۳-۹) وہ ایک کتاب ہے (وقتاً فوقتاً) اس کی خانہ پری ہوتی رہتی ہے۔
میں مَرْقُوْم کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی گاڑھے اور جلی خط میں لکھی ہوئی یا نقطے لگائی ہوئی۔
اور جو شخص کسی کام کا ماہر اور حاذق ہو اس کے متعلق ضرب المثل کے طور پر کہا جاتا ہے۔ فُلَانٌ يَرْقُمُ فِي الْمَاءِ یعنی وہ ماہر ہے۔
اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (۱۸-۹) کہ غار اور لوح والے۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ رَقِیْم ایک مقام کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس پتھر کی طرف نسبت ہے جس میں ان کے نام کندہ تھے اور گدھے کے دونوں بازوؤں پر جو نشان ہوتے ہیں انہیں رَقْمَتَا الْحِمَارِ کہا جاتا ہے اور اَرْضٌ مَرْقُوْمَةٌ تھوڑی گھاس والی زمین کو کہتے ہیں گویا وہ کتابت کے نشانات کی طرح ہے۔
اَلرَّقْمِيَّاتُ تیروں کو کہتے ہیں جو مدینہ کے ایک مقام کی طرف منسوب ہیں۔

(ر ق ی)

رَقِیَ (س) رُقِيًّا۔ فِي السُّلَّمِ کے معنی سیڑھی

---

[1] لکن اصحاب غریب الحدیث فرقوا بین العمریٰ والرقبیٰ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر چڑھنے کے ہیں اور اِرْتِقَاءٌ (انفعال) بھی اسی معنی
میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ (۳۸-۱۰) تو ان کو چاہیے
کہ سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھیں۔
مثل مشہور ہے[1]:۔ اِرْقَ عَلَىٰ ظَلْعِكَ یعنی اپنی
طاقت کے مطابق چلو اور طاقت سے زیادہ اپنے
آپ پر بوجھ نہ ڈالو۔
اور رُقْيَةٌ بمعنی رقیہ یعنی افسوں کرنے کے معنی
میں استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ ہے۔
كَيْفَ رُقْيُكَ اَوْ رُقْيَتُكَ کہ تمہارا افسوں کیسا ہے۔
اس میں رُقِيٌّ مصدر ہے اور رُقْيَةٌ اسم اور آیت کریمہ۔
وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ (۱۷-۹۳) یعنی ہم تیرے
افسوں پر یقین کرنے والے نہیں ہیں۔
میں رُقِيٌّ بمعنی رُقْيَةٌ کے ہے۔ اور آیت:۔
وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ (۷۵-۲۷) اور کون افسوں کرے۔
میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اس وقت جھاڑ پھونک
سے کوئی اس کی جان نہیں بچا سکے گا۔ چنانچہ اسی معنی
میں شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)
(۱۹۰) وَإِذَا الْمَنِيَّةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا
أَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيمَةٍ لَا تَنْفَعُ
کہ جب موت اپنا پنجہ گاڑ دیتی ہے۔ تو کوئی افسوں کارگر
نہیں ہوتا۔
ابن عباس نے مَنْ رَاقٍ کے معنی کئے ہیں کہ کون سے
فرشتے اس کی روح لے کر اوپر جائیں یعنی ملائکہ رحمت
یا ملائکہ عذاب۔

اَلتَّرْقُوَةُ ہنسلی کی ہڈی کو کہتے ہیں اس لحاظ سے
کہ سانس پھول کر وہیں تک چڑھتی ہے اس کی جمع
تَرَاقِي ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (۷۵-۲۶) سنو جی!
جب جان بدن سے نکل کر گلے تک پہنچ جائیگی۔

(ر ك ب)

اَلرُّكُوبُ کے اصل معنی حیوان کی پیٹھ پر سوار
ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (۱۶-۸) تاکہ ان سے سواری
کا کام لو اور (سواری کے علاوہ یہ چیزیں) موجب
زینت (بھی) ہیں۔
مگر کبھی کشتی وغیرہ پر سوار ہونے کے لئے بھی استعمال
ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ (۲۹-۶۵) پھر جب لوگ
کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔
مگر عرف میں رَاكِبٌ کا لفظ شتر سوار کے لئے
مخصوص ہو چکا ہے۔ اس کی جمع رَكْبٌ وَرُكْبَانٌ
اور رُكُوبٌ تینوں آتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (۸-۴۲) اور قافلہ تم
سے نیچے کی طرف کو (ہٹا ہوا) تھا۔
فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (۲-۲۳۹) تو پیادہ
یا سوار (ہو کر)
اور "رِكَابٌ" خاص کر مرکوب یعنی سواری پر بولا جاتا ہے۔
اَرْكَبَ الْمُهْرُ۔ بچھیرا سواری کے قابل ہو گیا۔

---

[1] المثل فی جل المعاجم [2] قالہ ابو ذؤیب الهذلی یرثی بنیہ والبیت من کلمۃ مفضلیۃ (۲: ۲۲۰) جمهرة (۱۴۳) فی ۶۲ بیتا مذکورہ بعضها فی اللسان (نسب) والخزانۃ (۱: ۲۰۲) والسیوطی ۹۲، ۳۰۳، ۹۳ و دیوان الهذلیین (۱: ۳) والعقد (۲: ۱۵) والصناعتین ۲۵۰ والاسد (۵: ۱۹۰) والسمط ۴۴۹، ۸۸۸ والحماسۃ للبحتری ۹۹ والکامل ۱۸۵ وشواہد الکشاف ونقد الشعر ۶ ومحاضرات المؤلف (۴: ۴۸۹) وخاص الخاص ۸۲ والفاضل للمبرد ۱۵۰ وفی تاریخ الطبری ان معاویۃ تمثل بہ عند موتہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُمَرْكَبُ۔ خاص کر اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کے گھوڑے پر سوار ہو یا جو شخص سواری نہ کر سکے یا سوار ہونا نہ جانتا ہو۔

اَلْمُتَرَاكِبُ وہ چیز جو تہ بر تہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا (۶-۱۰۰) پھر ہم سبز کونپلیں نکالتے ہیں کہ ان سے گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔

رُكْبَةٌ کے معنی زانو کے ہیں اور رَكَبْتُهُ کے معنی ہیں "میں نے اس کے زانو پر مارا" جیسے کَبَدْتُهُ (میں نے اس کے دل پر مارا) وَأَمْتَنْتُهُ (میں نے اس کے سر پر مارا) اور نیز رَكَبْتُهُ کے معنی گھٹنے سے مارنا بھی آتے ہیں۔ جیسے يَدَيْتُهُ (میں نے اسے ہاتھ سے مارا) عِنْتُهُ (میں نے اسے نظر لگادی) وغیرہ۔ پھر کنایۃ کے طور پر عورت کے ستر کو بھی رَكَبٌ کہہ دیتے ہیں[1] جیسا کہ مجازاً عورت کو مطیۃ (سواری) یا قَعِيدَة (بمعنی مُقْعَدَةٌ) کہا جاتا ہے۔

(ر ک د)

رَكَدَ (ن) رُكُودًا کے معنی پانی یا ہوا وغیرہ کے ٹھہر جانے کے ہیں۔ اسی طرح کشتی کے ٹھہر جانے پر بھی رُكُود کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ إِنْ يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ (۴۲-۳۲-۳۳) اور اس کی نشانیوں میں سے (رباد ہانی) جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح (اونچے اونچے) دکھائی دیتے ہیں اگر خدا چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔
جَفْنَةٌ رَكُودٌ لبالب بھرا ہوا پیالہ۔

(ر ک ز)

اَلرِّكْزُ دھیمی آواز (یا آہٹ) کو کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (۱۹-۹۸) اب تم ان میں سے کسی کو (بھی) دیکھتے ہو یا ان کی بھنک بھی سنتے ہو۔
اور رَكَزْتُ كَذَا۔ کے معنی ہیں میں نے اسے مخفی طور پر دفن کر دیا اسی سے اَلرِّكَاز ہے جس کے معنی دفینہ ہیں۔ خواہ اسے کسی انسان نے دفن کیا ہو، جیسے خزانہ وغیرہ یا قدرتی طور پر زمین کے اندر پایا جائے جیسے معدنیات اور اَلرِّكَاز کا لفظ ان دونوں کو شامل ہے۔ اور حدیث[2] (۱۵۹) وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ (رکاز میں خمس ہے) میں رکاز کے دونوں معنی بیان کئے گئے ہیں۔ عام محاورہ ہے:
رَكَزَ رُمْحَهُ اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور فوج کی فرودگاہ کو مَرْكَز کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جہاں ڈیرہ ڈالتے ہیں۔ وہاں زمین میں اپنے نیزے (جھنڈے) گاڑ دیتے ہیں۔

(ر ک س)

اَلرَّكْسُ کے معنی کسی چیز کو اس کے سر پر الٹا

---

[1] وفي الصحاح: الركب (بالتحريك) منبت العانة وقال الخليل يختص بالمرأة وقيل يعم [2] الاول عند اهل الحجاز والثاني عند اهل العراق والقولان تحتملها اللغة (النهاية) والحديث رواه الجماعة عن ابي هريرة ولہ الفاظ وطرق (راجع النيل ۴ر ۱۵۷) و مالك في مؤطاه عن الزهري والشافعي في الام ۲ ر ۳۷ والرسالة رقم ۵۲۲ تحقيق احمد شاكر ومسند احمد ۱ر ۳۲۵ رقم ۴۴۶ وايضاً عن ابن عباس وطب عن ثعلبة طس عن جابر وابن مسعود ؛

www.KitaboSunnat.com

کر دینا یا اس کے اول سرے کو موخر کر کے پچھلے سرے کے ساتھ ملا دینا کے ہیں محاورہ ہے:۔
اَرْكَسْتُهٗ میں نے اسے الٹا کر دیا اور رُكِسَ اس کا مطاوع آتا ہے۔ اور اِرْتَكَسَ فِيْ اَمْرِهٖ کے معنی کسی معاملہ میں الجھ جانے کے ہیں (یعنی کسی مصیبت سے رہائی کے بعد دوبارہ اس میں پھنس جانا) قرآن میں ہے:۔
وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر کفر میں پلٹا دیا ہے (۴-۸۸)

(ر ك ض)

اَلرَّكْضُ اس کے اصل معنی ٹانگ کو حرکت دینے کے ہیں اگر سوار کے متعلق بولا جائے جیسے:۔ رَكَضْتُ الْفَرَسَ تو اس کے معنی گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لئے ایڑھ لگانا کے ہوتے ہیں اور پیادہ پا آدمی کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی پاؤں کے ساتھ زمین کو روندنا کے ہوتے ہیں جیسے فرمایا:۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ (۳۸-۴۲) یعنی اپنی ٹانگ زمین پر مارو۔ اور آیت کریمہ:۔
لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ۔ (۲۱-۱۳) مت بھاگو اور ساز وسامان (دنیا) کی طرف لوٹ جاؤ جس میں تم چین کرتے تھے۔
میں انہیں شکست خوردہ ہو کر بھاگنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ نہی تہدیداً اور تعجیز کے لئے ہے)

(ر ك ع)

اَلرُّكُوْعُ اس کے اصل معنی انحناء یعنی جھک جانے کے ہیں اور نماز میں خاص شکل میں جھکنے پر بولا جاتا ہے اور کبھی محض عاجزی اور انکساری کے معنی میں آتا ہے خواہ بطور عبادت ہو یا بطور عبادت نہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲-۷۷) مسلمانو! (خدا کے حضور) سجدے اور رکوع کرو۔
وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (۲-۴۳) جو (ہمارے حضور بوقت نماز) جھکتے ہیں تم بھی انکے ساتھ جھکا کرو۔
وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (۲-۱۲۵) مجاورو اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں (کے لئے)
اَلرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ (۹-۱۱۲) رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے۔
شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۱۹۱) اُخَبِّرُ اَخْبَارَ الْقُرُوْنِ الَّتِيْ مَضَتْ
اَدِبُّ كَاَنِّيْ كُلَّمَا قُمْتُ رَاكِعٌ

میں گذشتہ لوگوں کی خبر دیتا ہوں (میں سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے) رینگ کر چلتا ہوں اور خمیدہ پشت کھڑا ہوتا ہوں۔

(ر ك م)

رَكْمٌ (ن) کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر تلے رکھنا قرآن میں ہے:۔ سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ۔ (۵۲-۴۴) تہ بہ تہ بادل۔
اَلرُّكَامُ اوپر تلے رکھی ہوئی چیز۔ جیسے فرمایا:۔
ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا (۲۴-۴۳) پھر اسے تو بر تو کر دیتا ہے۔

---

[1] قال لبید فی قصیدۃ لہ فی الحکم راجع (ا: ۳۶) والمعمرین ۶۱ والشعراء ۱۵۲ والاغانی (۱۴: ۹۷، ۱۳۴) مجاز القرآن (ا: ۴۵) واضداد ابی الطیب ۴۵۸ والمعانی للقتبی ۱۲۱۶ واللسان والتاج (رکع) ومجموعۃ المعانی ۲۳ الی ثلاثۃ ابیات والبحر (ا: ۱۷۳) والعقد (۲: ۷۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی سے ریت کے ٹیلے اور لشکر کو بھی رُکام کہا جاتا ہے اور مُرْتَکَمُ الطَّرِیْقِ شاہراہ کو کہتے ہیں۔ جس میں آمد و رفت کے نشانات بکثرت ہوں۔

(ر ک ن)

رُکْنٌ۔ کسی چیز کی وہ جانب جس کے سہارے پر وہ قائم ہوتی ہے استعارہ کے طور پر زور اور قوت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔
لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ (۱۱-۸۰) اے کاش (آج) مجھ کو تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میں کسی زبردست سہارے کا آسرا پکڑ جاتا۔
اور رَکِنْتُ اِلٰی فُلَانٍ اَرْکَنُ کے معنی کسی کی طرف مائل ہونے کے ہیں یہ فتح کاف کے ساتھ ہے مگر صحیح رَکَنَ یَرْکُنُ (ن) یا رَکِنَ یَرْکَنُ (س) ہے۔
قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَرْکَنُوْۤا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (۱۱-۱۱۳) اور جن لوگوں نے ہماری نافرمانی کی انکی طرف نہ جھکنا۔
نَاقَۃٌ مُرْکَنَۃُ الضَّرْعِ بڑے تھنوں والی اونٹنی۔
لَہٗ اَرْکَانٌ تُعَظِّمُہٗ (اس کی قوم اسے عزت کی نظر سے دیکھتی ہے۔
اَلْمُرْکَنُ۔ لگن۔ ٹب اور اَرْکَانُ الْعِبَادَاتِ سے عبادات کے وہ جوانب مراد ہوتے ہیں جو ان کا مبنیٰ بنتے ہیں اور ان کے ترک سے وہ باطل ہو جاتی ہیں۔

(ر م م)

اَلرَّمُّ (ن) کے معنی بوشیدہ چیز کی اصلاح اور مرمت کرنے کے ہیں اور رِمَّۃٌ خاص کر بوسیدہ ہڈی کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَہِیَ رَمِیْمٌ (۳۶-۷۸) ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جائیں گی تو انہیں کون زندہ کرسکتا ہے۔
مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْہِ اِلَّا جَعَلَتْہُ کَالرَّمِیْمِ (۵۱-۴۲) جس چیز پر سے ہو کر وہ گزرتی ہے اسے پرانی ہڈی کی طرح (چورہ) کئے بغیر نہ چھوڑتی۔
اَلرُّمَّۃُ خاص طور پر بوسیدہ رسی کو کہا جاتا ہے اور اَلرِّمُّ لکڑی، بھوسہ وغیرہ کے چورہ کو کہتے ہیں۔
رَمَمْتُ الْمَنْزِلَ عمارت کی مرمت کرنا جیسے تَفَقَّدْتُ (کسی چیز کی دیکھ بھال کرنا) مشہور محاورہ ہے[1] (مثل) اِدْفَعْہُ اِلَیْہِ بِرُمَّتِہٖ اسے کلیتہً اس کے سپرد کر دیجئے۔
اَلْاِرْمَامُ اس کے معنی خاموش ہونے کے ہیں اور اَرَمَّتْ عِظَامُہٗ کے معنی ہیں ہڈیوں کا اس قدر بوسیدہ ہو کر باریک ہو جانا کہ پھونکنے سے اڑ جائیں اور آواز نہ آئے تَرَمْرَمَ الْقَوْمُ کے معنی ہل پڑ بڑانے یا گفتگو کے لئے ہونٹ ہلا کر رہ جانے کے ہیں۔
اَلرُّمَّانُ (فُعْلَانٌ) انار کو کہتے ہیں۔

(ر م ح)

اَلرُّمْحُ کے معنی نیزہ کے ہیں اس کی جمع رِمَاحٌ آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
تَنَالُہٗۤ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ (۵-۹۴) جہاں تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکیں۔
اور رَمَحَہٗ کے معنی کسی کو نیزہ سے مارنے کے ہیں اور رَمَحَتْہُ الدَّابَّۃُ کے معنی جانور کے دولتی جھاڑنے کے ہیں۔ اَلسِّمَاکُ الرَّامِحُ ایک ستارے کا نام ہے کیونکہ اس کے پیش پیش ایک دم دار ستارہ ہوتا ہے جو دیکھنے میں نیزے جیسا معلوم ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے[2]

---

[1] انظر للکلمۃ ادب الکاتب لابن قتیبہ ۴۷ والمیدانی ا ر ۲۴۳ [2] ویرد فی المستقصیٰ المیدانی (۱: ۴۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَخَذَتِ الْاِبِلُ رِمَاحَهَا اونٹوں نے اپنے نیزے سنبھال لئے۔ یعنی تنومند یا موٹا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو ذبح سے بچالیا۔
اَخَذَتِ الْبُهْمٰی رُمْحَهَا بُھمٰی۔ گھاس خاردار ہوگئی۔ کیونکہ وہ بھی خاردار ہونے کی وجہ سے چرواہوں سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

(ر م د)

رَمَادٌ وَ رِمْدٌ اَرْمِدَاءُ وَاَرْمُدٌ وَاَرْمِدَاءُ (خاکستر) راکھ کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (۱۴-۱۸) گویا راکھ کا ڈھیر ہے جسے آندھی کے دن ہوا اڑا کرلے جائے۔
رَمَدَتِ النَّارُ کے معنی آگ کے بجھ کر راکھ بن جانے کے ہیں پھر استعارہ کے طور پر ہلاکت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ھَمَدَ کا لفظ مجازاً بمعنی ہلاکت آجاتا ہے۔ اور رَمِدَ الْمَاءُ کے معنی پانی کے گدلا ہو جانے کے ہیں۔ گویا اس میں راکھ ڈال دی گئی ہے اور رَاَرْمَدُ خاکستری رنگ کی چیز کو کہتے ہیں اور مچھر کو رَمَدٌ کہا جاتا ہے (جو اَرْمَدُ کی جمع ہے) اور رَمَادَةٌ کے معنی قحط سالی کے ہیں۔

(ر م ز)

اَلرَّمْزُ (ن) ہونٹ کے ساتھ اشارہ کرنے یا ہلکی سی آواز کے ہیں۔ اور ابرو کے ساتھ اشارہ کرنے کو غمز کہا جاتا ہے۔ پھر استعمال میں ہر وہ کلام جو اشارہ کی طرح ہو رَمْزٌ کہلاتی ہے جیسا کہ شکایت کو غمز کہہ دیتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (۳-۴۰) نشانی (جو تم مانگتے ہو) یہ ہے کہ تین روز تک لوگوں سے بات نہ کرو۔ مگر اشارہ سے۔
اور مَا اَرْمَازَ کے معنی ہیں اس نے اشارہ سے بھی بات نہ کی اور كَتِيْبَةٌ رَمَّازَةٌ بڑے لشکر کو کہتے ہیں۔ کیونکہ بوجہ کثرت ازدحام کے اس میں آواز سنائی نہیں دیتی اور صرف اشاروں سے کام لیا جاتا ہے۔

(ر م ض)

شَهْرُ رَمَضَانَ (۲-۱۸۵) روزوں کا مہینہ یہ رَمَضٌ سے مشتق ہے جسکے معنی سورج کی سخت تپش کے ہیں اَرْمَضَتْهُ سخت تپش نے اسے جھلس دیا۔ فَرَمِضَ چنانچہ وہ جھلسا گیا۔
اَرْضٌ رَمِضَةٌ سخت گرم سرزمین۔ رَمِضَتِ الْغَنَمُ سخت گرمی میں باہر چرنے کی وجہ سے بکریوں کے جگر زخمی ہو گئے۔
فُلَانٌ يَتَرَمَّضُ الظِّبَاءَ فلاں سخت گرم جگہ میں ہرن شکار کرتا ہے۔

(ر م ی)

اَلرَّمْیُ (ض) کے معنی پھینکنے کے ہیں یہ اجسام (مادی چیزیں) جیسے تیر وغیرہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۸-۱۷) اے پیغمبر جب تونے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تیر چلائے۔
اور اقوال کے متعلق استعمال ہو تو "قذف" کی طرح اس کے معنی سب وشتم اور تہمت طرازی کے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔
وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (۲۴-۶) جو لوگ اپنی بیبیوں پر (زنا کا) عیب لگائیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (۲۴-۴) جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں۔

محاورہ ہے۔ اَرْمٰی فُلَانٌ عَلٰی مِائَۃٍ وہ سو سے زائد ہیں۔ خَرَجَ یَتَرَمّٰی وہ نکل کر نشانہ بازی کرنے لگا۔

(ر ھ ب)

اَلرَّھْبُ وَالرَّھْبَۃُ ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں احتیاط اور اضطراب بھی شامل ہو۔ قرآن میں ہے:۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَھْبَۃً (۵۹-۱۳) تمہاری ہیبت تو ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے بڑھکر ہے۔

جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ (۲۸-۳۲) (اور دفع خوف کے لئے اپنے بازو سکیڑ لو)۔

اس میں ایک قرأت رُھْب بضم الراء بھی ہے۔ جس کے معنی فَزَعٌ یعنی گھبراہٹ کے ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ میں رَھْبٌ کی تفسیر معلوم کرنے کی غرض سے نکلا۔ دریں اثنا کہ میں کھانا کھا رہا تھا ایک اعرابی عورت آئی۔ اور اس نے کہا اے اللہ کے بندے مجھے کچھ خیرات دیجئے۔ جب میں لپ بھر کر اسے دینے لگا تو کہنے لگی ھٰھُنَا فِیْ رَھْبِیْ یعنی یہاں میری آستین میں ڈال دیجئے (تو میں سمجھ گیا کہ آیت میں بھی رھب بمعنی آستین ہے) لیکن پہلے معنی یعنی گھبراہٹ کے زیادہ صحیح ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

رَغَبًا وَّرَھَبًا (۲۱-۹۰) (ہمارے فضل کی توقع اور ہمارے عذاب کے خوف سے ہمیں پکارتے رہتے ہیں)۔

تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ (۸-۶۰) اس سے تم اللہ کے دشمنوں پر (اور اپنے دشمنوں پر) دھاک بٹھائے رکھو گے۔

اور آیت:۔

وَاسْتَرْھَبُوْھُمْ (۷-۱۱۶) اور ان کو دہشت میں ڈال دیا۔ میں اِسْتِرْھَاب کے معنی دہشت زدہ کرنے کے ہیں۔

وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (۲-۴۰) اور مجھ سے ہی ڈرو۔

اور تَرَھُّبٌ (تفعل) کے معنی تعبد یعنی راہب بننے اور عبادت میں خوف سے کام لینے کے ہیں اور فرط خوف سے عبادت گذاری میں غلو کرنے کو رَھْبَانِیَّۃٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَرَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا (۵۷-۲۷) اور رہبانیت (لذت دنیا کا چھوڑ بیٹھنا) جو انہوں نے از خود ایجاد کی تھی۔

اور رُھْبَان (صومعہ نشیں لوگ) واحد بھی ہو سکتا ہے اور جمع بھی جو اس کو واحد قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اس کی جمع رَھَابِیْن آتی ہے لیکن اس کی جمع رَھَابِنَۃٌ بنانا زیادہ مناسب ہے۔

اَلْاِرْھَابُ (افعال) کے اصل معنی اونٹوں کو خوف زدہ کرنے کے ہیں۔ یہ اَرْھَبْتُ (افعال) کا مصدر ہے۔ اور اسی سے "رَھْبٌ" ہے جس کے معنی لاغر اونٹنی (یا فتنر ترقوی وکلاں جثہ) کے ہیں مشہور محاورہ ہے[1]:۔ رَھَبُوْتٌ خَیْرٌ مِّنْ رَّحَمُوْتٍ کہ رحم سے خوف بہتر ہے۔

(ر ھ ط)

اَلرَّھْطُ دس آدمیوں سے کم جماعت کو رھط کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا اطلاق چالیس آدمیوں تک کی جماعت پر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] ای لان یفرق منک خیر من ان تحب ای مجمع الامثال ۳، ۷، رقم ۲۰۵۸ واللسان (رہب) وغریب القرآن للقتبی ۱۹ وفی الکامل ۱، ارہبوتی خیر لک من رحموتی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ (۲۷-۴۸) نو آدمی تھے جو ملک میں فساد کرتے ۔
وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (۱۱-۹۱) اگر تیری برادری کے لوگ نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے ۔
يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ (۱۱-۹۲) میری قوم! کیا میری برادری کے لوگ تمہیں (اللہ تعالے سے) زیادہ عزیز ہیں۔
اَلتُّرْهَطُ جنگلی چوہے کا بل۔ اور اس کو رُهَطَةٌ بھی کہا جاتا ہے۔ اور شاعر کے شعر[1] - (المتقارب)
(۱۹۲) اَجْعَلُكَ رَهْطًا عَلٰى حُيَّضٍ
(میں تجھے حیض والی عورتوں کا لتہ بنا دوں گا یعنی نہایت ذلیل کر دوں گا)
میں بعض نے رَهْط کے معنی اس چمڑے کے لیے ہیں۔ جو حائض عورتیں ایام ماہواری میں پہنا کرتی تھیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ شعر مذکور میں رهط سے مراد وہ چیتھڑا ہے۔ جو حائض عورت جائے مخصوص میں رکھتی ہے۔ اور اسی سے مشہور محاورہ ہے۔ هُوَ اَذَلُّ مِنَ الرَّهْطِ۔ وہ حیض کے چیتھڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

(ر ھ ق)

رَهِقَهٗ (س) رَهَقًا۔ الامر کسی معاملہ نے اسے بزور وجبر دبا لیا۔ اور رَهِقَهٗ وَاَرْهَقَهٗ (مجرد و مزید فیہ) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسے رَدِفَهٗ وَاَرْدَفَهٗ وَبَعَثَهٗ وَابْتَعَثَهٗ۔ قرآن میں ہے۔
وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (۱۰-۲۷) اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (۷۴-۱۷) ہم عنقریب اس کو عذاب سخت میں مبتلا کر دیں گے۔
اور اسی سے اَرْهَقْتُ الصَّلٰوةَ ہے جس کے معنی نماز کو آخر وقت تک موخر کرنے کے ہیں۔ حتی کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

(ر ھ ن)

اَلرَّهْنُ (گروی رکھی ہوئی چیز) اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو قرض میں بطور ضمانت رکھی جائے۔ اور یہی معنی رِهَانٌ کے ہیں۔ لیکن رهان خاص کر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مقابلہ میں شرط کے طور پر رکھ لی جائے اصل میں یہ دونوں لفظ مصدر ہیں جیسے: رَهَنْتُ الرَّهْنَ وَرَاهَنْتُهٗ رِهَانًا اور رَهِيْنٌ وَمَرْهُوْنٌ صیغہ صفت ہیں اور رَهْنٌ کی جمع رِهَانٌ رُهُنٌ اور رُهُوْنٌ آتی ہے۔ اور آیت۔
فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (۲-۲۸۳) تو کچھ رہن قبضہ میں رکھ لو۔
میں ایک قراءت رُهُنٌ بھی ہے۔ اور آیت
كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۔ (۷۴-۳۸) ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ رَهِيْنَةٌ فعیل بمعنی فاعل ہے اور اس کے معنی ثابت اور قائم رہنے والی کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فعیل بمعنی مفعول

---

[1] قاله ابو المثلم الهذلی وصدرہ: متى ما اشأ غير زهو الملوك ..... والبيت في اللسان (رهط، زهو) والمقاييس (۲: ۵۰/۳: ۲۹) يغير عن المعاني الكبير ۱/۴۸۰، ۹۳۵، والمشكل للقتبي ۱۹۱ في ارجة وتهذيب الالفاظ ۶۷۶ وباب الشباب، وديوان الهذليين (۲: ۲۲۳-۲۴۰) خطاب الشاعر بني خزاعة بن سعد بن هذيل وترجمته في المؤتلف ۱۰۰ قال القتبي في المعاني الرهط جلد يشق اسفله ويترك اعلاه فيلبسه الصبيان والحائض وكانوا في الجاهلية يطوفون عراة والنساء في الرهط وهو شقة قدر ما بين الركبة الى السرة

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہے اور اس کے معنی ہیں کہ ہر شخص اپنے گزشتہ اعمال کی پاداش میں رکا رہے گا۔

پھر رِ ھْن میں چونکہ حبس در وکنے، کے معنی پائے جاتے ہیں اس لئے کبھی مجازاً رھن بمعنی حبس یعنی مطلق کسی چیز کو روکنے کے آجاتا ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے اور رَهَنْتُ فُلَانًا وَرَهَنْتُ عِنْدَهٗ کے معنی کسی کے پاس گروی رکھنے کے ہیں اور اِرْتَهَنْتُ (افتعال) کے معنی گروی لینے کے۔

او ساَرْهَنْتُ (افعال) فِی السِّلْعَةِ کے معنی بعض نے سامان تجارت کو گراں فروخت کرنا کئے ہیں۔ اصل میں اس کے معنی بیعانہ کے طور پر کچھ سامان دے دینے کے ہیں۔ جو قیمت ادا کرنے تک بطور ضمانت بائع کے پاس رہتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

(ر ھ و)

(الرَّهْوُ ساکن چنانچہ، آیت کریمہ:۔ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا (۴۴-۲۴) اور دریا کو ساکن چھوڑ دے۔

میں رَهْوًا کے معنی ساکن کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس سے راستہ کی کشادگی مراد ہے اور یہی معنی صحیح ہیں[2]۔ اور اسی سے رَهَاءٌ ہے جس کے معنی ہموار جنگل کے ہیں اور ہر وہ ہموار قطعہ زمین جہاں پانی جمع ہوتا ہو اسے رَهْوٌ کہا جاتا ہے اسی سے ایک حدیث ہے[3] (۱۶۰) لَا شُفْعَةَ فِی رَهْوٍ... کہ پانی کی گذرگاہ کے مشترک ہونے سے حق شفع ثابت نہیں ہوتا۔

ایک اعرابی نے ٹانگیں پھیلا کر کھڑے ہوئے اونٹ دیکھ کر کہا:۔ رَهْوٌ بَيْنَ سَنَامَيْنِ. کہ یہ دونوں بلندیوں کے درمیان رَهْوٌ یعنی کشادگی ہے۔

(ر و ح ی)

اَلرَّوْحُ وَالرُّوْحُ۔ دراصل ایک ہی ہیں رُوح کا اطلاق سانس پر ہوتا ہے شاعر نے آگ کے متعلق کہا ہے[4] (طویل)

(۱۹۵) فَقُلْتُ لَهٗ ارْفَعْهَا اِلَیْكَ وَاَحْیِهَا
بِرُوحِكَ وَاجْعَلْ لَهَا قِیتَةً قَدْرًا

تو میں نے کہا کہ اسے اٹھاؤ اور قدر سے نرم پھونک مار کر اسے سلگاؤ اور اس میں تھوڑا سا ایندھن ڈال دو۔

اور سانس بھی چونکہ روح کا ایک جزء ہے۔۔۔ اس لئے مجازاً اسے روح کہہ دیا ہے جیسا کہ نوع کو اسم جنس سے تعبیر کر دیتے ہیں مثلاً تَسْمِیَةُ الْاِنْسَانِ بِالْحَیَوَانِ اور کبھی روح کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ زندگی حرکت، منافع کا حصول اور مضرت سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (۱۷-۸۵) اور تجھ سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ یہ میرے پروردگار کا ایک حکم ہے۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (۱۵-۲۹) اور میں نے

---

[1] ذکرہ الطبری (۲۵: ۱۲۱-۱۲۲) والاولی الاقوال فی ذالک بالصواب ای الساکن ؛ [2] الحدیث فی الفائق ۳ / ۲۲۲ وغریب ابی عبید ۳ / ۱۲ و فی الصحاح (رھو) والتاج واللسان (رلم)؛ [3] قالہ ذوالرمۃ وفی لسان العرب وحیاہا واقتت لہا قیتۃ قدرا بمل واجعل لہا الخ یقال واقتت نارک قیتۃ ای اطعمہا والبیت من شواہد الطبری (۲-۶-۳) واللسان (قتت، نفخ، حی) ودیوانہ ۳ م من قصیدۃ لہ والمشکل للقتیبی ۱۷۰ فی ثلاثۃ ابیات والبحر (۳: ۱۰۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں اپنی طرف سے، روح پھونک دی۔

یں روح کے یہی معنی مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا اضافت ملک کے طور پر ہے جس سے اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (۲-۱۲۶) میں بیت کی اضافت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ۔ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا (۳۹-۵۳) اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی۔

میں عباد کی نسبت بھی یا متکلم (ذات باری تعالیٰ) کی طرف اضافت تشریفی ہے۔

اور قرآن نے ذو شرف ملائکہ کو بھی ارواح سے موسوم کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (۷۸-۳۸) جس روز کہ روح (فرشتہ) اور دیگر ملائکہ صفیں باندھ کھڑے ہوں گے۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ (۷۰-۴) فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں۔

اور آیت:۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (۲۶-۱۹۳) اسے روح امین لے کر اترا۔

میں روح امین سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور دوسری آیت میں جبریل علیہ السلام کو روح القدس بھی کہا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ (۱۶-۱۰۲) اس قرآن کو روح القدس لے کر آتے ہیں۔

قرآن نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو روح کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَرُوحٌ مِّنْهُ (۴-۱۷۱) اور وہ ایک روح تھی جو خدا کی طرف سے آئی۔

اور عیسٰیؑ کو روح اس لئے کہا ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

اور قرآن کو بھی روح کہا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا۔ (۴۲-۵۲) اس طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی) جان (یعنی یہ کتاب) تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی۔ اس لئے قرآن سے حیات اخروی حاصل ہوتی ہے جس کے متعلق فرمایا:۔

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ۔ (۲۹-۶۴) اور دار آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

اور رَوْح (بفتح الراء) کے معنی سانس کے ہیں اور أَرَاحَ الْإِنْسَانُ کے معنی تنفس یعنی سانس لینے کے اور آیت:۔

فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ (۵۶-۸۹) تو راحت اور رزق ہے۔

میں رَیحان سے خوشبودار چیزیں مراد ہیں اور بعض نے رزق مراد لیا ہے۔ اور کھانے کے اناج کو بھی ریحان کہا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ۔ (۵۵-۱۲) اور ہر طرح کے اناج جو بھوسی کے خول کے اندر ہوتے ہیں اور کھانے کا اناج۔

ایک اعرابی سے پوچھا گیا کہ کہاں جا رہے ہو۔ تو اس نے جواب دیا: "أَطْلُبُ مِنْ رَيْحَانِ اللهِ" کہ میں اللہ کے رزق کی تلاش میں ہوں لیکن اصل معنی وہی ہیں۔ جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں (یعنی خوشبودار چیز) ایک حدیث میں ہے[1]۔ (۱۶۲) أَلْوَلَدُ مِنْ رَيْحَانِ اللهِ کہ اولاد بھی اللہ کے ریحان سے ہے اور یہ ایسے ہی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے[2]۔ (

---

[1] کلمۃ من حدیث طویل راجع الفائق ا/۵۸ (جبن) أکم لمن ریحان اللہ وفی (الحکیم عن خولۃ بنت حکیم الولد من ریحان الجنۃ وفی العیون (۴-۹۴) والعقد ۸/۳۴) الولد من ریحان اللہ (راجع العراقی ۲/۸۱ والطبرانی فی الصغیر ۱۶۹ والفتح الربانی ۱/۳۴۴

[2] لاعرابیۃ کانت ترقص ولدہا راجع ادب الدنیا والدین لشرح لخان زادہ والعیون (۳: ۹۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۹۷) یَاحَبَّذَا رِیْحُ الْوَلَدِ
رِیْحُ الْخُزَامٰی فِی الْبَلَدِ
اولاد کی خوشبو کیسی پیاری ہے۔ یہ خزامی گھاس کی خوشبو ہے جو شہر میں مہکتی ہے اور اولاد کو ریحان اس لئے کہا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے
اَلرِّیْحُ کے معنی معروف ہیں۔ یعنی ہوا متحرک کو کہتے ہیں عام طور پر جن مواضع میں ارسال الریح صیغہ مفرد کے ساتھ مذکور ہے وہاں عذاب مراد ہے اور جہاں کہیں لفظ جمع کے ساتھ مذکور ہے وہاں رحمت مراد ہے۔ چنانچہ رِیْح کے متعلق فرمایا:۔
اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا۔ (۵۴-۱۹) ہم نے ان پر ایک زناٹے کی آندھی چلائی۔
فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا۔ (۳۳-۹) تو ہم نے ان پر آندھی چلائی۔
کَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ (۳-۱۱۷) مثال اس ہوا کی ہے جس میں بڑی ٹھر بھی ہو۔
اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ (۱۴-۱۸) اس کو سخت ہوا لے اڑی۔
اور رِیَاح (جمع کا لفظ) کے متعلق فرمایا:۔
وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ۔ (۱۵-۲۲) اور ہم ہی ہوا کو چلاتے ہیں جو بادلوں کو پانی بار دار کرتی ہے۔
اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرَاتٍ (۳۰-۴۶) کہ وہ ہواؤں کو اس غرض سے بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بارش کی خوشخبری پہنچائیں۔
یُرْسِلُ الرِّیَاحَ بُشْرًا (۷-۵۷) باران رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ لوگوں کو مینہ کی آمد کی خوشخبری پہنچادیں۔
اور آیت:۔ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا (۳۰-۴۸) اور وہ قادر مطلق ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ ہوائیں بادلوں کو ان کی جگہ سے ابھارتی ہے۔
میں بھی چونکہ معنی رحمت اغلب ہے اس لئے یہاں لفظ جمع کی قراءت زیادہ صحیح ہے۔
کبھی مجازاً رِیْح۔ بمعنی غلبہ بھی آجاتا ہے چنانچہ فرمایا:۔
فَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ (۸-۴۶) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔
محاورہ ہے:۔
اَرْوَحَ الْمَاءُ پانی متغیر ہوگیا خاص کر بدبودار ہونے کے وقت بولتے ہیں۔
رِیْحَ الْغَدِیْرُ یُرَاحُ جوہڑ پر ہوا کا چلنا۔ اور اَرَاحُوْا کے معنی رَوَاح یعنی شام کے وقت میں داخل ہونے کے ہیں اور خوشبودار تیل کو دُهْنٌ مُرَوَّحٌ کہا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے[۱۶۳] لَمْ یُرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا۔
اَلْمِرْوَحَةُ ہوا چلنے کی سمت اَلْمِرْوَحَةُ (آلہ) پنکھا۔ اَلرَّائِحَةُ مہکنے والی خوشبو۔
محاورہ ہے:۔
رَاحَ فُلَانٌ اِلٰی اَهْلِهٖ (۱) فلاں اپنے اہل کیطرف ہوا کی طرح تیزی کے ساتھ گیا۔ (۲) اس نے اپنے اہل وعیال میں پہنچ کر راحت حاصل کی۔

[۱۶۲] کسبہ فی الاتقان الی ابی بن کعب ومجیدہ ماورد فی الادعیۃ الماثورۃ اللہم اجعلہا ریاحا ولا تجعلہا ریحا (الخالق ۱/۲۵۴) وتقدرہ الخفاجی فی شرح الدرۃ ۱۲۳-۱۲۴۔ ورد فی القرآن خلافہ ولسلیمان الریح عاصفۃ (۲۱-۱۸) وجرین بہم بریح طیبۃ (۱۰-۲۲) وفی الحدیث
نصرت بالصبا وھی ریح الانبیاء [۱۶۳] حدیث لم یرح رائحۃ الجنۃ ورد فی قتل المعاہد (حم، خ، ن، ۵) عن ابن عمرو الفائق ۱/۵۴ وہو الغریب لابی عبید ۵/۱۰ راجع کنز العمال ج ۴ رقم ۱۸۲۱، ۱۸۲۴-۱۸۲۵ وزد لہ ابن حبان رقم ۳۰، ۱۳۳۳-۱۳۳۴ عن ابی بکرۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلرَّاحَةُ آرام۔ یہ بھی رَوْحٌ سے ماخوذ ہے۔
مشہور محاورہ ہے:۔ اِفْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ مَرَاحٍ وَرَوَاحٍ کہ آرام سے یہ کام کرو۔
اَلْمُرَاوَحَةُ کے معنی ہیں دو کاموں کو باری باری کرنا۔ اور استعارہ کے طور پر رَوَاحٌ سے دوپہر کو آرام کا وقت مراد لیا جاتا ہے اور اسی سے کہا جاتا ہے۔
اَرَحْنَا اِبِلَنَا کہ ہم نے اونٹوں کو آرام دیا (یعنی باڑہ میں لے آئے) اور پھر اَرَحْتُ اِلَیْهِ سے بطور استعارہ کہا جاتا ہے۔
اَرَحْتُ اِلَیْهِ حَقَّهُ کہ میں نے اس کا حق واپس لوٹا دیا اور مُرَاحٌ باڑے کو کہا جاتا ہے اور تَرَوَّحَ الشَّجَرُ وَرَاحَ یَرَاحُ کے معنی درخت کے شگوفہ دار ہونے اور نئے پتے نکالنے کے ہیں اور کبھی رَوْحٌ سے وسعت اور فراخی کے معنی بھی مراد لئے جاتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے۔
قَصْعَةٌ رَوْحَاءُ فراخ پیالہ اور آیت کریمہ:۔
وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ .... (۱۲-۸۷)
اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔
میں بھی وسعت رحمت مراد ہے جو لفظ رَوْحٌ سے مفہوم ہوتی ہے۔

(ر و د)

اَلرَّوْدُ اس کے اصل معنی نرمی کے ساتھ کسی چیز کی طلب میں بار بار آمد و رفت کے ہیں اور اس معنی میں فعل رَادَ وَارْتَادَ آتا ہے اسی سے رَائِدٌ ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جسے پانی اور چارہ کی تلاش کیلئے قافلہ سے آگے بھیج دیا گیا ہو اور رَادَتِ الْاِبِلُ کے معنی گھاس کی تلاش میں اونٹوں کو ادھر ادھر لئے پھرنا کے ہیں پھر نرمی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے رَادَتِ الْاِبِلُ فِیْ مَشْیِهَا۔ یَرُوْدُ رَوَدَانًا اونٹ نرم رفتار چلے۔ اور اسی سے مِرْوَدٌ ہے جس کے معنی سرمہ لگانے کی سلائی یا حلقہ لگام کے لوہا کے ہیں اور اَرْوَدَ یُرْوِدُ (افعال) کے معنی ہیں نرمی کرنا اور اس سے رُوَیْدًا (اسم فعل) ہے جیسے رُوَیْدَكَ الشِّعْرَ یَغِبُّ کل تک شعر کو مہلت دو (یعنی اس پر غور کر لو)۔
اَلْاِرَادَةُ یہ رَادَ یَرُوْدُ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کی طلب میں کوشش کرنے کے ہیں اور ارادۃ اصل میں اس قوۃ کا نام ہے، جس میں خواہش ضرورت اور آرزو کے جذبات ملے جلے ہوں پھر اس سے مراد دل کا کسی چیز کی طرف کھنچنا اس فیصلہ کے ساتھ کہ اسے کرنا چاہیئے۔ یا نہیں اس لیے یہ کبھی دل کے کسی طرف کھنچنے کے لئے بولا جاتا ہے جو کہ ارادہ کا مبدا ہے اور کبھی صرف منتہی کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ یعنی محض فیصلہ کے لئے۔
جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے متعلق استعمال ہو تو منتہی کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ یعنی کسی کام کا فیصلہ نزوع نفس کا معنی مراد نہیں ہوتا کیونکہ ذات باری تعالیٰ خواہشات نفسانی سے مبرا ہے لہٰذا اَرَادَ اللّٰهُ كَذَا کے معنی ہوں گے۔ اللہ نے فلاں کام کا فیصلہ کیا چنانچہ فرمایا:۔
اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (۳۳-۱۷) یعنی اگر خدا تمہاری برائی کا فیصلہ کرے یا تم پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے۔
اور کبھی ارادہ بمعنی امر کے آتا ہے مثلاً اُرِیْدُ مِنْكَ كَذَا کے معنی یہ ہیں کہ تجھے فلاں کام کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ جیسے قرآن میں ہے۔
یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ..... (۲-۱۸۸) اللہ تمہارے ساتھ آسانی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا چاہتا ہے۔ اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔
(یعنی آسان کاموں کا حکم دیتا ہے اور ایسے امور کا حکم نہیں دیتا جس سے تم سختی میں مبتلا ہو جاؤ)
اور کبھی ارادہ بمعنی قصداً آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ۔ (۲۸-۸۳) وہ دنیا میں کسی طرح کی شیخی نہیں کرنا چاہتے۔
یعنی نہ اس کا قصد کرتے ہیں اور نہ ہی اسے اپنا مطلوب بناتے ہیں پھر جس طرح یہ لفظ قوت اختیاریہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح قوت تسخیری یعنی اضطراری اور غیر اختیاری امور میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ارادہ کا لفظ حیوانات اور جمادات دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں دیوار کے متعلق فرمایا:۔
يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ (۱۸-۷۷) کہ وہ گرا چاہتی تھی۔
یعنی گرنے کے قریب تھی۔ اور محاورہ ہے:۔
فَرَسِي تُرِيدُ التِّبْنَ کہ میری گھوڑی بھوسہ کھانا چاہتی ہے۔
اَلْمُرَاوَدَةُ (مفاعلہ) یہ بھی رَادَ يَرُودُ سے ہے اور اس کے معنی ارادوں میں باہم اختلاف اور کشیدگی کے ہیں۔ یعنی ایک کا ارادہ کچھ ہو اور دوسرے کا کچھ اور رَاوَدْتُ فُلَانًا عَنْ كَذَا کے معنی کسی کو اس کے ارادہ سے پھسلانے کی کوشش کرنا کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي (۱۲-۲۶) اس نے مجھے میرے ارادہ سے پھیرنا چاہا۔
تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ (۱۲-۳۰) وہ اپنے غلام سے ناجائز مطلب حاصل کرنے کے درپے ہے۔
یعنی اسے اس کے ارادہ سے پھسلانا چاہتی ہے۔
سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ (۱۲-۶۱) ہم اس کے باپ کو اس سے پھیرنے کی کوشش کریں گے۔
(یعنی اسے آمادہ کریں گے کہ وہ برادر یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دے)
وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ۔ (۱۲-۳۲) بے شک میں نے اس سے (ناجائز) مطلب حاصل کرنا چاہا۔

(ر ء س)

اَلرَّأْسُ سر کو کہتے ہیں اور اس کی جمع رُؤُوْسٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا (۱۹-۴) اور سر (بڑھاپے کی آگ) سے بھڑک اٹھا ہے۔
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوْسَكُمْ (۲-۱۹۶) اپنے سر نہ منڈاؤ۔
اور کبھی رَأْسٌ بمعنی رئیس بھی آتا ہے اور اَرْءَسُ (اسم تفضیل) کے معنی بڑے سر والے کے ہیں اور سیاہ سر والی بکری کو شَاةٌ رَأْسَاءُ کہتے ہیں اور رِيَاسُ السَّيْفِ کے معنی دستہ شمشیر کے ہیں۔

(ر و ض)

اَلرَّوْضُ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو اور سرسبز بھی ہو۔ قرآن میں ہے:۔
فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ۔ (۳۰-۱۵) باغ بہشت میں ان کی خاطر داریاں ہو رہی ہوں گی۔
اور پانی کے جمع ہونے کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔
أَرَاضَ الْوَادِي وَاسْتَرَاضَ وادی میں پانی وافر ہو گیا اور أَرَاضَهُمْ کے معنی ہیں "اس نے لوگوں کو سیراب کر دیا"
اَلرِّيَاضَةُ کسی سے بکثرت کوئی کام لینا تاکہ اسے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں سدھاؤ اور مہارت پیدا ہو جائے۔ اسی سے رُضْتُ الدَّابَّۃَ ہے یعنی سواری کو سدھانا اور مطیع کرنا۔ اور اِفْعَلْ کَذَا مَادَامَتِ النَّفْسُ مُسْتَرَاضَۃً کے معنی ہیں کہ اس وقت تک یہ کام کرو جب تک نفس محنت کے قابل رہے یا اس میں وسعت رہے اور یہ اِرَاضَۃٌ یا رَوْضٌ سے مشتق ہوگا اور آیت کریمہ۔ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ (۳۰-۱۵) میں رَوْضَۃ سے جنت کے سبزہ زار یعنی اس کے محاسن اور لذّات مراد ہیں اور آیت فِیْ رَوْضَاتِ الْجَنَّۃِ میں (صیغہ جمع سے) ان ظاہری نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو آخرت میں اصحاب جنت کے لئے تیار کی گئیں ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ان علوم و اخلاق کی طرف اشارہ ہے جن میں تخصص حاصل کر لینے سے انسان کا دل پاکیزہ ہو جاتا ہے۔

(ر و ع)

اَلرَّوْعُ کے معنی خَلَدٌ یعنی دل کے ہیں جیسے حدیث میں ہے[ط] (۱۴۷)

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ ..... کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی۔ اور رَوْعٌ (بفتح الراء) خوف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ (۱۱-۷۴) پھر جب ابراہیم (کے دل سے) خوف دور ہوا۔

محاورہ ہے:۔ رُعْتُہٗ وَرَوَّعْتُہٗ خوف زدہ کرنا، گھبرا دینا۔ نَاقَۃٌ رَوْعَاءُ ڈرپوک اونٹنی۔

اَرْوَعُ۔ وہ چیز جو اپنے حسن و جمال سے دیکھنے والے کو حیرت میں ڈال دے گویا خوف زدہ کر رہی ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[ط]۔

(۱۹۸) یَھُوْلُکَ اِنْ تَلْقَاہُ فِی الصَّدْرِ مَحْفَلًا

کہ محفل میں اس سے ملاقات کرے تو دل میں ہول پیدا کر دے۔

(ر و غ)

اَلرَّوْغُ کے معنی کسی حیلہ اور تدبیر کی خاطر ایک جانب مائل ہونے کے ہیں اسی سے رَاغَ الثَّعْلَبُ (ن) رَوْغَانًا ہے یعنی لومڑ کا فریب دہی کے طور پر ادھر ادھر جانا اور کج راستہ کو رَائِغٌ کہا جاتا ہے گویا وہ اپنے پیچ و خم سے فریب دے رہا ہے۔ رَاوَغَ فُلَانٌ فُلَانًا کسی سے فریب کھیلنا اور رَاغَ فُلَانٌ اِلٰی فُلَانٍ کے معنی ہیں یہ فلاں کی طرف اس طرح لوٹا کہ اپنا مقصد حیلے سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

فَرَاغَ اِلٰی اَھْلِهٖ (۵۱-۲۶) پھر وہ جلدی سے اپنے گھر پہنچا۔

فَرَاغَ عَلَیْھِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ (۳۷-۹۳) تو بڑی قوت سے ان کے مارنے کیلئے مائل ہوئے۔

اور اصل میں اس کے معنی ہیں داؤ لگا کر کسی چیز کو حاصل کرنا اور (علیٰ (صلہ) کے لفظ سے معنی استیلاء کا اظہار مقصود ہے۔

(ر و م)

رُوْمٌ ایک مشہور قوم ہے کبھی یہ لفظ رُوْمِیٌّ کی جمع کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے جیسے عَجَمٌ وَعَجَمِیٌّ۔ قرآن میں ہے:۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ (۳۰-۲،۱) رومی مغلوب ہو گئے

[ط] فی الصحاح: تریع السراب (رایع)، [ط] راجع للحدیث اللآلی ۸۰ و اللسان: شرح السنۃ من روایۃ عبد اللّٰہ بن مسعود و العسکری فی الامثال و الغزالی فی الاحیا

وفی روایۃ روح الامین تاج العراق ... [illegible]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ر و ی)

مَاءٌ رَوَاءٌ وَ رِوًی بہت زیادہ سیر کرنے والے پانی کو کہتے ہیں اور رِوًی بروزن عِدًی اور سِوًی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۱۲۲) مَنْ شَكَّ فِي فَلْجٍ فَهٰذَا فَلْجُ
مَاءٌ رَوَاءٌ وَطَرِيْقٌ نَهْجُ

جسے مقام فلج میں شبہ ہو وہ دیکھ لے کہ یہی فلج ہے (یعنی سیراب کرنے والا پانی اور کھلا راستہ۔

اور آیت :۔

هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا (۱۹-۷۴) جن کے ساز و سامان اور جن کی (ظاہری) رو اداری ان سے کہیں عمدہ تھی۔

جو لوگ اسے مہموز نہیں بناتے ان کے نزدیک رَوِیَ سے مشتق ہے۔ اور خوبصورت کو رِیٌّ اس لئے کہا جاتا ہے کہ گویا وہ حسن سے پر ہے۔ لیکن اگر اسے مہموز پڑھا جائے تو رِئْيًا سے مراد وہ چیز ہوگی جس کی خوبصورتی کی وجہ سے اس کی طرف نظریں اٹھتی ہوں۔ بعض کے نزدیک بغیر ہمزہ کے بھی رُؤْيَة سے مشتق ہے اور رِیٌّ کے معنی منظر (ظاہری حالت) کے ہیں اسی سے رِوَاءٌ (خوش نمائی) ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ رَوَاءٌ میں قلب ہوا ہے اور یہ رَأْبٌ سے مشتق ہے۔ ابو علی الفسوی کہتے ہیں کہ لفظ مَرْوُءَةٌ بھی حَسَنٌ فِي مِرْءَةِ الْعَيْنِ كَذَا (ظاہر دیکھنے میں خوبصورت ہے) سے ماخوذ ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ مِرْأَةٌ میں میم زائدہ ہے اور مَرُوْءَةٌ بروزن فَعُوْلَةٌ ہے۔ اور اس میں میم اصلی ہے اور اَنْتَ بِمَرْأًى وَمَسْمَعٍ کے معنی ہیں کہ تم اس قدر میرے قریب ہو کہ میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں اور تمہاری بات سن سکتا ہوں۔ بعض با کو حذف کر کے اَنْتَ مِنِّيْ مَرْأًى وَّ مَسْمَعٌ بولتے ہیں اور مَرْءًى بروزن مَفْعَلٌ ہے اور رَأْبٌ سے ماخوذ ہے۔

(ر ی ب)

رَابَنِيْ كَذَا وَ اَرَابَنِيْ کے معنی ہیں فلاں معاملہ نے مجھے رَیْبٌ میں ڈال دیا اور رَیْبٌ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے متعلق کسی طرح کا وہم ہو گا بعد میں اس توہم کا ازالہ ہو جائے۔ قرآن میں ہے :۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ۔ (۲۲-۵) اگر تم کو (قیامت کے دن) پھر جی اٹھنے میں کسی طرح کا شک ہو۔ اور آیت :۔

فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا۔ (۲-۲۳) (اگر تمہیں) مَا نَزَّلْنَا میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے۔

اور آیت :۔

رَيْبَ الْمَنُوْنِ۔ (۵۲-۳۰) گردش زمانہ (کا انتظار کرتے ہیں)

گردش زمانہ کو رَیْب کہنے سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کے وقوع میں شک و شبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے انہیں ریب کہا ہے کہ ان کے تعین اوقات میں انسان متردد رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آجائے لہذا انسان نفس گردش کے وقوع کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس کے تعین اوقات کے لحاظ سے ہمیشہ رَيْبَ الْمَنُوْنِ میں مبتلا رہتا ہے۔ اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے[2] :۔

---

[1] البیت لراجز من بنی العنبر من تمیم ما للفلج مارلہم قالہ فی البلدان وابو عبید البکری فی معجمہ (رسم فلج) و مجاز القرآن لابی عبیدۃ: ۱۰۸ والبیت فی السجاد ندی (۱: ۴۴۱) بغیر عزو ۱۲

[2] ھو تابط شرا من ابیات راجع المحاضرات للمؤلف (۴: ۱۹۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۹۳) اَلنَّاسُ قَدْ عَلِمُوْا اَنْ لَا بَقَاءَ لَهُمْ
لَوْ اَنَّهُمْ عَلِمُوْا مِقْدَارَ مَا عَلِمُوْا
کہ لوگوں کو اس بات کا تو یقین ہو چکا ہے کہ ان کیلئے بقا نہیں ہے۔ کاش انہیں اس کا وقت بھی معلوم ہوتا۔

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے[۱] (الکامل)
(۱۹۴) اَمِنَ الْمَنُوْنِ وَرَیْبِهَا تَتَوَجَّعُ
کہ کیا تو زمانہ اور اس کی گردشوں پر جزع فزع کرتا ہے
قرآن میں ہے:۔
لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ (۱۱-۱۰) قرآن کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں حیران کر رکھا ہے۔
مُعْتَدٍ مُّرِیْبٍ (۵۰-۲۵) حد (عبودیت) سے بڑھے ہوئے اور شک و شبہ پیدا کرنے والے (کی اطاعت مت کر)
اور اِرْتِیَابٌ (افتعال) اَرَابَهٗ کے ہم معنی ہے جس کے معنی شک و شبہ میں پڑنے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
اَمِ ارْتَابُوْا اَمْ یَخَافُوْنَ (۲۴-۵۰) یا شک میں پڑے ہوئے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں۔
وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ (۵۷-۱۴) اور اس بات کے منتظر رہے (کہ مسلمانوں پر کوئی آفت نازل ہو) اور (اسلام کی طرف سے) شک میں پڑے رہے۔

اور مومنین سے اِرْتِیَاب کی نفی کرتے ہوئے فرمایا
وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۷۴-۳۱) اور اہل کتاب اور مسلمان (ان باتوں میں کسی طرح کا) شک و شبہ نہ لائیں۔
ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا (۴۹-۱۵) پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا۔
ایک حدیث میں ہے[۲] (۱۹۱) دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰى مَا لَا یُرِیْبُكَ کہ شک و شبہ چھوڑ کر وہ کام کر جس میں شک و شبہ نہ ہو۔
اور گردش زمانہ کو رَیْبُ الدَّهْرِ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں فریب کاری کا وہم ہوتا ہے (کما مرّ) اور رِیْبَةٌ رَیْبٌ سے اسم ہے جس کے معنی شک و شبہ کے ہیں (جمع رِیَبٌ) قرآن میں ہے:۔
بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ (۹-۱۱۰) کہ وہ عمارت ان کے دلوں میں رِیْبَةٌ بنی رہے گی۔ یعنی ہمیشہ ان کے دلی کھوٹ اور خلجان پر دلالت کرتی رہے گی۔

(ر ی ش)

رِیْشُ الطَّائِرِ پرندے کے پروں کو کہتے ہیں اور کبھی یہ لفظ خصوصیت کے ساتھ بازوؤں کے پروں پر بولا جاتا ہے اور چونکہ پرندکے پر اس کے

---

[۱] قالہ ابو ذؤیب الہذلی فی مطلع رثا ربنیہ راجع الانصاف ۲۷ وخاص الخاص للثعالبی ۱۸ والغریب للقتبی ۴۲۵ والقرطبی (۱۹: ۷۰، ۱۴: ۱۷۲) واللسان (ریب) والسمط ۴۴۵ والقصیدۃ مفضلیۃ فی ۶۵ بیتا وتمام البیت: والدہر لیس بمعتب من یجزع والبیت فی الاستیعاب ۶۶۷ والاغانی (۶: ۵۹) والخزانۃ (۱: ۲۰۲) والسیوطی ۹۲ والبیقی (۳: ۲۹۴) والعقد (۲: ۱۵) والاصابۃ ۴۵۴ واسد الغابۃ (۵: ۱۹۰) رقم ۲۵۰۷ ومجازات القرآن الرضی ۲۸۳ وتہذیب الالفاظ ۴۵۴ ونظام الغریب ۱۳۰ وشواہد المغنی (۲: ۲۷۴) واضداد ابی الطیب ۳۲۳ وشرح السبع لابن الانباری ۶۱۴ والبحر (۲: ۴۹۳) (ف ۱۵۱)

[۲] الحدیث بطولہ رواہ الترمذی فی آخر الطب والحاکم فی الاحکام والبیوع والطبرانی والبزار من حدیث الحسن بن علی وطس عن عمر والنسائی عن الحسن بن علی وابن حبان فی زوائدہ رقم ۵۱۲ عن الحسن والحدیث بطرقہ واختلاف الفاظہ فی کنز العمال (۲: ۲۲۵-۲۲۷) والکاف الشاف لابن حجر رقم ۱۷ والفتح الباری (۴: ۲۳۴)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے بمنزلہ لباس کے ہوتے ہیں۔ اس لئے استعارہ کے طور پر یہ لفظ لباس کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَرِيْشًا وَّلِبَاسُ التَّقْوٰى (۷-۲۶) اور موجب زینت اور پرہیزگاری کا لباس۔

عام محاورہ ہے:۔

اَعْطَاهُ اِبِلًا بِرِيْشِهَا اسے سامان سمیت اونٹ دے دیئے یعنی مال و متاع سمیت جو ان کے اوپر تھا۔

اور رِشْتُ السَّهْمَ اَرِيْشُهٗ رِيْشًا کے معنی تیر کو پر لگانے کے ہیں اور تیر پر نہادہ کو مَرِيْشٌ (کمبیع) کہتے ہیں۔ پھر استعارہ کے طور پر اصلاح امر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا رِشْتُ فُلَانًا فاز عاش کے معنی ہیں۔ میں نے اس کی اصلاح کی تو اس کی حالت سدھر گئی۔ شاعر نے کہا ہے۔[1] (طویل)

(۱۹۷) فَرِشْنِيْ بِخَيْرٍ طَالَمَا قَدْ بَرَيْتَنِيْ
فَخَيْرُ الْمَوَالِيْ مَنْ يَرِيْشُ وَلَا يَبْرِيْ

مجھے عرصہ دراز تک تم نے تراشا ہے۔ کبھی تو میری اصلاح کیجئے۔ بہتر موالی وہ ہیں جو بگاڑتے نہیں بلکہ سنوارتے ہیں۔

اور نیزہ کے پر سے کمزوری کے معنی کے تصور کی بنا پر کمزور نیزہ کو رُمْحٌ رَاشٌ کہہ دیتے ہیں۔

(ر ی ع)

اَلرِّيْعُ بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ جو دور سے ظاہر ہو اس کا واحد رِيْعَةٌ ہے قرآن میں ہے:۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ (۲۶-۱۲۸) کیا تم ہر اونچی جگہ پر بے ضرورت یادگاریں بناتے ہو۔

اور معنی ارتفاع کے لحاظ سے کنوئیں کی منڈیر کو رِيْعٌ کہا جاتا ہے۔ پھر ہر چیز کے اوائل کو رَيْعَان کہا جاتا ہے۔ اور استعارہ کے طور پر رَيْع ہر چیز کے زائد حصہ اور بلندی کے لئے آتا ہے اور اسی سے تَرَيَّعَ السَّحَابُ ہے جس کے معنی بادل کے نمایاں اور ظاہر ہونے کے ہیں۔

(ر ی ن)

اَلرَّيْنُ۔ اس زنگ کو کہتے ہیں جو کسی صاف چیز پر لگ جاتے۔ قرآن میں ہے:۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۸۳-۱۴) نہیں بلکہ (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ یعنی ان کے محل قلوب پر زنگ بیٹھ گیا ہے جس کی وجہ سے وہ خیر و شر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (البسیط)

(۱۹۹) اِذَا رَانَ النُّعَاسُ بِهِمْ
جب نیند نے ان پر غلبہ پا لیا۔

محاورہ ہے:۔

رِيْنَ عَلٰى قَلْبِهٖ۔ اس کے دل پر زنگ بیٹھ گیا

(ر ء ف)

اَلرَّأْفَةُ یہ رَءُفَ (ک) سے ہے اور اس کے معنی شفقت اور رحمت کے ہیں صفت کا صیغہ رَءُوْفٌ اور رَئِفٌ مثل حَذِرٌ وَيَقِظٌ آتا ہے قرآن میں ہے:۔

---

[1] قالہ سوید بن الصامت الانصاری لکاہل فی قومہ راجع السیر (۲: ۷۷) والاساس (۱: ۳۸۸) والاصابة (...) والعیون (۳: ۸۱) فی المقابیات وفی اللسان (رتش) انی ستة ـ ولسیبہ للعمری عباب قال ابوحبیحہ عبارة شارح القاموس قال سید الانصاری ہو الصواب ۱۲

[2] ... من البیت والعجز لابن الطیب من کلمة مفضلیة (۱: ۱۳۹) وتکملتہ:۔ امرّ تہ القوم ...... نقلت اذا نہکوا من جہة قیلوا والبیت فی الامالی (۱: ۲۷۰) والسمط ۵۰۲ والمفضلیات وفی المطبوع (...) ایمل قد صحف والتصویب من المرجع

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (۲۴-۲) اور اللہ کے حکم (کی تعمیل) میں تم کو ان (کے حال) پر (کسی طرح کا) ترس دامن گیر نہ ہو۔

(ر ء ی)

رأی یہ مہموز العین اور ناقص یائی ہے کیونکہ اس سے اسم مشتق رُؤْيَةٌ آتا ہے چنانچہ اسی سے شاعر نے قلب کرکے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۰۰) وَكُلُّ خَلِيْلٍ رَاءَنِيْ فَهُوَ قَائِلٌ
مِنْ اَجْلِكَ هٰذَا الهَامَةُ اليَوْمَ اَوْ غَدِ

جو دوست مجھے دیکھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ یہ بدحالی تمہاری وجہ سے ہے اور یہ آج یا کل مر جائے گا۔

اور مضارع میں ہمزہ کو حذف کرکے تَرَى، يَرَى اور نَرَى کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (۱۹-۲۶) اگر کوئی آدمی نظر پڑے۔

اور آیت کریمہ:۔

اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (۴۱-۲۹) شیطان اور آدمی جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ایک نظر ان کو ہمیں بھی تو دکھاؤ

میں ایک قرأت اَرْنَا بھی ہے۔

اَلرُّؤْيَةُ کے معنی کسی مرئی چیز کا ادراک کر لینا کے ہیں اور قوائے نفس (قوائے مدرکہ) کے اعتبار سے رُؤْيَة کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) حاسۂ بصر یا کسی ایسی چیز سے ادراک کرنا جو حاسۂ بصر کے ہم معنی ہے جیسے قرآن میں ہے۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ (۱۰۲-۶) تم ضرور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے پھر (اگر دیکھو گے بھی تو) غیر مشتبہ (یقینی) دیکھنا دیکھو گے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ (۳۹-۶۰) اور تم قیامت کے روز دیکھو گے کہ جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا۔

اور آیت:۔

فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ (۹-۱۰۵) اللہ تعالیٰ ابھی تمہارے کردار کو دیکھے گا۔

میں اللہ تعالیٰ کے علم کو آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کی طرح قرار دے کر يَرَى کا لفظ لایا گیا ہے ورنہ آنکھ سے دیکھنا اللہ تعالیٰ کے حق میں صحیح نہیں ہے۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ کہ وہ شیطان اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھ لیتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔

(۲) وہم و خیال سے کسی چیز کا ادراک کرنا جیسے۔ اَرٰى اَنَّ زَيْدًا مُنْطَلِقٌ۔ میرا خیال ہے کہ زید جا رہا ہوگا۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۸-۵۰) اور کاش تم اس وقت کی کیفیت خیال میں لاؤ جب ..... کافروں کی جانیں نکالتے ہیں۔

(۳) کسی چیز کے متعلق تفکر اور اندیشہ محسوس کرنا جیسے فرمایا:۔

اِنِّيْ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ (۸-۴۸) میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

(۴) عقل و بصیرت سے کسی چیز کا ادراک کرنا جیسے فرمایا:۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۵۳-۱۱) پیغمبر نے جو دیکھا تھا اس کے دل نے اس میں کوئی

---

[1] قال کثیر عزۃ یخاطب حبیبۃ والبیت فی اللسان (ر ء ی) ۱۹۴ والامالی ابن الشجری (۲:۹) ، المحاسن ۲۲۶، ۱۱۴۳ والبحر (۷ : ۲۱) واستشہد بالقلب فی الکتاب (۲: ۱۳۰) ... ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھوٹ نہیں ملایا۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی (۵۳-۱۳) ایک دفعہ اور بھی (اصل صورت پر) دیکھا۔

اور رأی کے جب دو مفعول آئیں تو اس میں علم کے معنی ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (۳۴-۶) اور (اے پیغمبر) جن لوگوں کو صحف آسمانی کا علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْکَ (۱۸-۳۹) اگر مال اور اولاد کے اعتبار سے تو مجھ کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔

اور اَرَاَیْتَ (ہمزہ استفہام) اَخْبِرْنِیْ کے قائم مقام ہوتا ہے اور اگر اس پر کاف (ضمیر خطاب) داخل ہو، تو حالت تثنیہ جمع اور تانیث میں تاء کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور ان حالتوں میں تاء کی بجائے کاف میں حسب مقام تبدیلی ہوتی رہتی ہے جیسے فرمایا:۔

اَرَاَیْتَکَ ھٰذَا الَّذِیْ (۱۷-۶۲) بھلا بتائیے یہی وہ ہے۔

قُلْ اَرَاَیْتَکُمْ (۶-۴۰) (اے پیغمبر) ان سے پوچھو کہ بھلا دیکھو تو سہی۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ (۴۶-۴) (اے پیغمبر) ان لوگوں سے کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی کہ جن کو تم (اللہ کے سوا) پکارتے ہو۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی (۹۶-۹) (اے پیغمبر) تم نے اس شخص کے حال پر (بھی) نظر کی جو منع کرتا ہے۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللہُ ..... (۲۸-۹) (اے پیغمبر) ان سے کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی کہ اگر اللہ تعالیٰ لے آئے۔

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ (۴۶-۱۰) (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو بھلا دیکھو تو سہی کہ اگر یہ ہو۔

اَرَاَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَۃِ (۱۸-۶۳) آپ نے یہ بھی دیکھا کہ جب ہم (دریا کے کنارے) اس پتھر کے پاس ٹھہرے۔

ان تمام آیات میں تنبیہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

رَاْیٌ۔ غلبہ ظن کی بنا پر کسی معاملہ کے دو متناقض پہلوؤں میں سے کسی ایک کی صحت کا یقین کر لینا رائے کہلاتا ہے اور آیت:۔

یَرَوْنَھُمْ مِّثْلَیْھِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ (۳-۱۳) جن کو آنکھوں دیکھنے مسلمانوں کا گروہ اپنے سے دوچند دکھائی دے رہا ہے۔

میں "یَرَوْنَ" "رَاْیٌ" سے مشتق ہے جس کے معنی گمان کرنے کے ہیں اور معنی یہ ہیں کہ عینی مشاہد کی رو سے وہ انہیں اپنے سے دوچند خیال کرتے تھے جیسے کہا جاتا ہے:۔

فَعَلَ ذٰلِکَ رَاْیَ عَیْنِیْ اَوْ رَاْءَۃَ عَیْنِیْ کہ اس نے یہ کام میرے سامنے کیا ہے۔

اَلتَّرْوِیَۃُ وَالتَّرْوِئَۃُ کے معنی کسی چیز پر غور و فکر کرنے اور ایک رائے اختیار کرنے کیلئے یکسوئی سے اس کی طرف توجہ دینے کے ہیں اور اَلْمُتَرَوِّیْ وَالْمُرْتَئِیْ بمعنی متفکر ہے اور رَاَیْتُ متعدی بہ اِلٰی ہو تو اس کے معنی کسی چیز کی طرف اس طرح نظر ڈالنے کے ہیں کہ اس کے بعد انسان کو عبرت حاصل ہو جیسے فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ .... (۲۵-۴۵) (اے پیغمبر) کیا تو نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) طرف نظر نہیں کی۔

اور آیت: بِمَآ اَرٰکَ اللہُ (۴-۱۰۵) میں اَرٰی (افعال) بمعنی تعلیم کے ہے یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلتَّرْأْيَةُ اس علامت کو کہتے ہیں جو دیکھنے کے لئے نصب کی گئی ہو اور محاورہ ہے :۔
مَعَ فُلَانٍ رَئِیٌّ مِّنَ الْجِنِّ یعنی وہ آسیب زدہ ہے۔
اور اَرْأَتِ النَّاقَةُ فَهِیَ مُرْءٍ اونٹنی کا حاملہ ہونا ظاہر ہو جانا۔
اَلرُّؤْيَا بمعنی خواب کے ہیں اور یہ ہمزہ کے ساتھ بروزن فُعْلٰی ہے اور کبھی ہمزہ کو حذف کرکے واؤ کے ساتھ اَلرُّوْيَا کہہ دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے (۱۶۵)[1] لَمْ یَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْيَا۔ کہ مبشرات نبوت سے صرف خواب رہ گئے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (۴۸۔۲۷) بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واقعی سچا خواب دکھایا تھا۔
وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (۱۷۔۶۰) اور خواب جو ہم نے تم کو دکھایا تھا تو بس اس کو لوگوں (کے ایمان) کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا۔
فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعٰنِ (۲۶۔۶۱) پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔

یعنی جب وہ باہم اس طرح آمنے سامنے ہوئے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں اور اسی سے وہ حدیث ہے جس میں فرمایا[2] (۱۶۶)
لَا یُتَرَاءٰى نَارُهُمَا کہ ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آئے محاورہ ہے۔
مَنَازِلُهُمْ رِئَاءٌ کہ ان کے مکانات باہم متقابل ہیں۔
فَعَلَ ذٰلِكَ رِئَاءَ النَّاسِ اس نے نمود اور دکھاوے کے لئے یہ کام کیا۔
اَلْمِرْآةُ آئینہ جس میں اشیاء کا عکس نظر آئے۔ یہ رَأَیْتُ سے مِفْعَلَةٌ کے وزن پر ہے جیسے صَحَفْتُ سے مِصْحَفَةٌ اور اس کی جمع مَرَائِیُّ آتی ہے۔
اَلرِّئَةُ پھیپھڑا۔ اس کی جمع مِنْ لَفْظِهٖ رِءُوْنَ آتی ہے۔ اس پر ابوزید نے اس شعر سے استشہاد کیا ہے[3]۔ ( )
(۱۲۱) حَفِظْنَاهُمْ وَاحَتّٰی اَتَی الْغَیْظُ مِنْهُمْ
قُلُوْبًا وَاَكْبَادًا لَهُمْ وَرِئِیْنَا
ہم نے انہیں غصہ دلایا حتّٰی کہ غیظ و غضب ان کے دل و جگر اور پھیپھڑوں میں سرایت کر گیا۔
اور اسی سے رِئَتُهٗ ہے جس کے معنی پھیپھڑے پر مارنے کے ہیں

---

[2] رواہ ابوداؤد فی باب النہی عن قتال المشرکون من حدیث جریر بن عبداللہ والنسائی فی باب القود وبغیر حدیدۃ مرسلا والحدیث فی اللآلی ۲، ۵ وانظر تخریج الکاف الشاف لابن حجر ۵۵ وتخریج العراقی علی الاحیاء (۲ : ۷۹) والفائق (۱ : ۲۱۹) وغریب ابی عبید ۱۲ [3] البیت فی اللسان (رأی) بلا عزو وفیہ غظنا ہم بدل حفظناہم

[1] رواہ ابوداؤد فی باب الدعاء فی الرکوع والسجود من حدیث ابن عباس وفیہ الرؤیا الصالحۃ راجع العون (۱ : ۳۲۷) والحدیث ایضا رواہ مسلم (۱ : ۱۹۱) طبع ہند وہ النسائی وابن ماجۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کِتَابُ الزَّاء

(ز ب د)

اَلزَّبَدُ جھاگ کو کہتے ہیں اور اَزْبَدَ الْمَاءُ کے معنی ہیں پانی کے اوپر جھاگ آگیا۔ قرآن میں ہے:۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً (۱۳-۱۷) سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے۔

پھر محض رنگ میں مشابہت کی وجہ سے مسکہ کو بھی زُبْدٌ کہا جاتا ہے اور زَبَدْتُهٗ زَبْدًا کے معنی ہیں "میں نے اسے جھاگ کی طرح بکثرت مال دیا" یا "میں نے اسے مسکہ کھلایا"۔

اَلزُّبَّادُ پھول یا کلی جو جھاگ کی طرح سفید ہوتی ہے۔

(ز ب ر)

اَلزُّبْرَةُ لوہے کی بڑی سل کو کہتے ہیں اور اس کی جمع زُبَرٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ (۱۸-۹۶) (اچھا) لوہے کی سلیں ہم کو لادو۔

اور کبھی زُبْرَةٌ کا لفظ بالوں کے گچھا پر بولا جاتا ہے اس کی جمع "زُبَرٌ" آتی ہے اور استعارہ کے طور پارہ پارہ کی ہوئی چیز کو زُبَرٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا (۲۳-۵۳) پھر لوگوں نے آپس میں پھوٹ کر کے اپنا (اپنا) دین جدا جدا کر لیا۔

زَبَرْتُ الْكِتَابَ میں نے کتاب کو موٹے خط میں لکھا اور ہر وہ کتاب جو جلی اور گاڑھے خط میں لکھی ہوئی ہو اسے زَبُوْرٌ کہا جاتا ہے لیکن عرف میں زبور کا لفظ اس آسمانی کتاب کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔ جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (۴-۱۶۳) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ (۲۱-۱۰۵) اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا۔

اس میں ایک قرأت زُبُوْر (بضمہ زا) بھی ہے۔ جو یا تو زَبُوْرٌ بفتحہ زا کی جمع ہے جیسے ظَرِيْفٌ کی جمع ظُرُوْفٌ آجاتی ہے اور یا زِبْرٌ (بکسرۂ زا) کی جمع ہے۔ اور زِبْرٌ گو اصل میں مصدر ہے لیکن بطور استعارہ اس کا اطلاق کتاب پر ہوتا ہے جیسا کہ خود کتاب کا لفظ ہے کہ اصل میں مصدر ہے لیکن بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے پھر جس طرح کتاب

---

[1] ھو مستعار من زبرت الفضۃ وقال قتادہ ومجاہد الزبر بمعنی الکتب جمع زبور راجع تفسیر الکشاف صفحہ ۶۶ ج ۲ معالم ج ۳ صفحہ ۵۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جمع کتب آتی ہے اس طرح زبرٌ کی جمع زُبُرٌ آجاتی ہے بعض کا قول ہے کہ زبور کتب الہیہ میں سے ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس پر واقفیت دشوار ہو۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (۲۶-۱۹۶) اس میں شک نہیں کہ یہ (یعنی اس کی پیشین گوئی) اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (۳-۱۸۴) اور صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے۔

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ (۵۴-۴۳) یا تمہارے لئے صحیفوں میں معافی (لکھی ہوئی) ہے۔

اور بعض کا قول ہے کہ زبور اس کتاب کا نام ہے جو صرف حِکَم عقلیہ پر مشتمل ہو اور اس میں احکام شرعیہ نہ ہوں۔ اور الکتاب ہر اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو احکام و حِکَم دونوں پر مشتمل ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔

زِئْبِرُ الثَّوْبِ کپڑے کا رواں۔ اسی سے کہا جاتا ہے

هَاجَ زِئْبِرُهٗ وہ غصہ سے بھڑک اٹھا۔

اور بڑے کندھوں والے شخص کو زُبْرٌ کہا جاتا ہے۔

(ز ج ج)

اَلزُّجَاجُ ایک قسم کا شفاف پتھر (شیشہ) اس کا مفرد زُجَاجَۃٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (۲۴-۳۵) ایک شیشہ میں ہے (اور) شیشہ گویا چمکتا ہوا تارا ہے۔

اَلزُّجُّ نیزہ کی پچھلی طرف لگا ہوا لوہا۔ جمع زِجَاجٌ اور زَجَجْتُ الرَّجُلَ کے معنی ہیں میں نے اسے نیزہ کی نوک سے مارا۔ اَزْجَجْتُ الرُّمْحَ میں نے نیزہ میں زج لگائی یا اس سے زج کو نکال لیا۔

اَلزَّجَجُ ابرو کی درازی اور باریکی۔ جو نیزہ کی انی کے مشابہ ہو۔

ظَلِیْمٌ اَزَجُّ وَنَعَامَةٌ زَجَّاءُ دراز گام شتر مرغ۔

(ز ج ر)

اَلزَّجْرُ اصل میں آواز کے ساتھ دھتکارنے کو کہتے ہیں زَجَرْتُهٗ میں نے اسے جھڑکا، روکا۔ اِنْزَجَرَ (جھڑکنے پر) کسی کام سے رک جانا۔ یہ زَجَرَ کا مطاوع بن کر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (۷۹-۱۳) اور وہ قیامت تو ایک ڈانٹ ہے۔

پھر کبھی یہ صرف دھتکار دینا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی آواز کیلئے اور آیت کریمہ:۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا (۳۷-۲) میں زاجرات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بادلوں کو ڈانٹ کر چلاتے ہیں اور آیت:۔

مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ (۵۴-۴) جس میں (کافی) تنبیہ ہے۔ میں مُزْدَجَرٌ سے ایسی باتیں مراد ہیں جو ارتکاب معاصی سے روکتی اور سختی سے منع کرتی ہیں اور آیت:۔

وَازْدُجِرَ (۵۴-۹) اور اسے جھڑکیاں دی گئیں۔ کے معنی ہیں ڈانٹ کر نکال دیا گیا یہاں زجر کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ مار بھگانے کے وقت تہدید آمیز کلمات استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے جا چلا جا دور ہو جا وغیرہ۔

(ز ج و)

اَلتَّزْجِيَةُ کے معنی کسی چیز کو دفع کرنے کے ہیں تاکہ چل پڑے مثلاً پچھلے سوار کا اونٹ کو چلانا یا ہوا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا بادلوں کو چلانا۔ قرآن میں ہے:۔
يُزْجِي سَحَابًا (۲۴-۴۳) اللہ ہی بادلوں کو ہنکاتا ہے
يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ (۱۷-۶۶) جو تمہارے لئے (سمندروں میں) جہازوں کو چلاتا ہے۔
اور اسی سے کہا جاتا ہے۔ رَجُلٌ مُزْجًى ہنکایا ہوا آدمی یعنی کمزور اور ذلیل آدمی۔
اَزْجَيْتُ رَدِيَّ التَّمْرِ میں نے ردی کھجوروں کو دور پھینک دیا اور زَجَا (لازم) اَزْجَى کا مطاوع بن کر استعمال ہوتا ہے اور اسی سے استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے۔
زَجَا الْخَرَاجُ (ن) خراج کا سہولت سے جمع ہوجانا۔
اور "خَرَاجٌ زَاجٍ" اس خراج کو کہتے ہیں جو معمولی ہونے کی وجہ سے سہولت سے جمع ہوجائے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔
(۲۰۳) وَحَاجَةٍ غَيْرِ مُزْجَاةٍ عَنِ الْحَاجِ
اور حاجت مندوں کی بعض حاجتیں معمولی نہیں ہوتیں کہ انہیں پورا کیا جا سکے۔

(ز ح ز ح)

اَلزَّحْزَحَةُ کے معنی ہیں دور ہٹانا اور بر طرف کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ (۳-۱۸۴) پس جو شخص آگ سے دور رکھا گیا۔

(ز ح ف)

اَلزَّحْفُ اصل میں اس کے معنی پاؤں کو گھسیٹ گھسیٹ کر چلنا کے ہیں جیسا کہ بچہ چلنے کے قابل ہونے سے پہلے اور اونٹ تھکن کی وجہ سے اپنے پاؤں گھسیٹ کر چلتا ہے۔ یا فوج کثرت اژدحام کی وجہ سے آہستہ گھسٹ گھسٹ کر آگے بڑھتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا (۸-۱۵) جب کفار سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہوجائے۔
اور زَاحِفٌ اس تیر کو کہتے ہیں جو نشانہ سے ورے گر جائے۔

(ز خ ر ف)

اَلزُّخْرُفُ اصل میں اس زینت کو کہتے ہیں جو ملمع سے حاصل ہو اسی سے سونے کو بھی زُخْرُفٌ کہا جاتا ہے (کیونکہ یہ زیبائش کے کام آتا ہے)۔ قرآن میں ہے:۔
اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی (۱۰-۲۴)
بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (۱۷-۹۳) طلائی گھر۔
وَزُخْرُفًا (۴۳-۳۵) اور سونے کے (دروازے)
اور زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (۶-۱۱۲) کے معنی ہیں "ملمع کی ہوئی باتیں"

(ز ر ب)

اَلزَّرَابِيُّ یہ زِرْبٌ کی جمع ہے جو ایک عمدہ قسم کا کپڑا ہے اور ایک مقام کی طرف منسوب ہے پھر تشبیہ و استعارہ کے طور پر زَرَابِيٌّ بمعنی فرش کے بھی آجاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ (۸۸-۱۶) اور بچھائے ہوئے فرش۔
اور زَرْبٌ وَزَرِيبَةٌ بکریوں کے باڑہ اور تیر انداز کے چھپنے کی جگہ کو بھی کہتے ہیں۔

(ز ر ع)

اَلزَّرْعُ اس کے اصل معنی اِنْبَات یعنی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگانے کے ہیں اور یہ کھیتی اگانا در اصل قدرت کا کام ہے اور انسان کے کسب و ہنر کو اس میں دخل نہیں ہے اسی بنا پر آیت کریمہ :۔
أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ - ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (۵۶-۶۴) بھلا بتاؤ کہ جو تم بوتے ہو کیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔
میں حرث (بونا) کی نسبت تو انسان کی طرف کی ہے مگر زرع (اگانے) کی انسان سے نفی کر کے اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے اور کھیتی اگانے کے اسباب مثلاً زمین کو تیار کر کے اس میں تخم ریزی کرنا اور مناسب احتیاطیں برتنا۔ چونکہ انسان سر انجام دیتا ہے اس لئے مجازاً انسان کی طرف بھی زرع کی نسبت کر دیتے ہیں جیسا کہ أَنْبَتَ كَذَا کا محاورہ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان منجملہ اگانے کے اسباب سے ہے۔
زَرْعٌ اصل میں مصدر ہے اور اس سے مَزْرُوعٌ (اسم مفعول) یعنی کھیتی مراد ہوتی ہے جیسے فرمایا :۔
فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا (۳۲-۲۷) پھر ہم اس (پانی) کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں۔
وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ (۴۴-۲۶) اور کتنی ہی کھیتیاں اور کتنے ہی عمدہ، عمدہ مکانات۔
اور تشبیہ کے طور پر جس طرح انسان کے متعلق أَنْبَتَهُ اللَّهُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اس طرح محاورہ میں زَرَعَ اللَّهُ وَلَدَكَ (اللہ تمہاری اولاد کو نمو بخشے) بھی کہہ دیتے ہیں اور مُزْدَرِعٌ بمعنی زَرَّاعٌ یعنی کسان کے ہے۔ اور اِزْدَرَعَ النَّبَاتُ کے معنی ہیں نباتات بڑھ گئی۔

(ز ر ق)

الزُّرْقَةُ (نیلاہٹ) ایک رنگ جو سپیدی اور سیاہی کے بین بین ہوتا ہے۔ محاورہ ہے۔ زَرِقَتْ عَيْنُهُ زُرْقَةً وَزَرَقَانًا اس کی آنکھ نیلی ہو گئی اور آیت کریمہ :۔
زُرْقًا يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ (۲۰-۱۰۲، ۱۰۳) نیلی آنکھوں والے جو آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کریں گے۔
میں زُرْقًا کے معنی اندھے جن کی آنکھوں میں نور نہ ہو۔
الزُّرَّقُ ایک پرند کا نام ہے (سفید شاہین) محاورہ ہے۔ زَرَقَ الطَّائِرُ پرند کا بیٹ کرنا اور زَرَقَهُ بِالْمِزْرَاقِ کے معنی ہیں "اسے چھوٹے نیزہ سے مارا"۔

(ز ر ی)

زَرَيْتُ عَلَيْهِ کے معنی کسی پر عیب لگانے کے ہیں اور أَزْرَيْتُ بِهِ یا اِزْدَرَيْتُ (افتعال) کے معنی ہیں کسی کو حقیر اور بے وقعت گردانا۔ قرآن میں ہے :۔
تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ (۱۱-۳۱) (جنہیں) تمہاری نظریں حقیر دیکھتی ہیں۔
یہ اصل میں تَزْدَرِيهِمْ أَعْيُنُكُمْ ہے یعنی اس کا مفعول محذوف ہے اور معنی یہ ہے کہ تم انہیں نظر حقارت سے دیکھتے ہو۔

(ز ع ق)

الزُّعَاقُ سخت کھاری اور کڑوے پانی کو کہتے ہیں اور جس کھانے میں حد سے زیادہ نمک ہو اسے طعام مزعوق کہا جاتا ہے۔
زَعَقَ (ف) بِهِ کے معنی کسی پر چلا کر اسے گھبرا دینے کے ہیں اور اِنْزَعَقَ (لازم) گھبرا جانا۔
الْمِزْعَقُ بہت چلانے والا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلزَّعَّاقُ بہت بلند آواز نکالنے والا۔

(ز ع م)

اَلزَّعْمُ اصل میں ایسی بات نقل کرنے کو کہتے ہیں جس میں جھوٹ کا احتمال ہو اس لئے قرآن پاک میں یہ لفظ ہمیشہ اس موقع پر آیا ہے جہاں کہنے والے کی مذمت مقصود ہے چنانچہ فرمایا:۔
زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۶۴-۷)، کفار یہ زعم کرتے ہیں۔
بَلْ زَعَمْتُمْ (۱۸-۴۸) مگر تم یہ خیال کرتے ہو۔
کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۶-۲۲) (جن کو تم شریک خدائی) سمجھتے تھے۔
زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (۱۷-۵۶) (جنہیں تم نے اللہ کے سوا (معبود) خیال کیا۔
اور زَعَامَةٌ کے معنی ذمہ داری اٹھانے اور ریاست (سرداری) کے ہیں اور کفیل (ضامن) اور رئیس کو زَعِیْم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی بات میں جھوٹ کا احتمال ہوسکتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ (۱۲-۷۲) اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔
اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ (۶۸-۴۰) ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے۔ یہاں زَعِیْمٌ یا تو زعامہ بمعنی کفالۃ سے ہے اور یا زعم بالقول سے ہے۔

(ز ف ف)

زَفَّ الْاِبِلُ یَزِفُّ زَفًّا وَزَفِیْفًا کے معنی ہیں اونٹ کا تیز چلنا اور اَزْفَفْتُهَا (افعال) کے معنی تیز چلانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ (۳۷-۹۴) وہ اسکی طرف دوڑتے آئے۔
اور ایک قرأت میں یُزِفُّوْنَ (بضمہ یا) ہے یعنی وہ اپنے ساتھیوں کو تیز روی پر برانگیختہ کرتے ہیں۔

اصل میں زَفِیْفٌ کے معنی ہوا کے تیز چلنے یا شترمرغ کے اس قدر تیز چلنے کے ہیں جس میں نیم پرواز پائی جائے۔ کہا جاتا ہے زَفِیْفُ النَّعَامِ شترمرغ تیز چلا پھر اسی سے استعارہ کے طور زَفَّ الْعَرُوْسَ کہا جاتا ہے۔ یعنی دلہن کو شوہر کے پیش کیا۔ اس میں بھی معنی سرعت ملحوظ ہے مگر اس کا تعلق چلنے سے نہیں ہے بلکہ پیش کرنے والوں کے وفور شوق سے ہے۔

(ز ف ر)

اَلزَّفِیْرُ اس کے اصل معنی سانس کی اس قدر تیزی سے آمد و شد کے ہیں کہ اس سے سینہ پھول جائے۔ قرآن میں ہے:۔
لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ (۱۱-۱۰۶) ان کے لئے اس میں چیخنا ہے۔
اِزْدَفَرَ (افتعال) فُلَانٌ کَذَا کسی چیز کو مشقت سے اٹھانا جس سے سانس پھول جائے۔ اس لئے پانی لانے والی لونڈیوں کو زَوَافِر کہا جاتا ہے۔

(ز ق م)

اَلزَّقُّوْمُ تھوہر کا درخت۔ اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (۴۴-۴۳) بیشک سینڈھ کا درخت۔
میں زقوم سے دوزخ کے کریہ کھانے مراد ہیں۔
اور اس سے استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے۔
زَقَمَ فُلَانٌ وَتَزَقَّمَ اس نے کوئی کریہہ چیز نگل لی۔

(ز ك و)

اَلزَّكَاةُ اس کے اصل معنی اس نمو (افزونی) کے ہیں جو برکت الٰہیہ سے حاصل ہو اس کا تعلق

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیاوی چیزوں سے بھی ہے اور اخروی امور کے ساتھ بھی چنانچہ کہا جاتا ہے۔

زَکَا الزَّرْعُ یَزْکُوْ۔ کھیتی کا بڑھنا اور پھلنا پھولنا اور آیت:۔

اَیُّھَا اَزْکٰی طَعَامًا۔ (۱۸-۱۹) کس کا کھانا زیادہ صاف ستھرا ہے۔

میں اَزْکٰی سے ایسا کھانا مراد ہے جو حلال اور خوش انجام ہو اور اسی سے زکوٰۃ کا لفظ مشتق ہے یعنی وہ حصہ جو مال سے حق الٰہی کے طور پر نکال کر فقراء کو دیا جاتا ہے اور اسے زکوٰۃ یا تو اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس میں برکت کی امید ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ اس سے نفس پاکیزہ ہوتا ہے یعنی خیرات و برکات کے ذریعہ اس میں نمو ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے تسمیہ میں ان ہر دو امور کا لحاظ کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ دونوں خوبیاں زکوٰۃ میں موجود ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (۲-۴۳) نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

اور تزکیہ نفس سے ہی انسان دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوگا اور تزکیہ نفس کا طریق یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش میں لگ جائے جن سے طہارت نفس حاصل ہوتی ہے اور فعل تزکیہ کی نسبت کبھی تو انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے جیسے فرمایا:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (۹۱-۹) کہ جس نے اپنی روح کو پاک کیا وہ ضرور اپنی مراد کو پہنچا۔

اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا فاعل ہے چنانچہ فرمایا:۔

بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَاءُ (۴-۴۹) بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔

اور کبھی اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا (۹-۱۰۳) کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو۔

یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْھِمْ (۲-۱۵۱) وہ پیغمبر انہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں بذریعہ تعلیم (اخلاق رذیلہ) سے پاک کرتا ہے:۔

اور کبھی اس کی نسبت عبادت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ عبادت تزکیہ کے حاصل کرنے میں بمنزلہ آلہ کے ہے چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً (۱۹-۱۳) اور اپنی جناب سے رحمدلی اور پاکیزگی دی تھی۔

لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (۱۹-۱۹) تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں۔

یعنی وہ فطرتاً پاکیزہ ہوگا اور فطرتی پاکیزگی جیسا کہ بیان کر چکے ہیں۔ بطریق اجتباء حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عالم اور پاکیزہ اخلاق بنا دیتا ہے اور یہ پاکیزگی تعلیم و ممارست سے نہیں بلکہ محض توفیق الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اکثر انبیاء اور رسل کے ساتھ ہوا ہے۔

اور آیت کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ لڑکا آئندہ چل کر پاکیزہ اخلاق ہوگا لہذا زکیا کا تعلق زمانہ حال کے ساتھ نہیں بلکہ استقبال کے ساتھ ہے قرآن میں ہے:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (۲۳-۴) اور وہ جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

یعنی وہ عبادت اس غرض سے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں پاک کر دے یا وہ اپنے نفوس کو پاک کرنے کی غرض سے عبادت کرتے ہیں وَالْمَآلُ وَاحِدٌ

لہٰذا لِلزَّكٰوةِ میں لام تعلیل کے لئے ہے جسے لام علت و قصد کہتے ہیں اور لام تعدیہ نہیں ہے حتیٰ کہ یہ فٰعِلُوْنَ کا مفعول ہو۔

انسان کے تزکیہ نفس کی دو صورتیں ہیں ایک تزکیہ بالفعل یعنی اچھے اعمال کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کرنا یہ طریق محمود ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (۹۱-۹) اور آیت:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۸۷-۱۴) میں تزکیہ سے یہی مراد ہیں۔ دوسرے تزکیہ بالقول ہے جیسا کہ ایک ثقہ شخص دوسرے کے اچھے ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اگر انسان خود اپنے اچھا ہونے کا دعوےٰ کرے اور خودستائی سے کام لے تو یہ مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تزکیہ سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۵۳-۳۲) اپنے آپ کو پاک نہ ٹھہراؤ۔

اور یہ نہی تادیبی ہے کیونکہ انسان کا اپنے منہ آپ میاں مٹھو بننا نہ تو عقلاً ہی درست ہے اور نہ ہی شرعاً۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک دانش مند سے پوچھا گیا کہ وہ کونسی بات ہے جو باوجود حق ہونے کے زیب نہیں دیتی تو اس نے جواب دیا۔ مَدْحُ الْاِنْسَانِ نَفْسَهٗ کہ خودستائی کرنا۔

(ز ل ل)

اَلزَّلَّةُ کے اصل معنی بلاقصد کے قدم پھسل جانے کے ہیں کہا جاتا ہے:۔ زَلَّتْ رِجْلُهٗ تَزِلُّ اور پھسلنے کی جگہ کو زَلَّةٌ کہا جاتا ہے نیز جو گناہ بلاقصد سرزد ہو جائے اسے بھی بطور تشبیہ زَلَّةٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ (۲-۲۰۹) اگر تم لغزش کھا جاؤ۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (۲-۳۶) انہیں شیطان نے پھسلا دیا۔

اِسْتَزَلَّهٗ (استفعال) کسی کو پھسلانے کا قصد و ارادہ کرنا اور آیت کریمہ:۔

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ (۳-۱۵۵) شیطان نے انہیں پھسلا دیا۔

کے معنی یہ ہیں کہ شیطان انہیں آہستہ آہستہ پھسلانے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ وہ پھسل گئے کیونکہ جب انسان صغائر میں بے پرواہی سے کام لیتا ہے تو وہ شیطان کے تسلط کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ حدیث میں ہے[1]۔ (۱۶۶)

مَنْ اُزِلَّتْ اِلَيْهِ نِعْمَةٌ فَلْيَشْكُرْهَا کہ جسے بلا طلب نعمت مل جائے اسے منعم کا شکرگزار ہونا چاہیئے۔

جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب بلاقصد نعمت حاصل ہونے پر شکرگزاری لازم ہے تو جو احسان کسی کے قصد اور ارادہ سے ہو اس کا شکریہ بالاولیٰ ضروری ہے۔

اَلتَّزَلْزُلُ اس کے معنی اضطراب کے ہیں اور

---

[1] فی الفائق مرفوعا (۱: ۳۶۸) وفی غریب ابی عبید (۱: ۱۵) ہب - عن یحیی بن عبداللہ بن صیفی مرسلا بلفظ من اولیت الیہ ومن ازلت قال ابوعبید لیس ہذا لمحفوظ وفی ابن عساکر عنہ مرسلا من ازلفت الیہ ید ۱۲ راجع کنز العمال ۲: رقم ۱۹۸۸، ۱۹۹۲ ❊ ❊ ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں تکرار حروف تکرار معنی پر دال ہو قرآن میں ہے:۔
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا (۹۹-۱) جب زمین بڑے زور سے ہلائی جائے گی۔
اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی (سخت) مصیبت ہوگی۔
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (۳۳-۱۱) اور وہ (دشمنوں کے رعب سے) خوب ہی جھڑجھڑائے گئے۔

(ز ل ف)

اَلزُّلْفَةُ اس کے معنی قرب اور مرتبہ کے ہیں چنانچہ آیت:۔
فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً (۶۷-۲۷) سو جب وہ قریب دیکھیں گے۔
کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ جب وہ مومنین کے مراتب قرب کو دیکھیں گے اور وہ خود ان سے محروم ہوں گے اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں زُلْفَةً سے عذاب کا قرب مراد ہے اور عذاب کو زُلْفَةً کہنا حالانکہ یہ مراتب محمودہ میں استعمال ہوتا ہے، بطور تہکم ہے جیسا کہ عذاب کے متعلق بشارت یا اس قسم کے دوسرے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔
اور منازل لیل یعنی رات کے حصوں کو بھی زُلَفٌ کہا گیا ہے جیسے فرمایا:۔
وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ (۱۱-۱۱۴) اور رات کے کچھ حصوں میں۔
شاعر نے کہا ہے[1]۔ (رجز)

(۲۰۴) طَيَّ اللَّيَالِي زُلَفًا فَزُلَفًا
اور راتوں کا تھوڑا تھوڑا کرکے گزرنا۔
اَلزُّلْفٰى۔ قرب و مرتبہ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۳۹-۳) کہ خدا کے ہم کو قریب کر دیں۔
وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۵۰-۳۱) اور بہشت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی۔
اور لَيْلَةُ الْمُزْدَلِفَةِ کو اس نام سے اس لئے پکارتے ہیں کہ حجاج عرفات سے لوٹنے کے بعد اس رات منیٰ کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور حدیث میں ہے[2] (۱۶۷) اِزْدَلِفُوْا اِلَى اللّٰهِ بِرَكْعَتَيْنِ کہ دو رکعت نماز سے اللہ کا قرب حاصل کرو۔

(ز ل ق)

زَلَقٌ اور زَلَلٌ تقریباً ہم معنی ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
صَعِيْدًا زَلَقًا (۱۸-۴۰) صاف میدان۔ یعنی چکنی زمین جس میں کوئی سبزہ نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا۔ (۲-۲۶۴) اسے سپاٹ کرکے بہا گیا۔
اَلْمَزْلَقُ پھسلنے کی جگہ۔ اور آیت کریمہ:۔
لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ (۶۸-۵۱) اپنے نظروں سے (گھور کر) تجھے تیرے مکان سے پھسلا دیں۔

---

[1] وقبلہ: ناج طواہ الاین ہمّا وجفًا وتا لتہ، سما دۃ الہلال حتی احقوقفا۔ والشطر من ارجوزۃ للعجاج راجع اراجیز العرب للسید البکری
[2] وحيانا لقرآن لابی عبیدۃ (۱: ۳۰۰) والطبری (۱۹: ۸۱) والکامل ۱۲۹، ۸۲۴ فی ثلاثۃ اخطار وادب الکتاب للصولی ۱۲۴ والصحاح والتاج واللسان (زلف) والشنتمری (۱: ۸۰) ودیوانہ ۸۴ والکتاب (۱: ۱۵۰) والبحر (۱: ۸۳) وابن خالویہ ۹۸ والعینی (۱: ۷۹) [3] وفی النہایہ (زلف) فی حدیث مصعب بن عمیر، فاذا زالت الشمس فازدلف الی اللہ برکعتین واخطب فیہا ای تقرب ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ابصار کے متعلق زَلَق کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1]۔ (الکامل)

(۲۰۵) نَظَرٌ یُزِیلُ مَوَاضِعَ الْاَقْدَامِ

ایسی نظر جو قدموں کو ان کی جگہ سے پھسلا دے۔

کہا جاتا ہے زَلَقَهٗ وَ اَزْلَقَهٗ اسے پھسلایا فَزَلِقَ۔ چنانچہ پھسل گیا۔

یونس لغوی کا قول ہے کہ زَلِقَ اور اَزْلَقَ کا یہ محاورہ صرف قرآن میں استعمال ہوا ہے اور ابی بن کعب نے وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ میں ازلقنا (قاف کے ساتھ) پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے وہاں دوسرے لوگوں کو لاکر ہلاک کر ڈالا۔

(ز م ر)

زُمْرَةٌ کے معنی چھوٹی سی جماعت کے ہیں اس کی جمع زُمَرٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا (۳۹-۷۳) اور جنہوں نے اپنے رب کا تقوی اختیار کیا وہ بہشت کی طرف گروہ گروہ کرکے لے جائیں گے۔

اور اسی سے شَاةٌ زَمِرَةٌ ہے جس کے معنی کم اُون والی بھیڑ کے ہیں اور بے مروت آدمی کو زَمِرٌ کہا جاتا ہے اور زَمَرَتِ النَّعَامَةُ تَزْمِرُ زِمَارًا کے معنی ہیں شتر مرغ نے سیٹی بجائی اور اسی سے کنایہ کے طور پر فاجرہ عورت کو زَمَّارَةٌ وَ زَمَّارَةٌ کہا جاتا ہے[2]۔

(ز م ل)

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (۷۳-۱) اے اوڑھنے والے۔

تو مُزَّمِّلٌ اصل میں مُتَزَمِّلٌ ہے جس کے معنی کپڑے میں لپیٹنے کے ہیں اور استعارہ کے طور پر سستی اور کوتاہی کرنے والے کو بھی تعریفاً مُزَّمِّلٌ کہا جاتا ہے اسی سے زُمَّیْلٌ ہے جس کے معنی کمزور اور ناتواں کے ہیں تَأَبَّطَ شَرًّا کے متعلق اس کی والدہ نے کہا ہے[3]۔

لَيْسَ بِزُمَّيْلٍ شَرُوْبٍ لِلْقَيْلِ

کہ وہ کمزور اور ناتواں نہیں ہے کہ دوپہر کے وقت دودھ پینے کی ضرورت ہو۔

(ز ن م)

اَلزَّنِیْمُ یا مُزَنَّمٌ اسے کہتے ہیں جو کسی قوم سے نسبی تعلق تو نہ رکھتا ہو لیکن اس کے ساتھ یونہی ملحق ہو جیسے زَنَمَتَا الشَّاةِ یعنی گوشت کے وہ زائد ٹکڑے جو بکری کے گلے یا کان سے نیچے لٹک رہے ہوتے ہیں قرآن میں ہے:

عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ (۶۸-۱۳) سخت خو اور اس کے علاوہ بد ذات بھی۔

اور زَنِیْم اس غلام کو بھی کہتے ہیں جو کسی قوم کی طرف منسوب ہو لیکن زَلَمَةٌ یا زَنَمَةٌ کی طرح

---

[1] وفی اللسان انشد ابو اسحاق راجع (زلق، قرض) وقد مر تخریجاً فی (رحض) والبیت فی المعانی للقتبی ۵۹۵، ۱۱۴۹ والمشا حتیین ۱۸۱ والطبرسی (۲۸: ۳۷)، ۱۲۔ [2] وفی الحدیث نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کسب الزمارة وھی التی تزمر او الزانیۃ (راجع غریب ابی عبید (۱: ۱۲۴) والفائق (۱: ۵۲۹) [3] ترثیہ انظر المعانی فی الکبیر ۱۲۳ وفیہ وفی اللسان (تبل) رثاها: وابناه، وابن اللیل ـ لیس بزمیل شروب للقیل، کمقرب الخیل ـ ترید بابن اللیل انہ صاحب غارات والقیل اللبن الذی یشرب وقت القیلولۃ ای نوم الظہیرۃ والفعل منہ قال واقتال ای لیس ہو شروب للقیل مہیا نا دقیق الخصر یحتاج الی الشرب نصف النہار وفی المطبوع الفیل مکان القیل والتصحیح من اللسان (زمل) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لٹک رہا ہو در حقیقت ان سے نہ ہو شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۰۷) فَأَنْتَ زَنِيمٌ نِيطَ فِي آلِ هَاشِمٍ
كَمَا نِيطَ خَلْفَ الرَّاكِبِ الْقَدَحُ الْفَرْدُ

اور تو حرام زادہ ہے جو آل ہاشم کے ساتھ اس طرح معلق ہے جیسے لکڑی کا خالی پیالہ سوار کے پیچھے لٹک رہا ہوتا ہے۔

(ز ن ی)

اَلزِّنَا عقد شرعی کے بغیر کسی عورت سے ہم بستری کرنے کا نام زنا ہے۔ یہ اسم مقصور ہے اگر اسے ممدود پڑھا جائے تو باب مفاعلہ کا مصدر بھی ہو سکتا ہے اور اس کی طرف نسبت کی جائے تو زَنَوِيٌّ کہا جائے گا اور فلاں لِزِنْيَةٍ (بکسرہ زا و فتح آں) کے معنی ہیں فلاں حرام زادہ ہے۔

قرآن میں ہے:۔

اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ (۲۴-۳) زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ عورت کے کسی سے نکاح نہیں کرتا اور فاجرہ عورت سوائے فاجرہ کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرتی۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي (۲۴-۲) زانیہ عورت اور زانی مرد۔

اور اگر مہموز اللام سے ہو جیسے زَنَأَ فِي الْجَبَلِ زَنْأً وَزُنُوءًا۔ تو اس کے معنی پہاڑ پر چڑھنے کے ہوتے ہیں۔

اَلزَّنَاءُ۔ حاقن یعنی پیشاب روکنے والے کو کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے[2] (۱۶۸)

لَا يُصَلِّي الرَّجُلُ وَهُوَ زَنَاءٌ۔ کہ آدمی کو چاہیے کہ حاقن ہونے کی صورت میں نماز نہ پڑھے۔

(ز ہ د)

اَلزَّهِيدُ کے معنی حقیر چیز کے ہیں اور کسی چیز سے بے رغبتی کرنے والے یا حقیر سی چیز پر راضی ہو جانے والے کو زَاهِدٌ فِي الشَّيْءِ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ (۱۲-۲۰) اور اس کے بارہ میں وہ بے رغبت تھے۔

(ز ہ ق)

زَهَقَتْ نَفْسُهُ کے معنی ہیں کسی چیز پر رنج و غم سے اس کی جان نکل گئی۔ قرآن میں ہے:۔

وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ (۹-۵۵) اور ان کی جانیں (اس حال میں) نکلیں۔

(ز ی ت)

زَيْتٌ وَزَيْتُونَةٌ مثل شَجَرٌ وَشَجَرَةٌ ایک مشہور درخت کا نام ہے۔ قرآن میں ہے:۔

زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ (۲۴-۳۵) زیتون کے درخت سے روشن ہو رہا ہے۔ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔

اَلزَّيْتُ زیتون کے تیل کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ (۲۴-۳۵) قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی کرے۔

---

[1] قالہ حسان بن ثابت یہجو ابا سفیان بن الحارث بن عبد المطلب من خواہد الکشاف ۳۸ و دیوانہ ۵۹ والبحر ۵: ۳۰۵) والمصری (۱: ۴۳) واللسان (زنم)، وفیہ انت والمزرقی ۵۰ [2] الحدیث فی اللسان (زنا)، الفائق ۱/۲۰۷ ورلجع لشا ویلہ المرتضی (۲: ۲۸۵-۲۸۶) وغریب ابی عبید (۱: ۱۴۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور زَاتَ طُعَامَهٗ کے معنی ہیں اس نے طعام ہیں زیتون کا تیل ڈالا جیسے سَمَّنَهٗ اور دھنہ بہ کبطرح زَاتَ رَاْسَهٗ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا جس کے معنی ہیں راس نے سر میں تیل لگایا اور اِزْدَاتَ بمعنی اِدَّھَنَ کے ہیں۔

(ز و ج)

اَلزَّوْجُ جن حیوانات میں نر اور مادہ پایا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج کہلاتا ہی یعنی نر اور مادہ دونوں میں سے ہر ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حیوانات کے علاوہ دوسری اشیائیں سے جفت کو زَوْجٌ کہا جاتا ہے جیسے موزے اور جوتے وغیرہ پھر ہر اس چیز کو جو دوسری کی مماثل یا مقابل ہونے کی حیثیت سے اس سے مقترن ہو وہ اس کا زوج کہلاتی ہے۔ قرآن میں ہے:

وَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی (۷۵-۳۹) اور (آخر کار) اس کی دو قسمیں کیں (یعنی) مرد اور عورت۔

وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ (۲-۳۵) (تو) اور تیری بی بی جنت میں رہو۔

اور بیوی کو زَوْجَةٌ (تا) کے ساتھ کہنا عامی لغت ہے اس کی جمع زوجات آتی ہے شاعر نے کہا ہے[1]

(۲۰۹) فَبُکَا بَنَاتِیْ شَجْوَهُنَّ وَزَوْجَتِیْ

تو میری بیوی اور بیٹیاں غم سے رونے لگیں۔

اور زَوْجٌ کی جمع اَزْوَاجٌ آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ (۳۶-۵۶) وہ اور انکے جوڑے۔

اور آیت:

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (۳۷-۲۲) جو لوگ (دنیا میں) نافرمانیاں کرتے رہے ہیں ان کو اور ان کے ساتھیوں کو (ایک جگہ) اکٹھا کرو۔

میں ازواج سے ان کے وہ ساتھی مراد ہیں جو ہر فعل میں ان کی اقتداکیا کرتے تھے اور آیت کریمہ:

اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا (۲۰-۱۳۱) اس کی طرف جو مختلف قسم کے لوگوں کو ہم نے (دنیاوی سامان) دے رکھے ہیں۔

اشباہ واقران یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ مراد ہیں اور آیت:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ (۳۶-۳۶) پاک ہے وہ ذات جس نے (ہر قسم کی) چیزیں پیدا کیں۔ نیز:

وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (۵۱-۴۹) اور تمام چیزیں ہم نے دو قسم کی بنائیں۔

میں اس بات پر تنبیہ کی ہے۔ کہ تمام چیزیں جوہر ہوں یا عرض، مادہ وصورت سے مرکب ہیں اور ہر چیز اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے بنا رہی ہے کہ اسے کسی نے بنایا ہے اور اس کے لئے صانع (بنانے والا) کا ہونا ضروری ہے نیز تنبیہ کی ہے کہ ذات باری تعالیٰ ہی فرد مطلق ہے اور اس (خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ) لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ روئے عالم کی تمام چیزیں زوج ہیں اس حیثیت سے کہ ان میں سے ہر ایک چیز کی ہم مثل یا مقابل پائی جاتی ہے یا یہ کہ اس میں ترکیب پائی جاتی ہے۔ بلکہ نفس ترکیب سے تو کوئی چیز بھی منفک نہیں ہے۔ پھر ہر چیز کو زوجین کہنے سے اس بات پر

---

[1] قالہ عبدۃ بن الطبیب التمیمی والبیت من کلمۃ مفضلیۃ رقم ۲۷ فی ۲۰ بیتا۔ مصرع فیہا بنیہ حین کبر و تمامہ: والاقربون الی ثم تصدعوا۔ والبیت فی اضداد ابن الانباری ۳ و المخصص (۱۷:۴۳) واضداد ابی الطیب ۴۳۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اگر کسی چیز کی ضد یا مثل نہیں ہے تو وہ کم از کم جوہر اور عرض سے ضرور مرکب ہے لہذا ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر زوجین ہے۔ اور آیت:۔ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی (۲۰-۵۳) طرح طرح کی مختلف روئیدگیاں۔

میں ازواج سے مختلف انواع مراد ہیں جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں اور یہی معنی آیت:۔

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ (۳۱-۱۰) ہر قسم کی عمدہ چیزیں (اگائیں)

اور آیت کریمہ:۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (۶-۱۴۴) (نر اور مادہ) آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ میں مراد ہیں

اور آیت کریمہ:۔

كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (۵۶-۷) میں اَزْوَاجٌ کے معنی ہیں قُرَنَاءُ یعنی امثال و نظائر یعنی تم تین گروہ ہو جو ایک دوسرے کے قرین ہو چنانچہ اس کے بعد اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ سے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (۸۱-۷) اور جب لوگ باہم ملا دیئے جائیں گے۔

میں بعض نے زُوِّجَتْ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر پیروکار کو اس کے پیشوا کے ساتھ جنت یا دوزخ میں اکٹھا کر دیا جائیگا۔ جیسا کہ آیت: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ (۳۷-۲۲) میں مذکور ہو چکا ہے اور بعض نے آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ اس روز روحوں کو ان کے جسموں کے ساتھ ملا دیا جائیگا جیسا کہ آیت: يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (۸۹-۲۷-۲۸) اے اطمینان پانے والی جان اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

میں بعض نے رَبِّكِ کے معنی صَاحِبِكِ یعنی بدن ہی کئے ہیں اور بعض کے نزدیک زُوِّجَتْ سے مراد یہ ہے کہ نفوس کو ان کے اعمال کے ساتھ جمع کر دیا جائیگا جیسا کہ آیت کریمہ:۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ .... (۳-۳۰) جب کہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے عملوں کو اپنے سامنے حاضر اور موجود پائیگا۔

میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (۵۲-۲۰) اور ہم انہیں حور عین کا ساتھی بنا دیں گے۔

میں زَوَّجْنٰهُمْ کے معنی باہم ساتھی اور رفیق بنا دینا ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں بھی حور کے ساتھ اس فعل (زَوَّجْنَا) کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے بعد باء لائی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حوروں کے ساتھ محض رفاقت ہوگی جنسی میل جول اور ازدواجی تعلقات نہیں ہوں گے کیونکہ اگر یہ مفہوم مراد ہوتا تو قرآن بِحُوْرٍ کی بجائے زَوَّجْنٰهُمْ حُوْرًا کہتا جیسا کہ زَوَّجْتُهُ امْرَاَةً کا محاورہ ہے یعنی میں نے اس عورت سے اس کا نکاح کر دیا۔[1]

(ز و د)

اَلزَّادُ موجودہ ضرورت سے زائد اندوختہ کو کہتے ہیں اور اَلتَّزَوُّدُ (تفعل) کے معنی توشہ لینا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] ہٰذا مذہب البر یونس وابو عبیدۃ من علماء العربیۃ قال الواحدی والتنزیل یدل علی ما قال یونس (راجع القرطبی ۲-۲۵۴، ۲-۲۵۴) وفی البخاری: زوجنا بحور ای انکحناہم قال فی الفتح (۶-۳۵۵) وتعقب بان زوج لا یتعدی بالباء ۔ وفیہ نظر لان صاحب المحکم حکاہ لکن قال انہ قلیل، واللہ اعلم۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (۲-۱۹۷)
اور زادِ راہ ساتھ لے جاؤ بے شک بہترین توشہ سوال سے بچنا ہے۔

اور اَلْمِزْوَدُ اس توشہ دان کو کہتے ہیں جس میں کھانا رکھا جاتا ہے اور اَلْمَزَادَۃُ مشکیزہ جس میں پانی بطور زادِ راہ رکھا جاتا ہے۔

(ز و ر)

اَلزَّوْرُ سینہ کا بالائی حصہ اور زُرْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں میں نے اپنا سینہ اس کے سامنے کیا یا اس کے سینہ کا قصد کیا (اس کی ملاقات کی. جیسا کہ وَجَهْتُهٗ کا محاورہ ہے یعنی اس کے سامنے اپنا چہرہ کیا یا اس کے چہرہ کا قصد کیا۔ رَجُلٌ زَائِرٌ ملاقاتی زَائِرٌ کی جمع زَوْرٌ آتی ہے جیسا کہ سَافِرٌ کی جمع سَفْرٌ۔ مگر کبھی رَجُلٌ زَوْرٌ بھی آجاتا ہے اس صورت میں یہ مقصد ہوتا ہے جیسا کہ ضَعْفٌ کا لفظ ہے نیز اَلزَّوَرُ کے معنی سینہ کے ایک طرف جھکا ہونا کے ہیں اور جس کے سینہ میں ٹیڑھا پن ہو اسے اَلْاَزْوَرُ کہتے ہیں اور آیت کریمہ:۔ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ (۱۸-۱۷) کے معنی یہ ہیں کہ سورج ان کے غار سے ایک طرف کو ہٹ کر نکل جاتا ہے یہاں تَزَاوَرُ میں حرف زاء پر تشدید بھی پڑھی جاتی ہے اور بغیر تشدید کے بھی اور بعض نے تَزْوَرُّ (ازْوِرَار) بر وزن افعلال) پڑھا ہے[1] مگر الحسنؒ فرماتے ہیں یہ قراءت یہاں موزوں نہیں ہے کیونکہ اِزْوِرَارٌ کے معنی ہیں منقبض ہونا کہا جاتا ہے تَزَاوَرَ عَنْهُ وَازْوَرَّ عَنْهُ اس نے اس سے پہلو تہی کی۔ اس سے ایک جانب ہٹ گیا اور جس کنویں کی کھدائی میں ٹیڑھا پن ہو اسے بِئْرٌ زَوْرَاءُ کہا جاتا ہے۔ اسی سے جھوٹ کو اَلزُّوْرُ کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی جہت راست سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

ظُلْمًا وَّزُوْرًا (۲۵-۴) ظلم اور جھوٹ سے۔

قَوْلَ الزُّوْرِ (۲۲-۳۰) جھوٹی بات سے۔

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (۵۸-۲) اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (۲۵-۷۲) وہ جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔

اور شاعر کے قول۔

(۲۰۹) وَجَاءُوْا بِزُوْرِ رِيْهِمْ وَجِئْنَا بِالْاَصَمِّ

وہ اپنے دو جھوٹے خدا لے کر آگئے اور ہم اپنے بہادر سردار کو (لے آئے)

میں زُوْرٌ کے معنی بت کے ہیں[2] کیونکہ بت پرستی بھی جھوٹ اور حق سے ہٹ جانے کا نام ہے۔

---

[1] بالتشدید قراءۃ الحرمین وابی عمرو بالتخفیف قراءۃ الکوفیین والاعمش وطلحۃ وابن ابی لیلی وازور فھی قراءۃ قتادۃ وابن ابی اسحاق وابن عامر وفی قراءۃ اخری ای تزاور علی تفاعل حمیدی قراءۃ ابی رجاء وایوب السختیانی وابن ابی عبلۃ وجابر وقراءۃ ابن مسعود راجع البحر ابی حیان (۶: ۱۰۷-۱۰۸) [2] الرجز للاغلب العجلی قالہ یوم الزوبین حرب کانت بین بکر وبین بنی تمیم والاصم لقب عمرو بن قیس بن عامر الشیبانی رئیس بکر بن وائل یومئذ یعنی بزوریھم بکر بن مجللین قد قیدوھا وقالوا لن نفر حتی یفرا ای الاصنام یعنی شیخ لنا کان من اعلام - وفی المطبوع منہم مصحف والرجز فی الامالی (۲: ۱۸۰) والسمط ۸۰۱ والعقد (۳: ۱۲۳) (۵: ۲۰۰) وایام العرب ۱۳۵ والحماسۃ وابن الشجری ۳۵ واللسان والتاج (زور) والصمم وفیہ عن ابی عبیدۃ والرجز لیحیی بن منصور راجع ابدال ابی الطیب (۲: ۹۹) وابدال یعقوب ۶۵ وشرح السبع لابن الانباری ۴۹۲ وفی روایۃ لبشیعھم وزرا والغالث؛ قد کرم الشیخ تفاہ وکرم والاغلب العجلی ت ۲۱ھ راجز جاہلی اسلامی احد المعمرین واستشہد فی وقعۃ نہاوند انظر الموتلف ۲۳ والخزانۃ البغدادیۃ (۱: ۳۳۳) والاعلام للزرکلی (۱: ۳۳۹) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ز و ل

زَالَ الشَّیْءُ یَزُوْلُ زَوَالًا کسی چیز کا اپنا صحیح رخ چھوڑ کر ایک جانب مائل ہو جانا، اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور اَزَلْتُہٗ وَ زَوَّلْتُہٗ کے معنی ہیں ایک جانب مائل کر دینا کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا دینا۔ قرآن میں ہے:۔
اَنْ تَزُوْلَا (۳۵-۴۱) کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں
وَلَئِنْ زَالَتَا (۳۵-۴۱) اگر وہ ٹل جائیں۔
لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (۱۴-۴۶) کہ اس سے پہاڑ ہی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔

ز ی د

اَلزِّیَادَۃُ اس اضافہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے پورا ہونے کے بعد بڑھایا جائے چنانچہ کہا جاتا ہے۔ زِدْتُہٗ میں نے اسے بڑھایا فَازْدَادَ چنانچہ وہ بڑھ گیا اور آیت:۔
وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ (۱۲-۶۵) اور (اس کے حصہ کا) ایک بار شتر غلہ اور لیں گے۔
میں نَزْدَادُ فعل متعدی نہیں ہے حتیٰ کہ کَیْلَ بَعِیْرٍ کو اس کا مفعول کہا جائیگا بلکہ یہ اِزْدَدْتُ فَضْلًا کی طرح ہے جس کے معنی فضل میں زیادہ ہونے کے ہیں اور یہ باب سَفِہَ نَفْسَہٗ کے قبیل سے ہے۔
اور زیادہ (زیادتی) کبھی مذموم ہوتی ہے۔ یعنی کسی چیز کا ضرورت سے زیادہ ہونا مثلاً انگلیوں اور جانور کی ٹانگ میں زیادتی اور اسی طرح جگر میں جو گوشت کا زائد ٹکڑا پایا جاتا ہے، وہ چونکہ کسا یا نہیں جاتا اس لئے اسے زائد اور بے فائدہ سمجھا جاتا ہے۔ اور کبھی زیادتی محمود ہوتی ہے جیسے فرمایا:۔
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (۱۰-۲۶) جو نیکی کرتے ہیں ان کیلئے نیک بدلہ ہے اور بڑھ کر
کئی طرق سے مروی ہے [1] کہ یہاں زیادہ سے نظر الی وجہ اللہ مراد ہے اور اس سے ان انعامات اور احوال کی طرف اشارہ ہے جن کا اس زندگی میں ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور آیت
وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲-۲۴۷) اور علم و جسم میں اسے زیادہ کشائش بخشی۔
میں زیادہ سے مراد یہ ہے کہ وہ علم و جسم میں اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے ہیں۔ نیز فرمایا:۔
وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (۱۹-۷۶) اور اللہ ان کو روز بروز زیادہ ہدایت دیتا چلا جاتا ہے۔
اور مذموم زیادتی کے متعلق فرمایا:۔
مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (۳۵-۴۲) ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔
زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (۱۶-۸۸) اور ہم ان کے حق میں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔
فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ (۱۱-۶۳) تو تم میرا اور نقصان ہی کر رہے ہو۔
اور آیت کریمہ:۔
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۲-۱۰) سو اللہ نے ان کے مرض میں اور اضافہ کر دیا۔
میں مرض کے بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ انسان کی سرشت کچھ ایسی ہے کہ جب وہ کوئی برا یا اچھا فعل سر انجام دیتا ہے تو جوں جوں اس فعل کو

---

[1] قال ابن کثیر (۲: ۴۱۴) فی تفسیرہ وذکرنا المروی عن السلف والخلف وقد وردت فیہا احادیث کثیرة عن السلف۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرانجام دیتا رہتا ہے توں توں اس فعل کا ملکہ اس میں قوی ہوتا رہتا ہے۔ اور آیت:۔
هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (۵۰-۳۰) کیا کچھ اور ہے؟۔ میں طلب زیادہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں دوزخ کے بھر جانے پر تنبیہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو دوزخ سے وعدہ کیا ہے کہ۔
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۱۱-۱۱۹) کہ ہم (کیا) جنات (اور کیا) بنی آدم سب سے دوزخ بھر دیں گے
وہ پورا ہو کر رہے گا اور زِدْتُهٗ فعل متعدی ہے اور زَادَ بمعنی اِزْدَادَ (لازم) بھی آیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَازْدَادُوْا تِسْعًا (۱۸-۲۵) اور نو برس اس کے اوپر) اور رہیں۔
ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (۳-۹۰) پھر وہ کفر میں (اور) بڑھ گئے
وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ (۱۳-۸) اور (نیز) (ہر ماہ کے) پیٹ کا گھٹنا اور بڑھنا) اور شَتَّى زَائِدٌ وَزَيْدٌ دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)
(۲۱۰) وَاَنْتُمُوْا مَعْشَرٌ زَيْدٌ عَلٰى مِائَةٍ
فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ كَيْدًا فَكِيْدُوْنِيْ
اور تم سو سے زیادہ آدمی ہو تو تم میرے خلاف جو تدبیر کر سکتے ہو کرو۔

(ز ی غ)

اَلزَّيْغُ کے معنی حالت استقامت سے ایک جانب مائل ہو جانا کے ہیں اور اَلتَّزَايُغُ کے معنی تَمَايُلٌ یعنی بہت زیادہ مائل ہو جانا یا ایک دوسرے سے مائل ہونا رَجُلٌ زَائِغٌ مائل ہونے والا۔ اس کی جمع زَاغَةٌ وَزَائِغُوْنَ آتی ہے۔ زَاغَتِ الشَّمْسُ سورج مائل بزوال ہو گیا زَاغَ الْبَصَرُ نگاہ نے غلطی کی ایک طرف ہٹ گئی۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ (۳۳-۱۰) کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ خوف وہراس کی وجہ سے انہیں کچھ نظر نہیں آئے گا اور یہ بھی کہ یہ آیت:۔
يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ (۳-۱۳) کے ہم معنی ہو یعنی نگاہیں صحیح طور پر کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکیں گی۔ نیز فرمایا:۔
وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۵۳-۱۷) نظر نہ تو حقیقت سے ایک طرف ہٹی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا۔
مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ (۹-۱۱۷) اس کے بعد کہ ...... پھر جانے کو تھے۔
اور آیت کریمہ:۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۶۱-۵) کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ از خود صحیح راہ سے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو اسی طرف جھکا دیا۔

---

[1] قالہ ذو الاصبع العدوانی و اسمہ حرثان بن محرث (فی الصحاح زید) طرًا بدل کیدًا وفی المفضلیات (۱: ۱۷۱) الخائطی (؟) طالامالی (۱: ۲۵۳) بما خفی بدلہ۔ والبیت فی اللسان (زید) والحکم دعشرا ہو من قصیدۃ مفضلیۃ ۳۷ والبیت ۲۹ طالقصیدۃ بتمامہا فی الامالی (۱: ۲۵۲-۲۵۴) والکامل ۵۰۴ وفیہ کیدکم بدل امرکم وانظر القصیدۃ فی منتہی الطلب (۱: ۱۹۶-۱۹۷) والاغانی (۳: ۸-۱۰) والشعراء ۶۳۶-۶۳۸ و البیت فی الکتاب والحماسۃ لابن الشجری ۱۷ والخزانۃ (۳: ۲۲۶) والعینی (۳: ۲۸۷) والمرتضی ۲ ۲۵ ولترجمۃ الشاعر راجع الاشتقاق ۱۶۳ والمعمرین ۹ والشعراء (۹ ۷۸-۲۹۰) والخزانۃ (۲۰۶-۲۰۹)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ز ی ل)

زَالَهٗ یَزِیْلُهٗ زَیْلًا کے معنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے زائل کرنا کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۲۱۱) " زَالَ زَوَالُهَا "

کہ اللہ تعالیٰ محبوبہ کے خیال کو میرے دل سے زائل کر دے۔ اور زَوَالٌ کے معنی التصرف یعنی پھرنا بھی آتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اَسْکَتَ اللّٰہُ نَامَتَهٗ کی طرح محاورہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی آواز کو ختم کر دیا۔ اور یہی معنی زِیْلَ زَوِیْلُهٗ کے ہیں شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۲۱۲) " اِذَا مَا رَأَتْنَا زَالَ مِنْهَا زَوِیْلُهَا "

جب وہ ہمیں دیکھتی ہے تو بدک کر بھاگ جاتی ہے اور جن کے نزدیک زال متعدی نہیں ہے وہ شعر اول میں زَوَالَهَا کو منصوب علی المصدر مانتے ہیں یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَزَیَّلُوْا وہ متفرق ہو گئے۔ قرآن میں ہے :۔ لَوْ تَزَیَّلُوْا (۴۸-۲۵) اگر وہ الگ الگ ہو جاتے۔

اور آیت :۔ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ (۱۰-۲۸) پھر ہم ان میں جدائی ڈال دیں گے۔

میں اگر زِلْتُهٗ کو متعدی کہا جائے تو باب تفعیل تکثیر کے لئے ہوگا یعنی بالکل الگ الگ کر دینا جیسے مِزْتُهٗ وَمَیَّزْتُهٗ اور مَا زَالَ اور لَا یَزَالُ ہمیشہ حرف نفی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور یہ کَانَ فعل ناقص کی طرح اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں اور اصل میں یہ اجوف یائی ہیں کیونکہ عربی زبان میں زَیَّلْتُ (تفعیل) یا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور مَا زَالَ کے معنی ہیں مَا بَرِحَ یعنی وہ ہمیشہ ایسا کرتا رہا چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ (۱۱-۱۱۸) وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمْ (۹-۱۱۰) وہ عمارت ہمیشہ (ان کے دلوں میں باعث اضطراب بنی) رہیگی۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۲۲-۵۵) کافر لوگ ہمیشہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہیں گے۔

مَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ (۴۰-۳۴) تم برابر شبہ میں رہے۔

اور محاورہ میں مَا زَالَ زَیْدٌ اِلَّا مُنْطَلِقًا کہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ مَا کَانَ زَیْدٌ اِلَّا مُنْطَلِقًا کہا جاتا ہے کیونکہ زَالَ میں ثَبَتَ کی ضد ہونے کی وجہ سے نفی کے معنی پائے جاتے ہیں اور "مَا" و "لا" بھی حروف نفی سے ہیں اور نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے لہٰذا مَا زَالَ مثبت ہونے میں کَانَ کیطرح ہے تو جس طرح کَانَ زَیْدٌ اِلَّا مُنْطَلِقًا کی ترکیب صحیح نہیں ہے اس طرح مَا زَالَ زَیْدٌ اِلَّا مُنْطَلِقًا

---

[1] قطعۃ من عجز البیت قالہ الاعشی وتکملتہ: ہذا النہار بدا لہا من ہمہا ۔ ما بالہا باللیل زال زوالہا ۔ والبیت من قصیدۃ یمدح فیہا قیس بن معدیکرب مطلعہا: رحلت سمیۃ غدوۃ اجمالہا ۔ غضبی علیک فما تقول بدا لہا ۔ دیوانہ ۱۵ - ۴ ص ۱۳ اللسان (زول) مثل للعرب قدیم واختلف فی ای زوالہا منصوب اللام او مرفوعہا من رواہ برفع اللام (زوالہا) قال فیہ اقواء راجع اللسان (قوی) و فی ذیل الامالی ۵۷ یقال: زال زوالا وزیل زویلہ (زوالہ) ای ذہب ومات ۔ [2] قالہ ذوالرمۃ یصف بیضۃ وصدرہ: وبیضاء لا تنحاش منا وامہا ۔ ۔ ۔ وفی روایۃ الشنآن (متاع زول، حوش زیل) زیل منہا بمعنی زال منہا ومعناہ ذعرت منا ونفرت والبیت فی دیوانہ ۴۵۸ والاضداد لابن الانباری ۲۷۷ والفائق (۱: ۵۷) والاضداد لابی الطیب ۱/۳۲۲ والحیوان (۵: ۴۷۵) والمعانی للقتبی ۲۵۵ والفائق (۱: ۸۲، ۴۰۱) وفی کل المراجع زیل منہا بمعنی زال منہا ولکلا الروایتین محمل وان کان الاول اکثر ولم یرد الثانی سوی المؤلف

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی صحیح نہیں ہوگا۔

(ز ی ن)

اَلزِّیْنَۃُ زینت حقیقی وہ ہوتی ہے جو انسان کے لئے کسی حالت میں بھی معیوب نہ ہو یعنی نہ دنیا میں اور نہ ہی عقبیٰ میں اور وہ چیز جو ایک حیثیت سے موجب زینت ہو لیکن دوسری حیثیت سے موجب زینت نہ ہو وہ زینت حقیقی نہیں ہوتی بلکہ اسے صرف ایک پہلو کے اعتبار سے زینت کہہ سکتے ہیں اور اجمالاً زینت کے تین اقسام ہیں۔

(۱) زینت نفسی جیسے علم اور اعتقادات حسنہ جو نفس انسانی کے لئے باعث آرائش بنتے ہیں۔

(۲) زینت بدنی۔ جیسے قوت اور طول قامت وغیرہ چیزیں جو جسم کے لئے خوبصورتی کا سبب بنتی ہیں۔

(۳) زینت خارجیہ جیسے مال وجاہ وغیرہ جو انسان کیلئے باعث زینت بنتے ہیں لہذا آیت کریمہ:۔

حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (۴۹-۷) خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا۔

میں زینت سے نفسانی زینت مراد ہے اور آیت کریمہ:۔

مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ (۷-۳۲) (ان سے پوچھو کہ) اللہ نے جو زینت (کے سازوسامان پیدا کئے ہیں) ان کو کس نے حرام کیا ہے۔

کو بعض نے زینت خارجی پر محمول کیا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ کچھ لوگ برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے تو اس آیت کے ذریعہ انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آیت مذکورہ میں زِیْنَۃَ اللّٰہِ سے وہ کرم مراد ہے جس کا ذکر کہ آیت:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۴۹-۱۳) اور تم میں بڑا شریف تو وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے میں پایا جاتا ہے چنانچہ اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے (ع)

(۲۱۳) وَزِیْنَۃُ الْمَرْءِ حُسْنُ الْاَدَبِ

کہ حسن ادب ہی انسان کے لئے باعث زینت بن سکتا ہے اور آیت:۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ فِیْ زِیْنَتِہٖ (۲۸-۷۹) الغرض (ایک دن قارون) اپنے ترک سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔

میں مال وجاہ اور ساز وسامان وغیرہ دنیوی زینت مراد ہے زَانَہٗ کَذَا وَزَیَّنَہٗ کے معنی کسی چیز کے حسن کو ظاہر کرنے کے ہیں۔ بالفعل آراستہ کرکے یا بذریعہ قول کے (جیسے کسی چیز کو لوگوں کی نظر میں بھلا کرکے دکھانا) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پہ تزیین کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے مگر بعض آیات میں اسے شیطان کی منسوب کیا گیا ہے اور بعض مواقع میں بغیر نسبت کے فعل مجہول کی صورت میں لایا گیا ہے چنانچہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایمان کے متعلق فرمایا:۔

وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (۴۹-۷) اور اس (ایمان) کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا۔

اور کفار کے متعلق فرمایا:۔

زَیَّنَّا لَہُمْ اَعْمَالَہُمْ (۲۷-۴) ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے عمدہ کر دکھایا۔

زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمْ (۶-۱۰۸) اور ہم نے ہر امت کے لئے ان کا عمل اچھا کر دکھایا۔

اور شیطان کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَہُمْ (۱۶-۶۳) اور شیطان نے ان لوگوں کے اعمال بد ان کو اچھے کر دکھائے۔

لَاُزَیِّنَنَّ لَہُمْ فِی الْاَرْضِ (۱۵-۳۹) میں ان کے لئے

لہ راجع ابن کثیر ٹلہ لم اجدہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وساز وسامان۔ زندگی کو) انہیں عمدہ کر دکھاؤں گا۔
اور لغیر نسبت کے فعل مجہول کی صورت میں فرمایا:۔
زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ (۳-۱۴) (یعنی طور پر) لوگوں کو دنیا کی) مرغوب چیزوں کے ساتھ وابستگی بھلی معلوم ہوتی ہے۔
زُیِّنَ لَهُمْ سُوْءُ اَعْمَالِهِمْ (۹-۳۷) ان کی بدکرداریاں ان کو بھلی کرکے دکھائی گئیں۔
زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا (۲-۲۱۲) جو لوگ دین حق کے منکر ہیں دنیا کی زندگی انہیں عمدہ کر دکھائی گئی۔

اور آیت کریمہ:۔
زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ (۶-۳۷) اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا اچھا کر دکھایا ہے۔

میں زُیِّنَ اصل میں زَیَّنَهٗ شُرَکَاۤؤُهُمْ ہے اور آیات زَیَّنَّا السَّمَاۤءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (۶۷-۵) ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی۔
اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاۤءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِ (۳۷-۶) اور ہم ہی نے آسمان دنیا کو (ایک) زینت یعنی ستاروں سے آراستہ کیا۔
وَزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ (۱۵-۱۶) اور ہم نے دیکھنے والوں کے لئے اسے خوبصورت بنایا۔
میں اس زینت کیطرف اشارہ ہے جسکا تعلق حاسۂ بصر سے ہے اور جسے عوام و خواص محسوس کرتے ہیں۔ نیز اس میں زینت معنوی یعنی ستاروں کی رفتار انکے احکام کیطرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے جسکی معرفت خواص کو حاصل ہو سکتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو زینت بخشنا تکوین و ابداع سے ہوتا ہے یعنی انکو آراستہ حالت میں پیدا کرنا اور لوگوں کا کسی چیز کو زینت بخشنا یا تو ملمع سازی سے ہوتا ہے اور یا بذریعہ قول کے یعنی کسی چیز کی تعریف کرنا اور اسے خوشنما صورت میں پیش کرنا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کِتَابُ السِّین

(س ء ل)

اَلسُّؤْلُ. دراصل اس حاجت کو کہتے ہیں جس پر نفس حریص ہو قرآن میں ہے:۔
قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یَامُوْسٰی (۲۰-۳۶) موسیٰ تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔ اور یہ سُؤْل وہی ہے جس کا تذکرہ آیت::
رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (الآیۃ) میں ہے۔
اَلسُّؤْلُ اور اَلْاُمْنِیَّۃُ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن امنیۃ کا لفظ اس خواہش پر بولا جاتا ہے جو تا حال انسان کے دل میں ہو اور اس کا اظہار نہ کیا ہو لیکن سُؤْل اس حاجت کو کہتے ہیں جو طلب بھی کی جا چکی ہو تو گویا سُؤْل کا درجہ امنیۃ کے بعد کا ہے۔

(س ب ب)

اَلسَّبَبُ اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جس سے درخت خرما وغیرہ پر چڑھا (اور اس سے اترا) جاتا ہے اس کی جمع اسباب ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ (۳۸-۱۰) تو ان کو چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھیں۔
اور یہ معنوی لحاظ سے آیت:۔
اَمْ لَھُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْہِ (۵۲-۳۸) یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر چڑھ کر (آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں۔ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اسی مناسبت سے ہر اس شے کو سَبَبٌ کہا جاتا ہے۔ جو دوسری شے تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاٰتَیْنَاہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ (۱۸=۸۴-۸۵) اور اسے ہر قسم کے ذرائع بخشے سو وہ ایک راہ پر چلا۔
مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر چیز کی معرفت اور سامان و ذرائع عطا کئے تھے جس کے ذریعہ وہ اپنے مقصود تک پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک ذریعہ اختیار کیا اور آیت کریمہ:۔
لَعَلِّیْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ۔ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ۔ (۴۰: ۳۶-۳۷) تاکہ جو آسمان تک پہنچنے کے ذرائع ہیں ہم ان تک جا پہنچیں۔
میں بھی اسباب سے مراد ذرائع ہی ہیں یعنی تاکہ ہم ان اسباب و ذرائع کا پتہ لگائیں جو آسمان میں پائے جاتے ہیں اور ان سے موسیٰ (علیہ السلام) کے مزعومہ خدا کے متعلق معلومات حاصل کریں اور عمامہ، دوپٹہ اور ہر لمبے کپڑے کو طول میں رسی کے ساتھ تشبیہ دے کر بھی سَبَبٌ کہا جاتا ہے اسی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہت سے شاہراہ کو بھی سَبِیْبٌ کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ شاہراہ کو بھی خَیْطٌ (تاگا) اور کبھی محدود کپڑے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

اَلتَّسَابُّ (مصدر ن) کے معنی مغلظات اور فحش گالی دینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (۶-۱۰۹) تو جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو حاجت روائی کے لئے بلایا (یعنی ان کی پرستش کیا کرتے) ہیں ان کو برا نہ کہو کہ یہ لوگ بھی ازراہ نادانی ناحق خدا کو برا کہہ بیٹھیں گے۔

ان کے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ صریح الفاظ میں اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے۔ کیونکہ اس طرح تو کوئی مشرک بھی نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جوش میں آکر شان الٰہی میں گستاخی کریں گے اور ایسے الفاظ استعمال کریں گے جو اس کی ذات کے شایان شان نہیں جیسا کہ عام طور پر مجادلہ کے وقت ہوتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے[1]۔

فَمَا كَانَ ذَنْبُ بَنِيْ مَالِكٍ
بِأَنْ سُبَّ مِنْهُمْ غُلَامٌ فَسَبَّ

بِأَبْيَضَ ذِيْ شُطَبٍ قَاطِعٍ
يَقُدُّ الْعِظَامَ وَيَبْرِي الْقَصَبْ

بنی مالک کا صرف اتنا گناہ ہے کہ ان میں سے ایک لڑکے کو بخل پر عار دلائی گئی اور اس نے عار کے جواب میں سفید دھاری دار قاطع تلوار سے اپنی موٹی اونٹنیوں کو ذبح کر ڈالا جو ہڈیوں کو کاٹ ڈالتی ہو اور اور قصب یعنی بانس کو تراش دیتی ہو ان اشعار میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے جس کو دوسرے شاعر نے یوں ادا کیا ہے کہ[2]۔

نَشْتُمُ بِالْأَفْعَالِ لَا بِالتَّكَلُّمِ

کہ ہم زبان کی بجائے افعال سے گالی دیتے ہیں۔

اور سِبٌّ (فِعْلٌ) بمعنی دشنام دہندہ کے آتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[3]۔

لَا تَسُبَّنَّنِيْ فَلَسْتَ بِسِبِّيْ
إِنَّ سِبِّيْ مِنَ الرِّجَالِ الْكَرِيْمُ

مجھے گالی نہ دو تم مجھے گالی دینے کے لائق نہیں ہو کیونکہ نہایت شریف ورجہ کا آدمی ہی مجھے گالی دے سکتا ہے۔

اَلسُّبَّةُ ہر وہ چیز جو عار و ننگ کی موجب ہو اور کنایہ کے طور پر دبر کو بھی سُبَّةٌ کہا جاتا ہے۔

---

[1] قالہ ذوالخرق الطہوی واسمہ قرط یقعصب لغالب بن صعصعة ابی الفرزدق وکان بینہ و بین سحیم بن وثیل الرماحی معاقرة یوم صوءر (موضع قریب من الکوفة) واختلفت الروایات فی القصیدة راجع الخبر والاختلاف فی ذیل الامالی ۵۲-۵۴ والسمط ۶۴۷-۷۴۷ والابیات مقیدة القافیة فی اللسان (سب) والنقائض ۱۰۷۰ والامالی (۲: ۱۱۷) والمیکلف للآمدی ۴۷ وایام العرب ۱۴۰-۴۰۶ وفی سرایة بنی عامر بدل بنی مالک وہو وہم نبہ علیہ ابن درید والازہری ورد البکری فی التنبیہ راجع ایضا المعانی للقتبی ۱۰۸۷ والمحکم (عقر) والثانی من الابیات: عراقیب کوم طوال الذری تخربوا کمہا للرکب ۱۲ [2] قالہ معبد بن علقمة یخاطب زہیرا داود، تجل ایدینا ویحلم رأینا۔ والبیت من کلمة فی الحماسة رواہ التبریزی (۲: ۱۹) وفی السمط (۱: ۳۴۲) فی ثلاثة والتنبیہ للبکری ۵۴ وفی العیون (۱: ۲۸۴) والشطر منسوب لایاس بن قتادة وعجزہ فیہ: تعاقب ایدینا ویحلم رأینا والبیت فی المضنون (۸۳) والصناعتین ۹۴ [3] البیت فی اصلاح یعقوب ۱۴ (دار المعارف ۱۳۷۵ھ) ولم ینسبہ التبریزی فی تہذیبہ ۲۱ وہو لعبدالرحمان بن حسان یہجو مسکینا الدارمی قالی والسبّ الذی یسابّک ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ اسے سَوْءَۃٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
اَلسَّبَّابَۃُ انگشت شہادت یعنی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کیونکہ گالی دیتے وقت اس کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اس انگلی کو مُسَبِّحَۃٌ (انگشت شہادت) کہا جاتا ہے۔ چونکہ تسبیح کے وقت اشارہ کے لئے اسے اوپر اٹھایا جاتا ہے۔

(س ب ت)

اَلسَّبْتُ کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں اور اسی سے کہا جاتا ہے سَبَتَ السَّیْرَ اس نے تسمہ کو قطع کیا سَبَتَ شَعْرَہٗ اس نے اپنے بال مونڈے سَبَتَ اَنْفَہٗ اس کی ناک کاٹ ڈالی۔
بعض نے کہا ہے کہ ہفتہ کے دن کو یَوْمَ السَّبْتِ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق اتوار کے دن شروع کی تھی اور چھ دن میں تخلیق عالم فرماکر سنیچر کے دن اسے ختم کردیا تھا اسی سے سَبَتَ فُلَانٌ ہے جس کے معنی ہیں وہ ہفتہ کے دن میں داخل ہوا۔ اور آیت کریمہ:
یَوْمَ سَبْتِھِمْ شُرَّعًا (۷-۱۶۳) سنیچر کے دن (مچھلیاں) سینہ سپر ہوکر ان کے سامنے آجاتیں۔ میں بعض نے یَوْمَ سَبْتِھِمْ سے ان کے کاروبار کو چھوڑنے کا دن مراد لیا ہے اس اعتبار سے یَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ کے معنی یہ ہوں گے کہ جس روز وہ کاروبار نہ چھوڑتے اور بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جس روز سنیچر نہ ہوتا ان ہردو معنی کا مآل ایک ہی ہے اور آیت:
اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ (۱۶-۱۲۴) میں سبت سے مراد سنیچر کے دن ترک عمل کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ سنیچر کے دن کام کاج چھوڑنے کا حکم صرف اس لئے دیا گیا تھا ..... اور آیت:
وَجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا (۷۸-۹) اور نیند کو (موجب) راحت بنایا۔ میں سبات کے معنی ہیں حرکت وعمل کو چھوڑ کر آرام کرنا اور یہ رات کی اس صفت کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت:
لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ (۱۰-۶۷) تاکہ تم رات میں راحت کرو میں مذکور ہے یعنی رات کو راحت وسکون کے لئے بنایا ہے۔

(س ب ح)

اَلسَّبْحُ اس کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں سَبَحَ (ف) سَبْحًا وَسِبَاحَۃً وہ تیز رفتاری سے چلا پھر استعارۃً یہ لفظ فلک میں نجوم کی گردش اور تیز رفتاری کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ جیسے فرمایا۔
کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (۲۱-۳۳) سب (اپنے اپنے) فلک یعنی دائرہ میں تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں۔
اور گھوڑے کی تیز رفتاری پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:
وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا (۷۹-۳) اور فرشتوں کی قسم جو آسمان وزمین کے درمیان تیرتے پھرتے ہیں۔ اور کسی کام کو سرعت کے ساتھ کر گزرنے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:
اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا (۷۳-۷) اور دن کے وقت تو تم بہت مشغول کار رہتے ہو۔
اَلتَّسْبِیْحُ کے معنی تنزیہ الٰہی بیان کرنے کے ہیں اصل میں اس کے معنی عبادت الٰہی میں تیزی کرنا کے ہیں ..... پھر اس کا استعمال ہر فعل خیر پر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے لگا ہے جیسا کہ اِبْعَاد کا لفظ شر پر بولا جاتا ہے کہا جاتا ہے اَبْعَدَہُ اللّٰہُ خدا اسے ہلاک کرے۔ پس تسبیح کا لفظ قولی، فعلی اور قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (۳۷-۱۴۳) تو اگر یونس علیہ السلام اس وقت (خدا کی) تسبیح (و تقدیس) کرنے والوں میں نہ ہوتے۔

یہاں بعض نے مُسَبِّحِیْنَ کے معنی مُصَلِّیْنَ کئے ہیں لیکن انسب یہ ہے کہ اسے تینوں قسم کی عبادت پر محمول کیا جائے۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ (۲-۳۰) اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔

وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (۳-۴۱) اور صبح و شام (اسی کی) تسبیح (و تقدیس) کرتے رہنا۔

فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (۵۰-۴۰) (اور رات میں بھی) اس کی تسبیح (و تقدیس) کرو اور نمازوں کے بعد بھی۔

لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ (۶۸-۲۸) یعنی اس کی عبادت اور شکر گزاری کیوں نہیں کرتے ہو۔

بعض نے اسے استثنا کے معنی پر حمل کیا ہے یعنی تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے اور اس کی دلیل آیت اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ (۶۸-۱۷) ہے یعنی انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی پھل کاٹ لیں گے اور استثنا نہ کیا۔

اور آیت کریمہ:۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (۱۷-۴۴) ساتوں آسمان اور زمین اور جو فرشتے اور آدمی، آسمان وزمین میں (ہیں) سب اس کی تسبیح (و تقدیس) کرتے ہیں اور (جتنی) چیزیں ہیں سب اس کی حمد (و ثنا) کے ساتھ اس کی تسبیح (و تقدیس) کر رہی ہیں مگر تم لوگ ان کی تسبیح (و تقدیس) کو نہیں سمجھتے۔

میں تسبیح کے وہی معنی مراد ہیں جو کہ آیت کریمہ:۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (۱۳-۱۶) اور جس قدر مخلوق آسمان وزمین میں ہے (سب) چار و نا چار اللہ ہی کے آگے سربسجود ہے۔

اور آیت:۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ (۱۶-۴۹) اور جتنی چیزیں آسمانوں اور جتنی جاندار چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ ہی کے آگے سربسجود ہیں۔

میں سجدہ کے ہیں یعنی تسبیح کے حقیقی معنی مراد ہیں، جیسا کہ سجدہ کے ہیں مگر ان کا ادراک ہماری سمجھ سے بالاتر ہے جیسا کہ آیت:۔

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ کے استدراک اور آسمان وزمین کے ذکر کے بعد مَنْ فِيْهِنَّ کے عطف سے معلوم ہوتا ہے اور بعض نے اس کی تقدیر یہ بیان کی ہے۔

يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَيَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي الْاَرْضِ مگر یہ صحیح نہیں ہے اولاً تو اس لئے کہ "مَنْ" (یعنی ذو العقول) کی تسبیح کو ہم سمجھتے ہیں اور قرآن نے وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ کہا ہے اور ثانیاً اس لئے کہ بعد میں وَمَنْ فِيْهِنَّ عطف کے ساتھ مذکور ہے پھر اگر شروع آیت میں بھی مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ کی تقدیر کو مان لیا جائے (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) تو اس عطف کا یہ معنی

www.KitaboSunnat.com

ہونا لازم آتا ہے۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ سب اشیاء (بشمول آسمان وزمین) کی تسبیح اور سجود کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں اور اس کے سامنے سر بسجود رہتی ہیں لیکن بعض تسخیری طور پر اور بعض اپنے اختیار اور ارادہ سے۔ اور یہ بات تو بلا اختلاف سبھی مانتے ہیں کہ آسمان وزمین اور دواب جانوروں کی تسبیح تسخیری ہے یعنی انکے احوال اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر دال ہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ آیا آسمان وزمین تسبیح بالاختیار کرتے ہیں؟ تو آیت اسی معنی کی متقضی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

سُبْحَانٌ یہ اصل میں غُفْرَانٌ کی طرح مصدر ہے چنانچہ قرآن میں ہے :۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ (۳۰-۱۷) سو جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اللہ کی تسبیح بیان کرو۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا تو پاک (ذات) ہے ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ شاعر نے کہا ہے۔ (سریع)

(۲۱۸) سُبْحَانَ مِنْ عَلْقَمَةَ الْفَاخِرِ

سبحان اللہ! علقمہ بھی فخر کرتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں سُبْحَانَ عَلْقَمَةَ ہے اس میں مِنْ معنی اضافت کو ظاہر کرنے کے لئے زائد ہے اور علقمة کی طرف سبحان کی اضافت بطور تہکم ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں "سُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ عَلْقَمَةَ"

ہے اس صورت میں اس کا مضاف الیہ محذوف ہوگا۔

اَلسُّبُّوْحُ اَلْقُدُّوْسُ یہ اسماء حسنیٰ سے ہے اور عربی زبان میں فُعُّوْلٌ کے وزن پر صرف یہ دو کلمے ہی آتے ہیں اور ان کو فاء کلمہ کی فتح کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے جیسے کَلُّوْبٌ وَسَمُّوْدٌ

اَلسُّبْحَةُ بمعنی تسبیح ہے اور ان منکوں کو بھی سُبْحَةٌ کہا جاتا ہے جن پر تسبیح پڑھی جاتی ہے۔

(س ب خ)

اَلسَّبْخُ کے معنی وسعت کے ہیں اور آیت:۔ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْخًا (۷۳-۷) کہ تیرے لئے دن میں بڑا مشغلہ ہے۔ میں ایک قراءت سَبْخًا بھی ہے۔

سَبَخَ اللّٰهُ عَنْهُ الْحُمّٰی اللہ نے اس کا بخار ہلکا کر دیا۔

اَلسَّبِیْخُ پرند کے پر اور دھنکی ہوئی روئی وغیرہ کو کہا جاتا ہے جن میں اکتنانا اور ثقل نہیں ہوتا۔

(س ب ط)

اَلسَّبْطُ اس کا اصل معنی سہولت کے ساتھ کسی چیز کا منبسط ہونا ہیں اور سَبِطَ (س) سُبُوْطًا وَسَبَاطَةً وَسَبَاطًا کے معنی بالوں کے سیدھا اور دراز ہونے کے ہیں اور سیدھے بالوں کو جن میں گھنگٹ نہ ہو سَبِطٌ یا سَبْطٌ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح خوش قامت عورت کو بھی سَبِطَةٌ

۱؎ قالہ الاعشٰی فی ہجو علقمة وصدرہ: اقول لما جاءنی فخرہ۔ انظر الخبر وترجمة الشاعر فی الاغانی (۱۵ و ۵) والخزانة (۲: ۴۲-۴۴) والبیت فی دیوانہ ۱۰۷ والجمہرة (۱: ۲۲۹) والتنمری (۱: ۱۶۳) ومجاز القرآن فہ ۳۷ واللسان والتاج والاساس والحکم (سبح) والسمط (۱: ۵۵۵) والقرطبی (۱: ۲۷۶) والطبری (۱: ۲۱۱) والصحاح (سبح) وغریب القرآن للقتبی ۸ وعلقمة ہو علقمة بن علاثة صحابی قدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو شیخ فاسلم و بایع وروی حدیثا واحدا واستعملہ عمر بن الخطاب علی حوران فمات بہا والبیت فی مجالس ثعلب (۱: ۲۱۶) وامالی الشجری (۲: ۲۵۰) وابن خالویہ ۴۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے اور دراز کف دست آدمی کو مَبْسُوْطُ الْکَفَّیْنِ کہتے ہیں اور یہ سخاوت سے کنایہ ہوتا ہے۔

اَلسِّبْطُ اس کے معنی اولاد کی اولاد یعنی پوتے اور نواسے کے ہیں گویا اس میں فروع کے امتداد کے معنی پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (۲-۱۴۰) اور حضرت یعقوب اور ان کی اولاد۔

یہاں اسباط سے مراد قبائل ہیں۔ ہر قبیلہ ایک شخص کی اولاد سے تھا۔ جیسے فرمایا:۔ اَسْبَاطًا اُمَمًا (۷-۱۶۰) (الگ الگ) بارہ قبیلے بنا دیئے

اَلسَّابَاطُ وہ مسقف راستہ جو دو مکانوں کے درمیان ہو۔ اور اَخَذَتْ فُلَانًا سُبَاطٌ کے معنی ہیں فلاں کو بخار چڑھ گیا۔ مثل مشہور ہے[1] (مثل) اَلسُّبَاطَۃُ خَیْرٌ مِنْ قُمَامَۃٍ کہ خاک دبہ کوڑے سے بہتر ہے۔

سَبَطَتِ النَّاقَۃُ وَلَدَھَا اونٹنی نے ناتمام بچہ گرادیا۔

(س ب ع)

اَلسَّبْعُ اصل میں "سَبْعٌ" سات کے عدد کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲-۲۹) سات آسمان۔ سَبْعًا شِدَادًا (۷۸-۱۲) سات مضبوط (آسمان) بنائے۔ سَبْعَ سُنْبُلٰتٍ (۱۲-۴۶) سات بالیں۔ سَبْعَ لَیَالٍ (۶۹-۷) سات راتیں۔ سَبْعَۃٌ وَّثَامِنُھُمْ کَلْبُھُمْ (۱۸-۲۲) (وہ) سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (۶۹-۳۲) ستر گز سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (۹-۸۰) ستر مرتبہ۔ اور آیت:۔

سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ (۱۵-۸۷) (الحمد کی) سات آیتیں (عطا فرمائیں) جو نماز کی ہر رکعت میں مکرر پڑھی جاتی ہیں میں بعض نے کہا ہے کہ سورۃ الحمد مراد ہے کیونکہ اس کی سات آیتیں ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اَلسَّبْعُ الطِّوَال یعنی سورۃ بقرہ سے لے کر اعراف تک سات لمبی سورتیں مراد ہیں۔ اور قرآن پاک کی تمام سورتوں کو بھی مثانی کہا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں واقعات تکرار کے ساتھ مذکور ہیں اور منجملہ ان کے یہ سات سورتیں ہیں

اَلسَّبِیْعُ وَالتَّسْبِیْعُ اونٹوں کو ساتویں روز پانی پر وارد کرنا۔

اَلْاُسْبُوْعُ۔ ایک ہفتہ یعنی سات دن جمع اَسَابِیْعُ طُفْتُ بِالْبَیْتِ اُسْبُوْعًا میں نے خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگائے سَبَعْتُ الْقَوْمَ میں ان کا ساتواں بن گیا۔ اَخَذْتُ سُبْعَ اَمْوَالِھِمْ میں نے ان کے اموال سے ساتواں حصہ وصول کیا۔

اَلسَّبُعُ۔ درندہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی قوت پوری ہوتی ہے جیسا کہ سات کا عدد "عدد تام" ہوتا ہے۔

ھُذَلِیْ نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۲۱۹) .... کَانَہٗ
عَبْدٌ لِاٰلِ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ مُسْبَعٌ

گویا وہ آل ابی ربیعہ کا غلام ہے جس کی بکریوں کو پھاڑ کھانے کے لئے درندے آگئے ہوں۔

بعض نے مُسْبَعٌ کا معنی مُھْمَلٌ مَعَ السِّبَاعِ کئے ہیں یعنی وہ جو درندوں کی طرح آوارہ پھرتا ہے اور بعض نے مُسْبَعٌ (بفتح با) پڑھا ہے۔

---

[1] المثل فی جل المعاجم ۱۲ [2] قالہ ابو ذؤیب الہذلی یصف حمارا لوحشی واولہ: صخب الشوارب لایزال... والبیت من کلمۃ مفضلیۃ فی ۶۵ بیتا وفی الجمھرۃ ۲-۲۴۲ او رمنہا المؤلف ۳۶۶، ۵۷۴، ۳۷۲، ۳۴۷، ۳) راجع نظام الغریب للربعی (۱۲۳) واصلاح یعقوب ۲۴ والحکم (سبع، ربع) واللسان (شرب، سبع) والاغانی (۶: ۹ ن) والمزہر (۱: ۳۵) والصاحبی ۶۹ قال یعقوب فی اصلاحہ اسبعت عبدی اذا اہملتہ فھو مسبع وفی الصاحبی لفظۃ مسبع ما فسرحق الآن تفسیرا شافیا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ دَعِیٌّ سے کنایہ ہے یعنی وہ شخص جس کا نسب معلوم نہ ہو۔ سَبَعَ فُلَانًا کسی کی غیبت کرنا اور درندہ کی طرح اس کا گوشت کھانا۔ اَلْمَسْبَعَۃُ درندوں کی سرزمین۔

(س ب غ)

دِرْعٌ سَابِغٌ پوری اور وسیع زرہ کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ اَنِ اعْمَلْ سَابِغٰتٍ (۳۴-۱۱) کہ کشادہ اور پوری پوری زرہیں بناؤ۔

اسی سے استعارہ کے طور پر اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ (پورا وضو کرنا) اور اِسْبَاغُ النِّعَمِ (پورا پورا انعام کرنا) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ (۳۱-۲۰) اور تم پر اپنی نعمتوں کو پورا کیا۔

(س ب ق)

اَلسَّبْقُ اس کے اصل معنی چلنے میں آگے بڑھ جانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (۷۹-۴) پھر وہ (حکم الٰہی کو سننے کے لئے) لپکتے ہیں۔

اَلْاِسْتِبَاقُ کے معنی تسابق یعنی ایک دوسرے سے سبقت کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ اِنَّا ذَھَبْنَا نَسْتَبِقُ (۱۲-۱۷) ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرنے لگ گئے۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ (۱۲-۲۵) اور دونوں دوڑتے ہوئے دروازے پر پہنچے۔

مجازاً ہر شے میں آگے بڑھ جانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ مَا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ (۴۶-۱۱) تو یہ ہم سے اس کی طرف سبقت نہ کر جاتے۔

وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ (۲۰-۱۲۹) اگر تمہارے پروردگار نے پہلے سے ایک بات نہ فرمائی ہوتی۔

پھر استعارہ کے طور پر احراز فضیلت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ (۵۶-۱۰) اور آگے نکل جانے والے ہی اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ تو سَابِقُوْنَ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو اعمال صالحہ کے ذریعہ ثواب الٰہی اور جنت کی طرف پیش پیش جانے والے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ان کے متعلق فرمایا:۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سٰبِقُوْنَ (۲۳-۶۱) یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان کے لئے لپکتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ (۵۶-۶۰) اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔ کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ ہماری گرفت اور قبضہ سے باہر نہیں نکل سکتے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا (۸-۵۹) کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے قابو سے نکل گئے ہیں۔ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ (۲۹-۳۹) اور نہ وہ ہم سے کہیں بھاگ کر جا سکتے۔

(س ب ل)

اَلسَّبِیْلُ۔ اصل میں اس رستہ کو کہتے ہیں جس میں سہولت سے چلا جاسکے اس کی جمع سُبُلٌ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَاَنْھٰرًا وَّسُبُلًا (۱۶-۱۵) دریا اور راستے۔ وَجَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا (۴۳-۱۰) اور تمہارے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے اس میں راستے بنا دیئے۔

اور آیت :۔

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (۴۳-۳۷)

اور وہ صحیح راہ سے روکتے ہیں۔

میں اَلسَّبِیْل سے مراد طریق حق ہے کیونکہ اسم جنس جب مطلق استعمال ہو تو حق یعنی فرد کامل ہی مراد ہوتا ہے۔ اور اسی معنی میں فرمایا :۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (۸۰-۲۰) پھر اس پر راہ آسان کر دی۔

اور راہگیر کو سَابِلٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع سَابِلَةٌ ہے اور جس راہ پر بہت زیادہ آمد و رفت ہو اسے سَبِيْلٌ سَابِلٌ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شِعْرٌ شَاعِرٌ کا محاورہ ہے[1]۔

اِبْنُ السَّبِيْلِ اس مسافر کو کہتے ہیں جو اپنے منزل مقصود سے دور ہو اور سبیل کی طرف اس کی نسبت بوجہ ممارست کے ہے۔ پھر سبیل کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے۔ جو کسی دوسری چیز تک رسائی کا ذریعہ ہو عام اس سے کہ وہ چیز خیر ہو یا شر چنانچہ قرآن میں ہے :۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (۱۶-۱۲۵) خدا کے راستہ کی طرف دعوت دو۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ (۱۲-۱۰۸) (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سبیل سے مراد راہ حق ہی ہے لیکن پہلی آیت میں مبلغ (پہنچانے والے) کی طرف نسبت ہے اور دوسری آیت میں ان کی لے کر چلنے والے یعنی پیغمبر کی طرف۔

قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۴۷-۴) جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو گئے۔

اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ (۴۰-۲۹) (اور وہی راہ دکھاتا ہوں، جو سیدھی ہے۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (۶-۵۵) تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ (۱۶-۶۹) (مزے سے) اپنے پروردگار کے تعلیم کئے ہوئے آسان راستوں پر چل۔

اور سبیل کے معنی شاہراہ بھی آتے ہیں۔ جیسے فرمایا :۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ (۱۲-۱۰۸) (اے پیغمبر) کہہ دو یہی میرا راستہ ہے۔ اور آیت کریمہ :۔

سُبُلَ السَّلٰمِ (۵-۱۶) سلامتی کے رستوں کی طرف، میں سبل السلام سے جنت کے راستے مراد ہیں۔

مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (۹-۹۱) نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ (۴۲-۴۱،۴۲) تو یہ لوگ معذور ہیں ان پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان ہی پر ہے۔

اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا (۱۷-۴۲) مالک عرش (یعنی خدا) تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہوتا۔

عام محاورہ ہے :۔

اَسْبَلَ السِّتْرَ وَالذَّيْلَ اس نے پردہ یا دامن لٹکا دیا۔

فَرَسٌ مُسْبَلُ الذَّنَبِ دراز دم گھوڑا سَبَلَ الْمَطَرُ وَاَسْبَلَ۔ بارش برسنا اور وہ بارش جو آسمان سے بہہ کر زمین کی طرف آرہی ہو اور ہنوز زمین پر نہ گری ہو اسے سَبَلٌ کہا جاتا ہے اور سَبَلَةٌ خاص کر مونچھوں کے بالوں کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ

---

[1] ولشل ہذا الکلام یقال لہ مجاز فی الاسناد ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھی بڑھ کر، نیچے کو لٹک پڑتے ہیں۔
اَلسُّنْبُلَۃُ بال اس کی جمع سَنَابِل آتی ہے۔ قرآن میں ہے:
سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ (۲-۲۶۱) سات بالیں ہر بال میں۔
سَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ (۱۲-۴۶) سات سبز بالیں۔
اَسْبَلَ الزَّرْعُ کھیتی میں بالیں پڑ گئیں (ماخذ کے ساتھ متصف ہونا کے معنی پائے جاتے ہیں) جیسے اَحْصَدَ الزَّرْعُ واجنی النخل کا محاورہ ہے:
اَلْمُسْبِلُ جوئے کے تیروں میں سے پانچواں تیر۔

(س ب ء)

سَبَأٌ ایک شہر کا نام ہے جو پرانے زمانے میں (سیل العرم سے) تباہ ہوگیا تھا۔ قرآن میں ہے:
وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ (۲۷-۲۲) اور میں سبا سے تیرے پاس ایک یقینی خبر لیکر آیا ہوں۔
اور اسی سے ایک ضرب المثل ہے۔ (مثل)
ذَهَبُوا اَيَادِي سَبَا یعنی وہ تتر بتر ہوگئے۔ اور (اہل سبا کی طرح ان کا نام و نشان مٹ گیا۔
سَبَأْتُ الْخَمْرَ میں نے پینے کے لئے شراب خریدی۔
اَلسَّابِيَاءُ مشیمہ یعنی وہ جھلی جس میں بچہ ہوتا ہے!

(س ت ت)

سِتَّةٌ چھ کے عدد کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:
فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ (۷-۵۴) چھ روز میں۔
سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (۵۸-۴) ساٹھ مساکین کو۔
اور سِتٌّ اصل میں سِدْسٌ ہے جسے اس کی بحث میں ذکر کیا جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

(س ت ر)

اَلسَّتْرُ (مصدر ن) اس کے اصل معنی کسی چیز کو چھپا دینے کے ہیں اور سِتْرٌ و سُتْرَۃٌ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز چھپائی جائے قرآن میں ہے:
لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا (۱۸-۹۰) جن کے لئے ہم نے اس (سورج) سے بچنے کیلئے کوئی اوٹ نہیں بنائی۔
حِجَابًا مَسْتُورًا (۱۷-۴۵) ایک گاڑھا پردہ (حائل کر دیتے ہیں)۔
اَلْاِسْتِتَارُ اس کے معنی چھپ جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:
وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ (۴۱-۲۲) اور تم اس لئے نہ چھپتے تھے۔

(س ج د)

اَلسُّجُوْدُ (ن) اسکے اصل معنی فروتنی اور عاجزی کرنے کے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی اور اس کی عبادت کرنے کو "سُجُوْد" کہا جاتا ہے اور یہ انسان حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے (کیونکہ) سجود کی دو قسمیں ہیں۔ سجود اختیاری جو انسان کے ساتھ خاص ہے اور اسی سے وہ ثواب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے جیسے فرمایا:
فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (۵۳-۶۲) سو اللہ کے لئے سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔
اور سجود تسخیری جو انسان، حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے۔ چنانچہ فرمایا:
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔
(۱۳-۱۵) (فرشتے) جو آسمانوں میں ہیں اور جو انسان
زمین میں ہیں۔ چار و ناچار اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور
صبح و شام ان کے سایے (بھی اسی کو سجدہ کرتے ہیں)
اور نیز فرمایا۔
يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِلّٰهِ (۱۶-۴۸) اس کے سایے (کبھی) دائیں طرف
کو اور (کبھی) بائیں طرف کو جھکے رہتے ہیں گویا
اللہ کے آگے سربسجود ہیں۔
تو اس سے مراد سجود تسخیری ہے یعنی وہ زبان حال
سے گویا ہیں کہ ان کو کسی صانع حکیم نے بنایا ہے
اور وہ اس کی مخلوق ہیں۔ اور آیت :۔
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔
(۱۶-۴۹) اور جتنی چیزیں آسمانوں اور جتنی جاندار
چیزیں زمین میں ہیں۔ اور فرشتے (سب) اللہ ہی
کے آگے سربسجود ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے۔
دونوں قسم کے سجود یعنی تسخیری اور اختیاری پر
مشتمل ہے اور آیت :۔
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (۵۵-۶) اور
نجم و شجر اس کے سامنے سربسجود ہیں۔ میں سجود
تسخیری مراد ہے۔ اور آیت :۔
اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (۲-۳۴) آدم (علیہ السلام)
کو سجدہ کرو۔
میں بعض نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے
سے اس کو قبلہ بنانا مراد ہے اور بعض نے کہا ہے
کہ آدم علیہ السلام کے سامنے انکساری اور ان کی اولاد
کے مصالح کا بندوبست کرنے کا انہیں حکم دیا گیا
تھا سو بجز ابلیس کے تمام فرشتے یہ حکم بجا لائے
تھے اور آیت :۔
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (۲-۵۸) اور دروازے
میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔
کے معنی یہ ہیں کہ انکسار و انقیاد کے ساتھ وہاں جانا۔
اصطلاح شریعت میں سجود کو نماز کا خاص رکن
قرار دیا گیا ہے اور اس کا اطلاق سجود قرآن اور
سجود شکر پر بھی ہوتا ہے جو سجدہ نماز کے حکم
میں ہے اور کبھی اس سے مراد نفس نماز ہوتی
ہے۔ جیسے فرمایا :۔
وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (۵۰-۴۰) اور نماز کے پیچھے بھی۔
یعنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور چاشت
کی نماز کو سُبْحَةُ الضُّحٰى اور سُجُوْدُ الضُّحٰى
کہتے ہیں اور آیت :۔
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (۱۵-۹۸) اپنے پروردگار کی
حمد (و ثنا) کے ساتھ (اس کی) تسبیح (و تقدیس) بیان کیا کرو۔
میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں تسبیح سے نماز مراد ہے۔
اَلْمَسْجِدُ (ظرف) کے معنی جائے نماز کے ہیں اور آیت
وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (۷۲-۱۸) اور مسجدیں تو خدا ہی
(کی عبادت) کے لئے ہیں میں بعض نے کہا ہے کہ
مساجد سے روئے زمین مراد ہے کیونکہ آنحضرت
کے لئے تمام زمین کو مَسْجِد اور طَهُوْر بنایا گیا ہے
جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے[1] (۱۷۰)
اور بعض نے کہا ہے کہ مساجد سے اعضاء سجود یعنی
پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں زانوں اور دونوں
پاؤں مراد ہیں[2]۔ اور آیت :۔

---

[1] ولفظہ: جعلت لی الارض مسجدا وطہورا اخرجہ الجماعۃ [2] ابن عطاء کما فی البحر ۸: ۳۵۲ واللسان ۱/۴۲ و ۴/۱۸۸ و الکشاف ۴/۷۸۸ وقد اشار الیہ ابن قتیبۃ فی غریبہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ (۲۷-۲۵) (اور نہیں سمجھتے) کہ اس کو ... سجدہ کیوں نہ کریں۔

میں لا زائد ہے اور معنی یہ ہیں کہ میری قوم اللہ ہی کو سجدہ کرو۔ اور آیت:۔

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا (۱۲-۱۰۰) اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے۔

میں اظہار عاجزی مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مراد سجدہ خدمت ہے جو اس وقت جائز تھا اور شعر[1] (الکامل)

(۲۲۰) وَافٰى بِهَا كَدَرَاهِمِ الْاَسْجَادِ

میں شاعر نے وہ دَرَاھِمُ مراد لئے ہیں جن پر بادشاہ کی تصویر ہوتی تھی اور لوگ ان کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔

(س ج ر)

اَلتَّسْجِیْرُ اس کے اصل معنی زور سے آگ بھڑکانے کے ہیں۔ اور سَجَرْتُ التَّنُّوْرَ کے معنی ہیں میں نے تنور جلا دیا اسے ایندھن سے بھر دیا اسی سے فرمایا:۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (۵۲-۶) اور (نیز) جوش مارنے والے سمندر کی۔

شاعر نے کہا ہے[2] (المتقارب)

(۲۲۱) اِذَا شَاءَ طَالَعَ مَسْجُوْرَةً

تَرٰى حَوْلَهَا النَّبْعَ وَالسَّمْسَمَا

جب وہ چاہتا ہے تو پانی سے پُر گڑھا اسے نظر آجاتا ہے جس کے گرداگرد نبع اور سمسم کے درخت اگے ہوئے ہیں۔

اور آیت:۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۸۱-۶) اور جس وقت دریا پاٹ دیئے جائیں۔

کے معنی حسنؒ (البصری) نے یہ کئے ہیں کہ جب دریا آگ سے بھڑکا دیئے جائیں اور بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ جب ان کے پانی خشک کر دیئے جائیں اور یہ ان میں آگ بھڑکانے کی غرض سے ہوگا۔

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (۴۰-۷۲) پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (۲-۲۴) جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔

اور استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے۔

سَجَرَتِ النَّاقَةُ اونٹنی دوڑ میں بھڑک اٹھی یعنی سخت دوڑی جیسے اِشْتَعَلَتِ النَّاقَةُ کا محاورہ ہے اور اَلسَّجِيْرُ کے معنی مخلص دوست کے ہیں گویا وہ محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

فُلَانٌ مُحْرَقٌ فِي مَوَدَّتِهٖ کہ فلاں سوختۂ محبت ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے[3]

(۲۲۲) سُجَرَاءُ نَفْسِي غَيْرُ جَمْعِ اُشَابَةٍ

---

[1] قال اسود بن یعفر النہشلی وصدرہ: من خمر ذی نطف اغن منطق ... والبیت فی اللسان (سجد) والمفضلیات (۲: ۱۸) وفیہ لدراہم بدل کدراہم والاسجاد بکسر الہمزۃ السجود قال الاصمعی: دراہم الاسجاد، دراہم الاکاسرۃ ای النصاری وہی دراہم الجزیۃ التی ادّلتہم ۱۲
[2] البیت لنمر بن تولب العکلی والشاعر لیصف وعلًا فی رعایۃ السماسما بدل السمسماو ہو شجر یشبہ الآبنوس او نفسہ والبیت من شواہد الطبری (۲۷/۱) والطبری (۲۹-۴۵) والخزانۃ (۴: ۳۸۴) ومجاز القرآن لابی عبیدۃ وتہذیب الالفاظ ۵۰۶ وکتاب الابدال لابی الطیب (۱: ۲۳۵/۲۴) واللسان والتاج (سمسم) والمختارات الشجریہ ۲۷ (مسورۃ بدل مسجورۃ) والاضداد للاصمعی ۲۸ وللقرطبی (۲: ۴۱) والجمہرۃ ۲۱ وابن درید (۲: ۷۴) والسیوطی ۴ وشرح السبع لابن الانباری ۵۵۶ واضداد ابن الانباری ۵۴ وابن السکیت ۱۸۸ والسجستانی ۲۶) واضداد لابی الطیب ۲۴۲ وغریب القرآن للقتیبی ۴۲۴ [3] قالہ ابو کبیر الہذلی (عامر بن الحلیس) وتمامہ، خشنا ولا معلک المغارش عُزّل والبیت فی تہذیب الاصلاح ۷۴ مع آخر وطوانہ معلوانہ ابن الہذلیین (۲: ۹۲) والمعانی الکبیر ۱۲۵ والمرزوقی ۳۲۳ والمحکم عزل، حشنا وفیہ قال ابن جنی: روی حشنا مخلفہ الدال ﷺ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س ج ل)

اَلسَّجْلُ بڑے ڈول کو کہتے ہیں اور سَجَلْتُ الْمَاءَ فَانْسَجَلَ کے معنی ہیں میں نے پانی بہایا تو وہ بہہ گیا اور اَسْجَلْتُہٗ کے معنی ہیں میں نے اسے پانی سے بھرا ہوا ڈول دیا اور استعارہ کے طور پر عطائے کثیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اَلْمُسَاجَلَۃُ کے اصل معنی ڈول کے ساتھ کھیتی سیراب کرنے کے ہیں اور پھر مبارات اور مناضلت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (الرجز)

(۲۲۳) مَنْ یُّسَاجِلْنِیْ یُسَاجِلْ مَاجِدًا

جو میرے ساتھ مقابلہ کرے گا تو وہ ایک شریف آدمی سے مقابلہ کریگا یعنی میں ماجد اور شریف ہوں۔

اَلسِّجِّیْلُ سنگ گِل کو کہتے ہیں اور اصل میں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ یہ لفظ فارسی سے معرب ہے بعض نے کہا ہے کہ اَلسِّجِلُّ کے اصل معنی اس پتھر کے ہیں جس پر لکھا جاتا تھا بعدہ ہر اس چیز کو جس پر لکھا جائے سِجِلٌّ کہنے لگے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ (۲۱-۱۰۴) جیسے خطوں کا مکتوب لپیٹ لیا جاتا ہے۔ یعنی لکھی ہوئی چیزوں کی حفاظت کے لئے اسے لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

(س ج ن)

اَلسَّجْنُ (مصدر ن) قید خانہ میں بند کر دینا اور آیت۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ (۱۲-۳۳) اے میرے پروردگار قید خانہ میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ میں ایک قراءت اَلسَّجْنُ (بفتحہ سین) بھی ہے۔

لَیَسْجُنُنَّہٗ حَتّٰی حِیْنٍ (۱۲-۳۵) (ان کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ) ایک وقت خاص تک اس کو قید رکھیں۔

وَدَخَلَ مَعَہُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ (۱۲-۳۶) اور (اتفاق سے) یوسف کے ساتھ دو نوجوان (اور بھی) جیل خانہ میں داخل ہوئے۔

اَلسِّجِّیْنُ یہ عِلِّیِّیْنَ کے مقابلہ میں جہنم کا نام ہے اور اس میں الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دال ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ زمین کے ساتویں طبقہ کا نام ہے۔ قرآن میں ہے:۔

لَفِیْ سِجِّیْنٍ وَمَا اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ (۸۳-۷-۸) (بدکار لوگوں کے نامۂ اعمال) سجین میں ہوں گے اور تم کیا جانو کہ سجین کیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ عام طور پر جس چیز کو قرآن نے مَا اَدْرٰکَ کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسے بعد میں بیان کر دیا گیا ہے اور جسے مَا یُدْرِیْکَ کے ساتھ بیان کیا ہے اسے مبہم چھوڑ دیا ہے لیکن یہاں باوجود اس کے کہ سِجِّیْنٌ اور عِلِّیِّیْنَ کو مَا اَدْرٰکَ کے بعد بیان فرمایا ہے پھر بھی انہیں مبہم رکھا گیا ہے اور کتاب کی تفسیر بیان فرما دی ہے تو اس میں

[1] قالہ الاخضر اللہبی (فضل بن عباس) وتمامہ: یملأ الدلو الی عقد الکرب۔ والبیت فی اللسان (سجل) وتفسیر الطبری (۲: ۹۴) والامالی (۲: ۴۲) والسمط ۷۰۰ والکامل ۵ ۷ والاغانی (۱۴: ۱۷۱/۱۵: ۲) وکنایات الجرجانی ۱۵ والمعانی للقتبی ۷۹۵ واضداد لابن الانباری ۳۳۵ وبعدہ: انا الاخضر من یعرفنی۔ اخضر الجلدۃ فی بیت العرب وانما قال انا الاخضر لانہ کان شدید الادمۃ والخضرۃ انما اتتہ من قبل جدتہ (وامہ ام الفضل بنت العباس بن عبد المطلب) وکانت حبشیۃ وفی مصارع العشاق ۲۷۹ تمامہ: اخضر الجلدۃ فی بیت العرب قال وتغنی بہ عبد اللہ بن جعفر فی مجلس معاویۃ بالابطح وفی الحصری (۳: ۱۷۱) اختلاط

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک باریک نکتہ ہے جسے اس کتاب کے بعد دوسری جگہ پر بیان کیا جائے گا۔

(س ج و)

سَجَا اللَّیْلُ۔ رات پرسکون ہوگئی قرآن میں ہے:۔ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی (۹۳-۲) اور رات کی قسم جب ساکن ہو جائے۔
اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ رات کے پرسکون ہونے کے لئے کہا جاتا ہے۔
ھَدَاَتِ الْاَرْجُلُ یعنی پاؤں کی چاپ رک گئی۔ اور عَیْنٌ سَاجِیَۃٌ کے معنی خاموش آنکھ کے ہیں اور سَجَی الْبَحْرُ سَجْوًا کے معنی ہیں سمندر پُرسکون ہوگیا اسی سے استعارہ کے طور پر میت کو کفن میں چھپانے کیلئے تَسْجِیَۃُ الْمَیِّتِ کہا جاتا ہے۔

(س ح ب)

اَلسَّحْبُ اس کے اصل معنی کھینچنے کے ہیں۔ چنانچہ دامن زمین پر گھسیٹ کر چلنے یا کسی انسان کو منہ کے بل گھسیٹنے پر سَحْبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے اسی سے بادل کو سَحَابٌ کہا جاتا ہے یا تو اس لئے کہ ہوا اسے کھینچ کرلے چلتی ہے اور یا اس لئے کہ وہ خود پانی کو کھینچ کر لاتا ہے اور یا اس بنا پر کہ وہ چلنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھسٹتا ہوا چل رہا ہے قرآن میں ہے:۔ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ (۵۴-۴۸) جس دن ان کو ان کے منہ کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹا جائیگا۔
اور فرمایا۔ یُسْحَبُوْنَ ۙ فِی الْحَمِیْمِ ۙ (۴۰-۷۱،۷۲) انہیں دوزخ میں کھینچا جائے گا۔
محاورہ ہے:۔ فُلَانٌ یَتَسَحَّبُ عَلٰی فُلَانٍ کہ فلاں اس پر جرأت کرتا ہے۔ جیسا کہ یَتَجَرَّءُ عَلَیْہِ کہا جاتا ہے۔
اَلسَّحَابُ۔ ابر کو کہتے ہیں خواہ وہ پانی سے بھرا ہو یا خالی اس لئے خالی بادل کو سَحَابٌ جَھَامٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا (۲۴-۴۳) کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ بادل کو چلاتا ہے۔
حَتّٰی اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا (۷-۵۷) حتیٰ کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں۔
وَیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (۱۳-۱۲) اور وہ بھاری بادل اٹھاتا ہے۔
اور کبھی لفظ سحاب بول کر بطور تشبیہ کے اس سے سایہ اور تاریکی مراد لی جاتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:
اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ (۲۴-۴۰) یا ان کے اعمال کی مثال ایسے گہرے دریا کے اندرونی اندھیروں کی سی ہے) کہ دریا کو لہر نے ڈھانپ رکھا ہے اور لہر بھی ایک نہیں بلکہ، لہر کے اوپر لہر ان کے اوپر بادل ہی کی تاریکی غرض ، اندھیرے ہیں ایک کے اوپر ایک۔

(س ح ت)

اَلسُّحْتُ۔ اصل میں اس چھلکے کو کہتے ہیں جو پوری طرح اتار لیا جائے (اور اس سے ہلاک کر دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے) چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ (۲۰-۶۱) (ورنہ وہ تم پر کوئی) عذاب (نازل کرکے اس) سے تم کو ملیا میٹ کر دے گا۔
اس میں ایک قرأت فَیَسْحَتَکُمْ (فتح یاء کے ساتھ) بھی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور سَحَتَهٗ (ض) وَاَسْحَتَهٗ (افعال) کے ایک ہی معنی آتے ہیں یعنی بیخ کنی اور استیصال کرنا پھر اسی سے سُحْتٌ کا لفظ ہر اس ممنوع چیز پر بولا جانے لگا ہے جو باعث عار ہو کیونکہ وہ انسان کے دین اور مروت کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (۵-۴۲) اور مال حرام ڈکوسے چلے جاتے ہیں۔

یعنی وہ چیز جو ان کے دین کا ناس کرنے والی ہے۔ ایک حدیث میں ہے[1] (۱) کُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ ۔۔۔۔ جو گوشت مال حرام کے کھانے سے پیدا ہو وہ آگ کے لائق ہے اور اسی سے "رشوت" کو سُحْت کہا گیا ہے[2] (۲۷۱) ایک روایت میں ہے[3] (۲۷۳) کہ حجام (پچھنا لگانے والے) کی کمائی "سحت" ہے۔ تو یہاں سُحْت بمعنی حرام نہیں ہے جو دین کو برباد کرنے والا ہو بلکہ سُحْت بمعنی مکروہ ہے یعنی ایسی کمائی مروت کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت نے ایسی کمائی سے اونٹنی کو چارہ ڈالنے اور غلاموں کو کھانے کھلانے کا حکم دیا ہے۔

(س ح ر)

اَلسَّحْرُ کے معنی حلق کے کنارہ اور پھیپھڑے کے ہیں اور اسی سے محاورہ ہے۔ اِنْتَفَخَ سَحْرُهٗ اس کا پھیپھڑا پھول گیا (یعنی وہ بزدل ہے) اور بڑے حلق والے اونٹ کو بَعِيْرٌ سَحْرٌ کہا جاتا ہے اور جو چیز ذبح کے وقت نرخرے سے اتار کر پھینک دی جاتی ہے اسے "سُحَارَةٌ" کہا جاتا ہے اور یہ نُقَايَةٌ وَسُقَاطَةٌ کے وزن پر ہے (اور فُعَالَةٌ کا وزن ردی اشیاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) بعض کا قول ہے کہ اسی سے سِحْرٌ مشتق ہے جس کے معنی گلے یا پھیپھڑے پر مارنے کے ہیں۔ اور سِحْرٌ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے اول دھوکا اور بے حقیقت تخیلات پر بولا جاتا ہے جیسا کہ شعبدہ باز اپنے ہاتھ کی صفائی سے نظروں کو حقیقت سے پھیر دیتا ہے یا نَمَّامٌ ملمع سازی کی باتیں کرکے کانو کو صحیح بات سننے سے روک دیتا ہے چنانچہ آیات:۔

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (۷-۱۱۶) تو انہوں نے جادو کے زور سے لوگوں کی نظر بندی کردی اور ان سب کو دہشت میں ڈال دیا۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ (۲۰-۶۶) (تو موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا معلوم ہوا۔

میں سِحْرٌ کا لفظ اسی معنی پر محمول ہے اور بنا بریں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو سَاحِرٌ کہہ کر پکارا تھا چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (۴۳-۴۹)

---

[1] الحديث بهذا اللفظ في شعب الايمان من حديث كعب بن عجرة وباختلاف الفاظه في الدارمي ۲: ۳۲۸ والمستدرك للحاكم والترمذي ولفظه لا يربو لحم نبت من سحت فالنار اولى به (بهب) حل عن ابي بكر وابن جرير عن ابن عمر كنز العمال ۴ رقم ۲ وبمعناه ۷۰۱۷۰۵، ۹۷۲۹/۱۲: ۵۲۷ راجع تخريج العراقي على الاحياء ج ۲ ص ۲ وتخريج الكشاف رقم ۲۵۴ [2] راجع للحديث الفائق ۱: ۴۸۲ (ابن جرير عن ابن عمر وابن مردويه عن ابي هريرة ست خصال من السحت رشوة الامام الحديث [3] الطبراني عن رافع بن خديج والخطيب عن ابي هريرة وابن النجار عن السائب بن يزيد طيلسانى عن ابي هريرة وضعفه. [4] انظر ضمن حديث رافع بن خديج المذكور آنفا والترمذي وابو داود وابن ماجة من حديث محيصة تخريج احياء العلوم (۲ / ۴۱۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو ان لوگوں نے کہا اے جادوگر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کر"۔

دوم[1] شیطان سے کسی طرح کا تقرب حاصل کرکے اس سے مدد چاہنا جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (۲۶-۲۲۲) (کہ) کیا میں تمہیں بتاؤں کس پر شیطان اترا کرتے ہیں (ہاں) تو وہ اترا کرتے ہیں ہر جھوٹے بدکردار پر۔

اور اسی معنی میں فرمایا:۔

وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (۲-۱۰۲) بلکہ کفر (کیا تھا تو) شیاطین نے کیا تھا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھلایا کرتے تھے۔

اور اس کے تیسرے معنی وہ ہیں جو عوام مراد لیتے ہیں یعنی سحر وہ علم ہے جس کی قوت سے صور اور طبائع کو بدلا جاسکتا ہے (مثلاً) انسان کو گدھا بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت شناس علماء کے نزدیک ایسے علم کی کچھ حقیقت نہیں ہے[1]

پھر کسی چیز کو سحر کہنے سے کبھی اس شے کی تعریف مقصود ہوتی ہے جیسے کہا گیا ہے[2] (۱۷) اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا کہ بعض بیان جادو اثر ہوتا ہے اور کبھی اس کے عمل کی لطافت مراد ہوتی ہے چنانچہ اطباء طبیعت کو "سَاحِرَةٌ" کہتے ہیں اور غذا کو سِحْرٌ سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ اس کی تاثیر نہایت ہی لطیف اور باریک ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ (۱۵-۱۵) (بلکہ) یہ تو نہیں کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

یعنی سحر کے ذریعہ ہمیں اس کی معرفت سے پھیر دیا گیا ہے۔ اور اسی معنی میں فرمایا:۔

إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ (۱۵-۲۶) تم پر تو بس کسی نے جادو کر دیا ہے۔

بعض نے کہا ہے مُسَحَّرٌ وہ ہے جس کے سَحْرٌ یعنی پھیپھڑا وغیرہ ہوا اور مطلب یہ تھا کہ تم غذا کے محتاج ہو (پھر) پیغمبر کیسے ہو سکتے ہو۔ جیسا کہ دوسری جگہ (ان کے اعتراض کو نقل کرتے ہوئے قرآن نے) فرمایا:۔

مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ (۲۵-۷) یعنی یہ تو ہماری طرح کا کھانے پینے والا انسان ہے جیسے فرمایا:۔

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا (۲۶-۱۵۴) کہ تم بھی ہم ہی جیسے آدمی ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ مُسَحَّرٌ کے معنی ہیں وہ شخص جسے جادو کا علم دیا گیا ہو اور وہ اپنے دعویٰ کو لطف دوقت سے ثابت کر سکتا ہو۔ اور آیت:۔

إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا (۱۷-۴۷) کہ تم مسحور

---

[1] وقد نقد علیہم ابن قتیبۃ فی مشکلہ وتلہف علی عقول من انکرہ وقال فی ختام البحث: "فمن آمن بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وبان ما جاء بہ الحق بجمیع ہذا وفرح صدرہ بہ ومن انکرہ ۔ لانہ لا لؤمن الا بما اوجبہ النظر والقیاس علی ما شاہد ورأی فی الموات والحیوان ۔ فماذا ابقی علی المسلمین؟ وای شیئ ترک للملحدین انظر لمشکلہ من ۸۳ ـــ ۹۲ وغرائب القرآن للنیسابوری والطبری والفخر وبجانبہ ما کتب صاحب الکشاف والجاحظ فی الحیوان تجد ما بین الفریقین من خلاف ۱۲ [2] قال صلی اللہ علیہ وسلم حین وفد علیہ عمرو بن الاہتم والزبرقان بن بدر وقیس بن عاصم والمثل یضرب فی استحسان المنطق وایراد الحجۃ البالغۃ راجع المثل المیدانی (۱: ۷) والحدیث فی (مالک، حم، خ، د، ت) عن ابن عمر وبدون اللام فی (حم، د) عن ابن عباس وفی (د) عن بریدۃ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی کے پیچھے پڑے ہو۔
میں مَسْحُوْرًا کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ اور فرمایا۔
فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا (۱۷-۱۰۱) تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ! میں تیری نسبت ایسا خیال کرتا ہوں کہ کسی نے تجھ پر جادو کر (کے تجھے دیوانہ بنا) دیا ہے۔
لیکن آیت:۔
اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۵-۱۱۰) کہ یہ تو صریح جادو ہے۔
دوسرے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور فرمایا:۔
وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (۷-۱۱۶) اور (بہت ہی بڑا (بھاری) جادو (بنا کر) لائے۔
أَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (۱۰-۷۷) کیا یہ جادو ہے۔ اور جادوگروں (کا تو یہ حال ہے کہ ان) کو (کبھی) کامیابی نہیں ہوتی۔
فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۶-۳۸) غرض (دن مقرر ہوا اور اس) معین دن کے وعدے پر جادوگر جمع کئے گئے۔
فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ (۲۶-۴۶) یہ دیکھ کر جادوگر (ایسے متاثر ہوئے کہ) سجدے میں گر پڑے۔
اَلسَّحَرُ وَالسَّحَرَةُ اصل میں تو اس کے معنی آخر شب کی تاریکی کے ہیں جو دن کی ابتدائی روشنی میں مخلوط ہو۔ پھر اس وقت کا نام ہی سَحَرٌ رکھ دیا گیا ہے۔
محاورہ ہے۔ لَقِيْتُهُ بِاَعْلَى السَّحَرَيْنِ یعنی میں اسے صبح کاذب کے وقت ملا۔ اور مُسْحِرٌ اس آدمی کو کہتے ہیں جو سحری کے وقت گھر سے نکلا ہو اور السَّحُوْرُ اس طعام کو کہتے ہیں جو بوقت سحر تناول کیا جائے اور تَسَحَّرَ کے معنی سحور تناول کرنے کے ہیں۔

(س ح ق)

اَلسَّحْقُ (ض ک) اس کے اصل معنی کسی چیز کو ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں۔ زیادہ تر دوا کے پیسنے پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:۔
سَحَقْتُهُ فَانْسَحَقَ میں نے دوا کو پیسا چنانچہ وہ پس گئی اَسْحَقَ الثَّوْبُ کے معنی کپڑے کا پرانا ہو جانا کے ہیں اور پرانے کپڑے کو سَحْقٌ کہا جاتا ہے اسی سے اَسْحَقَ الضَّرْعُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں دودھ خشک ہو جانے کی وجہ سے تھن مرجھا گئے۔
...... اور ہو سکتا ہے کہ "اسحٰق" (علم) بھی اسی سے مشتق ہو اس صورت میں یہ اسم منصرف ہوگا۔ اور کپڑے کے بوسیدہ کر دینے پر سَحَقَهُ (مجرد) بھی استعمال ہوتا ہے اور محاورہ میں اَسْحَقَهُ اللّٰهُ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے اسی سے فرمایا:۔
فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (۶۷-۱۱) کہ دوزخیوں کے لئے دوری ہے۔ اور فرمایا:۔
اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (۲۲-۳۱) یا اس کو ہوا کسی دور جگہ لے کر ڈال دے گی۔
اور استعارہ کے طور پر جاری خون کو مُنْسَحِقٌ و مَسْحُوْقٌ کہا جاتا ہے جیسے مَزْرُوْدٌ

(س ح ل)

قرآن میں ہے:۔
فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ (۲۰-۳۹) تو دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا۔
یہ اصل میں سَحَلَ الْحَدِيْدَ سے ہے جس کے معنی ریتی سے لوہے کا برادہ بنانے اور چھیلنے کے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض کا خیال ہے دریا کے کنارے کو ساحل کی بجائے مَسْحُوْلٌ کہنا چاہیے تھا مگر اسم مفعول کی بجائے اسم فاعل استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ھَمٌّ نَاصِبٌ کہا جاتا ہے حالانکہ ھَمٌّ مَنْصُوْبٌ ہوتا ہے بعض کے نزدیک سَاحِلٌ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ پانی کو متفرق اور محدود کر دیتا ہے اس صورت میں ساحل بمعنی فاعل ہوگا۔

اَلسُّحَالَۃُ: برادہ کو کہتے ہیں اور گدھے کی ہنہناہٹ کو سَحِیْلٌ یا سُحَالٌ کہا جاتا ہے گویا کرخت ہونے کے لحاظ سے اس کی آواز لوہے کو رگڑنے کی آواز کے مشابہ ہے۔

اور بلند آواز آدمی کو مِسْحَلٌ کہا جاتا ہے گویا وہ سَحِیْلُ الْحِمَارِ کے مشابہ ہے یعنی رفع صوت کے لحاظ سے نہ کہ آواز کے کرخت ہونے کے لحاظ سے جیسا کہ قرآن نے گدھے کی آواز کے متعلق کہا ہے۔

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (۳۱-۱۹) اور دہانہ لگام کے دونوں طرف کے حلقوں کو مِسْحَلَانِ کہا جاتا ہے۔

(س خ ر)

اَلتَّسْخِیْرُ (تفعیل) کے معنی کسی کو کسی خاص مقصد کی طرف زبردستی لیجانا کے ہیں قرآن میں ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۵-۱۳) اور جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس نے (اپنے کرم سے) ان سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ..... (۱۴-۳۳) اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں بڑے چکر لگا رہے ہیں اور (ایسے ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ (۱۴-۳۲) اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰھَا لَکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ (۲۲-۳۶) ہم نے یوں ان (جانوروں) کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ تم (ہمارا) شکر کرو۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا (۴۳-۱۳) پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا ہے۔

تو مُسَخَّرٌ وہ ہے جسے کسی کام پر مجبور کر کے لگایا گیا ہو اور مُسَخِّرٌ وہ جسے اولاً تو کسی کام پر مجبور کیا جائے پھر وہ اپنے ارادہ سے مسخر ہو جائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے

لِیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا (۴۳-۳۲) تاکہ وہ ایک دوسرے کو تابع بنائے رہیں۔

اور سَخِرْتُ مِنْہُ وَاسْتَسْخَرْتُہٗ کے معنی کسی سے مذاق کرنے اور اس کی ہنسی اڑانا ہیں قرآن میں ہے۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ۔ وہ (حضرت نوح علیہ السلام ان کے تمسخر کا یہ) جواب دیتے کہ اگر (آج) تم ہم پر ہنستے ہو تو جس طرح تم (ہم پر ہنستے ہو اسی طرح) ہم (ایک دن) تم پر ہنسیں گے۔ (۱۱-۳۸)

بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ (۳۷-۱۲) (اے پیغمبر) بات یہ ہے کہ تم تو ان کے انکار قیامت سے تعجب کرتے ہو اور یہ (تمہاری باتوں پر) ہنستے ہیں۔

رَجُلٌ سُخَرَۃٌ ہنسی اڑانے والا۔ اور سُخْرَۃٌ وہ ہے جس کی لوگ ہنسی اڑائیں اور ہنسی اڑانے والے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اس فعل کو سُخْرِیَّۃٌ وَسِخْرِیَّۃٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ :۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا (۲۳-۱۱۰) تو تم نے ان کی ہنسی بنائی۔ میں سُخْرِیًّا تسخیر سے بھی ہو سکتا ہے اور سُخْرِیَّۃ یعنی ہنسی اڑانے کے معنی میں بھی اور اسی طرح آیت :۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا (۳۸-۶۳)

اور دوزخی آپس میں یہ بھی کہیں گے کہ جن لوگوں کو ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے کیا بات ہے کہ ہم ان کو یہاں دوزخ میں نہیں دیکھتے کیا ہم نے ان کی (ناحق) ہنسی بنائی۔ میں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں لیکن اس کے بعد وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ (۲۳-۱۱۰) سے دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے

(س خ ط)

اَلسَّخَطُ وَالسُّخْطُ اس سخت غصہ کو کہتے ہیں جو سزا کا مقتضی ہو۔ قرآن میں ہے :۔

اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ (۲۳-۱۱۱) تو وہ فوراً غصہ سے بھر جاتے۔

اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد انزال عقوبت ہوتی ہے جیسے فرمایا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ (۴۷-۲۸) (اور ان کی) یہ نوبت اس لئے (ہوگی) کہ جو چیز خدا کو بری لگتی ہے یہ اسی کے رستے پر چلے۔

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (۵-۸۰) (نتیجہ یہ ہوا) کہ دنیا میں بھی خدا ان سے ناراض ہوا۔

كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ (۳-۱۶۱) اس شخص جیسا (فعل سرزد ہو سکتا ہے جو خدا کے غضب میں آگیا ہو۔

(س د د)

اَلسَّدُّ (دیوار، آڑ)

بعض نے کہا ہے سَدٌّ اور سُدٌّ کے ایک ہی معنی ہیں اور بعض دونوں میں فرق کرتے ہیں کہ سُدٌّ (بضمہ سین) اس آڑ کو کہا جاتا ہے جو قدرتی ہو اور سَدٌّ (بفتحہ سین) مصنوعی اور بنائی ہوئی روک کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہ سَدَدْتُہٗ (ن) کا مصدر ہے جس کے معنی رخنہ کو بند کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا (۱۸-۹۴) کہ (آپ) ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں۔

اور تشبیہ کے طور پر ہر قسم کے موانع کو سَدٌّ کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے :۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (۳۶-۹) اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے بھی۔

ایک قراءت میں سُدًّا بھی ہے۔

اَلسُّدَّۃُ برآمدہ جو دروازے کے سامنے بنایا جائے تاکہ بارش سے بچاؤ ہو جائے کبھی دروازے کو بھی سُدَّۃ کہہ دیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے[1] :۔

اَلْفَقِيْرُ الَّذِيْ لَا تُفْتَحُ لَهُ سُدَدُ السُّلْطَانِ یعنی وہ فقیر جن کے لئے بادشاہ کے دروازے نہ کھلے جائیں اَلسَّدَادُ وَالسَّدَدُ کے معنی استقامت کے ہیں اور اَلسِّدَادُ اسے کہتے ہیں جس سے رخنہ اور شگاف کو بھرا جائے۔ اور استعارہ کے طور پر ہر اس چیز کو سِدَادٌ کہا جاتا ہے جس سے فقر کو روکا جائے۔

---

[1] وفی وارد الحوض : ہم الذین لا تفتح لہم السدد (النہایہ ۱ سد)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س د ر)

اَلسِّدْرُ (بیری کا) درخت جس کا پھل بہت کم غذائیت کا کام دیتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
وَاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ (۳۴-۱۶) اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔
اور کبھی (کانٹا جھاڑ دے کر) اسے بے کانٹا کرکے اس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے اس لئے اسے جنت کے آرام اور اس کی نعمتوں کے لئے بطور مثال کے ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (۵۶-۲۸) بے خار کی بیریوں میں (مزے کر رہے) ہوں گے۔
کیونکہ ایسا درخت بہت زیادہ سایہ دار ہوتا ہے
اور آیت:۔
اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی (۵۳-۱۶) جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔
میں السدرۃ سے اس مقام کی طرف اشارہ ہے جہاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فیوضات الٰہیہ اور بھاری انعامات سے خاص طور پر نوازا گیا تھا
بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ درخت ہے جس کے نیچے آنحضرت نے بیعت رضوان لی تھی اور وہاں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر سکینت الٰہیہ نازل فرمائی تھی۔
اَلسَّدَرُ کے معنی خیرہ چشم ہونے کے ہیں اور خیرہ چشم کو سَادِرٌ کہا جاتا ہے اور سَدَرَ شَعْرَہٗ کے معنی بال لٹکانے کے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ (سَدَلَ) سے مقلوب ہے۔

(س د س)

اَلسُّدُسُ (اسم عدد چھٹا حصہ کو کہتے ہیں)
قرآن میں ہے:۔
فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ (۴-۱۱) تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔
اَلسِّدْسُ پیاسے اونٹوں کو چھٹے روز پانی پلانے کی باری اور سِتٌّ بھی اصل میں سِدْسٌ ہی ہے۔
سَدَسْتُ الْقَوْمَ کے معنی قوم میں چھٹا آدمی ہونے یا ان کے اموال سے چھٹا حصہ وصول کرنے کے ہیں اور جَاءَ سَادِسًا وَسَاتًّا وَسَادِيًا کے ایک ہی معنی ہیں یعنی وہ چھٹے درجہ پر آیا۔
قرآن میں ہے:۔
وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ (۵۸-۷) اور نہ کہیں پانچ کا مجمع ہوتا ہے) مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے۔
وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ (۱۸-۲۲) اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔
محاورہ مشہور ہے:۔ لَا اَفْعَلُ كَذَا سَدِيْسَ عَجِيْسَ میں کبھی بھی یہ کام نہیں کروں گا۔
اَلسُّنْدُسُ طیلسان کو کہتے ہیں اَلسُّنْدُسُ باریک اور اس کے مقابل اِسْتَبْرَقٌ موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔

(س ر ر)

اَلْاِسْرَارُ کسی بات کو چھپانا یہ اعلان کی ضد ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (۲-۲۷۴) اور پوشیدہ اور ظاہر
اور فرمایا:۔
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۲-۷۷) (کہ جو کچھ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ چھپاتے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں خدا کو (سب) معلوم ہے۔
وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ (۶۷-۱۳) اور تم (لوگ) بات پوشیدہ کہو یا ظاہر۔
اور اس کا استعمال اعیان ومعانی دونوں میں ہوتا ہے
اَلسِّرُّ۔ اس بات کو کہتے ہیں جو دل میں پوشیدہ ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (۲۰-۷) وہ چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔
نیز فرمایا:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ (۹-۷۸) کہ خدا ان کے بھیدوں اور مشوروں تک سے واقف ہے۔
مُسَارَّةٌ (مفاعلۃ) کے معنی ہیں کسی بات کو چھپانے کی وصیت کرنا اور تَسَارَّ الْقَوْمُ کے معنی لوگوں کا باہم ایک دوسرے کو بات چھپانے کی وصیت کرنے یا باہم سرگوشی کرنے کے ہیں اور آیت:۔
وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ (۱۰-۵۴) (پچھتائیں گے) اور ندامت کو چھپائیں گے۔
تو یہاں اَسَرُّوْا کے معنی چھپانے کے ہیں اور بعض نے اس کے معنی ظاہر کرنا بھی کئے ہیں کیونکہ دوسری آیت میں ہے:۔
فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا (۶-۲۷) اور کہیں گے کہ اے کاش ہم پھر دنیا میں، لوٹا دئیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں۔
لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ آیت مذکور میں جس ندامت کے چھپانے کا ذکر ہے اس سے وہ ندامت مراد نہیں ہے جس کے اظہار کی طرف آیت یٰلَیْتَنَا میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

اَسْرَرْتُ اِلٰی فُلَانٍ حَدِيْثًا کسی سے پوشیدہ طور پر راز کی بات کہنا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا (۶۶-۳) اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بی بی سے ایک بھید کی بات کہی۔
اور آیت:۔
تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (۶۰-۱) اور تم ان کی طرف پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔
کے معنی یہ ہیں کہ تم انہیں اپنی پوشیدہ دوستی سے آگاہ کرتے ہو۔ اس بنا پر بعض نے یہاں تُسِرُّوْنَ کے معنی تُظْهِرُوْنَ کئے ہیں اور یہی معنی صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اِسْرَارٌ اِلَی الْغَیْرِ (کسی سے بھید کی بات کہنا) جس طرح دوسروں سے اخفا کو مقتضی ہے اسی طرح اس شخص کے سامنے اظہار کو مستلزم ہے جس سے وہ بھید کہا جاتا ہے لہذا اَسْرَرْتُ اِلٰی فُلَانٍ (یعنی دوسرے سے راز کی بات کہنا) میں من وجہ اخفا اور من وجہ اظہار کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور آیت:۔
وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا (۷۱-۹) (ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔
اور کنایہ کے طور پر اَلسِّرُّ کے معنی نکاح (جماع) کے بھی آتے ہیں کیونکہ وہ بھی چھپ کر کیا جاتا ہے اور سِرٌّ خالص چیز کو کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔ هُوَ مِنْ سِرِّ قَوْمِهٖ وہ اپنی قوم میں سب سے بہتر ہے اور اسی سے سِرُّ الْوَادِیْ وَسَرَارَتُهٗ ہے جس کے معنی وادی کے بہتر حصہ کے ہیں۔
سُرَّةُ الْبَطْنِ ناف کا وہ حصہ جو قطع کرنے کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد باقی رہ جاتا ہے اور یہ چونکہ عکن بطن میں مخفی رہتا ہے اس لئے اسے سُرَّۃُ البَطْنِ کہتے ہیں اور وہ چیز جو ناف سے قطع کی جاتی ہے اسے سُرٌّ و سُرُرٌ کہا جاتا ہے ہتھیلی کی لکیروں کو اَسِرَّۃُ الرَّاحَۃِ کہتے ہیں اسی طرح پیشانی کے خطوط کو اَسَارِیرُ الجَبْھَۃِ کہا جاتا ہے اسیطرح مہینہ کی آخری تاریخ جس میں چاند ظاہر نہیں ہوتا اسے سِرَارٌ کہا جاتا ہے۔

اَلسُّرُوْرُ قلبی فرحت کو کہتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَلَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّسُرُوْرًا (۷۶-۱۱) اور خدا ان کو تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا۔

تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ (۲-۶۹) کہ دیکھنے والے کے دل کو خوش کر دیتا ہو۔

اسی طرح اہل جنت کے متعلق فرمایا:۔

وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا (۸۴-۹) اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے۔

اور اہل نار کے متعلق فرمایا:۔

اِنَّہٗ کَانَ فِیْۤ اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا (۸۴-۱۳) یہ اپنے اہل وعیال میں مست رہتا تھا۔

تو اس میں تنبیہ ہے کہ آخرت کی خوشی دنیا کی خوشی کے برعکس ہوگی۔

اَلسَّرِیْرُ (تخت) وہ جس پر کہ ٹھاٹھ سے بیٹھا جاتا ہے یہ سُرُوْرٌ سے مشتق ہے کیونکہ خوشحال لوگ ہی اس پر بیٹھتے ہیں اس کی جمع اَسِرَّۃٌ اور سُرُرٌ آتی ہے۔ قرآن نے اہل جنت کے متعلق فرمایا:۔

مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَۃٍ (۵۲-۲۰) تختوں پر جو برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے۔

فِیْھَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَۃٌ (۸۸-۱۳) وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے۔

وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِـُٔوْنَ (۴۳-۳۴) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے بنا دیئے) اور تخت بھی جن پر تکیہ لگاتے۔

اور میت کے جنازہ کو اگر سَرِیْرُ الْمَیِّتِ کہا جاتا ہے تو یہ سَرِیْر (تخت) کے ساتھ صوری مشابہت کی وجہ سے ہے۔ یا نیک شگون کے طور پر کہ مرنے والا دنیا کے قید خانہ سے رہائی پا کر جوار الٰہی میں خوش وخرم ہے جس کی طرف کہ آنحضرت نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا[1] (۱۷۵) اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ کہ مومن کو دنیا قید خانہ معلوم ہوتی ہے۔

(س ر ب)

اَلسَّرَبُ (مصدر ن) اس کے اصل معنی نشیب کی طرف جانے کے ہیں اور (اسم کے طور پر) نشیبی جگہ کو بھی سَرَبٌ کہہ دیتے ہیں قرآن میں ہے:۔

فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا (۱۸-۶۱) تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا۔

سَرَبَ (ن) سَرَبًا، سُرُوْبًا جیسے مَرَّ مَرًّا و مُرُوْرًا اور اِنْسَرَبَ (انفعال) کے ایک ہی معنی آتے ہیں لیکن سَرَبَ بالذات فاعل سے فعل صادر ہونے پر بولا جاتا ہے اور اِنْسَرَبَ بھی انفعالی معنی کے لحاظ سے بولا جاتا ہے یعنی وہ فعل جو دوسرے سے متاثر ہو کر کیا جائے۔

سَرِبَ الدَّمْعُ (س) آنسو رواں ہونا۔

---

[1] درجۃ الکاف الحدیث راجع رحم ام ات، وعن ابی ہریرۃ وابن حبان فی زوائدہ رقم ۸۸۴ وطب، ک، عن سلمان، البزار عن ابن عمر وفی روایۃ سجن المؤمن وسنتہ راجع تخریج عراقی علی الاحیاء (۳: ۲۰۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنْسَرَبَتِ الْحَيَّةُ اِلٰی جُحْرِهَا سانپ کا اپنے بل میں اتر جانا اسی طرح سَرِبَ (س) اَلْمَاءُ مِنَ السِّقَاءِ کے معنی مشکیزے سے پانی ٹپکنا کے ہیں اور وہ پانی جو مشکیزے سے ٹپک رہا ہو اسے مَاءٌ سَرَبٌ وَسَرِبٌ کہتے ہیں۔

اَلسَّارِبُ کسی راستہ پر اپنی مرضی سے چلا جانے والا۔ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (۱۳-۱۰) یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے۔

سَارِبٌ کی جمع سُرُبٌ آتی ہے۔ جیسے رَكْبٌ وَرَاكِبٌ اور عرف میں اونٹوں کے گلہ کو سَرْبٌ کہا جاتا ہے۔ مثلاً محاورہ ہے: ذَعَرْتُ سَرْبَهُ اس کے اونٹ ڈر کر متفرق ہو گئے (یعنی بدحال ہو گیا) اور هُوَ اٰمِنٌ فِي سِرْبِهِ (وہ خوش حال ہے) میں سِرْبٌ کے معنی نفس کے ہیں اور بعض نے کنایتاً اہل وعیال مراد لیا ہے۔ اسی سے کنایہ کے طور پر کہا جاتا ہے۔

اِذْهَبِيْ فَلَا اَنْدَهُ سَرْبَكِ جاؤ تجھے طلاق ہے اور اصل معنی یہ ہے کہ تمہارے اونٹ جدھر جانا چاہیں آزادی سے چلے جائیں میں انہیں نہیں روکوں گا۔

اَلسُّرْبَةُ دس سے لے کر بیس تک گھوڑوں کی جماعت کو سُرْبَةٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْمَسْرُبَةُ (بضمِ را) سینہ کے درمیان کے بال جو نیچے پیٹ تک ایک خط کی صورت میں چلے جاتے ہیں۔ اَلسَّرَابُ (شدت گرما میں دوپہر کے وقت) بیاباں میں جو پانی کی طرح چمکتی ہوئی ریت نظر آتی ہے اسے سَرَابٌ کہا جاتا ہے کیونکہ بظاہر دیکھنے میں ایسے معلوم ہوتی ہے جیسے پانی بہہ رہا ہے پھر اس سے ہر بے حقیقت چیز کو تشبیہ کے طور پر سَرَابٌ کہا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل جو چیز حقیقت رکھتی ہو اسے شَرَابٌ کہا جاتا ہے۔

قرآن میں ہے:

كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاءً (۲۴-۳۹) جیسے میدان میں سراب کہ پیاسا اسے پانی سمجھے۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۷۸-۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو کر رہ جائیں گے۔

(س ر ب ل)

اَلسِّرْبَالُ۔ کرتہ۔ قمیص خواہ کسی چیز سے بنی ہوئی ہو جیسے فرمایا:

سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ (۱۴-۵۰) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے۔

سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ (۱۶-۸۱) اور تمہارے (آرام کے) واسطے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں اور کرتے یعنی زرہیں جو تم کو (اسلحہ) جنگ (کے ضرر) سے محفوظ رکھیں۔

تو بَاْسَكُمْ سے مراد یہ ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کے ضرر سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(س ر ج)

اَلسِّرَاجُ (چراغ) وہ چیز جو بتی اور تیل سے روشن ہوتی ہے۔ مجازاً ہر روشن چیز کو سِرَاجٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۷۱-۱۶) اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (۷۸-۱۳) اور روشن چراغ بنایا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو یہاں "روشن چراغ" سے مراد سورج ہے۔
اَسْرَجْتُ السِّرَاجَ کے معنی چراغ روشن کرنے کے ہیں اور سَرَّجْتُ كَذَا کے معنی چراغ کی مثل کسی چیز کو خوبصورت بنانے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے (رجز)

(۲۲۴) وَفَاحِمًا وَمَرْسِنًا مُسَرَّجًا

کوئلہ کی مثل سیاہ بال اور سراج کی مثل خوبصورت ناک
اَلسَّرْجُ کے معنی زین کے ہیں اور زین ساز کو سَرَّاجٌ کہا جاتا ہے۔

(س ر ح)

اَلسَّرْحُ ایک قسم کا پھلدار درخت ہے اس کا واحد سَرْحَةٌ ہے اور سَرَحْتُ الْاِبِلَ کے اصل معنی تو اونٹ کو "سرح" درخت چرانے کے ہیں بعدہ چراگاہ میں چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دینے پر اس کا استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:
وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (۱۶-۶) اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے۔
اور چرواہے کو سَارِحٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع سَرْحٌ ہے جیسے شَارِبٌ کی جمع شَرْبٌ (اور رَاكِبٌ کی جمع رَكْبٌ) آتی ہے اور تَسْرِيحٌ کا لفظ طلاق دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:
اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ (۲-۲۲۹) یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور اسی طرح آیت:
وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (۳۳-۴۹) اور ان کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دو۔
میں بھی سَرِّحُوهُنَّ کے معنی طلاق دینے کے ہیں اور یہ تَسْرِيحٌ سے مستعار ہے جس کے معنی جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دینا کے ہیں۔ جیسا کہ خود طلاق کا لفظ اِطْلَاقُ الْاِبِلِ (اونٹ کا پاؤں بند کھولنا) کے محاورہ سے مستعار ہے۔ اور کبھی "سَرْحٌ" میں تیز روی کے معنی کا اعتبار کر کے تیز رو اور سہل رفتار اونٹنی کو نَاقَةٌ سَرْحٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے بطور استعارہ شعر کے ایک بحر کا نام مُنْسَرِحٌ رکھا گیا ہے۔

(س ر د)

اَلسَّرْدُ اصل میں اس کے معنی کسی سخت چیز کو سینے کے ہیں۔ جیسے زرہ بنانا اور چمڑے کو سینا پھر بطور استعارہ لوہے کی کڑیوں کو مسلسل جوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:
وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ (۳۴-۱۱) اور کڑیوں کو اندازہ سے جوڑو۔
اور صِرَاطٌ و سِرَاطٌ و زِرَاطٌ کی طرح سَرْدٌ کو زَرْدٌ اور سَرَّادٌ کو زَرَّادٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْمِسْرَدُ (اسم آلہ) سوراخ کرنے کا اوزار۔

---

(۱) قاله العجاج یصف امرأة وقبله: ازمان ابدت واضحا مفلجا۔ اغر براقا وطرفا برجا ومقلة وحاجبا مزججا ...... وانظر فی دیوانه ۸ واراجیز العرب ۳۷ والامالی ۲ وتهذیب الالفاظ ۲۰۷ والمعاهد ۲ والعینی ۱ : ۲۹) وفی المتداولات ان لفظة المسرج فی الشطر غریب ولیت شعری مالغرابة فیه الا ان یقال ان ماخذه دقیق ولا یاباه الذوق۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س ر د ق)

اَلسُّرَادِقُ فارسی سے معرب ہے[1] کلام عرب میں کوئی ایسا اسم مفرد نہیں ہے جس کا تیسرا حرف الف ہو اور اس کے بعد دو حرف ہوں۔ قرآن میں ہے۔ وَاَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا (۱۸-۲۹) جس کے شامیانے ان کو گھیر رہے ہوں گے۔

اور بَیْتٌ مُسَرْدَقٌ اس مکان کو کہتے ہیں جو شامیانہ کی طرز پر بنایا ہو۔

(س ر ط)

اَلسِّرَاطُ کے معنی "آسان راستہ" کے آتے ہیں اور اصل میں سَرَطْتُ الطَّعَامَ وَزَادَدْتُهٗ سے مشتق ہے جس کے معنی طعام کو نگل جانے کے ہیں۔ اور راستہ کو صراط اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ راہرو کو گویا نگل لیتا ہے یا رہرو اس کو نگلتا ہوا چلا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ قَتَلَ اَرْضًا عَالِمُهَا وَقَتَلَتْ اَرْضٌ جَاهِلَهَا کہ واقف کار رہرو تو زمین کو مار ڈالتا ہے لیکن ناواقف کو زمین ہلاک کر دیتی ہے۔ ابو تمام نے کہا ہے[2]

رَعَتْهُ الْفَيَافِیْ بَعْدَ مَا كَانَ حِقْبَةً
رَعَاهَا اِذَا مَا الْمُزْنُ يَنْهَلُّ سَاكِبُهْ

اس کے بعد کہ اس نے ایک زمانہ دراز تک سرسبز جنگلوں میں گھاس کھائی اب اس کو جنگلات نے کھا لیا یعنی دبلا کر دیا۔

اسی طرح راستہ کو لَقَمٌ اور مُلْتَقَمٌ بھی کہا جاتا ہے اس لحاظ سے کہ گویا رہرو اس کو لقمہ بنا لیتا ہے۔

(س ر ع)

اَلسُّرْعَةُ اس کے معنی جلدی کرنے کے ہیں اور یہ بُطْأٌ "درنگ گردن" کی ضد ہے۔ اجسام اور افعال دونوں کے متعلق اس کا استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے سَرُعَ (ک)، فَهُوَ سَرِيْعٌ وَاَسْرَعَ (افعال)، فَهُوَ مُسْرِعٌ اس نے جلدی کی اور اَسْرَعُوْا کے معنی سَارَتْ اِبِلُهُمْ سِرَاعًا (ان کے اونٹ تیز رفتاری سے چلے گئے) آتے ہیں۔ جیسا کہ اس کے بالمقابل اَبْطَؤُوْا کے معنی سست ہونا آتے ہیں۔

سَارَعُوْا وَتَسَارَعُوْا ایک دوسرے سے سبقت کرنا چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (۳-۱۳۳) اور اپنے پروردگار کی بخشش (اور بہشت کی) طرف لپکو۔

وَيُسَارِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ (۳-۱۱۴) اور نیکیوں پر لپکتے ہیں۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا (۵۰-۴۴) اس روز زمین ان پر سے پھٹ جائے گی اور جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا (۷۰-۴۳) اس دن یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے۔

اور کسی کام میں قوم سے آگے نکل جانے والوں کو

---

[1] من سرا پرده ومن سراد ر ۱۲ [2] الاحزان وهما علا البطه وهلاهل ۱۲ [3] قال ابو تمام من قصيدته التي يمدح فيها عبد الله بن طاهر والبيت فی دیوانه ۴۴ والخفاجی ۳۲ والامالی (۱: ۵۸۵) وفی المطبوع رعته مصحف وفی رواية الديوان ماء الروض بدل ماء المزن وبعده، نكمم جزرع واوجب ذروة غارب۔ ومن قبل كانت آمكنته ذانبه (الاتماك الاسمان والمذانب مجاری الماء) ۱۲ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سَرَعَانُ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے[1] (مثل) سَرْعَانَ ذَا اِهَالَةً یہ اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو قبل از وقت کسی واقعہ کی پیش گوئی کرے تو یہ سَرُعَ سے مبنی بر فتحہ ہے۔ جیسا کہ وَشُکَ سے وَشْکَانَ اور عَجِلَ سے عَجْلَانَ آجاتا ہے اور آیت:۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۳-۱۹۹) (اور) خدا جلد از جلد حساب لینے والا ہے۔

اور اسی طرح آیت:۔

اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ (۷-۱۶۶) بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے۔ میں سَرِيْع کے لفظ سے اس معنی پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جو کہ آیت:۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۳۶-۸۲) اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ سے مفہوم ہوتے ہیں۔

(س ر ف)

اَلسَّرَفُ کے معنی انسان کے کسی کام میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر جانے کے ہیں مگر عام طور پر اس کا استعمال انفاق یعنی خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کر جانے پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا (۲۵-۶۷) اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا (۴-۶) اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑی ہو کر تم سے اپنا کا مال واپس لے لیں گے) اسے فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا۔

اور یہ یعنی بے جا صرف کرنا مقدار اور کیفیت دونوں کے لحاظ سے بولا جاتا ہے چنانچہ حضرت سفیان (ثوری) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی میں ایک حبہ بھی صرف کیا جائے تو وہ اسراف میں داخل ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۶-۱۴۲) اور بے جا نہ اڑانا کہ خدا بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (۴۰-۴۳) اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔

یعنی جو اپنے امور میں حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (۴۰-۲۸) بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے نکل جانے والا (اور) جھوٹا ہے۔

اور قوم لوط علیہ السلام کو بھی مُسْرِفِيْنَ (حد سے تجاوز کرنے والے) کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی خلاف فطرت فعل کا ارتکاب کرکے جائز حدود سے تجاوز کرتے تھے اور عورت جسے آیت:۔

وَنِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (۲-۲۲۳) تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔

میں حَرْثٌ قرار دیا گیا ہے — میں بیج بونے کی بجائے اسے بے محل ضائع کرتے تھے اور آیت:۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ (۳۹-۵۳) (اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔

میں اَسْرَفُوْا کا لفظ مال وغیرہ ہر قسم کے اسراف کو شامل ہے اور قصاص کے متعلق آیت:۔

---

[1] اہالۃ منصوب علی الحال والتقدیر سَرُعَ اہالۃ ہٰذہ (منتہی الارب)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ (۱۷-۳۳) تو اس کو چاہیئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے۔
میں اِسْرَاف فِی الْقَتْلِ یہ ہے کہ غیر قاتل کو قتل کرے اس کی دو صورتیں ہیں۔ مقتول سے بڑھ کر باشرف آدمی کو قتل کرنے کی کوشش کرے۔ یا قاتل کے علاوہ دوسروں کو بھی قتل کرے جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔
عام محاورہ ہے۔ مَرَرْتُ بِکُمْ فَسَرِفْتُکُمْ کہ تمہارے پاس سے بے خبری میں گزر گیا۔ تو یہاں سَرِفْتُ بمعنی جَهِلْتُ کے ہے یعنی اس نے بے خبری میں اس حد سے تجاوز کیا جس سے اسے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے تھا اور یہی معنی جہالت کے ہیں۔
اَلسُّرْفَةُ ایک چھوٹا سا کیڑا جو درخت کے پتے کھا جاتا ہے۔ اس میں اسراف کا تصور کر کے اسے سُرْفَةٌ کہا جاتا ہے پھر اس سے اشتقاق کر کے کہا جاتا ہے۔
سُرِفَتِ الشَّجَرَةُ درخت کرم خوردہ ہو گیا۔ اور ایسے درخت کو مَسْرُوْفَةٌ (کرم خوردہ) کہا جاتا ہے۔

(س ر ق)

اَلسَّرِقَةُ (مصدر ض) اس کے اصل معنی خفیہ طور پر اس چیز کے لے لینے کے ہیں جس کو لینے کا حق نہ ہو اور اصطلاح شریعت میں کسی چیز کو محفوظ جگہ سے مخصوص مقدار میں لے لینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ (۵-۳۸) اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت۔
قَالُوْا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (۱۲-۷۷) (برادران یوسف نے) کہا اگر اس نے چوری کی ہو تو کچھ عجب نہیں کہ اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔
اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ (۱۲-۷۰) کہ اے قافلہ والو! تم تو چور ہو۔
اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ (۱۲-۸۱) کہ آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جا کر) چوری کی۔
اور اِسْتَرَقَ السَّمْعَ کے معنی چوری چھپے سننے کی کوشش کرنا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ (۱۵-۱۸) ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے۔
اَلسَّرَقُ وَالسَّرَقَةُ سفید ریشم۔

(س ر م د)

اَلسَّرْمَدُ کے معنی دائم (ہمیشہ) کے ہیں[1]۔ قرآن میں ہے:۔
قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا (۲۸-۷۱) کہو بھلا دیکھو تو اگر خدا تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کئے رہے۔
اسی طرح اس کے بعد کی آیت میں اَلنَّهَارَ سَرْمَدًا فرمایا ہے۔

(س ر ی)

اَلسُّرٰی کے معنی رات کو سفر کرنے کے ہیں اور اس معنی میں سَرٰی (ض) وَاَسْرٰی (افعال) دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1]: فی الکشاف انہ مشتق من السرد علی وزن فَعْلَل فالمیم فیہ زائدۃ وان کان رباعیاً فوزنہ فَعْلَل (الکشاف والروح)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (۱۱-۸۱) تو کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو۔
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (۱۷-۱) (وہ ذات پاک) ہے جو ایک رات اپنے بندے کو .... لے گیا۔
اور بعض نے کہا ہے کہ اَسْرٰی (باب افعال) سَرَی یَسْرِیْ سے نہیں ہے۔ جس کے معنی رات کو سفر کرنے کے ہیں، بلکہ یہ سَرَاۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کشادہ زمین کے ہیں۔ (در اصل ہیں) اس کے لام کلمہ میں واو ہے اور اسی سے شاعر نے کہا ہے۔ (البسیط)

(۲۲۶) بِسَرْوِ حِمْيَرَ اَبْوَالُ الْبِغَالِ بِهٖ

حمیر کی کشادہ زمین میں جہاں خچروں کا پیشاب یعنی کہ سراب نظر آتے ہیں۔
پس اَسْرٰی کے معنی کشادہ زمین میں چلے جانا ہیں جیسے اَجْبَلَ کے معنی ہیں وہ پہاڑ پر چلا گیا اور اَتْهَمَ کے معنی، وہ تہامہ میں چلا گیا۔

لہٰذا آیت:۔
سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو وسیع اور کشادہ سر زمین میں لے گیا۔ نیز سَرَاۃٌ ہر چیز کے افضل اور اعلیٰ حصہ کو بھی کہتے ہیں۔ اسی سے سَرَاۃُ النَّهَارِ ہے جس کے معنی دن کی بلندی کے ہیں۔ اور آیت:۔
قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (۱۹-۲۴) تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔
میں سَرِیٌّ سے نہر جاری مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ سَرْوٌ سے مشتق ہے جس کے معنی رفعت کے ہیں اور بلند قد آدمی کو رَجُلٌ سَرْوٌ کہا جاتا ہے تو لفظ سری سے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اس شرف کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص طور پر نوازا تھا۔
محاورہ ہے:۔
سَرَوْتُ الثَّوْبَ عَنِّیْ میں نے اپنے اوپر سے کپڑا اتار دیا۔
وَسَرَوْتُ الْجُلَّ عَنِ الْفَرَسِ میں نے گھوڑے سے جھول اتار دیا۔
بعض نے کہا ہے کہ اسی سے رَجُلٌ سَرِیٌّ ہے کیونکہ بلند قد آدمی ہوشیار رہتا ہے گویا وہ کپڑے اتارے ہوئے ہے اسکے برعکس کاہل سست اور ناتوان آدمی کو مُتَدَثِّرٌ مُتَزَمِّلٌ اور زُمَّيْلٌ وغیرہ کہا جاتا ہے گویا وہ اپنے کپڑوں میں لپٹا پڑا ہے اور السَّارِيَةُ اس جماعت کو کہتے ہیں جو رات کو سفر کرتی ہو اور اس کے معنی رات کے بادل اور ستون بھی آتے ہیں۔

۱؎ من بحر جهرة ۲۰۴ ... ۳۱۰ فی ۵ بیتًا مطلعها : طاف الخیال رکب یلمانینا۔ ودون لیلی عوادٍ لو تعدینا قاله تمیم ابن مقبل العامری فی منتوبة
و منتخبات العرب سبع قصائد منتخبات ... انی تسدیت وهنا فالک البینا" وسرو حمیر من منازلهم بالیمن وابوال البغال یراد بها السراب تشبیہاً
فلان بول البغال کاذب لا ینقع وکذا السراب والبین : الارض الواسعة قدر مد البصر کما فی المعاجم راجع المقاییس واللسان (بین، سری) و
اصلاح المنطق ۹۲ وتاریخ ... ۲۶۴ والبیت ایضاً فی امالی المرتضی ۱: ۲۹۶ وتهذیب المنطق (...) وفیه سرو حمیر بدل البال و سرو حمیر مکان یوصف
بالجمعن ... الی قابل لا استوین بین الناس حتی یاتی الراعی حقّه بسرو حمیر لم یعرق جبینه. راجع للبیت السبع لابن الانباری ... ذا اشتقاق
ہ والبلدان وراجع ایضاً غریب ابی عبید ۲/۲۷۷-۲۷۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س ط ح)

اَلسَّطْحُ مکان کے اوپر کے حصے یعنی چھت کو کہتے ہیں اور سَطَحْتُ الْبَیْتَ کے معنی چھت ڈالنے کے ہیں لیکن سَطَحْتُ الْمَکَانَ کے معنی کسی جگہ کو چھت کی طرح ہموار کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ (۸۸-۲۰) اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی۔

اِنْسَطَحَ الرَّجُلُ کے معنی چت لیٹنے کے ہیں اور (بنی ذئب کے ایک کاہن کا نام سَطِیْحٌ مشہور ہوگیا تھا۔ کیونکہ وہ زمانت (کی مرض) میں مبتلا ہونے کے باعث زمین پر پڑا رہتا تھا۔

اَلْمِسْطَحُ خیمہ کا ستون جس پر خیمہ نصب کیا جاتا ہے۔

سَطَحْتُ الثَّرِیْدَةَ فِی الْقَصْعَةِ میں نے پیالہ میں ثرید کو پھیلایا۔

(س ط ر)

اَلسَّطْرُ وَالسَّطَرُ قطار کو کہتے ہیں خواہ کسی کتاب کی ہو یا درختوں اور آدمیوں کی۔ اور سَطَرَ فُلَانٌ کَذَا کے معنی ایک ایک سطر کر کے لکھنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (۶۸-۱) ن۔ قلم کی اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم۔

وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ (۵۲-۲) اور کتاب جو لکھی ہوئی ہے۔

کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتَابِ مَسْطُوْرًا (۱۷-۵۸) یہ حکم کتاب (یعنی قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی مذکور اور ثابت ہے۔

اور سَطْرٌ کی جمع اَسْطُرٌ وَسُطُوْرٌ وَاَسْطَارٌ ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۲۲۷) اِنِّیْ وَاَسْطَارٍ سُطِرْنَ سَطْرًا

یعنی قسم ہے قرآن کی سطروں کی کہ میں ۔۔۔۔۔

اور آیت کریمہ:

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (۶-۲۵) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں میں مبرد نے کہا ہے کہ یہ اُسْطُوْرَةٌ کی جمع ہے جیسے اُرْجُوْحَةٌ کی جمع اَرَاجِیْحُ اور اُثْفِیَّةٌ کی جمع اَثَافِیُّ اور اُحْدُوْثَةٌ کی اَحَادِیْثُ آتی ہے۔

اور آیت:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَا اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (۱۶-۲۴) اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا اتارا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ (وہ تو) پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں۔

یعنی انہوں نے بزعم خود یہ کہا کہ یہ جھوٹ موٹ کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ان کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا (۲۵-۵) اور کہتے ہیں کہ یہ (پہلے

---

[1] قالہ رؤبۃ بن العجاج وتمامہ: القائل یا نصر نصرا نصرا۔ والشطر فی الخزانۃ (۱: ۹۰۱) وفی الشطر الثانی بحث قرروہ علی ثلاثۃ اوجہ وفی العباب للصاغانی (یا نصر) بالصاد المہملۃ مصحف والصواب المعجمۃ وہو اسم الحاجب وتبعہ صاحب القاموس لکنہ اخطأ والبیت من شواہد الکشاف (۲: ۰۸) والطبری (۲۹: ۸) ومجاز القرآن لابی عبیدۃ (۲: ۲۳۰، ۲۴۳) رقم ۷۶۲ وفی روایۃ آیات بدل واسطار والشنتمری (۱: ۳۰۴) والسیوطی (۲۷) ودیوانہ ۱۷۴ (طبع لیپسک) واللسان والصحاح (سطر) والرجز مما استشہد بہ النحویون فی توابع المنادی انظر السیوطی وابن یعیش فی شرح المفصل وابن یعیش فی شرح ابیات الایضاح وحاشیۃ الامیر علی المغنی (۲: ۱۵) والدسوقی (۲: ۴) والشذور ۳۲۷ وابن ہشام رقم ۷۲۲۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے وہ صبح وشام ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

اور آیت:۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸-۲۱،۲۲) تو تم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہی ہو تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔

میں لفظ مُصَيْطِرٍ اور اسی طرح آیت:۔

أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ (۵۲-۳۷) یا یہ کہیں کے داروغہ ہیں۔

میں مُصَيْطِرُونَ، تَسَيْطَرَ فُلَانٌ عَلَى كَذَا وَسَيْطَرَ عَلَيْهِ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز پر حفاظت کے لئے اس پر سطر کی طرح سیدھا کھڑا ہونے کے ہیں پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم ان پر نگہداشت کے لئے مقرر نہیں ہو۔ اور یہاں مُصَيْطِر کا استعمال ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت:۔

أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (۱۳-۳۳) تو کیا جو (خدا) ہر متنفس کے اعمال کا نگران (ونگہبان) ہے۔

میں قَائِمٌ کا۔ اور آیت:۔

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِحَفِيظٍ۔ میں حفیظ کا لفظ ہے۔ بلکہ بعض نے تو آیت لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ کے معنی ہی لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِحَفِيظٍ کئے ہیں لہٰذا مُسَيْطِر کا لفظ ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت:۔

وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (۴۳-۸۰) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔

میں کتابت کا لفظ ہے اور یہ کتابت وہی ہے جو کہ آیت أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ..... (۲۲-۷۰) کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ خدا اس کو جانتا ہے یہ (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بے شک یہ سب کچھ خدا کو آسان ہے۔ میں مذکور ہے۔

(س ط و)

اَلسَّطْوَةُ (تعدیہ بواسطہ باء) کے معنی کسی کو سختی سے پکڑنے کے ہیں جیسے سَطَا بِهِ (ن) اس کو سخت پکڑا یا اس پر حملہ کیا۔ قرآن میں ہے:۔

يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (۲۲-۷۲) قریب ہوتے ہیں کہ جو لوگ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں ان پر حملہ کر دیں۔ یہ اصل میں سَطَا الْفَرَسُ (ن) عَلَى الرَّمَكَةِ سے مشتق ہے جس کے معنی نر گھوڑے کے اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا کر اپنی مادہ پر چڑھ جانے کے ہیں خواہ بوجہ نشاط کے ہو یا جفتی کی غرض سے۔ اسی طرح سَطَا الرَّاعِيُّ عَلَى النَّاقَةِ کے معنی چرواہے کے اونٹنی کے فرج میں ہاتھ ڈال کر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکالنے کے ہیں[1]۔ پھر استعارہ کے طور پر طَغَوٌّ کی طرح سَطْوَةٌ کا لفظ بھی پانی کی زیادتی پر بولا جاتا ہے اور طَغَى الْمَاءُ وَسَطَا کے معنی پانی کے طغیانی میں آجانے کے ہیں۔

(س ع د)

اَلسَّعْدُ وَالسَّعَادَةُ (خوش نصیبی) کے معنی ہیں حصول خیر میں امور الٰہیہ کا انسان کے لئے

---

۱ وفی الحدیث لا بأس أن یسطو الرجل علی المرأۃ إذا خیف علیہا ولم توجد امرأۃ تعالجہا (النہایہ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممد اور معاون ہونا۔ اس کی ضد شَقَاوَۃٌ (بدبختی) ہے سَعِدَ (لازم) کے معنی نیک بخت ہونے اور اَسْعَدَہُ اللّٰہُ کے معنی نیک بخت کرنے کے ہیں۔ سَعِیْدٌ (نیک بخت) جمع سُعَدَاءُ اور سب سے بڑی سعادت مندی جنت میں جانا ہے اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا ہے:۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ (۱۱-۱۰۸) اور جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔

اور فرمایا:۔

فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ (۱۱-۱۰۵) پھر ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

اَلْمُسَاعَدَۃُ (کار خیر میں مدد کرنا) کے معنی ایسے کام میں معاونت کے ہیں جس میں سعادت کا گمان ہو۔ اور لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بہت زیادہ سعادت بخشے اور تمہاری مساعدت فرمائے۔ لیکن پہلے معنی زیادہ بہتر ہیں۔

اَلْاِسْعَادُ خاص کر نوحہ خوانی میں کسی کی مدد کرنا۔

جیسے محاورہ ہے:

اِسْتَسْعَدْتُہٗ فَاَسْعَدَنِیْ میں نے اس سے مدد مانگی تو اس نے میری مدد کی۔

اَلسَّاعِدُ کلائی یا بازو کو کہتے ہیں کیونکہ انسان فائدہ اسی کے زور سے کرتا ہے تو گویا اس میں مُسَاعَدَۃٌ کے معنی پائے جاتے ہیں اسی بنا پر پرند کے بازوں کو سَاعِدَیْنِ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ (معنی قوت کے لحاظ سے) انہیں یَمَانِیْنِ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اَلسَّعْدَانُ ایک خاردار گھاس جس کے کھانے سے اونٹنی کا دودھ بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے مثال مشہور ہے[1] (مثل)

مَرْعًی وَلَا کَالسَّعْدَانِ کہ گھاس تو ہے لیکن سعدان کی سی نہیں۔ اَلسَّعْدَانَۃُ کے معنی کبوتر، تسمہ کی گرہ۔ اور اونٹ کے سینہ کے بھی آتے ہیں اور سَعُوْدُ الْکَوَاکِبِ مشہور دس ستارے ہیں جن میں سے ہر ایک کو سَعْدٌ کہا جاتا ہے۔

(س ع ر)

اَلسَّعْرُ کے معنی آگ بھڑکنے کے ہیں۔ اور سَعَرْتُ النَّارَ وَسَعَرْتُھَا کے معنی آگ بھڑکانے کے۔ مجازاً الڑائی وغیرہ بھڑکانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: اِسْتَعَرَ الْحَرْبُ لڑائی بھڑک اٹھی اِسْتَعَرَ اللُّصُوْصُ ڈاکو بھڑک اٹھے۔ یہ اِشْتَعَلَ کے ہم معنی ہے اور نَاقَۃٌ مَسْعُوْرَۃٌ کے معنی دیوانی اونٹنی کے ہیں جیسے۔ مُوْقَدَۃٌ وَمُھَیَّجَۃٌ کا لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے۔ اَلْمِسْعَرُ آگ بھڑکانے کی لکڑی (کھرنی) لڑائی بھڑکانے والا۔

اَلسُّعَارُ آگ کی تپش کو کہتے ہیں اور سُعَارُ الرَّجُلِ کے معنی آگ یا گرم ہوا سے جھلس جانے کے ہیں۔

---

[1] انظر الامثال الکامل ۹-۱۰۰ کالسعدان بدون الہاء قال الشاعر: ماءٌ ولا کصدا ءٍ مرعیٌ ولا کالسعدان یشرب التشبیع الذی فیہ فضل وغیرہ افضل اول من قال ذالک خنساء بنت عمرو بن الشرید وحکی انہ لامرأۃ من طئی تزوجہا امرؤ القیس (لذاحجر الکندی) انظر المثل والقصۃ المیدانی رقم ۳۸۳۷ و ۳۸ ۱۳۴ والسمط ۴۰۴ والفاخر رقم ۱۲۱: العسکری ۱۸۷، ۲۰۲/۲ والضبی ۵۴، ۶۹ والالفاظ ۵۵ والنویری ۳/۵۱ والمستقصی ۱۲

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں ہے:-
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (۴-۱۰) اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔
وَإِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (۸۱-۱۲) اور جب دوزخ (کی آگ) بھڑکائی جائے گی۔
عَذَابَ السَّعِيْرِ (۶۷-۵) (دہکتی آگ کا عذاب) تیار کر رکھا ہے۔
تو یہاں سَعِیْرٌ بمعنی مَسْعُوْرٌ ہے۔
نیز قرآن میں ہے:-
اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (۵۴-۴۷) بے شک گنہگار لوگ گمراہی اور دیوانگی میں (مبتلا) ہیں۔
اَلسُّعُرُ کے معنی مروجہ نرخ کے ہیں اور یہ استعار (النار (آگ کا بھڑکنا)) کے ساتھ تشبیہ کے طور پر بولا گیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

(س ع ی)

اَلسَّعْيُ۔ تیز چلنے کو کہتے ہیں اور یہ عَدْوٌ (سرپٹ دوڑ) سے کم درجہ (کی رفتار) ہے (مجازاً) کسی اچھے یا برے کام کے لئے کوشش کرنے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:-
وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (۲-۱۱۴) اور ان کی ویرانی میں ساعی ہو۔
نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۶۶-۸) (بلکہ) ان کا نور (ایمان) ان کے آگے .... چل رہا ہوگا۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا (۵-۳۳) اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں۔
وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ (۲-۲۰۵) اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں (فتنہ انگیزی کرنے کے لئے) دوڑتا پھرتا ہے۔
وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (۵۳-۳۹، ۴۰) اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔
وَاِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (۹۲-۴) تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔
وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (۱۷-۱۹) اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔
فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ (۲۱-۹۴) تو اس کی کوشش رائگاں نہ جائے گی۔
لیکن اکثر طور پر سَعْیٌ کا لفظ افعال محمودہ میں استعمال ہوتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔ (الکامل)

(۲۲۸) اِنْ اَجْزِ عَلْقَمَةَ بْنَ سَيْفٍ سَعْيَهٗ
لَا اَجْزِهٖ بِبَلَاءِ يَوْمٍ وَّاحِدٍ

اگر میں علقمۃ بن سیف کو اس کی مساعی کا بدلہ دوں تو ایک دن کے حسن کردار کا بدلہ نہیں دے سکتا اور قرآن میں ہے:-
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (۳۷-۱۰۲) جب وہ ان کے

---

[1] قاله الغدكي في مدح علقمة بن سيف العتابي والشعر وصنه انظر التبريزي والبيت في الحماسة (۲: ۲۶۷) والمرزوقي رقم ۶۶۹ واللسان (ظلم) والبيان ۳ / ۱۳۴ والمعجم للمرزباني والبيت معزو للمرناق الطائي وفي المطبوع بن سعد والتصحيح من البيان وشرح الحماسة والبيت ايضا في الحيوان (۳: ۲۶۴) في ثلاثة ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سالھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا۔
یعنی اس عمر کو پہنچ گیا کہ کام کاج میں باپ کا ہاتھ بٹا سکے اور مناسک حج میں سَعْیٌ کا لفظ صفا اور مروہ کے درمیان چلنے کے لئے مخصوص ہو چکا ہے اور سَعَا بِفُلَانٍ کے معنی خاص کر چغلی کھانے اور صدقہ وصول کرنے کے آتے ہیں اور مُکَاتَبٌ غلام کے اپنے آپ کو آزاد کروانے کے لئے مال کمانے پر بھی سِعَایَةٌ کا لفظ بولا جاتا ہے مُسَاعَاةٌ کا لفظ فسق و فجور اور مَسْعَاةٌ کا لفظ اچھے کاموں کے لئے کوشش کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:
وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ (۲۲-۵۱)
اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں اپنے زعم باطل میں ہمیں عاجز کرنے کے لئے سعی کی۔ میں سعی کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ہماری نازل کردہ آیات میں ہمارے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے پوری طاقت صرف کر ڈالی۔

(س غ ب)

اَلْمَسْغَبَةُ (س ن) بھوک چنانچہ آیت کریمہ:
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ (۹۰-۱۴) یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔
میں مَسْغَبَةٌ سَغَبٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بھوک سے درماندہ ہو جانے کے ہیں اور پیاس سے نڈھال ہونے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کہا جاتا ہے سَغِبَ (س) سَغَبًا وَّسُغُوْبًا وَّهُوَ سَاغِبٌ اور صفت کا صیغہ سَغْبَانٌ مثل عَطْشَانٌ بھی آتا ہے۔

(س ف ر)

اَلسَّفْرُ اصل میں اس کے معنی کشف غطاء یعنی پردہ اٹھانے کے ہیں۔ اور یہ اعیان کے ساتھ مخصوص ہے جیسے سَفَرَ الْعِمَامَةَ عَنِ الرَّأْسِ اس نے سر سے عمامہ اتار دیا۔ سَفَرَ عَنْ وَجْهِهٖ چہرہ کھولنا اور سَفَرْتُ الْبَيْتَ کے معنی گھر میں جھاڑو دینے اور کوڑا کرکٹ صاف کرنے کے ہیں اور جھاڑو کو مِسْفَرٌ اور اس گرد و غبار کو سَفِيْرٌ کہا جاتا ہے جو جھاڑو دے کر دور کی جاتی ہے۔
اَلْاِسْفَارُ (افعال) یہ الوان کے ساتھ مختص ہے یعنی کسی رنگ کے ظاہر ہونے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:
وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (۷۴-۳۴) اور قسم ہے صبح کی جب روشن ہو۔ اور فرمایا:
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (۸۰-۳۸) کتنے منہ اس روز چمک رہے ہوں گے۔
اور حدیث[1] (۱۷۲)
اَسْفِرُوْا بِالصُّبْحِ تُؤْجَرُوْا صبح خوب روشن ہونے کے بعد نماز پڑھا کرو تو زیادہ ثواب ملے گا۔
میں اَسْفِرُوْا اَسْفَرْتُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی روشنی میں داخل ہونے کے ہیں جیسے اَصْبَحْتُ (میں صبح میں داخل ہوا)
سَفَرَ الرَّجُلُ اس نے سفر کیا اور سَافِرٌ (مسافر) کی جمع سَفْرٌ آتی ہے۔ جیسے رَاكِبٌ کی جمع رَكْبٌ (وعلی القیاس)۔

---

[1] کذا رواہ الشافعی فی اختلاف الحدیث (۲۰۷) والمعروف من الفاظ الحدیث اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر من حدیث رافع بن خدیج رواہ الترمذی والشافعی فی الرسالۃ رقم ۸۴ وابن حبان فی زوائدہ رقم ۲۶۴، ۲۶۵ وفی ۲۶۶ اصبحوا بالصبح ❊ ❊ ❊

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سَافَرَ کے معنی ہیں اس نے سفر کیا۔ یہ خاص کر باب مفاعلہ سے آتا ہے گویا اس میں جانبین یعنی وطن اور آدمی کے ایک دوسرے سے دور ہونے کے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اور سَفَرٌ سے ہی سُفْرَۃٌ کا لفظ مشتق ہے جس کے معنی طعام سفر یا توشہ دان ہیں جس میں سفری کھانا رکھا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ (۴-۴۳) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو۔

اَلسِّفْرُ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حقائق کا بیان ہو گویا وہ حقائق کو بے نقاب کرتی ہے اس کی جمع اَسْفَارٌ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (۶۲-۵) ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔

یہاں مُمَثَّلٌ بِہٖ میں خصوصیت کے ساتھ اَسْفَار کا لفظ ذکر کرنے سے اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ تورات اگرچہ اپنے مضامین کو محقق طور پر بیان کرتی ہے لیکن جاہل یہود، پھر بھی اس کو نہیں سمجھ پاتے۔ لہٰذا ان کی مثال بعینہٖ اس گدھے کی سی ہے جو علم و حکمت کے پشتارے اٹھائے ہوئے ہو

اور آیت بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (۸۰-۱۵-۱۶) (ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو سردار نیکوکار ہیں۔ میں سَفَرَۃ سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں دوسری جگہ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (۸۲-۱۱) (عالی قدر لکھنے والے) کہا ہے اور یہ سَافِرٌ کی جمع ہے جیسے کَاتِبٌ کی جمع کَتَبَۃٌ۔

اَلسَّفِیْرُ اس فرستادہ کو کہا جاتا ہے جو مُرْسِلٌ کی غرض کو مُرْسَلٌ اِلَیْہِ پر کھولتا اور فریقین سے منافرت کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ فَعِیْلٌ بمعنی فاعل سے ہے اور سِفَارَۃٌ بمعنی رسالت آتا ہے پیغمبر، فرشتے اور (سماوی) کتابیں لوگوں پر حقائق کی کشادگی کرنے میں باہم شریک ہیں (اس لئے ان سب کو سَفِیْرٌ کہہ سکتے ہیں۔ اور سَفِیْرٌ (فعیل) بمعنی مفعول ہو تو اس کے معنی کوڑا کرکٹ کے ہوتے ہیں جو جھاڑو دے کر صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور شاعر کے قول[1]

(۲۲۹) وَمَا السِّفَارُ قُبِّحَ السِّفَارُ

میں بعض نے سِفَار کے معنی اس لوہے کے کئے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالا جاتا ہے اور اس معنی پر اگر اس شعر کے علاوہ اور کوئی دلیل نہ ہو تو یہ مُسَافَرَۃٌ (مفاعلہ) کا مصدر بھی ہو سکتا ہے[2]۔

(س ف ع)

اَلسَّفْعُ کے معنی گھوڑے کو سواد ناصیہ یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (۹۶-۱۵) تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

اور سیاہی کے معنی کے اعتبار سے چولہے کے پتھروں (اثافی) کو بھی سُفْعٌ کہا جاتا ہے۔ اور محاورہ ہے:۔ بِہٖ سُفْعَۃُ غَضَبٍ اس کے چہرہ پر غصے کا اثر ہے کیونکہ سخت غصہ کے وقت چہرہ کا رنگ دخانی سا ہو جاتا ہے۔ اور شکرے کو اَسْفَعُ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے پر ل

---

[1] بعدہ ۱۲ [2] کما قال حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: لولا السفار وبعد خرق مہمہ۔ لترکتہا تحبو علی العرقوب وقول الاخطل یؤید قول البعض: موقع اثر السفار بخطمہ۔ من سود عقۃ اوبنی الجوال ۱۲

www.KitaboSunnat.com

میں سیاہ چمک سی پائی جاتی ہے۔ اور اِمْرَءَۃٌ سَفْعَاءُ اللَّوْنِ سیاہ رنگ عورت کو کہتے ہیں۔

(س ف ك)

اَلسَّفْكُ (ض) کے معنی خون ریزی کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (۲-۳۰) اور کشت و خون کرتا پھرے۔

ویسے یہ لفظ ہر سیال چیز اور آنسو بہانے کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے۔

(س ف ل)

اَلسُّفْلُ یہ عُلُوٌّ کی ضد ہے اور سَفُلَ (سُفُولًا) فَهُوَ سَافِلٌ کے معنی پست اور حقیر ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۹۵-۵) پھر (رفتہ رفتہ) اس کی حالت کو (بدل کر) پست سے پست کر دیا۔ نیز فرمایا:۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ (۹-۴۰) اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔

کبھی اَسْفَلُ "فوق" کے بالمقابل بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (۳۳-۱۰) جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی جانب سے تم پر چڑھ آئے۔

سُفَالَةُ الرِّيحِ ہوا کی بائیں جانب یعنی جدھر کو چل رہی ہو۔ اس کی ضد عُلَاوَةٌ ہے جس کے معنی اوپر کی جانب کے ہیں یعنی جس طرف سے آ رہی ہو۔

اَلسَّفِلَةُ کمینے لوگ جیسے دُوْنٌ۔

اَمْرُهُمْ فِي سَفَالٍ ان کا معاملہ انحطاط میں ہے یعنی ان کی حالت دگرگوں ہے۔

(س ف ن)

اَلسَّفْنُ۔ اس کے اصل معنی چوب اور چمڑا وغیرہ کو چھیلنے کے ہیں اور سَفَنَ الرِّيحُ التُّرَابَ عَنِ الْأَرْضِ کے معنی ہیں۔ ہوا نے زمین سے مٹی کو گھس ڈالا۔ شاعر نے کہا ہے (الطویل) (۲۳۰) فَجَاءَ خَفِيًّا يَسْفِنُ الْأَرْضَ صَدْرُهُ[1] وہ زمین پر اپنا سینہ رگڑتے ہوئے پوشیدہ طور پر وہاں جا پہنچا۔ اور تراشی ہوئی چیز کو سَفِينٌ (فعیل بمعنی مفعول) کہتے ہیں جیسے نَقِيضٌ بمعنی منقوض آجاتا ہے اور اَلسَّفَنُ خاص کر اس کھردرے چمڑے کو کہا جاتا ہے جس کو تلوار کے قبضہ پر لگاتے ہیں اور چوب تراشی کے اوزار کو بھی مَسْفَنٌ کہا جاتا ہے جیسے تیشہ وغیرہ۔ اور چھیلنے کے معنی کے لحاظ سے کشتی کا نام سَفِينَةٌ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی سطح آب کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَأَمَّا السَّفِينَةُ (۱۸-۷۹) (لیکن کشتی) پھر مجازاً کشتی کے ساتھ تشبیہ دے کر ہر آرام دہ سواری کو سَفِينَةٌ کہا جاتا ہے۔

---

[1] قالہ امرؤ القیس یصف ربیئًا یسفن ای یمسح بجزءہ۔ تری الترب منہ لاصقًا کل ملصق۔ والبیت فی اللسان (سفن)، و دیوانہ۔ ۹ وصنعۃ السندوبی، والعقد الثمین ۱۳، والمعانی الکبیر ۶، ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۶)، ونقد الشعر ۴۵ وفیہ لاصقًا کل ملزق وحضیار یا لمھملۃ، والبیت ایضًا فی تہذیب اصلاح المنطق (۱: ۹۷) وفی الاصلاح ۴۵۔ ویروی بعض الطامیین

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س ف ہ)

السَّفَهُ اس کے اصل معنی جسمانی ہلکا پن کے ہیں اسی سے بہت زیادہ مضطرب رہنے والی مہار کو زِمَامٌ سَفِيْهٌ کہا جاتا ہے اور ثَوْبٌ سَفِيْهٌ کے معنی ردی کپڑے کے ہیں۔ پھر اسی سے یہ لفظ نقصان عقل کے سبب خفت نفس کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے سَفِهَ نَفْسَهٗ[1] جو اصل میں سَفِهَ نَفْسُهٗ ہے پھر اس سے فعل کی نسبت قطع کر کے بطور تمیز کے اسے منصوب کر دیا ہے جیسے بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهٗ کہ یہ اصل میں بَطِرَتْ مَعِيْشَتُهٗ ہے۔[2]

اور سَفَهٌ کا استعمال امور دنیوی اور اخروی دونوں کے متعلق ہوتا ہے چنانچہ امور دینوی میں سفاہت کے متعلق فرمایا:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ (۴-۵) اور بے عقلوں کو ان کا مال .... مت دو۔

اور سفاہت اخروی کے متعلق فرمایا:۔

وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا (۷۲-۴) اور یہ کہ ہم میں سے بعض بیوقوف خدا کے بارے میں جھوٹ افترا کرتے ہیں۔

یہاں سفاہت دینی مراد ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے اور آیت کریمہ:۔

اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ (۲-۱۳) تو کہتے ہیں بھلا جس طرح بیوقوف ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟۔

میں ان کو سفیہ کہہ کر متنبہ کیا ہے کہ ان کا مؤمنین کو سُفَهَاءُ کہنا بنا بر حماقت ہے اور خود ان کی نادانی کی دلیل ہے۔ اسی معنی میں فرمایا:۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا (۲-۱۴۲) احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے سے) چلے آتے تھے اب اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے۔

(س ق ر)

سَقَرُ: جہنم، یہ اصل میں سَقَرَتْهُ الشَّمْسُ وَصَقَرَتْهُ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں اسے دھوپ نے جھلس دیا اور پگھلا دیا۔ پھر جہنم کا علم بن گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (۷۴-۴۲) کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے۔

اور نیز فرمایا:۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (۵۴-۴۸) اب آگ کا مزہ چکھو۔

پھر چونکہ سَقَر اپنے اصل کے لحاظ سے جھلس دینے کے معنی کو مقتضی ہے اس لیے آیات:۔

وَمَا اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (۷۴-۲۷ تا ۲۹) اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ (وہ آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی۔

میں متنبہ کیا گیا ہے کہ سقر کے جو احوال تم مشاہدہ سے جانتے ہو اس کا معاملہ اس سے بالکل جدا ہے۔

---

[1] ونی الآیۃ (۲-۱۳۰) الا من سَفِهَ نَفْسَهٗ [2] وفیہ اختلاف قال المبرد انہ متعد بنفسہ فلا تاویل کما ورد فی الحدیث الکبر ان تسفہ الحق وعنہ البعض منصوب علی التمییز کما ذہب الیہ المؤلف راجع الکشاف ۱/ ۱۸۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س ق ط)

اَلسَّقُوطُ (ن) اس کے اصل معنی کسی چیز کے اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں مثلاً کسی انسان کا چھت سے گر پڑنا یا اس کا بوڑھا ہو کر نیچے جھک جانا۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا (۵۲-۴۴)
اور اگر یہ آسمان (سے عذاب) کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں۔

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ (۲۶-۱۸۷)
تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ

اور اس کے معنی قدر قیمت اور مرتبہ کے لحاظ سے گر جانا بھی آتے ہیں جیسے فرمایا۔
اَلَا فِی الْفِتْنَۃِ سَقَطُوْا (۹-۴۹) دیکھو یہ آفت میں پڑ گئے۔

اَلسَّقَطُ وَالسُّقَاطَۃُ ناکارہ اور ردی چیز کو کہتے ہیں اور اسی سے رَجُلٌ سَاقِطٌ ہے جس کے معنے کمینے آدمی کے ہیں۔ اَسْقَطَہٗ کَذَا فلاں چیز نے اس کو ساقط کر دیا۔

اور اَسْقَطَتِ الْمَرْءَۃُ (عورت نے ناتمام حمل گرا دیا) میں اوپر سے نیچے گرنا اور ردی ہونا دونوں معنی اکٹھے پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اَسْقَطَتِ الْمَرْءَۃُ اس وقت بولتے ہیں جب عورت ناتمام بچہ گرا دے اور اسی سے ناتمام بچہ کو سَقْطٌ یا سِقْطٌ کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ تشبیہ دے کر چقماق کی ہلکی سی (ناقص) چنگاری کو سِقْطُ الزَّنْدِ کہا جاتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کبھی اس کے ساتھ بچہ کو بھی موسوم کیا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ (۷-۱۴۹) اور جب وہ نادم ہوئے۔
میں پشیمان ہونا مراد ہے[1]۔ اور آیت:۔

تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا۔ (۱۹-۲۵) تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔

میں ایک قراءت تَسَاقَطْ بھی ہے اور اس کا فاعل نَخْلَۃ ہے اور ایک قراءت میں تَسَاقَطُ ہے جو اصل میں تَتَسَاقَطُ فعل مضارع کا صیغہ ہے اس میں ایک تاء محذوف ہے اس صورت میں یہ باب تفاعل سے ہوگا اور یہ اگرچہ فَاعَلَ کا مطاوع آتا ہے لیکن کبھی متعدی بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ تَجَرَّعَہٗ میں باب تَفَعَّلَ متعدی ہے۔ اور ایک دوسری قراءت میں یَسَّاقَطْ (صیغہ مذکر) ہے اس صورت میں اس کا فاعل جِذْعٌ ہوگا[2]۔

(س ق ف)

سَقْفُ الْبَیْتِ مکان کی چھت کو کہتے ہیں اس کی جمع سُقُفٌ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَلِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ (۴۳-۳۳) (ہم) ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے۔

اور آیت کریمہ:۔
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ (۵۲-۵) اور اونچی چھت کی قسم۔ میں مراد آسمان ہے جیسا کہ آیت:۔ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (۲۱-۳۲) میں آسمان کو محفوظ چھت فرمایا ہے۔

اور ہر وہ جگہ جو مُسَقَّفٌ ہو اسے سقیفہ کہا جاتا ہے جیسے صُفَّۃٌ (چبوترہ) مکان وغیرہ۔
اور چھت کے ساتھ تشبیہ دے کر ہر اس لمبی چیز

---

[1] راجع (زبیدی) [2] راجع للقراءات التاج (سقط)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو جس میں خم سا پایا جائے مُسَقَّفٌ کہہ دیتے ہیں۔

(س ق م)

اَلسَّقَمُ وَالسُّقْمُ خاص کر جسمانی بیماری کو کہتے ہیں بخلاف مَرَضٌ کے کہ وہ جسمانی اور قلبی دونوں قسم کی بیماریوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (۲-۱۰) ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ اور آیت:۔

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (۳۷-۸۹) اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ میں سَقِیْمٌ کا لفظ یا تو تعریض کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یا زمانہ ماضی یا مستقبل کی طرف اشارہ کے لئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ہلکی سی بدنی تکلیف کی طرف اشارہ ہو جو اس وقت ان کو عارض تھی۔ کیونکہ انسان بہرحال کسی نہ کسی عارضہ میں مبتلا رہتا ہے اگرچہ وہ اسے محسوس نہ کرے اور خوفناک جگہ کو مَکَانٌ سَقِیْمٌ کہا جاتا ہے۔

(س ق ی)

اَلسَّقْیُ وَالسُّقْیَا کے معنی پینے کی چیز دینے کے ہیں اور اِسْقَاءٌ کے معنی پینے کی چیز پیش کر دینے کے ہیں تاکہ حسب منشا لے کر پی لے لہذا اِسْقَاءٌ بنسبت سَقْیٌ کے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اِسْقَاءٌ میں مَا یُسْقٰی مِنْهُ کے پیش کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ پینے والا جس قدر چاہے اس سے نوش فرمالے۔ مثلاً اَسْقَیْتُهٗ نَهْرًا کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اسے پانی کی نہر پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ چنانچہ قرآن میں سَقْیٌ کے متعلق فرمایا:۔ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (۷۶-۲۱) اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

وَسُقُوْا مَاءً حَمِیْمًا (۴۷-۱۵) اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائیگا۔

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ (۲۶-۷۹) اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اور اِسْقَاء کے متعلق فرمایا:۔

وَاَسْقَیْنٰکُمْ مَّاءً فُرَاتًا (۷۷-۲۷) اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔

فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ (۱۵-۲۲) اور ہم ہی تم کو اس کا پانی پلاتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا (۲۳-۲۱) (ذکر) جو ان کے پیٹوں میں ہے اس سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں۔ میں ایک قرأت فتحہ نون کے ساتھ بھی ہے۔

سِقْیٌ۔ کے معنی پانی کا حصہ اور سیراب شدہ زمین دونوں آتے ہیں کیونکہ سِقْیٌ بمعنی مَسْقِیٌّ (اسم مفعول) کے ہے جیسے نِقْضٌ بمعنی مَنْقُوْضٌ۔ اور یہ دونوں چیزیں ہی مفعول بنتی ہیں اس لئے سِقْیٌ کا لفظ ان دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔

اَلْاِسْتِسْقَاءُ کے معنی کسی سے پانی طلب کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی (۲-۶۰) اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے (خدا سے) پانی مانگا۔

اَلسِّقَاءُ (مشکیزہ) وہ برتن جس میں پینے کی چیز رکھی جائے اسی سے ہے اَسْقَیْتُكَ جِلْدًا کہ میں نے تمہیں (مشکیزہ بنانے کے لئے چمڑا دیا) اور آیت کریمہ:۔

جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ (۱۲-۷۰) (تو) اپنے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائی کے شلیتے میں پینے کا برتن رکھ دیا۔
میں سِقَایَةَ سے مراد وہی ہے جسے (بعکی آیت میں)
صُوَاعَ الْمَلِکِ کہا گیا ہے اس ایک ہی برتن کے یہ
دو نام دو اعتبار سے ہیں یعنی اس کے ساتھ پانی پینے
کے لحاظ سے اسے سِقَایَةَ کہا ہے اور اس لحاظ
سے کہ اس کے ساتھ غلہ ماپا جاتا ہے اسے صُوَاعَ کہدیا ہے۔

(س ک ب)

مَاءٌ مَسْکُوْبٌ کے معنی بہائے ہوئے
پانی کے ہیں۔[1]
اور تیز رفتار گھوڑے کو فَرَسٌ سَکْبُ الْجَرْیِ کہا جاتا
ہے۔ محاورہ ہے:۔ سَکَبْتُهٗ فَانْسَکَبَ میں نے اسے
بہایا تو وہ بہہ پڑا اور دَمْعٌ (آنسوؤں) کو بصورت
فاعل تصور کرکے سَاکِبٌ (بہنے والے) کہا جاتا ہے
اور کبھی دَمْعٌ مُنْسَکِبٌ بھی بولتے ہیں اور باریک
کپڑے کو بھی سیال چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر
ثَوْبٌ سَکْبٌ کہدیتے ہیں گویا وہ بہتا ہوا پانی ہے۔

(س ک ت)

اَلسُّکُوْتُ (ن) اسکے اصل معنی تو ترکِ کلام
یعنی خاموش ہونے کے ہیں۔ اور بہت زیادہ چپ
رہنے والے آدمی کو رَجُلٌ سِکِّیْتٌ وَسَاکُوْتٌ
کہا جاتا ہے اور سَکْتَةٌ یا سُکَاتٌ مرض سکتہ کو
کہتے ہیں اور موسیقی میں سَکْتٌ کا لفظ سکون نفس
کے ساتھ مخصوص ہے اور افتتاح صلوٰة کی حالت
اور قرأت سے فارغ ہونے کے بعد سکوت کرنے
کو سَکَتَاتٌ فِی الصَّلٰوةِ کہا جاتا ہے۔
اَلسُّکَیْتُ دوڑ میں سب سے آخر آنے والا گھوڑا
پھر چونکہ سُکُوْتٌ میں ایک گونہ سکون پایا جاتا ہے۔
اس لئے آیت:۔
وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ (۷-۱۵۴) اور
جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرو ہوا۔
میں بطور استعارہ غصے کے فرو ہوجانے کے لئے
سَکَتَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(س ک ر)

اَلسُّکْرُ اصل میں اس حالت کو کہتے ہیں
جو انسان اور اس کی عقل کے درمیان حائل ہوجاتی
ہے اس کا عام استعمال شراب کی مستی پر ہوتا ہے اور
کبھی شدت غضب یا غلبۂ عشق کی کیفیت کو سُکر
سے تعبیر کرلیا جاتا ہے اسی لئے شاعر نے کہا ہے۔[2] (
۲۲۱) سُکْرَانِ سُکْرُ هَوًی وَسُکْرُ مُدَامَةٍ
نشے دو ہیں ایک نشۂ محبت اور دوسرا نشہ شراب۔
اور اسی سے سَکَرَاتُ الْمَوْتِ (موت کی بیہوشی)
ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَجَاءَتْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (۵۰-۱۹) اور
موت کی بے ہوشی حقیقت کھولنے کو طاری ہوگئی۔
اَلسَّکَرُ (بفتح السین والکاف) نشہ آور چیز۔
قرآن میں ہے:۔
تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ......
(۱۶-۶۷) کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ
رزق (کھاتے ہو)
اور شراب سے انسان اور اس کی عقل کے درمیان
بھی چونکہ دیوار کی طرح کوئی چیز حائل ہوجاتی ہے اس
اعتبار سے سَکْرٌ کے معنی پانی کو بند لگانے اور
روکنے کے آجاتے ہیں اور اس بند کو جو پانی روکنے

---

[1] وفی القرآن ومادۂ مسکوب (۵۶-۳۱) [2] وتمامہٗ: متی یفیق فتًی بہ سکران؟ والبیت فی الرسالۃ بغیر عزو وفی المطبوع طام بغیر لام ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لئے لگایا جائے سِکْر کہا جاتا ہے (یہ فعل بمعنی مفعول ہے) اور آیت:۔

اِنَّمَا سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا ..... (۱۵-۱۵) کہ ہماری آنکھیں مخمور ہوگئی ہیں۔ میں سُکِّرَتْ بعض کے نزدیک سُکْر سے ہے اور بعض نے سَکْر سے لیا ہے اور پھر سِکْر سے سکون کے معنی لے کر پر سکون رات کو لَیْلَۃٌ سَاکِرَۃٌ کہا جاتا ہے۔

(س ک ن)

اَلسُّکُوْنُ (ن) حرکت کے بعد ٹھہر جانے کو سُکُوْن کہتے ہیں اور کسی جگہ رہائش اختیار کر لینے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور سَکَنَ فُلَانٌ مَکَانَ کَذَا کے معنی ہیں اس نے فلاں جگہ رہائش اختیار کر لی۔ اسی اعتبار سے جائے رہائش کو مَسْکَنٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع مَسَاکِنُ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

ذ لَا یُرٰٓی اِلَّا مَسٰکِنُهُمْ ..... (۴۶-۲۵) کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔

اور فرمایا:۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (۶-۱۳) اور جو مخلوق رات اور دن میں بستی ہے سب اسی کی ہے۔

لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ (۲۸-۷۳) تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ تو پہلے معنی یعنی سکون سے (فعل متعدی) سَکَّنْتُهٗ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی کو تسکین دینے یا ساکن کرنے کے ہیں اور اگر معنی سکونت مراد ہو تو اَسْکَنْتُهٗ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ (۱۴-۳۷) اے پروردگار میں نے اپنی اولاد ..... لا بسائی ہے۔

اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ (۶۵-۶) مطلقہ عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو۔

اور آیت:۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْکَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ۔ (۲۳-۱۸) اور ہم نے آسمان سے ایک اندازہ کے ساتھ پانی نازل کیا پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیا۔ میں اس بات پر تنبیہ پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو وجود میں لانے اور پھر ایجاد کے بعد اسے نابود کر دینے پر قادر ہے جیسا کہ آیت کے تتمہ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے اَلسَّکَنُ کے معنی سکون کے ہیں اور ہر وہ چیز جس سے راحت حاصل ہو اسے سَکَنٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا (۱۶-۸۰) اور خدا ہی نے تمہارے لئے گھروں کو سکون کی جگہ بنایا۔ اور فرمایا:۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹-۱۰۳) تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے۔

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (۶-۹۷) اور اسی نے رات کو (موجب) آرام ٹھہرایا۔

اور سَکَنٌ اس آگ کو بھی کہتے ہیں جس کے ساتھ سکون حاصل کیا جاتا ہے۔

اَلسُّکْنٰی کسی کو بغیر کرایہ کے رہائش کے لئے جگہ دینے کو سُکْنٰی کہا جاتا ہے اور ایک مکان میں رہنے والے لوگوں کو سَکْنٌ کہا جاتا ہے یہ سَاکِنٌ کی جمع ہے جیسے سَافِرٌ کی جمع سَفْرٌ آتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سَاکِنٌ کی جمع سُکَّانٌ (بضمہ سین) آتی ہے اور سَکَّان (بفتحہ سین) کشتی کے پتوار کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کشتی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلسِّکِّیْنُ (چھری) کو سکین اس لئے کہا جاتا ہے
(وہ مذبوح کی حرکت کو زائل کر دیتی ہے (تو یہ
سکون سے فِعِّیْلٌ کے وزن پر اسم مشتق ہے)
اور آیت :۔
نَزَّلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۴۸-۴)
وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی
نازل فرمائی ۔
میں بعض نے کہا ہے کہ سَکِیْنَۃٌ سے مراد وہ فرشتے
ہیں جو مومن کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ جیسا کہ
امیر المؤمنین (حضرت علیؓ) سے روایت ہے
(اِنَّ السَّکِیْنَۃَ لَتَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ (حضرت
عمرؓ کی زبان پر سکینۃ گویا ہے اور بعض نے
اس سے عقل انسانی مراد لی ہے اور عقل کو بھی جب
کہ وہ شہوات کی طرف مائل ہونے سے روک دے
سَکِیْنَۃٌ کہا جاتا ہے اور آیت :۔
وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ۔۔۔۔۔۔
(۱۳-۲۸) اور جن کے دل یاد خدا سے آرام پاتے ہیں۔
بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور بعض نے کہا
ہے کہ سَکِیْنَۃٌ اور سَکَنٌ کے ایک ہی معنی ہیں
یعنی رعب اور خوف کا زائل ہونا اور آیت :۔
اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَکِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ
۔۔۔۔۔ (۲-۲۴۸) کہ تمہارے پاس ایک صندوق
آئیگا، اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے
تسلی ہوگی۔
میں بھی یہی معنی مراد ہیں اور بعض مفسرین نے جو
یہ ذکر کیا ہے کہ وہ چیز تھی جس کا سر بلی کے سر کے
مشابہ تھا وغیرہ تو ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔
اَلْمِسْکِیْنُ بعض نے اس کی تفسیر مَنْ لَا شَیْءَ لَہٗ
(یعنی جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو) کے ساتھ کی ہے
اور یہ فقیر سے ابلغ ہے (یعنی بنسبت فقیر کے زیادہ
نادار ہوتا ہے) لیکن آیت :۔
وَاَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسَاکِیْنَ (۱۸-۷۹) اور
کشتی غریب لوگوں کی تھی۔
میں باوجود کشتی کا مالک ہونے کے انہیں مسکین
قرار دینا مَایَؤُوْلُ کے لحاظ سے ہے یعنی کشتی
کے چلے جانے کے بعد کی حالت کے لحاظ سے
انہیں مسکین کہا گیا ہے۔ یا اس لئے کہ ان کی احتیاج
اور مسکنت کے مقابلہ میں کشتی کی کچھ بھی
حیثیت نہ تھی۔ اور آیت :۔
وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ ۔
(۲-۶۱) اور آخر کار ذلت (ورسوائی) اور محتاجی
(وبے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی۔
میں اصح قول کے لحاظ سے مَسْکَنَۃٌ کی میم زائد
ہے (اور یہ سکون سے ہے)

(س ل ل)

سَلَّ (ن) الشَّیْءَ مِنَ الشَّیْءِ کے معنی
ایک چیز کے دوسری سے کھینچ لینے کے ہیں جیسے
تلوار کا نیام سے سونتنا۔ یا گھر سے کوئی چیز چوری
کھسکا لینا۔ قرآن میں ہے :۔
یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا (۲۴-۶۳) جو تم میں
سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں۔
اسی مناسبت سے باپ کے نطفہ پر بھی یہ لفظ
بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا :۔
مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ۔۔۔۔ (۳۲-۸)
خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی۔

لہ وفیہا حکایات غریبۃ راجع الدر للسیوطی ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی وہ جوہر جو غذا کا خلاصہ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں بطور کنایہ نطفہ مراد ہے۔ اور نطفہ پر اس کا اطلاق اس جوہر کے لحاظ سے ہے جس سے نطفہ بنتا ہے۔

اَلسُّلُّ: سل کی بیماری کیونکہ یہ انسان سے گوشت اور قوت کو کھینچ لیتی ہے اور اَسَلَّہُ اللہُ کے معنی ہیں اللہ تعالٰے نے اسے سل کی بیماری میں مبتلا کر دیا۔ حدیث میں ہے[1] (۱۷۷)

لَا اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ کہ چوری اور خیانت نہیں ہے۔

تَسَلْسَلَ الشَّیْءُ کے معنی کسی چیز کے مضطرب ہونے کے ہیں گویا اس میں بار بار کھسک جانے کا تصور کر کے لفظ کو مکرر کر دیا ہے تاکہ تکرار لفظ تکرار معنی پر دلالت کرے اسی سے سِلْسِلَۃٌ ہے جس کے معنی زنجیر کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (۶۹-۳۲) (پھر) زنجیر سے جس کی ناپ ستر گز ہے (جکڑ دو)۔

سِلْسِلَۃٌ کی جمع سَلَاسِلُ آتی ہے چنانچہ فرمایا:۔

سَلَاسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا (۷۶-۴) زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ (تیار کر رکھی ہے)

وَالسَّلَاسِلُ یُسْحَبُوْنَ (۴۰-۷۱) اور زنجیریں ہوں گی اور گھسیٹے جائیں گے۔

ایک حدیث میں ہے[2] (۱۷۸)

یَا عَجَبًا لِقَوْمٍ یُقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّۃِ بِالسَّلَاسِلِ اس قوم پر تعجب ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف کھینچے جا رہے ہیں۔

اور مَاءٌ سَلْسَلٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو اپنی قرارگاہ میں مضطرب ہو کر صاف ہو جائے۔ شاعر نے کہا ہے[3] (الطویل)

(۲۳۲) اَشْھٰی اِلَیَّ مِنَ الرَّحِیْقِ السَّلْسَلِ

وہ مجھے شفاف شراب سے زیادہ مرغوب ہے۔

اور آیت (۷۶-۱۸) میں سَلْسَبِیْلًا (سلسبیل) کے معنی تیزی سے بہتے ہوئے صاف، لذیذ اور خوشگوار پانی کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سَلْ اور سَبِیْل سے بنا ہے اور حَوْقَلَۃٌ وَبَسْمَلَۃٌ وغیرہ کی طرح الفاظ مرکبہ کے قبیل سے ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ ہر تیز رو چشمے کو سَلْسَبِیْل کہا جاتا ہے۔ اور زبان کے باریک سرے کو اَسَلَۃُ اللِّسَان کہتے ہیں۔

(س ل ب)

اَلسَّلْبُ اس کے معنی کسی سے کوئی چیز چھین لینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ یَسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ (۲۲-۷۳) اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔

اَلسَّلِیْبُ لٹا ہوا آدمی۔ وہ اونٹنی جس کا بچہ چھن گیا ہو اور اَلسَّلَبُ کے معنی چھینی ہوئی چیز اور درخت

---

[1] غریب ابی عبید (۱: ۱۴۸) وابوداؤد فی الجہاد والحاکم (۴: ۳۲۵) والفائق (۱/۳۱۲) والطبرانی عن کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ و عن عمرو بن عوف سیاق فی دفلل ۱۲۔ [2] الحدیث باختلاف الفاظہ فی (حم مرخ، دعن ابی ہریرۃ)، راجع کنز العمال (۳/۱۴۸) [3] قالہ ابوکبیر الہذلی وعامر بن الحلیس ۱۲ وصدرہ، اَمْ لا سبیل الی الشباب وذکرہ والبیت فی اللسان (سلسل)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اتاری ہوئی چھال کے ہیں۔ اور شاعر کے قول[1] (رجز)

(۲۳۳) فِی السُّلُبِ السُّوْدِ وَ فِی الْاَمْسَاحِ

(سیاہ ماتمی لباس اور ٹاٹ پہنے ہوتے ہیں)

میں بعض نے کہا ہے سیاہ ماتمی لباس مراد ہے جو مصیبت زدہ شخص پہن لیتا ہے اور ماتمی لباس کو سُلُب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اصل لباس اتار کر اسے پہنا جاتا ہے پھر جیساکہ اَحَدَّتِ الْمَرْءَۃُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ماتمی لباس پہننے کے ہیں ایسے ہی تَسَلَّبَتِ الْمَرْءَۃُ بھی کہا جاتا ہے

اَلْاُسْلُوْبُ طریقہ، روش جمع اَسَالِیْبُ۔

(س ل ح)

اَلسِّلَاحُ (سازِ جنگ) یعنی ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ لڑائی کی جائے جیسے تلوار، کمان، نیزہ، چوب دستی وغیرہ اس کی جمع اَسْلِحَۃٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ (۴-۱۰۲) اور ہوشیار اور مسلح ہو کر (تمہارے ساتھ نماز ادا کریں)

اَلْاِسْلِیْحُ۔ ایک قسم کی گھاس ہے جس کے کھانے سے اونٹ موٹے ہو جاتے ہیں اور اونٹنی کھالے تو اس کا دودھ بڑھ جاتا ہے گویا وہ موٹے ہو کر مسلح ہو گئے اور ذبح ہونے سے بچ گئے۔ جیساکہ شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۲۳۴) اَذْمَانَ لَمْ تَاْخُذْ عَلَیَّ سِلَاحَھَا اِبِلِیْ بِجِلَّتِھَا وَلَا اَبْکَارِھَا

اس زمانہ میں جب کہ میرے بڈھے اور جوان اونٹوں نے ہتھیار نہیں پہنے تھے یعنی موٹے نہیں ہوئے تھے۔

اَلسَّلَاحُ اصل میں اونٹ کے اس گوبر کو کہتے ہیں جو اِسْلِیْح گھاس کھانے کے بعد کرتا ہے پھر بطور کنایہ ہر فضلہ پر بولا جاتا ہے حتیٰ کہ حباری جانور کے متعلق، مشہور محاورہ ہے۔

سِلَاحُہٗ سَلَاحُہٗ کہ اس کا فضلہ ہی اس کا ہتھیار ہے

(س ل خ)

اَلسَّلْخُ اس کے اصل معنی کھال کھینچنے کے ہیں جیسے محاورہ ہے۔

سَلَخْتُہٗ فَانْسَلَخَ میں نے اس کی کھال کھینچی تو وہ کھچ گئی پھر اسی سے استعارہ کے طور پر زرہ اتارنے اور مہینہ کے گزر جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے سَلَخْتُ دِرْعَہٗ میں نے اس کی زرہ اتار لی۔ سَلَخَ الشَّھْرُ وَانْسَلَخَ مہینہ گزر گیا۔ قرآن میں ہے:۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ جب عزت کے مہینے گزر جائیں (۹-۵)

نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ ...... (۳۶-۳۷) کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں۔

---

[1] قالہ لبید حین ضرب عامر بن مالک وغنت لہ قینتان واختلف فی تفریدہ فقی اللسان (سلب) مخمس حرا وجہ صحاح وفی المجمر (۳-۷۴) ہذا اول البیت وعجزہ: دابنا لماعب الرماح وبعدہ: یا عامرا! یا عامر الصحاح۔ وعامر الکتیبۃ الرواح۔ ولہ قصۃ راجع المجمر والشطر فی الاشتقاق ۴ ۳۵ واللسان (نوح) [2] قالہ النمر بن تولب فی وصف الابل والبیت فی اللسان والمحکم (سلح، جلل) وامالی المرتضی (۲: ۱۱۹) والثمار ۷۹ والمعانی للقتیبی ۱۹۱، ۱۲۳۱ والمیدانی (۱: ۲۰۶، ۱۴، ۲۲، ۹۴، ۳۲۷، ۵۰) وفی اللسان ایام بدل ازمان وفی المطبوع علی بدل الی مصحف للردمن سلاح الابل سمنہا وحسنہا وانہ یمنع صاحبہا من العقر والذبح وفی المرتضی فی سلاح الابل اشعار والبیت ایضا فی اللآلی مع السمط ۴۳۲، ۸۳، وغریب ابی عبید ۵: ۲۰۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور محاورہ ہے۔
أَسْوَدُ سَالِخٌ مَسْلَخَ جِلْدَهُ ٭ نر سیاہ سانپ نے اپنی کینچلی اتار دی اور کھجور کے جس درخت کی کچی کھجوریں جھڑ جائیں اسے نَخْلَةٌ مِسْلَاخٌ کہا جاتا ہے۔

(س ل ط)

اَلسَّلَاطَةُ اس کے معنی غلبہ حاصل کرنے کے ہیں اور سَلَّطْتُهُ فَتَسَلَّطَ کے معنی ہیں میں نے اسے مقہور کیا تو وہ مقہور ہو گیا" قرآن میں ہے:۔
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ (۴-۸۹) اور اگر خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا۔
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ (۵۹-۶) لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔
اور اسی سے بادشاہ کو "سلطان" کہا جاتا ہے۔ اور سلطان کا لفظ تسلط اور غلبہ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے فرمایا:۔
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا۔ (۱۷-۳۳) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے۔
اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ۔ (۱۶-۹۹، ۱۰۰) کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا۔ اس کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں۔
لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ (۵۵-۳۳) اور زور کے سوا تم نہیں نکل سکتے۔

عام طور پر صاحب سلطنت کو سلطان کہا جاتا ہے اور حجت (دلیل) کو بھی سلطان کہا گیا ہے[1] کیونکہ دلوں پر اس کا دباؤ ہوتا ہے لیکن عام طور پر اس کا تسلط ان اصحاب علم و حکمت پر ہوتا ہے جو ایماندار رو یا استدلال ہوں۔ قرآن میں ہے:۔
يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ۔ (۴۰-۳۵) جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔
فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱۴-۱۰) کوئی کھلی دلیل لاؤ۔ یعنی واضح دلیل اور حجت قائم کرو۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ (۱۱-۹۶) اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا۔
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا۔ (۴-۱۴۴) کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر خدا کا صریح الزام لو۔ اور آیت:۔
هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (۶۹-۲۹) (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔
میں سلطان کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یعنی اس سے مراد دلیل بھی ہو سکتی ہے اور غلبہ بھی۔
اَلسَّلِيْطُ۔ اہل یمن کی زبان میں زیتون کے تیل کو کہتے ہیں اور سَلَاطَةُ اللِّسَانِ کے معنی گفتگو پر قدرت کے ہیں اور یہ عموماً مذمت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور زبان دراز عورت کو اِمْرَأَةٌ سَلِيْطَةٌ" کہا جاتا ہے اور سَنَابِكُ سَلِطَاتٌ کے معنی تیز سموں کے ہیں گویا قوت اور طول کی وجہ سے انہیں تسلط حاصل ہے۔

---

[1] وعن ابن عباس رض، قد جاء السلطان بمعنی الحجۃ فی جمیع القرآن ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س ل ف)

اَلسَّلَفُ کے معنی متقدم یعنی پہلے گزر جانے والا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ (۴۳-۵۶) ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا۔

فَلَهٗ مَا سَلَفَ (۲-۲۷۵) تو جو پہلے ہو چکا وہ اسکا۔ یعنی اس کے پہلے گناہ کو معاف کر دیا جائے گا۔ اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ اسی طرح آیت:۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (۴-۲۲) مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا)

میں ما سلف سے مراد یہ ہے کہ جو گناہ اس سے قبل ہو چکے ہیں وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ تو یہاں استثناء جواز فعل سے نہیں ہے کہ جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ جائز اور مباح ہیں بلکہ یہاں استثناء گناہ سے ہے یعنی اس سے قبل جو نکاح ہو چکے ہیں ان کا گناہ معاف کر دیا جائیگا اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی[1] اور لِفُلَانٍ سَلَفٌ كَرِيْمٌ کے معنی ہیں اس کے آباؤ اجداد کریم تھے سَلَفٌ کی جمع اَسْلَافٌ اور سُلُوْفٌ آتی ہے۔

اور کسی چیز کی پیشگی قیمت ادا کرنے کو بھی سَلَفٌ کہا جاتا ہے۔

اَلسَّالِفَةُ گردن کے کنارے کو کہتے ہیں اور لڑائی میں ہراول دستہ یا سفر میں قافلہ سے آگے جانے والے لوگوں کو سَالِفَةٌ اور سُلَّافٌ کہا جاتا ہے۔ سُلَافَةُ الْخَمْرِ باقی ماندہ عصیرہ۔ اَلسُّلْفَةُ (ناشتہ) یعنی وہ طعام جو مہمانی سے پہلے مہمان کو پیش کیا جائے۔ محاورہ ہے۔

سَلِّفُوْا ضَيْفَكُمْ وَلَهِّنُوْهُ اپنے مہمان کو نکل کھلاؤ۔

(س ل ق)

اَلسَّلْقُ قہر و غلبہ کے ساتھ دست یا زبان درازی کرنا کے ہیں اور اسی سے تَسَلَّقَ عَلَى الْحَائِطِ ہے جس کے معنی دیوار پھاندنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (۳۳-۱۹) تو تیز زبانوں کے ساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کریں گے۔

محاورہ ہے۔ سَلَقَ اِمْرَاَتَهٗ اپنی عورت کو زبردستی لٹا کر اس کے ساتھ جماع کیا۔ مسیلمہ نے ایک عورت سے کہا[2]۔ (

(۲۳۵) اِنْ شِئْتِ سَلَقْنَاكِ
وَاِنْ شِئْتِ عَلٰى اَرْبَعٍ

چاہو تو چت لیٹ جاؤ اور چاہو تو پٹ لیٹو۔

اور سَلْقٌ کے معنی شلیتے کے ایک حلقہ کو دوسرے میں داخل کرنے کے ہیں اور میدہ کی روٹی کو سَلِيْقَةٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع سَلَائِقُ آتی ہے۔ اور سَلِيْقَةٌ بمعنی طبیعت بھی آتا ہے اور سَلَقٌ کے معنی ہموار اور عمدہ زمین کے ہیں۔

(س ل ك)

اَلسُّلُوْكُ (ن) اس کے اصل معنی راستہ پر

---

[1] وفی البیضاوی: الاستثناء من المعنی اللازم للنهی ویحتمل الانقطاع (انوار التنزیل ج ۱ ص ۸۳ بجلالین علی الهوامش [2] فی اربع ابیات مقیدة، لقافیه خاطب بها سجاح التی تنبأت من بنی تغلب فی خلوة لم واقعها فصدقت بنبوته انظر القصة فی الطبری (۲ : ۹۹۴) والمحاضرات ۴/ ۳۴۱ و فی روایته علقناك بدل سلقناك محرف ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلنے کے ہیں۔ جیسے سَلَکْتُ الطَّرِیْقَ اور یہ فعل متعدی بن کر بھی استعمال ہوتا ہے یعنی راستہ پر چلانا چنانچہ پہلے معنی کے متعلق فرمایا۔

لِتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۷۱-۲۰) تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔

فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا (۱۶-۶۹) اور اپنے پروردگار کے صاف راستوں پر چلی جا۔

یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ (۷۲-۲۷) اور اس کے آگے ..... مقرر کر دیتا ہے۔

وَسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا (۲۰-۵۳) اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے۔

اور دوسرے معنی یعنی متعدی کے متعلق فرمایا۔

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ (۷۴-۴۲) کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے۔

کَذٰلِکَ نَسْلُکُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ (۱۵-۱۲) اس طرح ہم اس (تکذیب وضلال) کو گنہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔

کَذٰلِکَ سَلَکْنٰهُ (۲۶-۲۰۰) اسی طرح ہم نے انکار کو ..... داخل کر دیا۔

فَاسْلُکْ فِیْهَا (۲۳-۲۷) تو ... کشتی میں بٹھالو۔

یَسْلُکْهُ عَذَابًا صَعَدًا (۷۲-۱۷) وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

بعض نے سَلَکْتُ فُلَانًا فِیْ طَرِیْقِهٖ کی بجائے سَلَکْتُ فُلَانًا طَرِیْقًا کہا ہے اور عَذَابًا کو یَسْلُکْهُ کا دوسرا مفعول بنایا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عَذَابًا فعل محذوف کا مصدر ہے اور یہ اصل میں نُعَذِّبُهٗ عَذَابًا ہے اور نیزے کی بالکل سامنے کی اور سیدھی ضرب کو طَعْنَةٌ سُلْکَةٌ کہا جاتا ہے۔ (سُلْکٰی سیدھا نیزہ) اور سُلْکَةٌ مادہ کبک کو کہتے ہیں اس کا مذکر سُلَکٌ ہے۔

(س ل م)

اَلسَّلْمُ وَالسَّلَامَةُ کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ .... (۲۶-۸۹) پاک دل (لے کر آیا وہ بچ جائے گا۔ یعنی وہ دل جو دغا اور کھوٹ سے پاک ہو تو یہ سلامت باطن کے متعلق ہے اور ظاہری عیوب سے سلامتی کے متعلق فرمایا۔

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا (۲-۷۱) اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔

پس سَلِمَ یَسْلَمُ سَلَامَةً وَسَلَامًا کے معنی سلامت رہنے اور سَلَّمَهُ اللّٰهُ (تفعیل) کے معنی سلامت رکھنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا۔

وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ (۸-۴۳) لیکن خدا نے (تمہیں) اس سے بچا لیا۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ (۱۵-۴۶) ان میں سلامتی (اور خاطر جمع) سے داخل ہو جاؤ۔

اسی طرح فرمایا۔

اِهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا ..... (۱۱-۴۸) ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ ..... اتر آؤ۔

اور حقیقی سلامتی تو جنت ہی میں حاصل ہو گی جہاں کہ بقا ہے۔ فنا نہیں، غنا ہے احتیاج نہیں، عزت ہے۔ ذلت نہیں، صحت ہے بیماری نہیں چنانچہ اہل جنت کے متعلق فرمایا۔

لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ (۶-۱۲۸) ان کے لئے ..... سلامتی کا گھر ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اللہ یدعوا الی دار السلام (۱۰-۲۵) اور خدا سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ..... (۵-۱۶) جس سے خدا اپنی رضامندی پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے۔

ان تمام آیات میں سلام بمعنی سلامتی کے ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں السلام اسمائے حسنیٰ سے ہے اور یہی معنی آیت لھم دار السلام میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور آیت:۔

السلام المؤمن المھیمن (۵۹-۲۳) سلامتی امن دینے والا نگہبان۔

میں بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وصف سلام کے ساتھ موصوف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو عیوب و آفات مخلوق کو لاحق ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے۔ اور آیت:۔

سلام قولا من رب رحیم (۳۶-۵۸) پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائیگا)

سلام علیکم بما صبرتم (۱۳-۲۴) (اور کہیں گے) تم پر رحمت ہو (یہ) تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے۔

سلام علی ال یاسین (۳۷-۱۳۰) کہ الیاسین پر سلام اور اس مفہوم کی دیگر آیات میں سلام علیٰ آیا ہے تو ان میں لوگوں کی جانب سے تو سلامتی بذریعہ قول مراد ہے یعنی سلام علی الخ کے ساتھ دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلامتی بالفعل مراد ہے یعنی جنت عطا فرمانا۔ جہاں کہ حقیقی سلامتی حاصل ہوگی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آیت:۔

واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (۲۵-۶۳) اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔

میں قالوا سلاما کے معنی ہیں ہم تم سے سلامتی چاہتے ہیں۔ تو اس صورت میں سلاما منصوب بالفعل المضمر ہوگا یعنی نطلب منک السلام اور بعض نے قالوا سلاما کے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ اچھی بات کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ مصدر محذوف (یعنی قولا) کی صفت ہوگا۔ اور آیت کریمہ۔

اذ دخلوا علیہ فقالوا سلاما قال سلام (۵۱-۲۵) جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔

میں دوسرے سلام پر رفع اس لئے ہے کہ یہ باب دعا سے ہے اور صیغہ دعا میں رفع زیادہ بلیغ ہے گویا اس میں حضرت ابراہیمؑ نے اس ادب کو ملحوظ رکھا ہے جس کا کہ آیت:۔

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا (۴-۸۶) اور جب تم کو کوئی دعا دے تو (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) (سے اسے) دعا دو۔

میں حکم دیا گیا ہے اور ایک قرات میں سلم ہے تو یہ اس بنا پر ہے کہ سلام (سلم (صلح) کو چاہتا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے خوف محسوس کر چکے تھے پھر جب انہیں سلام کہتے ہوئے سنا تو اس کو پیغام صلح پر محمول کیا اور جواب میں سلام کہہ کر اس بات پر تنبیہ کی کہ جیسے تم نے پیغام صلح دیا ہے۔ ایسے ہی میری جانب سے بھی پیغام صلح قبول ہو۔

اور آیت کریمہ:۔

لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلاما سلاما (۵۶-۲۵، ۲۶) وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ (ہاں) ان کا کلام سلام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلام دہوگا)
کے معنی یہ ہیں کہ یہ بات صرف بذریعہ قول ہی نہیں ہوگی۔
بلکہ قولاً اور فعلاً دونوں طرح ہوگی۔ اسی طرح آیت:۔
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (۵۶-۹۱) تو کہا
جائیگا کہ تم پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام۔
میں بھی سلام دونوں معنی پر محمول ہوسکتا ہے اور آیت:۔
وَقُلْ سَلٰمٌ (۴۳-۸۹) اور سلام کہہ دو۔
میں بظاہر تو سلام کہنے کا حکم ہے لیکن فی الحقیقت
ان کے شر سے سلامتی کی دعا کرنے کا حکم ہے اور آیات
سلام جیسے:۔
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ (۳۷-۷۹) (یعنی تمام
جہان میں ..... نوح پر سلام۔
سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (۳۷-۱۲۰) کہ موسیٰ اور
ہارون پر سلام۔
سَلٰمٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ (۳۷-۱۰۹) ابراہیم پر سلام۔
میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء ابراہیم کو
اس قدر بلند مرتبہ عطا کیا تھا کہ لوگ ہمیشہ ان کی تعریف
کرتے اور ان کے لئے سلامتی کے ساتھ دعا کرتے رہیں
گے اور فرمایا:۔
فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ (۲۴-۶۱)
اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام
کیا کرو۔ یعنی تم ایک دوسرے کو سلام کہا کرو۔
اَلسَّلَامُ وَالسِّلْمُ وَالسَّلَمُ کے معنی صلح کے ہیں۔
چنانچہ فرمایا۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا (۴-۹۴) اور جو شخص تم سے سلام
علیک کہے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے حق میں
نازل ہوئی ہے جسے باوجود اظہار اسلام اور طلب صلح
کے قتل کر دیا گیا تھا اور فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً
(۲-۲۰۸) مومنوں اسلام میں پورے پورے
داخل ہو جاؤ۔
وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ (۸-۶۱) اور اگر یہ لوگ صلح
کی طرف مائل ہوں۔
اس میں ایک قرأت سَلْم (بفتحہ سین) بھی ہے۔
وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ (۱۶-۸۷)
اور اس دن خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔
يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ (۶۸-۴۳)
(اس وقت) سجدے کے لئے بلائے جاتے تھے۔
جب کہ صحیح و سالم تھے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ (۳۹-۲۸) اور ایک
آدمی خاص ایک شخص کا (غلام) ہے۔
میں ایک قراءت سَلْمًا وَسِلْمًا بھی ہے اور یہ دونوں
مصدر ہیں اور حَسَنٌ وَنَكَدٌ کی طرح صفت کے
صیغے نہیں ہیں کہا جاتا ہے۔
سَلِمَ سَلْمًا وَسِلْمًا جیسے رَبِحَ رَبْحًا وَرِبْحًا
اور بعض نے کہا ہے کہ سِلْمٌ اسم ہے اور اس
کی ضد حَرْبٌ ہے۔
اَلْاِسْلَامُ اس کے اصل معنی سِلْمٌ (صلح) میں
داخل ہونے کے ہیں اور صلح کے معنی یہ ہیں کہ فریقین
باہم ایک دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچنے سے
بے خوف ہو جائیں۔ اور یہ اَسْلَمْتُ الشَّيْءَ
اِلٰى فُلَانٍ (باب افعال) کا مصدر ہے اور اسی
سے بیع سَلَم ہے۔
شرعاً اسلام کی دو قسمیں ہیں کوئی انسان محض
زبان سے اسلام کا اقرار کرے دل سے معتقد ہو
یا نہ ہو اس سے انسان کا جان و مال اور عزت محفوظ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتی ہے مگر اس کا درجہ ایمان سے کم ہے۔ اور آیت:۔
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (۴۹-۱۴) دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو اسلام لائے ہیں۔
میں اَسْلَمْنَا سے یہی معنی مراد ہیں۔ دوسرا درجہ اسلام کا وہ ہے جو ایمان سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان کے اعتراف کے ساتھ ساتھ دلی اعتقاد بھی ہو اور عملاً اس کے تقاضوں کو پورا کرے مزید برآں یہ کہ ہر طرح سے قضا و قدر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ جیسا کہ آیت:۔
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۲-۱۳۱) جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا۔ کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے اور فرمایا:۔
اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳-۱۹) (کہ) دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے۔ اور آیت:۔
وَتَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (۱۲-۱۰۱) تو مجھے اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھائیو۔ کا مفہوم یہ ہے کہ مجھے ان لوگوں میں داخل کیجو جو تیری رضا کے تابع ہیں اور بعض نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ مجھے کلیتہً شیطان کے پنجے سے آزاد کر دے۔ جیسا کہ شیطان نے کہا تھا۔
لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (۳۸-۸۳) میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔ سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ اور آیت:۔
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳۰-۵۳) تم تو انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی فرمانبردار ہیں۔
میں مسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ اور آیت:۔
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (۵-۴۴) اسی کے مطابق انبیا جو (خدا کے) فرمانبردار تھے ... حکم دیتے رہے ہیں۔
میں وہ انبیاء مراد ہیں جو اگرچہ اولوالعزم پیغمبروں کے تابع تھے لیکن حکم الٰہی سے ہدایت پا گئے تھے اور مستقل شرائع لے کر مبعوث ہوئے تھے
اَلسُّلَّمُ اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بلند مقامات پر چڑھا جاتا ہے۔ تاکہ سلامتی حاصل ہو پھر سَبَبٌ کی طرح ہر اس چیز کو سُلَّمٌ کہا گیا ہے جو کسی بلند جگہ تک پہنچنے کا وسیلہ بنے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ (۵۲-۳۸) یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں۔
اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ (۶-۳۵) یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کرو)
اور شاعر نے کہا ہے[1]۔ (الطویل)
(۲۳۶) وَلَوْ نَالَ اَسْبَابَ السَّمَآءِ بِسُلَّمِ
گو سیڑھی لگا کر آسمان پر کیوں نہ چڑھ جائے۔
اور سَلْمٌ وَسِلَامٌ ایک قسم کے بڑے درخت کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] لرہیر واولہ ومن ھاب اسباب المنیۃ ینلنہ..... وفی اللسان وام مدن نال وتدمرنی دبرع ، وفی البیع لابن الانباری ۲۸۱۴ ، ولو رام ان یرتقی السماء بسلم ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلسِّلَامُ: ایک قسم کا سخت پتھر اس کا واحد سَلِمَۃٌ ہے۔

(س ل و)

اَلسَّلْوٰی اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے لئے تسلی کا باعث ہو اسی سے اَلسُّلْوَان وَالتَّسَلِّی ہے جس کے معنی اطمینان اور راحت کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:-

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ..... (۲-۵۷) اور تمہارے لئے من وسلویٰ اتارتے رہے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ بٹیر کی قسم کے جانور مراد ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ من ایک چیز ہے جو آسمان سے اترتی تھی اور سلویٰ ایک پرند کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے حضرت ابن عباسؓ کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مَنّ اور سَلْوٰی کے الفاظ بطور مثال کے ذکر کئے گئے ہیں اور مراد وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے گوشت اور سبزیوں کی صورت میں انہیں دیا تھا۔ اصل میں سلویٰ کا لفظ تَسَلِّیْ سے ماخوذ ہے اور سَلَیْتُ عَنْ کَذَا وَسَلَوْتُ عَنْہُ وَتَسَلَّیْتُ کے معنی کسی چیز سے تسلی حاصل کرنے اور اس کی محبت کو بھلا دینے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ سُلْوَان اسے کہتے ہیں جو انسان کو تسلی دے اور ایک قسم کے مہرے کو بھی سُلْوَانٌ کہا جاتا ہے جسے عرب لوگ محبت اور عشق سے تسلی حاصل کرنے کے لئے گھس کر پیتے تھے۔

(س م م)

اَلسَّمُّ (بفتحہ سین وضمہ آں) کے معنی تنگ سوراخ کے ہیں جیسے سوئی کا ناکہ یا ناک اور کان کا سوراخ ہوتا ہے۔ اس کی جمع سُمُوْم آتی ہے قرآن میں ہے۔

حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷-۴۰) یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔ اور سَمَّہٗ (ن) کے معنی کسی چیز میں گھس جانا کے ہیں۔ اور اسی سے اَلسَّامَّۃُ ہے یعنی وہ خاص لوگ جو ہر معاملہ میں گھس کر اس کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور انہیں دُخْلُ بھی کہا جاتا ہے۔

اَلسَّمُّ: زہر قاتل کو کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنے لطف تاثیر سے بدن کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور یہ اصل میں مصدر بمعنی فاعل ہے۔

اَلسَّمُوْم (لو) گرم ہوا جو زہر کی طرح بدن کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:-

وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (۵۲-۲۷) اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا۔

فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ۔ (۵۶-۴۲) (یعنی دوزخ کی) لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی میں۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۱۵-۲۷) اور جنوں کو اس سے بھی پہلے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔

(س م د)

اَلسَّامِدُ: غافل تکبر سے سر اٹھانے والا یہ سَمَدَ الْبَعِیْرُ فِیْ سَیْرِہٖ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اونٹ کے گردن اٹھا کر تیز چلنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:-

وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ (۵۳-۶۱) اور تم غفلت میں پڑے رہے ہو۔

اور سَمَدَ رَأْسَہٗ وَسَبَدَ کے معنی سر کے بالوں کو جڑ سے مونڈ ڈالنے کے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(س م ر)

اَلسُّمْرَۃُ گندمی رنگ کو کہتے ہیں اور کنایہ کے طور پر سَمْرَاءُ گندم کو کہا جاتا ہے اور اَلسَّمَارُ پتلا دودھ جس میں بکثرت پانی کی آمیزش ہو۔

اَلسَّمُرَۃُ ببول کا درخت غالباً اس کی رنگت کے اعتبار سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

اَلسَّمَرُ۔ اصل میں رات کی تاریکی کو کہتے ہیں اور اسی سے محاورہ ہے (مثل) لَا آتِیْكَ السَّمَرَ وَالْقَمَرَ کہ میں تیرے پاس کبھی نہیں آؤں گا پھر رات کو باتیں کرنا کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے اور سَمَرَ فُلَانٌ کے معنی ہیں اس نے رات کو باتیں کی۔ اسی سے مشہور محاورہ ہے[1]

لَا آتِیْكَ مَا سَمَرَ ابْنَا سَمِیْرٍ کہ میں تیرے پاس کبھی نہیں آؤں گا اور آیت کریمہ:۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ (۲۳-۶۷) ان سے سرکشی کرتے کہانیوں میں مشغول ہوتے اور بیہودہ بکواس کرتے تھے۔

میں بعض نے اس کے معنی سُمَّارٌ کئے ہیں تو ان کے نزدیک مفرد موضع جمع میں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ سَامِرٌ کے معنی تاریک رات کے ہیں۔ سَامِرٌ کی جمع سُمَّارٌ۔ سَمَرَۃٌ اور سَامِرُوْنَ آتی ہے۔ اور سَمَّرْتُ الشَّیْءَ (ن) کے معنی کسی چیز میں میخ لگا کر مضبوط اور استوار کرنے کے ہیں اور مہمل چھوڑے ہوئے اونٹوں کو اِبِلٌ مُسَمَّرَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور سَامِرِیٌّ[2] ایک قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔

(س م ع)

اَلسَّمْعُ۔ قوت سامعہ۔ کان میں ایک حاسہ کا نام ہے جس کے ذریعہ آوازوں کا ادراک ہوتا ہے اور اس کے معنی سننا (مصدر) بھی آتے ہیں اور کبھی اس سے خود کان مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (۲-۷) خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے۔

اور کبھی لفظ سماع کی طرح اس سے مصدری معنی مراد ہوتے ہیں (یعنی سننا) چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (۲۶-۲۱۲) وہ (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات) سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (۵۰-۳۷) یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے۔

اور کبھی سَمْعٌ کے معنی فہم و تدبر اور کبھی طاعت بھی آجاتے ہیں مثلاً تم کہو۔ اِسْمَعْ مَا اَقُوْلُ لَكَ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ لَمْ تَسْمَعْ مَا قُلْتُ لَكَ تم نے میری بات سمجھی نہیں۔

قرآن میں ہے:۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا ...... (۸-۳۱) اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے اگر چاہیں تو اسی طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ دیں۔

اور آیت:۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (۲-۹۳) (وہ کہنے لگے) ہم نے سن تو لیا۔ مگر مانتے نہیں کے معنی ہیں

---

[1] انظر للمثل المستقصی والثمار ۲۲ والعسکری ۱۹۶، ۲/۲۲۴ واللسان والتاج (سمر) ۱۲ [2] ابنا سمیر اللیل والنہار فالمراد الدہر فمعنی المثل لا آتیک ابداً راجع السمط ۵۳۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم نے تمہاری بات سمجھ لی ہے مگر مانتے کے نہیں۔
اسی طرح آیت :۔
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (۲-۲۸۵) کے معنی ہیں ہم نے
تیرا حکم سمجھ لیا اور قبول کیا"
اور آیت :۔ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا
وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (۸-۲۱) اور ان لوگوں جیسے نہ
ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم خدا) سن لیا مگر (حقیقت
میں) نہیں سنتے۔
میں سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ کے یہ معنی بھی ہو سکتے
ہیں۔ کہ ہم نے سمجھ لیا حالانکہ وہ سمجھتے نہیں۔ اور یہ بھی کہ
ہم نے سمجھ لیا مگر وہ اس کے مطابق عمل نہیں کرتے
کیونکہ جب انہوں نے اس کے مطابق عمل نہ کیا تو
گویا اس شخص کی طرح ہیں جو سرے سے سنتا ہی نہیں۔
پھر اس کے بعد فرمایا۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا
لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا ....
(۸-۲۳) اگر خدا ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو
سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت
کے) سماعت دیتا تو وہ ..... بھاگ جاتے۔
تو یہاں بھی وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ کے معنی ہیں اگر وہ انہیں
قوت فہم بخشتا جس سے وہ سمجھتے۔ اور آیت (۴-۴۶)
میں وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ (سنیے نہ سنوائے جاؤ) کا
محاورہ دو طرح بولا جاتا ہے۔ ایک بددعا کے طور
پر کہ وہ بہرا ہو جائے۔ دوم دعا کے طور پر پہلے
معنی کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ اَسْمَعَكَ اللّٰهُ۔
اللہ تجھے بہرہ کر دے اور دوسرے معنی کے لحاظ
سے اَسْمَعْتُ فُلَانًا بولتے ہیں یعنی میں نے
فلاں کو خوب سنائیں یعنی گالیاں دیں تو یہ گالی دینے
کے معنی میں متعارف ہے۔
مروی ہے کہ اہل کتاب نبی صلعم کو یہ کلمہ کہا کرتے
اور اس سے آں حضرت کو اس فریب میں ڈالنے کی
کوشش کرتے کہ وہ آپ کی تعظیم کرتے ہیں اور
آپ کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ
آپ کے حق میں بددعا کرتے تھے۔
ہر وہ مقام جہاں اللہ تعالےٰ نے مومنوں کے لئے
سماعت کو ثابت کیا ہے یا کفار سے اس کی نفی
کی ہے یا اس کی کوشش پر رغبت دلائی ہے تو اس
سے مقصود اس کلام کے معنی کی طرف توجہ دینا اور
اس میں غور و فکر کرنا ہے۔ جیسے فرمایا :۔
اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا (۷-۱۹۵) یا ان
کے کان ہیں جن سے سنیں ؟۔
اور (کفار سے نفی کرتے ہوئے) فرمایا :۔
صُمٌّ بُكْمٌ (۲-۱۸) (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں۔
وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ (۴۱-۴۴) اور ان کے کانوں
میں گرانی (یعنی بہرا پن) ہے۔
اور جب سمع کے ساتھ ذات باری تعالیٰ متصف
ہو تو اس سے مراد یا تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام
مسموعات کا علم ہے یا یہ کہ اس نے جزا دینے کا
ارادہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے :۔
قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا
(۵۸-۱) (اے پیغمبر) جو عورت تم سے اپنے شوہر
کے بارے میں بحث و جدال کرتی ہے ....
خدا نے اس کی التجا سن لی۔
لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا (۳-۱۸۱) خدا نے
ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ .....
اور آیت کریمہ :۔
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ
(۲۷-۸۰) کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو (بات) نہیں
سنا سکتے اور نہ بہروں کو .... آواز سنا سکتے ہو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں لَا تُسْمِعُ کے معنی یہ ہیں کہ تم انہیں کچھ بھی سمجھا نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے قوت عاقلہ کو جو کہ انسانیت کے لئے مخصوص سرمایہ حیات ہے کھو بیٹھے ہیں مردوں کی طرح ہیں۔ اور آیت:۔ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (۱۸-۲۶) وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے۔

میں اس شخص کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص حکمت الٰہی کے عجائبات سے کس قدر آگاہ ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق مَا اَبْصَرَهٗ وَمَا اَسْمَعَهٗ کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے یہ بیان ہوچکا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو صرف انہی صفات کے ساتھ موصوف کیا جاسکتا ہے جو بطریق سمع ثابت ہوں۔ اور کفار کے متعلق جو یہ فرمایا ہے۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (۱۹-۳۸) وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے۔

تو اس کے معنی یہ ہیں جو باتیں ان کے اپنے نفوس پر ظلم کرنے اور نظر و فکر ترک کردینے کی وجہ سے آج ان پر مخفی ہیں وہ اس روز ان کو سن اور دیکھ رہے ہونگے۔ اور فرمایا:۔

خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا (۲-۹۳) کہ جو کتاب تم کو دی گئی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو اور جو تمہیں حکم ہوتا ہے اس کو سنو۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (۵-۴۲) (یہ) جھوٹی باتیں بنانے کے لئے جاسوسی کرنے والے۔

یعنی وہ سرداروں کے سامنے جھوٹی باتیں بنانے کیلئے تمہاری باتیں سنتے ہیں اور آیت:۔

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (۵-۴۱) اور ایسے لوگوں کے لئے جاسوسی کرتے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے۔

یعنی وہ تمہاری باتوں کو ان تک پہنچانے کیلئے سنتے ہیں

اَلْاِسْتِمَاعُ اس کے معنی غور سے سننے کے ہیں جیسے فرمایا:۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ...... (۱۷-۴۷) یہ لوگ جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جس نسبت سے یہ سنتے ہیں۔ ہم اسے خوب جانتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ (۶-۲۵) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تمہاری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ (۱۰-۴۲) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ (۵۰-۴۱) اور سنو جس دن پکارنے والا ..... پکارے گا۔

اور آیت:۔ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ (۱۰-۳۱) یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے۔

یعنی ان کا پیدا کرنے والا اور ان کی حفاظت کا متولی کون ہے۔

اور مِسْمَعٌ یا مَسْمَعٌ کے معنی کان کے سوراخ کے ہیں اور اسی کے ساتھ تشبیہ دے کر ڈول کے دستہ کو جس میں رسی باندھی جاتی ہے مِسْمَعُ الْغَرْبِ کہا جاتا ہے۔

(س م ك)

اَلسَّمْكُ چھت کو کہتے ہیں اور سَمَكَهٗ (ن) کے معنی بلند کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا (۷۹-۲۸) اس کی چھت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اونچا کیا پھر اسے برابر کیا۔
شاعر نے کہا ہے[1]۔ (الکامل)

(۲۳۷) إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا

وہ ذات جس نے آسمان کو بلند بنایا۔
اور ایک دعاء ماثورہ میں ہے[2] (۹۱) یَا بَارِئَ السَّمٰوٰتِ الْمَسْمُوْكَاتِ اے بلند آسمان کے پیدا کرنے والے۔
اور سَنَامٌ سَامِكٌ بلند کوہان کو کہتے ہیں اور ہر اس چیز کو جس سے کوئی چیز بلند کی جائے۔ اسے سِمَاكٌ (بکسرہ سین) کہا جاتا ہے اور سِمَاكٌ ایک ستارے کا نام بھی ہے اور اَلسَّمَكُ کے معنی مچھلی کے ہیں۔

(س م ن)

اَلسِّمَنُ کے معنی موٹاپے کے ہیں اور یہ ھُزَالٌ کی ضد ہے اور سَمِيْنٌ (صیغہ صفت کے معنی ہیں فربہ ج سِمَانٌ قرآن میں ہے:۔
أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ (۱۲-۴۶) ہمیں اس خواب کی تعبیر بتایئے کہ سات موٹی گایوں ....
اور أَسْمَنْتُهُ وَسَمَّنْتُهُ کے معنی موٹا کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے۔
لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوْعٍ (۸۸-۷) جو نہ فربہی لائے اور نہ بھوک میں کچھ کام آئے۔
اَسْمَنْتُهُ فربہ جانور خریدنے یا دینے کے ہیں۔ اور اِسْتَسْمَنْتُهُ کے معنی فربہ پانے کے۔
اَلسُّمْنَةُ۔ ایک دوا جو فربہ ہونے کیلئے کھائی جاتی ہے۔ اَلسَّمْنُ۔ گھی کیونکہ گھی بھی فربہی کی قسم سے ہے اور اس کے کھانے سے انسان موٹا ہوتا ہے۔ اَلسُّمَانیٰ ایک پرند کا نام ہے۔

(س م و)

سَمَاءٌ ہر شے کے بالائی حصہ کو سَمَاءٌ کہا جاتا ہے شاعر نے ایک گھوڑے کی وصف میں کہا ہے[1]۔ (الطویل)

(۲۳۸) وَاَحْمَرُ كَالدِّيْبَاجِ اَمَّا سَمَاءُهُ
فَرَيَّا وَاَمَّا اَرْضُهُ فَمُحُوْلُ

وہ دیباج کی طرح سرخ ہے اس کا بالائی حصہ موٹا اور گداز ہے اور زیریں حصہ لاغر اور سخت ہے۔ بعض نے کہا ہے (کہ یہ اسماء نسبیہ سے ہے) کہ ہر "سماء" اپنے ماتحت کے لحاظ سے "سماء" ہے لیکن اپنے مافوق کے لحاظ سے "ارض" کہلاتا ہے۔ بجز سماء علیا (فلک الافلاک) کے کہ وہ ہر لحاظ سے سماء ہی ہے اور کسی کے لئے ارض نہیں بنتا۔ اور آیت :۔
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (۶۵-۱۲) خدا ہی تو ہے جس نے سات

---

[1] البیت للفرزدق من نقیضته المشهور مطلعها انّ البیت وتمامه: بیتًا دعائمه اعز واطول۔ والقصیدة فی دیوانه (۲: ۷۱۴-۷۲۵) والنقائض (۱: ۱۸۲ - ۲۱۱) والبیت فی العمدة (۱: ۲۵۲) وفیه قصة الفرزدق مع الطرماح ومجاز القرآن (۲: ۱۲۱) وشرح الدرة للخفاجی ۷۳ والمرزبانی فی المعجم ۴۶۷ والموشح ۱۲۳ وابن عقیل رقم ۲۷۸ ومصارع العشاق ۷۷ والصاحبی ۲۵۷ والطبری (۲۱: ۳۷) والقرطبی (۱۴: ۲۱) والخزانة (۳: ۱۴۷،۸۰۴) والاشباه النحویه (۳: ۱۹۳) والکامل ۶۹۷ والعینی (۴: ۴۲) [2] وفی النوادر ۱۷۳۔ اللهم داحی المدحوات وباری المسموکات الخ وانه الصلوة فی ۱۰ اسطاره ولهذه من جملة من الصلوة علی النبی التی کان علی یعلم اصحابه ۱۲ [3] قاله طفیل الغنوی وقدمر فی (ارض) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی زمینیں۔
کو اسی معنی پر محمول کیا ہے۔

نیز مَطَرٌ (بارش) کو بھی سَمَاءٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اوپر سے آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سماء اس بارش کو کہا جاتا ہے جو ہنوز زمین پر نہ گری ہو تو اس میں بھی بلندی کے معنی ملحوظ ہیں۔

اور نباتات کو بھی سَمَاءٌ کہا جاتا ہے یا تو اسلئے کہ وہ بارش سے اگتے ہیں اور یا اس لئے کہ وہ زمین سے بلند ہوتے ہیں پھر لفظ سماء جو ارض کے بالمقابل ہے مؤنث ہے لیکن کبھی مذکر بھی آجاتا ہے اور واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ (۲-۲۹)
پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا۔

اور کبھی اس کی جمع سَمٰوٰتٌ بھی بنا لیتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ (۳۱-۱۰) اسی نے آسمانوں کو۔۔۔۔ پیدا کیا۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ (۲۳-۱۶) ان سے پوچھو کہ آسمانوں۔۔۔۔ کا پروردگار کون ہے؟

اور آیت:۔ اَلسَّمَاۗءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ (۷۳-۱۸)
جس سے آسمان پھٹ جائیگا۔
میں سماء کو مذکر استعمال کیا ہے لیکن کئی ایک آیات جیسے اِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ (۸۴-۱) جب آسمان پھٹ جائے گا۔

اور آیت:۔ اِذَا السَّمَاۗءُ انْفَطَرَتْ (۸۲-۱)
جب آسمان پھٹ جائے گا۔
میں مؤنث استعمال ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سماء کا لفظ اشجار میں نَخْلٌ یا اس قسم کے دوسرے اسماء جنس کی طرح ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں اور سَمَاءٌ کے معنی بارش ہوں تو یہ ہمیشہ مذکر استعمال ہوگا اور اس کی جمع اَسْمِيَةٌ آئے گی اور کسی بلند چیز کے کالبد کو سَمَاوَةٌ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۲۳۹) سَمَاوَةُ الْهِلَالِ حَتّٰى احْقَوْقَفَا
(اور انہیں تدریجاً) افق پر ابھرے ہوئے چاند کو دیکھتی رہیں حتی کہ وہ ٹیڑھا ہو گیا۔

اور سَمَا اِلَى الشَّيْءِ کے معنی ہیں دور سے کسی چیز کا بلند شکل میں ظاہر ہونا۔

اور سَمَا الْفَحْلُ عَلَى الشَّوْلِ سَمَاوَةً سانڈھ اونٹ اونٹنی پر چڑھ گیا۔

اَلْاِسْمُ کسی چیز کی علامت جس سے اسے پہچانا جائے۔ یہ اصل میں سِمْوٌ ہے کیونکہ اس کی جمع اَسْمَاءٌ اور تصغیر سُمَيٌّ آتی ہے۔ اور اسم کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مسمی کا ذکر بلند ہوتا اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا (۱۱-۴۱)
اور (نوحؑ نے) کہا کہ خدا کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا (ہے) سوار ہو جاؤ۔

وَاِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۲۷-۳۰) وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور (مضمون یہ ہے) کہ شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اور آیت:۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ (۲-۳۱) اور اس آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔

---

[1] قالہ العجاج واولہ: ناج طواہ الاین مما وجفا طی اللیالی زلفا فزلفا والشطر فی اللسان (زلف) والمحکم (حقف) وقد مر فی (زلف) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسماء سے یہاں الفاظ و معانی دونوں مراد ہیں۔
خواہ مفرد ہوں خواہ مرکب اس اجمال کی تفصیل یہ ہے
کہ لفظ اسم دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ ایک اصطلاحی
معنی میں اور اس صورت میں ہمیشہ مخبر عنہ بنتا ہے۔
جیسے رَجُلٌ وَ فَرَسٌ دوم وضع اوّل کے لحاظ سے
اس اعتبار سے (کلمہ کی) انواع ثلاثہ یعنی مخبر عنہ (اسم)
خبر اور رابطہ (حرف) تینوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔
اور آیت کریمہ میں بھی دوسرے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ
آدم علیہ السلام نے جس طرح اسماء کی تعلیم حاصل کی
تھی۔ اسی طرح افعال وحروف کا علم بھی انہیں حاصل
ہو گیا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی چیز کی
ذات کا علم حاصل نہ ہو محض نام کے جاننے سے انسان
اسے دیکھ کر پہچان نہیں سکتا مثلاً اگر ہم ہندی یا
رومی زبان میں چند چیزوں کے نام حفظ کر لیں تو ان
چیزوں کے اسماء کے جاننے سے ہم ان کے مسمیات
کو نہیں پہچان سکیں گے۔ بلکہ ہمارا علم انہیں چند
اصوات تک محدود رہے گا اس سے ثابت ہوا کہ
اسماء کی معرفت مسمیات کی معرفت کو مستلزم نہیں
ہے اور نہ ہی محض اسم سے مسمیٰ کی صورت ذہن میں
حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا آیت:۔
وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ میں اسماء سے کلام کی انواع
ثلاثہ اور صور مسمیات مع ان کی ذوات کے مراد ہیں۔
اور آیت:۔
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَا
(۱۲-۴۰) جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے
ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے رکھ لئے ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ جن اسماء کی تم پرستش کرتے ہو ان
کے مسمیات نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اصنام ان اوصاف
سے عاری تھے۔ جن کا کہ وہ ان اسماء کے اعتبار سے
ان کے متعلق اعتقاد رکھتے تھے۔ اور آیت:۔
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ (۱۳-۳۳)
اور ان لوگوں نے خدا کے شریک مقرر کر رکھے
ہیں۔ ان سے کہو کہ (ذرا) ان کے نام تو لو۔
میں سَمُّوْهُمْ سے یہ مراد نہیں ہے کہ لات، عزّیٰ
وغیرہ ان کے نام بیان کرو بلکہ آیت کے معنی یہ
ہیں کہ جن کو تم اِلٰہٌ (معبود) کہتے ہو ان کے متعلق
تحقیق کر کے یہ تو بتاؤ کہ آیا ان میں ان اسماء کے
معانی بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کے ساتھ تم انہیں
موسوم کرتے ہو (یقیناً نہیں) اسی لئے اس کے بعد
فرمایا اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ
اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ..... (۱۳-۳۳) (کہ)
کیا تم اسے ایسی چیزیں بتاتے ہو جس کو وہ زمین
میں (کہیں بھی) معلوم نہیں کرتا یا (محض) ظاہری
(باطل اور جھوٹی) بات کی (تقلید کرتے ہو)
اور آیت:۔
تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ (۵۵-۷۸) تمہارے پروردگار
..... کا نام بڑا بابرکت ہے۔
میں اسم رب کے بابرکت ہونے کے معنی یہ ہیں
کہ اس کی صفات۔ الکریم۔ العلیم۔ الباری۔ الرحمٰن
الرحیم کے ذکر میں برکت اور نعمت پائی جاتی
ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (۸۷-۱) (اے پیغمبر)
اپنے پروردگار (جلیل الشان) کے نام کی تسبیح کرو۔
وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (۷-۱۸۰) اور (خدا کے
نام سب اچھے ہی اچھے ہیں۔
اور آیت:۔
اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔
(۱۹-۷) جس کا نام یحیی ہے۔ اس سے پہلے ہم نے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کیا۔
(۲) میں سَمِیًّا کے معنی ہم نام کے ہیں۔ اور آیت:۔
هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (۱۹-۶۵) بھلا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو۔
میں سَمِیًّا کے معنی نظیر کے ہیں یعنی کیا اس کی کوئی نظیر ہے جو اس نام کی مستحق ہو اور حقیقتاً اللہ کی صفات کے ساتھ متصف ہو اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کیا تم کسی کو ایسا بھی پاتے ہو جو اس کے نام سے موسوم ہو کیونکہ ایسے تو اللہ تعالٰی کے بہت سے اسماء ہیں جن کا غیر اللہ پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے یا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ان سے معانی بھی وہی مراد ہوں جو اللہ تعالٰی پر اطلاق کے وقت ہوتے ہیں۔ اور آیت:۔
يُسَمُّونَ الْمَلٰئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثٰى (۵۳-۲۷) اور وہ فرشتوں کو (خدا کی) لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔
میں لڑکیوں کے نام سے موسوم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرشتوں کو "بنات اللہ" کہتے ہیں۔

(س ن ن)

اَلسِّنُّ: دانت اس کی جمع اَسْنَانٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
اَلسِّنُّ بِالسِّنِّ (۵-۴۵) دانت کے بدلے دانت
سَانَّ الْبَعِيْرُ النَّاقَةَ نر اونٹ نے دانت سے کاٹ کر اونٹنی کو نیچے بٹھا لیا۔
اَلسَّنُوْنُ: دانتوں کا منجن (ایک دوا جس سے دانتوں کا علاج کیا جاتا ہے۔
سَنَّ الْحَدِيْدَ کے معنی لوہے کو تیز کرنے (اور پگھلانے کے ہیں) اور جس چیز سے لوہے کو تیز کرتے ہیں اسے مِسَنٌّ (سان) کہا جاتا ہے اور اَلسِّنَانُ (بھالا) خاص کر اس لوہے کو کہتے ہیں جو نیزے کے سرے میں لگایا جاتا ہے۔ پھر سَنَّ الْحَدِيْدَ (تیز کرنا) کے ساتھ تشبیہ دے کر سَنَنْتُ الْبَعِيْرَ کہا جاتا ہے جس کے معنی اونٹ کو سخت ہنکا کر دبلا کر دینے کے ہیں اور پگھلانے کے معنی کے لحاظ سے سَنَنْتُ الْمَاءَ بولتے ہیں جس کے معنی پانی بہانے کے ہیں۔ محاورہ ہے۔
تَنَحَّ عَنْ سَنَنِ الطَّرِيْقِ (بسین مثلثہ) راستہ کے کھلے حصہ سے ہٹ جاؤ۔ پس سُنَنٌ کا لفظ سُنَّةٌ کی جمع ہے اور سُنَّةُ الْوَجْهِ کے معنی دائرہ رخ کے ہیں اور سُنَّةُ النَّبِيِّ سے مراد آنحضرت کا وہ طریقہ ہے جسے آپ اختیار فرماتے تھے۔ اور سُنَّةُ اللّٰهِ سے مراد حق تعالٰی کی حکمت اور اطاعت کا طریقہ مراد ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (۴۸-۲۳) (یہی) خدا کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم خدا کی عادت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے۔
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (۳۵-۴۳) اور خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔
تو آیت میں اس بات پر تنبیہ پائی جاتی ہے۔ کہ شرائع کے فروعی احکام کی گو مختلف صورتیں چلی آئی ہیں لیکن ان سب سے مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی نفس کو پاک کرنا اور اسے اللہ تعالٰی کے ہاں ثواب اور اس کا جوار حاصل کرنے کے لئے تیار کرنا اور یہ مقصد ایسا ہے کہ اس میں اختلاف یا تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور آیت:۔
مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۱۵-۲۶) سڑے ہوئے گارے سے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بعض نے کہا ہے کہ مسنون کے معنی متغیر کے ہیں۔ اور آیت :۔
لَمْ يَتَسَنَّهْ ..... (۲-۲۵۹) دسری ایسی نہیں۔ میں لَمْ يَتَسَنَّهْ کے معنی بھی لَمْ يَتَغَيَّرْ ہیں اس میں ہا استراحت یعنی سکتہ کی ہے[1]۔

(س ن م)

قرآن میں ہے :۔ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ (۸۳-۲۷) اور اس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہوگی۔
بعض نے کہا ہے کہ تَسْنِيمٌ جنت میں ایک اعلیٰ قسم کے چشمے کا نام ہے۔ جیسا کہ بعد میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا :۔
عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ (۸۳-۲۸) وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے (خدا کے) مقرب پئیں گے۔

(س ن و)

اَلسَّنَا (اسم مقصور) چمک دار روشنی کو کہتے ہیں اور اَلسَّنَاءُ (ممدود) کے معنی رفعت کے ہیں۔ اور معنی رفعت کے اعتبار سے آب کشی کے جانور کو "سَانِيَةٌ" کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ (۲۴-۴۳) اور بادل میں جو بجلی ہے اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر کے بینائی کو اچکے لئے جاتی ہے۔
اور سَنَتِ النَّاقَةُ تَسْنُو کے معنی ہیں اونٹنی نے کنویں سے پانی نکالا اور زمین کو سیراب کیا اور ایسی اونٹنی کو سَانِيَةٌ کہا جاتا ہے (والجمع السوانی)
اَلسَّنَةُ (سال) اس کی اصل دو طرح بیان کی جاتی ہے ایک یہ کہ اصل میں سَنَهَةٌ ہے کیونکہ محاورہ ہے سَانَهْتُ فُلَانًا کہ میں نے فلاں سے سالانہ اجرت پر معاملہ کیا۔ نیز اس کی تصغیر سُنَيْهَةٌ آتی ہے اور ایک قول کے مطابق اسی سے لَمْ يَتَسَنَّهْ (۲-۲۵۹) ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ سالہا سال گزر جانے سے بھی متغیر نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی تازگی ختم ہوئی ہے۔
بعض کے نزدیک اس کی اصل سَنَوَةٌ ہے۔ کیوں کہ اس کی جمع سَنَوَاتٌ آتی ہے اور اسی سے سَانَيْتُ فعل ہے اس صورت میں سَنَةٌ میں ہا برائے وقف ہوگی۔ جیسا کہ کِتَابِيَهْ و حِسَابِيَهْ میں ہے[2]۔ قرآن میں ہے :۔
أَرْبَعِينَ سَنَةً (۵-۲۶) چالیس برس کے لئے۔
سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا (۱۲-۴۷) سات سال متواتر۔
ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ (۱۸-۲۵) تین سو برس۔
اور آیت :۔
وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ (۷-۱۳۰) اور ہم نے فرعونیوں کو کئی سال تک قحط میں مبتلا رکھا۔
میں سنین سے مراد قحط سالی ہے اور زیادہ تر سَنَةٌ کا لفظ قحط سالی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
أَسْنَتَ الْقَوْمُ لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔

---

[1] بناء على قراءة حمزة والكسائي واصله عندهم لم يتسنى (من الحاو) ويحتمل ان يكون اصله لم يتسنن ماخوذا من سنن فابدلت نونه الاخيرة حرف علة وسقطت بالجزم (راجع انوار التنزيل) ۱۲ [2] اصحاب المعاجم ذكره في (س ن ہ) و (س ن و) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۴۰) لَهَا اَرَجٌ مَاحَوْلَهَا غَيْرُ مُسْنِتٍ

جس کی خوشبو مہک رہی ہو اور اس کے اردگرد تازگی پھیلی ہوئی ہو۔ دوسرے شاعر نے کہا ہے[2]

(الطویل مخروم)

(۲۴۱) فَلَيْسَتْ بِسَنْهَاءٍ وَلَا رُجَبِيَّةٍ

اسے نہ تو خشک سالی نے نقصان پہنچایا ہے اور نہ ہی کمزور ہونے کی وجہ سے اسے ستون لگا کر کھڑا کیا گیا ہے۔

واضح ہے کہ اس شعر میں ہا اصلی ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا ہے[3]

(۲۴۲) يَاكُلُ اَزْمَانَ الْهُزَالِ وَالسِّنِيْ

جو ہزال اور قحط سالی کے زمانہ میں چرتا رہا ہو۔

یہاں اَلسِّنِيْ سَنَةٌ سے مُرَخَّمْ نہیں ہے۔ بلکہ یہ فُعُوْلٌ کے وزن پر جمع ہے جیسے مِائَةٌ کی جمع مِئِيْنٌ وَمِئُوْنَ آتی ہے اور عِصِيٌّ کی طرح فا کلمہ مکسور ہے مگر برعایت قافیہ تخفیف کر کے ایک یا کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ اور آیت:۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (۲-۲۵۵) اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند

میں سِنَةٌ وَسَنٌ سے ہے اور اس باب سے خارج ہے۔

(س ھ ر)

اَلسَّاهِرَةُ کے معنی میدان یا روئے زمین کے ہیں قرآن میں ہے:۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (۷۹-۱۴) اس وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔

بعض نے کہا ہے کہ سَاهِرَةٌ سے مراد روئے زمین (یعنی یہی زمین) ہے اور بعض کے نزدیک اَرْضِ آخرت مراد ہے اور اصل میں سَاهِرَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر کثرت سے آمد و رفت ہو۔ گویا وہ آمد و رفت سے بیدار ہو چکی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[4] (الطویل)

(۲۴۳) تَحَرَّكَ يَقْظَانُ التُّرَابِ وَنَائِمُهٗ

تو بیدار اور سوئی زمین ہل جاتی ہے۔

اور ناک کی دونوں رگوں کو اَسْهَرَانِ کہا جاتا ہے۔

(س ھ ل)

اَلسَّهْلُ کے معنی نرم زمین کے ہیں اس

---

[1] قاله الشنفرى الازدى وصدره: بريحانة من حلية نورت . . . . والبيت من كلمة مفضلية رقم ٢٠ في ٣٦ بيتا انظر الاغانى (٢١-٩٠) والبيت في اللسان (حلا) والمحكم (روح)، [2] قاله سويد بن الصامت الانصارى وقد نسب الى احيحة بن الجلاح قال في السمط (١: ٣٦١) والاول اثبت وتمامه: ولكن عرايا في السنين الجوائح. في ابيات ليصف نخلا بالجودة يقول: نخلى ليست بسنهاء ولا ممنوعة الثمر ولكن يعريها الناس: ورجبية يروى بفتح الجيم بالتخفيف والتشديد وكلاهما نسب نادر والتشديد اذهب في الشذوذ اهـ وفي مجالس ثعلب السنهاء النخلة التى تحمل سنة وسنة لا والرجبية التى يخاف سقوطها فيعمل لها رجبة وفي السمط الرجبة الحظيرة تبنى حول النخلة يمنع بها من ثمرها اى ليست ممنوعة الثمر واللفظان اختلف في تفسيرهما راجع اللسان (رجب، سنة، عرى) ومجالس ثعلب (٢: ٢٨٥) والقرطبى (٣: ٢٩٢) والامالى (١: ١٢٠) والاضداد لابى الطيب ٤٩ ومعانى القرآن المنسوب الى الفراء (١: ١٧٣) وغريب القرآن للقتبى ٤٩ [3] والبيت في اللسان (حتم) بغير عزو قال ابن برى: الشطر لامرءة من بنى عقيل تفخر باخوالها من اليمن وذكر ابو زيد انه للعامرية وصلته: حيدة خالى ولقيط وعلى وحاتم الطائى وهاب المئى ولم يكن كخالك العبد الدعى . . . هبلب غير ميتة غمر ذكى [4] قاله ابن ابى عيينة في قصيده وصدره: اذا نحن سرنا بين شرق ومغرب راجع الحماسة لشرح التبريزى ٢/٤٩ والمرزوقى ٢٨٠ والحيوان لابن ناقياص ٣٦٩ .

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جمع سُهُوْل آتی ہے اور یہ حَزْنٌ کی ضد ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا (۷-۷۴) (کہ) نرم زمین سے (مٹی لے کر) محل تعمیر کرتے ہو
اور اَسْهَلَ کے معنی نرم زمین میں جانے کے ہیں اور رَجُلٌ سَهْلِیٌّ کے معنی میدانی علاقہ کا باشندہ آدمی کے ہیں نَهْرٌ سَهْلٌ گدلے ریگ ناک اور نرم خو آدمی کو رَجُلٌ سَهْلُ الْخُلُقِ کہا جاتا ہے۔ (اس کی ضد) حَزْنُ الْخُلُقِ ہے اور سُهَيْلٌ ایک ستارے کا نام ہے۔

(س ھ م)

اَلسَّهْمُ وہ تیر جو چلایا جاتا ہے نیز قرعہ اندازی کے تیر وغیرہ کو مَسْهَمٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے قرآن میں ہے:۔
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (۳۷-۱۴۱) اس وقت قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔
اور اِسْتَهَمُوْا (افتعال) کے معنی قرعہ اندازی کرنے کے ہیں اور بُرْدٌ مُسَهَّمٌ اس چادر کو کہتے ہیں جس پر تیر کی تصویر ہو۔
سَهَمَ (ف)، سُهُوْمًا۔ اَلْوَجْهُ لاغری کی وجہ سے چہرے کا متغیر ہونا۔ اور اَلسُّهَامُ (بالضم والفتح) اس مرض کو کہتے ہیں جس سے چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔

(س ھ و)

اَلسَّهْوُ (ن) وہ غلطی جو غفلت کی وجہ سے سرزد ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اسباب اور مولدات انسان کے اپنے اختیار سے پیدا کردہ نہ ہوں جیسے مجنوں آدمی کا کسی انسان کو گالی دینا۔ دوم یہ کہ اس کے مولدات انسان کے خود پیدا کردہ ہوں جیسے کوئی شخص شراب نوشی کرے اور پھر اس سے (نشہ میں) بغیر ارادہ کے کوئی برائی صادر ہو پہلی قسم کی خطا تو عفو کے حکم میں ہے لیکن دوسری قسم کی خطا پر مواخذہ ہوگا۔ اور اس دوسری قسم کے سہو کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔
فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (۵۱-۱۱) بے خبری میں بھولے ہوئے ہیں۔
عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ (۱۰۷-۵) نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔

(س ی ب)

اَلسَّائِبَةُ (۵-۱۰۳) وہ جانور ہے جو چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور اسے پانی اور چارہ سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو (جاہلیت میں) اس قسم کی آزادی اس جانور کو دی جاتی تھی جو پانچ بچوں کو جنم دے چکا ہوتا[1]۔ اور اَلسَّائِبَةُ اس غلام کو بھی کہا جاتا ہے جو آزاد کیا جائے اور اس کی ولاء کا حقدار معتق (آزاد کنندہ) ہو[2] اور اسے حق حاصل ہو کہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور اسی کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے[3]۔
اَلسَّيْبُ عطا کو کہتے ہیں اور اَلسِّيْبُ (بکسرہ سین) پانی کے جاری ہونے کی جگہ اصل میں یہ سَيَّبْتُهُ فَسَابَ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا چنانچہ وہ چلا گئی اور اِنْسَابَ (انفعال) اَلْحَيَّةُ کے معنی ہیں

---

[1] فی الصحاح: حشرة البطن [2] وقد نهی عنه القرآن ولا سائبة (۵-۱۰۳) [3] کذا فی المطبوع وفی الصحاح: ولا یکون ولاؤه لاحد ... الصحیح ... العالم ...

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سانپ پانی کی طرح تیزی سے اپنے بل میں اتر گیا۔

(س ی ح)

اَلسَّاحَۃُ کے معنی فراخ جگہ کے ہیں اسی اعتبار سے مکان کے صحن کو سَاحَۃُ الدَّارِ کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ (۳۷-۱۷۷) مگر جب وہ ان کے میدان میں آ اترے گا۔
اور وسیع مکان میں ہمیشہ جاری رہنے والے پانی کو سَائِحٌ کہا جاتا ہے اور سَاحَ فُلَانٌ فِي الْاَرْضِ کے معنی پانی کی طرح زمین میں چکر کاٹنا کے ہیں قرآن میں ہے:۔
فَسِيحُوا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (۹-۲) تو (مشرکو تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔
اور اسی سے ہمیشہ سفر کرنے والے آدمی کو سَائِحٌ یا سَيَّاحٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت۔ اَلسَّائِحُونَ (۹-۱۱۲) روزہ رکھنے والے۔
میں سَائِحُونَ بمعنی صَائِمُونَ کے ہے۔ اسی طرح اَلسَّائِحَاتُ (۶۶-۵) سے روزہ رکھنے والی عورتیں مراد ہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ روزہ دو قسم پر ہے ایک حقیقی روزہ جو کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے سے عبارت ہوتا ہے اور دوسرا روزہ حکمی ہے۔ جو کہ جوارح یعنی آنکھ، کان اور زبان وغیرہ کو معاصی سے روکنے کا نام ہے۔ تو سَائِحُونَ سے دوسری قسم کے روزہ دار مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سَائِحُونَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو آیت:۔
اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا...... (۲۲-۴۶) کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان سے سن سکتے۔
کے مقتضٰی کے تحت زمین میں سفر کرتے ہیں (یعنی قدرت الٰہی کے آثار و عجائبات دیکھتے اور ان پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

(س و د)

اَلسَّوَادُ (ضد بیاض) سیاہ رنگ کو کہتے ہیں۔ اور اِسْوَدَّ (افعلال) وَاِسْوَادَّ (افعیلال) کے معنی کسی چیز کے سیاہ ہونے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (۳-۱۰۶) جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔
تو چہروں کے سفید ہونے سے اظہار مسرت اور سیاہ ہونے سے اظہار غم مراد ہے اسی طرح آیت:۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (۱۶-۵۸) حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے۔
میں بھی مُسْوَدًّا سے بھی مغموم ہونا ہی مراد ہے۔ بعض نے آیت:۔ تَبْيَضُّ الخ میں حسی سفیدی اور

---

[1] صحیح المستدرک للحاکم عن ابی ہریرۃ (وانظر کنز العمال ۵: ۲۷۰ رقم ۲۷۰ وفی الطبری ۱۱: ۲۸ مرفوعًا عن ابی ہریرۃ وفی اللسان قال الزجاج فی قول اہل التفسیر واللغۃ جمیعًا السائحون معنی الصائمون تاموس غریب القرآن للقیسی ۱۹۳۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاہی کے معنی مراد لئے ہیں۔ لیکن پہلا معنی زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ چیز تو قیامت کے دن اعمال کے اعتبار سے حاصل ہوگی عام اس سے کہ وہ دنیا میں سیاہ فام ہوں یا سفید فام اور اسی سفیدی اور سیاہی کو دوسری آیات میں یوں فرمایا ہے:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۷۵-۲۲) اس دن بہت سے منہ رونق دار ہوں گے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ (۷۵-۲۴) اور بہت سے منہ اس روز اداس ہوں گے۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (۸۰-۴۰، ۴۱) اور کتنے منہ ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا (۱۰-۲۷) اور ان کے منہ پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی ان کو خدا سے بچانے والا نہ ہوگا ان کے مونہوں (کی سیاہی) کا یہ عالم ہوگا کہ ان پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اوڑھا دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح مومنین کے متعلق حدیث میں آیا ہے[1]
يُحْشَرُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ کہ قیامت کے دن آثار وضو سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمک رہے ہوں گے۔

اور دور سے جو چیز نظر پڑے اسے بھی سواد کہا جاتا ہے اسی طرح آنکھ کی سیاہی کو بھی سَوَادُ الْعَيْنِ سے تعبیر کر لیتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے لَا يُفَارِقُ سَوَادِيْ سَوَادَهُ (میری آنکھ اس کے شخص سے جدا نہیں ہوتی اور بڑی جماعت کو بھی سَوَادٌ کہا جاتا ہے) جیسا کہ مروی ہے۔[2]
عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ (مسلمانوں کی بڑی جماعت کا ساتھ نہ چھوڑو اور نہ اس سے علیحدگی اختیار کرو)

اور سَيِّدٌ کے معنی بڑی جماعت کا سردار کے ہیں چنانچہ اضافت کے وقت سَيِّدُ الْقَوْمِ تو کہا جاتا ہے۔ مگر سَيِّدُ الثَّوْبِ یا سَيِّدُ الْفَرَسِ نہیں بولا جاتا اور اسی سے سَادَ الْقَوْمَ يَسُوْدُهُمْ کا محاورہ ہے چونکہ قوم کے رئیس کا مہذب ہونا شرط ہے اس اعتبار سے ہر فاضل النفس آدمی کو سَيِّدٌ کہا جاتا ہے چنانچہ آیت وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا (۳-۳۹) اور سردار ہوں گے اور عورت سے رغبت نہ رکھنے والے۔
میں بھی سَيِّدٌ کا لفظ اسی معنی پر محمول ہے۔ اور آیت۔ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا (۱۲-۲۵) اور دونوں کو ...... عورت کا خاوند مل گیا۔
میں خاوند کو سید کہا گیا ہے کیونکہ وہ بیوی کا نگران اور منتظم ہوتا ہے اور آیت:۔
رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا (۳۳-۶۷) اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا۔
میں سَادَتَنَا سے ولاۃ اور حکام مراد ہیں۔

(س ی ر)

اَلسَّيْرُ (ض) کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں اور چلنے والے آدمی کو سَائِرٌ وَسَيَّارٌ کہا جاتا ہے اور ایک ساتھ چلنے والوں کی جماعت کو سَيَّارَةٌ کہتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔

---

(۱) اخرجہ الشیخان عن ابی ہریرۃ وفی سندہ ایتہم جمیعا: ان امتی یدعون یوم القیامۃ غرا ..... راجع کنز العمال ۱۹ رقم ۹۷۴ (۲) رواہ ابن ماجۃ وتتمتہ:۔ ان امتی لن تجتمع علی ضلالۃ عن انس وذکرہ النبہانی فی الفتح ۱/۲۷۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَاءَتْ سَيَّارَةٌ (۱۲-۱۹) (اب خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب) ایک قافلہ وارد ہوا۔

سِرْتُ (ض) کے معنی چلنے کے ہیں اور سِرْتُ بِفُلَانٍ نیز سِرْتُهُ کے معنی چلانا بھی آتے ہیں اور معنیٰ تکثیر کے لئے سَيَّرْتُهُ کہا جاتا ہے۔

(الغرض سَيْرٌ کا لفظ چار طرح استعمال ہوتا ہے) چنانچہ پہلے معنی کے متعلق فرمایا:۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ (۱۲-۱۰۹) کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر (و سیاحت) نہیں کی۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ (۶-۱۱) کہو کہ (اے منکرین رسالت) ملک میں چلو پھرو۔

سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ (۳۴-۱۸) کہ رات ... چلتے رہو۔

اور دوسرے معنی یعنی سِرْتُ بِفُلَانٍ کے متعلق فرمایا:۔

سَارَ بِأَهْلِهِ (۲۸-۲۹) اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے۔

اور تیسری قسم (یعنی سِرْتُهُ بدوں صلہ) کا استعمال قرآن میں نہیں پایا جاتا اور چوتھی قسم (یعنی معنی تکثیر) کے متعلق فرمایا:۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ (۸۱-۳) اور پہاڑ چلائے جائیں گے

وَهُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۱۰-۲۲) وہی تو ہے جو تم کو جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرانے کی توفیق دیتا ہے

اور آیت:۔ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ (۶-۱۱) کہ ملک میں چلو پھرو۔

میں بعض نے کہا ہے کہ سیاحت جسمانی یعنی ملک میں سیر (و سیاحت) کرنا مراد ہے اور بعض نے سیاحت فکری یعنی عجائبات قدرت میں غور و فکر کرنا اور حالات سے باخبر رہنا مراد لیا ہے جیسا کہ اولیاء کرام کے متعلق مروی ہے۔

أَبْدَانُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَائِرَةٌ وَقُلُوبُهُمْ فِي الْمَلَكُوتِ جَائِلَةٌ (کہ ان کے اجسام تو زمین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی روحیں عالم ملکوت میں جولانی کرتی رہتی ہیں) بعض نے کہا ہے اس کے معنی ہیں عبادت میں اس طرح کوشش کرنا کہ اس کے ذریعہ ثواب الٰہی تک رسائی ہوسکے اور آنحضرت علیہ السلام کا فرمان[1] (۱)

سَافِرُوا تَغْنَمُوا سفر کرتے رہو غنیمت حاصل کر لوگے بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

پھر تَسْيِيرٌ دو قسم پر ہے ایک وہ جو چلنے والے کے اختیار و ارادہ سے ہو جیسے فرمایا:۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ (۱۰-۲۲) وہی تو ہے جو تم کو .... چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

دوم وہ جو بذریعہ جبر کے ہو اور سَائِرٌ یعنی چلنے والے کے ارادہ و اختیار کو اس میں کسی قسم کا دخل نہ ہو جیسے جبال کے متعلق فرمایا:۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۷۸-۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہوکر رہ جائیں گے۔

---

[1] ولفظہ الحدیث سافروا تصحوا وتغنموا والحدیث فی دمشق۔ عن ابن عباس والشیرازی فی الالقاب لمس وابونعیم فی الطب والقضاعی۔ عن ابن عمر وفی روایۃ: وتمنرقوا رعیب۔ عن محمد بن عبدالرحمن مرسلا، راجع للحدیث باختلاف الفاظہ کنزالعمال ج ۶ رقم ۲۸۸۸-۲۸۹۲ فانہ ذکرہ بطرقہ المختلفۃ: وقد عقدہ ابوالفتح بن ابی حصین فی بیت: سافروا تغنموا وقد قال علیہ السلام صوموا تصحوا راجع خاص الخاص للثعالبی ۱۶۰) وفی المعاہد ۲ / ۸۵ "تمام الحدیث" بدل "علیہ السلام" وقد نسبہ الی عبدالمحسن بن محمد الصوری ۱۲

www.KitaboSunnat.com

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۸۱-۳) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

اَلسِّيْرَةُ اس حالت کو کہتے ہیں جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے عام اس سے کہ اس کی وہ حالت طبعی ہو یا اکتسابی۔ کہا جاتا ہے:۔

فُلَانٌ حَسَنُ السِّيْرَةِ فلاں کی سیرت اچھی ہے۔

فلاں قَبِيْحُ السِّيْرَةِ اس کی سیرت بری ہے اور آیت سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (۲۰-۲۱) ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

میں سیرۃ اولیٰ سے اس عصا کا دوبارہ لکڑی بن جانا ہے۔

(س و ر)

اَلسَّوْرُ اس کے اصل معنی بلندی پر کودنے کے ہیں اور غصہ یا شراب کی شدت پر بھی سَوْرَةٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ سَوْرَةُ الْغَضَبِ اور سَوْرَةُ الشَّرَابِ (شراب کی تیزی) سُرْتُ اِلَيْكَ کے معنی ہیں میں تیری طرف چلا اور سَاوَرَنِیْ فُلَانٌ کے معنی ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے ہیں۔ اور مُسَاوِرٌ بمعنی وَثَّابٌ یعنی عربدہ گر کے ہیں اور اَلْاَسْوَارُ اَسَاوِرَةُ الْفُرْسِ کا مفرد ہے جس کے معنی تیرانداز کے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے۔

سِوَارُ الْمَرْاَةِ (عورت کا بازو بند) یہ بھی معرب ہے اور اصل میں دستوار ہے۔ بہرحال اس کی اصل جو بھی ہو اہل عرب اسے استعمال کرتے ہیں اور اس سے اشتقاق کر کے کہا جاتا ہے۔

سَوَّرْتُ الْمَرْاَةَ میں نے عورت کو کنگن پہنائے اور جَارِيَةٌ مُسَوَّرَةٌ وَّمُخَلْخَلَةٌ اس لڑکی کو کہتے ہیں جس نے بازو بند اور پازیب پہن رکھی ہو۔

قرآن میں ہے:۔

اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ (۴۳-۵۳) سونے کے کنگن۔۔۔

اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (۷۶-۲۱) چاندی کے کنگن۔۔۔

اور قرآن میں سونے کے ساتھ اَسْوِرَةٌ جمع لاکر پھر خاص کر اُلْقِيَ کا صیغہ استعمال کرنا اور فِضَّةٍ سے قبل اَسَاوِرَ کا لفظ لاکر اس کے متعلق حُلُّوْا کا صیغہ استعمال کرنے میں ایک خاص نکتہ ملحوظ ہے جس کی تفصیل دوسری کتاب میں بیان ہوگی۔[1]

اَلسُّوْرَةُ کے معنی بلند مرتبہ کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۲۴۴) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاكَ سُوْرَةً
تَرٰى كُلَّ مَلْكٍ دُوْنَهَا يَتَذَبْذَبُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسا مرتبہ بخشا ہے جس کے ورے ہر بادشاہ متذبذب نظر آتا ہے۔

اور سُوْرُ الْمَدِيْنَةِ کے معنی شہر پناہ کے ہیں اور سُوْرَةُ الْقُرْاٰنِ (قرآن کی سورت) یا تو سُوْرُ الْمَدِيْنَةِ سے ماخوذ ہے کیونکہ سورۃ بھی شہر پناہ کی طرح قرآن کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اس لئے انہیں سورۃ القرآن کہا جاتا ہے اور یا سورۃ بمعنی مرتبہ سے مشتق ہے۔ اور سورۃ بھی منازل قمر کی طرح ایک منزلۃ ہے اس لئے اسے سورۃ کہا جاتا ہے اور یہ دونوں اشتقاق اس وقت ہو سکتے ہیں جب اس میں واؤ کو اصلی مانا جائے لیکن اگر اسے اصل میں سُؤْرَةٌ مہموز مانا جائے تو یہ اَسْاَرْتُ سے

---

[1] اشارۃ الی تفسیر القرآن الذی الفہ بعد مفرداتہ [2] قالہ النابغۃ فی مدح نعمان بن المنذر معتذرًا انظر دیوانہ ۱۳ ومختار الشعر الجاہلی ۱۷۵ وتفسیر الطبری (۱۵: ۳۳۵) وامالی المرتضی (۱: ۸۷) والصناعتین ۷۵ مع آخر ونقد الشعر ۲۷ والحیوان (۳: ۹۵) والعقد (۵) والمصری (۳: ۹۲) والسیوطی ۸۰ والعقد الفرید ۲: ۱۲۳ والصاحبی ۱۹۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشتق ہوگا جس کے معنی کچھ باقی چھوڑ دینے کے ہیں اور سورۃ بھی چونکہ قرآن کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہوتی ہے اس لئے اسے سورۃ کہا جاتا ہے اور آیت :۔
سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا (۲۴-۱) یہ (ایک) سورۃ ہے جسے ہم نے نازل کیا۔
میں سورۃ سے مراد احکام و حکم ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اَسْاَرْتُ فِی الْقَدَحِ سے مشتق ہے جس کے معنی پیالہ میں کچھ باقی چھوڑنے کے ہیں۔
شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)
(۲۴۵) لَا بِالْحَصُوْرِ وَلَا فِیْھَا بِسَآرٍ
نہ تنگ دل اور بخیل ہے اور نہ عربدہ گر۔
ایک روایت میں وَلَا بِسَوَّارٍ ہے۔ جو سَوْرَۃٌ بمعنی شدت غضب سے مشتق ہے۔

(س و ط)

اَلسَّوْطُ (چمڑے کا کوڑا) بٹے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ پیٹا جاتا ہے۔ اصل میں سَوْطٌ کے معنی کسی چیز کو خلط ملط کرنا کے ہیں اور اس سے فعل سُطْتُہٗ وَسَوَّطْتُہٗ آتا ہے اور کوڑے کو سوط اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں بھی چند تسمے بٹنے سے باہم باہم خلط ملط ہو جاتے ہیں اور آیت :۔
فَصَبَّ عَلَیْھِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹-۱۳) تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا۔

میں عذاب الٰہی کو دنیاوی سزا کے ساتھ تشبیہ دیکر سوط سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں کوڑے سے سزا دی جاتی تھی بعض نے کہا ہے کہ سَوْطَ عَذَابٍ کے لفظ سے انواع عذاب کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف کہ آیت حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا (۷۸-۲۵) میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(س و ع)

اَلسَّاعَۃُ (وقت) اجزاء زمانہ میں سے ایک جزء کا نام ہے اور اَلسَّاعَۃُ بول کر قیامت بھی مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔
اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (۵۴-۱) قیامت قریب آپہنچی۔
یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ (۷-۱۸۷) (اے پیغمبر لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔
وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (۴۳-۸۵) اور اسی کو قیامت کا علم ہے۔
تو قیامت کو سَاعَۃٌ کہنا یا تو سرعت حساب میں تشبیہ کے طور پر ہے۔ جیسے فرمایا :۔
وَھُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْنَ (۶-۶۲) اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔
اور یا اس معنی کے پیش نظر اسے سَاعَۃٌ کہا ہے جس پر کہ آیت کریمہ :۔
کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا

---

[1] قالہ الاخطل التغلبی وادلہ، وشارب مربح بالکاس نادمنی والبیت من قصیدۃ جمہرۃ (۲۲۲-۲۳۰) فی ۵۰ بیتا یمدح فیھا یزید بن معاویۃ والبیت فی دیوانہ ۱۱۴ ط بیروت ۱۸۹۱ء) والبحر (۱: ۱۰ ر۲: ۴۸۲) ومجالس ثعلب (۱۵۵-۳) والطبری (۳: ۵۵ ر۵: ۴۱۶) وشواہد الکشاف ۴۹۴ واللسان والمحکم والصحاح (حصر) والقرطبی (۴: ۷۸) ومجاز القرآن (۱: ۹۲) وتہذیب الالفاظ ۲۲۴ وتہذیب الاصلاح (۱: ۲۵) والجمہرۃ ۱۱ والمقتبس فی المعانی ۴۹۴ وفی مولیٰۃ والتبو اربی بعطیہ یعقوب بن اصلاح ۲۸۱، ۳۳۰ وابن قتیبہ فی المعانی والجوہری فی صحاحہ ۱۲

www.KitaboSunnat.com

(۴۰-۴۶) جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے ہیں۔

لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (۴۶-۳۵) (تو خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں) رہے ہی نہ تھے مگر گھڑی بھر دن۔

اور آیت:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ (۳۰-۱۴) اور جس دن قیامت برپا ہوگی۔ میں تنبیہ فرمائی ہے۔ اور پہلی آیت یعنی يَوْمَ يَرَوْنَهَا میں "ھا" ضمیر سے مراد قیامت ہے اور دوسری آیت میں سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ سے وقت قلیل مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ ساعات جن سے قیامت مراد ہوتی ہے تین ہیں (۱) اَلسَّاعَةُ الْكُبْرٰى یعنی لوگوں کو محاسبہ کے لئے اٹھانا یا دوبارہ زندہ کرنا اور اسی کے متعلق آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے[1] (۱۸۲)

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ الْفُحْشُ وَالتَّفَحُّشُ وَحَتّٰى يُعْبَدَ الدِّرْهَمُ وَالدِّيْنَارُ الخ کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ فحش اور بے حیائی کھلم کھلا نہ ہونے لگ جائے اور درہم و دینار کی پرستش نہ ہونے لگے اور آنحضرت نے اس قسم کی بہت سی علامات کا تذکرہ فرمایا ہے جو نہ آپ کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں اور نہ بعد میں اب تک ان کا ظہور ہوا ہے[2]۔

(۲) دوم۔ اَلسَّاعَةُ الْوُسْطٰى جو کہ ایک قرن کے لوگ گزر جانے سے عبارت ہے جیسا کہ آنحضرت سے مروی ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن انیس کو دیکھ کر فرمایا[3]

(۱۸۳) اِنْ يَّطُلْ عُمُرُ هٰذَا الْغُلَامِ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ اگر اس لڑکے کی عمر دراز ہوئی تو یہ قیام قیامت سے پہلے نہیں مرے گا۔

چنانچہ بعض کا قول ہے کہ وہ صحابہ کرام میں سب سے آخر فوت ہوئے ہیں۔

(۳) اَلسَّاعَةُ الصُّغْرٰى جو کہ انسان کی موت سے عبارت ہے پس اس معنی کے لحاظ سے ہر انسان کی موت اس کے لئے قیامت ہے[4] چنانچہ اسی معنی کی طرف آیت:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا (۶-۳۱) جن لوگوں نے خدا کے روبرو کھڑے ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ گھاٹے میں آگئے۔ یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آموجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ ہائے ۔۔۔۔ افسوس ہے۔

میں اشارہ فرمایا گیا ہے (کیونکہ) یہ حسرت انسان کو اس کی موت کے وقت ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ

---

[1] منها خروج الدابة ونزول المسيح وظهور الدجال وطلوع الشمس من مغربها وما الى ذالك ۱۲ [2] كما فى صحيح مسلم (۲ ر ۴۰۶) والبخارى من حديث النبىؐ: ان يعش هذا الغلام فعسى ان لايدركه الهرم حتى تقوم الساعة وما اسم هذا الغلام فلم اره فى رواية صحيحة وفى صحيح مسلم الى غلام من ازدشنوءة وقال انسؓ وكان من اترابى ومعنى الحديث يموت ذالك القرن او اولئك المخاطبون قال النووى ويحتمل انه علم ان هذا الغلام لايبلغ الهرم راجع للبحث الفتح للحافظ (۱۰ ر ۴۹-۵۰) [4] وفى الحديث من مات فقد قامت قيامته. [5] كما روى فى الحديث من مات فقد قامت قيامته انظر الفردوس لابى شجاع الديلمى وبمعناه فى الطبرى من حديث المغيرة بن شعبة وابن ابى الدنيا من حديث انسؓ بسند ضعيف. راجع تخريج الكشاف رقم ۵ وتخريج الاحياء للعراقى (۴ ر ۴۶)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَرِیبٍ (۶۳-۱۰) اور جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو اس وقت کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت:۔
قُلْ اَرَاَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ (۶-۴۰) (کافرو) بھلا دیکھو تو اگر تم پر خدا کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو۔
میں اَلسَّاعَةُ سے مراد موت ہی ہے ایک حدیث میں ہے (۱۸۴) کہ جب سخت آندھی چلتی تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا اور فرماتے تَخَوَّفْتُ السَّاعَةَ کہ مجھے قیامت کا اندیشہ ہے۔ نیز فرمایا (۱۸۵)
وَمَا اَحُدُّ طَرْفِيْ وَلَا اُغْضِيْهَا اِلَّا وَاَظُنُّ اَنَّ السَّاعَةَ قَدْ قَامَتْ کہ جب میں اپنی نظر اٹھاتا ہوں یا نیچی کرتا ہوں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ بس قیامت آچکی۔ یعنی مجھے اپنی موت کا ہر لمحہ خیال رہتا ہے جس طرح کہ عَامَلْتُهٗ مُعَاوَمَةً یا مُشَاهَرَةً کا محاورہ ہے جس کے معنی سال یا مہینہ کے حساب سے معاملہ کرنے کے ہیں اسی طرح ساعات کے حساب سے معاملہ کرنے کے معنی میں عَامَلْتُهٗ مُسَاوَعَةً استعمال ہوتا ہے اور جَاءَنَا بَعْدَ سَوْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَسُوَاعٍ کے معنی ہیں "سکون شب کے بعد وہ ہمارے پاس آیا" اور پھر سَاعَةٌ سے کبھی (اہمال (ضائع کرنا) کے معنی بھی لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
اَسَعْتُ الْاِبِلَ (افعال) میں نے اونٹوں کو بیکار چھوڑ دیا یا ضائع کر دیا۔ هُوَ ضَائِعٌ سَائِعٌ وہ مہمل اور بیکار ہے۔

سُوَاعٌ ایک بت کا نام ہے[1]۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا اور وَدّ اور سُواع ...... کو کبھی ترک نہ کرو (۷۱-۲۳)

(س و غ)

سَاغَ الشَّرَابُ فِي الْحَلْقِ کے معنی شراب کے آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے اتر جانا کے ہیں وَاَسَاغَهٗ كَذَا (افعال) کے معنی حلق سے نیچے اتارنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے۔
سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (۱۶-۶۶) پینے والوں کے لئے خوش گوار ہے۔
وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ (۱۴-۱۷) اور گلے سے نہیں اتار سکے گا۔
اور اسی سے استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے۔
سَوَّغْتُهٗ مَالًا میں نے اس کے لئے مال خوش گوار بنا دیا۔ یعنی مباح کر دیا اور پھر اس کے ساتھ تشبیہ دے کر فُلَانٌ سَوْغُ اَخِيْهِ کا محاورہ اس بچے کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو اپنے بھائی کے بعد جلدی (کہ) پیدا ہو (یہ مذکر و مونث دونوں کے حق میں بولا جاتا ہے)۔

(س و ف)

سَوْفَ۔ (حرف تسویف) یہ حرف ہے جو فعل مضارع کو معنی حال سے مجرد کر کے معنی استقبال کے لئے خاص کر دیتا ہے (اسی لئے اسے حرف استقبال بھی کہتے ہیں) چنانچہ قرآن میں ہے:۔
سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ (۱۲-۹۸) میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا۔

---

[1] سواع لم اجد اصلہ فی کلام العرب ویمکن ان یکون مشتقا من السوع بمعنی الزمان وانظر لود (ود) فہما من الآلہۃ التی کانت قوم نوح تعبدہا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آیت :۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۶-۱۳۶) عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔
میں تنبیہ کیا ہے کہ جس بات کا وہ مطالبہ کرتے ہیں اگرچہ فی الحال وہ حاصل نہیں ہے۔ لیکن وہ لامحالہ ہو کر رہے گی۔
اور اس میں مماطلۃ (ٹال مٹول) اور تاخیر کے معنی پائے جاتے ہیں اور چونکہ وعدہ کرنے والا سَوْفَ اَفْعَلُ کَذَا کا محاورہ استعمال کرتا ہے اسلئے اَلتَّسْوِیْفُ (تفعیل) کے معنی ٹال مٹول کرنا بھی آجاتے ہیں۔
اَلسَّوْفُ (ن) کے معنی مٹی یا بول کی بو سونگھنے کے ہیں پھر اس سے اس ریگستان کو جس میں راستہ کے نشانات مٹے ہوئے ہوں اور قافلہ کا رہنما اس کی مٹی سونگھ کر راہ دریافت کرے اسے "مَسَافَۃٌ" کہا جاتا ہے۔
شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۲۴۲) اِذَا الدَّلِیْلُ اسْتَافَ اَخْلَاقَ الطُّرُقْ

جب رہنما بے نشان راستوں پر سونگھ سونگھ کر چلے۔
اَلسُّوَافُ۔ اونٹوں کے ایک مرض کا نام ہے جس کی وجہ سے وہ مرنے کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور اس مرض کو سُوَافٌ یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے موت کی بو سونگھ لیتے ہیں یا موت ان کو سونگھ لیتی ہے اور یا اس لئے کہ اس سے جلد ہی ان کی موت آجاتی ہے۔

(س و ق)

سَوْقُ الْاِبِلِ کے معنی اونٹ کو ہنکانے اور چلانے کے ہیں یہ سُقْتُہٗ (ن) کا مصدر ہے اور اِنْسَاقَ (انفعال) کے معنی ہنکانے کے بعد چل پڑنے کے ہیں ان جانوروں کو جو ہنکائے جاتے ہیں سَیِّقَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور عورت کو مہر ادا کرنے کے لئے سُقْتُ الْمَھْرَ اِلَی الْمَرْاَۃِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اس لئے کہ عرب حق مہر میں (عام طور پر) اونٹ دیا کرتے تھے۔
اور آیت :۔ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ (۷۵-۳۰)
میں مساق کے معنی پروردگار کی طرف چلنا کے ہیں جیسا کہ آیت :۔
اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (۵۳-۴۲) میں ہے یعنی تمہیں اپنے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے۔
اور آیت :۔ مَعَھَا سَائِقٌ وَّشَھِیْدٌ (۵۰-۲۱)
اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک اس کے عملوں کی گواہی دینے والا۔
میں سائق سے وہ فرشتہ مراد ہے جو اسے چلا کر حساب کے لئے پیش کرے گا اور دوسرا فرشتہ شہید (بطور گواہ کے اس کے ساتھ ہوگا جو اسکے حق میں یا اسکے خلاف گواہی دیگا بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت :۔ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ (۸-۶) گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں۔ کے ہم معنی ہے اور آیت :۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (۷۵-۲۹) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔
میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں قبض روح کے وقت پنڈلیوں کا لپٹنا مراد ہے۔ اور بعض نے پنڈلیوں کا کفن میں لپٹنا مراد لیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے لپٹنے سے مراد موت ہے کہ زندگی میں وہ اس کے بوجھ کو اٹھا کر چلتی تھیں لیکن موت کے بعد وہ اس بار کی متحمل نہیں ہوسکیں گی بعض

---

[1] قال رؤبۃ بن العجاج (الراجز الاسلامی) فی ارجوزۃ لہ ۱۷۴ ابیتا وہی فی دیوانہ ۱۰۴-۱۰۸ وقبلہ: مستودۃ الاعطاف من وسم العرق وبعدہ: کانہا حقباء بلقاء الزلق۔ والشطر وحدہ فی خزانۃ الادب (۱: ۸۸) ودیوانہ ۱۰۵ والاقتضاب ۳۱۲ وادب الکاتب ۵۱ والاضداد لابی الطیب ۴۹۸ واصلاح لیعقوب ۳۱۷ ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے کہا ہے کہ ایک شدت کا دوسری شدت سے لپٹنا مراد ہے اسی طرح آیت:۔ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (۶۸-۴۲) جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائیگا۔ میں پنڈلی سے کپڑا اٹھانا صعوبت حال سے کنایہ ہے۔ اور یہ کَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی لڑائی کے سخت ہوجانے ہیں۔ بعض نے اس کی اصل یہ بیان کی ہے کہ جب اونٹنی کے پیٹ میں بچہ مرجاتا ہے۔ تو مُمَزِّمِرٌ (جنوانے والا) اس کے رحم کے اندر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور اسے پنڈلیوں سے پکڑ کر زور سے باہر نکالتا ہے۔ اور یہ کَشَفَ عَنِ السَّاقِ کے اصل معنی ہیں پھر ہر ہولناک امر کے متعلق یہ محاورہ استعمال ہونے لگا ہے تو یہاں بھی شدت حال سے کنایہ ہے۔ اور آیت:۔ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ (۴۸-۲۹) اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ میں بعض نے کہا ہے کہ سُوْق سَاقٌ کی جمع ہے جیسے لَابَةٌ کی جمع لُوْبٌ اور قَارَةٌ کی جمع قُوْرٌ آتی ہے۔ اور اسی طرح آیت:۔ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (۳۸-۳۳) پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ میں بھی سُوْق صیغہ جمع ہے اور رَجُلٌ اَسْوَقُ کے معنی بڑی پنڈلیوں والے آدمی کے ہیں، اسکی مؤنث سَوْقَاءُ آتی ہے اور سُوْقٌ کے معنی بازار بھی آتے ہیں جہاں خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اور فروخت کے لئے وہاں سامان لے جایا جاتا ہے۔ اس کی جمع اَسْوَاقٌ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (۲۵-۷) یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اَلسَّوِیْقُ کے معنی ستو کے ہیں کیونکہ وہ بغیر چبائے حلق سے نیچے اتر جاتے ہیں۔

(س و ل)

اَلتَّسْوِیْل۔ کے معنی نفس کے اس چیز کو مزین کرنا کے ہیں جس پر اسے حرص بھی ہو اور اس کے قبح کو خوشنما بنا کر پیش کرنا کے ہیں قرآن میں ہے:۔ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (۱۲-۸) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے۔ اَلشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ (۴۷-۲۵) شیطان نے (یہ کام) انہیں مزین کر دکھایا۔ بعض ادباء نے[1] (البسیط)

(۲۲۴) سَالَتْ هُذَیْلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاحِشَةً:۔ (بنی ہذیل نے آنحضرت سے ایک فحش امر کا مطالبہ کیا) میں کہا ہے کہ یہاں سالت بمعنی طلبت ہے اور یہ سَال (ہموز) سے نہیں ہے جیسا کہ اکثر ادباء نے خیال کیا ہے۔

(س ی ل)

سَالَ الشَّیْءُ یَسِیْلُ کے معنی کسی چیز کے بہنے کے ہیں۔ اور اَسَلْنَا کے معنی بہا دینے کے۔ قرآن

(۱) قالہ حسان بن ثابت الانصاری وتمامہ: ضلت ہذیل بما جاءت ولم تصب، والبیت فی دیوانہ ۳۴ و الکتاب (۲: ۳۰) وقال اصلہ ہموز۔ و ذکر المؤلف فی محاضراتہ (۳ = ۲۵۹) ان ابا کبیر الہذلی جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ ان یحل الزنا فقال اتحب ان یؤتی الیک فی حرمک مثل ذلک قال لا ثم قال فادع... فدعا فانشد... فقال حسان وانظر اللغمۃ ایضا اسد الغابۃ (۵: ۱۸۲) وذکر ابو کبیر الہذلی واجعۃ اشعار۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے:۔
وَاَسَلْنَا لَہٗ عَیْنَ الْقِطْرِ (۳۴-۱۲) اور ان کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔
یہاں اَسَلْنَا کے معنی پگھلا دینے کے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت اِسَالَۃٌ کا لفظ قطر کی اس حالت پر بولا جاتا ہے جو پگھلانے کے بعد ہوتی ہے۔
اَلسَّیْلُ (ض) یہ اصل میں سَالَ یَسِیْلُ کا مصدر ہے جس کے معنی بہنے کے ہیں اور بطور اسم اس پانی پر بولا جاتا ہے جو دور سے بہہ کر کسی جگہ پر آجائے اور وہاں برسا نہ ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا (۱۳-۱۷) پھر برساتی نالے پر پھولا ہوا جھاگ آگیا۔
سَیْلَ الْعَرِمِ ...... (۳۴-۱۶) زور کا سیلاب
اَلسَّیَلَانُ (دنبالہ شمشیر و کارد وغیرہ) اس لمبے لوہے کو کہتے ہیں جو نصاب کی جانب سے تلوار چھری وغیرہ کے دستہ میں لگا ہوتا ہے۔

(س ء ل)

اَلسُّؤَالُ کے معنی کسی چیز کی معرفت حاصل کرنے کی استدعا یا اس چیز کی استدعا کرنے کے ہیں۔
جو مودی الی المعرفۃ ہو یا مال کی استدعا یا اس چیز کی استدعا کرنے کو بھی سُؤَال کہا جاتا ہے جو مودی الی المال ہو پھر کسی چیز کی معرفت کی استدعا کا جواب اصل میں تو زبان سے دیا جاتا ہے لیکن کتابت یا اشارہ اس کا قائم مقام بن سکتا ہے اور مال کی استدعا کا جواب اصل میں تو ہاتھ سے ہوتا ہے لیکن زبان سے وعدہ یا انکار اس کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سوال کے معنی استدعاء معرفت کیسے صحیح ہو سکتے ہیں جب کہ یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال کرے گا جیسے فرمایا:۔
وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ (۵-۱۱۶) اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا
تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے سوال کرنا کسی قسم کی معرفت حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ تو علام الغیوب ہے۔ (لَا تَخْفٰی عَلَیْہِ خَافِیَۃٌ) بلکہ لوگوں کو بتلانے اور انہیں سرزنش کرنے کی غرض سے ہوگا لیکن پھر بھی یہ سوال سوال عن المعرفۃ کبھی کسی چیز سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی محض سرزنش کے لئے جیسا کہ قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ (۸۱-۸) جب لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہے پوچھا جائیگا۔
اور کبھی صرف مسئول (جس سے سوال کیا جائے) کو جتلانے کے لئے (نہ کہ خود کسی چیز سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے)
اور سوال جب کسی چیز کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہو تو مفعول ثانی کی طرف کبھی تو وہ متعدی بنفسہ ہوتا ہے اور کبھی حرف جار کے ذریعہ چنانچہ تم کہو گے سَاَلْتُہٗ کَذَا وَسَاَلْتُہٗ عَنْ کَذَا وَبِکَذَا لیکن زیادہ تر بواسطہ عن کے متعدی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:۔
یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ (۱۷-۸۵) اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔
وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ (۱۸-۸۳) اور تم سے ذی القرنین کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔
یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ (۸-۱) (اے محمد مجاہد لوگ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ (۲-۱۸۶) اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں۔

سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (۷۰-۱) ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا۔

اور جب سوال طلب مال کے لئے ہو تو وہ متعدی بنفسہٖ بھی ہوتا ہے اور بذریعہ مِنْ کے بھی چنانچہ فرمایا:۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (۳۳-۵۳) اور جب پیغمبروں کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔

وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا (۶۰-۱۰) اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہو تم ان سے طلب کرو۔ اور جو کچھ انہوں نے (اپنی عورتوں پر) خرچ کیا ہو وہ تم سے طلب کرلیں۔

وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (۴-۳۲) اور خدا سے اس کا فضل (و کرم) مانگتے رہو۔

فقیر کو بھی جب وہ کسی چیز کی استدعا کرے تو اسے سائل کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳-۱۰) اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔

لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۵۱-۱۹) مانگنے والے اور نہ مانگنے والے۔

(س و م)

اَلسَّوْمُ کے معنی کسی چیز کی طلب میں جانیکے ہیں پس اسکا مفہوم دو اجزاء سے مرکب ہے یعنی طلب اور جانا پھر کبھی صرف ذہاب یعنی چلے جانا کے معنی ہوتے ہیں جیسے سَامَتِ الْاِبِلُ اونٹ چراگاہ میں چرنے کیلئے چلے گئے۔ اور ان اونٹوں کو جو باہر چرنے جاتے ہیں سَائِمَةٌ کہا جاتا ہے اور کبھی صرف طلب کے معنی پائے جاتے ہیں جیسے سُمْتُ كَذَا میں نے اسے فلاں تکلیف دی چنانچہ قرآن میں ہے یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (۲-۴۹) وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے اور سِيْمَ فُلَانٌ الْخَسْفَ (فلاں کو خسف کا عذاب دیا گیا) یا هُوَ یُسَامُ الْخَسْفَ۔ کا محاورہ بھی اسی سے ماخوذ ہے اور اسی سے بَیْعٌ میں اَلسَّوْمُ ہے جس کے معنی نرخ کرنا کے ہیں چنانچہ کہا گیا ہے (۱۸۷)

صَاحِبُ السِّلْعَةِ اَحَقُّ بِالسَّوْمِ سامان کا مالک نرخ کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

اور سُمْتُ الْاِبِلَ فِی الْمَرْعٰی کے معنی چراگاہ میں چرنے کے لئے اونٹ بھیجنے کے ہیں۔ اور اسی معنی میں اَسَمْتُ الْاِبِلَ (افعال) وَسَوَّمْتُهَا (تفعیل) آتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ (۱۶-۱۰) اور اس سے درخت بھی (شاداب) ہوتے ہیں جن میں تم اپنے چارپایوں کو چراتے ہو۔

اَلسِّيْمَاءُ وَالسِّيْمِيَاءُ کے معنی علامت کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

---

[1] البخاری فی ترجمۃ طلحۃ فی اللسان (سوم) قالہ ابن عنقاء الفزاری فی عمیلۃ الفزاری واولہ: غلام رماہ اللہ بالخیر یافعا۔ ۔ ۔ وفی روایۃ ابن الانباری بالحسن بدل الخیر وانظر الخبر والشعر فی الحماسۃ (۴: ۲۸ ط مصر) والمرزوقی ۱۵۸۸ والحصری (۴: ۱۰۴) والکامل (۱: ۲۲) والاغانی (۱۱: ۱۷۷) والطبری (۳: ۹۸) (۴: ۸/۸۴: ۱۹۲) وشواہد الکشاف ۵۲ وابن ولاد ۲۶ والبحر (۲: ۳۱۶/۸: ۱۰۲) والمعجم للمرزبانی (۱۹۹) فی خمسۃ ابیات والمؤتلف للآمدی ۲۳۸ وبعدہ کان الثریا علقت فی جبینہ۔ وفی النقد الشعری وفی جیدہ القمر۔ وفی روایۃ فوق نحرہ وعنقاء اسمہ واسمہ قیس بن بجرۃ الفزاری المخضری والبیت الثانی قالہ علی بن طلحۃ حین قتل الیہ قوم راجع العقد (۴: ۳۲۲) ⁂ ⁂ ⁂

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲۴۸) لَهٗ سِيمِيَاءُ لَا تَشُقُّ عَلَى الْبَصَرِ
اس کے چہرے پر نشان ہے جو آنکھوں پر گراں نہیں گزرتا

قرآن میں ہے :-
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (۴۸-۲۹) (کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔

اور سَوَّمْتُهٗ کے معنی نشان زدہ کرنے کے ہیں۔

اور مُسَوَّمِينَ (۳: ۱۲۵) کے معنی مُعَلَّمِينَ کے ہیں یعنی نشان زدہ اور مُسَوِّمِينَ (بصیغہ فاعل) کے معنی ہیں اپنے آپ پر یا اپنے گھوڑوں پر نشان امتیاز بنانے والے یا ان کو چھوڑنے والے۔

آنحضرت سے ایک روایت میں ہے[1] (۱۸۷)
تَسَوَّمُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ قَدْ تَسَوَّمَتْ کہ تم بھی نشان بنالو کیونکہ فرشتوں نے اپنے لئے نشان بنائے ہوئے ہیں۔

(س ء م)

اَلسَّآمَةُ اس کے معنی کسی چیز کے زیادہ عرصہ تک رہنے کی وجہ سے اس سے کبیدہ خاطر یا دل برداشتہ ہوجانے کے ہیں اور یہ فعلاً (کسی کام کو زیادہ عرصہ تک کرنے) اور انفعالاً (کسی چیز سے زیادہ متاثر ہونے) دونوں طرح ہوتا ہے قرآن میں ہے:-
وَهُمْ لَا يَسْئَمُونَ (۴۱-۳۸) اور (کبھی) اکتاتے ہی نہیں

نیز فرمایا:-
لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ (۴۱-۴۹)
انسان بھلائی کی دعائیں کرتا کرتا تو تھکتا نہیں۔

شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)
(۲۴۹) سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِشْ
ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَالَكَ يَسْأَمِ
میں زندگی کی خوشگواریوں سے اکتا چکا ہوں۔ ہاں جو شخص اسی کو پہنچ جائے وہ لا محالہ اکتا ہی جاتا ہے۔

(س ی ن)

طُورِ سِينَاءَ یہ مشہور پہاڑ کا نام ہے چنانچہ قرآن میں ہے :-
تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ (۲۳-۲۰) (اور وہ درخت بھی ہم ہی نے پیدا کیا) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے۔

یہ حرف اول یعنی سین کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ فتح کی صورت میں قطعی طور پر الف ممدودہ برائے تانیث ہوگا کیونکہ عربی زبان میں فَعْلَالٌ کا وزن صرف کلمہ مضاعف کے ساتھ مختص ہے جیسے زَلْزَالٌ وَقَلْقَالٌ اور سین کے مکسور ہونے کی صورت میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا الف عِلْبَاءُ اور حِرْبَاءُ کی طرح (برائے تانیث) ہو اور یہ بھی صحیح ہے۔ کہ الف سِرْدَاحٌ کے ساتھ ملحق کرنے کے لئے ہو اور اسی کو دوسری جگہ طُورِ سِينِينَ (۹۵-۲) بھی کہا گیا ہے۔

اَلسِّينُ حروف ہجاء میں سے ایک حرف کا نام ہے۔

(س و ی)

اَلْمُسَاوَاةُ کے معنی وزن کیل یا مساحت

---

[1] اخرجہ الطبری عن عمیر بن اسحاق (۴-۸۲) وفی النہایہ (سوم) تسوموا فان الملائکۃ قد سومت ۱۲ سرہ [2] الزہیر بن ابی سلمی والبیت فی مختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۵۷) والبحر (۲: ۳۵۱) والمحاضرات (۴: ۵۹۸) والجمہرۃ ۱۰۱ والعقد الثمین ۹۶ وایام العرب ۲۷۶ (جامع الکبیر للبوزی)
(۳۰: ۱) المعلقات لابن الانباری ۲۸۷ وفی روایۃ عاماً بدل حولا وابن الشجری (۱: ۲۴۲) والسیوطی ۱۳۲ ✣ ✣ ✣

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لحاظ سے دو چیزوں کے ایک دوسرے کے برابر ہونے کے ہیں جیسے محاورہ ہے:۔

ھٰذَا الثَّوْبُ مُسَاوٍ لِذَالِکَ الثَّوْبِ یہ کپڑا اس کپڑے کے مساوی ہے۔ ھٰذَا الدِّرْھَمُ مُسَاوٍ لِذَالِکَ الدِّرْھَمِ یہ درہم اس درہم کے مساوی ہے اور کبھی بلحاظ کیفیت کے برابری ہونے پر بولا جاتا ہے جیسے:

ھٰذَا السَّوَادُ مُسَاوٍ لِذَالِکَ السَّوَادِ کہ یہ سیاہی اس سیاہی کے برابر ہے مگر اصل میں یہاں مساوات بلحاظ ذات سواد کے مراد نہیں ہوتی بلکہ بلحاظ مثل کے ہوتی ہے اور معنی معادلت (برابر) کے لحاظ سے یہ لفظ عدل وانصاف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[۱] (الطویل)

(۲۵) اَبَیْنَا فَلَا نُعْطِی السَّوَاءَ عَدُوَّنَا

ہم انکار کردیتے ہیں اور اپنے دشمن کو عدل وانصاف نہیں دیتے۔

اِسْتَوٰی اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ ایک دو یا دو سے زیادہ فاعل کی طرف اس کی اسناد ہو جیسے۔

اِسْتَوٰی زَیْدٌ وَعَمْرٌو فِیْ کَذَا کہ زید اور عمرو فلاں چیز میں برابر ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

لَا یَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰہِ (۹-۱۹) یہ لوگ خدا کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔

دوم یہ کسی چیز کے اپنی ذات کے اعتبار سے حالت اعتدال پر ہونے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی (۵۳-۶) (یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے۔

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ (۲۳-۲۸) جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ۔

اور محاورہ ہے:۔

اِسْتَوٰی اَمْرُ فُلَانٍ کہ فلاں کا معاملہ ٹھیک اور صحیح ہوگیا اور جب عَلٰی کے ذریعہ متعدی ہو تو اس کے معنی کسی چیز پر چڑھنے، قرار پکڑنے اور مستولی ہونا کے ہوتے ہیں۔ جیسے محاورہ ہے:۔

اِسْتَوٰی فُلَانٌ عَلٰی عِمَالَتِہٖ فلاں نے اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ قرآن میں ہے:۔

لِتَسْتَوُوْا عَلٰی ظُھُوْرِہٖ (۴۳-۱۳) تاکہ تم ان کی سواری کرو۔

فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ (۴۸-۲۹) اور پھر وہ اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔

اور اسی سے آیت:۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (۲۰-۵) (خدائے) رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا ہے اور بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کے سامنے مساوی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ان کو درست بنانے سے سب اس کے ارادہ کے مطابق ٹھیک اور درست ہوگئی ہیں۔ جیسا کہ آیت:۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ (۲-۲۹) پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک (سات آسمان) بنا دیا۔

میں ہے بعض نے آیت اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تمام چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف برابر ہے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے متعلق یہ کہہ سکیں کہ یہ بنسبت دوسری چیز کے اللہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اجسام پر قیاس نہیں کرسکتے جو ایک جگہ موجود ہوتے ہیں اور دوسری جگہ نہیں ہوتے۔

اور جب یہ لفظ (اِسْتَوٰی) متعدی بِاِلیٰ ہو تو اسکے

---

[۱] قالہ عنترۃ وتمامہ: تیأثا باعضاد والسرا والمعطف والبیت فی مختار الشعر الجاہلی (۱: ۲۹۰) دالعقد الثمین

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معنی کسی چیز تک بالذات یا بالتدبیر پہنچ جانے کے ہوتے ہیں اور آیت :۔
ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (۴۱-۱۱) پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔
میں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی اَلْاِنْتِهَاءُ اِلَيْهَا بِالتَّدْبِيْرِ۔ یعنی تدبیر کرنا۔
اَلتَّسْوِيَةُ کے معنی کسی چیز کو ہموار کرنے کے ہیں اور آیت :۔
اَلَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ (۸۲-۷) (وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور تیرے اعضاء کو ٹھیک کیا۔
میں سَوّٰكَ سے مراد یہ ہے کہ انسان کی خلقت کو اپنی حکمت کے اقتضاء کے مطابق بنایا اور آیت۔ وَ
نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (۹۱-۷) اور انسان کی اور اس کی جس نے اس کے قویٰ کو برابر بنایا۔
میں لفظ "ما" سے ان قوائے نفسانیہ کی طرف اشارہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نفس کے لئے مُقَوِّم بنایا ہے چنانچہ فعل کو ان ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ بحث دوسرے مقام پر مذکور ہو چکی ہے کہ فعل کی نسبت جس طرح فاعلِ حقیقی کی طرف ہوتی ہے اسی طرح آلہ اور ان تمام چیزوں کی طرف اس کی نسبت صحیح ہوتی ہے جن کا کہ وہ فعل محتاج ہوتا ہے۔ جیسے سَيْفٌ قَاطِعٌ (کہ یہاں فعل قطع کی نسبت تلوار کی طرف ہے جو آلہ قطع ہے) اور آیت کی یہ توجیہ جو ہم نے بیان کی ہے اس قول سے بہتر ہے جو مَا سَوّٰهَا سے اللہ تعالیٰ مراد لیتے ہیں کیونکہ لفظ ما جنس کے لئے موضوع ہے اور سمع (یعنی کسی دلیل سمعی) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں استعمال ہوا ہو لہٰذا اس سے ذات باری تعالیٰ مراد نہیں ہو سکتی۔ اور آیت :۔
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى۔
(۸۷-۱، ۲) (اے پیغمبر) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو جس نے (انسان کو) بنایا پھر اس کے اعضاء کو درست کیا۔
میں سَوّٰى فعل (بلا اختلاف) اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اسی طرح آیت کریمہ :۔
فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (۱۵-۲۹) جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کر لوں اور اس میں (اپنی بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں۔
اور اسی طرح دوسری آیت :۔
رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا (۷۹-۲۸) اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے برابر کر دیا۔
میں بھی فعل تسویۃ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آیت فَسَوّٰهَا میں آسمان کا تسویہ اس کی بناوٹ اور تزئین دونوں کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ آیت :۔
اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ (۳۷-۶) بے شک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔ میں مذکور ہے۔
اَلسَّوِيُّ اسے کہتے ہیں جو مقدار اور کیفیت دونوں کے لحاظ سے افراط و تفریط سے محفوظ ہو۔ قرآن میں ہے۔
ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا..... (۱۹-۱۰) سالم تین رات (دن)۔......
مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ (۲۰-۱۳۵) (دین کے) سیدھے راستے پر چلنے والے کون ہیں۔
اور رَجُلٌ سَوِيٌّ اس مرد کو کہا جاتا ہے جس میں خلق و خلقت دونوں اعتبار سے اعتدال پایا جائے اور افراط و تفریط سے محفوظ ہو۔ اور آیت :۔
عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ....(۷۵-۴) پر قادر ہیں کہ ان کی پور پور درست کر دیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تَسْوِیَۃُ الْبَنَانِ سے مراد ہتھیلی کو اونٹ کے پاؤں کی طرح بنا دینا مراد ہے کہ اس کی انگلیاں ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ تَسْوِیَۃُ الْبَنَانِ سے تمام انگلیوں کو یکساں بنا کر بیکار کر دینا مراد ہے کیونکہ انگلیوں کے قدر و ہیئت میں متفاوت ہونے کی حکمت ظاہر ہے کہ وہ اس صورت میں کسی چیز کے پکڑنے میں باہم تعاون کرتی ہیں اور اگر وہ سب برابر ہوتیں تو یہ تعاون ناممکن تھا اور آیت:۔

فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا (۹۱-۱۴) تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا (سب کو ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔

میں سَوّٰهَا سے ان کے شہروں کو برباد کر کے زمین کے ساتھ برابر کر دینا مراد ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا (۲-۲۵۹) جو کہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی۔

اور بعض نے فَسَوّٰهَا کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان کے شہروں کو ان پر برابر کر دیا جیسا کہ آیت:۔

لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ (۴-۴۲) کہ کاش ان کو زمین میں مدفون کر کے مٹی برابر کر دی جاتی۔

میں مذکور ہے اور یہ کفار کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت:۔ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا (۷۸-۴۰) اور کافر کہے گا کہ اے کاش میں مٹی ہوتا۔ میں مذکور ہے۔

مَکَانٌ سُوًی وَسَوَاءٌ کے معنی وسط کے ہیں اور سَوَاءٌ، سِوًی، سُوًی اسے کہا جاتا ہے جس کی نسبت دونوں طرف مساوی ہوں اور یہ یعنی سَوَاءٌ وصف بن کر بھی استعمال ہوتا ہے اور ظرف بھی لیکن اصل میں یہ مصدر ہے۔

قرآن میں ہے:۔

فِیْ سَوَاءِ الْجَحِیْمِ ۔۔۔۔ (۳۷-۵۵) (تو اس کو) وسطِ دوزخ میں۔

سَوَاءَ السَّبِیْلِ ۔۔۔۔۔ (۲-۱۰۸) (تو وہ) سیدھے راستے سے۔

فَانْبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَاءٍ (۸-۵۸) تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو اور برابر کا جواب دو۔

تو یہاں عَلٰی سَوَاءٍ سے عادلانہ حکم مراد ہے۔ جیسے فرمایا:۔

اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ (۳-۶۴) (اے اہل کتاب) جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ۔

اور آیات:۔

سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (۲-۶) انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے۔

سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (۶۳-۶) تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو ان کے حق میں برابر ہے۔

سَوَاءٌ عَلَیْنَا اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا (۱۴-۲۱) اب ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے۔

میں سَوَاءٌ سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں عدم نفع میں برابر ہیں۔ نیز فرمایا:۔

سَوَاءَنِ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ (۲۲-۲۵) خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے۔

اور کبھی سُوًی وسَوَاءٌ بمعنی غیر (حرف استثناء) بھی آجاتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎ ( )

ؔله لم اجده ويرجع

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۲۵۱) فَلَمْ یَبْقَ مِنْهَا سِوَی هَامِدٍ
جسم مردہ کے سوا ان میں کوئی شخص باقی نہ رہا۔
اور دوسرے شاعر نے کہا ہے (الطویل)
(۲۵۲) وَمَا قَصَدَتْ مِنْ أَهْلِهَا لِسَوَائِکَا
اور اس اونٹنی نے اس شہر کے اہل میں سے تیرے سوا کسی کا قصد نہیں کیا۔
وَعِنْدِی رَجُلٌ سِوَاکَ تیرے علاوہ میرے پاس دوسرا آدمی ہے۔
اَلسِّیُّ کے معنی مساوی کے ہیں جیسے عِدْلٌ بمعنی مُعَادِلٌ اور قِتْلٌ بمعنی مُقَاتِلٌ کے آجاتا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔
سِیَّانِ زَیْدٌ وَعَمْرٌو زید اور عمرو دونوں برابر ہیں۔
اور سِیٌّ کی جمع اَسْوَاءٌ آتی ہے جیسے نِقْضٌ کی جمع اَنْقَاضٌ اور بہت سے ہم مرتبہ یا برابر کے لوگوں کے لئے قَوْمٌ اَسْوَاءٌ وَمُسْتَوُوْنَ کہا جاتا ہے۔
اَلْمُسَاوَاۃُ۔ عرف میں قیمتی اشیاء کے متعلق بولا جاتا ہے جیسے هٰذَا الثَّوْبُ یُسَاوِی کَذَا کہ اس کپڑے کی اتنی قیمت ہے۔ اصل میں یہ مُسَاوَاۃٌ فِی الْعَدَدِ سے مشتق ہے جس کے معنی دو چیزوں کے مقدار یا مرتبہ میں برابر ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ (۱۸-۹۶) جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان کا حصہ برابر کر دیا۔

(س و ء)

اَلسُّوْءُ۔ ہر وہ چیز جو انسان کو غم میں مبتلا کر دے اسے سوء کہا جاتا ہے خواہ وہ امور دنیوی کے قبیل سے ہو یا اخروی کے اور عام اس سے کہ اس کا تعلق احوال نفسانیہ سے ہو یا بدنیہ سے۔ یا ان امور خارجیہ سے ہو جن کا تعلق جاہ و جلال کے چلے جانے یا کسی قریبی رشتے دار یا دوست کے فوت ہو جانے سے ہوتا ہے اور آیت:۔
بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ (۲۰-۲۲) وہ کسی عیب کے بغیر (چمکتا دمکتا) نکلے گا۔
میں سوء سے مراد آفت یعنی بیماری ہے بعض نے سُوْءٍ سے برص مراد لی ہے۔ لیکن یہ منجملہ ان امراض کے ایک ہے جو لاحق کو لگ جاتے ہیں اور (عذاب اخروی کے متعلق) فرمایا:۔
اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (۱۶-۲۷) آج کافروں کی رسوائی اور برائی ہے۔
اور ہر وہ چیز جو قبیح ہو اسے "سُوْآی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ لفظ "اَلْحُسْنٰی" کے مقابلہ میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَاءُوا السُّوْٓاٰی (۳۰-۱۰) پھر جن لوگوں نے برائی کی ان کا انجام بھی برا ہوا۔
جیسے اس کے مقابلہ میں فرمایا:۔
لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ (۱۰-۲۶) جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید برآں اور بھی۔

لہ البیت من قصیدۃ لاعشی میمون مدح بہا ہوذۃ بن علی بن ثمامہ رئیس الیمامۃ وصدرہ: تجانف عن جو الیمامۃ ناقتی۔ وفی روایۃ اللسان والتاج وسوی) عدلت بدل قصدت وفی روایۃ ابن الشجری (۱: ۲۵) جل الیمامۃ بدل جو الیمامۃ وفی الخزانۃ (۳: ۳۹۹) عمدت بدل قصدت والبیت ایضاً فی اللسان (جنف) والملی ابن الشجری (۲: ۵۴، ۲۵۳) وشرح الدیوان لثعلب ۴۷ وابن ولاد ۲۲ والاشباہ (۳: ۷۹) ودیوانہ ۱۳۱ والکامل ۱۱۸ والعمدۃ ۹۸: ۴) والصاحبی ۱۵۴ وشرح شواہد للشنتمری (۱: ۱۳) والکتاب (۱: ۲۰۳) والبلدانی (جو) واضداد ابی الطیب ۸ ۳۵ وفیہ تنادر بدل تجانف واضداد ابن الانباری وفی روایتہ عدلت بدل قصدت والبیت من شواہد النحاۃ علی ان لفظۃ سواء قد یکون اسماً بمعنی غیر وفیہ بحث ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سَیِّئَۃٌ کے معنی برائی کے ہیں اور یہ حَسَنَۃٌ کی ضد ہے قرآن میں ہے:۔

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً (۲-۸۱) ہاں جو برے کام کرے۔

لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ (۲۷-۴۶) تم بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو۔

یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (۱۱-۱۱۴) گناہوں کو دور کردیتی ہے۔

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (۴-۷۹) (اے آدم زاد) تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے۔

فَاَصَابَھُمْ سَیِّئَاتُ مَا عَمِلُوْا (۱۶-۳۴)

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ (۲۳-۹۶) اور بری بات کے مقابلہ میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔

اور حدیث میں ہے[1] (۱۸۶)

یَا اَنَسُ اَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا کہ انس برائی کے بعد نیکی کرو جو برائی کے اثر کو مٹا ڈالے گی۔

حَسَنَۃ اور سَیِّئَۃ دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو عقل اور شریعت دونوں کی رو سے بھلی یا بری ہو۔ چنانچہ اس معنی کے لحاظ سے فرمایا:۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰی اِلَّا مِثْلَھَا (۶-۱۶۱) جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی۔

دوسری حَسَنَۃ اور سَیِّئَۃ وہ ہے جو باعتبار طبیعت کے ہے یعنی وہ چیزیں جو طبیعت کو سبک یا گراں محسوس ہوتی ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے:۔

فَاِذَا جَاءَتْھُمُ الْحَسَنَۃُ قَالُوْا لَنَا ھٰذِہٖ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَہٗ (۷-۱۳۱) تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ (۷-۹۵) پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔

اور سَاءَ فِیْ کَذَا وَسُؤْتَنِیْ کہا جاتا ہے۔ اور اَسَأْتُ اِلٰی فُلَانٍ (بصلہ الٰی) بولتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

سِیْٓئَتْ وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ..... (۶۷-۲۷) تو کافروں کے منہ برے ہو جائیں گے۔

لِیَسُوْءٗا وُجُوْھَکُمْ (۱۷-۷) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑیں۔ اور آیت:۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ (۴-۱۲۳) جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائیگا۔

میں سوء سے اعمال قبیحہ مراد ہیں۔ اسی طرح آیت:۔

زُیِّنَ لَھُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِھِمْ (۹-۳۷) ان کے برے اعمال ان کو بھلے دکھائی دیتے ہیں۔

میں بھی یہی معنی مراد ہیں اور آیت:۔

عَلَیْھِمْ دَائِرَۃُ السَّوْءِ (۹-۹۸) انہیں پر بری مصیبت (واقع) ہو۔

میں دَائِرَۃُ السَّوْءِ سے مراد ہر وہ چیز ہو سکتی ہے جو انجام کار غم کا موجب ہو اور آیت:۔

وَسَاءَتْ مَصِیْرًا (۴-۱۱۵) اور وہ بری جگہ ہے۔

سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا (۲۵-۶۶) (دوزخ) ٹھہرنے کی بری جگہ ہے۔ میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

---

[1] وفی روایۃ فانہ لابی ذر وبعدھا "وخالق الناس بخلق حسن" وایضاً لمعاذ راجع ابن کثیر ج ۲ ص ۴۶۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کبھی سَاءَ بِئْسَ کے قائم مقام ہوتا ہے۔
یعنی معنی ذم کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ (۳۷-۷۷) مگر جب وہ ان کے مکان میں آ اتریگا تو جن کو ڈرسنایا گیا تھا ان کے لئے برا دن ہوگا۔
سَاءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (۵-۶۶) انکے عمل برے ہیں۔
سَاءَ مَثَلًا ...... (۷-۷۷) مثال بری ہے۔
اور آیت :۔
سِيْئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۶۷-۲۷) (تو) کافروں کے منہ برُے ہو جائیں گے۔
میں سِيْئَتْ کی نسبت وجوہ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ حزن و سرور کا اثر ہمیشہ چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اور آیت :۔
سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا (۱۱-۷۷) تو وہ ان کے آنے سے غمناک اور تنگدل ہوئے۔
یعنی ان مہمانوں کو وہ حالات پیش آئے جن کی وجہ سے اسے صدمہ لاحق ہوا۔ اور فرمایا:۔
لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ (۱۳-۱۸) ایسے لوگوں کا حساب بھی برا ہوگا۔
وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (۱۳-۲۵) اور ان کیلئے گھر بھی برا ہو
اور کنایہ کے طور پر سَوْءَةٌ کا لفظ عورت یا مرد کی شرمگاہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ (۵-۳۱) اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔
فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ (۵-۳۱) کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔
يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (۷-۲۶) کہ تمہارا ستر ڈھانکے
بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (۷-۲۲) تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں۔
لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا (۷-۲۰) تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کِتَابُ الشِّیْنُ

ش ب ہ

اَلشِّبْهُ وَالشَّبَهُ وَالشَّبِیْهُ کے اصل معنی مماثلت بلحاظ کیف کے ہیں مثلاً لون اور طعم میں باہم مماثل ہونا یا عدل ظلم میں اور دو چیزوں کا حسی یا معنوی لحاظ سے اس قدر مماثل ہونا کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہو سکیں شُبْهَةٌ کہلاتا ہے پس آیت کریمہ:۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (۲-۲۵) اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے۔

میں مُتَشَابِهًا کے معنی یہ ہیں کہ وہ میوے اصل اور مزہ میں مختلف ہونے کے باوجود رنگت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے۔ بعض کے نزدیک کمال اور عمدگی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونا مراد ہے اور آیت کریمہ:۔

مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ (۶-۱۰۰) جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی۔

میں ایک قراءت مُتَشَابِهًا ہے مگر دونوں کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا (۲-۷۰) کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔

میں تَشَابَهَ فعل ماضی مذکر کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور تَشَابَهُ فعل مضارع مونث بھی جو اصل میں تَتَشَابَهُ ہے اور تا شین میں مدغم ہے۔ اور آیت:۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (۲-۱۱۸) ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔

میں ان کے قلوب کا گمراہی اور جہالت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونا مراد ہے اور آیت:۔

وَاُخَرُ مُتَشَابِهٰتٌ (۳-۷) اور بعض متشابہ ہیں۔

میں مُتَشَابِهٰتٌ سے مراد وہ آیات ہیں جن کی لفظی یا معنوی مماثلت کی وجہ سے تفسیر بیان کرنا مشکل ہو۔ عام فقہاء کے نزدیک متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن کے ظاہری معنی سے مقصود کا علم نہ ہو سکے۔

اصل میں آیات تین قسم پر ہیں بعض[1] علی الاطلاق محکم ہیں اور بعض[2] علی الاطلاق متشابہ اور بعض[3] من وجہ محکم اور من وجہ متشابہ ہیں۔

پھر متشابہات بھی تین قسم پر ہیں۔ متشابہ[1] بلحاظ لفظ۔ متشابہ[2] بلحاظ معنی اور متشابہ بلحاظ لفظ و معنی اور متشابہ بلحاظ لفظ پھر دو قسم پر ہے ایک وہ تشابہ جو الفاظ مفردہ میں ہوتا ہے۔ دوم وہ جو کلام مرکب میں پایا جاتا ہے۔ الفاظ مفردہ میں تشابہ یا تو بوجہ غرابت الفاظ کے ہوگا جیسے اَبٌّ وَیَزِفُّوْنَ کہ دونوں غریب معنی ہیں اور یا بوجہ لفظ کے مشترک ہونے کے جیسے اَلْیَدُ و اَلْعَیْنُ کہ یہ دونوں مختلف معانی کے لئے موضوع ہیں اور کلام مرکب میں تشابہ تین

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قسم یہ ہے ۔ بوجہ اختصار جیسا کہ آیت کریمہ :۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ (۴-۳) اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ (یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں ...... ان سے نکاح کر لو۔

دوسرے بوجہ بسط کلام کے جیسے فرمایا :۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (۴۲-۱۱) اس جیسی کوئی بھی چیز نہیں۔

کیونکہ اگر یہاں کاف نہ بڑھایا جاتا اور لَيْسَ مِثْلَهُ شَيْءٌ کہا جاتا تو مطلب زیادہ صاف اور واضح ہو جاتا تیسرے وہ اشتباہ جو ترتیب کلام میں تغیر کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ آیت :۔

أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا قَيِّمًا (۱۸-۱،۲) جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر اپنی کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں رکھی (بلکہ) سیدھی (اور سلیس اتاری)

یہ اصل ترتیب کے لحاظ سے قَيِّمًا وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا تھا۔ نیز فرمایا :۔

لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ ۔ إلی قوله لَوْ تَزَيَّلُوا (۴۸-۲۵) اور اگر ایسے مرد اور عورتیں (نہ ہوتیں ۔۔۔ اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے۔

متشابہ بلحاظ معنی جیسے صفات باری تعالیٰ اور احوال قیامت کہ یہ اوصاف نہ محسوس ہیں اور نہ محسوسات کی جنس سے ہیں اور جو چیز محسوس یا اس کی جنس سے نہ ہو اس کا تصور ہمارے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ اور متشابہ من حیث اللفظ والمعنی کی پانچ قسمیں ہیں اول تشابہ بلحاظ کمیت کے مثلاً کسی حکم کے عام یا خاص ہونے کے متعلق شبہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا :۔

اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ (۹-۵) تو مشرکوں کو ... قتل کردو۔

دوم بلحاظ کیفیت کے مثلاً کسی حکم کے واجب یا مندوب ہونے میں شک وشبہ پایا جاتا ہو چنانچہ فرمایا :۔

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ (۴-۳) تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔

سوم بلحاظ زمانہ کے یعنی کسی آیت کے ناسخ یا منسوخ ہونے میں تشابہ پایا جاتا ہو جیسے فرمایا :۔

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (۳-۱۰۲) خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

چہارم تشابہ بلحاظ مکان اور اسباب نزول کے جیسے فرمایا :۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا (۲-۱۸۹) اور نیکی اس بات میں نہیں ہے کہ تم (احرام کی حالت) میں گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ (۹-۳۷) مہینے کو پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ جو شخص ان کے رسم ورواج اور جاہلی عادات سے واقف نہ ہو وہ اس آیت کی تفسیر کو نہیں سمجھ سکتا۔

پنجم وہ تشابہ جو کسی فعل کے صحت وفساد کے شروط کو نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز اور نکاح کی شروط نہ جاننے سے اشتباہ ہو جاتا ہے۔

الغرض تشابہ کے یہ چند اقسام ہیں جن کا تصور کر لینے سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ مفسرین نے تشابہ کی جتنی بھی تشریحات بیان کی ہیں ان میں سے کوئی بھی مندرجہ بالا اقسام سے خارج نہیں ہے۔ مثلاً بعض کا قول ہے کہ آلم (حروف مقطعات) متشابہات سے ہے اور قتادہؒ نے کہا ہے کہ ناسخ محکم ہیں اور منسوخ متشابہ میں داخل ہیں اور الاصم کا قول ہے کہ جس آیت کی تفسیر متفق علیہ ہو وہ محکم اور جس کی تفسیر میں اختلاف

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو وہ تشابہ ہے پھر جملہ متشابہات تین قسم پر ہیں۔ ایک وہ جن کا علم ہمارے لئے ناممکن ہے جیسے قیامت کا وقت اور دابۃ الارض کا خروج اور اس کی کیفیت وغیرہ۔ دوم وہ جن کا علم ہمیں ہوسکتا ہے۔ جیسے الفاظ غریبہ اور احکام مشکلہ۔ سوم وہ جو ان دونوں کے بین بین ہیں جن کا علم صرف راسخین فی العلم کو ہی ہوسکتا ہے ہر ایک کے لئے ان تک رسائی ممکن نہیں۔ اسی قسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمایا (۱۸۷)

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ کہ اے اللہ اسے دین میں سمجھ دے اور تاویل کا علم عطا فرما یہی دعا حضرت ابن عباسؓ کے متعلق بھی مروی ہے[1] (۱۸۸)

پس اس بحث کو پیش نظر رکھ لینے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آیت کریمہ:۔

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳-۷) حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔

میں اِلَّا اللّٰہُ پر بھی وقف صحیح ہے اور اَلرَّاسِخُوْنَ کے ساتھ ملاکر پڑھنا بھی جائز ہے اور ہر ایک یعنی وقف اور وصل کی ایک خاص وجہ ہے جو مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا (۳۹-۲۳) خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب جس کی آیتیں (باہم) ملتی جلتی ہیں۔

میں مُتَشَابِھًا کے معنی یہ ہیں کہ احکام حکمت اور استقامت نظم کے لحاظ سے قرآن مجید کی تمام آیات ایک جیسی ہیں اور آیت کریمہ:۔

وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ (۴-۱۵۷) بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی۔

میں شُبِّہَ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سامنے کوئی دوسرا شخص مسیح علیہ السلام کے مشابہ بنادیا گیا تھا جسے انہوں نے مسیح سمجھ کر قتل کردیا تھا۔

اَلشَّبَہُ (پیتل) جواہر میں سے اسے کہا جاتا ہے جس کا رنگ سونے کے مشابہ ہوتا ہے۔

ش ت ت

اَلشَّتُّ کے معنی قبیلہ کو متفرق کرنے کے ہیں محاورہ ہے۔

شَتَّ جَمْعُھُمْ شَتًّا وَشَتَاتًا ان کی جمعیت متفرق ہوگئی۔ جَاؤُا اَشْتَاتًا وہ پراگندہ حالت میں آئے قرآن میں ہے:۔

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا (۹۹-۶) اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے۔

مِنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی (۲۰-۵۳) (یعنی) انواع (و اقسام) کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں۔

وَقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی (۵۹-۱۴) (مگر) ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔

یعنی ان کی حالت مسلمانوں کی حالت کے برعکس ہے جن کے متعلق فرمایا:۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ (۸-۶۳) مگر خدا ہی نے ان میں الفت ڈال دی۔

شَتَّانَ یہ اسم فعل بروزن وَشْکَانَ ہے۔ محاورہ ہے۔

---

[1] واما دعاؤہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن عباس فمعروف ومتفق علیہ من حدیث ابن عباس دون قولہ "وعلمہ التاویل" فانہ انفرد بہذہ الزیادۃ احمد وابن حبان والحاکم وصححہ (تخریج العراقی علی الاحیاء (۳ : ۴۷) وفی روایۃ الترمذی وابن عباس: اللھم علمہ الحکمۃ (۳ / ۲۲۲ مع التحفۃ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَتَّانَ مَا هُمَا وَ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا ان دونوں میں کس قدر بُعد اور تفاوت ہے

(ش ت و)

قرآن میں ہے :۔
رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (۱۰۶-۲) (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنیکے سبب)
اور شَتَی وَ اَشْتَی کے معنی کسی جگہ موسم سرما گزارنے یا موسم سرما میں داخل ہونے کے ہیں جیسے صَافَ وَ اَصَافَ کے معنی موسم گرما گزارنے یا موسم گرما میں داخل ہونے کے ہوتے ہیں۔
اَلْمَشْتَی وَالْمَشْتَاۃ (جاڑے کا زمانہ) اسم ظرف ہے اور کبھی مصدر بن کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الرمل)
(۲۴۵) نَحْنُ فِي الْمَشْتَاةِ نَدْعُوا الْجَفَلَى
ہم موسم سرما یعنی قحط سالی میں دعوتِ عام دیتے ہیں۔

(ش ج ر)

اَلشَّجَرُ (درخت) وہ نبات جس کا تنہ ہو۔ واحد شَجَرَۃٌ جیسے ثَمَرٌ وَ ثَمَرَۃٌ۔ قرآن میں ہے۔
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۴۸-۱۸) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔
ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا (۵۶-۷۲) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا۔
وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (۵۵-۶) اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔
مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (۵۶-۵۲) تھوہر کے درخت سے
اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (۴۴-۴۳) بلاشبہ تھوہر کا درخت
وَادٍ شَجِيْرٌ گنجان درختوں والی وادی۔ بہت درختوں والی جگہ۔
هٰذَا الْوَادِيْ اَشْجَرُ مِنْ ذَالِكَ اس وادی میں اس سے زیادہ درخت ہیں۔
اَلتَّشَاجُرُ وَالْمُشَاجَرَۃُ وَالتَّشَاجُرُ باہم جھگڑنا اور اختلاف کرنا۔ قرآن میں ہے۔
فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (۴-۶۵) اپنے تنازعات میں۔
شَجَرَنِيْ عَنْهُ مجھے اس سے جھگڑا کر کے دور ہٹا دیا یا روک دیا حدیث میں ہے[2] (۱۸۹)
فَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ اگر تنازع ہو جائے تو جس عورت کا ولی نہ ہو بادشاہ اس کا ولی ہے۔
اَلشِّجَارُ۔ ہودہ کی لکڑی چھوٹی پالکی۔
اَلْمِشْجَرُ لکڑی کا اسٹینڈ جس پر کپڑے رکھے یا پھیلائے جاتے ہیں۔
شَجَرَہٗ بِالرُّمْحِ اسے نیزہ مارا یعنی نیزہ مار کر اسی میں چھوڑ دیا۔

(ش ح ح)

اَلشُّحُّ (اسم) کے معنی حرص کے ساتھ بخل کے ہیں جو انسان کی عادت میں داخل ہو چکا ہو۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] قال عنترۃ وتمامہ: لاتری الآدب فیہا ینتقر والبیت فی الکامل (۲: ۲۷۸) دیوانہ ۶۸ واللسان (جعفل، نقر، ادب) والاقتضاب ۳۴۶ والصناعۃ ۲۱۳ واصلاح یعقوب ۳۸۱ والمرتضی فی امالیہ (۱: ۲۵۴) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۴۴۲) وابن ولاد ۱۲ وتہذیب الالفاظ ۱۱ رقم ۴۹۰ والعقد الثمین ۱۲۲ والمعانی للقتیبی ۳۷۷ [2] اخرجہ ابن حبان فی زوائدہ من حدیث عائشۃ رقم ۱۲۴۷ وفی الدارقطنی عنہا بلفظۃ: فان اشتجروا بدل تشاجروا راجع النیل ۶: ۱۲۴۔۔۔۔۱۲۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (۴-۱۲۸) اور طبائع
تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں۔
وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ (۵۹-۹) اور جو شخص
حرص نفس سے بچا لیا گیا۔
رَجُلٌ شَحِیْحٌ بخیل آدمی قَوْمٌ اَشِحَّۃٌ بخیل لوگ
قرآن میں ہے۔
اَشِحَّۃً عَلَی الْخَیْرِ (۳۳-۱۹) مال میں بخل کریں۔
اَشِحَّۃً عَلَیْکُمْ (۳۳-۱۹) (یہ اس لئے کہ) تمہارے
بارے میں بخل کرتے ہیں۔
خَطِیْبٌ شَحْشَحٌ خوش بیان اور بلیغ لیکچرر۔ یہ
شَحْشَحَ الْبَعِیْرُ فِیْ ھَدِیْرِہٖ کے محاورہ سے
ماخوذ ہے جس کے معنی اونٹ کے مستی میں آواز کو
پھرانے کے ہیں۔

(ش ح م)

اَلشَّحْمُ (ج) شُحُوْمٌ چربی قرآن میں ہے۔
حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھُمَا ..... (۶-۱۴۷)
ان کی چربی حرام کر دی تھی۔
شَحْمَۃُ الْاُذُنِ۔ کان کا نرم حصہ جس میں بالیاں
پہنی جاتی ہیں۔ یہ نرم ہونے کے لحاظ سے چونکہ چربی
جیسا ہوتا ہے اس لئے اسے شَحْمَۃ کہا جاتا ہے
اور شَحْمَۃُ الْاَرْضِ (کیچوا) گرگٹ کی قسم کا ایک
جانور جو زمین یا ریت میں گھس کر رہتا ہے۔
رَجُلٌ مُشْحِمٌ گھر میں بہت زیادہ چربی رکھنے والا۔
شَحِمٌ۔ چربی کھانے کا حریص۔ لیکن جو اپنے دوستوں
کو بہت چربی کھلانے والا ہو اسے شَاحِمٌ کہا
جاتا ہے۔ اور شَحِیْمٌ کے معنی موٹے تازے اور
چربی دار کے ہیں۔

(ش ح ن)

اَلشَّحْنُ کشتی یا جہاز میں سامان لادنا، بھرنا
قرآن میں ہے:۔
فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ (۲۶-۱۱۹) بھری ہوئی
کشتی میں (سوار) تھے۔
اَلشَّحْنَاءُ کینہ عداوت جس سے نفس پُر اور بھرا ہوا
ہو عَدُوٌّ مُشَاحِنٌ بہت سخت دشمن گویا وہ دشمنی
سے پر ہے۔
اَشْحَنَ لِلْبُکَاءِ غم سے بھر کر رونے کیلئے آمادہ ہونا۔

(ش خ ص)

(اَلشَّخْصُ) کھڑے انسان کا جسم جو دور سے
نظر آئے اسے شَخْصٌ کہا جاتا ہے اور شَخَصَ
مِنْ بَلَدِہٖ کے معنی شہر سے چلے جانا کے ہیں۔ شَخَصَ
بَصَرُہٗ اس کی آنکھ پتھرا گئی۔ شَخَصَ سَھْمُہٗ
تیر نشانے سے اونچا نکل گیا۔ اور اَشْخَصَ (افعال)
اس نے نشانے سے اونچا نکال دیا۔ قرآن میں ہے:۔
تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ (۱۴-۴۲) جب کہ
(دہشت کے سبب) آنکھ کھلی کی کھلی رہ جائے گی۔
شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۲۱-۹۷) کافروں
کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔

(ش د د)

اَلشَّدُّ یہ شَدَدْتُ الشَّیْءَ (ن) کا مصدر
ہے جس کے معنی مضبوط گرہ لگانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَشَدَدْنَا اَسْرَھُمْ (۷۶-۲۸) اور ان کے مفاصل
کو مضبوط بنایا۔
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (۴۷-۴) ان کو مضبوطی سے قید کر لو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور شَدٌّ کا لفظ عہد، بدن، قوائے نفس اور عذاب سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:-
وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً (۵-۴۴) وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے۔
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (۵۳-۵) ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا۔
نہایت قوت والے سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔
غِلَاظٌ شِدَادٌ (۶۶-۶) تند خو اور سخت مزاج (فرشتے)
بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ (۵۹-۱۴) ان کا آپس میں بڑا رعب ہے۔
اَلشَّدِيْدُ وَالْمُتَشَدِّدُ: بخیل۔ قرآن میں ہے۔
وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (۱۰۰-۸) اور وہ تو مال کی سخت محبت والے ہیں۔
یہاں شَدِيْدٌ بمعنی مفعول بھی ہوسکتا ہے۔ گویا وہ خرچ کرنے سے باندھ دیا گیا ہے کہ اس معنی میں غُلَّ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ (۵-۶۴) یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شَدِيْدٌ بمعنی فاعل کے ہو تو گویا مُتَشَدِّدٌ وہ ہے جس نے بخیلی کو (بوجہ بخل کے) مضبوطی سے باندھ رکھا ہو۔ اور آیت کریمہ:-
حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (۴۶-۱۵) یہاں تک کہ جب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے۔
میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جب انسان اس عمر یعنی چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے جس میں اس کے قوی مضبوط ہو جاتے ہیں تو اس کی عادات پختہ ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں ترک نہیں کرسکتا۔ شاعر نے کیا ہی خوب اشارہ کیا ہے[1] (الطویل)

(۲۵۴-۵۵) فَاِذَا الْمَرْءُ وَافَى الْاَرْبَعِيْنَ وَلَمْ يَكُنْ
لَهٗ دُوْنَ مَا يَهْوٰى حَيَاءٌ وَلَا سِتْرٌ
فَدَعْهُ وَلَا تَنْفِسْ عَلَيْهِ الَّذِيْ مَضٰى
وَاِنْ جَرَّ اَسْبَابَ الْحَيَاةِ لَهُ الْعُمُرُ

جب انسان چالیس برس کی عمر کو پہنچ جائے اور اسے اس کی خواہش سے حیا کا پردہ مانع نہ ہو تو اسے اس کی حالت پر چھوڑ دے اور گزشتہ پر کسی قسم کا دریغ نہ کر اگرچہ عمر اس کے لئے زندگی کے تمام اسباب کھینچ کر کیوں نہ لے آئے۔
شَدَّ فُلَانٌ وَاشْتَدَّ: تیزی سے چلنا۔
ہوسکتا ہے کہ یہ شَدَّ حِزَامَهٗ لِلْعَدْوِ کے محاورہ سے مشتق ہو جس کے معنی دوڑنے کے لئے کمربستہ ہونے کے ہیں جیسا کہ اسی معنی میں اَلْقٰى ثِيَابَهٗ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اِشْتَدَّتِ الرِّيْحُ کے محاورہ سے ماخوذ ہو جس کے معنی زور کی ہوا چلنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:-
اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (۱۴-۱۸) کہ اس پر زور کی ہوا چلے۔

---

[1] فی سبعة ابیات نسبها القالی ۱۷۷۔ الی لعمرو بن خریم بن فاتک الاسدی وقال البکری ۲۶۱ والصحیح انها لاقیشر مغیرة بن اسود من بنی اسد بن خزیمة وفی الوحشیات ۲۷۷ منسوبة لاعرابی نزل بیحیی بن جبریل۔ یقال من لم یرد هذه الابیات فاظر ودعة له انظر تخریجها السمط ۲۶۱ والشعراء ۲۴۵ (تحقیق احمد شاکر وفی روایة الوحشیات والحماسة الصغری) وفی بدل وافی یاتی بدل یهوی وانی بدل معنی والدهر بدل العمر والبیت فی الروح للآلوسی (۲۶-۱۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ش ر ر)

اَلشَّرُّ وہ چیز ہے جس سے ہر ایک کراہت کرتا ہو۔ جیسا کہ خیر اسے کہتے ہیں جو ہر ایک کو مرغوب ہو۔ قرآن میں ہے:۔

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا (۱۹-۷۵) کہ مکان کس کا برا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ (۸-۲۲) کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے ..... ہیں۔

شر کا اصل معنی اور اس کے جملہ اقسام خیر کی بحث میں بیان ہوچکے ہیں۔

رَجُلٌ شَرِيْرٌ وَشِرِّيْرٌ شریر آدمی وَقَوْمٌ اَشْرَارٌ برے لوگ۔ اَشْرَرْتُهٗ کسی کی طرف شر کی نسبت کرنا بعض نے کہا ہے کہ اَشْرَرْتُ كَذَا کے معنی کسی چیز کو ظاہر کرنے کے بھی آتے ہیں۔ اور شاعر کے اس قول سے استدلال کیا ہے[1] (الطویل)

(۲۵۶) اِذَا قِيْلَ اَيُّ النَّاسِ شَرُّ قَبِيْلَةٍ
اَشَرَّتْ كُلَيْبٌ بِالْاَكُفِّ الْاَصَابِعُ

جب یہ پوچھا جائے کہ کونسا قبیلہ سب سے برا ہے تو ہاتھ انگلیوں سے بنی کلیب کی طرف اشارہ کر دیتے مگر اس شعر کے علاوہ اس معنی پر اگر اور کوئی دلیل نہ ہو تو یہاں اَشَرَّتْ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ ہاتھ انگلیوں سے ان کی طرف شر کی نسبت کر دیتے ہیں۔

اَلشَّرَرُ (بضمتین) شر۔ مکروہ چیز شَرَارُ النَّارِ آگ کی چنگاری۔ آگ کی چنگاری کو شَرَارٌ اسلئے کہتے ہیں کہ اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے قرآن میں ہے۔

تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ (۷۷-۳۲) اس سے آگ کی اتنی اتنی بڑی چنگاریاں اڑتی ہیں جیسے محل۔

(ش ر ب)

اَلشُّرْبُ کے معنی پانی یا کسی اور مائع چیز کو نوش کرنے کے ہیں۔ قرآن نے اہل جنت کے متعلق فرمایا:

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (۷۶-۲۱) اور ان کا پروردگار انہیں نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

اور اہل دوزخ کے متعلق فرمایا:۔

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ...... (۶-۷۰) ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی۔

شَرَابٌ کی جمع اَشْرِبَةٌ ہے اور شَرِبْتُهٗ شُرْبًا وَشَرْبًا کے معنی پینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ اِلٰى قَوْلِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ (۲-۲۴۹) جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سے پی لیا۔ نیز فرمایا:۔

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (۵۶-۵۵) اور پیو گے بھی تو ایسے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔

اَلشِّرْبُ پانی کا حصہ۔ پینے کی باری۔ قرآن میں ہے

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۶-۱۵۵) یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین دن تمہاری باری۔

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (۵۴-۲۸) ہر باری والے کو اپنی باری پر آنا چاہیئے۔

---

[1] قاله الفرزدق فی ہجو جریر ولفظہ کلیب بالجر علی حذف الجار وابقاء عملہ ویروی بالرفع علی التقدیر ہذہ کلیب وفی البیت حذف وقلب واصلہ: اشرت الاکف بالاصابع الی کلیب وفی روایۃ اشارت والبیت فی ابن عقیل رقم ۲۱۸ والخزانۃ (۳: ۴۶۹) ودیوانہ ۵۲۰ والمغنی ۳ فی الخطبۃ والسیوطی ۴ والعینی (۲: ۴۴۵) وکلیب ہی کلیب بن یربوع قبیلۃ جریر۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلْمَشْرَبُ (مصدر) پانی پینا (ظرف زمان یا مکان) پانی پینے کی جگہ یا زمانہ۔ قرآن میں ہے:۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (۲-۶۰) تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر کے پانی پی لیا۔

اَلشَّرِيْبُ ہم پیالہ یا شراب کو کہتے ہیں اور مونچھ کے بالوں اور حلق کی اندرونی رگ کو شَارِبٌ کہا جاتا ہے گویا ان کو پینے والا تصور کیا گیا ہے اس کی جمع شَوَارِبُ آتی ہے۔ ھُذلی نے گورخر کے متعلق کہا ہے (الکامل)

(۲۵۷) " صَخِبُ الشَّوَارِبِ لَا يَزَالُ كَاَنَّهٗ "

اس کی مونچھیں سخت گویا وہ......

اور آیت کریمہ:۔

وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ (۲-۹۳) اور ان کے کفر کے سبب (بچھڑا گویا) ان کے دلوں میں رچ گیا تھا۔

میں بعض نے کہا ہے کہ یہ اَشْرَبْتُ الْبَعِيْرَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اونٹ کے گلے میں رسی باندھنے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (

(۲۵۸) وَاَشْرَبْتُهَا الْاَقْرَانَ حَتّٰى وَقَصْتُهَا
بِقُرْحٍ وَقَدْ اَلْقَيْنَ كُلَّ جَنِيْنٍ

میں نے انہیں باہم باندھ لیا حتیٰ کہ قرح (منڈی) میں لا ڈالا اس حال میں کہ انہوں نے حمل گرا دیئے تھے۔

تو آیت کے معنی یہ ہیں کہ گویا بچھڑا ان کے دلوں پر باندھ دیا گیا ہے۔ اور بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں پلا دی گئی ہے کیونکہ عربی محاورہ میں جب کسی کی محبت یا بغض دل کے اندر سرایت کر جائے تو اس کے لئے لفظ شَرَابٌ کو بطور استعارہ بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ بدن میں نہایت تیزی سے سرایت کرتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الوافر)

(۲۵۹) تَغَلْغَلَ حُبُّ عَثْمَةَ فِيْ فُؤَادِيْ ... لَمْ يَبْلُغْ شَرَابٌ
وَلَا حُزْنٌ وَلَمْ يَبْلُغْ سُرُوْرٌ

اس کی محبت وہاں تک پہنچ گئی جہاں کہ نہ شراب اور نہ ہی حزن و سرور پہنچ سکتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں اس قدر زیادہ نہیں تھی تو ہم کہیں گے کیوں نہیں؟ عجل کا لفظ بول کر ان کی فرط محبت پر تنبیہ کی ہے کہ بچھڑے کی صورت ان کے دلوں میں اس طرح نقش ہو گئی تھی کہ محو نہیں ہو سکتی تھی مثل مشہور ہے۔ اَشْرَبْتَنِيْ مَالَمْ اَشْرَبْ یعنی تو نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا۔

www.KitaboSunnat.com

(ش ر ح)

شَرَحْتُ اللَّحْمَ وَشَرَّحْتُهٗ کے اصل معنی گوشت (وغیرہ) کے لمبے لمبے ٹکڑے کاٹ کر پھیلانے کے ہیں۔ اور اسی سے شرح صدر ہے یعنی نور الٰہی اور سکون و اطمینان کی وجہ سے سینے میں وسعت پیدا ہو جاتا۔ قرآن میں ہے:۔

[1] قال ابو ذؤیب خمامہ: عبد لأل إلى ربيعة مبيع۔ والبيت في اللسان (سبع)، وتقدم [2] انشده في هذا المعنى ايضاً ثعلب والبيت لبعض بني اسد من اللصوص انظر مجالس ثعلب ۱۱۱ واللسان (شرب)، والبارع والمحكم (قرح) في اربعة ابيات مع خلاف في الترتيب والقرح اسم سوق وادي القرى وقصبتها والعائذ والكلابي وقبله: لقد علمت زهرة والكلابي انني نهين بأجواز الفلاة تهيين والذم جماعة من الابل اذا كانت اثنا [3] قاله عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود احد الفقهاء السبعة في المدينة في بعد عثمة ولها اشعار كثيرة والبيت في الحماسة مع المرزوقي رقم ۵۰۵ ومجالس ثعلب ۴۸۸ والامالي للمرتضى (۱: ۲۱۷، ۴۰۰) والقالي (۲: ۱۹۲) في خمسة والاغاني (۸: ۹۳) والسمط ۷۸۱ والحماسة بالتبريزي (۳: ۱۶۷) والاصبهاني (۵: ۴۹) والحصري (۱: ۲۱۲) في ثلاثة اشعار مجموعة المعاني ۱۲۲ وعزاه في المحاضرات (۲: ۴۴) الى ابي عبد الله بن طاهر وقبله: فشققت القلب ثم ذررت فيه هواك فليم فالتام الفطور ٭

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذَکَرتِ. شَرَحَ لِی صَدْرِی (۲۰-۲۵) کہا اے پروردگار میرا سینہ کھول دے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (۹۴-۱) (اے محمدؐ) ہم نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ (۳۹-۲۲) بھلا جس کا سینہ خدا نے ... کھول دیا ہو۔

شَرْحُ الْمُشْکِلِ مِنَ الْکَلَامِ کے معنی مشکل کلام کی تشریح کرنے اور اس کے مخفی معنی کو ظاہر کرنے کے ہیں۔

(ش ر د)

شَرَدَ الْبَعِیْرُ کے معنی ہیں اونٹ بدک کر بھاگ نکلا شَرَّدْتُ فُلَانًا فِی الْبِلَادِ میں نے شہروں میں بھگا دیا وَشَرَّدْتُ بِہٖ یعنی میں اس سے ایسا برتاؤ کیا کہ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ اس جیسا کام نہ کریں جیسے نَکَّلْتُ بِہٖ کہ میں نے اسے دوسروں کے لئے عبرت بنادیا۔ قرآن میں ہے:۔

فَشَرِّدْ بِہِمْ مَّنْ خَلْفَہُمْ (۸-۵۷) تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں۔

مشہور محاورہ ہے۔

فُلَانٌ طَرِیْدٌ شَرِیْدٌ فلاں راندہ درگاہ ہے۔

(ش ر ذ م)

اَلشِّرْذِمَۃُ۔ تھوڑی سی جماعت جو لوگوں سے الگ ہوگئی ہو۔ قرآن میں ہے:۔

لَشِرْذِمَۃٌ قَلِیْلُوْنَ (۲۶-۲۵) یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہیں۔

یہ ثَوْبٌ شَرَاذِمُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھٹے پرانے چیتھڑوں کے ہیں۔

(ش ر ط)

اَلشَّرْطُ وہ معین حکم جس کا وقوع کسی دوسرے امر پر معلق ہو اسے شرط کہتے ہیں وہ دوسرا امر اس کے لئے بمنزلہ علامت کے ہوتا ہے اور شَرِیْطٌ بمعنی شرط آتا ہے اس کی جمع شرائط ہے۔ اِشْتَرَطْتُ[ف] کَذَا کوئی شرط لگانا۔ اور اسی سے شَرَطٌ بمعنی علامت ہے۔ اور اَشْرَاطُ السَّاعَۃِ کے معنی علامات قیامت کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُہَا (۴۷-۱۸) سو اس کی نشانیاں (وقوع میں) آچکی ہیں۔

اور پولیس کو شُرَط کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ بھی ایسی علامت لگا لیتے ہیں جس سے ان کی پہچان ہوسکتی ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اشراط الابل سے مشتق ہے جس کے معنی رذیل اونٹوں کے ہیں۔ اور پولیس میں بھی چونکہ (عام طور پر) رذیل لوگ ہوتے تھے اس لئے انہیں شُرَط کہہ دیا گیا ہے۔

اَشْرَطَ نَفْسَہٗ لِلْہَلَکَۃِ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا یا کسی کام میں ہلاکت کی بازی لگانا۔

(ش ر ع)

اَلشَّرْعُ سیدھا راستہ جو واضح ہو، یہ اصل میں

ف واشراط الساعۃ بمعنی العلامات او البینات ثم الاشراط بمعنی العلامات علی قسمین مضیقۃ وہی التی لم تبق الدنیا بعدہ و توجہا الا الیسر الیسیر کنزول المہدی و ظہور الدجال و خروج الدابۃ و طلوع الشمس من مغربہا و غیرہا و الکل و غیر مضیقۃ وہی اکثر الاشراط الموجع الغزو الفت فیہا کتب مختصرۃ و مطولۃ: السیوطی رسالۃ سماہا الکشف عن مجاوزۃ ہذہ الامۃ الالف و بحور الزاخرۃ فی علوم الآخرۃ للسفارینی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَرَعْتُ لَهٗ طَرِيْقًا (واضح راستہ مقرر کرنا) کا مصدر ہے اور بطور اسم کے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ واضح راستہ کو شَرْعٌ وَشَرَعٌ وَشَرِيْعَةٌ کہا جاتا ہے۔ پھر استعارہ کے طور پر طریق الٰہیہ پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں قرآن میں ہے:۔

شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (۵-۴۸) ایک دستور اور طریق۔ اس میں دو قسم راستوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ ایک وہ راستہ جس پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مسخر کر رکھا ہے کہ انسان اسی راستہ پر چلتا ہے جس کا تعلق مصالح عباد اور شہروں کی آبادی سے ہے چنانچہ آیت:۔

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (۴۳-۳۲) اور ہر ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔

میں اسی طرف اشارہ ہے دوسرا راستہ دین کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے مقرر فرما کر انہیں حکم دیا ہے کہ انسان اپنے اختیار سے اس پر چلے جس کے بیان میں شرائع کا اختلاف پایا جاتا ہے اور اس میں نسخ ہوتا رہا ہے اور جس پر کہ آیت:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا (۴۵-۱۸) پھر ہم نے تمہیں دین کے کھلے راستہ پر (قائم) کر دیا تو اسی (راستے) پر چلے چلو۔ دلالت کرتا ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شِرْعَةً وہ راستہ ہے جسے قرآن نے بیان کر دیا ہے۔ اور مِنْهَاج وہ ہے جسے سنت نے بیان کیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ (۴۲-۱۳) اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کے اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔

میں دین کے ان اصول کی طرف اشارہ ہے جو تمام ملل میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں اور ان میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسے معرفت الٰہی اور وہ امور جن کا بیان آیت وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (۴-۱۳۶) اور جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور اس کے پیغمبروں سے انکار کرے۔ میں پایا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ شریعت کا لفظ شَرِيْعَةُ الْمَاءِ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی پانی کے گھاٹ کے ہیں اور شریعت کو شریعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی صحیح حقیقت پر مطلع ہونے سے سیرابی اور طہارت حاصل ہو جاتی ہے۔ سیرابی سے مراد معرفت الٰہی کا حصول ہے جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ میں پیتا رہا لیکن سیر نہ ہوا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی تو بغیر پینے کے سیری حاصل ہو گئی اور طہارت سے مراد وہ طہارت ہے جس کا ذکر کہ آیت:۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (۳۳-۳۳) اے پیغمبر کے اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کی میل کچیل صاف کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے میں پایا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا (۷-۱۶۳) (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں۔

میں شُرَّعًا، شَارِعٌ کی جمع ہے۔ اور شَارِعَةُ الطَّرِيْقِ کی جمع شَوَارِعُ آتی ہے جس کے معنی کھلی سڑک کے ہیں۔

اَشْرَعْتُ الرُّمْحَ قِبَلَهٗ میں نے اس کی جانب نیزہ سیدھا کیا۔ بعض نے شَرَعْتُهٗ فَهُوَ مَشْرُوْعٌ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا ہے اور شَرَعَتِ السَّفِيْنَةُ کے معنی جہاز پر بادبان کھڑا کرنے کے ہیں جو اسے آگے چلاتے ہیں۔ هُمْ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ شَرْعٌ۔ یعنی وہ سب اس میں برابر ہیں۔ یعنی انہوں نے اسے ایک ہی وقت میں شروع کیا ہے اور شَرْعُكَ مِنْ رَجُلٍ زَيْدٌ بمعنی حَسْبُكَ ہے یعنی زید ہی اس قابل ہے کہ تم اس کا قصد کرو یا اس کے ساتھ مل کر اپنا کام شروع کرو۔
اَلشِّرْعُ۔ بربط کے وہ تار جن سے راگ شروع کیا جاتا ہے۔

(ش ر ق)

شَرَقَتِ (ن) شُرُوْقًا۔ اَلشَّمْسُ آفتاب طلوع ہوا۔ مثل مشہور ہے (مثل)
لَا اَفْعَلُ ذٰلِكَ مَاذَرَّ شَارِقٌ وَاَشْرَقَتْ جب تک آفتاب طلوع ہوتا رہیگا میں یہ کام نہیں کروں گا۔ یعنی کبھی بھی نہیں کروں گا۔ قرآن میں ہے:۔
بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ (۳۸-۱۸) صبح و شام
یہاں اشراق سے مراد وقت اشراق ہے۔
اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ جب مفرد ہوں تو ان سے شرقی اور غربی جہت مراد ہوتی ہے اور جب تثنیہ ہوں تو موسم سرما اور گرما کے دو مشرق اور دو مغرب مراد ہوتے ہیں اور جمع کا صیغہ ہو تو ہر روز کا مشرق و مغرب مراد ہوتا ہے یا ہر موسم کا قرآن میں ہے۔
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (۷۳-۹) وہی مشرق و مغرب کا مالک (ہے)
رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (۵۵-۱۷) وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔
وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (۳۷-۵) اور مشرقوں کا رب ہے۔
مَكَانًا شَرْقِيًّا (۱۹-۱۶) مشرق کی طرف (چلی گئی)۔
اَلْمَشْرُقَةُ جاڑے کے زمانہ میں دھوپ میں بیٹھنے کی جگہ جہاں سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی دھوپ پڑتی ہو۔ شَرَّقْتُ اللَّحْمَ گوشت کے ٹکڑے کر کے دھوپ میں خشک کرنا۔ اَلْمُشَرَّقُ عیدگاہ کو کہتے ہیں کیونکہ وہاں طلوع شمس کے بعد نماز ادا کی جاتی ہے۔ شَرِقَتِ الشَّمْسُ آفتاب کا غروب کے وقت زردی مائل ہونا اسی سے اَحْمَرُ شَارِقٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی نہایت سرخ کے ہیں۔
اَشْرَقَ الثَّوْبَ کپڑے کو خالص گہرے رنگ کے ساتھ رنگنا۔
لَحْمٌ شَرَقٌ سرخ گوشت جس میں بالکل چربی نہ ہو۔

(ش ر ك)

اَلشِّرْكَةُ وَالْمُشَارَكَةُ کے معنی دو ملکیتوں کو باہم ملا دینے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک چیز میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے شریک ہونے کے ہیں۔ خواہ وہ چیز مادی ہو یا معنوی مثلاً انسان اور فرس کا حیوانیت میں شریک ہونا یا دو گھوڑوں کا سرخ یا سیاہ رنگ کا ہونا اور شَرِكْتُهُ وَشَارَكْتُهُ وَتَشَارَكُوْا اور اِشْتَرَكُوْا کے معنی باہم شریک ہونے کے ہیں اور اَشْرَكْتُهُ فِيْ كَذَا کے معنی شریک بنا لینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِيْ (۲۰-۳۲) اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ اور حدیث میں ہے (۱۹۱)
اَللّٰهُمَّ اَشْرِكْنَا فِيْ دُعَاءِ الصَّالِحِيْنَ اے اللہ ہمیں نیک لوگوں کی دعا میں شریک کر۔
ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا۔ (۱۹۲)
اِنِّيْ شَرَّفْتُكَ وَفَضَّلْتُكَ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِيْ وَاَشْرَكْتُكَ فِيْ اَمْرِيْ۔ کہ میں نے تمہیں تمام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلوق پر شرف بخشا اور تجھے اپنے کام میں شریک کر لیا یعنی میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر ہوتا رہے گا اور میں نے اپنی طاعت کے ساتھ تمہاری طاعت کا بھی حکم دیا ہے جیسے فرمایا۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (۵-۹۲) اور خدا کی فرمانبرداری اور رسول خدا کی اطاعت کرتے رہو۔

قرآن میں ہے :۔

وَ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِکُوْنَ (۳۷-۲۳) (اس دن) عذاب میں شریک ہوں گے۔

شَرِیْكٌ۔ ساجھی۔ قرآن میں ہے :۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (۱۷-۱۱۱) اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔

اس کی جمع شُرَکَاءُ ہے جیسے فرمایا۔

شُرَکَاءُ مُتَشَاکِسُوْنَ (۲۹-۲۹) جس میں کئی آدمی شریک ہیں۔ (مختلف المزاج اور بدخو۔

شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ (۴۲-۲۱) کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے۔

اَیْنَ شُرَکَاءِیَ (۱۶-۲۷) میرے شریک کہاں ہیں۔

دین میں شرک دو قسم پر ہے۔ شرک عظیم یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور اَشْرَكَ فُلَانٌ بِاللّٰہِ کے معنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے ہیں اور یہ سب سے بڑا کفر ہے۔ قرآن میں ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ ۔۔۔۔ (۴-۱۱۶) خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔ اور فرمایا :۔

وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (۴-۱۱۵) اور جس نے خدا کے ساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دور جا پڑا۔

اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ ۔۔۔۔ (۵-۷۲) جو شخص خدا کے ساتھ شریک کریگا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دیگا۔

یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا (۶۰-۱۲) اس بات پر بیعت کرینگی کہ خدا کیساتھ نہ شرک کریں گی۔

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا (۶-۱۴۸) جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

دوم شرک صغیر کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰھُمَا ۚ فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ (۷-۱۹۰) تو اس (بچے) میں جو وہ ان کو دیتا ہے اس کا شریک مقرر کرتے ہیں جو وہ شرک کرتے ہیں۔ خدا کا (رتبہ) اس سے بلند ہے۔

وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ۔ (۱۲-۱۰۶) اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔

بعض نے اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ کے معنی یہ کئے ہیں کہ مگر وہ شَرَكٌ یعنی دنیا کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں اور اسی سے علیہ السلام نے فرمایا (۱۹۳)

اَلشِّرْكُ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ ۔۔۔ یعنی اس امت میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوگا پس لفظ شِرْكٌ الفاظ مشترکہ

له الدسان والضھایۃ وشرک، والحکیم عن ابن عباس معاشتۃ ومن ابی بکر وحل عن ابی عباس وفی جمیع الروایات فی امتی بدل اہلہ الامۃ وفی روایۃ الذر بدل النمل وفی تخریج العراقی (۳: ۳۰۴) اتقوا ھذا الشرک فانہ اخفی من دبیب النمل رواہ ابن حبان فی الضعفاء من حدیث ابی بکر الصدیق والطبرانی من حدیث ابی موسی الاشعری ونزھۃ المجالس للصفوری ص ۷، راجع کنز العمال ج ۳ رقم ۴۷ ۲۳، ۲۳۴۴-۲۳۷۷، ۹۶ ۲۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ہے اور آیت کریمہ :۔
وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (۱۸-۱۱۰) پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔
میں دونوں قسم کا شرک مراد ہے اور آیت کریمہ :۔
اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ (۹-۵) مشرکوں کو ... قتل کردو۔
میں اکثر فقہاء نے تمام کفار مراد لئے ہیں۔ کیونکہ یہود بھی اہل کتاب تھے عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے جیسا کہ قرآن میں ہے :۔
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ (۹-۳۰) یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔
اور بعض نے کہا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار مراد ہیں کیونکہ آیت :۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (۲۲-۱۷)
جو لوگ مومن (یعنی مسلمان) ہیں اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک۔
میں مشرکین کو یہود و نصاریٰ سے الگ عطف کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب مشرکین سے خارج ہیں۔

(ش ر ی)

شِرَاءٌ اور بَيْعٌ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ کیونکہ مُشْتَرِی کے معنی قیمت دے کر اس کے بدلے میں کوئی چیز لینے والے کے ہیں۔ اور بائع اسے کہتے ہیں جو چیز دے کر قیمت لے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک طرف سے نقدی اور دوسری طرف سے سامان ہو۔ لیکن جب خرید و فروخت جنس کے عوض جنس ہو۔ تو دونوں میں سے ہر ایک کو بائع اور مشتری تصور کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ

بیع اور شراء کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور عام طور پر شَرَيْتُ بمعنی بِعْتُ اور اِبْتَعْتُ بمعنی اِشْتَرَيْتُ آتا ہے قرآن میں ہے۔
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲-۲۰) اور اس کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالا۔
يَشْرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (۴-۷۴) جو لوگ آخرت (کو خریدتے) اور اس کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں۔
پھر شِرَاءٌ اور اِشْتِرَاءٌ کا لفظ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس کے عوض میں دوسری چیز لی جائے۔ چنانچہ فرمایا :۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ (۳-۷۷) جو لوگ خدا کے اقراروں کو بیچ کر اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں۔
لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ (۳-۱۹۹) وہ خدا کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے۔
اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (۲-۸۶) جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔
اِشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ (۲-۱۶) جنہوں نے گمراہی خریدی۔
اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۹-۱۱۱) خدا نے مومنوں سے ..... خرید لئے ہیں۔
اور جس چیز کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان کی جانیں خرید کی ہیں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :۔
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ (یعنی خدا کی راہ میں لڑتے اور شہید ہوتے ہیں) اور خوارج اپنے آپ کو شُرَاةٌ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔
اور آیت :۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ (۲-۲۰۷) اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہو۔ سے استدلال کرتے تھے کہ یہاں یَشۡرِیۡ بمعنی یَبِیۡعُ ہے۔ جیساکہ آیت اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے۔

(ش ط ط)

اَلشَّطَطُ۔ کے معنی حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے کے ہیں جیسے شَطَّتِ الدَّارُ وَاَشَطَّ (گھر کا دور ہونا) اور یہ کسی مقام یا حکم یا نرخ میں حد مقررہ سے تجاوز کرنے پر بولا جاتا ہے۔

شاعر نے کہا ہے؎ (البسیط)

(۲۶۰) شَطَّ الْمَزَارُ بِجَدْوَیٰ وَانْتَهَی الْاَمَلُ

یعنی جدوی (محبوبہ) کی زیارت مشکل ہوگئی اور ہر قسم کی امیدیں منقطع ہوگئیں۔

اور کبھی شَطَطٌ بمعنی جَوْر بھی آجاتا ہے چنانچہ فرمایا:۔ لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا۔ (۱۸-۱۴) تو ہم نے بعید از عقل بات کہی۔

شَطُّ النَّهْرِ۔ دریا کا کنارا (جہاں سے پانی دور ہو۔

(ش ط ر)

شَطْرُ الشَّیْئِ کے اصل معنی نصف یا وسط شے کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۲-۱۴۴) اور اپنا منہ مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کیطرف پھیر لو۔ یہاں شطر بمعنی سمت ہے۔ جیسے فرمایا:۔

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (۲-۱۴۴) (نماز کے وقت) اس مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو۔

شَاطَرْتُهٗ شِطَارًا آدھا آدھا تقسیم کر لینا۔

شَطَرَ بَصَرَهٗ اس طرح دیکھنا کہ تمہاری طرف بھی نظر ہے اور دوسرے کی طرف بھی۔

حَلَبَ فُلَانٌ الدَّهْرَ اَشْطُرَهٗ اس نے زمانہ کے خیر و شر کو پہچان لیا۔ اصل میں یہ لفظ اونٹنی کے متعلق استعمال ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی شخص اونٹنی کے اگلی طرف کے دو تھنوں سے دودھ نکال لے اور پچھلی طرف کے چھوڑ دے تو اس کے متعلق حَلَبَ اَشْطُرَهٗ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور شَطُوْرٌ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس کے ایک جانب کے تھن خشک ہو گئے ہوں اور شَطُوْرٌ اس بکری کو بھی کہا جاتا ہے جس کا ایک تھن دوسرے سے لمبا ہو۔

شَطَرَ کے معنی ایک جانب ہو جانے کے ہیں۔ اور شَاطِرٌ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو دور رہتا ہو اس کی جمع شُطُرٌ آتی ہے۔

شاعر نے کہا ہے؎ (المتقارب)

(۲۶۱) اَشَاقَكَ بَيْنَ الْخَلِيطِ الشُّطُرُ

؎ وتمامہ: فلا خیالٌ ولا عهدٌ ولا طللُ۔ وبعدہ: الارجاء فما ندری اَمُدرکہ۔ ام یستمر فیاتی دونہ الاجل؟ والبیت من قصیدۃ لابن احمر مدح بہا النعمان بن بشیر بن سعد الانصاری وہو اول لد فی الاسلام من الانصار وآخر من ولی الکوفۃ لمعاویۃ بن ابی سفیان قتلتہ بنو کلب فی فتنۃ مروان وکان عثمانیا وابوہ بشیر بن سعد عقبی بدری والشطلانی الذیل ۸ والبیت فی التاج (شطط) واللسان (جدا) والالفاظ ۳۳۹ والسمط (۳: ۷) وجدوی اسم امرءۃ۔ ؎ وتمامہ: وفیمن اقام من الحی ہر البیت لامرئ القیس رواہ فی اللسان (شطر) وفی روایۃ اشاقک وفی روایۃ الدیوان (صنعۃ السندوبی) ۵۲: وفیمن اقام من الحی ہر ام الظاعنون بہا فی الشطر وانہ البیت مع آخر قد تقدم علیہ فی رسائل البلغاء: ۳۳۳-۳۳۲: وفیہ شاقد بدل شاقک۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوستوں میں پیچھے رہنے والوں نے اپنا مشتاق بنا لیا ہے۔
اور شاطر بعید عن الحق کو بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع شُطَّارٌ آتی ہے۔

(ش ط ن)

اَلشَّیْطَانُ اس میں نون اصلی ہے اور یہ شَطَنَ سے مشتق ہے جس کے معنی دور ہونے کے ہیں[1] اور بِئْرٌ شَطُوْنٌ (بہت گہرا کنواں)۔
شَطَنَتِ الدَّارُ۔ گھر کا دور ہونا غُرْبَةٌ شَطُوْنٌ (وطن سے دوری) وغیرہ محاورات اسی سے مشتق ہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ لفظ شَیْطَانٌ میں نون زائدہ ہے اور یہ شَاطَ یَشِیْطُ سے مشتق ہے جس کے معنی غصہ سے سوختہ ہو جانے کے ہیں۔ اور شیطان کو بھی شیطان اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ آیت:
خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۵۵-۱۵) اور جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔
سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں قوت غضبیہ اور حمیت مذمومہ افراط کے ساتھ پائی جاتی ہے اس بنا پر اس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔
ابو عبیدہ نے کہا ہے[2] کہ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ وہ جن وانس سے ہو یا دیگر حیوانات سے۔ قرآن میں ہے:
شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (۶-۱۱۲) شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ (۶-۱۲۱) اور شیطان (لوگ)۔۔۔۔ دلوں میں (یہ بات) ڈالتے ہیں۔
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ (۲-۱۴) اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں۔
یعنی جب جنوں اور انسانوں میں سے اپنے اصحاب کے پاس جاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:
کَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ (۳۷-۶۵) جیسے شیطانوں کے سر۔
میں بعض نے کہا ہے کہ شیاطین سے باریک جسم کے سانپ مراد ہیں اور بعض نے سرکش جن مراد لئے ہیں اور زناگ یعنی تھوہر کے پتوں کو، بدنما ہونے کی وجہ سے بطور تشبیہ رؤس الشیاطین کہا گیا ہے۔ اور آیت کریمہ:
وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ (۲-۱۰۲) اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمانؑ کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔
میں شیاطین سے سرکش جن مراد ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرکش انسان بھی مراد ہوں شاعر نے کہا ہے[3]

(۲۶۲) لَوْ اَنَّ شَیْطَانَ الذِّئَابِ الْعُسَّلِ

اگر سرکش تیز رو بھیڑیا۔
یہاں عُسَّلٌ۔ عَاسِلٌ کی جمع ہے اور عَاسِلٌ کے معنی نہایت سرعت کے ساتھ دوڑنے والے کے ہیں اور عَسَلَانٌ کا لفظ بھیڑیے کی تیز روی کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے شاعر نے کہا ہے[4] (الرجز)

(۲۶۳) مَا لَیْلَةُ الْفَقِیْرِ اِلَّا شَیْطَانٌ

---

[1] راجع حماسة (۱: ۳۲) واللسان (شطن)، وفیہا کل عات متمرد مکان کل عارم [2] فعلی ہذا یکون وزنہ فیعالا وان کانت نونہ زائدۃ فوزنہ فعلان من شاط (اعراب ثلاثین لابن خالویہ ۷-۸)، [3] لم اجدہ [4] وتمامہ "مجنونۃ تودی بروح الانسان" والبیت فی اللسان (فقر) بغیر عزو وفی البلدان (فقر) وصدرہ: مجنونۃ تودی تریح الاسنان وسیاتی فی (فقر)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ مقام نقیع میں لات شیطان کی طرح بھیانک ہوتی ہو۔ اور انسان کی ہر بری خصلت کو شیطان کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علیہ السلام نے فرمایا ہے[1]۔ اَلْحَسَدُ شَیْطَانٌ وَالْغَضَبُ شَیْطَانٌ کہ حسد بھی شیطان ہے اور غصہ بھی شیطان ہے۔

(ش ط ء)

شَاطِئُ الْوَادِیْ کے معنی وادی کے کنارہ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ (۲۸-۳۰) تو میدان کے دائیں کنارے سے آواز آئی۔

شَاطَاتُ فُلَانًا کے معنی ہیں میں اس کے ساتھ ساتھ وادی کے کنارے پر چلا۔

شَطْأُ الزَّرْعِ کھیتی کی سوئی جو زمین سے نکل کر دونوں جانب پھیل جاتی ہے ج اَشْطَاءٌ قرآن میں ہے۔

کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ (۴۸-۲۹) گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی۔

ایک قرأت میں شَطَأَهٗ ہے جیسے شَمْعٌ وَشَمَعٌ وَنَهْرٌ وَنَهَرٌ وغیرہ ذالک۔

(ش ع ب)

اَلشَّعْبُ اس قبیلہ کو کہتے ہیں جو ایک قوم سے پھیلا ہو۔ اس کی جمع شُعُوْبٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ (۴۹-۱۳) قومیں اور قبیلے (بنائے)

اَلشِّعْبُ مِنَ الْوَادِیْ۔ وادی کا وہ مقام جہاں اس کا کنارہ ملتا اور دوسرا جدا ہوتا ہو جب تم اس جگہ کو دیکھو جہاں اس کا کنارہ جدا ہو رہا ہے تو ایسا معلوم ہو کہ ایک چیز کے ٹکڑے ہو رہے ہیں اور جب اس سرے کو دیکھو جہاں دوسرا اس سے ملتا ہے تو ایسا محسوس ہو کہ دونوں سرے ایک دوسرے سے مل رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ شَعْبٌ کے معنی جمع کرنا اور متفرق کرنا دونوں آتے ہیں اور شُعَیْبٌ یا تو شَعْبٌ کی تصغیر ہے جو مصدر یا اسم ہے اور یا شِعْبٌ کی۔

اَلشَّعِیْبُ پرانی مشک جو مرمت اور درست کی گئی ہو۔ اور آیت کریمہ:۔

اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ (۷۷-۳۰) (اس سائے کی طرف چلو) جس کی تین شاخیں ہیں۔ کی تشریح اس کتاب کے بعد بیان ہوگی۔

(ش ع ر)

اَلشَّعْرُ بال اس کی جمع اَشْعَارٌ آتی ہے قرآن میں ہے۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا (۱۶-۸۰) اون اور پشم اور بالوں سے۔

شَعَرْتُ کے معنی بالوں پر مارنے کے ہیں۔ اور اسی سے شَعَرْتُ کَذَا مستعار ہے جس کے معنی بال کی طرح باریک علم حاصل کرلینے کے ہیں اور شاعر کو بھی اس کی فطانت اور لطافت نظر کی وجہ سے ہی شاعر کہا جاتا ہے تو لَیْتَ شِعْرِیْ کَذَا کے محاورہ میں شعر اصل میں علم لطیف کا نام ہے پھر عرف میں موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہا جانے لگا ہے اور شعر کہنے والے کو شاعر کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (۲۱-۵) بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے نہیں بلکہ (یہ) شعر

---

[1] لم اجدہ ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہے جو اس شاعر کا نتیجہ طبع ہے۔
نیز آیت کریمہ:۔
لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (۳۷-۳۶) ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے۔
اور آیت: شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ (۵۲-۳۰) شاعر ہے اور ہم اس کے حق میں ... انتظار کر رہے ہیں
میں بہت سے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ انہوں نے آنحضرت پر شعر بمعنی منظوم اور مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگائی تھی۔ حتّٰی کہ وہ قرآن میں ہر اس آیت کی تاویل کرنے لگے جس میں وزن پایا جاتا ہے جیسے وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اور تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔
لیکن بعض حقیقت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے ان کا مقصد منظوم اور مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن اسلوب شعری سے مبرا ہے اور اس حقیقت کو عوام عجمی بھی سمجھ سکتے ہیں پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔ بلکہ وہ آپ پر (نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب اور شاعر بمعنی کاذب استعمال ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ جھوٹے دلائل کو اَدِلَّةٌ شِعْرِيَّةٌ کہا جاتا ہے اسی لئے قرآن نے شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔
وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (۲۶-۲۲۴) الآیۃ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔
اور شعر چونکہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے۔ اس لئے مقولہ مشہور ہے کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو اور کسی حکیم نے کہا ہے کہ میں نے کوئی متدین اور راست گو انسان ایسا نہیں دیکھا جو شعر گوئی میں ماہر ہو۔
اَلْمَشَاعِرُ حواس کو کہتے ہیں لہٰذا آیت کریمہ:۔
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (۴۹-۲) اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کے معنی یہ ہیں کہ تم حواس سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اور اکثر مقامات میں جہاں لَا يَشْعُرُوْنَ کا صیغہ آیا ہے اس کی بجائے۔ لَا يَعْقِلُوْنَ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو محسوس تو نہیں ہو سکتی لیکن عقل سے ان کا ادراک ہو سکتا ہے اور مَشَاعِرُ الْحَجِّ کے معنی رسوم حج ادا کرنے کی جگہ کے ہیں اس کا واحد مَشْعَرٌ ہے اور انہیں شَعَآئِرُ الْحَجِّ بھی کہا جاتا ہے اس کا واحد شَعِيْرَةٌ ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ (۲۲-۳۲) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (۲-۱۹۸) مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں۔
اور آیت کریمہ:۔
لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (۵-۲) خدا کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا۔
میں شَعَآئِرَ اللّٰهِ سے مراد قربانی کے وہ جانور ہیں جو بیت اللہ کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ اور قربانی کو شَعِيْرَةٌ اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ شَعِيْرَةٌ (یعنی نیزہ لوہے) سے اس کا خون بہا کر اس پر نشان لگا دیا جاتا تھا۔
اَلشِّعَارُ وہ لباس جو انسان کے جسم کے ساتھ ملا رہتا ہے نیز لڑائی میں فوجی اشارہ کو بھی شعار کہا جاتا ہے۔
اَشْعَرَهُ الْحُبُّ محبت اس کا لباس بن گئی۔
اَلْاَشْعَرُ لمبے بالوں والا آدمی یا وہ گھوڑا جس کے کھر کے ارد گرد گھنے بال ہوں اور سخت مصیبت کو کہا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ اور شَعْرَاءُ کتے کی مکھی کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر وقت اس کے بالوں پر بیٹھی رہتی ہے۔

اَلشَّعِیْرُ جو کا دانہ۔ اَلشِّعْرٰی ایک ستارے کا نام ہے جو سخت گرمی کے زمانہ میں طلوع ہوتا ہے اور آیت کریمہ:

ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی (۵۳-۴۹) اور یہی شعریٰ کا مالک ہے میں شعریٰ کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ وہ ایک قوم کا معبود تھا۔

www.KitaboSunnat.com

(ش ع ف)

آیت کریمہ: قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (۱۲-۳۰) میں ایک قرأت قَدْ شَعَفَهَا بعین مہملہ بھی ہے جو کہ شَعَفَةُ الْقَلْبِ سے مشتق ہے اور شَعَفَةُ الْقَلْبِ دل کے اس ملیے کو کہتے ہیں جو خیمہ رگ کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ اور شَعَفَةُ الْجَبَلِ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ اسی سے محاورہ ہے:

فُلَانٌ مَشْعُوْفٌ بِكَذَا فلاں اس پر فریفتہ ہے گویا محبت اسکے شعفہ قلب تک پہنچ گئی ہے۔

(ش ع ل)

اَلشَّعْلُ: آگ کا بھڑکنا یا بھڑکانا۔ کہا جاتا ہے شُعْلَةٌ مِّنَ النَّارِ آگ کا شعلہ اور قَدْ اَشْعَلْتُهَا کے معنی ہیں میں نے آگ بھڑکائی۔

ابو زید کے نزدیک شَعَلْتُهَا (فعل مجرد) کہنا بھی جائز ہے۔ اَلشَّعِیْلَةُ جلتی ہوئی بتی۔ بعض نے سفیدی کے چمکنے کے لئے بھی بَیَاضٌ یَشْتَعِلُ کا محاورہ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا (۱۹-۴) اور سر ہے کہا بڑھاپے کی وجہ سے شعلہ مارنے لگا ہے۔

یہاں رنگت کے لحاظ سے بالوں کی سفیدی کو آگ کے ساتھ تشبیہ دے کر اشتعال کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اِشْتَعَلَ فُلَانٌ غَضَبًا فلاں غصہ سے بھڑک اٹھا۔ یہاں غصہ کو حرکت کے لحاظ سے آگ کے بھڑکنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اسی سے اَشْعَلْتُ الْخَيْلَ فِي الْغَارَةِ کا محاورہ ہے۔ یعنی میں نے غارت گری کے لئے سواروں کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ جیسا کہ اَوْقَدْتُهَا وَهَيَّجْتُهَا وَاَضْرَمْتُهَا کے محاورات ہیں۔

(ش غ ف)

اَلشَّغَافُ: دل کا اندرونی حصہ قرآن میں ہے۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (۱۲-۳۰) اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔

حسن نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ یوسف کی محبت اس کے شغاف یعنی باطن قلب تک پہنچ گئی۔ اور ابو علی نے وسط قلب کے معنی بیان کئے ہیں اور یہ دونوں معنی (مآل کے لحاظ سے) تقریبا ایک ہی رہیں۔

(ش غ ل)

اَلشُّغُلُ وَالشُّغْلُ: ایسی مصروفیت جس کی وجہ سے انسان دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہ دے سکے قرآن میں ہے:

فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ (۳۶-۵۵) عیش و نشاط کے

ملہ وفی مجاز ابو عبیدة ویقرؤہ قوم (قد شعفها) وهو من المشعوف قال فی الطبری (۱۲-۱۱۰۲-۱۱۱) قرء بالمهملة ابو رجاء والاعرج وعوف وقرءت عن علیؓ والجمهور بالمعجمة (راجع الفتح ۸/۲۷۲)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشغلے میں ہوں گے۔

ایک قرأت میں شُغُلٍ ہے یہ شَغَلَ فَهُوَ مَشْغُوْلٌ (باب مجرد) سے آتا ہے اور اَشْغَلَ استعمال نہیں ہوتا شُغُلٌ شَاغِلٌ معروف رکھنے والا کام۔

(ش ف ع)

اَلشَّفْعُ کے معنی کسی چیز کو اس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے کے ہیں اور جفت چیز کو شَفْعٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۸۹-۳) اور جفت اور طاق کی۔

بعض نے کہا ہے کہ شَفْعٌ سے مراد مخلوق ہے کیونکہ وہ جفت بنائی گئی ہے جیسے فرمایا:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (۵۱-۴۹) اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں۔

اور وتر سے ذات باری تعالیٰ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے یگانہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شفع سے مراد یَوْمَ النَّحْرِ ہے کیونکہ اس کے بعد دوسرا دن اس کی مثل ہوتا ہے اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے[1] اور بعض نے کہا ہے کہ شفع سے اولاد آدم اور وتر سے آدم علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ وہ بن باپ کے پیدا کئے گئے تھے[2]۔

اَلشَّفَاعَةُ کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد یا شفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے باعزت آدمی کا اپنے سے کم تر کے ساتھ اس کی مدد کے لئے شامل ہوجانے پر بولا جاتا ہے اور قیامت کے روز شفاعت بھی اسی قبیل سے ہوگی[3]۔ قرآن میں ہے:

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (۱۹-۸۷) (تو لوگ) کسی کی سفارش کا اختیار رکھیں گے مگر جس نے خدا سے اقرار لیا ہو۔

لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ (۲۰-۱۰۹) اس روز کسی کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔ مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت دے۔

لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا (۵۳-۲۶) جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (۲۱-۲۸) وہ اس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کرسکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (۷۴-۴۸) (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

یعنی جن معبودوں کو یہ اللہ کے سوا سفارش کیلئے پکارتے ہیں وہ ان کی سفارش نہیں کرسکیں گے۔

مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (۴۰-۱۸) کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات قبول کی جائے۔

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (۴-۸۵) جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو بری بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا۔

یعنی جو شخص اچھے یا برے کام میں کسی کی مدد اور سفارش کرے گا وہ بھی اس فعل کے نفع ونقصان

---

[1] قول ابن عباس وعکرمۃ والضحاک [2] مجاہد والحسن وفی تفسیر الآیۃ اقول اخریٰ (الطبری ۳۰/۱۷۰-۱۷۲) [3] انکر الشفاعۃ المعتزلۃ وقالوا خلاف العدل وانکروا الاحادیث الواردۃ فی اثباتہا وہی اول فرقۃ انکر الحدیث (راجع کتب الاصول)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس کا شریک ہوگا۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں شفاعت سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے لئے کسی اچھے یا برے مسلک کی بنیاد رکھے اور وہ اس کی اقتداء کرے تو وہ ایک طرح سے اس کا شفیع بن جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے[1] (۱۹۵)

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حسنة فَلَهٗ اَجرها واجر من عمل بِهَا وَمن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمِل بِهَا کہ جس شخص نے اچھی رسم جاری کی اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اسے اجر ملے گا اور جس نے بری رسم جاری کی اس پر اس کا گناہ ہوگا۔ اور جو اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ میں بھی وہ شریک ہوگا۔ اور آیت کریمہ۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ (۱۰-۳)

کوئی (اس کے پاس) اس کا اذن لئے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔

کے معنی یہ ہیں کہ وہ اکیلا ہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور نظام کائنات کے چلانے میں کوئی اس کا ساجھی نہیں ہے۔ ہاں جب وہ امور کی تدبیر و تقسیم کرنے والے فرشتوں کو اجازت دیتا ہے تو وہ اس کی اجازت سے تدبیر امر کرتے ہیں۔

اِسْتَشْفَعْتُ بِفُلَانٍ عَلٰى فُلَانٍ فَتَشَفَّعَ لِيْ میں نے فلاں سے مدد طلب کی تو اس نے میری مدد کی۔

شَفَعَةٌ۔ کے معنی کسی کی سفارش قبول کرنے کے ہیں۔ اور اسی سے علیہ السلام کا فرمان ہے[2] (۱۹۶) اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ وَّمُشَفَّعٌ کہ قرآن شافع اور مشفع ہوگا یعنی قرآن کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اَلشُّفْعَةُ کے معنی ہیں کسی مشترکہ چیز کے فروخت ہونے پر اس کی قیمت ادا کر کے اسے اپنے ملک میں شامل کر لینا۔ یہ شَفْعٌ سے مشتق ہے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے[3] (۱۹۷)

اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَةَ جب حدود مقرر ہو جائیں تو حق شفعہ باقی نہیں رہتا۔

(ش ف ق)

اَلشَّفَقُ غروب آفتاب کے وقت دن کی روشنی کے رات کی تاریکی میں مل جانے کو شفق کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۸۴-۱۶) ہمیں شام کی سرخی کی قسم۔

اَلْاِشْفَاقُ۔ کسی کی خیر خواہی کے ساتھ اس پر تکلیف آنے سے ڈرنا کیونکہ مشفق ہمیشہ مشفق علیہ کو محبوب سمجھتا ہے اور اسے تکلیف پہنچنے سے ڈرتا رہتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ (۲۱-۴۹) اور وہ قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔

---

[1] رواہ الحاکم ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ۔ عن جریر وباختلاف الفاظہ۔ عن ابی جحیفۃ وراجع الفتح (۳ر۲۰۰)

[2] الحدیث اخرجہ ابن حبان من روایۃ جابر والحاکم من حدیث معقل بن یسار والطبرانی من حدیث ابن مسعود وابو عبیدۃ فی فضائل القرآن وراجع لتخریجہ الکاف ۹۲ وکنز العمال ج ۱ رقم ۲۳۰۷ و ۲۳۰۳ و ۲۳۴۶۔

[3] رواہ الترمذی من حدیث جابر بن عبد اللہ قال وقد رواہ بعضھم مرسلا عن ابی سلمۃ والمسئلۃ مختلف فیہا بین الفقہاء راجع التحفۃ شرح الترمذی (۲ : ۴۲۹) وباختلاف الفاظہ فی البخاری ومسند احمد وابی داؤد وابن ماجۃ والشافعی عن الزہری عن ابی سلمۃ و سعید بن المسیب مرسلا وراجع کنز العمال ۷ر۳۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جب یہ فعل حرف مِنْ کے واسطہ سے متعدی ہو تو اس میں خوف کا پہلو زیادہ ہوتا ہے اور اگر بواسطہ فِیْ کے متعدی ہو تو عنایت کے معنی نمایاں ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ (۵۲-۲۶) اس سے قبل ہم اپنے گھر میں خدا سے ڈرتے رہتے تھے۔

مُشْفِقُونَ مِنْهَا (۴۲-۱۸) وہ اس سے ڈرتے ہیں۔

مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا (۴۲-۲۲) وہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے۔

أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا (۵۸-۱۳) کیا تم اس سے کہ ۔۔۔۔ پہلے خیرات دیا کرو ڈر گئے ہو۔

(ش ف و)

شفا۔ کنوئیں وغیرہ کے کنارہ کو کہتے ہیں۔ یہ قرب ہلاکت کے لئے ضرب المثل ہے۔ قرآن میں ہے:۔

عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (۹-۱۰۹) گر جانے والی کھائی کے کنارہ پر۔

عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ (۳-۱۰۳) (اور تم) آگ کے گڑھے کے کنارے تک ۔۔۔۔۔۔

أَشْفَىٰ فُلَانٌ عَلَى الْهَلَاكِ فلاں ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ اور اسی سے استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے مَا بَقِيَ مِنْ كَذَا إِلَّا شَفًى ۔۔۔۔ کہ فلاں چیز تھوڑی سی باقی رہ گئی ہے (یہ چاند یا سورج کے غروب ہونے یا کسی کی موت کے وقت بولا جاتا ہے) شَفًا کا تثنیہ شَفَوَانِ اور جمع أَشْفَاءٌ آتی ہے۔

(ش ف ی)

اَلشِّفَاءُ (ض) مِنَ الْمَرَضِ سلامتی سے ہمکنار ہونا یعنی بیماری سے شفا پانا یہ مرض سے صحت یاب ہونے کے لئے بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں شہد کے متعلق فرمایا:۔

فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ (۱۶-۶۹) اس میں لوگوں کے (امراض کی) شفا ہے۔

هُدًى وَشِفَاءٌ (۴۱-۴۴) وہ ہدایت اور شفا ہے۔

شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ (۱۰-۵۷) وہ دلوں کی بیماریوں کی شفا ہے۔

وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ (۹-۱۴) اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔

(ش ق ق)

اَلشَّقُّ شگاف کو کہتے ہیں۔ شَقَقْتُهُ بِنِصْفَيْنِ میں نے اسے برابر دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا۔ قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (۸۰-۲۶) پھر ہم نے زمین کو چیرا پھاڑا۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ (۵۰-۴۴) اس روز زمین (ان پر سے) پھٹ جائے گی۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ (۶۹-۱۶) اور آسمان پھٹ جائے گا۔

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (۸۴-۱) جب آسمان پھٹ جائیگا۔

اور آیت کریمہ:۔

وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۵۴-۱) اور چاند شق ہو گیا۔

میں بعض نے کہا ہے کہ انشقاق قمر آنحضرت کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا اور بعض نے اِنْشَقَّ الْقَمَرُ کے معنی وَضَحَ الْأَمْرُ کئے ہیں یعنی معاملہ واضح ہو گیا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلشَّقَّةُ پھاڑا ہوا ٹکڑا۔ اسی سے محاورہ ہے۔
طَارَ فُلَانٌ مِنَ الْغَضَبِ شِقَاقًا فلاں غصہ سے پھٹ گیا۔ جیسا کہ تُقَطَّعُ غَضَبًا کا محاورہ ہے۔
طَارَتْ مِنْهُمْ شُقَّةٌ ان کا ایک حصہ اڑ گیا۔ یعنی غضب ناک ہوئے۔

اَلشِّقُّ اس مشقت کو کہتے ہیں جو تنگ ہو کر بدن یا نفس کو لاحق ہوتی ہے جیسا کہ الانکسار کا لفظ بطور استعارہ نفس کی درماندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ (۱۶-۷) زحمت شاقہ کے بغیر

اَلشُّقَّةُ وہ منزل مقصود جس تک بہ مشقت پہنچا جائے۔ قرآن میں ہے:۔
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (۹-۴۲) لیکن مسافت ان کو دور (دراز) نظر آئی۔

اَلشِّقَاقُ (مفاعلۃ) کے معنی مخالفت کے ہیں گویا ہر فریق جانب مخالف کو اختیار کر لیتا ہے اور یا یہ شَقَّ الْعَصَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ کے محاورہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی باہم افتراق پیدا کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا (۴-۳۵) اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے۔
فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (۲-۱۳۷) تو وہ تمہارے مخالف ہیں۔
لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْ (۱۱-۸۹) میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے۔
لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ (۲-۱۷۶) وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔
وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۸-۱۳) اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ یعنی اس کے اولیاء کی صف کو چھوڑ کر ان کے مخالفین کے ساتھ مل جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَمَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۹-۶۳) یعنی جو شخص خدا اور رسول کا مقابلہ کرتا ہے۔
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ (۴-۱۱۵) اور جو شخص پیغمبر کی مخالفت کرے۔

اَلْمَالُ بَيْنَنَا شَقَّ الشَّعْرَةِ اَوْ شَقَّ الْاُبْلُمَةِ [1] یعنی مال ہمارے درمیان برابر برابر ہے۔
فُلَانٌ شِقُّ نَفْسِيْ اَوْ شَقِيْقُ نَفْسِيْ یعنی وہ میرا بھائی ہے میرے ساتھ اسے گونہ مشابہت ہے۔
شَقَائِقُ النُّعْمَانِ گل لالہ یا اس کا پودا۔ [2]
شَقِيْقَةُ الرَّمْلِ ریت کا ٹکڑا۔
اَلشِّقْشِقَةُ اونٹ کا ریہ جو مستی کے وقت باہر نکالتا ہے اس میں چونکہ شگاف ہوتا ہے۔ اس لئے اسے شِقْشِقَةٌ کہتے ہیں۔ [3]
بِيَدِهٖ شُقُوْقٌ اس کے ہاتھ میں شگاف پڑ گئے ہیں شِقَاقٌ سم کا شگاف فَرَسٌ اَشَقُّ راستہ سے ایک جانب مائل ہو کر چلنے والا گھوڑا۔
اَلشُّقَّةُ اصل میں کپڑے کے نصف حصہ کو کہتے ہیں اور مطلق کپڑے کو بھی شُقَّةٌ کہا جاتا ہے۔

---

[1] والابلمة الخوصة ای نحن متساوون فيه لان الخوصة اذا شققت طولا انشقت نصفين [2] واحدہ شقيقة واضيف الى النعمان بن المنذر لانه حمى ارضا فكثر فيها وقيل النعمان اسم الدم فشبهت حمرتها بحمرة الدم (اللسان: شقق) [3] وفي اللسان: ولا تكون الا للجمل العربي والجمع اشق ومنه سميت الخطب شقاشق وفي حديث علي رض ان كثيرا من الخطب شقاشق الشيطان لما يدخل فيها من الكذب وفي الفائق القول منسوب لعمر رض

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ش ق و)

اَلشَّقَاوَۃُ (بدبختی) یہ سعادت کی ضد ہے اور شَقِیَ (س) شَقْوَۃً وَشَقَاوَۃً وَشَقَاءً کے معنی بدبخت ہونے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا (۲۳-۱۰۶) ہم پر ہماری کم بختی غالب ہوگئی۔

میں ایک قرأت شَقَاوَتُنَا ہے[1] تو شِقْوَۃٌ بروزن رِدَّۃٌ ہے۔ سعادت کی طرح شقاوت بھی امور اضافیہ سے ہے۔ جیسا کہ سعادت دو قسم پر ہے دینوی و اخروی اور پھر سعادت دنیوی تین قسم پر ہے۔ نفسانی، بدنی اور خارجی۔ اسی طرح شقاوت بھی انہی اقسام کی طرف منقسم ہوتی ہے۔ چنانچہ شقاوت اخروی کے متعلق فرمایا:۔

فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (۲۰-۱۲۳) وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا (۲۳-۱۰۶) ہم پر ہماری کم بختی غالب ہوگئی۔

اور شقاوت دنیوی کے متعلق فرمایا:۔

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (۲۰-۱۱۷) تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔

بعض نے کہا ہے کہ کبھی شَقَاءٌ کا لفظ تَعَبٌ[2] کی جگہ پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے شَقِيتُ فِي كَذَا یعنی میں نے فلاں معاملہ میں مشقت اٹھائی اور ان دونوں میں عموم خصوص کی نسبت ہے ہر شقاوت کو تعب کہہ سکتے ہیں لیکن ہر تعب شقاوت نہیں ہوتی لہذا تعب شقاوت سے عام ہے۔

(ش ك ك)

اَلشَّكُّ کے معنی دو نقیضوں کے ذہن میں برابر اور مساوی ہونے کے ہیں یہ یا تو اس لئے ہوتا ہے کہ ان دونوں کی علامتیں یکساں طور پائی جاتی ہیں اور یا اس لئے کہ دونوں میں سے کسی پر بھی دلیل نہیں ہوتی۔

اَلشَّكُّ کبھی تو نفس شے میں ہوتا ہے کہ کون سی جنس سے ہے اور کبھی اس کی صفت میں اور کبھی اس غرض کے بارے میں جس کے لئے وہ چیز وجود میں لائی گئی ہے۔

شک جہالت ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس سے اخص ہے کیونکہ جہل میں کبھی سرے سے نقیضین کا علم ہی نہیں ہوتا۔ پس ہر شک جہل ہے مگر ہر جہل شک نہیں ہے۔ قرآن میں ہے:۔

لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ (۱۱-۱۱۰) وہ تو اس سے قوی شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ (۴۴-۹) لیکن یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ (۱۰-۹۴) اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں کچھ بھی شک ہے۔

اور یہ (شک) یا تو شَكَكْتُ الشَّيْءَ سے مشتق ہے جس کے معنی چاک کر ڈالنے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[3] (الکامل)

(۲۶۴) وَشَكَكْتُ بِالرُّمْحِ الْأَصَمِّ ثِيَابَهُ
لَيْسَ الْكَرِيمُ عَلَى الْقَنَا بِمُحَرَّمِ

---

[1] وہی قراءۃ ابن مسعودؓ والاول قراءۃ اہل المدینۃ (اللسان)۔ [2] قالہ عنترۃ انظر اللسان (شک) والطبرسی (۶-۱۰۲) ومحاضرات المؤلف (۲-۱۴۰) والجمہرۃ ۶ والمعلقات لابن الانباری ۳۴۳ والعشر للتبریزی ۱۹۶ والمعانی للقتبی ودیوانہ ۲۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے بھوس نیزے سے اس کا دل برباد سرع کو چاک کر ڈالا اور تعریف آدمی نیزے سے پر حرام نہیں ہوتا۔ تو گویا شک کے معنی کسی چیز میں شگاف ڈالنے کے ہیں اور کسی شے کے اس طرح ہونے کے ہیں کہ اس میں رائے کو قرار حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس پر اعتماد ہو سکے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس شَکٌّ سے مستعار ہو جس کے معنی بازو کے پہلو سے چمٹ جانے کے ہیں اس طرح شک کا مفہوم یہ ہوگا کہ دو متضاد چیزوں کا باہم دیگر اس طرح مل جانا کہ رائے اور فہم ان میں داخل ہو کر ایک دوسری سے الگ نہ کر سکے اور اِلْتَبَسَ الْاَمْرُ وَاخْتَلَطَ وَاَشْکَلَ وغیرہ استعارات سے بھی اس اشتقاق کی تائید ہوتی ہے۔

اَلشِّکَّۃُ ہتھیار جس سے کسی چیز کو پھاڑا جاتا ہے۔

(ش ک ر)

اَلشُّکْرُ کے معنی کسی نعمت کا تصور اور اس کے اظہار کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کَشْرٌ سے مقلوب ہے جس کے معنی کشف یعنی کھولنا کے ہیں۔ شکر کی ضد کفر ہے جس کے معنی نعمت کو بھلا دینے اور اسے چھپا رکھنے کے ہیں اور دَابَّۃٌ شَکُوْرٌ اس چوپائے کو کہتے ہیں جو اپنی فربہی سے یہ ظاہر کر رہا ہو کہ اس کے مالک نے اس کی خوب پرورش اور حفاظت کی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ عَیْنٌ شَکْرٰی سے ماخوذ ہے جس کے معنی آنسوؤں سے بھرپور آنکھ کے ہیں اس لحاظ سے شکر کے معنی ہوں گے منعم کے ذکر سے بھر جانا۔

شکر تین قسم پر ہے۔ شکر قلبی یعنی نعمت کا تصور کرنا۔ شکر لسانی یعنی زبان سے منعم کی تعریف کرنا شکر بالجوارح یعنی بقدر استحقاق نعمت کی مکافات کرنا۔ اور آیت کریمہ:۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا (۳۴-۱۳) اے داؤد کی آل میرا شکر کرو۔

میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں شُکْرًا منصوب علی التمیز ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو عمل کرو وہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے لئے کرو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ شُکْرًا اِعْمَلُوْا کا مفعول ہے۔ اور اُشْکُرُوْا کی بجائے اِعْمَلُوْا اس لئے کہا گیا ہے تاکہ شکر کی انواع ثلاثہ یعنی شکر قلبی و لسانی اور شکر بالجوارح کے التزام پر تنبیہ ہو جائے۔

قرآن میں ہے:۔

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (۳۱-۱۴) کہ میرا بھی شکر گزار رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی۔

وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ (۳-۱۴۵) اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب بہت اچھا صلہ دیں گے۔

وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ (۲۷-۴۰) اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدہ کے لئے۔

اور آیت کریمہ:۔

قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (۳۴-۱۳) اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔

میں تنبیہ پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کما حقہ شکر گزار ہونا بہت مشکل کام ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء میں سے شکر گزاری پر صرف دو پیغمبروں کی تعریف کی ہے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جیسے فرمایا:۔

شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ۔ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے دوم حضرت نوح کی جیسے فرمایا:۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (۱۷-۳) بے شک نوح ہمارا شکر گزار بندہ تھا۔

اور جب شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جیسے۔
اِنَّهٗ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (۶۴-۱۷) بے شک خدا قدر شناس اور بردبار ہے۔

تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام کرنا اور ان کی عبادت گزاری کی پوری پوری جزا دینا مراد ہوتا ہے نَاقَةٌ شَكِرَةٌ دودھ سے بھرے ہوئے تھنوں والی اونٹنی (یہ شکر سے صیغہ صفت ہے) مقولہ مشہور ہے[1]۔

هُوَ اَشْكَرُ مِنْ بَرْوَقٍ وہ بروق گھاس سے بھی زیادہ شکر گزار ہے۔ بروق گھاس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہلکی سی بارش سے ہری بھری ہو جاتی ہے اور شَكْرٌ کے معنی کنایہ کے طور پر عورت کی شرمگاہ اور اس سے جماع کے بھی آتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے[2]۔

اِنْ سَأَلَتْكَ ثَمَنَ شَكْرِهَا وَشِبْرِكَ اَنْشَاْتَ تُطَلِّهَا اگر وہ تجھ سے اپنی شرمگاہ اور جماع کی اجرت طلب کرتی ہے تو تو اس میں حیلے بہانے کرتا ہے۔

اَلشَّكِيْرُ تر و تازہ گھاس جو درخت کے تنہ میں ہو۔ اور شَكِرَتِ (س) اَلشَّجَرَةُ کے معنی درخت کی شاخوں کے گنجان ہونے کے ہیں۔

(ش ك س)

اَلشَّكِسُ بدمزاج کو کہتے ہیں اور آیت کریمہ:
شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُوْنَ (۳۹-۲۹) جس میں کئی آدمی شریک ہیں (مختلف المزاج) اور بد خو۔
یعنی اپنی بدمزاجی کی وجہ سے باہم جھگڑا کرنے والے ہیں۔

(ش ك ل)

اَلْمُشَاكَلَةُ کے معنی شکل و صورت میں مشابہ ہونے کے ہیں اور نِدٌّ کے معنی جنس میں شریک ہونے کے ہیں اور شِبْهٌ کے معنی کیفیت میں مماثلت کے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ (۳۸-۵۸) اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے) میں ہیئت اور تعاطی فعل کے لحاظ سے مماثلت مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شَكْلٌ کے معنی دَلٌّ یعنی عورت کے ناز و انداز کے ہیں لیکن اصل میں اس نسبت کو کہتے ہیں جو دو ہم مشرب و ہم پیشہ شخصوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی سے محاورہ ہے۔
اَلنَّاسُ اَشْكَالٌ وَاُلَّافٌ کہ لوگ باہم مشابہ اور الفت کرنے والے ہیں۔
اصل میں مُشَاكَلَةٌ شَكْلٌ سے ہے اور شَكَلْتُ الدَّابَّةَ کے معنی ہیں میں نے جانور کی ٹانگیں شکال سے باندھ دیں اور شکال اس رسی کو کہتے ہیں جس

---

[1] انظر للمثل اللسان (برق) والمیدانی رقم ۲۰۵۲ وفیه تخضر من غیر مطر بل تنبت بالسحاب اذا نشأ ۱۲۔ [2] قاله یحیی بن یعمر رجل خاصمته امرأته فی مهرها او سوّاه القتبی فی ادب الکتاب (ص ۱۲) مثلا للتقعیر والتقعیب وفیه الخبر، مجالس ثعلب ۴۲۵ تم قال والشکر: الفرج والکامل للمبرد ۶۸ وکتب تراجم النحویین مع اختلاف فی الروایة وفی اللسان (ضهل، طلل) والفائق ۱/۳۳۲ بزیادة تضهلها ای تعطیها القلیل من حقها والنهایة (شکر) وفیه: أأن بزیادة همزة الاستفهام وفی المطبوع تصحیف وارتباک ۱۲۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کی ٹانگیں باندھ دی جاتی ہیں پھر اس سے استعارہ کے طور پر شَکَلْتُ الْکِتَابَ کی طرح شَکَّلْتُ الْکِتَابَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کتاب کو اعراب لگانے کے ہیں۔

دَابَّۃٌ بِھَا شِکَالٌ وہ جانور جس کے ایک اگلے اور ایک پچھلے پاؤں میں شِکَال یعنی پائے بند کی طرح سفیدی ہو۔ قرآن میں ہے:۔

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (۱۷-۸۴) کہو کہ ہر ایک اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے۔

یعنی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اسے پائے بند کئے ہوئے ہے کیونکہ فطرت انسان پر سلطان قاہر کی طرح غالب رہتی ہے جیسا کہ ہم اپنی کتاب "اَلذَّرِیْعَۃُ اِلٰی مَکَارِمِ الشَّرِیْعَۃِ" میں بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ ایسے ہی جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے (۱۹۹)

کُلٌّ مُتَیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ (ہر کس را بقدر ہمت اوست)

اَلْاَشْکَلَۃُ حاجت جو انسان کو پابند کر دے اور اَلْاِشْکَالُ کے معنی (بطور استعارہ) کسی کام کے پیچیدہ ہو جانے کے ہیں۔ جیسا کہ اشتباہ کا لفظ شُبْہَۃٌ سے مشتق ہے اور مجازاً کسی امر کے مشتبہ ہونے پر بولا جاتا ہے۔

(ش ک و)

اَلشَّکْوُ وَالشِّکَایَۃُ وَالشَّکَاۃُ وَالشَّکْوٰی کے معنی اظہار غم کے ہیں اور شَکَوْتُ وَاَشْکَیْتُ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (۱۲-۸۶) کہ میں تو اپنے غم اور اندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں۔

وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (۵۸-۱) اور خدا سے شکایت (رنج وملال) کرتی ہے۔

اَشْکَاہُ (افعال) کے معنی کسی کو صاحب شکوہ کر دینے کے آتے ہیں۔ جیسے اَمْرَضَہٗ (اس کو صاحب مرض کر دیا) اور کسی کی شکایت کا ازالہ کرنے کے لئے بھی یہ فعل استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (۲۰۰)

شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فِیْ جِبَاھِنَا وَاَکُفِّنَا فَلَمْ یُشْکِنَا کہ ہم نے آنحضرت کے پاس اپنی پیشانیوں اور ہاتھوں میں گرمی کی شدت کی شکایت کی لیکن آپ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہ کیا۔

اصل میں شَکْوٌ کے معنی شَکْوَۃٌ یعنی چھوٹے مشکیزہ کو کھولنے اور اس کے اندر کی چیز کو ظاہر کرنے کے ہیں لہذا یہ دراصل بَثَثْتُ لَہٗ مَا فِیْ وِعَائِیْ اور نَفَضْتُ مَا فِیْ جِرَابِیْ کی طرح استعارہ ہے جس کے معنی دل کی بات کو ظاہر کر دینے کے ہیں۔

اَلْمِشْکٰوۃُ طاق جو آر پار نہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔

کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ (۲۴-۳۵) گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہو۔

تو مشکوٰۃ سے مراد مومن کا دل اور مصباح سے نور الٰہی مراد ہے۔

---

(۱۹۹) رواہ الحاکم وابو داؤد واصلہ متفق علیہ عن عمران بن حصین والترمذی عن عمر والحاکم ایضاً عن ابی بکر فی حدیث طویل۔ (۲۰۰) اخرجہ مسلم بعدان اورد احادیث ابراد الظہر والبیہقی من حدیث خباب راجع النیل (۲: ۳۲۹) والزرقانی علی الموطا (۱: ۴۰) والحدیث فی جل کتب الحدیث ر فی الفائق (۱: ۲۵۲) والنہایۃ (شکو) ۱۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ش م ت)

اَلشَّمَاتَۃُ کے معنی دشمن کی مصیبت پر خوش ہونے کے ہیں اور یہ شَمِتَ بِہٖ فَھُوَ شَامِتٌ کا مصدر ہے اور اَشْمَتَ اللّٰہُ بِہِ الْعَدُوَّ کے معنی ہیں اللہ اسے مصیبت پہنچائے جس سے اس کے دشمن خوش ہوں قرآن میں ہے:۔

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ (۷-۱۵۰) تو ایسا نہ کیجئے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں۔

تَشْمِیْتٌ کے معنی چھینکنے والے کو دعا دینے کے ہیں۔ گویا ازالہ شماتۃ کی دعا ہے جیسے تَعْرِیْضٌ کے معنی مرض کو زائل کرنے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے (البسیط)

(۲۶۵) .... تَبَاتَ لَہٗ

طوع الشوامت ....

تو اس نے خوف وہراس اور سردی میں کھڑے ہوکر رات گزاری۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں شوامت سے قوائم یعنی ٹانگیں مراد ہیں لیکن یہ معنی محل نظر ہیں اس لئے کہ اس بیت کے علاوہ اس معنی پر اور کوئی دلیل نہیں ہے۔

(ش م خ)

(الشَّامِخُ) بلند ج مونث شَامِخَات (

قرآن میں ہے:۔

رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ (۷۷-۲۷) اونچے اونچے پہاڑ۔

اور اسی سے شَمَخَ بِاَنْفِہٖ کا محاورہ ہے جس کے معنی تکبر کرنے کے ہیں۔

(ش م ء ز)

اَلْاِشْمِئْزَازُ۔ منقبض وگرفتہ ہوجانا۔ قرآن میں ہے۔

اِشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ (۳۹-۴۵) تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوجاتے ہیں۔

(ش م س)

اَلشَّمْسُ کے معنی سورج کی ٹکیہ یا دھوپ کے ہیں ج شُمُوْسٌ قرآن میں ہے:۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا (۳۶-۳۸) اور سورج اپنے مقررہ رستے پر چلتا رہتا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (۵۵-۵) سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔

شَمَسَ یَوْمُنَا وَاَشْمَسَ۔ دن کا دھوپ والا ہونا۔ شَمَسَ فُلَانٌ شِمَاسًا گھوڑے کا بدکنا ایک جگہ پر قرار نہ پکڑنا۔ گویا قرار نہ پکڑنے میں سورج کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

(ش م ل)

اَلشِّمَالُ۔ بایاں ضد یمین۔ قرآن میں ہے:۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ (۵۰-۱۷) جو دائیں اور بائیں بیٹھے ہیں۔

لہ قالہ النابغۃ والبیت بتمامہ: فارتاع من صوت کلاب فبات لہ۔ طوع الشوامت من خوف ومن بردا والبیت فی اللسان (شمت) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۵۷) والمحکم (طوع) وفیہ ومن صرد والکلاب صاحب الکلاب والشوامت القوائم ای بات الثور طوع قوائمہ (یعنی قائما) وہذا علی روایۃ من روی طوع بالنصب ومن رفعہ فانہ یرید من طوع الشوامت ای ماتشتہیہ اعداؤہ راجع للبیت ایضا الجمہرۃ (۵: ۲۳۷) والعقد الثمین ۲ والعشر للتبریزی ۲۹۴ والبیت من ابیات المعانی راجع اللسان والمعانی الکبیر للقتبی ۹ ۴۲۳ ۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز چھوٹی چادر جس سے بائیں جانب ڈھانپ
لی جائے اسے بھی شِمَالٌ کہا جاتا ہے جس طرح
کہ عربی زبان میں دوسرے اعضاء کی مناسبت
سے لباس کے مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ مثلاً
قمیص کی آستین کو یَدٌ (ہاتھ) اور جو حصہ سینہ
اور پشت پر آئے اسے صَدْرٌ اور ظَھْرٌ کہا جاتا
ہے اور پائجامہ کے پائنچہ کو رِجْلٌ سے موسوم کر
دیتے ہیں وغیرہ ذالک۔

اور اَلْاِشْتِمَالُ بِالثَّوْبِ کپڑے کو اس طرح لپیٹنا
کہ اس کا بالائی سرا بائیں جانب ڈالا جائے حدیث میں
ہے [1] نَھٰی عَنْ شِمْلَۃِ الصَّمَّاءِ کہ اشتمال
الصماء ممنوع ہے۔

اور استعارہ کے طور پر کمبل کو جو جسم پر لپیٹا جاتا
ہے۔ شَمْلَۃٌ و مِشْمَلٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے
شَمَلَھُمُ الْاَمْرُ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی
امر کے سب کو شامل اور عام ہو جانے کے ہیں۔
پھر شمال کے لفظ سے مجازاً کہا جاتا ہے۔
شَمَلْتُ الشَّاۃَ بکری کے تھنوں پر غلاف چڑھانا۔
اور شمال کے معنی عادت بھی آتے ہیں۔ کیونکہ وہ
بھی چادر کی طرح انسان پر مشتمل ہو جاتی ہے۔
اَلشَّمُوْلُ شراب کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی
ہے اور شراب کو شمول کہنا ایسے ہی ہے جیسا کہ
عقل کو ڈھانپ لینے کی وجہ سے خَمْرٌ
کہا جاتا ہے۔
اَلشِّمَالُ (بکسر الشین) وہ ہوا جو کعبہ کی بائیں جانب
سے چلتی ہے اور اس میں ایک لغت شَمْأَلٌ (بفتحہ
شین بھی ہے۔

شَامَلَ وَاَشْمَلَ کے معنی شمال کی جانب میں جانے
کے ہیں جیسے جنوب سے اَجْنَبَ۔ (جنوب کو جانا)
کنایہ کے طور پر تلوار کو مِشْمَلٌ کہا جاتا ہے جیسا
کہ اسے رِدَاءٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی سے
مُرْتَدٍ بِالسَّیْفِ وَ مُتَرَدِّعَالَہٗ کی طرح جَاءَ
مُشْتَمِلًا بِسَیْفِہٖ کا محاورہ ہے:۔

نَاقَۃٌ شِمِلَّۃٌ وَ شِمْلَالٌ بادِ شمال کی طرح تیز رو
اونٹنی۔ اور شاعر کے قول [2] ع (الکامل)

(۲۶۷) وَلَتَعْرِفَنَّ خَلَائِقًا مَشْمُوْلَۃً
وَلَتَنْدَمَنَّ وَلَاتَ سَاعَۃَ مَنْدَمٍ

تم عمدہ اخلاق کو پہچان لو گے اور تم پشیمانی اٹھاؤ گے
لیکن وہ وقت پشیمانی کا نہیں ہوگا۔
میں مَشْمُوْلَۃٌ سے مراد پاکیزہ اخلاق ہیں گویا باد
شمال نے (شراب کی طرح) انہیں ٹھنڈا اور
خوشگوار بنا دیا۔

(ش ن ء)

شَنِئْتُہٗ (ف س) کے معنی بغض کی وجہ سے
کسی چیز سے نفرت کرنے کے ہیں۔ اسی سے
اَزْدِ شَنُوْءَۃَ مشتق ہے جو ایک قبیلہ کا نام ہے
اور آیت کریمہ:۔ شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۵-۲)
لوگوں کی دشمنی۔
میں شَنَاٰنُ کے معنی بغض اور دشمنی کے ہیں
ایک قرأت میں شَنْاٰنُ بسکون نون ہے پس
تخفیف (یعنی سکون نون) کی صورت میں اسم

---

[1] متفق علیہ وابوداؤد والبیہقی من حدیث ابن عمر راجع ایضاً الزرقانی علی الموطا ۴/۲۸۷ والفائق ۱/۲۰ ؎ [2] البیت من شواہد الطبری ۲۳/۱۲۲ اور راجع لہ ایضاً اضداد ابی الطیب ۳۱۳ والاصمعی ۱۸ وابن السکیت ۲۳ وابن الانباری ۲۸ اوفی کل المراجع بغیر عزو والخزانۃ البغدادیہ ۲/۱۴۸ ؎

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فتح نون کی صورت میں مصدر ہوگا[1] اور اسی سے فرمایا:۔
اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸-۳) کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

(ش ھ ب)

اَلشِّھَابُ کے معنی بلند شعلہ کے ہیں خواہ وہ جلتی ہوئی آگ کا ہو یا فضا میں کسی عارضہ کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۳۷-۱۰) تو جلتا ہوا انگارہ اس کے پیچھے لگتا ہے۔
شِهَابٌ مُّبِيْنٌ (۱۵-۱۸) روشنی کرنیوالا انگارہ۔
شِهَابًا رَّصَدًا (۷۲-۹) انگارہ تیار۔
اَلشُّهْبَةُ سفیدی جس میں کچھ سیاہی ملی ہوئی ہو۔ جیسا کہ انگارہ کی روشنی کے ساتھ دھوآں ملا ہوتا ہے اسی سے کَتِيْبَةٌ شَهْبَاءُ کا محاورہ ہے جس کے معنی مسلح لشکر کے ہیں کیونکہ اس میں ہتھیاروں کی چمک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہیں۔

(ش ھ د)

اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ کے معنی کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کے ہیں خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے اور صرف حاضر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (۵۹-۲۲) پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔
لیکن اولیٰ یہ ہے کہ شُهُوْدٌ کے معنی صرف حاضر ہونا ہوں اور شَهَادَةٌ میں حاضر ہونے کے ساتھ مشاہدہ کا بھی اعتبار کیا جائے اَلْمَحْضَرُ بمعنی مشہد یعنی حاضر ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے مُشْهِدٌ وہ عورت جس کا خاوند حاضر ہو اور مَشْهَدٌ کی جمع مَشَاهِدُ آتی ہے اسی سے مَشَاهِدُ الْحَجِّ ہیں یعنی وہ مواضع شریفہ جہاں کہ فرشتے اور نیک لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ مَشَاهِدُ الْحَجِّ کے معنی مناسک حج کے ہیں قرآن میں ہے:۔
لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (۲۲-۲۸) تاکہ وہ اپنے فائدہ کے لئے حاضر ہوں۔
وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا (۲۴-۲) اور ان کی سزا کے وقت ..... موجود ہو۔
مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ (۲۷-۴۹) ہم تو اس کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے ہی نہیں۔
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (۲۵-۷۲) اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔
یعنی نہ تو زُوْرٌ کے موقع پر خود ہی حاضر ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کا قصد یا ارادہ کرتے ہیں۔
اَلشَّهَادَةُ۔ وہ بات جو کامل علم و یقین سے کہی جائے خواہ وہ علم مشاہدۂ بصر سے حاصل ہوا ہو یا بصیرت سے۔ اور آیت کریمہ:۔
اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ (۴۳-۹) کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے۔
میں مشاہدہ بصر مراد ہے۔ اور پھر سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ (عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی) سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ شہادت

له الاسم مثل سکران وعطشان من سکر وعطش والمصدر مثل طیران ونسلان وعسلان ورملان (ثال الجبری ۲/۴۲۶) و اولی القراءتین قراءة من یفتح النون لان المصادر یاتی علی فعلان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (۲-۸۴) اور تم اس بات کے گواہ ہو۔
میں تَشْهَدُوْنَ کے معنی تَعْلَمُوْنَ کے ہیں یعنی تم اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہو۔ اور آیت کریمہ
مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ (۱۸-۵۱) میں نے نہ تو ان کو آسمان کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا۔
میں تنبیہ کی ہے کہ یہ اس لائق نہیں ہیں کہ اپنی بصیرت سے خلق آسمان پر مطلع ہو جائیں
اور آیت کریمہ:
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (۲۳-۹۲) وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔
میں غائب سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کا ادراک نہ تو ظاہری حواس سے ہو سکتا ہو اور نہ بصیرت سے اور شہادت سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں لوگ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔
شَهِدْتُّ کا لفظ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے
(۱) علم کی جگہ آتا ہے اور اسی سے شہادت ادا ہوتی ہے مگر اَشْهَدُ بِكَذَا کی بجائے اگر اَعْلَمُ کہا جائے تو شہادت قبول نہیں ہوگی بلکہ اَشْهَدُ ہی کہنا ضروری ہے۔
(۲) قسم کی جگہ پر آتا ہے چنانچہ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اَنَّ زَيْدًا مُنْطَلِقٌ میں اَشْهَدُ بمعنی اُقْسِمُ ہے بعض نے کہا ہے کہ اگر اَشْهَدُ کے ساتھ بِاللّٰهِ نہ بھی ہو تب بھی یہ قسم کے معنی میں ہوگا اور کبھی عَلِمْتُ بھی اس کے قائم مقام ہو کر قسم کے معنی دیتا ہے اور اس کا جواب بھی جواب قسم کی طرح ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے [1] (الکامل)

(۲۶۷) وَلَقَدْ عَلِمْتُ لَتَاْتِيَنَّ مَنِيَّتِيْ

مجھے یقین ہے کہ میری موت ضرور آکر رہے گی۔
شَاهِدٌ اور شَهِيْدٌ کے ایک ہی معنی ہیں شَهِيْدٌ کی جمع شُهَدَاءُ آتی ہے قرآن میں ہے وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاءُ (۲-۲۸۲) تو گواہ انکار نہ کریں۔
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ (۲-۲۸۲) اور دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔
شَهِدْتُّ کے معنی کسی جگہ پر حاضر ہونے کے ہیں اور شَهِدْتُّ عَلٰى كَذَا کے معنی کسی واقعہ کی شہادت دینے کے قرآن میں ہے:
شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ (۴۱-۲۰) ان کے کان ان کے خلاف (ان کے اعمال کی) شہادت دیں گے۔
اور کبھی شہادت کے معنی فیصلہ اور حکم کے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (۱۲-۲۶) اس کے قبیلہ میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا۔
اور جب شہادت اپنی ذات کے متعلق ہو تو اس کے معنی اقرار کے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا:
وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ (۲۴-۶) اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ چار

---

[1] السیوطی ۸۰-۲ البیت منسوب للبید ولم اجدہ فی دیوانہ وتمامہ ان المنایا لاتطیش سہامہا وقد روی عجزہ ما عوف علی ولا عدمی ۔ کذا قال العینی فی شرح الشواہد راجع رقم ۲۵۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار خدا کی قسم کھائے۔

اور آیت کریمہ: مَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا (۱۲-۸۱) اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق (اس کے لے آنے کا) عہد کیا تھا۔

میں شَهِدْنَا بمعنی أَخْبَرْنَا ہے اور آیت کریمہ: شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (۹-۱۷) جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں گے۔

میں شَاهِدِينَ بمعنی مُقِرِّينَ ہے یعنی کفر کا اقرار کرتے ہوئے۔

لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا (۴۱-۲۱) تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی۔

اور آیت کریمہ: شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ (۳-۱۸) خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ۔

میں اللہ تعالیٰ کے اپنی وحدانیت کی شہادت دینے سے مراد عالم اور انفس میں ایسے شواہد قائم کرنا ہے جو اس کی واحدانیت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1]۔

(۲۶۸) فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ
تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

ہر چیز کے اندر ایسے دلائل موجود ہیں جو اس کے یگانہ ہونے پر دلالت کر رہے۔

بعض نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ کے اپنی ذات کے لئے شہادت دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہر چیز کو نطق بخشا اور ان سب نے اس کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ (أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ) اور فرشتوں کی شہادت سے مراد ان کا ان افعال کو سر انجام دینا ہے جن پر وہ مامور ہیں جس پر کہ آیت:

فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (۷۹-۵) پھر دنیا کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔ دلالت کرتی ہے۔

اور اُولوالعلم کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ وہ مخلوق کے رموز و اسرار پر مطلع ہوتے اور ان کا اقرار کرتے ہیں اور شہادت بایں معنی اہل علم کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ جہلاء اس قسم کی شہادت سے کوسوں دور ہیں اسی لئے کفار کے متعلق فرمایا:

مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ (۱۸-۵۱) میں نے ان کو نہ تو آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔

اور آیت کریمہ:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۳۵-۲۸) خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں۔ جو صاحب علم ہیں۔

میں بھی اسی معنی پر تنبیہ فرمائی ہے اور آیت:

وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (۴-۶۹) اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔

میں بھی شہداء سے یہی لوگ مراد ہیں۔

---

[1] البیت فی البحر (۲: ۴۰۲ ر ۳: ۱۳۹ ر ۴: ۳۲ ۴) و محاضرات المؤلف (۴: ۳۹۸) فی خلاثۃ ابیات والطبری (۱۰) وفی ابن کثیر فیہا لنوا عجبا کیف یعصی الالٰہ۔ ام کیف یجحدہ الجاحد۔ ونسبہ الی ابن المعتز (فی طبقات ابن المعتز ۲۰۰ انہ لابی العتاھیۃ وتعقبہ (ا) نواس دجمارات ایاد وہو الصواب کما فی زہر الآداب للحصری (۲: ۴۹) و طراز المجالس ۱۱۲ ۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شَهِيدٌ یہ کبھی بمعنی شاہد یعنی گواہ آتا ہے۔
چنانچہ آیت:۔
سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ (۵۰-۲۱) اس کے ساتھ (ایک) چلانے والا اور (ایک) گواہ ہوگا۔ میں شہید بمعنی گواہ ہی ہے جو اس کے لئے یا اس پر گواہی دیگا۔ اسی طرح آیت کریمہ:۔
فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (۴-۴۱) بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے اور تم کو لوگوں کا حال بتانے کو گواہ طلب کریں گے۔
میں بھی شہید بمعنی شاہد ہی ہے اور آیت کریمہ:۔
أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (۵۰-۳۷) یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو کچھ سنتے ہیں ان کے دل اس کی شہادت دیتے ہیں۔ بخلاف ان لوگوں کے جن کے متعلق فرمایا ہے۔ أُولٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ (۴۱-۴۴) ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔
اور آیت کریمہ:۔ أَقِمِ الصَّلٰوةَ إِلَى قَوْلِهِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (۱۷-۷۸) کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور ملائکہ ہے۔
میں قرآن کے مشہود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قراءت کرنے والے پر شفا، رحمت، توفیق، سکینت اور ارواح نازل ہوتی ہیں۔

جن کا کہ آیت:۔
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۷-۸۲) اور ہم قرآن کے ذریعہ سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔
میں ذکر پایا جاتا ہے۔ اور آیت:۔
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ (۲-۲۳) اور جو تمہارے مددگار ہیں ان کو بلالو۔ میں شُهَدَاءَ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جن پر معنی شہادت مشتمل ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے اس کے معنی أَعْوَان یعنی مددگار کے کئے ہیں اور مجاہدؒ نے اس کے معنی یہ کئے ہیں "کہ جو تمہارے حق میں گواہی دیں" اور بعض نے شہداء سے وہ لوگ مراد لئے ہیں۔ جن کے موجود ہونے کو قابل قدر اور معتبر سمجھا جائے یعنی وہ ایسے لوگ نہ ہوں جن کے متعلق کہا گیا ہے[1] (البسیط) (۹۶)، مُخْلِفُونَ وَيَقْضِي النَّاسُ أَمْرَهُمْ وَهُمْ بِغَيْبٍ وَفِي عَمْيَاءَ مَا شَعَرُوا
وہ پیچھے رہتے ہیں اور لوگ اپنے معاملات کا فیصلہ کر لیتے ہیں وہ غیر حاضر اور بے خبر ہوتے ہیں اور ان کو اس بات کا علم تک نہیں ہوتا
اور آیت کریمہ:۔
وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا (۲۸-۷۵) اور ہم امت میں سے گواہ نکال لیں گے۔
میں بھی شہید کا لفظ انہی معانی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور آیت کریمہ۔

[1] قالہ الاخطل فی کلیب بن یربوع رہط جریر وبعدہ: الآکلون خبیث الزاد وحدہم - والسائلون بظہر الغیب: ما الخبر والبیت فی الکامل ومحاضرات المؤلف (۱: ۲۱۱) ودیوانہ ما والسیوطی ۲۰۸ و فیہ یعصی بدل یقضی وقبلہ: اما کلیب بن یربوع فلیس لہا۔ عند التفاخر ایراد ولا صدر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ (۱۰۰-۷) اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۴۱-۵۳) کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے باخبر ہے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (۴۸-۲۸) اور حق ظاہر کرنے کو، خدا ہی کافی ہے۔

میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ (۴۰-۱۶) اور کوئی چیز خدا سے مخفی نہیں رہے گی۔

يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (۲۰-۷) وہ تو چھپے بھید اور پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس متعدد آیات ایسی ہیں جو اس معنی (یعنی علم باری تعالیٰ کے محیط ہونے) پر دال ہیں۔ اور قریب المرگ شخص کو بھی شہید کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا (۴۱-۳۰) الآیۃ ان پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ خوف نہ کرو۔

میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور فرمایا:۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ (۵۷-۱۹) اور اپنے پروردگار کے نزدیک شہید ہیں ان کے لئے ان کے اعمال کا صلہ ہوگا۔ اور شُهَدَاءُ کو شُهَدَاء یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حالت نزع میں ان نعمتوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار رکھی ہیں اور یا اس لئے کہ ان کے ارواح باری تعالیٰ کے ہاں حاضر کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (۳-۱۶۹) اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھنا اور آیت کریمہ:۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۵۷-۱۹) اور پروردگار کے نزدیک شہید ہیں۔ بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے اور آیت کریمہ:۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (۸۵-۳) اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی قسم۔

میں بعض نے کہا ہے کہ مَشْهُوْدٌ سے یوم جمعہ مراد ہے اور بعض نے یوم عرفہ مراد لیا ہے اور بعض نے یوم قیامت اور شَاهِدٌ سے ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو اس روز میں حاضر ہوگا اور آیت کریمہ:۔

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (۱۱-۱۰۳) (اور یہی وہ) دن ہے (جس میں خدا کے روبرو) حاضر کئے جائیں گے۔

میں مَشْهُوْدٌ بمعنی مُشَاهَدٌ ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ وہ دن ضرور آکر رہے گا۔

اَلتَّشَهُّدُ کے معنی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے کے ہیں اور عرف میں تشہد کے معنی اَلتَّحِيَّاتُ اور ان اذکار کے ہیں جو حالت تشہد (جلسہ) میں پڑھے جاتے ہیں۔

(ش ھ ر)

اَلشَّهْرُ (مہینہ) وہ مدت معینہ جو چاند کے ظہور سے شروع ہوتی ہے۔ یا دورانِ قمر کے بارہ

www.KitaboSunnat.com

حصوں میں سے ایک حصہ کا نام ہے جو ایک نقطہ سے شروع ہوکر دوسرے نقطہ پر ختم ہوجاتا ہے قرآن میں ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ (۲-۱۸۵) روزوں کا مہینہ، رمضان کا مہینہ ہے جس میں ۔۔۔۔۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (۲-۱۹۷) حج کے مہینے معین ہیں جو معلوم ہیں۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا (۹-۳۶) خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (۹-۲) تو مشرکو! زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔

اَلْمُشَاهَرَةُ کے معنی ہیں مہینوں کے حساب سے معاملہ کرنا۔ جیسے مُسَانَهَةٌ (سال وار معاملہ کرنا) اور مُيَاوَمَةٌ (دنوں کے حساب سے معاملہ کرنا) اَشْهَرْتُ بِالْمَكَانِ کسی جگہ مہینہ بھر قیام کرنا شَهَرَ فُلَانٌ وَاشْتَهَرَ کے معنی مشہور ہونے کے ہیں خواہ وہ شہرت نیک ہو یا بد۔

(ش ھ ق)

اَلشَّهِيْقُ۔ کے معنی لمبی سانس کھینچنا کے ہیں لیکن شَهِيْقٌ سانس لینے اور زَفِيْرٌ سانس چھوڑنے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ (۱۱-۱۰۶) اس میں ان کو چلانا اور دھاڑنا ہوگا۔

وَسَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا (۲۵-۱۲) اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔

اصل میں یہ لفظ جَبَلٌ شَاهِقٌ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی انتہائی بلند پہاڑ کے ہیں۔

(ش ھ و)

اَلشَّهْوَةُ کے معنی ہیں نفس کا اس چیز کی طرف کھنچ جانا جسے وہ چاہتا ہے۔ خواہشات دنیوی دو قسم پر ہیں صَادِقَہ اور کَاذِبَہ سچی خواہش وہ ہے جس کے حصول کے بغیر بدن کا نظام مختل ہوجاتا ہے جیسے بھوک کے وقت کھانے کی اشتہا اور جھوٹی خواہش وہ ہے جس کے عدم حصول سے بدن میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ پھر شَهْوَةٌ کا لفظ کبھی اس چیز پر بولا جاتا ہے۔ جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور کبھی خود اس قوت شہویہ پر اور آیت کریمہ:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ (۳-۱۴) لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں (بڑی) زینت دار معلوم ہوتی ہیں۔

میں شہوات سے دونوں قسم کی خواہشات مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ (۹-۵۹) اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔

میں جھوٹی خواہشات مراد ہیں یعنی ان چیزوں کی خواہش جن سے استغنا ہوسکتا ہو۔ اور جنت کے متعلق فرمایا:۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ (۴۱-۳۱) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گا۔

فِيْمَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ (۲۱-۱۰۲) اور جو کچھ ان کا جی چاہے گا اس میں ۔۔۔۔۔

رَجُلٌ شَهْوَانٌ وَشَهْوَانِيٌّ خواہش کا بندہ شَيْءٌ شَهِيٌّ لذیذ چیز۔ مرغوب شے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ش و ب)

اَلشَّوْبُ (ن) کے معنی ہیں غلط ملط کرنا۔

قرآن میں ہے:۔

لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ (۳۷-۶۷) گرم پانی ملا کر اور عسل کو یعنی شہد کو شَوْبٌ یا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام مشروبات میں ملایا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ اس کے ساتھ موم ملا ہوا ہوتا ہے مثل مشہور ہے[1] (مثل)

مَا عِنْدَہٗ شَوْبٌ وَّلَا رَوْبٌ نہ اس کے پاس شہد ہے اور نہ دودھ بالکل قلاش ہے۔

(ش و ر)

اَلشَّوَارُ کے معنی ظاہری سامان آرائش کے ہیں اور کنایہ کے طور پر اندام نہانی پر بولا جاتا ہے اور شَوَّرْتُ بِہٖ کے معنی ہیں میں نے اسے شرمندہ کیا۔ گویا اس کے ستر کو ننگا کر دیا۔

شُرْتُ الْعَسَلَ وَاَشَرْتُہٗ چھتے سے شہد نکالنا شاعر نے کہا ہے[2] (الرمل)

(۲۷۰) وَحَدِیْثٍ مِثْلُ مَاذِیٍّ مُشَارٍ

اور باتیں جو چھتے سے نکالے ہوئے تازہ شہد کی طرح شیریں تھیں۔

اور شہد نکالنے کے اعتبار سے شِرْتُ الدَّابَّۃَ کے معنی ہوئے گھوڑے کی دوڑ معلوم کرنا کہ کس قدر دوڑ سکتا ہے" اور خطیبوں کے متعلق کہا جاتا ہے:۔[3] مِشْوَارٌ کَثِیْرُ الْعِثَارِ کہ خطبے ایسی منڈی ہے جہاں بہت زیادہ لغزش کا خطرہ ہے۔

اور اَلتَّشَاوُرُ وَالْمُشَاوَرَۃُ وَالْمَشُوْرَۃُ کے معنی ہیں ایک دوسرے کی طرف بات لوٹا کر رائے معلوم کرنا یہ بھی شِرْتُ الْعَسَلَ سے مشتق ہے جس کے معنی چھتے سے شہد نکالنا کے ہیں قرآن میں ہے:۔

وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (۳-۱۵۹) اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو۔

اَلشُّوْرٰی ہر وہ امر جس میں مشورہ کیا جائے قرآن میں ہے:۔

وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۲-۳۸) اور اپنے کام آپس کے مشورہ سے کرتے ہیں۔

(ش و ظ)

اَلشُّوَاظُ۔ آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو قرآن میں ہے:۔

شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ (۵۵-۳۵) آگ کے شعلے اور دھواں۔

(ش و ک)

اَلشَّوْکُ کانٹا اور کبھی شَوْکَۃٌ اور شِکَۃٌ

---

[1] کذا فی النوادر لابی مسحل ۱۵ وراجع المثل اللسان (روب، شوب) ومنہ فی الحدیث: لاشوب ولا روب ای فی بیع ولا شراء فی البیع قال ابن الاثیر فی تفسیر ہذا الحدیث ای لاغش ولا تخلیط [2] قالہ عدی بن زید العبادی وھو من فحول شعراء الجاہلیۃ ذکرہ بروکلمن فی تاریخہ (۱:۱۲۴) وایضا الخزانۃ (۲: ۲۰) واولہ: فی سماع یاذن الشیخ لہ۔ والبیت فی اللسان (اذن، شور، موذ) والفائق (۱:۳۱) و (۱: ۲۳۷) والطبری (۳۰: ۱۷۷) ولراجع الاغانی (۲: ۱۸-۴۴) وجمہرۃ اشعار العرب ۱۰۳ وتاریخ الطبری والبیت فی الامالی المرتضی (۱: ۲۳۴) بغیرعزو والصحاح (موذ) وقبلہ: ولطاب قد تلہیت بہا۔ تصرت الیوم فی بیت قدارہ والقصیدۃ مقیدۃ القافیہ۔ [3] وفی الصحاح: ایاک والخطب فانہا: مشوار کثیر العثار۔

www.KitaboSunnat.com

کے لفظ سے اسلحہ اور شدت مراد ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ (۸-۷) کہ جو قافلہ بے شان و شوکت (یعنی ہتھیار) ہے۔

اور تشبیہ کے طور پر بچھو کے ڈنک کو بھی شَوْکٌ کہا جاتا ہے اور خار دار درخت کو شَجَرَۃٌ شَاکَۃٌ وَ شَائِکَۃٌ کہہ دیتے ہیں۔ شَاکَنِیْ الشَّوْکُ مجھے کانٹا چبھ گیا شَوَّکَ الْفَرْخُ چوزے نے کانٹے اور پر نکال لئے شَوَّکَ ثَدْیُ الْمَرْءَۃِ عورت کی چھاتی ابھر آئی شَوَّکَ الْبَعِیْرُ اونٹ کے انیاب کا لمبا اور کانٹے کی طرح تیز ہونا۔

(ش و ی)

شَوَیْتُ اللَّحْمَ وَاشْتَوَیْتُہٗ کے معنی گوشت بھوننا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

یَشْوِی الْوُجُوْہَ (۱۸-۲۹) ان کے چہروں کو جھلس دے گا۔

شاعر نے کہا ہے[1] (الرمل)

(۲۷۰) فَاشْتَوٰی لَیْلَۃَ رِیْحٍ وَاجْتَمَلَ

تو اس نے ٹھنڈی رات (یعنی قحط سالی) میں گوشت بھونا اور چربی پگھلا کر کھائی۔

اَلشَّوٰی جسم کے اطراف۔ ہاتھ پاؤں۔ وہ اعضاء جن پر زخم لگنے سے موت واقع نہ ہو محاورہ ہے۔ رَمَاہُ فَاَشْوَاہُ اسے تیر مارا تو اس کے اطراف پر لگا یعنی ایسے عضو پر نہیں لگا جس پر زخم لگنے سے انسان مر جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

نَزَّاعَۃً لِّلشَّوٰی (۷۰-۱۶) کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔

اور اسی سے غیر اہم معاملہ کو بھی شَوٰی کہا جاتا ہے کیونکہ شَوٰی مُقْتَل یعنی عضو رئیس نہیں ہوتا (جس پر زخم لگنے سے انسان مر جائے)

اَلشَّاۃُ بھیڑ۔ یہ اصل میں شَایِھَۃٌ ہے کیونکہ اس کی جمع شِیَاہٌ اور تصغیر شُوَیْھَۃٌ آتی ہے۔

(ش ی ء)

اَلشَّیْءُ بعض کے نزدیک شی وہ ہوتی ہے جس کا علم ہو سکے اور اس کے متعلق خبر دی جا سکے اور اکثر متکلمین کے نزدیک یہ اسم مشترک ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ماسوا پر بھی بولا جاتا ہے اور موجودات اور معدومات سب کو شے کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ شے صرف موجود چیز کو کہتے ہیں۔ یہ اصل میں شَاءَ کا مصدر ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے متعلق شے کا لفظ استعمال ہو تو یہ بمعنی شَاءٍ یعنی اسم فاعل کے ہوتا ہے اور غیر اللہ پر بولا جائے تو مَشِیْءٌ (اسم مفعول) کے معنی میں ہوتا ہے۔ پس آیت کریمہ:۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (۳۹-۶۲) خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

میں لفظ شی چونکہ دوسرے معنی (اسم مفعول) میں استعمال ہوا ہے اس لئے یہ عموم پر محمول ہوگا اور اس سے کسی قسم کا استثناء نہیں کیا جائیگا کیونکہ شی

---

[1] قالہ لبید داولہ: اونھنۃ فاتاہ رزقہ وقبلہ وغلام ارسلتہ امہ۔ بالوک فبذلنا ما سأل۔ وفی روایۃ واحتمل بالحاء بدل الجیم وقال فی شواہد الکشاف (۱) وروایۃ الجیم انسب مما فیہ والبیت فی تہذیب الالفاظ ۱۱۴ ودیوانہ ۳۹ والمعانی للقتبی ۔ ۱۸ رط۔ حیدرآباد ۱۳۲۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصدر بمعنی المفعول ہے مگر آیت کریمہ:۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً (۶-۱۹) ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے۔

میں شے بمعنی اسم فاعل ہے اور اللہ تعالیٰ کو اَکْبَرُ شَھَادَۃً کہنا ایسے ہی ہے جیساکہ دوسری آیت

فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (۲۳-۱۴)

(تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے)

میں ذات باری تعالیٰ کو اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ کہا گیا ہے۔

اَلْمَشِیْئَۃُ۔ اکثر متکلمین کے نزدیک مشیئت اور ارادہ، ایک ہی صفت کے دو نام ہیں لیکن بعض کے نزدیک دونوں میں فرق ہے (۱) مشیئت کے اصل معنی کسی چیز کی ایجاد یا کسی چیز کو پالینے کے ہیں۔ اگرچہ عرف میں مشیئت ارادہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے معنی اشیاء کو موجود کرنے کے ہیں اور لوگوں کی مشیئت کے معنی کسی چیز کو پالینے کے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو چاہنا چونکہ اس کے وجود کو مقتضی ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

ہاں اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا ارادہ کرنا اس کے حتمی وجود کو نہیں چاہتا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (۲-۱۸۵) خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ۔ (۴۰-۳۱) اور خدا تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ لوگوں میں عُسْر اور ظلم پائے جاتے ہیں۔

(۲) مشیئت اور ارادہ میں دوسرا فرق یہ ہے کہ انسان کا ارادہ تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر ہو سکتا ہے مثلاً انسان چاہتا ہے کہ اسے موت نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو مار لیتا ہے۔ لیکن مشیئت انسانی مشیئت الٰہی کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی جیسے فرمایا:۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ ...... (۸۱-۲۹) اور تم کچھ بھی نہیں چاہتے مگر وہی جو خدائے رب العالمین چاہے۔

ایک روایت ہے کہ جب آیت:۔

لِمَنْ شَاءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ (۸۱-۲۸) یعنی اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے۔ نازل ہوئی تو کفار نے کہا ہے یہ معاملہ تو ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم چاہیں تو استقامت اختیار کریں اور چاہیں تو انکار کر دیں اس پر آیت کریمہ:۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر موقوف نہ ہوتے اور ہمارے افعال اس پر معلق اور منحصر نہ ہوتے تو لوگ تمام افعال انسانیہ میں انشاء اللہ کے ذریعہ استثناء کی تعلیق پر متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ قرآن میں ہے:۔

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (۳۷-۱۰۲) خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائے گا۔

سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ صَابِرًا (۱۸-۶۹) خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔

یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَاءَ ..... (۱۱-۳۳) اگر اس کو خدا چاہے گا تو نازل کریگا۔

اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ (۱۲-۹۹) مصر میں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخل ہو جائیے خدا نے چاہا تو ۔۔۔۔۔۔
قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (۷ - ۱۸۸) کہدو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے
وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۔۔۔۔۔۔۔ (۷ - ۸۹) اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں)۔
وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (۱۸ - ۲۳) اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کر دوں گا مگر (ان شاء اللہ کہہ کر یعنی اگر) خدا چاہے۔

(ش ی ب)

اَلشَّيْبُ وَالْمَشِيْبُ بڑھاپا۔ بالوں کی سفیدی۔ قرآن میں ہے:۔
وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا (۱۹ - ۴) اور بڑھاپے سے سر شعلہ مارنے لگا۔
بَاتَتِ الْمَرْءَةُ بِلَيْلَةٍ شَيْبَاءَ عورت نے شب زفاف گزاری یعنی جس میں اسکی بکارت زائل کی گئی ہو اس کے برعکس بَاتَتِ الْمَرْءَةُ بِلَيْلَةٍ حُرَّةٍ وہ رات جس میں اس کی بکارت زائل نہ کی گئی ہو۔

(ش ی ت)

شِيَةٌ اصل میں وِشْيَةٌ ہے اس کی بحث باب الواو میں بیان ہوگی۔

(ش ی خ)

اَلشَّيْخُ کے معنی معمر آدمی کے ہیں۔ عمر رسیدہ آدمی کے چونکہ تجربات اور معارف زیادہ ہوتے ہیں اس مناسبت سے کثیر العلم شخص کو بھی شیخ کہہ دیا جاتا ہے۔ محاورہ ہے:۔
شَيَّخٌ بَيِّنُ الشَّيْخُوْخَةِ وَالشَّيْخِ وَالتَّشَيُّخِ یعنی وہ بہت بڑا عالم ہے۔ قرآن میں ہے:۔
هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا (۱۱ - ۷۲) یہ میرے میاں (بھی) بوڑھے ہیں۔
اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ (۲۸ - ۲۳) ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔

(ش ی د)

اَلْمَشِيْدُ (پلستر کیا ہوا، بلند) قرآن میں ہے:۔
وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (۲۲ - ۴۵) اور بہت سے بلند محل ہیں۔
تو مَشِيْدٌ کے معنی یا تو پلستر کی ہوئی عمارت کے ہیں اور یا مُطَوَّلٌ یعنی بلند کے ہیں۔ اگرچہ یہ بھی مآل کے لحاظ سے پہلے معنی کی طرف راجع ہے محاورہ ہے
شَيَّدَ قَوَاعِدَهٗ اس کی بنیادوں کو اسی طرح محکم بنایا جیسے گچ کی ہوئی ہوتی ہیں۔
اَلْاِشَادَةُ (افعال) کے معنی (بلند آواز سے شعر پڑھنا یا گانا) کے ہیں۔

(ش ی ط)

اَلشَّيْطَانُ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے[۱]۔

[۱] راجع (ش ط ن)

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹ - جے ماڈل ٹاؤن - لاہور
15107

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ش ی ع)

اَلشِّیَاعُ کے معنی منتشر ہونے اور تقویت دینا کے ہیں کہا جاتا ہے۔

شَاعَ الْخَبَرُ خبر پھیل گئی اور قوت پکڑ گئی۔

شَاعَ الْقَوْمُ قوم منتشر اور زیادہ ہو گئی۔

شَیَّعْتُ النَّارَ بِالْحَطَبِ ایندھن ڈال کر آگ تیز کرنا۔

اَلشِّیْعَۃُ وہ لوگ جن سے انسان قوت حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے اردگرد پھیلے رہتے ہیں اسی سے بہادر کو مُشَیَّعٌ کہا جاتا ہے۔

شِیْعَۃٌ کی جمع شِیَعٌ وَاَشْیَاعٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ (۳۷-۸۳) اور ان ہی یعنی نوح علیہ السلام کے پیروؤں میں ابراہیمؑ تھے۔

ھٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ وَھٰذَا مِنْ عَدُوِّہٖ (۲۸-۱۵) ایک تو موسیٰ کی قوم کا ہے اور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا۔

وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا (۲۸-۴) وہاں کے باشندوں کو گروہ در گروہ کر رکھا تھا۔

فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ (۱۵-۱۰) پہلے لوگوں میں (بھی)۔

وَلَقَدْ اَھْلَکْنَا اَشْیَاعَکُمْ (۵۴-۵۱) اور ہم تمہارے ہم مذہبوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔

(ش ء ن)

شَاْنٌ کے معنی حالت اور اس اتفاقی معاملہ کے ہیں جو کسی کے مناسب حال ہو اسکا اطلاق صرف اہم امور اور حالات پر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (۵۵-۲۹) ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔

شَاْنُ الرَّاْسِ کھوپڑی کی چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کے ملنے کی جگہ جس سے انسان کا قوام ہے اسکی جمع شُؤُوْنٌ آتی ہے۔

---

www.KitaboSunnat.com

تمت الجزء الاول

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

سنن ابو داؤد شریف (مترجم)

۴۸۰۰-احادیث نبوی ﷺ کا مستند اور گراں بہا مجموعہ
جس کو شیخ الاسلام زین المحدثین امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی
نے پانچ لاکھ احادیث نبوی ﷺ کے مجموعے سے منتخب فرمایا تھا

ترجمہ و فوائد

حضرت علامہ وحید الزمان رحمہ اللہ

پاکستان میں پہلی بار آفسٹ طباعت، آفسٹ کاغذ۔ تین دیدہ زیب
سنہری ڈائی دار جلدوں میں دستیاب ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں۔

ملنے کا پتہ

اسلامی اکادمی ○ اردو بازار
لاہور ○ پاکستان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ